وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا

معرکۂ مذہب و سائنس

یعنی

ڈاکٹر جان ولیم ڈریپر ایم اے ایل ایل ڈی

کی شہرۂ آفاق تصنیف

کانفلکٹ بٹوین ریلجن اینڈ سائنس

کا اُردو ترجمہ

مرتبۂ

ظفر علی خاں بی۔اے (علیگ)

حسب ایمائے انجمن اردو حیدر آباد دکن

مطبوعہ رفاہ عام اسٹیم پریس لاہور

طبع اول — سنہ ۱۹۱۰ء — ایک ہزار

مولوی عبدالحق صاحب مہتمم طبع کے اہتمام سے چھپی

انتساب

عالی جناب نواب محسن الملک مولوی سید
مہدی علی خاں صاحب مرحوم و مغفور جن کا نام
مسلمانانِ ہند کی علمی تاریخ میں آبِ زر سے لکھا
جا چکا ہے سب سے پہلے شخص تھے جن کی تحریک
پر میں نے آج سے پندرہ سال پہلے اس کتاب کا ترجمہ
اُردو میں کیا تھا۔ اس لئے میں اس کتاب کو جو اب
نظرِ ثانی کے بعد حواشی کے ساتھ مکمل ہو کر شائع ہوئی ہے
عالی جناب ممدوح کی پاک یاد کے ساتھ نسبت دینے
کی عزت حاصل کرتا ہوں ؛

ظفر علی خاں

سنہ ۱۹۱۰ء

معرکۂ مذہب و سائنس

فہرست مضامین

دوسرا باب
عیسائیت کی ابتدا

شاہی اقتدارات حاصل کرنے کے بعد اس کی قلب ماہیت۔ اس کا تعلق سائنس کے ساتھ۔ روما کی جمہوری حکومت کی مذہبی حالت۔ جمہوریت کے بدل بہ حکومت شخصی ہونے سے لوگوں کا میلان توحید کی طرف ہو جاتا ہے۔ سلطنت روما میں مذہب عیسوی کی اشاعت۔ عیسائیت کو حکومت جس طریقہ سے ہاتھ آتی ہے۔ اُس کے سیاسی مقتضیات۔ عیسائیت اور بت پرستی کے باہمی اتحاد کو لازمی قرار دیتے ہیں۔ عیسائیت کے عقاید اور رسوم کے متعلق ٹرٹلین کا بیان۔ قسطنطین کی حکومت عملی کا مخرب اثر۔ عیسائیت کا اتحاد حکمراں جماعت کے ساتھ۔ عیسائیت اور سائنس کا تناقض باہمی۔ کتب خانہ اسکندریہ کی بربادی اور تحصیل فلسفہ کی ممانعت۔ اگسٹائن کے فلسفہ اور پادریوں کے علوم کی حقیقت۔ کتب مقدس کو سائنس کا معیار قرار دیا جاتا ہے ✦ صفحہ ۴۷

تیسرا باب
نزاع مذہب و سائنس دربارۂ مسئلہ توحید۔ پہلی یعنی جنوبی اصلاح

اہل مصر اصرار کرتے ہیں کہ مریم عذرا کی پرستش کو رواج عام دیا جائے۔ قسطنطنیہ کا بطریق نسطور اُن کی مخالفت کرتا ہے لیکن انجام کار بوجہ اُس رسوخ کے جو مصریوں کو دربار قیصر میں حاصل ہے وہ نسطور کو جلاوطن کرا دیتے ہیں۔ اور نسطور کے پیرو منتشر ہو جاتے ہیں ✦

اصلاح جنوبی (یعنی اسلام) کا آغاز۔ حملہ ایران۔ اس کے اخلاقی نتایج ✦

اصلاح عرب۔ حضرت محمدؐ نسطوری فرقے کے راہبوں سے ملتے ہیں۔ اور اُن کے اصول اختیار کر کے ان اصول پر اپنی طرف سے بہت کچھ اضافہ کرتے ہیں۔ مریم عذرا کی پرستش مسئلہ تثلیث اور اُس عقیدے سے جو توحید باری سے توافق نہیں رکھتا وابا کرتے ہیں۔ عرب کی بت پرستی کو

بہ جبر مٹا دیتے ہیں اور دولت روما پر حملہ آور ہونے کی تیاریاں کرتے ہیں۔ آنحضرت صلعم کے جانشین شام مصر ایشیائے کوچک شمالی افریقہ اور ہسپانیہ کو مسخر اور فرانس پر حملہ کرتے ہیں +
اس کشمکش سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وحدت واجب الوجود کا اصول دولت روما کے اکثر حصہ میں رائج ہو جاتا ہے۔ سائنس از سر نو زندہ ہوتا ہے اور مسیحی دنیا کے بہت سے مشہور مرکز حکومت مثلاً اسکندریہ کارتھیج یہاں تک کہ بیت المقدس تک عیسائیوں کے ہاتھ سے نکل جاتے ہیں + صفحہ ۹۱

چوتھا باب

جنوب میں سائنس کا احیا

نسطوریوں اور یہودیوں کے اثر کی وجہ سے عرب اکتساب علوم و فنون کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ قضا و قدر اور سر نوشت ازلی کے متعلق ان کے خیالات میں تبدیلی واقع ہوتی ہے اور کائنات کی ہیئت ترکیبی کا ان کو صحیح صحیح علم ہو جاتا ہے۔ وہ زمین کی جسامت اور شکل کی تحقیق کرتے ہیں۔ ان کے خلفا عظیم الشان کتب خانوں کی بنا ڈالتے ہیں علوم و فنون کے ہر شعبہ کی سرپرستی کرتے ہیں اور رصد گاہیں قائم کرتے ہیں۔ وہ فن ریاضی کو ترقی دیتے ہیں الجبرا ایجاد کرتے ہیں اور فن ہندسہ و مثلث پر بہت کچھ اضافہ کرتے ہیں۔ فنون ریاضی و ہیئت کے متعلق قدیم یونانی تصانیف کا ذخیرہ جمع کرتے ہیں اور ان کا عربی زبان میں ترجمہ کرتے ہیں ارسطو کے طریقہ استقرائے تام پر اپنے فلسفہ کی بنیاد رکھتے ہیں بہت سے دار العلم قائم کرتے ہیں اور نسطوریوں کی مدد سے موجودہ وضع کے مدارس کھولتے ہیں۔ عربی سیاق و اعداد اور فن حساب کو رواج دیتے ہیں اور ستاروں کی فہرستیں مرتب کر کے ان کے نام رکھتے ہیں موجودہ فنون ہیئت و کیمیا و طبیعیات کی بنیاد رکھتے ہیں اور فلاحت و صنعت و حرفت کو بہت کچھ ترقی دیتے ہیں + صفحہ ۱۴۶

پانچواں باب

نزاع مذہب و سائنس در بارہ ماہیت روح مسئلہ انفصال و انجذاب

روح کی ماہیت کے متعلق قدیم اہل یورپ کے خیالات یعنی روح جسم کے مشابہ ہے۔

اہل مشرق کے فلسفیانہ خیالات۔ ہندو مذہب اور بدھ مذہب مسئلہ انفصال و انجذاب کی تلقین کرتے ہیں یہی مذہب ارسطو کا بھی ہے جس کی تقلید پیروان فلسفہ اسکندریہ اور بعد میں یہودی اور عرب کرتے ہیں یہی مسئلہ ایجینا کی تصانیف میں بھی پایا جاتا ہے +

اس مسئلہ کا تعلق مسئلہ بقا و تناسب قوت کے ساتھ جسم اور روح کے آغاز و انجام کی باہمی مماثلت۔ روح انسانی کا قیاس روح حیوانی پر +

فلسفہ ابن رشد جو انہیں واقعات پر مبنی ہے اسپین اور سسلی ہوتا ہوا مسیحی دنیا میں پہنچتا ہے + فلسفہ ابن رشد کے استیصال کی تاریخ۔ اسلام کا اس سے ابا کرنا۔ یہودیوں کے مذہبی طبقہ کی مخالفت۔ پاپائے روما کا اس فلسفہ کے مٹا دینے پر کمر باندھنا "انکویزیشن" (محکمۂ احتساب مذہبی) کا اسپین میں قائم ہونا۔ اس محکمہ کے وحشیانہ مظالم اور اُن کے نتائج۔ یہودیوں اور عربوں کا اخراج۔ یورپ میں فلسفہ ابن رشد کی پامالی "ویٹیکن کونسل" کا فیصلہ + صفحہ ۱۷۲

چھٹا باب

نزاع مذہب و سائنس دربارہ ماہیت عالم

ماہیت عالم کی نسبت مذہبی خیال یعنی زمین چپٹی ہے۔ بہشت اور دوزخ +

اہل سائنس کا خیال یعنی زمین گول ہے۔ زمین کی جسامت کی دریافت۔ نظام شمسی میں اس کا درجہ اور نظام شمسی کے دوسرے اعضا کے ساتھ اس کے تعلقات۔ کولمبس ڈی گاما اور میگیلن کے تین بڑے بحری سفر۔ سیاحت گرد زمین۔ ایک درجہ کی پیمائش اور رقاص ساعت کے ذریعہ سے کرویت زمین کی تعیین +

کوپرنیکس کے اکتشافات۔ دوربین کی ایجاد۔ گلیلیو "انکویزیشن" کے اجلاس میں حاضر کیا جاتا ہے۔ اُس کی سزایابی۔ سائنس کی فتح کلیسا پر +

جسامت نظام شمسی کی تحقیق کی کوشش۔ سیارہ زہرہ کے مرور منطقۃ البروج کی بنا پر آفتاب

ساتواں باب

نزاع دربارۂ عمر زمین

آٹھواں باب

نزاع دربارہ معیار حق

فلسفہ قدیمہ کا یہ دعویٰ ہے کہ انسان کے پاس احقاق حق کا کوئی ذریعہ نہیں +

قدیم مسیحیوں میں عقاید کے اختلافات۔ کلیسائی کونسلیں ان اختلافات کے مٹانے کی بے سود کوششیں کرتی ہیں۔ حجت معجزہ وحجت ابتلا کی ترویج +

پاپائے روما طریقہ اعتراف ستری کو جاری کرتا ہے - محکمہ احتساب عقاید کو اپنا آلۂ اقتدار بناتا ہے۔ اور اختلافات عقاید کے رفع کرنے کے لئے وحشیانہ مظالم پر اُتر آتا ہے +

قیصر جسٹینین کے مجلۃ القوانین کی دریافت اور قانون دینیہ کے نشوونما کا اثر نوعیت وماہیت شہادت پر۔ قانون شہادت میں درایت کی شان نمودار ہونے لگتی ہے +

"اصلاح کنیسہ" کی بدولت ہر انسان کو اپنی عقل اور سمجھ کے لحاظ سے رائے قائم کرنے کا حق حاصل ہوجاتا ہے۔ کلیسائے رومن کیتھولک دعویٰ کرتا ہے کہ حق وصدق کا معیار خود کلیسا ہے۔ فہرست کتب محرمہ کے اجراء سے وہ کتابوں کے مطالعہ کی ممانعت کرتا ہے اور حکم امتناعی کی خلاف ورزی کرنے والوں کا قلع وقمع سینٹ برتھالومیو کے قتل عام کے سے ذرائع سے کرتا ہے +

پروٹسٹنٹ مذہب تورات کو معیار حق تسلیم کرتا ہے۔ تورات کی موثوقیت پر نظر انتقاد ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ محرف ہے +

سائنس کی رو سے معیار حق انکشافات فطرت ہیں۔ پروٹسٹنٹ کے نزدیک یہ معیار کتب مقدسہ میں موجود ہے اور رومن کیتھولک کی رائے میں پاپائے معصوم اس کا مورد ومہبط ہے۔ صفحہ (۲۷۹)

نواں باب

نزاع درباره انتظام عالم

انتظام عالم کے تصور کی دو حیثیتیں ہیں۔ اول بذریعہ توفیق ربانی دوم بذریعہ قانون شق اول کا تعلق پیشوایان مذہب سے۔ شق ثانی کی ترویج کا مختصر بیان +

کیپلرؔ قوانین دریافت کرتا ہے جو نظام شمسی پر محتوی ہیں۔ پاپائے روما اس کی تصانیف کی تکفیر کرتا ہے۔ ڈاؔدنسی فلسفہ حرکات وحیل کی بنا ڈالتا ہے +

گلیلیو علم تحریک الاجرام کے اصولی قوانین دریافت کرتا ہے۔ نیوٹن اجرام سماوی کی حرکات کو ان قوانین کے حیز اطلاق میں لاکر ثابت کرتا ہے کہ نظام شمسی کی عنان نظم ونسق ہندسانہ جبر کے ہاتھ میں ہے۔ ہرشل ثابت کرتا ہے کہ کل کائنات اسی قانون کی تابع فرمان ہے مسئلہ ضبابتہ النجوم۔ اس پر متالہین کے اعتراضات +

اس امر کا ثبوت کہ ترکیب ارضی ونشو ونمائے سلسلہ نباتی وحیوانی تابع قانون ہے۔ نباتات وحیوانات کا ظہور بذریعہ پیدائش نہیں ہوا بلکہ بذریعہ ارتقا ہوا ہے۔

حکومت قانون کا ثبوت انسانی جماعتوں کے تاریخی حالات اور نیز افراد انسانی سے بہم پہنچتا ہے +

اصلاح یافتہ کلیساؤں میں سے بعض اس خیال کو کسی قدر ترمیم کے ساتھ تسلیم کر لیتے ہیں + صفحہ (۳۱۴)

دسواں باب

لاطینی مسیحیت اور تمدن جدید کا تعلق

ہزار سال سے بھی زیادہ عرصہ تک لاطینی مسیحیت نے یورپ کے عقل وادراک پر قبضہ کئے رکھا جس کے نتائج کی ذمہ داری اُس پر عاید ہوتی ہے +

ان نتائج نے جو شکل اختیار کی وہ اصلاح کینسہ کے وقت شہر روما کی حالت اور خانگی و عمرانی زندگی میں یورپ کی حالت سے ظاہر ہوتی ہے۔ اقوام یورپ کے کندھوں پر دہری حکومت کا جوا رکھا ہوا تھا یعنی ایک طرف انہیں حکام دنیوی کی متابعت کرنی پڑتی تھی دوسری طرف حکام دینی کی۔ اہل یورپ جہالت اوہام پرستی اور تکالیف مدنیہ میں مبتلا تھے۔ رومن کیتھولک مذہب کی ناکامیابی کی وجوہ۔ پاپائیت کی سیاسی تاریخ۔ دینی و روحانی حکومت سے ترقی کر کے یہ مطلق العنان شخصی حکومت کی شکل میں بدل گئی۔ کردینالوں کی انجمن اور کیوریا کی کارروائی۔ پاپائی خزانہ کے لئے بیش قرار محاصل کی ضرورت بداخلاقی کی محرک ہوتی تھی جو فائدے یورپ کو کیتھولک عہد حکومت میں پہنچے اُن میں حکومت کے منشا کو کچھ دخل نہ تھا بلکہ وہ محض اتفاقی یا ضمنی تھے +

(۲۵۰)

عام نتیجہ یہ ہے کہ پاپائیت کا سیاسی اثر موجودہ زمانہ کے تمدن کے حق میں مضر تھا صفحہ

گیارھواں باب

سائنس کا تعلق تمدن جدید کے ساتھ

سائنس کے عام اثرات کی مثال تاریخ امریکہ سے +

سائنس کا یورپ میں داخل ہونا۔ اسلامی اسپین سے چل کر سائنس کا گزر شمالی اٹلی میں ہوا۔ جہاں بوجہ اس کے کہ پاپائیت کا مستقر یونان میں منتقل ہو گیا تھا اس نے خاطر خواہ نشو و نما پائی۔ چھاپہ۔ بحری اسفار اور اصلاح کینسہ کا اثر۔ اطالوی مجالس علمی کا قیام +

سائنس کا عقلی اثر۔ اس نے یورپ میں اوراک کی طرز و روش بدل ڈالی۔ لندن کی رائل سوسائٹی اور دوسری علمی مجلسوں کے کارناموں سے اس کی تصدیق و توضیح +

سائنس کا اقتصادی اثر۔ ان بیشمار ایجادات متعلقہ فن جر ثقیل و فن طبیعیات سے ظاہر ہوتا ہے جو چودھویں صدی کے آغاز سے کی گئی ہیں۔ ان ایجادات کا اثر صحت بدنی اور خانگی

بارھواں باب

خطرہ کی آمد آمد

ضمیمہ

اغلاط نامہ کتاب معرکہ مذہب و سائنس

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴	۵	صیح	صحیح	۳۴۱	۱۶	قایل	قابل
۱۲۷	۱۵	کا	کی	۳۴۹	۵	کنٹسٹینس	لکنٹسٹینس
۱۳۱	۱۰	سے	کے	۳۵۱	۱۸	جھنکار	جھنکاڑ
۱۳۳	۱۹	چھو	چھوا	۳۶۱	۱۹	اب	اب ہم
۱۴۶	۲۱	مقبولہ	مقولہ	۳۶۴	۱	غلاظتان	غلاظتوں
۱۷۱	۱۳	داز	دراز	//	۱۶	چھین	چھین لی
۱۷۸	۱۶	ملاعت	ملاعن	۳۶۸	۱۳	القدس	القدسی
۲۴۴	۲۰	ایک لاکھ چھیاسی ہزار	دو لاکھ چھتیس ہزار	//	۱۴	لعنتن	لعنتیں
۲۵۴	۱۳	مناظر	مناظرہ	//	//	سضا	فضا
۲۷۷	۹	روایت	درایت	۳۷۱	۹	جاری	عاری
۲۸۰	۱۶	کے	سے	۳۷۶	۱۸	کلیسائی	کلیسا کی
۳۲۲	۲۰	بچنانچہ	چنانچہ	۳۷۸	۱	اکتنار	اکتناز
۳۲۳	۳	زمن	زمین	//	۱۹	کردینالوں	کردینالان
۳۲۹	۱۸	پرسے	پرسبنے	۳۸۲	۹	چالیس	چالیس سال
۳۳۶	۶	صغانر	صغائر	//	۲۰	زنایم	ذنایم
۳۳۷	۴	ضابتہ النجوم	ضبابتہ النجوم	۳۸۳	۱۵	سات	ساتھ
۳۴۰	۱۳	نمودار	نمودار نہیں	۳۸۴	۵	آرزو	آڑ
۳۴۱	۵	ہوتا ہو	ہوتا ہوا	۳۸۵	۱۶	ابرانی	عبرانی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۸۵	۱۹	ایرانی	عبرانی	۴۲۴	۱۱	آتی	چلی آتی
۳۸۷	۲	چھاینوں	چھاونیوں	۴۲۵	۲	ڈبروں	ڈابروں
"	۱۱	نشوونما	نشوونمائے	"	۶	لر	کر
۳۸۸	۱	موخذہ	مواخذہ	"	۲۰	کانسیں	کارنسین
۳۸۹	۱۸	رومن	کہ رومن	۴۲۶	۳	شربہ	اشربہ
۳۹۲	۹	پورپین	یورپین	۴۲۷	۲	ذرایعہ	ذرایع
۳۹۵	۱	انتباع	انتباہ	"	۱۵	مروج	مزوج
۳۹۶	۶	برفیٹر	بہ فیٹر	۴۲۹	۱۵	مسابفت	مسابقت
۳۹۷	۲۰	جنسی	جنس	۴۳۰	۱	سنہ ۱۶۶ء	سنہ ۱۶۰۱ء
۴۰۱	۱۵	طرف	طرح	"	۱۲	اتحاد	الحاد
۴۰۴	۳	خونزیر	خونریز	۴۳۳	۱۱	کھرپائی	کہربائی
۴۰۸	۱۴	مصر	عصر	"	۱۲	ایوان	الوان
"	۱۹	تاریخی	یہ تاریخی	"	۱۳	کیمبا	کیمیا
۴۱۲	۱۱	تحکم	تحکیم	"	"	تلثہ	ثلثہ
۴۱۴	۱۷	تعیرات	تغیرات	۴۳۴	۱۴	کے	کئے
۴۱۶	۷	جو	کہ جو	۴۳۵	۱۶	جاجو	جوا
"	۱۴	کئی	گئی	"	۱۸	ئے	سنئے
۴۱۷	۸	ارض کے	ارض کی کیفیت	۴۳۶	۱۶	انسادد	انسان
۴۲۲	۴	سریع السیرل	سریع السیر حل	۴۳۹	۴	جرچھاڑ	بوچھاڑ
"	۱۵	نہایت	ہی	۴۴۰	۸	ماموری	مامور

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴۴۴	۱۶	جھپکے	جھجکے	۴۵۴	۱۰	تغزیزی	تغزیری
۴۵۰	۳	غر	غیر	۴۵۶	۴	پر فلج	پر اُس فالج
۴۵۱	۱۱	جزیات	جزئیات	״	۱۳	رعم	رغم
۴۵۲	۱۰	خارج ار	خارج از	״	״	جس	روس جس
۴۵۳	۲۱	دیکھ کر	دیکھ کر کہ	۰	۰	۰	۰
مکرر							
۴	۱۲	کرتے	کرنے کے	۲۱۵	۵	پہنچتی	پہنچی
۷۴	۱۷	تثلیبت	تثلیث	۲۲۰	۲۰	بتانی	البنانی
۷۲	۱۸	بت برستی	بت پرستی	۲۲۳	۱۷	بلکہ	ملکہ
۸۱	۳	کامل	کاحل	۲۲۴	۱	اُٹھالیا	اُٹھایا
۱۰۸	۱۸	آخرینی	آفرینی	۲۴۷	۱۹	۲۴۸	۲۴۶
۱۰۸	۱۹	عرب کا	عرب	۲۵۱	۱۷	ذہریہ	دہریہ
۱۱۳	۴	آپ کی	اپنی	۲۵۴	۲۱	خہالی	خیالی
۱۴۸	۲۰	پکی	کھچی	۲۶۵	۶	بے ربڑہ	بے ربڑ ہ
۱۵۷	۱۰	البجاح	الحاح	۲۷۲	۱	ہے	تھی
۱۶۲	۱۷	دائرتھا	دائرتھی	۲۹۵	۱۵	اورامرا	امرا
۱۶۸	۱۰	جیب مستوی	اوتار	۳۱۲	۴	اُن	اُس
۱۶۸	۱۰	اوتار	جیب مستوی	۳۳۶	۱۴	معلوم	معلوم ہو
۱۸۵	۴	کیا جا	کیا جاتا	۳۳۷	۱۳	زبانوں	زمانوں

مقدمہ

کتاب معرکہ مذہب و سائنس

(رقمزدہ جناب مولوی عبدالحق صاحب بی۔اے۔ (علیگ)

سکرٹری انجمن اردو حیدرآباد دکن

ا

جن لوگوں نے فردوسی کی زندہ کتاب شاہنامہ کو پڑھا ہے انہیں جنگ سہراب ورستم کی دلکش داستان یاد ہوگی۔ شاعر نے اس رزم کو اس خوبی اور لطف اور فصاحت کے ساتھ بیان کیا ہے اور تخیل میں وہ شان پیدا کی ہے کہ بیان سے باہر ہے۔ دونوں آمادہ جنگ و پیکار ہیں لیکن ایک دوسرے سے بے خبر ہیں۔ اگر وہ ایک دوسرے کو پہچان لیتے تو یہ ہولناک سانحہ اور یہ پُرالم ٹریجڈی واقع نہ ہوتی +

اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ لطف و فصاحت کے ساتھ امریکہ کے نامور فاضل ڈاکٹر ڈریپر نے مذہب و سائنس کی رزم دکھائی ہے مصنف کا زور قلم اور تبحر شاعر کے تخیل کے قریب پہنچ گیا ہے۔ اس مضمون پر بحث کرنے میں فاضل مصنف نے دنیا کے تمام علوم اور مذاہب اور انسانی فطرت پر ایسی غائر اور وسیع نظر ڈالی ہے کہ گویا

دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے[۱]۔ کتاب ختم ہو جاتی ہے لیکن جنگ ختم نہیں ہوتی۔ پڑھنے والا سوچتا ہے کہ کیا یہ جنگ یونہیں ٹھنی رہے گی؟ کیا انسان ہمیشہ اسی دھکڑ پکڑ اور گدا میں رہے گا؟ کیا وہ یونہیں اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتا رہے گا۔ اور نور ہدایت کبھی نہ پہنچے گا؟ رستم و سہراب کے حال سے تین شخص واقف تھے ایک سہراب کا ماموں ژندہ رزم جسے اُس کی ماں نے اسی غرض سے اُس کے ساتھ کر دیا تھا دوسرا ہجیر۔ تیسرا کیکاؤس۔ لیکن افسوس کہ تینوں ہدایت سے باز رہے۔ پہلا درحقیقت نیک نیت ہے اور اسی کام کے لئے آیا ہے لیکن قبل اس کے کہ کچھ کہے رستم کے ہاتھ سے مارا گیا۔ دوسرا طرح طرح کے توہمات میں مبتلا ہو گیا اور اُس نے جان بوجھ کر اس راز کو چھپایا۔ تیسرے نے محض نفسانیت سے کام لیا۔ اسی طرح کی تین قوتیں مذہب و علم کی مصالحت میں بھی کھنڈت ڈالنے والی ہیں یعنی جہالت مخالفت حق اور نفسانیت لیکن توہمات اور نفسانیت ایک دن مٹ کر رہے گی۔ حق کا بول بالا ہو گا۔ دونوں مخالف ایک دوسرے کو جانیں اور پہچانینگے۔ ظلمت کا پردہ درمیان سے اُٹھ جائے گا۔ دوستی دشمنی سے۔ رنج راحت سے۔ اور بدبختی کامرانی سے مبدل ہو جائے گی۔ اور انسان کی کشمکش اور اُلجھن کا خاتمہ ہو جائے گا۔ کیونکر؟ اسے ہم آگے بیان کرینگے۔

---

[۱] میں اس موقع پر اس امر کا اظہار واجب سمجھتا ہوں کہ اس کتاب کا ترجمہ بھی ایسا ہوا ہے کہ اُردو زبان میں یادگار رہے گا۔ جہاں تک میرا علم ہے اُردو زبان میں یہ پہلی علمی کتاب ہے جس میں اصل کتاب کے زور اور فصاحت کو بعینہٖ قائم رکھا گیا ہے اس کتاب کے ترجمے میں دو بڑی مشکلیں تھیں ایک تو علمی اصطلاحات و علمی مباحث۔ دوسری زبان کی خوبی و فصاحت۔ اُردو سی بے بضاعت زبان میں ان دونوں کا قائم رکھنا بہت دشوار کام تھا۔ مگر مولوی ظفر علی خاں صاحب نے جو درحقیقت قابل مبارکباد ہیں اس مشکل کو نہایت خوبی سے آسان کر دیا ہے لیکن یہ اُسی سے ہو سکتا ہے جس کے قلم میں اس قدر زور و ادب زبان پر اس قدر قدرت ہو جیسی فاضل مترجم کو حاصل ہے۔

۲

بچے کو دیکھو اس کی ساری حرکات حیوانی اور اضطراری ہیں۔ اُس کا ہاتھ پاؤں مارنا۔ غوں غاں کرنا۔ ڈر سے سہم جانا۔ پیار کرنے سے ہمک کر آنا۔ ماں کی محبت۔ غیروں سے وحشت۔ غرض یہ وہ زمانہ ہے جب کہ حیوانی قویٰ کا غلبہ ہوتا ہے اور دماغی قویٰ ادنےٰ حالت میں ہوتے ہیں۔ جب بڑا ہو کر سیانا ہو جاتا ہے تو احساس اور خواہش کا زور شروع ہوتا ہے۔ اور اعلیٰ دماغی قویٰ کے نشو و نما سے نظام جسمانی کی قوت دھیمی پڑ جاتی ہے۔ احساس کی قوت بڑھ جاتی ہے اور حسی غدود و اعصابی کی ساخت اور توسیع میں ترقی ہونے لگتی ہے۔ یہ حالت جوانی دیوانی کی ہے۔ جب شباب کامل ہو جاتا ہے تو تمیز حیوانی۔ احساس اور خواہشات عقل کی تابع ہو جاتی ہیں اور دماغی قویٰ اپنا رنگ دکھاتے ہیں +

لہٰذا انسان کی نشو و نما کی تین صورتیں ہوئیں۔ حیوانی۔ احساسی اور عقلی +

قوۃ الحیوانیہ کے ذریعہ سے انسان اپنے جسم میں قوت جذب کرتا ہے۔ اور پھر اُسے اپنے افعال۔ جذبات و خیالات اور ارادے میں صرف کرتا ہے۔ مثلاً جسمانی ورزش (یعنی اعصابی حرکت) سے بھوک لگتی ہے۔ سخت رنج والم یا غصہ یا دیگر جذبات کی وجہ سے آدمی نڈھال ہو کر کام سے رہ جاتا ہے۔ بات یہ ہے کہ حیات قائم رکھنے کے لئے ہمیں غذا کی ایسی ہی ضرورت ہے جیسے انجن کو ایندھن کی۔ یہی ایندھن یا غذا اعضلات یا اعصابی ایشہ میں بدل جاتی ہے۔ جب ہماری قوت صرف ہوتی ہے تو ہمارا اندرونی انجن حساب پورا کرنے کے لئے ایندھن طلب کرتا ہے۔ اگر غذا نہ پہنچے گی تو حساب میں فرق آجائیگا اور ضعف اس قدر بڑھ جائے گا کہ رشتۂ حیات ٹوٹ جائے گا +

قوۃ الحیوانیہ قوت جمع کر لینے کے بعد اسے حیوانی حسی یا عقلی حصے میں صرف کر سکتی ہے۔ تمام حیوانات سوائے انسان کے اس قوت کو اپنی نشو و نما اور اس کے انتقال سے اپنی نسل کے نمو میں صرف کرتے ہیں۔ ان میں جو تھوڑی بہت عقل ہوتی ہے وہ غذا

کی تلاش گھر کی ساخت اور زوج کی جستجو میں کام آتی ہے۔ انسان اس قوت کو جو وہ غذا سے حاصل کرتا ہے چاہے تو اپنے جسمانی حصے کی تکمیل صرف کر سکتا ہے اور چاہے تو دماغی تکمیل میں ایک گنوار کو دیکھو اس کی زندگی بہت کچھ جانوروں سے ملتی جلتی ہے۔ وہ بہت بڑی مقدار قوت کی حاصل کرتا ہے اور اسے وہ عضلات۔ گوشت اور خون کے بنانے میں صرف کر دیتا ہے۔ اس کا صرف یہ مقصد ہے کہ اپنی زندگی کو قائم رکھے اور اپنی نسل کو بڑھائے تعلیم کا یہ اثر ہے کہ وہ اس قوت کو دماغ کی طرف رجوع کر دیتی ہے۔ اور وہ خون کی نہ تمام سطح پر پہنچاتی ہے جس سے خاکستری رنگ کے عروقی مادہ میں اکساد پیدا ہوتا ہے اور یہ تغیر خیال کے پیدا ہونے کی علامت ہے۔ دن میں جو کمی ہو جاتی ہے رات میں نیند اس کی تلافی کر دیتی ہے اور دماغی ذرات میں اضافہ اور دماغی تلفیف گہری ہو جاتی ہے۔ اور اکساد کے لئے زیادہ گنجائش نکل آتی ہے جس طرح بہت سی چیزیں خون کو بناتی اور بڑھاتی ہیں اسی طرح وہ بعض چیزوں کو بطور فضلے کے خارج بھی کرتا رہتا ہے جو پیشاب پسینہ وغیرہ کے ذریعہ سے نکل جاتی ہیں لیکن جس قدر قوت کہ جذب کی جاتی ہے وہ سب کی سب پیشاب وغیرہ کی راہ سے خارج نہیں ہو جاتی۔ بلکہ دماغی ورزش سے خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ اور وہ دماغ میں رہتے ہیں۔ اور ان خیالات کو دماغ میں قائم رکھنے کے لئے بہت سا حصہ قوت کا صرف ہوتا ہے یہ قوت اس طرح منتشر رہتی ہے +

صرف غذا کے ذریعہ سے ہی قوت دماغ میں داخل نہیں ہوتی بلکہ ہر حس کے ذریعہ سے کچھ نہ کچھ قوت پہنچتی رہتی ہے اور ہر عضلہ قوت کا توازن قائم رکھتا ہے۔ باصرہ۔ سامعہ۔ ذائقہ حرکت کی مختلف صورتیں ہیں جس طرح برف آس پاس کی اشیاء سے ایک مقدار حرارت کی جذب کر لیتی ہے۔ یہ حرارت قوت کی ایک صورت ہے۔ اور جب برف پانی کی شکل میں مبدل ہو جاتی ہے تو یہ قوت اس میں مستتر رہتی ہے۔ پانی جب بخار کی صورت اختیار کرتا ہے تو اور زیادہ قوت جذب کرتا ہے۔ اس طرح انجماد۔ سیلان

اور تبخیر قوت کی مختلف صورتیں ہیں۔ اسی طرح روشنی ایک قسم کی قوت ہے۔ جو روشن جسم کے اجزائے صغیر کی کپکپاتی ہوئی حرکت پر مشتمل ہے۔ اس کی لہریں آنکھ کی پتلی میں پہنچتی ہیں۔ اور پیچھے کی طرف پردۂ شبکیہ پر جا کر لگتی ہیں۔ اور اپنی حرکت دماغی اعصاب تک پہنچاتی ہیں جہاں وہ روشنی کے علم سے خیال کو پیدا کرتی ہیں۔ آواز بھی ہوا کی حرکت ہے۔ جب ہم اپنی اُنگلی سے ستار کے تار پر ضرب لگاتے ہیں تو ہوا میں حرکت پیدا ہوتی ہے۔ اور اس کی لہریں کان تک پہنچتی ہیں جو وہاں سے ڈرم (جوف طبل) میں تموج پیدا کرتی ہوئی اعصاب باصرہ میں جا گونجتی ہیں۔ اور وہاں وہ موسیقی کے خیال سے مبدل ہو جاتی ہیں +

غرض یہ کہ اعصابی فعل قوت میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ ہم اس صدمے کی قوت کو جو سرخی کی شعاعوں سے شبکیہ پر لگ کر دماغ پر پہنچتی ہے بتا سکتے ہیں لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ قوت کہاں صرف ہوتی ہے۔ لہذا وہاں پہنچ کر یہ مستتر رہتی ہے جس طرح کہ سورج کی قوت کوئلے کی تہوں میں مستتر ہوتی ہے۔ اور اُس وقت صرف ہوتی ہے جب وہ جلتا ہے اسی طرح سُرخ روشنی کی موجوں کے صدمے سے جو قوت پیدا ہوتی ہے وہ دماغ میں پہنچ جاتی ہے۔ اور وہاں جا کر خیال میں مبدل ہو جاتی ہے۔ اور حالت منفعلہ میں رہتی ہے +

جہاں ادراک نہیں ہوتا وہاں کوئی خیال بھی نہیں ہوتا۔ مادرزاد اندھے کے دماغ میں سُرخی کا کوئی خیال پیدا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ دیکھنے کے اعصاب میں وہ قوت نہیں پہنچی جس سے سرخی کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ نفی سے نفی پیدا ہوتی ہے۔ اور عالم خیال اور عالم مادی دونوں میں یہ حالت یکساں ہے +

پس جس چیز کو ہم نے دیکھا سُنا سونگھا یا چکھا نہیں اس کی نسبت ہم خیال بھی قائم نہیں کر سکتے +

عالم خیال یادداشتوں کے مجموعے یا اس کے صرف کا نام ہے - یہ یادداشتیں اور اکاتکے آثار باقیہ ہیں - اگر خیال صرف نہ کیا جائے گا تو وہ باقی رہے گا - مثلاً فرض کرو حسن کا خیال ہے - جب ایک مصور کوئی تصویر بنا رہا ہے اور اس خیال کو کام میں لانا چاہتا ہے تو یہ مستتر قوت اس کے دماغ میں سے فوراً نکل آتی ہے +

جانور کا فعل اضطراری ہوتا ہے - جسے تمیز حیوانی کہتے ہیں وہ احساس ظاہری کے تابع ہوتی ہے - تعقل سے اُسے کچھ علاقہ نہیں - انسان میں احساس کا اثر اعصاب دماغی تک جاتا ہے جہاں خیال پیدا ہوتا ہے اور وہ خیال شامل رہتا ہے - ادراک عقل کا دروازہ ہے - احساس علم ہے بیرونی اشیاء کا جو جسمانی اثر سے حاصل ہوتا ہے - ادراک میں یہ اعصابی اثر ایک مرحلہ اور طے کرتا ہے اور بوجہ اُس توافق کے جو دماغ اور بیرونی دنیا میں ہے یہ ذہنی صورت اختیار کرتا ہے اور عقلی یادماغی مظہر بن جاتا ہے - بعض اوقات آوازیں ہمارے کان تک پہنچتی ہیں مگر ان کا کچھ اثر نہیں ہوتا اس لئے کہ ہماری توجہ دوسری طرف ہے - یا بعض اوقات ہم آوازیں سنتے یا کتاب پڑھتے ہیں - مگر تھوڑی دیر تک سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں - لیکن جونہیں کہ رکاوٹ رفع ہو جاتی ہے احساس دماغی اعصاب تک پہنچ جاتا ہے ادراک واقع ہوتا ہے اور اُن الفاظ کے مطابق جو ہمارے کان تک پہنچے تھے خیال کی صورت قائم ہو جاتی ہے +

وہ اعصاب دماغی جو احساس سے متاثر ہوتے ہیں مقام جذبات لطیف انسانی ہیں - انسان میں یہ قوت ہے کہ وہ خیال کو جذبات لطیف کی صورت میں تبدیل کر سکتا ہے - مثلاً میں نے ایک شئے دیکھی - اس کا ادراک خطرے کی صورت میں ظاہر ہوا - خوف کے جذبہ کو تحریک ہوئی دل سُکڑنا اور دم گھٹنا شروع ہوا +

انسان میں دماغ بہت بڑی چیز ہے - یہ عقل کا دارالخلافہ ہے - اور اسی کی وجہ سے انسان و حیوان اور شائستہ اور غیر شائستہ انسانوں میں امتیاز ہوتا ہے - شائستہ

اور مہذب اقوام کے لوگوں میں دماغ کی مقدار زیادہ ہوتی ہے بہ نسبت حبشیوں یا اور جنگلی لوگوں کے بھیل یا گونڈ کی زندگی کا انحصار اُس کے جسم کی چستی اور چالاکی پر ہے اس لئے اُس کی قوۃ حیوانیہ بہ نسبت دماغ کے جسم پر زیادہ صرف ہوتی ہے۔ بخلاف اس کے ایک مہذب اور تعلیم یافتہ قوم کے افراد کا انحصار زندگی عقل پر ہے اور اس لئے اس کی قوۃ الحیوانیہ دماغ کو بڑھاتی اور جسم کو کمزور کرتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ عضلات کی ورزش سے جسم میں طاقت پیدا ہوتی ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ ہماری قوۃ حیوانیہ کی توجہ زیادہ عضلاتی ریشوں کے بنانے میں مصروف ہوجاتی ہے۔ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ تعلیم سے فہم تیز ہوجاتا ہے۔ یعنی قوۃ حیوانیہ دماغی مادہ کی پرورش میں لگ جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ جس قدر ہم اپنی قوت عضلاتی ورزش میں صرف کرتے ہیں اسی قدر عقلی فعل کمزور ہوجاتا ہے اور جس قدر دماغی کام پر زور دیا جاتا ہے اسی قدر عضلاتی قوت ضعیف ہوجاتی ہے ✦

دماغ کی فضیلت کے تو سب قائل ہیں لیکن جذبات انسانی کچھ ایسے قابل وقعت نہیں سمجھے جاتے حالانکہ یہ بھی بڑی چیز ہیں۔ لہٰذا اب ہم اُن کی طرف توجہ کرتے ہیں جذبات عقلی تحریک کے بہت بڑے محرک ہوتے ہیں اور ہمارے رنج و راحت کا حساب انہیں کے ہاتھ میں ہے بعض چیزیں ہم ایسی دیکھتے ہیں یا بعض آوازیں ہم ایسی سنتے ہیں جو ہمیں بھلی معلوم ہوتی ہیں۔ ہمارے جذبات ہماری عقل کو اُبھارتے ہیں کہ ایسا ڈھنگ نکال کہ اُن خوشگوار اثرات کا پھر اعادہ ہو سکے۔ لیکن بخلاف اس کے جب ہم بعض چیزیں ایسی دیکھتے یا بعض آوازیں ایسی سنتے ہیں کہ وہ ہمیں ناگوار گزرتی ہیں تو ہمارے جذبات عقل کو ایسے ڈھنگ نکالنے پر مجبور کرتے ہیں۔ کہ اُن کا نام نہ آنے پائے ✦

مطالعہ میں اگر لطف نہ آئے تو انسان کی دماغی ترقی کا خاتمہ ہوجائے۔ بال بچوں

عزیزوں اور دوستوں سے محبت نہ ہو تو نہ کوئی خاندان ہو نہ لطف محبت ہو شکل رنگ اور آواز کے تناسب سے اگر خوشی نہ ہو تو فنون لطیفہ بھی نہ ہوں - یہ سب جذبات کا کھیل ہے +

جذبات درحقیقت عقلی اور دماغی حرکت کا سرچشمہ ہیں اور ان کی نشوونما انسان کی بہبودی اور ترقی کے لئے ایسی ہی ضروری ہے جیسی قوائے عقلی کی نشوونما - خیالات اور جذبات کا تعلق ایسا گہرا ہے کہ وہ عموماً ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر کام کرتے ہیں لیکن بعض اوقات ان میں اَن بَن ہو جاتی ہے - مثلاً خواہش کا رجحان ایک خاص طرف ہے - مگر عقل کہتی ہے کہ نہیں یہ ٹھیک نہیں - اور یہی بنائے مخاصمت ہوتی ہے +

جذبات کا اثر جسم پر بہت بڑا ہوتا ہے - زیادہ غصہ کرنے سے دل کی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں - مارے شرم کے تمام سطح جسم پر خون دوڑ جاتا ہے - شدید جذبات کے اثر سے دماغی ریشوں میں بے ترتیبی پیدا ہو جاتی ہے اور دماغی امراض سے عقل میں فتور آجاتا ہے - ایک خبیث بدباطن کے چہرے کو دیکھئے کیسی پھٹکار برستی ہے بخلاف اس کے ایک نیک نفس زندہ دل کے چہرے کو ملاحظہ کیجئے جیسے پھول کھلا ہو +

اسی طرح جسمانی حالت کا اثر جذبات اور جذبات کے ذریعہ سے دماغ پر پڑتا ہے - بیمار آدمی کیسے چڑچڑے اور غصہ ور ہو جاتے ہیں - قوی آدمی کے جذبات بھی قوی ہوتے ہیں اور ضعیف کے ضعیف - جب طبیعت نڈھال ہوتی ہے تو خواہشیں بھی کمزور ہو جاتی ہیں +

غرض جذبات اور عقل دماغ کی دو حالتیں ہیں ایک زنانہ ہے دوسری مردانہ اگر صرف عقل ہی کی نشوونما اور ترقی زیادہ ہو گی تو جذبات مردہ اور کمزور ہو جائیں گے - اسی طرح اگر عقل کی طرف سے غفلت کی گئی اور جذبات کی پرورش زیادہ ہوئی تو انسان ذکی الحس اور ہر دلعزیز اور کم عقل ہو جاتا ہے +

جذبات کا کام عقل کو تحریک دینا اور عقل کا کام جذبات کو اعتدال پر لانا ہے۔ وہ ایک دوسرے کی امداد کے لیئے ہیں نہ کہ زائل کرنے کے لیئے۔

عقل انسان میں تشخص اور خود اعتمادی پیدا کرتی ہے اور جذبات مدنیت اور اُنس۔ بحیثیت عقل کے وہ ایک اور اکیلا ہے۔ اور بحیثیت جذبات کے وہ منجملہ اوروں کے ایک ہے۔ پرزور عقل و دماغ کا آدمی اپنے ابنائے جنس سے بھاگتا اور صحبت سے نفرت کرتا ہے۔ اور تنہائی میں خوش رہتا ہے۔ لیکن پرزور جذبات والے آدمی کے لیئے تنہائی موت ہے۔ وہ دوسروں میں ایسا گھل مل جاتا ہے کہ اس میں سے رفتہ رفتہ رنگ تشخص غائب ہوجاتا ہے۔ اور خیالات کو باقاعدہ ترتیب دینے کی قوت نہیں رہتی۔ پُرزور عقل و دماغ کا آدمی خود مختار اور آزاد سا ہوجاتا ہے اور سوسائٹی میں رہنے کے قابل نہیں رہتا۔ جہاں عقل ہی عقل ہوتی ہے۔ اور جذبات نہیں ہوتے وہاں صرف اپنی حفاظت اور اپنا ہی خیال ہوتا ہے جو خودغرضی تک پہنچ جاتا ہے۔ جذبات ہمیں صرف اپنی ایک ذات تک نہیں رکھتے بلکہ دوسروں کی طرف بھی مائل کرتے ہیں۔ دوسرے انسانوں اور اشیائے قدرت سے محبت ہوتی ہے اوروں کے درد کو ہم اپنا درد سمجھنے لگتے ہیں۔ اور اس کے ذریعہ سے دماغی قویٰ اور علوم و فنون میں ترقی ہوتی ہے۔

عقل اور جذبات میں اتحاد پیدا کرنا۔ ظاہر اور باطن میں موافقت قائم رکھنا۔ ایک دوسرے کو حد اعتدال سے نہ بڑھنے دینا جسم کے افعال کو عقل و جذبات کے زیر حکومت رکھنا مذہب کا کام ہے۔

فلسفہ و منطق اور علوم نظری عقل کو بڑھاتے اور ترقی دیتے ہیں۔ تمدن۔ پالٹیکس اور اتحادِ مقاصدِ انسانی و قومی جذبات کو فروغ دیتے ہیں لیکن مذہب کا حق یہ ہے کہ وہ عقل و جذبات کو ساتھ ساتھ اور برابر بڑھائے۔ باہم اعتدال قائم رکھے۔ اور قوت جسمانی کو دماغی اور احساسی حصہ جسم کی پرورش اور نشوونما میں یکساں صرف کرے۔

۳

حیات کے دو مقصد ہیں۔ ایک ذاتی ترقی دوسرا افزائش نسل +

قوت کے انجذاب کے لئے ضرور ہے کہ اس کا اندفاع بھی کیا جائے۔ اور اس غرض سے کہ وہ مادہ اور قوت کا انجذاب اور اندفاع کر سکے حیات کے لئے ضرور ہے کہ اس میں معرفت طبعی ہو۔ جہاں ساخت اعضا ادنےٰ درجہ کی ہے وہاں یہ کم ہوتی ہے۔ اور جہاں ساخت پیچیدہ ہوتی ہے وہاں زیادہ ہوتی ہے +

بقول لب نٹز کے حیات حجریات میں سوتی ہے۔ پھولوں میں خواب دیکھتی ہے اور انسان میں جاگتی ہے +

اس معرفت طبعی میں ارادہ ہونا چاہئے زندہ رہنے بڑھنے اور نسل کے بڑھانے کا۔ نیز طبعی تمیز ہونی چاہئے جس کے ذریعہ سے وہ سمجھے کہ کیونکہ زندہ رہنا بڑھنا اور نسل بڑھانی چاہئے۔ بغیر اس تمیز کے ترقی حیات کے لئے مناسب اور غیر مناسب اشیاء کا انتخاب کرنا نا ممکن ہے۔ اور بغیر اس ارادہ کے کہ زندہ رہنا چاہئے اس علم سے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا +

تمیز طبعی افزائش اور نشو و نما کا پیمانہ ہے۔ اس کا تعلق ہر وجود کی ضروریات سے اس طور پہ ہے کہ حیات کے ان دو مقاصد کے لئے کافی ہو۔ کیونکہ اگر یہ تعلق اس طرح قائم نہ ہو تو ممکن ہے کہ اس کی قوت ایسی شئے کے حاصل کرنے میں صرف ہو جائے جو حاصل نہیں ہو سکتی اور قوت کی تولید ضایع اور بیکار ہو جائے۔ پودے کو نشو و نما کے لئے روشنی کی ضرورت ہے۔ اگر یہ پودا کسی اندھیرے اور گرم حجرے میں لگا دیا جائے تو جو قوت اس نے زمین سے حاصل کی ہے وہ اس شے کے حصول کی کوشش میں صرف ہو جائے گی جو وہاں نہیں مل سکتی۔ جب یہ قوت اس کوشش میں صرف ہو جائے گی تو وہ مرجھانا شروع ہو گا۔ اور مر جائے گا +

پودے کی نشو و نما کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہے وہ پانچ چھ ہیں۔ وہ اُسے کچھ تو اُس زمین سے حاصل ہو جاتی ہیں جس میں وہ لگا ہوا ہے اور کچھ ہوا اور روشنی سے ؞

حیوانی زندگی کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہے وہ ایک جگہ نہیں۔ بلکہ دور پھیلی ہوئی ہیں۔ اور ان کے جمع کرنے کے لئے اُسے حرکت کی ضرورت ہے۔ لہٰذا وہ اُسے دی گئی ہے ؞

حیوانات کو ایک اور محرک شے عطا ہوئی ہے جو پودوں میں نہیں یعنی خوشی کا احساس یہ اُس وقت ہوتا ہے جب وہ ایسا فعل کرتا ہے جو اس کی کامل نشو و نما کا باعث ہوتا ہے اور ایک احساس تکلیف کا ہے جو اُس وقت ہوتا ہے جب کہ اس سے ایسا فعل صادر ہو جو اس کی ترقی کو روکے۔ اگر اُسے تکلیف محسوس نہ ہو تو وہ کھانے کی بھی کوشش نہ کریگا اور اس طرح اُس کی حیات کا خاتمہ ہو جائے گا ؞

حواس ارادہ کو اُکساتے اور تمیز طبعی کو سبق دیتے ہیں۔ لیکن نہ وہ ایک دوسرے سے مقدم ہیں اور نہ ایک دوسرے کا پیدا کرنے والا ہے چھوٹا پرند انڈے کے اندر نہ صرف خیال کرتا ہے بلکہ اس سے فعل بھی صادر ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ نکلنے کے لئے خول توڑتا ہے۔ اور باہر نکلتے ہی دانہ چننے کے لئے چونچ کھولتا ہے۔ قید کی حس نے اُس کے ارادہ کو اُبھارا جس سے اس کے عضلات حرکت میں آئی اور خول ٹوٹ گیا۔ لیکن یہ تمیز طبعی کا کام تھا۔ تجربہ سے کچھ علاقہ نہیں۔ کیونکہ اس سے پیشتر وہ کونسے ایسے محبس توڑ کر باہر نکلا تھا۔ اسی تمیز نے اس کی چونچ کھلوائی۔ یہ ننھا سا جانور زندہ ہے اور زندہ رہنے کی خواہش رکھتا ہے۔ اسے زندگی دی گئی ہے اور زندگی کے ساتھ زندگی کی محبت بھی عطا ہوئی ہے۔ چھوٹا بچہ دنیا میں ارادے۔ تمیز طبعی اور احساسات کے ساتھ آتا ہے۔ زندہ رہنا اس کے لئے لطف ہے۔ خواہش اس کا پہلا احساس ہے۔ اس خواہش کا پورا ہونا اس کی پہلی خوشی ہے۔ خواہش کا پورا نہ ہونا اس کی پہلی تکلیف ہے اور اس کی طلب

اس کی پہلی کوشش ہے کس تجربہ نے اُسے یہ بتایا ہے کہ مُنہ اور گلے کے ذریعہ سے دودھ کا پینا اُس کی زندگی کے لئے ضروری ہے - یہ تمیز طبعی ہے جس نے اُسے اس فعل پر آمادہ کیا جس سے اُس کی بھوک احساس رفع ہوا +

حیوانات کو خوشی اور تکلیف کے ایسے احساسات ہوتے ہیں جو اس کے حیوانی نشوو نما کا باعث ہوتے ہیں - ہر چیز جو حیوان کے اردگرد پائی جاتی ہے جہاں تک کہ اس کی ذاتی نشوونما یا اس کی نسل کی افزائش کا تعلق ہے یا تو اُسے خوشی دیتی ہے یا تکلیف +

نظام اعصابی ایک بڑا قوی آلہ قوت پہنچانے کا ہے - تمام جسم پر حسی اعصاب پھیلے ہوئے ہیں اور یہ سب اعصابی مرکز سے پھوٹتے ہیں جس میں باریک باریک اعصابی جڑیں ہوتی ہیں اور آپس میں خوب ملی ہوتی ہیں - سب سے بیرونی عصبہ جو اثر حاصل کرتا ہے وہ اسے دماغ تک پہنچاتی ہیں - اور وہاں یہ اثرات یا خیالات جمع رہتے ہیں - اور ان خیالات پر سے افعال سرزد ہوتے ہیں - دوسرے حیوانات خیالات پر سے کام نہیں کرتے ہیں - سوائے اس حالت کے جب وہ ان دو مقاصد کے مفید ہوں - یعنی ذاتی فلاح اور افزائش نسل +

انسان اور بھی کئی باتوں میں دوسرے حیوانات سے مختلف ہے - دوسرے حیوانات کو جو گرمی سردی محسوس کر سکتے ہیں - فطرت نے لباس اور پناہ دے رکھی ہے - مثلاً ان کے بال یا پر یا خول ہوتے ہیں یا زمین کے اندر کھوؤں اور غاروں میں رہتے ہیں - جہاں گرمی سردی کا گزر نہیں - لیکن جسم انسان کی اعصابی سطح بہ نسبت دوسرے حیوانات کے احساس کرنے میں بہت تیز ہے - اور تاہم وہ دنیا میں بے بال و پر کے ننگا منگا آتا ہے لہٰذا اُسے مصنوعی لباس کی ضرورت ہوئی لیکن لباس کے تیار کرنے کے لئے اُسے ایسی قوت عطا کی گئی ہے جو دیگر حیوانات کی تمیز طبعی سے اعلےٰ ہے +

اسی طرح عقل انسان کی حیوانی فطرت کے لئے ضروری ہے - ہر حیوان کو ایسی قوت عطا ہوئی ہے جو اُس کی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے کافی ہوتی ہے - اور یہ قوت اس

ضرورت کی مناسبت سے ہوتی ہے +

بھیڑ مادہ اور قوت کو غذا کے ذریعہ سے اپنے میں جذب کرتی ہے اور وہ قوت اُون کی شکل میں مادہ کو پیدا کرتی ہے۔ انسان میں یہی مادہ اور قوت ایک دوسری صورت اختیار کرتا ہے اور دماغ پیدا کرتا ہے۔ جو اُسے مصنوعی طور سے سردی سے بچانے میں مدد دیتا ہے +

اگر ہم انسان کی قوتوں پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ان کی وسعت محض شہوانی زندگی تک نہیں بلکہ اس سے پرے تک پہنچتی ہے۔ ممکن ہے کہ ایک جنگلی انسان کی خواہش اپنی حفاظت تک محدود ہو۔ مگر کثرت سے اقوام انسانی ایسی ہیں جن کی حالت اس سے مختلف ہے۔ ان کی آنکھوں اور کانوں کے ذریعہ سے دماغ میں وہ روشنی پہنچتی ہے جو ہماری زندگی کے اس حصے کو منور کرتی ہے جسے حیوانی یا مادی زندگی سے کچھ تعلق نہیں ہمیں رنگوں کے تناسب حسن صورت اور آوازوں کی موزونیت میں خاص لطف آتا ہے حیوانی زندگی کو ان کی مطلق ضرورت نہیں۔ انسان محسوس کرتا ہے کہ اُس میں حیوانی احساس کے علاوہ ایک اور احساس بھی ہے جسے روحانی کہنا چاہئے۔ کیونکہ اگر ہم اسے نہیں مانتے تو ایک خاص سلسلہ فطرتی تمیزوں۔ احساسات اور قوت ارادی کا محض بیکار جاتا ہے۔ انسان ایسی اشیاء سے بیحد مسرت اور لطف حاصل کرتا ہے۔ جنہیں اُس کے حیوانی احساس سے کچھ تعلق نہیں۔ آسمان پر خوشنما اور خوش رنگ دھنک کو دیکھ کر کتے یا گھوڑے کو کچھ احساس نہیں ہوتا۔ حالانکہ انسان اس سے لطف اُٹھاتا ہے کیوں؟ اس لئے کہ اس کے دیکھنے سے اُس کی روحانی زندگی پر اثر پڑتا ہے۔ جو اس کی نشوونما کے لئے ضروری ہے یہاں تک کہ بچے بھی اس لطف کا اظہار کرتے ہیں لوری یا گانا سننے سے اُنہیں بھی مزہ ملتا ہے۔ خوبصورت پھول دیکھنے سے وہ بھی اسی طرح خوش ہوتے ہیں +

انسان کی ساخت میں حصہ اسفل میں حیوانی آلات ہیں اور حصہ اعلےٰ میں روحانی

آلات حصہ اسفل کو ہاضمہ اور توالد سے تعلق ہے اور حصہ اعلیٰ قوت حاصل کرنے کا آلہ ہے۔ جسے حصہ اسفل توالد و تناسل میں صرف کر دیتا ہے حصہ اعلیٰ میں دماغ یعنی مقام عقل ہے۔ قوت حیوانی ارادے کے زور سے ہر طرف پہنچ سکتی ہے۔ جذبات گویا اس طرح واقع ہیں کہ ذراسی ٹھیس سے فطرت حیوانی یا فطرت روحانی کی طرف مائل ہو سکتے ہیں۔

وحشی اقوام میں قوت حیات شہوانی زندگی میں صرف ہوتی ہے اور دماغ بیکار رہتا ہے لیکن تعلیم یافتہ اقوام میں قوت حیات زیادہ تر دماغ کی طرف مائل ہوتی ہے اور شہوانی زندگی کمزور ہو جاتی ہے۔ کیونکہ سخت دماغی محنت سے اعصابی ریشے زیادہ بیکار ہوتے ہیں اور ان کی درستی کے لئے دوسرا اعصابی مادہ صرف ہوتا ہے۔ اور وہ ذرات جو توالد و تناسل کے لئے ضروری ہیں بننے بند ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا جس قدر دماغی محنت کی جائے گی اُسی مناسبت سے وہ توالد و تناسل کے مزاحم ہو گی۔ کیونکہ دماغی محنت میں وہ تمام قوت صرف ہو جاتی ہے جو بصورت دیگر اُن ذرات کے بنانے میں صرف ہوتی جو توالد و تناسل کا باعث ہوتے ہیں۔

جب توجہ فطرت حیوانی کی طرف ہوتی ہے اور جذبات و عقل کو اس کے تابع کر دیا جاتا ہے تو دماغ صرف اسی قدر کام دیتا ہے جیسے دوسرے حیوانات میں تمیز طبعی اُس وقت وہ مسرت جو حصول علم۔ ورزش عقل۔ احساس حسن وغیرہ سے ہو سکتی ہے۔ زائل ہو جاتی ہے۔ بخلاف اس کے جب عقل پر بےحد زور دیا جاتا ہے تو رنج و راحت کا وہ احساس جو اُن چیزوں سے حاصل ہوتا ہے۔ جو حیوانی فطرت سے بہت پرے ہیں تیز ہو جاتا ہے۔ اور فطرت حیوانی کمزور ہو جاتی ہے۔

رنج راحت کا ادراک کیا ہے؟ یہ درحقیقت قوت کی تحلیل کا نام ہے۔ چنانچہ دوسرے حیوانات کی زندگی کو دیکھو کہ انسان کو جن چیزوں سے لطف آتا یا صدمہ ہوتا ہے اُسے نہیں ہوتا۔ ایک گنوار کو عمدہ تصویر یا خوشخط کتاب دکھاؤ اُسے کچھ لطف نہ آئے گا۔ کیونکہ اُس کے

دماغ میں کوئی شے اُسے گرفت یا تحلیل کرنے والی نہیں ہے۔ اُس کی حالت صاف شیشے کی چادر کی سی ہے جس میں شعاعیں آئیں اور نکل گئیں +

اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح مادی قوت ہے ایک روحانی قوت بھی ہے اور روحانی توالد و تناسل کا سلسلہ عالم خیال میں جاری ہے مگر اس طرح نہیں جیسے ہم عالم مادی میں پاتے ہیں +

پانسو برس ہوئے ایک بڑے دانشمند نے ایک کتاب لکھی تھی۔ اُس کے خیالات ننھے ننھے بیج تھے جو ڈال دیئے گئے میں نے اس کتاب کو کھولا اور پڑھا۔ اُن بیجوں نے میرے دماغ میں جڑ پکڑی۔ بڑے ہوئے اور پھولے پھلے۔ میں نے ان خیالات کو بات چیت یا تحریر کے ذریعہ سے دوسروں تک پہنچایا۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ وہی خیالات وہی باتیں وہی تخیل نسلاً بعد نسل پیدا ہوا اور بڑھا اور زمانہ کی مناسبت سے انہیں تغیر تبدل بھی آتا رہا۔ گویا یہ سب اُن اصلی خیالات کی زندہ اولاد ہیں جو اُس وقت وجود میں آئے تھے جب تاریخ کا نام و نشان بھی تھا +

قطع نظر اس قیاس کے ہم مادی دنیا میں دیکھتے ہیں کہ قوت میں کیسی کیسی بڑی بڑی تبدیلیاں ہوتی ہیں۔ مثلاً قوت ہی کے تغیر و تبدل سے روشنی حرارت اور برق جیسی مختلف صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح دماغ میں بھی تغیر و تبدل سے قوت افعال ارادہ ادراک اور خیالات وجذبات کی صورت اختیار کر لیتی ہے +

حیوانی زندگی میں رنج و راحت سے قوت کی تحلیل کا پتہ لگتا ہے۔ اور ہم اُس قوت کا اندازہ جو بڑھتی اور نشو و نما پاتی ہے اُس قوت سے کر سکتے ہیں جو جذب یا داخل ہوئی تھی روحانی زندگی میں بھی رنج و راحت قوت کی تحلیل کو ظاہر کرتے ہیں۔ جو قوت کہ جذب ہوتی ہے وہ خیالات کے سلسلہ سے نشو و نما پاتی ہے +

مقصد حیات جس کے کارکن رنج و راحت ہیں حیوان کی نشو و نما اور اس کی نسل کی خوشحالی ہے

روحانی احساس کا مقصد روحانی زندگی کی نشوونما ہے جسم میں قوت کا انجذاب ہوتا ہے۔ اسی مناسبت سے اندفاع ہوتا ہے۔ اب جو باقی رہی اس سے نشوونما ہوتی ہے۔ حیاتت کے ذریعہ سے روحانی زندگی بڑھ سکتی اور نشوونما پا سکتی ہے۔ ہر درخت اور حیوان کی نشوونما کی ایک حد ہے۔ تو روحانی زندگی کی حد کیا ہے؟

جب ہم دیکھتے ہیں کہ ہمیں ایسی مسرتوں کا احساس ہوتا ہے جنہیں مادی فلاح سے کچھ تعلق نہیں تو ہمیں یقین ہوتا ہے کہ ہم میں کوئی ایسی قوت ہے جو ہمیں کسی خاص سمت میں لئے جا رہی ہے۔ وہ سمت کیا ہے؟

دنیا نے اس کے دو جواب دیئے ہیں۔ ایک یہ کہ انسان کی غایت تمدنی اور پولیٹیکل ترقی ہے اور اسی پر اسے ساری ہمت اور قوت صرف کر دینی چاہیئے اس خیال کی بنا پر بنی نوع انسان کُل ایک ہیں جن کا مقصد موجودہ کی تکمیل اور آئندہ کا کمال ہے۔ گزشتہ تجربہ اور علم سے فائدہ اُٹھا کر موجودہ زمانہ زیادہ ترقی یافتہ ہے۔ اور آئندہ زمانہ موجودہ سے زیادہ ترقی یافتہ ہوگا۔ غرض تمام توجہ اور خیال انسان کی آئندہ ترقی پر ہونا چاہیئے۔ اور نیکی اور برائی اسی میں ہے جس سے عام بنی نوع انسان کی بہبودی یا مضرت متصور ہو۔

لیکن اس پر اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ عقلی ترقی جسمانی انحطاط کا باعث ہوتی ہے جوں جوں تہذیب ترقی کرتی جاتی ہے اس میں ایسی خرابیاں پیدا ہوتی جاتی ہیں۔ جو وحشی اقوام میں نہیں پائی جاتیں۔ ایک وحشی قوم کے بدقوارہ ضعیف اور مریض افراد بچپن ہی میں مر جاتے ہیں۔ مہذب ممالک میں امراض اور جسمانی نقائص بڑھتے اور نشوونما پاتے ہیں۔ کیونکہ سائنس ان خرابیوں کی حفاظت کرتا انہیں پھیلاتا اور آئندہ نسلوں تک پہنچاتا ہے۔ وحشی اقوام میں از روئے انتخاب فطری ضعیف اور مریض خود بخود مر جاتے ہیں مہذب اقوام میں اس قانون پر عمل نہیں ہونے پاتا۔ اور اس لئے قوم میں انحطاط

پیدا ہو جاتا ہے +

سب سے ادنےٰ جان داروں میں سب سے زیادہ افزائش نسل ہوتی ہے۔ بعض چھوٹے جان دار ایسے پائے گئے ہیں کہ چند گھنٹوں میں اس قدر بچے پیدا کر دیتے ہیں کہ شمار سے باہر ہیں۔ دودھ پلانے والے جانوروں میں بلوغ تک پہنچنے کے لئے ایک زمانہ درکار ہوتا ہے اور بچے بھی کم پیدا ہوتے ہیں۔ اسی طرح جن جانوروں میں عقل کا درجہ بڑا ہے ان میں اولاد بھی کم ہوتی ہے۔ انسان میں بھی یہی قاعدہ جاری ہے غریب لوگ جنہیں جسمانی ورزش زیادہ کرنی پڑتی ہے اور عقل سے کام کم لینا پڑتا ہے ان کے کثرت سے بال بچے ہوتے ہیں۔ اعلےٰ تعلیم یافتہ لوگ جنہیں دماغی محنت زیادہ کرنی پڑتی ہے ان کے اولاد کم ہوتی ہے +

علاوہ اس کے تمدنی ترقی تقسیم کار میں ہے۔ غیر متمدن حالت میں جو کام ایک شخص کرتا تھا۔ وہ اب بیس شخص کرتے ہیں۔ پہلے ایک ہی شخص لوہا۔ بڑھئی۔ درزی۔ موچی۔ معمار ہوتا تھا۔ تھوڑی ترقی کے بعد لوہار کا کام ایک کرنے لگا۔ بڑھئی کا دوسرا۔ درزی کا تیسرا۔ موچی کا چوتھا۔ معمار کا پانچواں۔ اسی طرح ایک ایک پیشہ ایک ایک شخص کو مل گیا۔ اب جو اور ترقی ہوئی تو ایک ہی پیشہ کی کئی شاخیں ہو گئیں اور ہر شاخ کا کام علٰحدہ علٰحدہ شخص کرنے لگے۔ اور روز بروز کام کی تقسیم کو ترقی ہوتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ ایک شخص بولتا جاتا ہے۔ دوسرا لکھتا ہے۔ تیسرا صاف کرتا ہے۔ چوتھا اُسے صحیح کرتا ہے۔ حالانکہ یہ ایک ہی شخص کا کام ہے۔ کیا درحقیقت یہ تقسیم کار ترقی کی علامت ہے؟ انسان یہاں کچھ ایسے بکھیڑوں اور مصیبتوں میں پھنسا ہوا ہے کہ اُس کی خوشی کا دارو مدار زیادہ تر اُس کی ذات پر ہے۔ اُسے یہ خیال ہرگز تسلی نہیں دے سکتا کہ آئندہ دو ہزار یا تین ہزار سال کے بعد انسان کی یہ تکلیفیں رفع ہو جائیں گی۔ اس خیال سے اُس کی تکلیف یا درد میں تخفیف نہیں ہو سکتی۔ دوسرے ایک ایسی قوم میں جو اعلےٰ درجہ کی تہذیب

نہیں خوشی کی مقدار بہت زیادہ ہے بہ نسبت ایک ایسی قوم کے جو بہت زیادہ ترقی یافتہ اور مہذب ہے۔ ایک گنوار یا کھیت کے مزدور کو دیکھو کیسا خوش اور مگن ہے۔ برخلاف اس کے دنیا کے بڑے بڑے شہروں میں جاؤ مثلاً لندن پیرس۔ چکاگو۔ نیویارک میں جو چشم و چراغ عالم کہلاتے ہیں۔ وہاں امرا خوشی کی جستجو میں مارے مارے پھرتے ہیں طرح طرح کی کوشش کرتے ہیں دولت صرف کرتے ہیں لیکن پھر بھی خوش نہیں رہ سکتے اور غریب ہیں کہ قعر مذلت وافلاس میں پڑے ہیں۔ لہذا محض تمدنی و پولیٹیکل ترقی اور محض یہ خیال کہ آئندہ کسی بعید زمانے میں یہ تکلیف اور رکاوٹیں رفع ہو جائیں گی انسان کے دل کو تسلی نہیں دے سکتا۔

اب دوسرا جواب مذہبی عقیدہ میں ہے۔ مذہبی خیال میں حیوانی فطرت کو دخل نہیں۔ ذاتی یا انفرادی مقصد انسان کو زیادہ تحریک دیتا اور اُبھارتا ہے بہ نسبت ایک ایسے مقصد کے جس کا تعلق عام بہبودی سے ہو۔ اور انسان میں ایک ایسی خواہش موجود ہے۔ اس میں کچھ شبہ ہو نہیں سکتا۔ عام بہبودی یا ایثار کا خیال ذاتی بہبودی کے خیال کو روک دیگا اور تمدنی اور سیاسی ترقی کی طرف لے جائے گا۔ انفرادی بہبودی کا خیال انفرادی ترقی کا باعث ہوگا۔ اُن قویٰ اور امتیازات کا وجود جو انسان کو دیگر حیوانات سے ممیز کرتے ہیں قطعی ہے۔ دوسرے حیوانات اس وقت تک نہ کوئی خیال سوچتے ہیں اور نہ کسی خیال کو اپنی خواہش کا مصداق قرار دیتے ہیں جب تک کہ وہ ان کی ذاتی نشوونما یا ترقی کا باعث نہ ہو گھوڑا کبھی گوشت کھانے کا خیال نہیں کرتا کیونکہ وہ اس کی نشوونما کے لئے ضروری نہیں ہے پس وہ چیزیں جن کے لئے انسان کی حیوانی فطرت خواہشمند ہے ضرور حقیقی وجود رکھتی ہیں۔ اسی طرح وہ چیزیں جن کی طرف انسان کی دماغی اور جذباتی فطرت دوڑتی ہے ان کا بھی ضرور کوئی وجود ہے۔ تمیز طبعی ایک قسم کی خواہش ہے جو ہمارے وجود کے قانون کا اتباع کرتی ہے اور ہر قانون کا مقصد مخلوق کی خوشی اور تکمیل ہے ⁂

انسان کی مذہبی تمیز کا سراغ لگانا اس کی بہبودی کے قانون کا سراغ لگانا ہے۔

جب مذہبی تمیز ہم میں نمودار ہوتی ہے تو وہ ہماری روحانی فطرت کی آواز ہے جو اُس غذا کو طلب کرتی ہے جو اُس کی حیات و تکمیل کے لیئے ضروری ہے۔ جب کبھی مذہبی تمیز ہمیں غلطی کی طرف لے جاتی ہے تو اس کے معنی نہیں ہیں کہ وہ مذہبی تمیز غلط ہے بلکہ یہ بات ہے کہ اُس نے اسی قسم کی دوسری تمیزوں کو دبا دیا ہے۔ مثلاً ہر طریقہ گورنمنٹ صحیح اصول پر قائم ہوتا ہے لیکن جب وہ دوسرے صحیح اصولوں کو پائمال کر دیتا ہے تو اس طریقہ گورنمنٹ میں زوال شروع ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مذہب میں غلطی پیدا ہوتی ہے۔ یعنی جب وہ مجموعہ توہمات ہو جاتا ہے تو اس کے نظام میں خرابی واقع ہو جاتی ہے کسی ایک صداقت میں مبالغہ کیا جاتا ہے اور اُسے آسمان پر چڑھا دیا جاتا ہے اور دوسری صداقتوں سے بالکل روگردانی اختیار کرلی جاتی ہے۔ اس وقت مذہب کو زوال شروع ہوتا ہے +

۴

انسان میں دو طبعی تمیزیں ایسی ہیں جن کا اثر انسان کی تمدنی زندگی پر بہت بڑا ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک تو ہر واقعہ کے سبب دریافت کرنے کی چونپ ہے۔ دوسرے منتہائے کمال کا تصور۔ اب ہم ان دونوں پر الگ الگ غور کرینگے +

انسان کے دماغ پر دو قسم کے اثرات پڑتے ہیں۔ ایک بیرونی اشیا کا اثر حواس کے ذریعہ سے۔ یعنی حس ایک ذریعہ ہے جس سے بیرونی اشیاء اور دماغ میں تعلق قائم ہوتا ہے اگر کسی میں کوئی حس نہیں تو اس حس کی وجہ سے جو خیال قائم ہوتا ہے وہ نہیں ہو سکتا۔ مثلاً ایک مادرزاد اندھے کو سرخی کا کوئی خیال نہیں ہوسکتا +

دوسرے اندرونی اثرات جو دماغ خود اپنے تعلق سے جس سے انسان کی شخصیت قائم ہے حاصل کرتا ہے۔ یہ مسرت۔ غصہ اور خواہش کے ادراک ہیں +

یہ ادراکات مفرد اور غیر منقسم ہیں اور تعریف کی حدود میں نہیں آسکتے گویا معرفت طبعی کے انتہائی سالمات ہیں جن کے ملنے اور ترکیب پانے سے بے شمار مختلف صورتیں قائم

ہوتی رہتی ہیں۔ انہیں ادراکات پر بعض ایسے ابتدائی عقائد کی بنیاد ہے جو بہت عام ہیں اور انسان بہت ابتدا میں انہیں حاصل کرتا ہے۔

علت و معلول کا عقیدہ بھی اسی قسم کا ہے۔ تمیز طبعی انسان کو علت و معلول کی تلاش پر اُبھارتی ہے۔ کیونکہ اس کی صداقت کا اُسے پورا یقین ہے۔ بغیر اس کے دنیا کی ترقی ناممکن ہے۔ اور دنیا محض اتفاقی نتائج کا مجموعہ نظر آئے گی۔ اور حکمت و سائنس اور علم اخلاق کا مطالعہ بیکار ہوگا۔

علت کے معنی کیا ہیں؟ جس کی وجہ سے کوئی شے وجود میں آئی ہے علت اولےٰ کہلاتی ہے۔ اور بعد ازاں جو اس میں تغیر و تبدل کرتی ہے اُسے علت ثانیہ کہتے ہیں۔ اگر کوئی جسم جو حرکت میں ہے کسی دوسرے جسم سے جو ساکن ہے ٹکرائے اور اسے حرکت دے تو اس کی علت ثانیہ پہلے جسم کی قوت متحرکہ ہے لیکن ساتھ ہی خیال اس طرف بھی جاتا ہے کہ پہلے جسم کی حرکت کی بھی کوئی علت ہے۔ علل ثانیہ ایک سلسلہ علل کا ہے جو علت اولےٰ پر جا کر ختم ہوتا ہے اور انسان فطرتاً علل ثانیہ کے سلسلہ میں اُس مصدر حرکت کو ٹٹولتا ہے۔ جو خود بخود پیدا ہوئی اور جسے وہ علت اولےٰ کہتا ہے۔

علت کا خیال مفرد نہیں ہے۔ بلکہ اس میں ایک تو خیال وجود کا ہے اور دوسرے اُس تعلق کا جو عدم سے وجود میں آتا ہے۔ صرف وجود کا ہونا علت کے خیال کے لئے کافی نہیں۔ کیونکہ اس کے متعلق یہ تصور کرنا ممکن ہے کہ وہ سلسلہ علت و معلول سے بالکل الگ ہے۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ایک شے ہے تو اگرچہ ہم صحیح طور پر نہیں کہہ سکتے کہ اس بیان سے کیا مطلب ہے۔ لیکن اس میں شبہ نہیں کہ ہم اُسے پورے طور سے سمجھ لیتے ہیں۔ اب اگر ہم اُن تمام اشیاء کو جو نہیں ہیں الگ کر دیں۔ نیز ہم یہ فرض کر لیں کہ کوئی اور ایسی شے نہیں ہے جو ان کے پیدا کرنے والی ہو یا ان کے پیدا کرنے میں اس نے حصہ لیا ہو۔ تو عدم سے وجود میں آنے کی حالت ہمارے لئے بالکل ناقابل

تصور ہوگی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ عدم سے وجود میں آنے کی حالت کا خیال بالکل ناممکن ہے۔ جو عدم کی حالت سے وجود میں آتا ہے تو اُسے اس حالت کے پیدا کرنے کے لئے ایک ایسی شے کی ضرورت ہے جو اس سے بالکل الگ ہو۔ یہ انسان کا ابتدائی عقیدہ ہے جو کسی طرح مٹ نہیں سکتا۔ یہاں تک کہ جو فلسفی سلسلۂ علّت و معلول سے انکار کرتے ہیں وہ بھی اپنی زندگی میں ہر وقت اور ہر آن اسی پر عمل کرتے ہیں +

کیا یہ عقیدہ قابل اعتماد ہے یا محض دھوکا ہے؟

اگر یہ دھوکا ہے تو کیا وجہ ہے کہ انسان علت کا خیال اُس واقعہ سے متعلق کرتا ہے جو دوسرے واقعہ سے وقت میں مطابق یا اس سے قبل ہے۔ چاند کی تبدیلی اور موج کی ٹہ ایک ہی وقت میں پائی گئی۔ انسان نے چاند کی تبدیلی کو موج کی مد کا باعث قرار دیا لیکن یہ کیوں نہیں خیال کیا کہ چاند کی کمی بیشی موج کی مد و جزر کی تابع ہے +

ایک کے بعد دوسرے واقعہ کا ہونا ہمیشہ یکساں پایا گیا ہے اس میں کبھی تغیر و تبدل نہیں پایا جاتا اور یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ یکسانی ہمیشہ قائم رہے گی۔ اور تاہم علّت کا خیال ان میں سے کسی پر عائد نہیں کیا گیا۔ دن رات کے بعد آتا ہے مگر کوئی یہ نہیں کہتا کہ رات دن کی علت یا سبب ہے +

علّت و معلول کا نتیجہ تجربہ سے اور پختہ ہو جاتا ہے۔ تجربہ یقین کا معلم ہے جس طرح احساس تمیز طبعی حیوانی کا۔ اگر تجربہ نہ ہوتا تو ہم کبھی نہ سمجھتے کہ کسی علت کا ہونا ممکن ہے۔ کیونکہ وجود کے خیال میں یہ ضرور نہیں ہے کہ قوت کا خیال بھی ہو۔ قوت کا تصور ہو سکتا ہے لیکن یہ ہم نہیں جان سکتے کہ کوئی چیز حقیقت میں ویسی ہے۔ اس طرح قوت کا خیال توہم میں ہے مگر مشاہدہ نہیں کر سکتے +

علت و معلول کا عقیدہ نہ صرف ہماری نشو و نما بلکہ ہماری اعلےٰ ہستی کی ترقی کے لئے بھی ضروری ہے۔ حیوان کو علت کا کوئی خیال نہیں وہ صرف علل ثانیہ کو دیکھتا ہے۔ کو آ

تجربہ سے بندوق دیکھ کر ڈرنے لگتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اس نالی میں سے گولی نکلی تو مجھے چوٹ لگے گی یا مر جاؤں گا۔ لیکن وہ کبھی یہ نہیں سوچتا کہ ایسا کیوں ہوتا ہے۔ اور اس لئے حیوان کبھی بارود کی ترکیب نہ معلوم کر سکے گا۔ اگر یہ دھوکا ہوتا تو تعجب ہے کہ کیوں لاکھوں آدمیوں کے تجربہ نے اسے غلط ثابت نہ کر دیا؟ اور پھر کیوں انسان اس کی وجہ سے وحشت و جہالت سے نکل کر تہذیب و شائستگی تک پہنچ گیا۔ جس شوق و ذوق سے انسان اسباب کے دریافت کی تحقیق کرے گا اسی قدر اُسے ترقی ہوگی۔ حیوان جو علل ثانیہ تک پہنچ کر رہ جاتا ہے۔ اُسی حالت میں ہے +

ادنےٰ سے ادنےٰ دماغ بھی یہ محسوس کرتا ہے کہ اُس میں قوت ہے اور اس قوت کا مقام ارادہ ہے اور یہیں سے انسان کے تمام افعال صادر ہوتے ہیں۔ گو انسان ارادے کی تمام حرکات پر غور نہ کرے لیکن وہ اپنا کام کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ ہر ہر قدم اسی پر منحصر ہے۔ جہاں ارادہ رُکا ہم چلنے سے رُک جاتے ہیں۔ انسان کا خیال ہے کہ وہ اپنے ارادے میں مختار ہے اور اُس کے تمام افعال اس مختار قوت پر مبنی ہیں اُس کا یہ خیال کہ اُس کے افعال ارادی بعید اسباب کا نتیجہ ہیں وہ سخت منطقی دلائل سے پیدا کرتا ہے اور ایک مدت کی مشق کے بعد اپنے آپ کو اس خیال کے تابع کرنے پر مجبور کرتا ہے +

عالم مادی میں انسان ایسی اشیاء میں تغیرات دیکھتا ہے جو عقل سے عاری ہیں۔ وہ ایسی حرکات دیکھتا ہے جس کا باعث وہ نہیں ہے اور ایسے نتائج دیکھتا ہے جن میں اُس کا دخل نہیں ہے۔ اس لئے وہ ایک ایسی قوت کے وجود کے اقرار کرنے پر مجبور ہے۔ جس پر اُسے کوئی قدرت نہیں۔ جو اُس سے پیدا نہیں ہوتی۔ اور جو اُس سے زیادہ قوی ہے +

انسان میں قوائے دماغی مادہ پر عمل کرتے ہیں۔ جہاں مادہ بلا توسط انسان حرکت

میں آتا ہے انسان اس کے سبب دریافت کرنے کی ٹوہ میں رہتا ہے اور اُسے وہ ایک دیسی قوت میں معلوم کرنے کی توقع رکھتا ہے جو اُس سے باہر ہے اور اسی قسم کی ہے جیسی اُس میں ہے۔ ایک ادنےٰ عقل یا غیر صحیح مشاہدہ چھوٹے چھوٹے اسباب (علل) میں بھٹک کر رہ جائے گا۔ لیکن جوں جوں عقل روشن اور وسیع ہوتی مشاہدہ زیادہ قوی اور تیز ہوتا ہے سبھ قریبی اور درمیانی سلسلہ اسباب سے ہوتے ہوئے خود زرا سرچشمہ حرکت تک پہنچ جاتی ہے۔

باصرہ ایسی حس ہے جو قدرت نے لاکھوں کروڑوں انسانوں کو عطا کی ہے۔ لیکن سب میں ایک سی قوت بصارت نہیں ہوتی۔ صحیح طور سے دیکھنا آنکھ کی قوت یا خوبی پر منحصر نہیں ہے۔ بلکہ تعلیم کا نتیجہ ہے۔ یہی حالت چشم بصیرت کی ہے بعض معلومات کے ذریعہ سے علل کو زیادہ تیزی اور خوبی سے دیکھتے ہیں لیکن ادنےٰ اسباب یا علل کے خول سے نکل کر قوت اولےٰ کے مغز تک پہنچنا تربیت یا تعلیم یافتہ عقل کا کام ہے۔

انسان معلوم سے غیر معلوم کو دریافت کرتا ہے۔ اس لئے اُس نے جو اُس قوت کو جو نیچر میں پائی جاتی ہے اپنی قوت ارادہ کی مثل سمجھا تو اُس کا ایسا سمجھنا جائز ہے۔ جب اُس نے ایسے معلولات دیکھے جن کی علل کو وہ نہیں بتا سکا تو انہیں ایک ایسی قوت مختار سے منسوب کرنا جو مادہ کے اندر اور باہر ہے بالکل جائز ہے۔ یہی خدا کے خیال کی اصل ہے۔ اب خواہ خدا بہت سے ہوں۔ اور درختوں دریاؤں پہاڑوں بادلوں اور ہواؤں میں ہوں خواہ ایک علت اعلیٰ ہو جو کائنات کا خالق اور قائم رکھنے والا ہے۔

اس مسئلہ میں بنی نوع انسان کے عام اتفاق کو گزشتہ زمانہ کے الہام کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے لیکن اصل یہ ہے کہ اکثر اقوام ایک ہی صغریٰ کبریٰ سے ایک ہی نتیجہ پہنچی ہیں الہام انسان کی ذات اور اصول علت و معلول کی صداقت کے یقین میں ہے اور یہ الہام ہر ذی عقل پر ہوتا ہے۔

اب ہم انسان کی دوسری تمیز طبعی پر توجہ کرتے ہیں جو انسان کو منتہائے کمال کی طرف لے جاتی ہے ⁂

حجریات و نباتات و حیوانات سب میں قوت انتخاب پائی جاتی ہے۔ ہر شے دوسری اشیاء میں سے اُسی سے ملتی یا اُسے جذب کرتی ہے جو اس کے لئے مفید ہے حجریات اور معدنیات کو دیکھا جائے تو وہ اپنے ارد گرد کی اشیا میں سے وہی چیزیں اور اسی قدر اپنے میں لیتی ہیں جو ان میں مل سکتی اور ان کے لئے مفید ہوسکتی ہیں۔ ادویہ کی کیمیاوی ترکیب کو دیکھئے۔ ہر دوا دوسری سے گھل مل نہیں جاتی۔ اسی طرح نباتات کا حال ہے۔ پودا زمین سے ہوا اور دوسری اشیاء سے وہی اجزا اور اسی قدر حصہ جذب کرتا ہے جو اس کی نشو و نما کے لئے ضروری ہے۔ یہی حال دیگر حیوانات اور انسان کا ہے۔ لیکن انسان میں دو حصے ہیں مادی اور غیر مادی۔ کبھی تو وہ اُن چیزوں کو انتخاب کرتا ہے جو اس کی مادی خوشی اور مادی نشو و نما کے لئے مفید ہیں۔ اور کبھی وہ اشیا جو اس کے حصہ غیر مادی کی نشو و نما اور مسرت کے لئے ضروری ہیں۔ اور چونکہ اُس میں یہ دو حصے پائے جاتے ہیں اس لئے اُس کی قوت انتخاب ڈانواں ڈول رہتی ہے۔ کبھی تو وہ اُن چیزوں کی طرف جاتا ہے جو مادی خوشی کو بڑھاتی ہیں۔ اور کبھی اُن اشیاء کی طرف جو اُس کی غیر مادی مسرت میں اضافہ کرتی ہیں۔ غرض انسان ان دو کششوں کے درمیان واقع ہے۔ جدھر زیادہ زور ہوتا ہے اُدھر ہی کھنچ جاتا ہے۔ ایک طعمہ مچھلیاں، دو کشمکش آپس میں ہے ⁂

انسان میں یہ تخالف عجیب و غریب ہے۔ حیوانی زندگی کا مقصد خاص اور محدود ہے۔ لہذا تمام تمیزات حیوانی اس مقصد کے پورا کرنے میں کوشش کرتی ہیں۔ لیکن اُس میں جو دوسری قوت ہے وہ اُسے بعض اوقات اس دائرہ سے نکال کر ایک دوسرے عالم میں لے جاتی ہے۔ جہاں اُس پر نئی نئی مسرتوں کا نزول ہوتا ہے ⁂

جس طرح تمیزات طبعی مادی زندگی کی فلاح کے لئے انتخاب کرتی ہیں اسی طرح ادراک

غیر مادی حصہ کی فلاح میں بذریعہ انتخاب مدد دیتا ہے۔ اور یہ انتخاب ایک تمیز کرتی ہے جو روحانی زندگی کی فلاح کا خیال رکھتی ہے ✦

یہ انتخاب اس طرح سے ہوتا ہے کہ چشم بصیرت کے سامنے بہت سی اشیا یا احساسات آتے ہیں۔ اور ان میں وہ اشیا انتخاب کی جاتی ہیں جنہیں تجربہ اور تمیز طبعی اعلےٰ خیال کرتی ہے۔ تخیل پھر ان سب کو ملاتا ہے جو زیادہ سے زیادہ باعث مسرت ہیں۔ اور اس مجموعہ سے ایک منتہائے کمال قائم کرتا ہے جو جذبات کے سامنے پیش ہوتا ہے اور پھر انہیں اس طرف متوجہ کر کے ارادے کو اس کے حصول کے لئے چھوڑ دیتا ہے ✦

دیگر حیوانات میں تخیل بہت ادنےٰ درجہ میں ہوتا ہے۔ وہ صرف ان کے سامنے حیوانی خوشی یا خطرہ کو پیش کرتا ہے اور انہیں دونوں کے حالات میں ذرا سا تغیر کر کے ان کی مختلف صورتیں ان کو دکھاتا ہے لیکن انسان کی حالت بالکل مختلف ہے۔ اگر وہ بھی شہوانی زندگی تک محدود رہتا تو اس کی بھی یہی حالت ہوتی۔ حافظہ سمجھ کے سامنے حقیقی واقعات کو پیش کرتا ہے لیکن تخیل اس سے کہیں آگے نکل جاتا اور نتائج تک پہنچ جاتا ہے۔ یہ ایک ایسی قوت ہے جو ایک حد تک حواس کی قائم مقام ہو سکتی ہے۔ اور چاہے تو سامعہ اور باصرہ کا کام دے سکتی ہے۔ اور اس کی مدد سے غیر مادی حصہ اپنی سماعت اور اجازت کو بلا قید مکان و زمان اُن غیر مادی صور تک پہنچا سکتا ہے جنہیں یہ خیالی وجود میں ظاہر کرتا ہے۔ اس پر زور قوت کو نہ کوئی محدود کر سکتا ہے نہ کوئی روک سکتا ہے۔ یہ حقیقت اور واقعیت کے سامنے اڑتی ہوئی جاتی ہے اور ہاتھ میں اس کے مشعل ہوتی ہے جس سے رستے پر روشنی پڑتی جاتی ہے اور ارادہ اس کے پیچھے پیچھے ہوتا ہے۔ تخیل اُمید پیدا کرتا ہے لیکن اسے سیر نہیں کرتا۔ یہ تحقیق پر ابھارتا اور قیاس کو تیز کرتا ہے لیکن اپنی پرواز سے نیچے نہیں گرتا۔ اور دوسرے حیوانات میں بھی یہ قوت ہوتی تو وہ کچھ کے کچھ ہو جاتے۔ لیکن چونکہ وہ کسی منتہا کا خیال نہیں کر سکتے لہٰذا اپنی حالت پر قائم ہیں ✦

انسان میں یہ عجیب بات ہے کہ کسی خواہش کے پورا ہونے پر وہ چپکا نہیں بیٹھتا بلکہ اور آگے اور آگے بڑھتا ہے ۔ واہمہ اس کے سامنے منتہائے کمال کی ایک تصویر کھینچ دیتا ہے اور وہ اس کے حصول کے لئے کوشش کرتا چلا جاتا ہے +

ممکن ہے کہ ایک انسان یا ایک قوم کا منتہا وہی نہ ہو جو دوسرے انسان یا دوسری قوم کا ہے ۔ لیکن یہ ضرور نہیں ہے کہ وہ متضاد ہوں ۔ صرف فرق یہ ہے کہ یہ جزوی ہوتے ہیں ۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ میلان ایک ایسے کمال کی طرف ہے جو ان سب کو ایک کر سکتا ہے ۔ مثلاً ایک شخص سُرخ رنگ کو بہت پسند کرتا ہے ۔ دوسرا نیلے کو تیسرا زرد کو ۔ ہر ایک ایک جزو کی طرف مائل ہے ۔ اور اُس کمال کا ایک رُخ دیکھتا ہے جو ان تینوں کو ملا ایک ایسی خوبصورت شے پیدا کر سکتا ہے جو قوس و قزح کے حسن سے کم نہ ہو +

منتہائے کمال خواہ وہ عقل کا ہو یا حسن کا نیکی کا ہو یا عدل کا ہمیشہ انسان کی دسترس سے باہر ہوتا ہے ۔ اس کے خیال علت و معلول نے اس کی سمجھ یا عقل کو علت انتہائی کی راہ سُجھائی ہے جسے وہ خدا کہتا ہے ۔ اور اس علت انتہائی میں وہ اپنے تمام ادراکات کمال کو جمع کرتا ہے اور اس طرح خدا کو قوی و قادر علیم و بصیر اور کمال عدل و خیر و حسن سمجھتا ہے +

کیا تخیل دھوکا ہی دھوکا ہے ؟ کیا عدل و حسن و خیر کی حس جو ہم میں پائی جاتی ہے وہ کچھ بھی نہیں ؟

اگر ایسا ہوتا تو انسان کی قسمت بہت بُری ہوتی ۔ اُسے اس کا پختہ یقین ہے کہ جس طرح اس کا جسم بڑھتا اور نشو و نما پاتا ہے اسی طرح اس میں ایک رُوح ہے جو نشو و نما پاتی اور ترقی کرتی ہے اور تجربہ سے اُسے اس بات کا یقین حاصل ہوا ہے کہ ترقی کے ہر مرحلہ پر اس پر نئی نئی مسرتوں کا نزول ہوا ہے ۔ اگر انسان کے سامنے کوئی منتہائے کمال نہ ہوتا تو نہ یہ شاعر ہوتے نہ مصور ہوتے نہ مغنی +

انسان کو فطرتاً دو ضرورتیں ہوتی ہیں ۔ ایک علم کی دوسری محبت کی ۔ علم کا تعلق عقل سے

ہے۔ اور محبت کا جذبات سے عقل چاہتی ہے کہ سب میری تابع ہوں اور میرے اشارے
پر چلیں۔ جذبات کہتے ہیں کہ ہم سب کو دبا کر رکھیں اور من مانی حکومت کریں۔ مذہب کا تعلق
ان دونوں سے ہے۔ وہ عقل سے جذبات کی روک تھام کا کام لیتا ہے اور جذبات
سے عقل کے ہوش درست کرتا ہے +

مذہب کیا ہے؟ مذہب درحقیقت ایک خیال کا اظہار ہے۔ انسان ایک علت العلل
کا خیال کرتا ہے۔ جذبات کی ہدایت اور قوت انتخاب کی مدد سے وہ ایک منتہائے خیال
کا تصور کرتا ہے۔ اور یہ منتہائے خیال اس کی محبت و پرستش کا مرکز بن جاتا ہے +

جہاں عقل اور جذبات میں اتحاد و اعتدال نہیں رکھا گیا وہ مذہب نہیں بلکہ ایک قسم کا
فلسفہ یا کچھ اور ہے +

جو مذہب محض استدلالی اور قیاسی ہے وہ کوئی مذہب نہیں وہ فلسفہ ہے۔ اور جس میں
صرف جذبات ہی جذبات ہیں وہ اکثر توہمات میں پھنس کر رہ جاتا ہے۔ مذہبی جذبات
کو جب حد سے بڑھا دیا جاتا ہے تو یا تو وہ پیچیدہ اسرار ہوتے ہیں یا ایک ناواجب خوف
کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ یہ دونوں مضر ہیں۔ ایک کو بڑھا کر دوسرے کو گھٹانا ٹھیک
نہیں۔ دلی جذبات کی عقل سے روک تھام کی جانی چاہیئے اور عقلی پرواز کی اصلاح جذبات سے۔
علت العلل کی تلاش میں دو صورتیں پیدا ہوئی ہیں۔ ایک وحدانیت یعنی ایک خدا کی
پرستش۔ دوسرے کئی خداؤں کی پرستش۔ سامی قوموں نے ایک قوت کو مانا جو تمام معلولات
کی علت ہے۔ اور آریا اقوام نے اُن قوتوں کو الوہیت کا درجہ دیا۔ جن کا ظہور نیچر میں
ہوتا ہے۔ بعض نے اس جھگڑے کو ہار کے چھوڑ دیا اور دنیاوی بکھیڑوں میں
پڑ گئے +

۵

مذہب انسان کی گھٹی میں بلکہ اُس کی فطرت میں ہے جس طرح وہ اپنے آپ سے باہر نہیں نکل سکتا اور اپنی حدود اور قیود کو نہیں توڑ سکتا اسی طرح وہ مذہب کو جو ابتدائے آفرینش سے اس میں جاگزین ہے چھوڑ نہیں سکتا۔ شکوک و شبہات پیدا ہونگے نئی نئی تحقیقاتیں ہوتی رہیں گی۔ جد و جہد قائم رہے گی۔ اس کے محدود حالات اُس میں نئے نئے خیالات پیدا کریں گے۔ لیکن آخر فتح مذہب کی ہوگی۔ یہ یقین ہے کہ علم بدلتا رہیگا ایک قیاس ترک اور دوسرا اختیار کیا جائے گا۔ تحقیق میں تغیر و تبدل ہوتا رہے گا لیکن قدیم مذہب کسی نہ کسی صورت میں اس کے اندر ضرور رہے گا۔ ممکن ہے کہ سائنس نیچر کے متعلق نئے خیالات پیدا کرے اور خدا کے متعلق پرانے خیال کو بدل دے۔ لیکن وہ عقیدہ جو امٹ ہے خدا کے متعلق نیا خیال پیدا کرے گا کیونکہ سائنس کا قابو یہاں نہیں چل سکتا۔ وہ اسے نہیں جانتا۔ یہ اس کی حدود سے باہر ہے۔ مذہب کی حالت ققنس کی سی ہے۔ پیر فرتوت ہو کر وہ اپنے گھونسلے میں آگ لگاتا ہے۔ مگر انہیں شعلوں میں سے پھر زندگی پاتا ہے جس طرح انسان کی گزشتہ نسلوں نے نئی نئی تبدیلیاں پیدا کیں اور بہت سے رنگ بدلے مگر اپنا پرانا مذہب خواہ وہ کیسی ہی بے ڈھنگی صورت میں تھا آنی نسلوں کے سپرد کیا جو پھر نئے رنگ میں ظاہر ہوا۔ اسی طرح ہمارا زمانہ اس میں اور صفائی پیدا کریگا اسے اور اعلےٰ کرے گا اور آئندہ نسلوں کے حوالہ کر جائے گا۔ قرن در قرن اور صدی در صدی یہ کام یونہیں جاری رہے گا حتیٰ کہ کسی بعید زمانے میں وہ وقت آئے گا کہ سائنس اور مذہب کا تخالف جاتا رہے گا اور نیچر اور انسانی فطرت کا علم خدا کی معرفت پر منتہی ہو جائے گا ٭

اب ہم انسان کی تاریخ پر ابتدا سے نظر ڈالتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ آیا مذہب ابتدائے آفرینش سے اس میں ودیعت ہے یا نہیں ٭

ایک انگریز لڑکے ایک جاہل مسلمان ایک معمولی ہندو یا افریقہ کے کسی وحشی یا کسی مذہب کے عالم یا فقیہ سے پوچھئے کہ مذہب کیا ہے اور پھر ان کے جوابات کو غور سے دیکھئے تو سب کی تہ میں ایک ہی بات نظر آئے گی یعنی کسی ایک ذات کی پرستش خواہ وہ کسی صورت اور کسی ڈھنگ سے ہو۔ مسٹر میکڈانلڈ جو مدت تک افریقہ کی وحشی اقوام میں رہے ہیں اپنی کتاب "افریکینا" میں لکھتے ہیں کہ اُن سب کا اس پر اتفاق ہے کہ "کوئی شے ایسی ضرور ہے جو اس جسم سے الگ ہے اور جسے وہ روح کہتے ہیں۔ اور موت کے بعد وہ رُوح اس جسم کو چھوڑ دیتی ہے" اس میں کچھ شک نہیں (جیسا کہ ہربرٹ اسپنسر اور دیگر فلسفیوں اور محققوں نے ثابت کیا ہے) کہ انسان بھوت پریت یا سایہ سے خدا تک پہنچا ہے۔ اگرچہ اُس کا ابتدائی خیال خوف کی وجہ سے اُسے اپنے سایہ یا دوستوں اور بزرگوں کی موت یا خواب دیکھنے سے ہوا ہے اور زندگی کے درمیانی مرحلوں میں اس نے پتھروں سورجوں جانوروں اور دیگر مظاہر قدرت کے سامنے سر جھکایا ہے لیکن وہ کیا چیز تھی جس نے اُسے بادل کی گرج اور بجلی کی چمک کے سامنے سجدہ کرایا؟ وہ کیا تھا جس نے اس کا سر پُر زور بہتے دریاؤں یا سر بفلک پہاڑوں کے سامنے جھکایا؟ کہا جاتا ہے کہ اس کی وجہ ڈر ہے۔ ڈر تھا تو بھاگ جاتے چھپ جاتے۔ لیکن بجائے اس کے انہوں نے ایک ایسی قوت کو مانا جو سب سے قوی اور ابدی اور ازلی ہے۔ موت سے ڈر تھا تو مرنے سے ڈرتے رہتے۔ لیکن کیوں انہیں روح کا خیال پیدا ہوا؟ اور اس سے پھر وہ اور آگے پہنچے۔ یہ خیال اُن بچوں تک میں پایا گیا ہے جو الگ رکھے گئے جنہیں کبھی اس قسم کی کوئی بات نہیں بتائی گئی۔ اور نہ صرف بچوں میں بلکہ بہرے گونگوں نے بھی بلا امداد غیرے صرف اپنے خیال اور اپنے تجربہ سے یہاں تک رسائی کی ہے۔ اور اُن میں خدا کا خیال اور روح و جسم کا امتیاز پایا گیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ بات انسان میں فطرتاً موجود ہے اور ابتدائے آفرینش سے چلی آ رہی ہے +

یہ کہنا کہ انسان کو خوف سے یہ خیال پیدا ہوا اور خدا کا خیال سایہ بھوت پریت سے شروع ہوا اور رفتہ رفتہ دیگر مظاہر قدرت کی پرستش سے ایک خدا تک پہنچا لہذا خدا کا خیال بے بنیاد ہے صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ مختلف مرحلے طے کر کے کسی شئے تک پہنچنے کے یہ معنی نہیں کہ وہ شئے بے اصل ہے۔ دنیا کے تمام اعلے خیال فلسفہ اور سائنس کے تمام اصول تمام ایجادات و اختراعات کو اگر بنظر غور دیکھا جائے اور ان کی تحقیق کی جائے تو ان کی اصل انہیں وحشیوں تک پہنچے گی جہاں سے ہم نے خدا کے خیال کا سراغ لگایا ہے۔ یہ چیزیں انسان کو ارثاً ملی ہیں۔ اور اسی طرح ایک سے دوسرے کو پہنچتی رہیں گی +

۶

علمائے طبیعیات وبعض دیگر فلاسفۂ حال وقدیم کا دعوے ہے کہ صرف استقرا ہی علم کی مستحکم بنیاد ہے۔ مگر استقرا کیا ہے؟ تجربہ کے ذریعہ سے نتائج تک پہنچنا۔ لیکن ہمیں کیا حق اس امر کے ماننے کا ہے کہ چونکہ ایک ہی سے حالات میں پانچ ہزار یا دس ہزار سال سے برابر ایک ہی چیز واقع ہوتی آئی ہے تو آئندہ بھی انہیں حالات میں وہی واقع ہوگا۔ یہ مانا کہ لاکھوں کروڑوں پدموں آدمی مرتے آئے ہیں لیکن یہ کیا ضرور ہے کہ ہم بھی مر جائیں گے۔ اس کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ نیچر میں اصول یکسانی عالمگیر طور پر پایا جاتا ہے۔ اس کے اصول ہمیشہ یکساں رہتے ہیں اُن میں خلل نہیں آتا۔ یہ ہمیں کیونکر معلوم ہوا؟ تجربہ سے! تو گویا یہ استدلال یوں قائم ہوگا +

ہم کیوں کسی عام یا خاص اصول یا صداقت کو مانتے ہیں؟

بوجہ تجربہ کے!

تجربہ پر ہمارا یقین کیوں ہے؟

اس لئے کہ نیچر ہمیشہ ایک ہی نقش قدم پر چلتی ہے اور اس کے اصول میں یکسانی

پائی جاتی ہے !

یہ ہم کس لئے مانتے ہیں کہ اصول نیچر میں یکسانی پائی جاتی ہے ؟

بوجہ تجربہ کے !

تجربہ پر ہمیں کیوں یقین ہے ؟

اس لئے کہ نیچر میں اصول یکسانی پایا جاتا ہے !

اسی طرح استدلال کرتے جائیے اور پھر پھر کے وہی وجوہ آتی جائیں گی۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ کوئی اور شئے بھی ہے کہ جس پر انتہائی حالت میں تمام انسانی علوم کا دارو مدار ہے۔ وہ شئے سب سے نیچی تہ میں ہے اور وہ تمیز فطری ہے۔ ہیَن کا یہ خیال بالکل درست ہے کہ اُس شئے کی مشابہت جو ہمارے تجربہ میں آچکی ہے اُس شئے سے جو تجربہ میں نہیں آئی ہماری نیچر (طبیعت) کے قانون پر مبنی ہے اور وہ قانون اُس خیال کے زور سے حاصل ہوا جبکہ تجربہ نے ابھی اُسے ثابت نہیں کیا تھا +

لہذا جس طرح مذہب کا خیال طبعی ہے سائنس بھی اس سے نہیں بچ سکتا کیونکہ آخری بنیاد اس کی بھی تمیز فطری پر ہے جو تجربہ سے مقدم ہے +

صرف ایک قوت ہے جو بلا واسطہ مجھے دی گئی ہے اور جس کا مجھے علم ہے وہ قوت ارادی ہے۔ باقی جتنی قوتیں ہیں وہ بالواسطہ ہیں اور منطقی استدلال سے دریافت ہوتی ہیں +

میری قوت ارادی دوسری قوتوں کے دریافت کرنے والی ہے۔ ہر ایک استدلال کسی ایسی قوت یا قوتوں کے متعلق کیا جاتا ہے جو کائنات میں عمل کر رہی ہیں۔ اصل مسئلہ جس سے دوسرے مسائل پیدا ہوتے ہیں اور جس پر ان کے یقینی ہونے کا دارو مدار ہے وہ یہ ہے کہ میں عمل کرنے کا ارادہ کرتا ہوں اور میں جانتا ہوں کہ میں ارادہ کرتا ہوں +

مجھے اپنی ہستی کے متعلق کسی منطقی ثبوت کی ضرورت نہیں۔ یہ ایسی معرفت طبعی ہے جو تمام یقینوں سے بالا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ میں ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ میں وہی ہوں جو مختلف حالات اور مختلف اوقات میں سے گزر چکا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ میں خیال کر رہا ہوں اور میں جانتا ہوں کہ میں ارادہ کرتا ہوں اور کر رہا ہوں۔ یہ تمام امور معرفت طبعی سے متعلق ہیں۔ میں اپنی ہستی کا ثبوت اپنے خیالات یا ارادے سے پیدا نہیں کرتا۔ ڈیکارٹ کا یہ کہنا کہ "میں خیال کرتا ہوں لہٰذا میں ہوں" اس منطق سے باہر ہے۔ کیونکہ جب میں خیال نہیں کرتا اس وقت بھی تو میں ہوں۔ اور میرے ہونے کا علم مجھے اس وقت بھی ہے۔ میں ہوں اس لئے کہ میں ہوں۔ یہ شبہ کرنا کہ آیا میں خیال کر رہا ہوں یا نہیں یا ارادہ کر رہا ہوں یا نہیں کوئی عقلی دلیل نہیں بلکہ بے عقلی کی بات ہے۔ یہ فلسفہ نہیں بلکہ حق ہے۔ میری ہستی کا کوئی ثبوت میری معرفت طبعی سے بڑھ کر نہیں ہو سکتا۔ اگر یہ معرفت میری عقلی اور اخلاقی فطرت کے لئے کافی نہیں تو دنیا کا کوئی منطقی استدلال کوئی دلیل کافی نہیں ہو سکتی۔ اس قسم کے شکوک کرنے سے عقل کو بے دست و پا کرنا ہے اور یہی شکوک ہیں جو رُوح کے متعلق کئے جاتے ہیں اور یہ کہا جاتا ہے کہ ہم میں کوئی شے غیر مادی نہیں۔ ہمارا اولین اور یقینی علم وہ ہے جو حواس کی رپورٹ سے قبل ہے اور حواس کے تابع نہیں۔ لیکن جب حواس کی رپوٹ وصول ہوتی ہے تو عقل اس کی خبر دیتی ہے۔ حواس اور عقل ملکر اور ایک ہی وقت میں کام کرتے ہیں +

ممکن ہے کہ مادئین کہیں کہ یہ عقل مادہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ کیونکر معلوم ہوا جبکہ یہی نہیں معلوم کہ مادہ کیا ہے؟

یہ یقینی امر ہے کہ میں ہوں اور جب میں اپنی ہستی کا خود باعث نہیں تو پھر میں کیسے یہاں آیا؟ یہ کہنا کافی نہیں کہ میرے پہلے اور اسباب تھے اور اُن سے پہلے اور اور اُن سے پہلے اور۔ اگر وہ سبب اِن کے بعد آیا جو میرا سبب نہیں تو میں بے سبب ہوں۔ مگر تمام

نوع انسان ایسی ہی ہے۔ تمام ہستی تمام کائنات ایسی ہی ہے یعنی یا تو تمام ہستی اور کائنات ایسے ماسبق اسباب کے بعد ظہور میں آئی جن میں قوت تخلیق نہیں یا خود اپنا سبب آپ ہے۔ میں اپنی ہستی کے متعلق اس سے زیادہ خیال نہیں کر سکتا کہ میں ہوں میں خیال کرتا ہوں میں ارادہ کرتا ہوں۔ میں اپنے گرد و اردوں میں بھی انہیں تین چیزوں کو پاتا ہوں۔ لیکن ان میں سے کوئی یا سب مل کر بھی میرے یہاں ہونے کا سبب نہیں ہو سکتیں۔ میں یقیناً غیر فانی ہوں۔ میں بے سبب نہیں ہوں نہ اپنا آپ سبب ہوں۔ لہٰذا میرا سبب کوئی اور ہے۔ جو ان سب سے بالا ہے۔ سوائے اس کے کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا۔

ہم جو کارگاہ عالم میں مختلف قوتیں دیکھتے ہیں اور جن کا ہمیں اس قدر یقین ہے کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ کیا ہیں۔ ہم عقل اور خیال سے نہیں سمجھ سکتے۔ ہم حواس سے ان کا یقین نہیں کر سکتے آخر ان کا اصلی علم ہمیں کیونکر ہو سکتا ہے۔ صرف ایک طریقہ ہے۔ اپنی قوت ارادی سے! ہم اپنے میں ایک قوت دیکھتے ہیں اور اس سے ان قوتوں کو سمجھتے اندازہ کرتے اور یقین کرتے ہیں۔ اور یہ تمام قوتیں ظہور ہیں اُس قوت ارادی کا جو خدا میں ہے جس سے ہماری ہستی ہمارا ارادہ اور ہماری زندگی ہے۔

۷

عالم میں ہر آن تغیر ہے۔ ہر شئے بدلتی ہے اور بدلنے پر مجبور ہے۔ اسی قانون سے عالم کو رونق اور ترقی ہے۔ انسان بھی اس کا تابع ہے۔ اس میں بھی ہر لحظہ اور ہر آن تغیر ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ سات سال بعد وہ سر سے لے کر پاؤں تک بالکل نیا ہو جاتا ہے۔ اور ایک ذرہ بھی پہلے کا نہیں رہتا۔ لیکن باوجود اس کے وہ پھر وہی ہے اور سمجھتا ہے۔ کہ میں وہی ہوں اور باوجود اس کے وہ غور کرتا اور خیال کرتا ہے۔ ہر عضو کے فعل سے اس عضو میں تحلیل واقع ہوتی ہے اور اس تحلیل کے ساتھ ترکیب بھی ویسی ہی ہو جاتی ہے۔ مادہ کے کون سے سالمہ (جزو و بمبقراطیسی) میں مسلسل غور و فکر ہے۔ اُس میں

جو ہمارے جسم سے خارج ہوتا ہے یا اُس میں جو آتا ہے؟ کیا آکسیجن یا ہیڈروجن کا سالمہ (جزو دیمقراطیسی) معرفت طبعی (کانشس نس) حاصل کرتے ہی چل دیتا ہے؟ اور کیا آنے والا جزو دیمقراطیسی آتے ہی معرفت طبعی حاصل کر لیتا ہے؟ ضرور کوئی شے مستقل ہونی چاہئے جس میں یہ معرفت ہے اور جو غور و فکر کرتی ہے۔ اور جس کا ان سالمات کی مسلسل آمد و رفت پر عمل ہے۔ اور ادراک جس کا آلہ ہے۔ اور جو غیر مادی ہے۔ اور جو روح کہلاتی ہے۔ تمام حیات اس معرفت کے حاصل کرنے سے قبل صرف حرکت اور تبدیل ہیئت ہے لیکن ہم اس معرفت کو دماغ کے ذرات میں تقسیم نہیں کر سکتے۔ ہم اعصاب اور دیگر مادی ریشوں سے خاص خاص احساسات منسوب کر سکتے ہیں۔ مگر ان اعصاب اور ریشوں سے معرفت طبعی پیدا نہیں ہو سکتی۔ یہ الگ مستقل شے ہے اور یہی ہے جو ہمیں اپنی ہستی کی خبر دیتی ہے اور غیر فانی ہے۔ علاوہ اس کے دماغ کے مختلف حصوں کے مختلف کام ہیں جس طرح مختلف اعصاب کے کام مختلف ہیں۔ لہٰذا اس معرفت طبعی کا یکساں حالت پر رہنا اُسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ اعصاب اور دماغی اعضا ادراک کے تابع اور کارکن ہوں جو سب کا صدر نشین ہے اور سب پر حاوی ہے۔ علم فزیالوجی (علم کاشۂ سر) جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ مادیت اور دہریت کی طرف مائل کرتا ہے اس پر اگر اس پہلو سے نظر ڈالی جائے تو وہ ہماری اعانت کرے گا۔

مشہور سائنس داں مسٹر ہاکسلے اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں کہ ایک شخص جو تھوڑی دیر کے لئے بوجہ ضرب کے بیہوش ہو جاتا ہے اور اُس میں معرفت طبعی نہیں رہتی تو وہ ہوش میں آکر یہ سوال کرتا ہے کہ وہ غور کرنے والی شے وہ روح کہاں تھی؟ اور یہ خیال خواہ مخواہ اُس کے دل میں آتا ہے کہ میں تھوڑی دیر کے لئے مرگیا تھا۔ تھوڑی سی ضرب سے ایک آدمی بیہوش ہو جاتا ہے۔ اگر زیادہ زور سے لگے تو وہ مر جاتا ہے۔ کیا اس وقت بھی اُس میں معرفت طبعی نہیں رہتی؟ اگر ایسا ہے تو کب اور کس طرح وہ معرفت طبعی (کانشس نس)

حاصل کرتا ہے؟ تھوڑی سی ضرب سے وہ بیہوش ہو کر پھر ہوش میں آجاتا ہے۔ زیادہ ضرب لگنے سے تمام دماغی نظام بگڑ جاتا ہے اور حرکت ختم ہو جاتی ہے۔ پھر کیا ہوتا ہے؟ سائنس اس کا جواب نہیں دے سکتا۔ کیونکہ فی الحال یہ اس کی دسترس سے باہر ہے۔ اس سے بڑھ کر میں ایک ایسے شخص کی شہادت پیش کرتا ہوں جسے سرتاج علمائے سائنس کہنا چاہیے اور جو عین اسی زمانہ میں جبکہ ڈاروِن اپنی مشہور آفاق کتاب (آریجن آف سپی شیز) لکھ رہا تھا۔ اپنی ذاتی تحقیقات سے انہیں نتائج پر پہنچا جو ڈاروِن نے قائم کئے تھے اور جب اس نے اپنا رسالہ ڈاروِن کے پاس رائل سوسائٹی میں پڑھنے کے لئے بھیجا تو ڈاروِن دنگ رہ گیا وہ اپنی ایک کتاب میں روحانی قوت اور علم پر بحث کرنے کے بعد لکھتا ہے کہ ہمیں کبھی واقعات سے صرف اپنی ذاتی رائے کی وجہ سے انکار نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ انسانی علم کی ترقی کی تمام تاریخ اور خصوصاً وہ علم جسے ہم روحانی کہتے ہیں یہ یقین دلاتا ہے کہ جب کبھی اہل سائنس یا کسی زمانہ کے عام معلمین نے ایسے واقعات سے جو بہت سے اوسط درجہ کے ایماندار اور ذہین محققین نے خود دیکھے اور بیان کئے ہیں محض اس وجہ سے انکار کر دیا ہے کہ یہ ممکن نہیں یا وہ قانون قدرت کے خلاف ہیں تو یہ منکرین ہمیشہ غلطی پر ثابت ہوئے ہیں۔ چنانچہ اس فاضل حصر نے خود اس بارے میں بڑی بڑی تحقیقاتیں کی اور بعد کامل غور اور چھان بین کے وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ بیشک روحانی قوت موجود ہے اور جو مظاہر روحانی طرح طرح سے ظہور میں آتے ہیں بالکل صحیح ہیں۔ اور نہ صرف اس نے بلکہ مشہور و معروف ڈاکٹر نوبل سر جان فوربس اور ڈاکٹر کار بنٹر اور دیگر علماء نے بعد تحقیق کے اس کی اصلیت کو تسلیم کیا۔ فاضل موصوف کا خیال ہے کہ وہ بڑے لوگ جنہوں نے اس کا انکار کیا غلطی پر تھے۔ اور اگرچہ اکثر علمائے سائنس ان شہادتوں کی پرواہ نہیں کرتے اور ہنسی اڑاتے ہیں لیکن اس امر کا پورا پورا یقین ہے کہ اسی صدی میں تمام منصف مزاج تعلیم یافتہ لوگوں کو ان باتوں کو صحیح ماننا پڑے گا۔ اسی فاضل نے اس کیفیت کا بھی مفصل حال لکھا ہے جو اس امر

کی تحقیق کے لئے بیٹھا تھا اور جسے بالآخر تسلیم کرنا پڑا تھا کہ روحانی قوت بے شک ایک ایسی قوت ہے جو مادہ سے الگ اور بالا ہے۔ اس کمیشن کے ممبر تمام مشہور سائنس داں تھے ۔

۸

انسان جو اپنے تئیں اشرف المخلوقات سمجھتا ہے۔ جو یہ سمجھتا ہے کہ یہ سارا عالم یہ ساری کائنات میرے ہی لئے ہے جس نے اپنی بساط سے زیادہ قدم مارا ہے اور اسرار عالم کے دریافت میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا وہ اگر اپنی آس پاس کی اشیاء پر غور سے نظر ڈالے گا تو ہر چیز نئی اور پر اسرار معلوم ہوگی اور ایک ذرے تک کی حقیقت سے وہ اپنے آپ کو ایسا ہی بیخبر پائے گا جیسے اس کائنات کی حقیقت سے ۔ جب ہم اس کرہ پر نظر ڈالتے ہیں جس پر ہم آباد ہیں تو بے شک یہ بہت وسیع نظر آتا ہے اور اس قدر وسیع کہ باوجود اس ترقی اور تحقیقات کے ابھی تک ہم اس کے علم پر حاوی نہیں ہوئے لیکن نظام شمسی کے مقابلہ میں یہ بہت ہی چھوٹا ہے اور جب ہم دیکھتے ہیں کہ اسی قسم کے اور نظام موجود ہیں اور یہ عالم سیارگان کے مقابلہ میں ایک نقطہ کے برابر ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ تمام کائنات کے سامنے اس کی کچھ حقیقت نہیں۔ اسی طرح وقت پر نظر ڈالی جائے تو اس میں کچھ شک نہیں کہ زمین کی نشوونما میں جو وقت صرف ہوا وہ بے انتہا زیادہ ہے اُس وقت سے جو ایک درخت کے بڑھنے اور بننے میں صرف ہوا لیکن اگر اس وقت کا مقابلہ نظام شمسی کے زمانۂ نشوونما سے کیا جائے تو بہت ہی کم ہے اور بمقابلہ عالم سیارگان ایک لحظہ کے برابر ہے اور ابدالآباد کے مقابلہ میں ہیچ۔ زمین کی ساخت کو دیکھ کر بہت سے ایسے ثبوت ملتے ہیں جن سے اُس کی گزشتہ حالت پر ایک گونہ صحیح رائے قائم ہو سکتی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ ایک زمانہ میں یہ بے انتہا گرم تھی۔ اور مختلف زمینوں کے سرد ہونے کے متعلق جو تجربے اور تحقیقات کی گئی ہے اُس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس آتشیں مزاج کرہ کے ٹھنڈا کرنے میں لاکھوں اور کروڑوں برس لگے ہونگے۔ جب نظام شمسی کے ایک بہت چھوٹے سے کرہ کی حالت درست ہونے میں اس قدر عرصہ دراز لگا تو خیال کرنا چاہئے

کہ اُن کُروں کے لئے جو اس سے سینکڑوں درجے بڑے ہیں کس قدر عرصہ درکار ہوا ہوگا جب انسان یہ سوچتا ہے کہ سورج سے بھی بڑے بڑے ستارے موجود ہیں اور نظام شمسی جیسے دوسرے نظام بھی ہیں اور اس سے پرے اور نظام ہیں اور اس کے آگے اور اور ان کے بعد اور اور یہ سلسلہ نامتناہی یونہیں چلا جاتا ہے تو خلائے بسیط کا خیال حد وہم سے گزر جاتا ہے۔ اسی طرح جب وہ زمانہ کا خیال کرتا ہے کہ ایک ادنےٰ اور حقیر کرّے کے درست ہونے میں لاکھوں کروڑوں برس لگ گئے ہیں تو اس کل نظام اور دیگر نظامات میں کتنا وقت صرف ہوا ہوگا تو انسان مارے حیرت کے حواس باختہ ہو جاتا ہے۔ اور پھر جب وہ یہ دیکھتا ہے کہ یہ عجیب وغریب حیرت انگیز کارخانہ کس ترتیب اور قاعدہ سے برابر چل رہا ہے اور تمام نظامات ایک ہی اصول پر حرکت کر رہے ہیں اور کیا مجال کہ اپنی حد سے تجاوز کریں تو اُس حکیم مطلق کی حکمت وقوت کی عظمت عقل ووہم میں نہیں سما سکتی جو اس کارخانہ کا چلانے والا ہے۔

ممکن ہے کہ ایک سائنس داں یہ کہے کہ یہ سب وہم ہے کائنات میں سوائے مادہ اور سالمات کی حرکت اور کشمکش کے کچھ نہیں ہے۔ تمام عالم اور آسمانی خلا میں مادہ ہی مادہ منتشر ہے جس کی ابتدائی حالت ٹھوس ذرات کی ہے جو مختلف جسامت کے ہیں جن کی آپس کی رگڑ سے حرارت پیدا ہوتی ہے اور اس میں سے گاس نکلتی ہے جو ''نبولا'' (ضبابہ) کی شکل پکڑ لیتی ہے۔ یہ ضبابہ نظام شمسی کے احاطۂ کشش کے اندر آکر سورج کی مدور راہ میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اگر بعض ان میں سے ہمارے کرہ کے پاس سے گزرتے اور اس میں آ داخل ہوتے ہیں تو رگڑ سے بھڑک اُٹھتے ہیں۔ اور اُن سے شہاب پیدا ہوتے ہیں جو اکثر زمین پر گرتے ہیں یہی اجسام بے انتہا اصلی سیارے اور شموس ہیں ان کی ترکیب انہیں عناصر سے ہوتی ہے جو منجمد ہو کر بڑے بڑے ثوابت کو بناتے ہیں۔ ان شہابوں سے جو بعض اوقات ہماری زمین پر گرتے ہیں ہمیں اس مادہ کا نمونہ ملتا ہے جو تمام خلا میں

عالم سیارگان میں منتشر ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ یہ بے انتہا اور کثیر شہابی مادہ جس کی وسعت خیال سے باہر ہے کہاں سے آیا؟ اس کی حالت ماسبق کیا تھی؟ یہ مادہ جو ابتدا میں بالکل سادہ اور اجزائے لایتجزے کی حالت میں تھا۔ اس صورت میں کیسے آگیا جسے ہم عناصر سے تعبیر کرتے ہیں؟ اگر ہماری رسائی ابتدائی جزا کے عالم تک ہو بھی جائے تو بھی یہ مشکل حل نہیں ہوتی۔ کیونکہ پھر ہمیں اُن قوتوں کی اصلیت پر غور کرنا ہوگا جن کے زور سے یہ اجزائے لایتجزی مادے اور عوالم کی صورت میں ہویدا ہوئے اس سادہ سے سادہ قوتیں کہاں سے انفعال پیدا ہوا؟ یہ کیمیای قوتیں کدھر سے آئیں؟ اور سب سے بڑھ کر یہ پراسرار قوت ثقل کہاں سے آئی جو غیر محدود و غیر متبدل اور تمام عالم کی رونق کی اصل ہے؟ ان مسائل سے بھی بڑھ کر اہم اور لاینحل مسائل ایتھر ہیں۔ ایتھر کیا ہے اور مادہ سے اس کے کیا تعلقات ہیں؟ وہ قوتیں کہاں سے آئیں جو ایتھر میں کپکپاہٹ پیدا کرتی ہیں اور وہ جو حرارت۔ روشنی الکٹریسٹی کی مختلف صورتوں میں تمام تبدیل ہیئت۔ حرکات سالمات اور مادہ کی اُن بے انتہا تبدیلیوں کا باعث ہوتی ہیں جو حیات کی نشو و نما کا اصل باعث ہیں؟ ان تمام سوالات کا کوئی قطعی جواب نہیں اور غالباً نہ کبھی ہو۔

قدیم سے قدیم نظریہ مادہ سے لیکر جدید سے جدید نظریہ پر غور کرو۔ ہر ایک میں ہی لاینحل سوالات پیدا ہوتے ہیں اور کوئی اس کائنات کی علت العلل کے قریب نہیں پہنچتا۔ اور زیادہ سے زیادہ بقول ہربرٹ سپنسر "تمام مظاہر میں ایک نامعلوم اور ناقابل دریافت قوت کے ظہور کا ادراک" ہوتا ہے یا جیسا کہ اسی علامہ دہر نے اپنی موت سے کچھ عرصہ قبل لکھا تھا "ہستی کی یہ خالی صورت جسے خیال نے ہر طرف اپنی بساط کے موافق تحقیق کیا ہے اور پھر اس سے پرے جہاں وہم و خیال کے پر جلتے ہیں۔ جب اس معلوم کا اُس نامعلوم اور غیر محقق وسعت سے مقابلہ کیا جاتا ہے تو خیال کی یہ ساری تحقیق ہیچ و بے حقیقت ہو جاتی ہے۔ یہ خیال اور پھر اس خلائے بسیط کا خیال جس کے مقابلہ میں ہمارے

سبب انتہا نظامات کی کچھ حقیقت نہیں۔ ایسا ہے کہ اس کے ذکر کرنے کی ہمت نہیں پڑتی۔ کچھ عرصہ سے یہ طبعی ادراک کہ یہ غیر محدود خلا بغیر کسی اصل اور سبب کے موجود ہے اور موجود رہے گا۔ میرے دل میں ایک ایسا خیال پیدا کرتا ہے کہ اس کے سامنے میں سہا جاتا ہوں۔"

۹

مادیین کا یہ خیال ہے کہ مادہ ہی سب کچھ ہے اور مظاہر عالم کی گتھی سلجھانے کے لئے کافی ہے۔ روحانی یا الٰہی اثر سب فسانہ ہے۔ دیما قریطس سے لے کر اس وقت تک اس کے ماننے والے موجود ہیں اور سائنس کی حیرت انگیز ترقی نے اس مذہب کو اور بھی قوی کر دیا ہے۔ ہر زمانہ میں تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ فلاسفہ اور علمائے علوم طبعیات کو اس کا شوق رہا ہے کہ کوئی نظریہ ایسا قائم کریں کہ جس سے تمام اشیاء اور مظاہر کی کنہ دریافت ہو جائے اور اس خیال نے لوگوں کو مادیت کی طرف مائل کیا ہے۔ کیمیاوی تحلیل نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ مادہ خواہ کسی صورت میں ہو اور کیسی ہی تبدیلی اس میں کیوں نہ واقع ہو جائے نہ وہ فنا ہو سکتا ہے اور نہ پیدا ہو سکتا ہے۔ اسی طرح علم طبعیات کی رو سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ قوت خواہ کسی شکل و صورت میں ہو اور کیسے ہی مختلف حالات اختیار کرے وہ نہ تو فنا ہو سکتی ہے اور نہ پیدا ہو سکتی ہے۔ پھر علم کیمیا کی رو سے ایسے مرکبات ترتیب دیئے گئے جو اب تک بغیر قوت حیوانیہ کے دشوار سمجھے جاتے تھے اور آخر بڑھتے بڑھتے اول مادہ کے متعلق نظریہ اجزائے دیمقراطیسی قائم ہوا اور سب سے آخر نظریہ اجزائے لاتجزئے۔ ان سب تحقیقوں اور نظریوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ انسان دہریت اور مادیت کی طرف ڈھلتا ہوا چلا گیا۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا صرف مادہ ہی ان تمام مظاہر عالم کا باعث ہے؟ اور کیا اس کے ساتھ کوئی اور شے ایسی نہیں ہے جو اس سے مختلف ہے۔

اب ہمیں تحقیق یہ کرنا ہے کہ جب ہم کسی مظہر کو دیکھتے ہیں تو مادہ کا اس میں کہاں تک دخل ہوتا ہے۔ اور اُن کا باہمی کیا تعلق ہے؟ دوسرے اگر کوئی مظہر ایسا ہے جو مادے

سے بالکل آزاد ہے۔ تو اس سے یہ نتیجہ نکلے گا کہ مادہ اس کا باعث نہیں ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ امر بھی تحقیق طلب ہے کہ اگر ہم کسی مظہر کو بغیر مادے کے نہیں پاتے تو کیا صرف مادہ ہی اس کا کافی اور وافی باعث ہے؟ فرض کرو کوئی مظہر معلوم ہے۔ اس کے ہم چند اسباب قرار دیتے ہیں۔ لیکن یہ یقین نہیں کہ آیا یہ اس کے کافی باعث ہیں یا نہیں تو ہم ان اسباب کے نتائج پر غور کریں گے۔ اگر یہ نتائج پورے اترے تو ہم سمجھیں گے کہ وہ اسباب کافی ہیں اور اگر نہیں تو ہم اس شے کو تلاش کریں گے جو ان نتائج کا تکملہ کرتی ہے اور جو اب تک سبب نامعلوم تھا۔ مثلاً جب سیارہ یوری نس دریافت ہوا۔ تو بعض مہندسوں نے یہ دیکھا کہ جس طور پر وہ سورج کے گرد گردش کرتا ہے اور جو دائرہ وہ بناتا ہے اس کے لئے صرف سورج کی اور بعض اور چھوٹے سیاروں کی کشش جو یوری نس سے چھوٹے ہیں اور اس کے اور سورج کے درمیان واقع ہیں اس گردش اور دائرہ کی کافی باعث نہیں۔ اگر صرف یہی کشش ہوتی تو وہ ایسا دائرہ نہ بناتا بلکہ اس کی صورت اور ہوتی۔ ان مہندسوں نے محض ریاضی اور ہندسہ کے زور سے یہ قیاس قائم کیا کہ ہو نہ ہو فلاں مقام پر کوئی اور ستارہ یوری نس سے پرے واقع ہے جس کی کشش کا اثر اس پر پڑتا ہے چنانچہ بعد میں اس مقام پر دوربین کے ذریعہ سے وہ سیارہ دریافت ہوا جسے اب نپچوں کہتے ہیں۔ اسی طور پر ہم اس عالم کو لیتے ہیں اور مادہ کو جہاں تک اس کا دخل اور صفات و اثرات ہیں پوری پوری آزادی دیتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ آیا وہ اس کا کافی باعث ہے یا کوئی اور شے بھی ہے جو اس کا تکملہ کرتی ہے اور مادہ سے خارج ہے؟ پس اگر کوئی ایسی شے ہے تو یہ نتیجہ نکالیں گے کہ مادہ اس عالم کا کافی باعث نہیں ہے اور اس کے بعد ہم مادہ کی حقیقت پر غور کریں گے اور دیکھیں گے کہ آیا وہ بذات خود قائم اور کافی ہے +

مظاہر کائنات جن پر ہم بحث کریں گے ان کی تقسیم سرسری طور سے یہ ہو گی +

۱- قوت - جو حرکت - اتصال اجزائے لایتجزے اور کشش کیمیاوی سے ظاہر ہوتی ہے +

۲- حیات - حیوانی یا نباتی +

۳- قوت - مدرکہ

۴- ادراک طبعی (کانشس نس)

۵- جذبات اخلاقی مثلاً محبت رحم وغیرہ

ہماری سب سے اول تحقیق یہ ہے کہ کیا ہم کسی ایسے مظہر یا ظاہر کو بھی دیکھتے ہیں جو مادہ سے اس قدر الگ ہوں کہ مادہ اُن کا باعث نہ ہو یا باعث جزوی ہو؟ قوت اور حیات کے متعلق ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہم انہیں سوائے مادہ کے تعلق کے کسی اور طرح نہیں جانتے اب رہی قوت مدرکہ اس کے متعلق مختلف خیال ہیں۔ بعض کا یہ مذہب ہے کہ وہ مادہ سے آزاد ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ دماغ کا نتیجہ ہے۔ اور بعض کا مذہب یہ ہے کہ نظام اعصابی قوت مدرکہ کا آلہ ہے اور وہ اس طور پر کہ تمام افعال ادراکی کا تعلق اس نظام کی ساخت اجزائے لایتجزے کی حرکت سے ہے۔ اور یہی قرین قیاس معلوم ہوتا ہے لیکن یہ بات رہ جاتی ہے کہ آیا وہ اس کا باعث کافی ہے۔ بہرحال اس میں شبہ نہیں کہ قوت بلا شرکت مادہ ہمیں کہیں نظر نہیں آتی +

مگر اس میں شک نہیں کہ ادراک طبعی (کانشس نس) یعنی خالص قوت مدرکہ کا قوت مدرکہ پر غور کرنے کا فعل مادہ سے بالکل بے تعلق ہے۔ اور بلا شبہ وہ جذبات جن میں غرض کا مطلق لگاؤ نہیں ہوتا مثلاً محبت یا رحم بھی مادی تعلقات سے بری معلوم ہوتے ہیں اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہمیں ایسے مقام پر لے جاتے ہیں جہاں مادہ سے کچھ واسطہ نہیں۔ لیکن جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ادراک طبعی (کانشس نس) کو اُن دیگر ادراکی افعال سے الگ سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں جن کا تعلق دماغ کے تغیرات اجزائے لایتجزے سے ہے اور جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہمارے جذبات سے ہمارے جسم اور

دماغ پر کس قدر اثر پڑتا ہے مثلاً دفعتاً سر میں درد ہونا۔ چہرہ کا سُرخ ہو جانا۔ نبض اور سانس کا تیز ہو چلنا۔ تو ہمیں یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ہم مادہ کی شرکت سے بری نہیں ہو سکتے اور اسی اعتراف سے مادیین کی بن آتی ہے۔ کیونکہ مظاہر عالم کہیں بلاتعلق مادہ نہیں پائے جاتے۔ اس کا لگاؤ کہیں نہ کہیں اور کسی نہ کسی طرح ضرور ہوتا ہے۔ لیکن اس سے یہ ضرور نہیں کہ صرف مادہ ہی ان تمام مظاہر کا باعث کافی ووافی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اگر ایسا نہیں ہے تو کون سی شے ہے جو اس کا تکملہ کرتی ہے ۰

شائد یہ بات عجیب معلوم ہو لیکن بہرحال یہ باور کرنا چاہیئے کہ مادہ کے وجود کی شہادت سوائے قوت مدرکہ کی اطلاع کے اور کوئی نہیں ہے یعنی مادہ کا وجود خود قوت مدرکہ کا نتیجہ ہے جو وہ بعض واقعات سے اخذ کرتی ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہمیں صرف حواس کا یقین کرنا چاہیئے اور قوت مدرکہ کے نتائج کا اعتبار نہ کرنا چاہیئے انہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ مادہ حس سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ اس کا تعلق قوت مدرکہ سے ہے جو حواس کے واقعات سے نتیجہ نکالتی ہے۔ اس امر کو مشہور فلسفی بشپ بارکلی نے نہایت خوبی کے ساتھ ثابت کیا ہے۔ میں یہاں اس کے فلسفہ کو بالتفصیل بیان نہیں کرنا چاہتا بلکہ اسی قدر اشارہ پر کفائت کرتا ہوں ۰

مادہ کی تین حالتیں ہیں جو قدیم سے اب تک تسلیم کی گئی ہیں ٹھوس جیسے برف سیال جیسے پانی اور دخانی جیسے آکسیجن یا ہیڈروجن۔ بعض اہل سائنس نے ایک اور حالت بھی اضافہ کی ہے جو گیس سے بھی زیادہ لطیف ہے اور وہ شعاعی کہلاتی ہے ۰

مادہ کی نسبت یہ خیال کیا گیا ہے کہ وہ اجزائے لایتجزٰے سے بنا ہے۔ یہ وہ چھوٹے چھوٹے اجسام ہیں جن میں مادہ کے تمام خواص موجود ہیں اور ان کے باہمی تعلق کو قوت اجزائے لایتجزٰے کہتے ہیں۔ اور ہر جزو دیمقراطیسی کسی نہ کسی کیمیاوی عنصر کے ایک یا ایک سے زائد اجزائے لایتجزٰے سے بنا ہے اور ان مختلف عناصر کے

اجزائے دیمقراطیسی میں جو تناسب پایا جاتا ہے وہ کیمیاوی اتصال کے قوانین کی رو سے عمل میں آتا ہے +

یہ اجزائے لایتجزے اور اجزائے دیمقراطیسی کیا ہیں؟ انسان کی آنکھ نے ان میں سے کسی کو نہیں دیکھا ہے اور ان کے وجود کا علم ہمیں اسی طرح استدلال اور قیاس سے حاصل ہوا ہے جیسے روح کا ہے جزو لایتجزے میں چند خواص و صفات مانی گئی ہیں +

اول[۱] قوت اتصال یا کشش اجزائے لایتجزے - یہ وہ قوت ہے جو ہر شے کو جو جزو لایتجزے سے بڑی ہے مجتمع رکھتی ہے - یہ قوت ٹھوس حالت میں زیادہ - حالت سیال میں کم اور حالت دخانی میں بالکل نہیں ہوتی +

دوم[۲] - یہ خیال کیا گیا ہے کہ ہر جزو لایتجزے ایک انتعاشی حرکت سے بیچین رہتا ہے اور اس حرکت کے مختلف نتائج سے مادہ کی ٹھوس سیال دخانی اور شعاعی حالتوں میں فرق پیدا ہوتے ہیں +

سوم[۳] - ہر جزو لایتجزے میں نہ صرف بیرونی حرکت ہوتی ہے بلکہ ایک حرکت اندرونی بھی ہوتی ہے - بیرونی حرکت کل جسم یا نظام کی ہے اور اندرونی حرکت ایک حصہ جزو لایتجزے کی دوسرے حصہ پر - مگر اس حرکت سے اس کی اجتماعی حالت زائل نہیں ہوتی یعنی یہ نہیں ہے کہ اس کا ہر حصہ الگ ہو جائے - اس حرکت میں کپکپاہٹ پائی جاتی ہے +

چہارم[۴] ہر شے کے اجزائے لایتجزے ایک ہی جسامت کے خیال کئے گئے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ایک شے کا ہر حصہ ایک سا ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ایک گیس کی دو قسمیں پیدا کرنا جو مختلف جسامت کے اجزائے لایتجزے سے بنی ہوں ناممکن ہے +

اس سے مفصلہ ذیل نتائج نکلتے ہیں :-

۱- ایک شے کے اجزائے لایتجزّے بالکل ایک ہی سے ہوتے ہیں۔ مگر دوسری اشیا کے اجزا سے مختلف ہوتے ہیں +

۲- مختلف اشیا کے اجزائے لایتجزّے جسامت میں مختلف ہوتے ہیں اور ان میں کامل تدریجی ترقی نہیں ہوتی +

۳- ایک شے کے اجزائے لایتجزّے اپنی اندرونی حرکت میں توافق رکھتے ہیں اور اسی لئے اس روشنی میں بھی جو اُن سے نکلتی ہے +

۴- کسی جزو لایتجزّے میں کسی عمل سے کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہو سکتی +

مادّہ کی صحیح تعریف کرنا نہایت مشکل ہے اور نہ طبعیات کی کسی کتاب سے اس تعریف کا پتہ لگتا ہے۔ لیکن نظریہ اجزائے لایتجزّے کا (جو مادہ کے متعلق جدید نظریہ ہے) صحیح بیان مختصر طور پر کر دیا گیا ہے۔ اب ہم ایک قدم اور آگے بڑھتے ہیں اور ان میں سے ایک جزو لایتجزّے لیتے ہیں۔ یہ ایک چھوٹے سے چھوٹا جزو مادہ کا ہے جس میں تمام صفات و خواص مادہ کے موجود ہیں۔ یا تو یہ سادہ یعنی مفرد ہے جیسے آکسیجن کا جزو لایتجزّے یا مرکب جیسے پانی کا جس میں دو اجزائے دیمقراطیسی ہائیڈروجن کے ہیں اور ایک آکسیجن کا۔ اس صورت میں جزو دیمقراطیسی ایک مرکب شے ہے کیونکہ از روئے علم کیمیا اس زمین پر تخمیناً ستر اشیا ایسی ہیں جو مفرد یا سادہ حالت میں ہیں۔ ان میں سے ہر ایک میں دوسرے سے ترکیب پانے کی (بشرطیکہ وہ ترکیب پا سکے) مختلف مقدار کا لحاظ ہوتا ہے۔ وہ بعض کو بعض شرائط پر اپنے ساتھ ملاتی ہے اور بعض کو رد کر دیتی ہے۔ غرض ہر ایک دوسرے سے بوجہ کیمیاوی کشش و اندفاع الگ اور مختلف ہے۔ ہم نے اجزائے لایتجزّے اور اجزائے دیمقراطیسی دونوں کو دیکھ لیا۔ ان میں کائنات کی ساخت کا اصل مسالا نہیں پایا جاتا بلکہ ساٹھ ستر اشیاء ایسی ہیں۔ جو اپنی صفات کے لحاظ سے الگ الگ ہیں اور جن کی ترکیب سے بیشمار

ایسا مواد تیار ہو سکتا ہے جو اجزائے لایتجزیٰ کے گدام کے لائق ہے۔ جزلایتجزیٰ کیمیاوی ساخت کے لحاظ سے اکثر مرکب ہوتا ہے۔ لیکن وہ طبعیات کی رو سے بھی مرکب ہے۔ ہم بیان کر چکے ہیں کہ اس میں ایک اندرونی حرکت بھی ہوتی ہے یعنی اس کے ایک حصہ کی حرکت دوسرے حصے پر جس سے کہ آس پاس کے ایثر میں روشنی پیدا ہوتی ہے اور یہ حرکت مختلف قسم کے اجزائے لایتجزیٰ میں مختلف ہوتی ہے۔ لہٰذا اجزائے لایتجزیٰ اصل مسالا نہیں ہیں بلکہ بذات خود ایک کامل اور عجیب شے بنائی گئی ہے۔ جسے آنکھ نے نہیں دیکھا بلکہ قیاس نے سوچ کر نکالا ہے +

اب ایک طرف تو ہم اجزائے لایتجزیٰ دیکھتے ہیں اور دوسری طرف سادہ اور مفرد عناصر جن سے اجزائے لایتجزیٰ بنے ہیں لیکن کہیں اصل مسالا جو تمام اشیاء کی اصل ہے نہیں ملا۔ مگر باوجود اس کے ہر طرف ہم انتظام و ترتیب عقل و حکمت کی بین شہادتیں دیکھتے ہیں بلکہ ہر ہر قدم پر وہ اور قوی ہوتی جاتی ہیں +

یہ ہے وہ مادہ جسے عالم علوم طبعیات و کیمیا تمام مظاہر کا باعث بتاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک طبعی اجزائے لایتجزیٰ سے وہ صفات منسوب کرتا ہے۔ جن کا موجود ہونا تو وہ پاتا ہے لیکن اجزائے لایتجزیٰ میں نہیں کیونکہ اس نے اُسے کبھی نہیں دیکھا بلکہ بڑے بڑے مادی مجموعوں میں پایا ہے اور اس لئے اُس کا خیال ہے کہ یہ صفات اجزائے لایتجزیٰ ہی سے پیدا ہوئی ہیں۔ اسی طرح ایک عالم علم کیمیا اجزائے ذیمقراطیسی سے وہ صفات منسوب کرتا ہے جن کا ہونا تو اُسے معلوم ہے لیکن اجزائے ذیمقراطیسی میں نہیں۔ کیونکہ اس نے کبھی ایک جزو ذیمقراطیسی کا تجربہ کا نہیں کیا بلکہ انہیں بڑے بڑے مادی مجموعوں میں پایا یا وہ ہائیڈروجن کے جزو ذیمقراطیسی میں آکسیجن سے دو اور ایک کی نسبت سے ملنے کی قوت دیکھتا ہے جسے وہ درحقیقت ہائیڈروجن کے بڑے بڑے مجموعوں میں پاتا ہے۔ طبعیات

وکیمیا کے واقعات اجزائے لایتجزے اور اجزائے دیمقراطیسی میں ادا ہوتے ہیں اور اجزائے لایتجزے اور اجزائے ڈیمقراطیسی ازروئے تعریف کافی سبب ہیں اُن نتائج کے جن سے کہ درحقیقت یہ اسباب استخراج کئے گئے تھے +

ان کے علاوہ دوسرے علوم بھی ہیں جو واقعات سے بحث کرتے ہیں۔ لیکن وہ اصطلاحات اجزائے لایتجزے اور اجزائے دیمقراطیسی میں ادا ہونے کے قابل نہیں ہیں۔ اور اس لئے وہ اس نظریہ پر کچھ اثر نہیں ڈال سکتے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ یہ نظریہ بھی اُن واقعات پر جن سے وہ بحث کرتا ہے کچھ روشنی ڈالتا ہے یا نہیں +

کیا نظریہ اجزائے لایتجزے اس اہم اور عظیم واقعہ یعنی حیات پر کچھ روشنی ڈال سکتا ہے ؟ جدید تحقیق کی رو سے یہ ثابت ہوا ہے کہ حیات کو خواہ نباتی ہو یا حیوانی کتلۃ الاولے (پروٹوپلیزم) سے ایسا گہرا تعلق ہے کہ بغیر اس کے وہ کہیں نہیں پائی جاتی۔ اور اگرچہ کتلۃ الاولے کے کیمیاوی اجزا بخوبی معلوم ہیں اور انسان انہیں اپنے ہاتھ سے ایک جگہ جمع کرسکتا ہے لیکن نہ تو کتلۃ الاولے پیدا کرسکتا ہے اور نہ حیات جب تک کہ پہلے سے حیات موجود نہ ہو۔ اگر ہم اُن صفات کو لیں جو ازروئے جدید سائنس اجزائے لایتجزے میں پائی جاتی ہیں اور اُن کو ہزار ملائیں ہزار الٹ پلٹ کریں کبھی حیات تک رسائی نہیں ہوسکتی کشش اجزائے لایتجزے کی حرکت دامی اور ان اجزا کی کپکپاتی ہوئی حرکت یہ سب مل کر بھی اس نتیجہ تک نہیں پہنچ سکتے جسے حیات کہتے ہیں اور جو خیال کی اصل بنا اور ساخت کائنات کی جزو اعظم ہے۔ سائنس نے جہاں تک تجربہ کیا ہے یہ امر بالتحقیق ثابت ہوا ہے کہ محض مردہ مادہ سے کوئی زندہ شئے نہیں پیدا ہوسکتی +

جب حیات صرف اجزائے لایتجزے یا مردہ مادہ سے پیدا نہیں ہوسکتی۔ تو پھر

قوت مدرکہ تو کہاں ہو سکتی ہے۔ اگرچہ اکثر اہل سائنس کا یہ قیاس ہے کہ قوت مدرکہ مادہ کا نتیجہ ہے لیکن اب تک کسی نے یہ ثابت نہیں کیا کہ یہ کیونکر ممکن ہے۔ جب قوت مدرکہ کا یہ حال ہے تو کانشس نس یعنی معرفت طبعی تو اس سے بھی کہیں پرے ہے۔ کیونکہ معرفت طبعی کے معنی ہیں قوت مدرکہ کا اپنے باطن پر غور کرنا۔ اور یہ اجزائے ویمقراطیسی کے ترتیب دینے ملانے اور الٹ پلٹ کرنے سے پیدا نہیں ہوتی۔ اور اس سے بھی بڑھ کر ایثار و محبت و ہمدردی کے جذبات ہیں۔

ممکن ہے کہ مادیین میں سے کوئی یہ کہے۔ کہ یہ سب کچھ سہی لیکن سائنس ترقی پذیر ہے۔ اور جوں جوں اسے ترقی ہوگی مادہ کی تعریف میں وسعت ہوتی جائے گی یہاں تک کہ کسی روز وہ ان تمام مظاہر کو بیان کر سکے گا جو اس وقت مافوق فطرت معلوم ہوتے ہیں۔ اس کا جواب یہی ہو سکتا ہے کہ اگر مادہ کی تعریف میں وسعت ہو جائے گی تو اس کے ساتھ ہی یہ دلیل بھی کہ خود مادہ اس امر کی شہادت ہے کہ قوت مدرکہ اس سے قبل موجود تھی اور زیادہ قوی ہو جائے گی جس قدر اجزاے لایتجزے کی تحقیق میں زیادہ تہ کے اندر جاؤ گے اسی قدر اجزاے لایتجزے کے پیدا کرنے کے لئے قوت مدرکہ کی زیادہ ضرورت معلوم ہوگی۔ اگر نباتات اجزائے لایتجزے کا نتیجہ ہیں تو اجزائے لایتجزے کے وجود کے لئے بے شک قوت مدرکہ کی ضرورت ہوتی ہوگی۔ غرض اس مشکل کو جس طرح چاہو حل کرنے کی کوشش کرو ایک چیز ایسی ماننی پڑے گی جو مادہ نہیں ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ ہم اس چیز کو مادہ سے الگ نہیں پاتے۔ کیونکہ جس عالم کا ہمیں تجربہ ہے اس میں یہ سنگت ضروری ہے۔ لیکن یہ تجربہ محض یک طرفہ ہے۔ کائنات میں اور خود ہم میں اس امر کے اشارات اور شہادتیں موجود ہیں کہ یہ شے جو مادہ نہیں ہے عقل اور قوت مدرکہ سے تعلق رکھتی ہے اور اسے اپنے ساتھی مادہ پر فضیلت ہے۔ یہ کچھ تعجب کی بات نہیں ہے کہ روح جسم کی قید سے الگ ہو کر بھی قائم رہ سکتی ہے۔

اور اس میں شبہ نہیں کہ ماننا کا جو نظریہ اجزائے لا یتجزیٰ اور اجزائے دیمقراطیسی کے ذریعہ سے ظاہر کیا گیا ہے وہ خود ایک ایسی خالق اور منتظم قوت مدرکہ کی شہادت دیتا ہے جس کی ہستی اس سے قبل ہے اور اس سے افضل ہے ؛

۱۰

نظام کائنات پر نظر ڈالنے اور اپنے باطن پر غور کرنے سے ہم یہاں تک پہنچے ہیں کہ کوئی ایسی شے ضرور ہے کہ مادہ سے بالا ہے جسے ہم روح کہتے ہیں اور کوئی ایسی قوت ابھی اصب ہے جو اس سے بھی بالا اور افضل ہے اور ساری کائنات پر حاوی اور ساری ہے۔ مذہب کی اصل یہیں سے پیدا ہوتی ہے جس سے سائنس بے خبر ہے اور اس بے خبری میں اس پر حملے کرتا اور مضحکہ اڑاتا ہے پچھلی صدی میں جبکہ سائنس کی ترقی معراج کمال پر نظر آتی تھی۔ اکثر مذہب پر حملے کرنا۔ اس کی ہنسی اڑانا اور اس سے نفرت اور حقارت ظاہر کرنا اہل سائنس و فلاسفہ و حکما اور اکثر بڑے بڑے مصنفین کا عام دستور ہو گیا تھا اور یہ دستور رفتہ رفتہ فیشن ہو گیا۔ اور یہ سمجھا جاتا تھا اور اب بھی اکثر سمجھا جاتا ہے کہ مذہب بڑھیوں کی کہانی اور بچوں کا کھیل ہے۔ یا ایک بیجا ہے جس کا ڈر زمانہ طفلی سے بیٹھا ہوا ہے۔ یا بھوت پریت کا سایہ ہے جو اب تک اس کے سر پر منڈلا رہا ہے۔ سائنس کے پر زور اور بیجا حملوں اور اس کی حیرت انگیز ترقی سے یہ یقین ہو چلا تھا کہ مذہب کوئی دن کا مہمان ہے۔ دنیا پر اب حکومت سائنس کی ہوگی وہ اُن پیچیدہ مسائل اور گتھیوں کو سلجھانے کا جواب تک لاینحل سمجھی جاتی تھیں۔ لیکن خود اُسی کے زور نے اُسے کمزور کر دیا۔ اور وہ نشہ جس سے اہل سائنس مخمور تھے اترنے لگا اور باوجود حیرت انگیز ترقی اور عروج کے معلوم ہوا کہ وہ بے بس ہے اور اپنی حد سے آگے نہیں چل سکتا انگرسال اور بریڈلا جیسے اعدائے مذہب بے وقعت ہوتے جاتے ہیں اور ان کی ہفوات پر کچھ توجہ نہیں کی جاتی۔ فرقہ ایگ ناسٹک (لاادریہ) کے بانی پروفیسر

ہکسلی کے پرزور دلائل میں اب وہ قوت نہیں رہی اور ان کے پیرو بھی اب دھیمے پڑ چکے ہیں۔ وہ نظام جو ابتدا سے انسان کے ساتھ ہے جوں جوں انسان بڑھا وہ بھی اس کے ساتھ بڑھتا رہا۔ اس نے دنیا میں بڑے بڑے تغیرات اور عظیم الشان انقلابات پیدا کئے اور اس کی ترقی میں پیش پیش رہا۔ اور یہ اب بھی انسان کی معاشرت اور تمدن کے ہر پہلو اور ہر روش میں نظر آتا ہے۔ اس کی حکومت انسان کے دل پر اب بھی ویسی ہے جیسی پہلی تھی اور آئندہ بھی ایسی ہی رہے گی۔ تعجب اور سخت تعجب ہے کہ اہل سائنس نے اس کی طرف سے نہ صرف بے توجہی کی بلکہ حقارت کا اظہار کیا۔ بجائے اس کے کہ وہ اس مہتم بالشان اور عجیب و غریب نظام پر جس کی قوت ابتدا سے اب تک برابر چلی آرہی ہے اور جس کی حکومت سے باوجود انکار کے بھی انسان نہیں بچ سکتا غور کرتے اور دوسرے پہلو سے نظر ڈالتے انہوں نے زمانے کے بھرے میں اس سے منہ موڑ لیا۔ صرف ایک پہلو دیکھ کر سمجھ لیا کہ دوسری طرف کچھ نہیں۔ حالانکہ اگر مذہب کے پہلو سے انسانی ترقی پر نظر ڈالی جاتی تو منظر زیادہ وسیع اور کامل ہو جاتا۔ لیکن یہ اہل سائنس کی کوتہ نظری ہے کہ انہوں نے انسانی ترقی اور تہذیب و تمدن کا انحصار محض سائنس پر رکھا۔ حیات کی ہر حرکت اور روش کے کچھ نہ کچھ معنی ضرور ہیں۔ جب کوئی چیز دنیا میں اتفاق سے نہیں آئی۔ تو کیا مذاہب جنہیں انسان کی تاریخ و معاشرت میں اس قدر دخل تصرف اور قوت ہے مہمل اور لغو ہیں؟ کیا انہیں انسانی ترقی اور تہذیب و تمدن میں کچھ بھی دخل نہیں؟ یہ ایک بڑا اہم مسئلہ ہے جس پر اہل سائنس اور فلاسفہ کو غور کرنا چاہئے تھا مگر افسوس ہے کہ ان کی تنگ نظری اور ہٹ نے انہیں کبھی اس طرف متوجہ نہ کیا۔ سائنس کی نظر ہمیشہ مذہب کی طرف سے پھری رہی۔ اور ابتدا سے جو اس نے مذہب کی مخالفت میں کمر باندھی تو اب تک وہی مخالفت چلی آتی ہے لیکن کبھی اس نے یہ غور نہ کیا کہ آخر یہ مخالفت کیوں ہے۔ بلکہ بجائے

تحقیق کے جو اس کا شیوہ ہے اس نے اس جلتی آگ میں اور تیل ڈالا۔

ہم دنیا کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ انسان ابتدا سے برابر ترقی کرتا چلا آتا ہے اور ایک زینہ سے دوسرے زینہ پر چڑھتا چلا جاتا ہے۔ اور جب ہم اس ترقی پر بحیثیت مجموعی نظر ڈالتے ہیں تو یہ ایک ایسی عجیب وغریب اور عظیم الشان حقیقت نظر آتی ہے کہ خود انسانی خیال بھی اس کے سامنے جھجک کے رہ جاتا ہے سب سے اول اُسے حیوانات اور وحشی جانوروں سے سابقہ پڑا۔ اور ان پر غالب آکر وہ آگے بڑھا اور رفتہ رفتہ برابر ترقی کرتا رہا مگر اس رستہ میں اُسے بڑی بڑی مصیبتیں اور آفتیں جھیلنی پڑیں۔ بڑی بڑی ناکامیوں اور مایوسیوں کا سامنا ہوا۔ اور اب تک ترقی کے میدان میں اُسے وہی ہفتخواں طے کرنے پڑتے ہیں۔ اور اُسے اپنے بنی نوع کے ساتھ ہر دفعہ اور ہر لحظہ وہی لڑائی لڑنی پڑتی ہے جو وہ اب تک لڑتا آیا ہے۔ یہی لڑائی مقابلہ منافسہ اور جدوجہد ترقی اور تہذیب وتمدن کی جان ہے۔ ہر شے جس میں حیات ہے اور تمام امور اور خیالات میں جن کا حیات سے تعلق ہے یہی جدوجہد پائی جاتی ہے۔ تمام افعال وحرکات میں۔ تمام ارادوں اور نیتوں میں۔ اندرونی اور بیرونی زندگی میں ہماری زندگی کے اعلےٰ اور نازک موقعوں میں ہمارا بڑا منشا یہ ہوتا ہے کہ کامیابی حاصل کریں اور ناکامی سے بچیں۔ ہماری ساری طاقت اور دانشمندی اسی میں صرف ہوتی ہے۔

انسان اور دیگر تمام حیوانات میں ایک خاص فرق ہے اور وہ یہ کہ انسان میں دو ایسی خصوصیتیں جمع ہیں جو کسی دوسرے حیوان میں نہیں اور اس لیئے اس کا ارتقا دوسرے حیوانات کے ارتقا سے مختلف ہے۔ ایک تو عقل ہے اور اس ترقی میں اس کا بڑا حصہ ہے لیکن عقل انسان کو دو باتیں سکھاتی ہے ایک تو یہ کہ اس کا ذاتی فائدہ سب سے ضروری اور سب سے مقدم ہے دوسرے موجودہ وقت بڑی چیز ہے

ہمارا سارا فائدہ اسی سے وابستہ ہے اور اسی میں ہونا چاہیئے۔ دوسری خصوصیت انسان میں مدنیت کی ہے یعنی وہ قابلیت جس کے اثر سے وہ اپنے بنی نوع سے مل جلکر جماعتوں میں رہ کر کام کرتا ہے۔ یہ دو خصوصیتیں ایک دوسرے کی مخالف ہیں اور آپس میں ان کی مصالحت ممکن نہیں معلوم ہوتی۔ عقل کا کام تفرقہ۔ انفعال اور فنا ہے۔ تمدن کی ترقی کے لئے ایثار اور سوسائٹی کے فائدہ کو اپنے فوائد پر مقدم سمجھنا اپنے اغراض و فوائد کو دوسروں کے لئے اور خصوصاً ان نسلوں کے لئے جواب تک وجود میں نہیں آئیں۔ قربانی کرنا ہے۔ یہ ایثار اور قربانی سائنس اور عقل نہیں سکھا سکتی۔ اس کی ہدایت عقل اور سائنس سے بالا ہے اور یہ ہدایت مذہب سے حاصل ہوتی ہے اور اس لئے انسانی تمدن و ترقی مذہب پر مبنی ہے۔ ارتقا کا مقصد جد و جہد اور قربانی سے حاصل ہوتا ہے اور یہ صرف مذہب میں پایا جاتا ہے جس کی ہدایت عقل سے بالا ہے۔ عقل اس کی مخالف ہے۔ اور اس لئے ضرور ہے کہ عقل مذہب کے تابع رہ کر جد و جہد کرے۔ ورنہ اگر وہ غالب آجائے گی تو شیرازہ نظام تمدن بکھر جائے گا۔ ارتقائے عالم میں افراد سوسائٹی کے لئے قربانی کر دیئے جاتے ہیں۔ عقل افراد کو اپنے فوائد کے لئے سعی کرنا سکھاتی ہے اور انسانی ترقی کی راہ میں حائل ہوتی ہے۔ مذہب ہمیں ذاتی اور شخصی قربانی اور ایثار سکھاتا ہے۔ نہ صرف اُن لوگوں کی خاطر جو ہمارے آس پاس زندہ موجود ہیں بلکہ اُن لوگوں کے لئے بھی جو آئندہ زمانہ میں آئیں گے اور ابھی وجود میں بھی نہیں آئے۔ حالانکہ یہ امر ذاتی فوائد کے خلاف ہے۔ غرض انسانی تمدن میں دو مخالف رُجحانات کی نشو و نما ہوتی ہے۔ ایک تو وہ ہے جس میں افراد کو سوسائٹی کے تابع ہونا پڑتا ہے اور دوسرا رُجحان عقلی ہے جسے اس اتباع میں جس میں اس کا مطلق فائدہ نہیں بلکہ زیادہ تر ایسے لوگوں کا فائدہ ہے جو ابھی وجود میں نہیں آئے تامل اور عذر ہے۔ لیکن ترقی وہی قوم کر سکتی ہے جس میں دوسرا رُجحان پہلے رُجحان کے تابع ہے۔ مگر اس اتباع کے لئے

عقل یا سائنس کی کتاب میں کوئی فتویٰ نہیں ملتا۔ اگر ہم اپنی زندگی پر غور کریں کہ وہ کس قدر ناپائدار اور کس قدر بے بنیاد ہے تو عقل صرف ایک فرض پر بہت زیادہ زور دیتی ہے جس کے سامنے باقی تمام خیالات ہیچ ہیں۔ اُس کی ہدایت یہی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو عمر کے ان چند لمحوں کو کام میں لایا جائے اور حتی الوسع ان سے فائدہ اُٹھایا جائے انسان تکلیف سے بچے راحت حاصل کرے اور یہ چند دم جو ہمیں مستعار ملے ہیں آرام سے بسر ہو جائیں۔ اور اسی خیال سے انسان دولت کماتا ہے شہرت اور قوت حاصل کرتا ہے اور طرح طرح کے ایسے کام کرتا ہے جن سے عیش و راحت اور لطف نصیب ہو۔ اگر یہ رُجحان بے روک ٹوک ترقی کرتا رہے تو انسانی ترقی رُک جائے۔ اس لئے اسے ایک دوسرے رُجحان کے تابع ہونا پڑتا ہے جس کا ذکر ہم ابھی کر چکے ہیں۔ دنیا میں جہاں کہیں اصل ترقی ہوئی وہاں اخلاقی اور مذہبی رجحان غالب رہا اور عقل اس کے تابع رہی۔ عقل بے شک ہماری رہبر و رہنما ہے لیکن اس کا احاطہ محدود اور اس کی نظر تنگ ہے۔ اور اس لئے ضرورت ہے ایک ایسی ہدایت کی جو اس سے آگے ہمیں لے جائے۔ اور یہ کمی مذہب سے پوری ہوتی ہے۔ اکثر کہا جاتا ہے کہ جو لوگ مذہبی اور اخلاقی نظام کے بالکل قائل نہیں وہ باوجود اس کے نیک نیت اور مخیر اور نیک چلن ہوتے ہیں۔ لیکن یہ امر ماننے یا نہ ماننے پر منحصر نہیں ہے۔ انسانی تمدن یا انسانی ترقی چند اشخاص یا ایک آدھ نسل کا کام نہیں ہے۔ قرنوں اور نسلوں کی جد و جہد کے بعد حالت درست ہوتی ہے۔ جو شخص کسی اصول اخلاق و مذہب کا قائل نہیں ہے وہ بھی اسی سلسلہ تمدن کی پیداوار ہے۔ اس کی نشست و برخاست بات چیت۔ طرز خیال غرض کل حرکات و افعال اُسی سانچے میں ڈھلے ہیں اور اُسی سوسائٹی سے ارثاً تعلیماً صحبتہً ملے ہیں۔ وہ ہزار زبان سے انکار کیا کرے مگر جو روش و رجحان طبیعت اُس میں پیدا ہو گیا ہے وہ اسے زائل نہیں کر سکتا۔ یعنی وہ اپنے آپ سے باہر نہیں

نکل سکتا۔ وہ مجبور ہے۔ اور بات بات میں اُسی نظام اخلاق و مذہب کا تابع ہے جس سے وہ انکار کرتا اور جس کی وہ تضحیک کرتا ہے۔

یونان کی عقلی ترقی دنیا کی تاریخ میں بے نظیر ہے اور بڑے بڑے اہل آرا کی رائے ہے کہ باوجود زمانہ موجودہ کی حیرت انگیز ترقی کے ہم ابھی تک اس درجہ کو نہیں پہنچے اور ہم اب بھی سقراط افلاطون وارسطو و فیڈاس جیسے لوگ پیدا نہیں کر سکے۔ لیکن باوجود اس زبردست عقلی ترقی کے وہ ایسا نیست و نابود ہوا کہ گویا کبھی پتا ہی نہیں تھا یہ اسلئے کہ اس ترقی میں عقل غالب آگئی تھی اور اخلاقی و مذہبی اصول تابع عقل کر دیئے گئے تھے۔ اسی بداخلاقی اور بد مذہبی نے روما کو تباہ و برباد کیا۔ لیکن یہودی اور ہند و باوجودیکہ وہ صدیوں سے محکوم اور غلام ہیں اب تک باقی ہیں اور ان میں ترقی کی صلاحیت موجود ہے۔ روما و یونان کے زوال کی تاریخیں پڑھنے سے حیرت و عبرت ہوتی ہے اور یہ بہت بڑا سبق ہے اُن اقوام کے لئے جو دنیا میں بڑھنا اور ترقی کرنا چاہتی ہیں۔

انسان کی طبیعت ایسی واقع ہوتی ہے کہ وہ ایک حالت پر قانع نہیں رہتا۔ ایک چیز کے حاصل ہونے پر دوسری اور دوسری سے تیسری کی طرف لپکتا ہے جب بھوک لگی تو کھانے کی تلاش ہوئی رفتہ رفتہ جب روٹی پیٹ بھر کے ملنے لگی تو بھوک تو ایک طرف رہ گئی کھانے کا مدار ذائقہ پر آٹھیرا۔ اور اس چاٹ میں اس نے وہ ترکیبیں اور نزاکتیں پیدا کیں کہ کچھ انتہا نہیں۔ کپڑا بدن کی حفاظت اور راحت کے لئے تھا اُسے اس نے وجہ زیبائش و آرائش بنالیا۔ وہ حقیر جھونپڑا جو سر چھپانے کے لئے بنایا تھا اب ایک شاندار محل بن گیا ہے۔ جس میں تمام سامان آرائش و حسن جمع ہیں۔ اسی طرح اس نے دولت حکومت قوت حاصل کرنے کی کوشش کی اور جوں جوں اس کے دل کا مدعا حاصل ہوتا گیا اس کی ہوس اور بڑھتی گئی۔ اور اس کے خیال کی جولانی میں اور وسعت ہوتی گئی۔ اور ہر شے میں نئی نئی نزاکتیں اور لطافتیں پیدا

ہوتی گئیں اور وہ ان میں ایسا محو ہوا کہ بالآخر یہی اس کے زوال کا باعث ہوئیں اصل یہ ہے

کہ انسانی ترقی باطن سے شروع ہوتی ہے اور انسانی تنزل بھی باطن ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔ جو لوگ جسمانی آرام اور مادی راحتوں میں مبتلا رہتے ہیں اور اسی کو اصل ترقی سمجھتے ہیں وہ ہمیشہ درجہ اسفل میں رہتے ہیں اور کبھی درجہ اعلےٰ کو نہیں پہنچتے جو ہمیشہ باطن کی ترقی سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ جسم عارضی اور فانی ہے اور اس کے ساتھ اس کی ساری خواہشیں اور راحتیں اس کی ساری حکومت اور قوت بھی فنا ہونے والی ہے جسم کے چھوڑنے کے بعد روح رہ جائے گی اور وہ ہمیشہ رہے گی جس نے اپنی نفسانیت اور خود غرضی کو دبا کر ایثار کو ترجیح نہیں دی جس نے اُس ہدایت کے نور سے جو مذہب کے ذریعہ سے ہوتی ہے اپنے آپ کو منور نہیں کیا اور اپنے باطن اور روح کو صفائی کی طرف توجہ نہیں کی تو اس کی روح عالم ارواح میں بھی ادنےٰ حالت میں رہے گی۔ ڈارون کا اصول ارتقا صرف جسم اور اس کے علائق تک ہے جب جسم کا خاتمہ ہوگیا تو اس کا بھی خاتمہ ہوگیا۔ اس اصول کے ماننے والوں کو اور ذرا دوسری طرف بھی توجہ کرنی چاہئے جو اصل ترقی ہے اور جس کا سلسلہ ابدالآباد تک رہنے والا ہے۔ جسم کے چھوڑنے کے بعد روح جس حالت میں یہاں تھی اُسی حالت میں عالم ارواح میں پہنچتی ہے۔ اگر وہ یہاں ادنےٰ حالت میں تھی تو وہ وہاں ادنےٰ حالت میں رہکر پھر ترقی کرے گی اور یہاں کی جسمانی خواہشات غالباً اس کی تکلیف کا باعث ہوں گی۔ اگر اس نے یہاں ترقی کی ہے تو ترقی یافتہ حالت میں پہنچے گی اور وہاں سے ترقی کرکے اپنے سے اعلےٰ دوسرے عالم ارواح میں جائے گی اور اسی طرح ترقی کرکرکے اس سے بھی اعلےٰ عوالم میں پہنچے گی۔ اور یہ سلسلہ ہمیشہ ہمیشہ جاری رہے گا۔ کیونکہ جس طرح سیاروں کے نظام لاتعدد ولاتحصےٰ ہیں اسی طرح نظامات روح بھی بے حد و بیشمار ہیں۔ یہ ہے اصل اور صحیح اصول ارتقا جس کا سلسلہ نامتناہی ہے

اور لازوال ہے۔ اس لئے انسان کا فرض ہے کہ وہ ادنےٰ خیالات کو چھوڑ کر درجہ اسفل سے اعلےٰ کی طرف ترقی کرے جس کی ہدایت ہمیں مذہب کرتا ہے۔

۱۱

غرض سائنس انسان کا کامل تعلق کائنات سے اس طور پر ظاہر نہیں کر سکتا جیسا کہ مذہب کرتا ہے۔ کیونکہ سائنس کا دائرہ محدود ہے۔ اس کی رسائی صرف مادی اشیاء تک ہے۔ لیکن مذہب کی حکومت بہت وسیع ہے۔ وہ مادی اور غیر مادی دونوں مملکتوں پر حاوی ہے اور اس کے اصول دور دور تک پہنچتے ہیں۔ جہاں سائنس کے پَر جلتے ہیں مذہب نہ صرف اُن فرائض کو ادا کرتا ہے جو متعلق انسان کے نفس سے ہیں یا جو دوسروں سے متعلق ہیں۔ بلکہ وہ اُن فرائض کا بھی خیال رکھتا ہے جو ان لوگوں کے متعلق ہیں جو ابھی وجود میں نہیں آئے نہ صرف یہی بلکہ وہ اُس عالم سے بھی متعلق ہے جہاں ہمیں اس دنیا سے کوچ کرنے کے بعد جانا ہے یسا ئنس انسان کی روح اور روحانی عالم اور عقبےٰ کا انکار کیا کرے کیونکہ وہ کوتہ نظر ہے۔ لیکن اس کے انکار سے کسی شے کی ہستی زائل نہیں ہو سکتی۔ اہل سائنس اپنے بھورے برابر علم پر اس قدر نازاں اور مغرور ہیں کہ جو بات ان کے علم میں نہیں اس سے وہ جھٹ انکار کر بیٹھتے ہیں۔ اور چند قانون قدرت جو انہیں معلوم ہوئے ہیں اُن پر اس قدر بھروسہ ہے کہ جو بات ذرا اُن کے خلاف نظر آئے فوراً کہہ بیٹھتے ہیں کہ یہ ناممکن ہے یہ خلاف قانون قدرت ہے۔ گویا یہ کائنات کے تمام قوانین قدرت پر حاوی ہیں۔ جو ذرا ہوشیار ہیں انہوں نے ایک دوسری ترکیب نکالی ہے ان کا جواب یہ ہوتا ہے کہ ہم نہیں جانتے یا ہمیں اس کا علم نہیں لیکن یہ جواب خود اَن سائنٹیفک ہے۔ سائنس جستجو تلاش اور تحقیق سکھاتا ہے تحقیق سے اعراض کرنا سائنس کی ذات کے خلاف ہے لیکن اہل سائنس کی یہی ہمیشہ کی عادت رہی ہے۔ جو امور ان کی تحقیق اور ان کی حدود سے باہر ہیں ان کے تو منکر ہی ہیں لیکن

سائنٹیفک تحقیقات کو بھی انہوں نے ہمیشہ اسی نظر سے دیکھا ہے۔ ڈاکٹر ڈریپر نے اپنی کتاب میں اہل مذاہب پر تو جابجا طعن و تشنیع کی ہے کہ انہوں نے سائنس کی مخالفت کی لیکن انہیں یہ بھی ضرور معلوم ہوگا کہ خود اہل سائنس نے تمام سائنٹیفک تحقیقات کی ابتدا ابتدا میں کس قدر مخالفت کی ہے۔ اور جب کبھی اور جہاں کہیں سائنس میں کوئی نئی دریافت یا تحقیقات ہوئی تو سب سے اول اس کی مخالفت میں اہل سائنس آستینیں چڑھا کر آئے۔ کوپرنیکس۔ گلیلیو اور ہاروے کے نام سے کون واقف نہیں انہوں نے سائنس میں ایسے ایسے انکشافات کئے ہیں جو تا قیامت یادگار رہیں گے لیکن ان کی مخالفت سب سے اول نہایت شد و مد کے ساتھ ان کے ہم عصر اہل سائنس نے کی جب بنجمن فرینکلن نے رائل سوسائٹی کے سامنے برآقہ کی بحث کی تو تمام اہل سائنس نے اُسے بے وقعت بنایا اور رسالہ "فلاسوفیکل ٹرینز ایکشن" نے اس مضمون کو درج کرنے سے انکار کیا۔ حالانکہ وہی چیز آجکل کس قدر مفید اور کارآمد ثابت ہوئی اور اس کا استعمال عام ہوگیا ہے۔ جب ینگ نے روشنی کے نظریہ انتعاشیہ کے عجیب وغریب ثبوت پیش کئے تو سائنس دانوں نے اس کی خوب ہنسی اُڑائی۔ سر ہمفری ڈیوی نے جب یہ خیال ظاہر کیا کہ لندن میں گیس کی روشنی ہوسکتی ہے تو اہل سائنس نے اس کا مضحکہ اُڑایا۔ اسٹیفن نے جب یہ تجویز کی کہ لورپول اور مانچسٹر کے ریلوے روڈ پر انجن گاڑی چلائی جائے تو اُس وقت کے بڑے بڑے اہل سائنس نے شہادت میں بیان کیا کہ یہ ناممکن ہے کہ اس کی رفتار بارہ میل فی گھنٹہ بھی ہوسکے۔ جب نامور اور مشہور منجم ارے گو نے برقی ٹیلیگراف کے متعلق بحث کرنی چاہی تو فرنچ اکاڈیمی آف سائنس نے اس کی خوب ہنسی اُڑائی اور اُسے بحث نہ کرنے دی۔ یہ چند عام اور معمولی نظیریں پیش کی گئی ہیں ورنہ سائنس کی ہر شاخ کے متعلق سیکڑوں مثالیں موجود ہیں کہ جب کسی نے کوئی نئی تحقیقات کی تو سب سے اول اہل سائنس نے اس کی مخالفت کی۔

جب سائنس کے متعلق اہل سائنس کا یہ حال ہے تو روحانیات کے متعلق وہ جس قدر شد و مد کے ساتھ مخالفت کریں کم ہے لیکن وہ امور جن کی وہ مخالفت کرتے ہیں اور جن کے ماننے سے وہ انکار کرتے ہیں ایک روز مسلم ہو جائیں گے اور انہیں اپنی مخالفت پر خود افسوس کرنا پڑے گا۔ کیونکہ انہوں نے دیدہ دانستہ اپنے ہاتھوں اپنے علم کو محدود رکھا۔ اہل سائنس اہل مذاہب کو تعصب کا الزام دیتے ہیں لیکن ان کی ضد اور ان کا تعصب ان سے کچھ کم نہیں۔ ان کے ذرا سے علم نے انہیں اندھا کر دیا ہے تحقیق و تجسس جس پر انہیں ناز ہے وہ صرف ایک نہایت تنگ دائرہ تک محدود رکھتے ہیں۔ اس کے آگے دیکھنے سے وہ صاف انکار کرتے ہیں اور محض تعصب کی وجہ سے اپنی تحقیق کا دائرہ وسیع کرنا نہیں چاہتے لیکن وہ وقت آتا ہے جب انہیں مجبوراً اس خول کو توڑ کر باہر نکلنا پڑے گا۔

غرض اگر ہم روح کی ہستی اور اس کی قوت سے جس کے متعلق بے انتہا واقعات اور بہت قوی دلائل موجود ہیں انکار کر دیں اور مذہب کو جس کے اصول کی زیادہ تر بنیاد اسی پر ہے انسانی تمدن سے خارج کر دیں تو انسان کی زندگی محض بے سود و بیکار اور بے برگ و ثمر رہ جاتی ہے۔ اگر انسان صرف اسی مادی دنیا کو اور اس چند روزہ زندگی کو اپنا منتہا سمجھ لے تو کیا ان انسانی تمناؤں کے لئے جو اس کے دل میں موجیں مار رہی ہیں یہ دنیا کافی ہو سکتی ہے؟ کیا انسانی حیات کا مقصد صرف اتنا ہی ہے کہ وہ یہاں آئے اور چند روز بڑی بھلی طرح کاٹ کر چل دے؟ کیا علوم طبعیات سچے اخلاق اور سچے ایثار کی ہدایت دے سکتے ہیں؟ اگر صرف مادہ ہی اصل حقیقت ہے اور طبعیات و ریاضیات کے قانون اس کے فرمانروا ہیں تو انسان محض ایک چلتی پھرتی کل ہے۔ اور اس کے بعد دنیا میں کوئی قوت ہے تو ایک وحشیانہ قوت ہے جو سب پر غالب آ جائے گی۔ خیر و شر یا برائی بھلائی صرف یہ نہیں ہے

کہ وہ ہمارے ذاتی یا تمدنی ذلیل وحقیر اغراض کے مطابق یا غیر مطابق ہے۔ بلکہ اس کا تطابق یا غیر تطابق اس قانون سے ضروری اور لازمی ہے جو ہم سے بالا اور آلہی قانون ہے۔ انسان کے دل سے اس قانون کے خیال کو مٹا دو۔ اور خدا، حیات جاوید، انصاف وعصمت اور عذاب وثواب کے خیالات نکال دو تو انسان کیا رہ جاتا ہے۔ صرف ایک وحشی جانور بلکہ اس سے بھی بدتر۔ اس میں سے ترقی کا مادہ سب زائل ہو جائے گا اور مادیت کے زہر سے سچے اور پاکیزہ اخلاق مرجھا جائیں گے۔ افسوس اُن بیچاروں پر جو ہوش سنبھالتے ہی محنت ومشقت میں جُٹ جاتے جاتے جاتے ہیں سہتے اور مصیبتیں برداشت کرتے ہیں۔ کس لئے؟ اس لئے کہ چند غافل ناکسوں کی عیش وعشرت کا سامان بہم پہنچائیں۔ افسوس اُن پر جن کی ساری عمر اس فکر وتردد میں کٹ گئی کہ کسی طرح دولت ملے جو اصل مسرت ہے۔ دولت ملی۔ اُس وقت جب کہ آفتیں سہتے سہتے اور بلائیں جھیلتے جھیلتے کمر جھک گئی۔ آنکھوں کی روشنی مدھم ہو گئی۔ نہ پہلی سی سکت رہی نہ پہلا سا جوش۔ قوے میں اضمحلال اور عناصر میں اختلال آگیا۔ اب معلوم ہوا کہ صرف دولت مسرت کا باعث نہیں۔ یا اُس وقت بے مانگے بلا محنت مشقت کے ملی جبکہ جوانی کا بھوت سر پر سوار تھا۔ اور بجائے مسرت کے زحمت اور آفت کا باعث ہوئی۔ کاش ضبط نفس ہوتا۔ تھوڑی سی قناعت اور اعتدال پر نظر ہوتی۔ دولت اور دولت سے جسمانی عیش انتہائے مسرت کا ذریعہ خیال کیا جاتا ہے لیکن حصول دولت و عیش کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ یہ دھوکا تھا۔ خود اس میں اس قدر بلائیں اور آفتیں بھری ہیں کہ خوشی مفقود ہو جاتی ہے۔ اصل خوشی اعتدال قناعت اور ضبط نفس میں ہے۔ بشرطیکہ انسان کسی مقصد اعلےٰ کے حصول میں مشغول ہو۔ اور یہ اُسی وقت حاصل ہوتا ہے جبکہ باطن کی روشنی کی جھلک سے بیرونی حالات پر اثر پڑے۔ بیرونی حالات کے موافق کر لینے اور مادی سامان کے حصول سے جو لوگ دل کو مطمئن اور بامسرت

بنانا چاہتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ دل کی خواہشات کی نہ کوئی انتہا ہے اور نہ اُس کی گہرائی کی کوئی تھاہ ہے۔ بلکہ کام دوسری طرف سے شروع کرنا چاہیئے۔ اپنے ارادے میں قوت نفس پر جبر اور ضبط حاصل کرنا اور خواہشات نفسانی کو اس کے تابع بنانا چاہیئے تاکہ قلب کا اثر مادی حالات و خواہشات پر پڑے اور وہ اس کے لطف و مسرت کا باعث ہوں۔ اُسی وقت اعتدال و قناعت نصیب ہوگی اور کام میں سہولت و استقلال پیدا ہوگا۔ لیکن اس سے بھی اعلیٰ مسرت انسان کو اُس وقت حاصل ہوتی ہے جب وہ بے نفسی اور بے غرضی سے کام لیتا ہے۔ حیات انسانی کی تہ میں رنج و الم ہے۔ انسان ہر طرف سے خطرے اور بے اطمینانی سے گھرا ہوا ہے۔ اور زیادہ تر جو وہ کھیل اور تفریح اور دیگر اشغال میں اپنے آپ کو مصروف رکھتا ہے تو اس کی وجہ یہی ہے کہ جہاں تک ہو سکے وہ اپنے آپ کو بہلائے رکھے اور دلی کاوشوں کی طرف اس کا خیال نہ جائے۔ انسانی فطرت کا ایک یہ بھی اصول ہے کہ انسان خوشی کی تلاش اور حصول سے نہیں بلکہ اپنی مصروفیت سے آلام زندگی کا مقابلہ کرتا ہے۔ لیکن یہ عام مصروفیت ادنےٰ درجہ کی ہے۔ اعلےٰ درجہ اس کا اس وقت حاصل ہوتا ہے جبکہ وہ بے غرض اور بے نفس ہوتا ہے اور دوسروں کو مسرت اور خوشی پہنچانے کے لئے اپنے تئیں بھلا دیتا ہے۔ مذہب کی زبان میں اسے ثواب کا کام کہتے ہیں۔ وہ ایک تنگ دائرہ سے نکل کر انسانی ہمدردی اور اخلاق کے اعلےٰ طبقہ میں جا پہنچتا ہے اور دوسروں کو راحت پہنچانے کے خیال میں وہ اپنے آپ کو قربان کر دیتا ہے سچے مذہب کی تعلیم یہی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ایک سچے مذہبی آدمی کی خوشی زیادہ پائدار اور مستقل اور بے غل و غش ہوتی ہے اور اُسے اپنے کام پر زیادہ اطمینان ہوتا ہے۔ وہ گزشتہ کا شکر اور حال پر قناعت کرتا اور آئندہ کی توقع رکھتا ہے بخلاف اُس بوالہوس دولت کے بندے کے جو گزشتہ پر پچھتاتا اور حال میں مذبذب اور بے اطمینان

رہتا ہے اور آئندہ زمانہ اُسے تاریک نظر آتا ہے +

۱۲

ہم نے جو گزشتہ اوراق میں انسان کی مذہبی اور روحانی قوت پر بہت زیادہ زور دیا ہے تو اس کے یہ معنی نہ سمجھے جائیں کہ عقل یا سائنس و فلسفہ بیکار یا گمراہ کرنے والے ہیں۔ بلکہ اس رُخ پر زیادہ زور اس لئے دیا گیا ہے کہ آجکل سائنس کی چکاچوند سے لوگوں کی نگاہ اس قدر خیرہ ہوگئی ہے کہ وہ دوسرے رُخ پر نظر نہیں ڈالتے۔ ورنہ سائنس و فلسفہ کے کارآمد ہونے سے کسے انکار ہوسکتا ہے۔ اور مادی ترقی سے اس نے انسانی تمدن کو جو مدد دی ہے وہ ظاہر ہے۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ محض سائنس کی ترقی انسانی ترقی نہیں ہوسکتی۔ اور نہ اُسے اس رُتبہ پر پہنچا سکتی ہے جو اس کا اصل منشاء و منتہا ہے +

پھر سائنس اور مذہب میں اختلاف و مخالفت کیوں ہے؟ غور کرنے پر معلوم ہوگا کہ اس اختلاف و مخالفت کی کوئی وجہ نہیں۔ یہ محض غلط فہمی پر مبنی ہے +

مذہب کی بنیاد مافوق العادۃ پر ہے اور سائنس کی بنیاد عقل پر۔ اہل مذہب سائنس سے اس لئے ڈرتے ہیں۔ کہ سائنس کے اصول اور ان کے انکشافات مذہب کو کمزور اور زائل کردیں گے حالانکہ یہ خیال محض باطل ہے۔ سائنس صدہا سال سے برابر ترقی کرتا چلا آتا ہے لیکن وہ مذہب کی بنیاد کبھی نہ ہلا سکا۔ مذہب کی قوت ابھی تک ویسی ہی قائم ہے اور قائم رہے گی۔ اس لئے کہ جس شے پر مذہب کی بنیاد ہے وہ سائنس کی دسترس سے باہر ہے۔ خیال مافوق العادۃ عقل سے باہر ہے اس لئے کہ اس کا تعلق دل سے ہے دماغ سے نہیں۔ اور یہ ایک ایسا وجدان قلب ہے جس میں غیر محدود کے محسوس کرنے کی قوت ہے۔ حالانکہ عقل بذاتہا محدود ہے۔ غیر محدود یعنی خدا کا دیکھنے اور پہچاننے والا دل ہے عقلی استدلال سے اس کی معرفت حاصل نہیں ہوسکتی۔ ادلہ و براہین اسی کیلئے مفید ثابت

ہو سکتی ہیں جس میں پہلے سے یہ وجدان ہے اور خدا کو مانتا ہے۔ جو نہیں مانتا اس کے لئے تمام دلائل بیکار ہیں۔ لہٰذا اہل مذہب کو سائنس سے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں اگر زمین گردش کرتی ہے تو اور آسمان پھرتا ہے تو مذہب کو اس سے کیا تعلق؟ اگر کوئی نیا ستارہ دریافت ہو تو مذہب پر اس کا کیا اثر؟ اگر زمین کے اندر سے نئے نئے آثار متحجرہ نکلیں اور ان سے انسان کی قدامت پر روشنی پڑے تو مذہب کو اس سے ڈرنے کی وجہ؟ اگر کشش ثقل نے سائنس میں انقلاب پیدا کیا اور بہت سے مسائل عالم کو حل کیا تو بہت مبارک۔ مذہب اس سے کیوں خائف ہو؟ اور نظریہ ارتقا انسان کی ترقی کے اصول کو بتاتا ہے تو بتائیے مذہب کیوں اس سے گھبرائے؟

جب مذہب کی حالت ایسی مستحکم اور قوی ہے تو پھر اہل مذاہب کیوں اہل سائنس سے لڑتے اور جھگڑتے اور اُن پر ارتداد و کفر کے فتوے لگاتے ہیں؟ اس کی وجہ صرف ایک معلوم ہوتی ہے اور وہ یہ ہے۔ کہ چونکہ مذہب انسان کے ساتھ اُس وقت سے ہے جب سے اُس نے ہوش سنبھالا اور جبکہ سائنس کا نام ونشان بھی نہ تھا اس لئے مذہب کو علاوہ روحانیات ومعاشریات کے وہ کام بھی کرنا پڑا جو سائنس سے مخصوص تھا۔ غرض ابتدا میں مذہب روحانی اخلاقی معاشرتی سیاسی اور سائنٹفک تمام انسانی شعبوں پر حکومت کرتا رہا اور مذہب کا ہادی معلّم بھی تھا فلاسفر بھی تھا اور حاکم بھی تھا۔ لیکن مذہب واخلاق کو چھوڑ کر باقی امور ضمنی تھے اور وہ مجبوراً مذہب میں داخل کر لئے گئے تھے۔ انسان نے جب ترقی کی اور اس کا تجربہ اور تمدن وسیع ہوا تو ہر شعبہ الگ ہونا شروع ہوا۔ اور اُن میں نئی نئی باتیں اور نئے نئے انکشافات شروع ہوئے۔ اہل مذاہب نے جب یہ دیکھا تو انہیں یہ امر ناگوار گزرا اور وہ یہ سمجھے کہ ان کی یہ ترقی ہماری مخالفت میں ہے۔ جو امور ابدان وحفظان صحت کے متعلق تھے وہ علم طب نے سنبھال لئے۔ جو ملکی تھے وہ علم سیاست نے لے لئے۔ اور جو نجوم و

ٹھوس واقعات کے متعلق تھے وہ فلکیات کے تحت میں آ گئے۔ مگر اہل مذاہب ایک مدت تک اُنہیں باتوں پر جمے رہے جو ابتدا میں ضمناً ان علوم کے متعلق مذہب کی ذیل میں آ گئی تھیں اور علمی ترقی سے انکار کرتے رہے اور اس ترقی کو مذہب کی مخالفت اور استیصال کا باعث سمجھتے رہے لیکن درحقیقت ان امور کو نہ پہلے مذہب سے تعلق تھا اور نہ اب ہے اور نہ ان کی ترقیاں مذہب کے رستے میں حائل ہو سکتی ہیں۔ اور نہ اُسے کچھ نقصان پہنچا سکتی ہیں۔ کیونکہ سائنس مذہب پر کسی طرح نہ حملہ کر سکتا اور نہ اسے نقصان پہنچا سکتا ہے اس لئے کہ جس پر مذہب کی بنیاد ہے وہ سائنس کی دسترس اور رسائی سے باہر ہے ✦

اب رہی سائنس کی مخالفت مذہب سے۔ سو یہ بالکل بیجا اور محض ہٹ دھرمی اور جہالت پر مبنی ہے۔ کیونکہ سائنس مذہب کے سمجھنے سے قاصر ہے۔ سائنس استدلال عقلی پر مبنی ہے اور سب چیزوں کو اسی سے پرکھتا ہے۔ جو چیزیں اس کے اصول پر پوری نہیں اُترتیں ان کے ماننے سے انکار کر دیتا ہے۔ لیکن وہ یہ بھول جاتا ہے کہ صرف عقل ہی ایک خصوصیت انسان کی نہیں بلکہ اس میں دوسری قوتیں بھی ہیں اور احقاق حق میں صرف عقل ہی پر دار و مدار نہیں ہوتا بلکہ اور قوتیں بھی کام میں آتی ہیں۔ انسان کی اخلاقی اور روحانی قوتیں کچھ کم اہم نہیں ہیں۔ مثلاً حسن کی دریافت کے لئے ذوق ایسا ہی ضروری ہے جیسی عقل۔ احقاق حق میں عقل وہیں تک کام دیتی ہے جہاں تک سلسلہ علت و معلول کا تعلق ہے لیکن جہاں اس کے سوا کچھ اور بھی ہے تو وہاں روحانی عمل شروع ہو جاتا ہے جب معمولی باتوں کی تحقیق میں عقل حالات و عادات و اغراض سے بھٹک جاتی ہے تو ان معاملات میں اس کی کیا پیش جا سکتی ہے جن کا زیادہ تر تعلق تمیز و جدانی پر ہے۔ چونکہ مذہب کی بنیاد ما فوق العادۃ پر ہے جو عقل سے بالا ہے اس لئے سائنس وہاں نہیں پہنچ سکتا اور اپنی نادانی اور نافہمی

سے اس پر حملے کرتا اور اس کے ماننے سے انکار کرتا ہے۔ ایک بات اُسے اور ہاتھ لگ گئی ہے جب اس کی سمجھ میں یہ باتیں نہیں آتیں تو وہ صاف کہہ اُٹھتا ہے کہ یہ خلاف قانون فطرت ہیں۔ گویا تمام قوانین فطرت اس کے دیکھے بھالے ہیں اور وہ اُن سب پر حاوی ہو چکا ہے۔ اوّل تو اس کرہ کی جس پر ہم آباد ہیں بساط ہی کیا ہے دوسرے جو چند قانون فطرت ہمیں معلوم ہیں بالکل محدود ہیں اور وہ صرف مادی حالت سے متعلق ہیں۔ عقل خود محدود ہے اور سائنس جس کی بنیاد اس پر ہے اور بھی محدود ہے۔ اُسے غیر محدود کا علم یا معرفت کیسی ہو سکتی ہے۔ وہ مادی سے آگے نہیں بڑھ سکتا ہے اگرچہ اس کے متعلق بھی اس کا علم بہت محدود ہے۔ پھر اس محدود علم اور یک طرفہ علم پر اس کے یہ دعوے ہیچ ہیں۔ اور بغیر اس کوچہ میں قدم رکھے جو مادہ سے بالا ہے اور بغیر اس تحقیق و معرفت کے جو اس دائرہ میں داخل ہوئے بغیر نہیں ہو سکتی اس کا انکار ناقابل سماعت ہے۔ ایسی صورت میں سائنس کا مذہب کا منکر یا مخالف ہونا سراسر نادانی و نافہمی ہے۔ اہل سائنس کو زیادہ عالی ظرفی زیادہ وسیع النظری زیادہ حوصلہ و تحمل اور زیادہ تحقیق و تجسس سے کام لینا چاہئے۔ اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ کر یہ کہدینا کہ آفتاب کا وجود ہی نہیں اور جب دوسرے اس کے ہونے کی شہادت دیں تو انہیں جھٹلانا سائنس اور فلسفہ کے اصول کے خلاف ہے۔ مگر باوجود کثرت واقعات و دلائل وہ اپنے انکار پر مصر ہیں اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا تعصب اور اُن کی ہٹ دھرمی مذہبی تعصب اور ضد سے کہیں بڑھی ہوئی ہے +

جس طرح علمائے طبعیات و مریدان ارتقا کو اس بات کی ضرورت ہے کہ وہ چادر دیکھ کر پاؤں پھیلائیں اور اپنی حدود سے آگے نہ بڑھیں۔ اسی طرح اہل مذاہب کو بھی چاہئے کہ وہ احتیاط سے کام لیں اور اپنی حد سے تجاوز نہ کریں۔ ایک حد ہے

جہاں مذہب کو رُک جانا چاہیے۔ اور ایک حد ہے جہاں سائنس کو ٹھہر جانا چاہیے اور یہاں پہنچ کر سائنس اور مذہب نہ صرف اپنے پرانے قصے قضیئے اور عداوتوں کو بھلادیں بلکہ دو روٹھے ہوئے بھائیوں کی طرح مَن جائیں۔ عالم طبعیات کو ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے قبل اس کے کہ وہ کائنات کا مسئلہ کو حل کرے۔ اور اسی طرح اہل مذاہب کو بھی۔ ان کا منشا ایک ہے یعنی انسان کی ترقی اور بہبودی۔ لیکن ایک کا مقصد مادی اور ظاہری ترقی ہے اور دوسرے کا مقصود باطنی اور روحانی ترقی۔ ایک استدلال عقلی اور استقرا کے رستہ اپنی منزل مقصود کو پہنچتا ہے اور دوسرا جذبات اور تخیل کی راہ سے۔ لیکن کسی کو حق نہیں کہ وہ دوسرے کو خارج کردے۔ کائنات کی انتہائی صداقت کا معلوم کرنا کوئی بری بات نہیں اور جو کوئی اس میں کوشش کرتا اور مدد دیتا ہے بہت اچھا کرتا ہے۔ اگر خدا کا خیال ہمارے دل و دماغ میں جاگزین ہے تو پھر اسے نکال نہیں سکتی۔ رُوح اُسے ضرور ہیں پائے گی۔ اور جو شخص اس کوشش میں ہے کہ اس خیال کو نکال دے اور خدا کو کائنات سے خارج کردے وہ بڑا ظلم کرتا ہے +

جھگڑے تنازع اور جد وجہد سے ڈرنا نہیں چاہیے۔ صداقت اختلاف کے بعد بھی قائم رہتی ہے۔ اہل مذاہب کا ضعف اس میں ہے کہ وہ سائنس سے ڈرتے ہیں۔ حالانکہ وہ ڈرنے کی چیز نہیں بلکہ اُس سے مدد لینا اور اُسے معاون بنا کے رکھنا چاہیے۔ اگر اُس کے کہیں دشمن ہیں تو اُن سے مقابلہ کرنا چاہیے۔ بھاگنے سے شکست بہتر ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ شکست سے فتح ہو جائے۔ مگر بھاگنے سے گمنامی کا احتمال ہے۔ اور گمنامی سے موت کا ڈر ہے۔ اور یاد رکھنا چاہیے کہ اگر مذہب میں ہم زیادہ ترقی اور روشن خیالی کو دخل دیں گے اور اُسے توہمات باطلہ اور تمام غیر ضروری کثافتوں سے پاک کردیں گے تو اس کی فتح ہی فتح ہے۔

اسی طرح سائنس کا ضعف اس میں ہے کہ اپنے محدود علم پر تکیہ کرکے بے سوچے سمجھے اور بغیر تحقیق کے اصول مذہب پر حملہ کرتا اور اس کے خیالات سے انکار کرتا ہے۔ حالانکہ اگر وہ انسان کے اُس پہلو پر بھی نظر ڈالے جس سے مذہب بحث کرتا ہے تو اُس کی نظر اور وسیع ہوگی اور وہ زیادہ مفید ثابت ہوگا۔ لیکن اگر وہ اپنی آنکھیں بند کرے گا اور اپنے دل و دماغ میں روشنی نہیں پہنچنے دے گا تو بلاشبہ اُس کی قسمت میں ہار ہے۔ یہ وقت ہے اس کی ہمت آزمائی کا۔ تحقیق و تجسس اس کے اصل اصول ہیں۔ اُسے چاہئے کہ وہ انہیں اپنے محدود دائرے سے اور آگے بڑھائے اور قدرت حق کا تماشا دیکھے۔ اُسے اب صداقت کے ماننے کے لئے تیار ہونا چاہئے۔ اور زیادہ عالی ظرفی اور روشن خیالی سے کام لینا چاہئے اور ضد اور نفسانیت سے دست بردار ہونا چاہئے +

بقول پروفیسر ٹیٹ و بالفور اسٹیوارٹ جو اس زمانہ میں سائنس کے بہت بڑے عالم ہیں اس کائنات میں ایک قانون توال یا عدم انقطاع موجود ہے۔ اگر اس سے قطع نظر کرلی جائے تو تمام عالم درہم برہم ہو جائے گا۔ اور یہ ہستی محض بیکار اور مہمل ہو جائے گی۔ یہ مادی عالم صرف مادہ ہی سے نہیں بنا بلکہ اس میں ایک اور شے بھی ہے جس پر اس کا دارومدار ہے۔ اور وہ قوت ہے۔ لیکن ہمارے لئے یہ قوت اُسی وقت کارآمد ہے جبکہ یہ تبدیل ہیئت کرتی ہے۔ لیکن تجربہ سے یہ ثابت ہے کہ قوت کی تبدیلی اسے کمزور کردیتی ہے۔ یہ بیشک ممکن ہے کہ قوت کو ہم حرارت میں تبدیل کریں اور اس سے کام لیں۔ لیکن ہر ایسی تبدیلی قوت حرارت کو کمزور کردے گی اور رفتہ رفتہ اس کا خاتمہ ہو جائے گا۔ سورج ہمارے نظام کا منبع حرارت اعلیٰ ہے اور وہ قوت جس پر ہماری حیات کا دارومدار ہے اُس حرارت سے اخذ کی جاتی ہے جو سورج سے نکلتی ہے۔ جبکہ سورج ہمارے لئے قوت مہیا کرتا رہتا ہے تو خود وہ سرد

ہوتا جاتا ہے۔ اور آخر کار اس طرح خلائے بسیط میں حرارت نکالتے نکالتے اس میں سے وہ حیات قائم رکھنے والی قوت زائل ہو جائے گی جو اس وقت اس میں موجود ہے علاوہ سورج کے سرد ہونے کے ہمیں یہ بھی خیال رکھنا چاہئے کہ ایتھری گرڈ کی وجہ سے ہماری زمین اور ہمارے نظام کے دوسرے کرے بالتفاف سورج کے قریب ہوتے چلے جائیں گے۔ ہر ایسی حالت میں تصادم سے حرارت پیدا ہو گی اور عارضی طور پر سورج کی بجھی ہوئی قوت پھر بحال ہو جائے گی۔ اور آخر ایک روز یہ سلسلہ بھی ختم ہو جائے گا۔ اور وہ بجھ بجھا کے رہ جائے گا۔ یہاں تک کہ ازمنۂ بیشمار کے بعد اس کے پھر کسی دوسرے کرے سے مٹ بھیڑ ہو۔ اور اس کی جان میں جان آئے۔ اس سے ظاہر ہے کہ حرارت کا یہ ازالہ ایک روز ہمارے نظام کا خاتمہ کردے گا۔ تو پھر کیا اس سے وہ قانون عالم جسے قانون توال یا عدم انقطاع سے تعبیر کیا گیا ہے نہیں ٹوٹ جائے گا؟ ایسی حالت وہ تسلسل جو برابر جاری رہنا چاہئے کہاں رہا؟ لیکن اگر صرف یہ عالم ظاہر ہی سب کچھ ہوتا تو بیشک یہی صورت واقع ہوتی۔ لیکن اب سائنس نے اپنے کھردرے ہاتھوں سے ٹٹول ٹٹول کے اور اپنی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے ایک ایسے عالم کو بھی محسوس کیا ہے جو نظروں سے اوجھل ہے۔ اور اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ ان قوانین کی تکمیل کے لئے جو اس نے دریافت کئے ہیں ایک غیر مرئی روحانی دنیا کا ہونا ضروری ہے۔ اسی قانون توال سے یہ حقیقت بھی معلوم ہوتی ہے کہ یہ غیر مرئی عالم سے قبل ہوگا۔ کیونکہ مرئی عالم کی کوئی ابتدا ہونی چاہئے۔ اب یہاں مذہب یا الہام اور سائنس کی سرگوشیاں شروع ہوتی ہیں۔ مذہب کہتا ہے کہ عالم ایک وقت میں خلق کیا گیا تھا۔ سائنس کہتا ہے کہ جس طرح یہ عالم اس وقت ہے ہمیشہ سے یہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ مذہب کہتا ہے کہ دنیا اور اس کی کائنات سب مل کے خاک ہو جائے گی۔ سائنس ان قوانین کی رو سے جن کی حکومت اس دنیا پر ہے یہ استدلال کرتا ہے کہ موجودہ نظام کا انجام

یہی ہونے والا ہے۔ مذہب کہتا ہے کہ ایک روحانی دنیا بھی ہے جس کا اس دنیا سے گہرا تعلق ہے اور ہماری حالت پر اس کا اثر پڑتا ہے۔ سائنس بھی اب دبی زبان سے کہنے لگا ہے کہ اگر ایسا نہ ہو تو یہ انسانی قانون ملیامیٹ ہو جائیں گے اور اپنے ہاتھوں آپ اپنی قبر بنائیں گے۔ کیونکہ قانون توال یا عدم انقطاع کا مقتضی یہ ہے کہ اگر یہ موجودہ کائنات برباد و تباہ ہو گی تو اس غرض سے کہ وہ دوسری جگہ ایک جدا سلسلہ قوانین کے تحت میں اپنی ہستی حاصل کرے اور نئے قانون نشو و نما میں پھولے پھلے۔ اور یہی اصول افراد پر بھی صادق آتا ہے اور اس لئے بلا کسی مذہبی خیال کے روح کے غیر فانی ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ اگر یہ اصول صحیح ہے تو موت انسانی ترقی کی حائل اور مانع نہیں ہو سکتی۔ اور یہی آخرت یا عقبےٰ ہے۔

یہاں سائنس و مذہب کا وہ عناد و مخالفت جس کا اس قدر شور و غلغلہ مچا ہوا ہے اور جس پر ڈاکٹر ڈریپر نے فصاحت کے دریا بہا دیئے ہیں۔ کافور ہو جاتی ہے۔ سائنس اب تک ایک گنبد بے در میں چکر لگا رہا تھا۔ اب اُدھر کی تھوڑی سی جھلک پہنچنی شروع ہوئی ہے۔ وہ آنکھیں مل مل کے دیکھ رہا ہے کہ یہ نئی شئے کیا ہے۔ وہ زمانہ قریب ہے کہ اس کی بصارت روشن اور اس کی بصیرت منور ہو جائے اور مذہب سے آکر بیعت کرے۔

غور سے اگر دیکھا جائے تو سائنس اور مذہب کی مخالفت محض غلطی اور غلط فہمی ہے اور طرفین نے اس میں اس قدر مبالغہ کیا ہے کہ بجائے سلجھانے کے اور اُلجھن پیدا کر دی ہے۔ سائنس کے جدید اور عجیب انکشافات اور انوکھے نیا ساخت اور نظریات سے جن پر اہل سائنس کو بڑا فخر ہے۔ اہل مذاہب گھبرا گئے کہ سائنس ہمارا جانی دشمن ہے کیونکہ وجہ یہ ہے کہ سائنس کے ہر جدید انکشاف کا یہ ناگزیر نتیجہ ہوا کہ دونوں آپس میں ٹکرا گئے۔ اور ان جدید انکشافات سے اُس حالت میں تزلزل پیدا ہو گیا جس پر پہلے

سے ایمان لائے بیٹھے تھے۔ ممکن ہے کہ اس حالت کو مذہب سے تعلق نہ ہو۔ لیکن چونکہ اُسے قطعی اور یقینی سمجھ چکے تھے لہذا مذہب اور الہام کو بھی اُسی پر ڈھال لیا تھا اور جب اُسے ٹھیس لگی تو شور وغل مچانا شروع کیا اور مخالفت کی ایک نئی بنیاد قائم ہو گئی۔ اور یہ سمجھ لیا کہ یہ مذہب کی عین مخالفت ہے۔ حالانکہ اُسے مذہب سے کچھ بھی تعلق نہ تھا۔ اہل مذاہب کی بڑی کمزوری یہ ہے کہ وہ اپنے اجتہاد اور الہام ربانی کو ہمیشہ گڈمڈ کر دیتے ہیں۔ اور جہاں ان کی رائے پر بھی حملہ ہوا تو اُسے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ مذہب پر حملہ ہے +

لیکن صرف اہل مذاہب ہی غلطی پر نہیں ہیں بلکہ اہل سائنس بھی اسی غلطی میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اہل سائنس اہل مذاہب کے اجتہادات اور راؤں کو الہام ربانی سمجھتے ہیں۔ اور اس لئے اُن راؤں کی غلطی ثابت کر دینے سے وہ سمجھتے ہیں کہ الہام ربانی کو غلط ثابت کر دیا۔ زیادہ تر خطرہ "نیم حکیم" اہل سائنس سے ہے جنہوں نے کبھی آنکھ اُٹھا کر دوسری طرف نہیں دیکھا۔ اور جو سائنس کے قیاسات کو بھی یقینیات سمجھتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ مذہب سائنس کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا۔ اور ان میں ہمیشہ مخالفت رہے گی۔ اگرچہ بعض اہل سائنس جنہیں خدا نے اعلےٰ دماغ عطا کیا ہے یہ سمجھتے جاتے ہیں کہ مذہب و سائنس میں کوئی مخالفت نہیں اور وہ اس مادی عالم کے پرے ایک اور عالم کے بھی قائل ہوتے جاتے ہیں۔ جس کا ذکر میں نے ابھی کیا ہے +

ڈاکٹر ڈریپر کی یہ کتاب "کان فلکٹ بٹوین سائنس اینڈ ریلجن" (معرکہ مذہب و سائنس) درحقیقت سائنس کی پرزور حمایت ہے۔ لیکن فاضل ڈاکٹر نے ایک بڑی غلطی کھائی ہے۔ وہ یہ کہ جسے وہ مذہب کہتے ہیں وہ درحقیقت مذہب نہیں بلکہ رومن ازم ہے اور جتنے حملے انہوں نے مذہب پر کئے ہیں وہ بلاشبہ رومن ازم

پر ہیں مذہب پر نہیں ہیں بلکہ میں یہاں تک کہتا ہوں کہ عام مذہب تو کیا خود مسیح
کے مذہب پر بھی ان حملوں کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ جب یہ بنیاد ہی غلط
ہے تو وہ شاندار عمارت جو انہوں نے اس بنیاد پر قائم کی متزلزل ہو کر دھڑام سے
گر پڑتی ہے +

سائنس و مذہب کا یہ اختلاف اور اُن کی باہمی بدظنی و بدگمانی ابھی مدت
تک رہے گی۔ اور اسے سہنا چاہئے۔ لیکن ساتھ ہی اسے رفع کرنے کی کوشش
کرنی چاہیئے۔ کیونکہ اس کی بنیاد غلط فہمی اور ہٹ دھرمی پر ہے۔ اہل مذاہب
کو سائنس کی صداقت پر اور سائنس کو مذہب کی صداقت پر ایمان لانا چاہئے۔
اور ایک روز آنے والا ہے کہ یہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے اپنی نادانی
پر پچتائیں گے اور اپنی حرکات سے شرما کر مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھائیں گے
پھر سائنس کو مذہب سے اور مذہب کو سائنس سے کچھ عناد نہ ہو گا۔ اور یہ توام بھائی
ایک جان دو قالب ہو جائیں گے +

۱۳

لیکن ایک مشکل اور ہے۔ سائنس کے اصول میں تو کیا فروع میں بھی بہت
کم اختلاف ہے سوائے اُن امور کے جو قیاسی ہیں۔ کیونکہ وہ مشاہدے تجربے
اور استقرا پر مبنی ہیں۔ حالانکہ مذاہب کا یہ حال ہے کہ ہر ایک نے ڈیڑھ اینٹ کی
مسجد الگ بنا رکھی ہے۔ ان بیحد اور بیشمار اختلافات میں یہ مشکل آ پڑی کہ سچا کسے
سمجھا جائے۔ اور صداقت کا پتہ کہاں ملے +

پروفیسر میکس مولر نے ایک جگہ دنیا کی زبانوں کے متعلق بڑی اچھی بات کہی
ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ زبان ہمیشہ بدلتی رہتی ہے لیکن تاہم انسان کی تاریخ میں کوئی
زبان اب تک نئی نہیں بنی۔ قدیم سے جو الفاظ چلے آتے ہیں وہی اب تک چلے

آتے ہیں - انہیں میں کچھ ہیر پھیر اور ردو بدل کر لیا جاتا ہے - بعینہ یہی حال مذاہب کا ہے - ہمیشہ نئے نئے بنتے رہتے ہیں - نئی نئی تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں لیکن غور سے دیکھو تو اصل وہی ہے جو ہمیشہ سے چلی آرہی ہے البتہ کچھ ردو بدل کر لیا گیا ہے - اختلافات صرف اُن ممالک اور اُن اقوام کی وجہ سے ہیں - جن میں مذاہب رائج ہوئے یا اُس زمانہ کی وجہ سے جبکہ مذاہب کی اشاعت ہوئی - اگر ابتدا سے لیکر تمام مذاہب کو سلسلہ وار رجمایا جائے تو یہ اختلاف کا مسئلہ صاف طور سے سمجھ میں آجائیگا - ملک اور قوم اور زمانہ کی وجہ سے جو خصوصیات پیدا ہو گئی ہیں وہ اگر نکال دی جائیں تو پھر مشکل سے کوئی اختلاف باقی رہتا ہے اور اگر اختلافات ہیں بھی تو وہ انسانی خیال کی ترقی کے مراحل کو ظاہر کرتے ہیں - اور اس لئے وہ رد کرنے یا خارج کرنے کے قابل نہیں بلکہ ایک منتظم سلسلہ میں آنے کے قابل ہیں +

اس وقت کسی جدید مذہب کے قائم کرنے یا جدید صداقتوں کے پیدا کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اصل حق ظاہر کرنے کے لئے صداقت کے مختلف پہلوؤں کی ترتیب کی ضرورت ہے - ہماری رائے میں اس کام کو اسلام نے خاطر خواہ انجام دیا ہے +

مذہب کے لئے سب سے بڑی آفت مبالغہ ہے - ایک مذہب نے کسی ایک خوبی کو لیا اور اُسے آسمان پر چڑھا دیا اور دوسری خوبیوں کو بالکل نظر انداز کر دیا دوسرے نے کسی دوسری خوبی پر اس قدر زور دیا کہ باقی خوبیوں کی کچھ حقیقت نہ رہی - یہودی مذہب نے ظاہری ارکان کی پابندی میں اس قدر مبالغہ کیا کہ باطنی صفائی پس پشت جا پڑی - اس کے خلاف عیسائی مذہب نے باطنی صفائی پر اس قدر زور دیا کہ اگر اس پر عمل کیا جائے تو دنیا اور دنیاوی تعلقات سب ہیچ رہ جاتے ہیں - غرض مختلف مذاہب نے صداقت کے مختلف پہلوؤں کو خاص نظر

سے دیکھا اور باقی پہلو یونہیں رہ گئے۔ اس مبالغہ سے مذاہب میں انحطاط اور تنزل پیدا ہوا۔ حالانکہ وہ بات جو باعث انحطاط ہوئی بڑی خوبی کی تھی۔ لیکن اس میں مبالغہ اس قدر کیا کہ وہ خود عیب ہوگئی۔ اور دوسری خوبیاں اس مبالغہ کی وجہ سے کمزور ہوگئیں جس طرح کسی خاص عضو کی ورزش کرنے سے دوسرے اعضا کمزور ہو جاتے ہیں اسی طرح اخلاقی اور روحانی قوتوں کا بھی حال ہے کہ ایک پر زور دینے سے دوسری کمزور ہو جاتی ہیں۔ مذہب کی کامل صداقت اور اصل کامیابی کا راز یہ ہے کہ وہ سب میں اعتدال قائم رکھے +

انسان کی دو حالتیں ہیں۔ ایک حیوانی دوسری روحانی۔ اور ان دونوں میں آپس میں اختلاف اور عناد ہے +

پھر روحانی حالت کی دو صورتیں ہیں۔ ایک عقل دوسری جذبات۔ اور یہ ایک دوسرے کے مخالف ہیں +

اخلاق و تمدن کا تنہا ان میں سے کسی ایک کے ساتھ تعلق نہیں بلکہ یہاں دونوں (یعنی عقل و جذبات) گڈ مڈ ہو جاتے ہیں۔ اور اس کی بھی دو صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ ایک انسان کی ذاتی ضرورتیں دوسرے سوسائٹی کی ضرورتیں اور یہ دونوں ایک دوسرے کی مخالف ہیں۔ اور باہم ایک دوسرے سے جدوجہد رکھتی ہیں۔ کیونکہ انسان شخصی حیثیت سے حقوق رکھتا ہے۔ اور بحیثیت رکن سوسائٹی اس پر فرائض عاید ہیں۔ بحیثیت انسان ناطق کے وہ کامل آزادی چاہتا ہے۔ سوسائٹی اس آزادی کی مانع ہے۔ شخصی ترقی کے لئے کامل آزادی کی ضرورت ہے۔ لیکن تمدنی ترقی کے لئے حکومت کی ضرورت ہے جو اس قسم کی آزادی کو روکتی ہے۔ اس لئے آزادی اور حکومت میں ہمیشہ جنگ وجدل رہتی ہے +

غرض انسان اپنے تمام خیالات و تعلقات میں اختلافات سے گھرا ہوا ہے

اور یہ اختلافات رفتہ رفتہ عناد و عداوت تک پہنچ جاتے ہیں جو مذہب و تمدن کی تخریب کا باعث ہوتے ہیں۔ اور اس لئے انسان اور انسانی تمدن کی بہبودی کے لئے ضرور ہے کہ اس کی اصلاح کی جائے۔ مختلف زمانوں میں مختلف نبی آئے اور اپنے اپنے عہد میں انہوں نے اصلاح کی کوشش کی لیکن نقص یہ رہا کہ وہ اصلاح صرف اسی زمانہ کے متعلق تھی۔ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ مبالغہ مذہب کے لئے سب سے بڑی آفت ہے۔ ایک زمانہ میں کسی ایک صداقت یا نیکی میں مبالغہ تھا۔ نبی نے اسے توڑنا چاہا۔ اور اس کے مقابل میں کسی دوسری صداقت یا نیکی میں مبالغہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کامل اصلاح نہ ہو سکی۔ لیکن یہ ضرور ہوا کہ صداقت کے تمام پہلوؤں کا کامل طور سے اظہار ہو۔ لہذا اس کی کامل اصلاح کے لئے ایک انسان کامل کی ضرورت تھی جو ملک عرب میں مبعوث ہوا۔ اُس نے انسان کی مختلف حیثیتوں اور صداقت کے مختلف پہلوؤں پر ایسی غائر نظر ڈالی کہ جو اختلافات اب تک چلے آ رہے تھے مٹ گئے۔ اور ایک ایسے مذہب کا سلسلہ قائم ہو گیا جو انسان کی دنیوی اور دینی نجات کا باعث ہوا۔ پیغمبر خدا صلعم ان اختلافات کی لم اور اصلاح کے اصلی راز کو خوب سمجھتے تھے۔ اور اس لئے اُنہوں نے مبالغہ سے احتراز کیا اور اعتدال کو مد نظر رکھا۔ اور ان اختلافات میں ہمیشہ کے لئے مصالحت پیدا کر دی۔ یہ وہ رستہ تھا جس کی نسبت کہا گیا ہے کہ بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہے پیغمبر خدا نے اس معمے کو حل کیا۔ اور انسان کی کامل بہبودی اور اصلاح کی بنیاد ڈالی جس کا احسان اس عالم پر ہمیشہ ہمیشہ رہے گا +

جس طرح مبالغہ انحطاط و زوال کی علامت اور تمام خرابیوں کی جڑ ہے۔ اسی طرح اعتدال تمام نیکیوں کی اصل ہے۔ انسان کی حالت ایسی کش مکش میں ہے کہ وہ مبالغہ سے بچ نہیں سکتا۔ اگر ایک طرف جاتا ہے تو دوسری طرف سے

محروم رہا جاتا ہے۔ اس لئے ایسی تعلیم کی ضرورت تھی جو اعتدال پر رکھے اور اُس کی کسی قوت میں زوال نہ آنے پائے۔ اعتدال نہ صرف انسانی معاملات اور اس دنیا کے امور کی اصلاح کے لئے ضروری ہے بلکہ تمام اخلاق و نیکی اور کُل کائنات کا دار و مدار اسی پر ہے یہ زمین یہ سیارے یہ نظامات جو گردش میں ہیں اگر بال برابر اپنی حد اعتدال سے تجاوز کریں تو ایک عالم میں قیامت برپا ہو جائے اور یہ سارا کارخانہ خاک میں مل جائے یہی حال کائنات کی ہر شے میں ہے۔ نیکی و بدی کیا ہے؟ اخلاق کیا ہے؟ صحت کسے کہتے ہیں؟ ذوق کس چیز کا نام ہے؟ اگر ان سب باتوں پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان سب کا مدار اعتدال پر ہے۔ جہاں یہ نہیں ہے وہاں قیام اور استحکام کی صورت نہیں۔ اسی عالمگیر اور پر معنی اصول پر پیغمبر اسلام کی تعلیم مبنی ہے۔ اور اُسی اصول پر نظر نہ رکھنے سے قدیم مذاہب میں انحطاط و زوال پیدا ہوا۔ اسلام نے اس کمی کو پورا کیا اور اپنی تعلیم سے ہمیشہ کے لئے ایسی بنیاد قائم کر دی جس میں انحطاط و زوال نہیں آسکتا۔

اگرچہ رہبانیت[1] کو اسلام نے خارج کیا ہے اور حسن معاشرت کے متعلق احکام دیے ہیں، لیکن تاہم یہ بھی ہدایت کی ہے کہ بالکل دنیا ہی میں منہمک نہ ہو جاؤ۔ کیونکہ دنیا کی زندگی دھوکے کی ٹٹی ہے[2]۔ نماز روزے حج کی تاکید کی ہے۔ ظاہری ارکان پر بھی ایک حد تک نظر رکھی ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی حکم ہوا ہے کہ نیکی کے یہی معنی نہیں کہ نماز کے لئے پورب پچھم کو منہ پھیر دیا بلکہ اللہ کی محبت میں عزیز و اقارب یتیموں محتاجوں مسافروں کو اپنا مال دینا۔ غلاموں کو آزاد کرنا۔ زکوٰۃ دینا۔ نماز پڑھنا۔ اپنے عہد کو پورا کرنا۔ سختی اور تکلیف میں ثابت

---

[1] لا رهبانية في الاسلام۔

[2] وما الحيوة الدنيا الا متاع الغرور۔

قدم رہنا[1]۔ اس سے بڑھ کر نیکی کی کیا تعریف ہو سکتی ہے۔ اس کا مدار محض ظاہری ارکان پر ہی نہیں ہے بلکہ خدا کی سچی محبت اور انسانوں کے ساتھ سچی ہمدردی اور ایثار میں ہے۔ اسلام کی بڑی خوبی یہی ہے کہ وہ دنیا و آخرت۔ مادی اور روحانی عالم دونوں کی رعایت رکھتا ہے۔ اور جب انسان ظاہری ارکان اور اصول کا پابند ہو گیا تو پھر نیکی کے معنی اس کے لئے وسیع ہو جاتے ہیں اور وہ آگے قدم رکھتا ہے۔ اور اس کا روحانی احساس قوی ہونے لگتا ہے۔ خود آنحضرتؐ کی زندگی اس کی سچی مثال ہے۔ حبابؓ صحابی آنحضرت صلعم کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سر کے نیچے کملی رکھے ہوئے کعبہ کے سائے میں لیٹے ہوئے تھے۔ آپ نے مشرکوں سے بہت کچھ ایذا اور تکلیف پائی تھی۔ میں نے آپ سے عرض کیا کہ آپ کفار پر بد دعا کیوں نہیں کرتے۔ یہ سُن کر آپ اُٹھ بیٹھے اور آپ کا چہرہ سُرخ ہو گیا اور فرمانے لگے۔ اگلے لوگوں میں ایسے ایسے بزرگ گزرے ہیں کہ بے دین لوگ ان میں سے کسی کو زمین میں گڑھا کھود کر کھڑا کر دیتے تھے اور اُس کے سر پر آرہ چلا کر اُسے دو ٹکڑے کر ڈالتے تھے لیکن اس قدر تکلیف بھی اس بندے کو دین سے نہ پھیرتی تھی اور کسی پر لوہے کی کنگھی اس سختی سے کھینچتے تھے کہ وہ اس کے گوشت کو طے کر کے پٹھے اور ہڈی تک پہنچتی تھی مگر یہ سختی اُسے دین سے نہ پھیرتی

[1] لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝

تھی "سچ پر ثابت قدم رہنے کی اس سے بڑھ کر اور کیا تعلیم ہو سکتی ہے۔

اسی طرح اسلام نے تمام تعلیم میں اعتدال کو مدنظر رکھا ہے خواہ عبادات میں ہو یا اخلاق میں۔ مثلاً یہ فرمایا ہے کہ بُرائی کا بدلہ ویسی ہی بُرائی ہے۔ بدلا لو تو اس کے بدلے میں اسی قدر تکلیف دو جتنی تمہیں پہنچی تھی۔ لیکن اگر صبر کرو درگزر کرو معاف کرو اور بخش دو تو اللہ تمہیں دوہرا اجر دے گا اور اللہ ایسے لوگوں کو دوست رکھتا ہے[۱]۔ اور اس کو بار بار مختلف مقامات میں تاکید سے بیان کیا ہے اور بدلے کے مقابلہ میں عفو کا درجہ بہت بڑا بتایا ہے۔ آخر یہاں تک کہہ دیا ہے کہ تم گنہگاروں۔ خطاکاروں اور دشمنوں اور مخالفوں سے شیوہ عفو و غفران اختیار کرو گے تو خدا بھی تمہاری خطاؤں سے درگزر کرے گا[۲]۔ یعنی بدلا لینا اگرچہ انسان کی عادت میں داخل ہے اور مقتضائے عدالت ہے لیکن اخلاق کریمانہ کا یہی مقتضا ہے کہ بُرائی کے عوض بھلائی کرو اور مخالفوں کی خطاؤں اور بُرائیوں کو معاف کرو اور عموماً درگزر کرو۔ پھر یہ بھی فرمایا ہے کہ بُری بات کا جواب ایسا کہو جو سب سے بہتر ہو[۳]۔ ایک دوسری جگہ ارشاد ہے کہ نیکی اور بدی برابر نہیں ہو سکتی۔ بُرائی کا دفعیہ ایسے برتاؤ سے کرو کہ وہ بہت ہی اچھا ہو۔ اگر ایسا کرو گے تو تم دیکھ لو گے کہ تم میں اور کسی شخص میں عداوت تھی تو اب ایک دم سے گویا وہ تمہارا دل سوز دوست ہے۔ اور حُسن مدارات کی توفیق

---

۱ وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ (رعد - ۲۰)
وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ (شوریٰ ۴۰)
وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ (نحل)
فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (مائدہ)

۲ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ (نور - ۲۲)

۳ اِدْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (مومنون ۹۶)

اُنہیں لوگوں کو دی جاتی ہے جو صبر کرتے ہیں اور یہ اُنہیں کو دی جاتی ہے جن کے بڑے نصیب ہیں۔[1] پھر یہ بھی سمجھایا ہے کہ کسی قسم کی عداوت تم کو عدل کرنے سے باز نہ رکھے اور کسی جماعت کی دشمنی تم کو انصاف کرنے سے نہ روکے۔ تم اپنے دشمن اور دوست سب سے عدل واحسان وانصاف کا برتاؤ کرو۔ چنانچہ فرمایا ہے اے ایمان والو کھڑے ہو جایا کرو اللہ کے لئے گواہی دینے کو انصاف کی۔ اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث عدل نہ چھوڑو۔ تقویٰ کی بات یہی ہے کہ تم عدل کرو۔[2] اس سے بڑھ کر حسنِ معاشرت اور نیکی کی اور کیا تعلیم ہوسکتی ہے +

اسی طور پر روپیہ پیسے کے کمانے اور اس کے صرف میں اعتدال کی ہدایت ہے۔ کھاؤ پیو مگر اسراف نہ کرو۔[3] اللہ مسرفوں کو پسند نہیں کرتا۔[4] خرچ کرنے والے فضول خرچی نہ کریں اور نہ بہت تنگدستی کریں۔ اُن کا خرچ دونوں کے بین بین ہو۔[5] رشتہ دار غریب اور مسافر کے حقوق دیتے رہو۔ اور دولت کو بیجا نہ اُڑاؤ۔ دولت کے بیجا اُڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکرگزار ہے۔ اگر تم کو اپنے پروردگار کے فضل کے انتظار میں جس کی تم کو توقع ہے اُن سے

---

[1] وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ (حم سجدہ ۳)

[2] يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى

[3] كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا

[4] اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ (سورۃ انعام رکوع ۱۷)

[5] وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا (سورہ فرقان رکوع ۶)

مُنہ پھیرنا پڑے تو نرمی سے ان کو سمجھا دو۔ اپنا ہاتھ نہ اتنا سکیڑو کہ گردن میں بندھ جائے اور نہ بالکل اسے پھیلا ہی دو کہ تم تہیدست ہو کر لوگوں کی ملامت سننے بیٹھو +

پھر اسلام نے ایک دوسری اعلےٰ تعلیم دی ہے جو تمدن کی جان اور ترقی عالم کی روح رواں ہے۔ فرمایا ہے کہ "اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ" یعنی مسلمان سب بھائی بھائی ہیں۔ یہ بات صرف اسلام میں پائی جاتی ہے کہ ایک ادنےٰ غلام اور ایک شہنشاہ برابر ہے۔ اور صرف یہ قول ہی قول نہیں بلکہ ابتدائے اسلام سے اب تک اس پر عمل جاری ہے اور یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے غلام بھی بڑے بڑے شہنشاہ ہو گزرے ہیں۔ اسلام کی حدود میں داخل ہوتے ہی غیر شخص برادری کا بھائی ہو جاتا ہے اور اُس کے حقوق سب کے برابر ہو جاتے ہیں۔ اسلام کی یہ تعلیم جادو کا اثر رکھتی ہے اور اس نے اشاعت اسلام میں بہت مدد دی ہے۔ دنیا میں جتنی اقوام ہیں اُن کی تقسیم محض حدود جغرافیہ کی رو سے ہے۔ لیکن مسلمانوں کی قوم اس تنگ اور ادنےٰ امتیاز سے بالا ہے۔ مسلمانوں کی راہ میں ملکی حدود۔ آب وہوا۔ رنگ اور نسل حائل نہیں۔ وہ سب ایک ہیں خواہ کہیں ہوں۔ افریقہ کا حبشی عرب کا بدو۔ ہندوستان کا برہمن۔ یورپ کا فرنگی۔ مصر کا فلاح غرض دائرہ اسلام میں داخل ہوتے ہی یہ سب کمزور اور عارضی امتیازات اُٹھ جاتے ہیں اور وہ ایک ہو جاتے ہیں مسلمان کہیں ہو اور کوئی ہو مسلمان ہے اس کا وطن سارا عالم اور اُس کی برادری سب مسلمان ہیں۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے کہ "سب مل کر مضبوطی سے اللہ کا ذریعہ پکڑے رہو اور ایک دوسرے سے الگ نہ ہو اللہ کا وہ احسان یاد کرو کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اور اُس نے تمہارے دلوں میں اُلفت پیدا کی اور اس کے فضل سے تم بھائی بھائی ہو گئے"[۱]

---

[۱] وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ؕ

اس سے بھی بڑھ کر اعلےٰ اور افضل ایک اور تعلیم اسلام کی ہے جو درحقیقت تمام عالم کے لئے صلائے عام ہے۔ یعنی پیغمبرؐ نے فرمایا ہے "مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَقَدْ دَخَلَ الْجَنَّةَ" اس سے بڑھ کر کامل وسیع اور عالمگیر اصول کسی دین و مذہب میں نہیں پایا جاتا۔ اسلام نے اپنا دائرہ اس قدر وسیع کر دیا ہے کہ اس سے زیادہ وسیع ہونا ممکن نہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس کا ہمیشہ بول بالا رہے گا اور دنیا پر اس کی حکومت ہوگی۔ گویا اسلام نے مذہب کی تکمیل کر دی اور خدا کی نعمت کو سارے عالم پر پھیلا دیا۔ اس کا مشرب اس قدر ہمہ گیر اس کے اخلاق اس قدر پاکیزہ اور اس کی تعلیم اس قدر اعتدال پر مبنی اور انسانی طبائع کے مناسب اور انسان کی ترقی کی ممد ہے کہ دنیا کی مادی اور روحانی ترقی کا اس سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں ہو سکتا +

یہ محض اقوال نہیں ہیں بلکہ خود پیغمبرؐ اور پاک باطن خلفا اور تابعین نے اپنے عمل سے اخوۃ اسلامی اور مسالمت اور ایثار کا سچا سبق دیا ہے جس کی شہادت میں تاریخیں بھری پڑی ہیں +

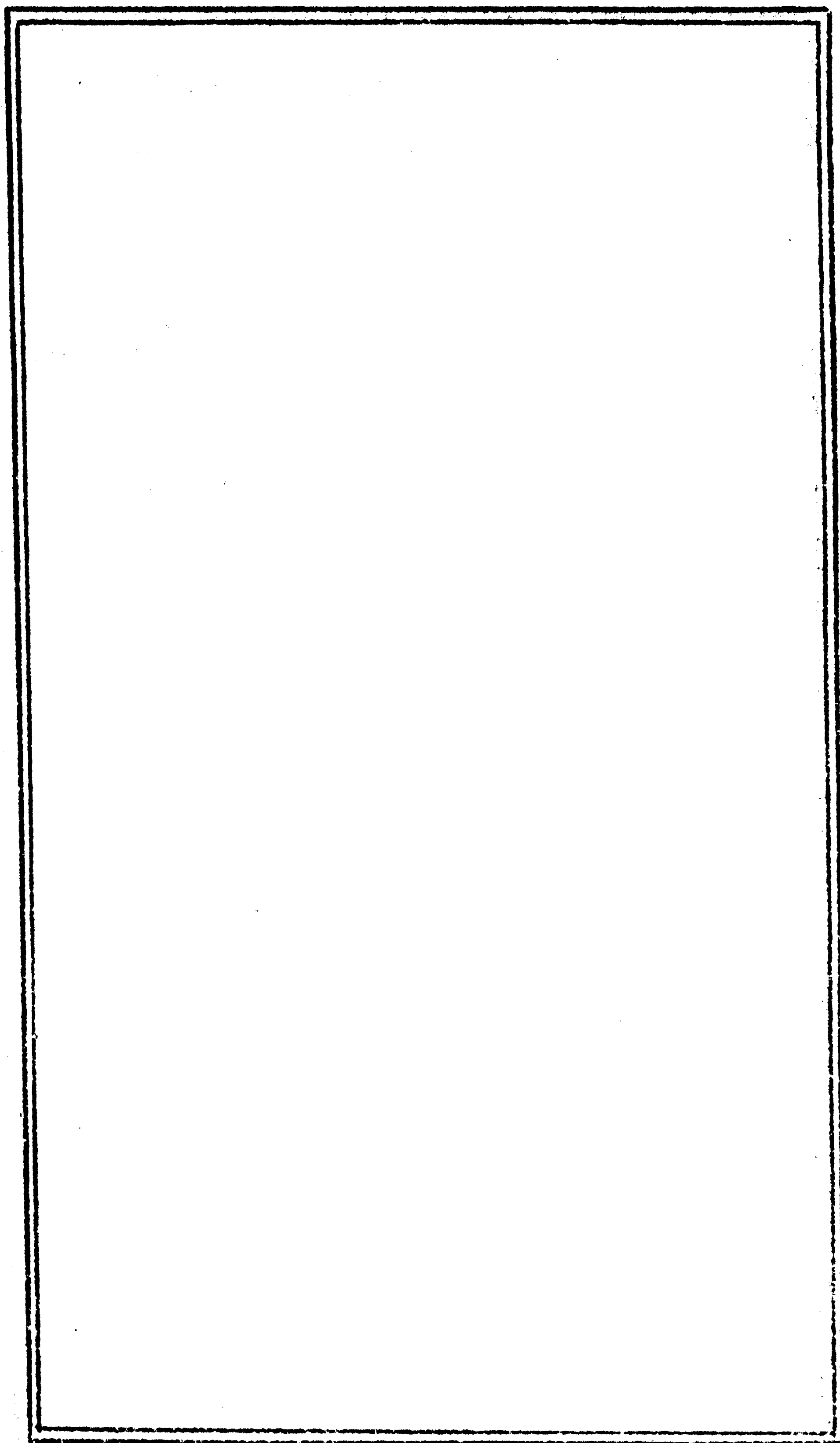
خود ڈاکٹر ڈریپر اس امر کا اعتراف کرتے ہیں کہ جس طرح مسلمان پولیٹیکل حیثیت سے عالم پر چھا گئے۔ اسی طرح انہوں نے میدان علوم و فنون میں بھی حیرت انگیز ترقی کی۔ اور نہ صرف یونان کے مردہ علوم کو زندہ کیا بلکہ اپنے علمی انکشافات و ایجادات اور اپنے انوکھے بے بہا خیالات سے دنیا کو مالا مال کر دیا۔ اور صلح جوئی آزادی بے تعصبی اور مسالمت میں سب سے آگے بڑھ گئے۔ اور یورپ کے اندھیرے گھپ میں وہ شعل دکھائی جس کے نور سے وہ اب تک جگمگ جگمگ کر رہا ہے۔

غرض اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو مادی اور روحانی ترقی۔ دنیاوی تمدن اور اخروی راحت۔ عقل اور جذبات مذہب و سائنس میں توافق اور توازن قائم رکھنے

والا ہے۔ اب تک قدیم مذاہب میں کسی نے صداقت کے ایک پہلو پر بھی زور دیا تھا اور کسی نے کسی دوسرے پہلو پر۔ مگر اسلام نے صداقت اور حقیقت کے کسی پہلو کو نظر انداز نہیں کیا اور اُن سب کو اس اعتدال اور خوبی کے ساتھ ترتیب دیا کہ اس کی نسبت یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ وہ خاتم المذاہب اور اکمل الادیان ہے۔ اور انسان کی ترقی اور نجات کا سچا اور صحیح راستہ ہے۔

عبد الحق

حیدر آباد دکن



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعلم
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام او

ڈاکٹر جان ولیم ڈریپر ایم ڈی ایل ایل ڈی

ڈاکٹر ڈریپر مصنف کتاب معرکۂ مذہب و سائنس مغربی دنیا کے اُن مشاہیر میں سے ہیں جن کا نام بوجہ اُن کے علمی کارناموں کے لوح روزگار پر سنہرے حرفوں میں ابدالآباد تک لکھا رہے گا۔ اُن کی ذات انگلستان کے لئے جو اُن کا جنم بھوم تھا اور امریکہ کے لئے بھی جہاں وہ ہجرت کر کے چلے گئے تھے۔ سرمایہ افتخار و نازش ہے۔ اور اُن کا نام دنیائے علوم و فنون میں ہر جگہ ادب و احترام سے لیا جائے گا +

جان ولیم ڈریپر ۱۸۱۱ء میں بمقام سینٹ ہیلن پیدا ہوئے جو لورپول کے نواح میں واقع ہے۔ ابتدائی تعلیم آپ نے لورپول ہی میں پائی۔ اور جب لنڈن یونیورسٹی کا افتتاح ہوا تو آپ فن کیمیا کی تحصیل کی غرض سے اس یونیورسٹی میں بھیج دیئے گئے۔ ۱۸۳۲ء میں آپ نے امریکہ کا عزم کیا۔ اور پنسلوینیا کی یونیورسٹی میں بغرض اکتساب فن طب داخل ہو کر ۱۸۳۶ء میں ایم ڈی کی ڈگری حاصل کی کچھ دنوں کے بعد اپنی غیر معمولی علمی قابلیت کی وجہ سے آپ ورجینیا کے ہیمپڈن سڈنی کالج میں کیمسٹری کے پروفیسر مقرر کئے گئے اور ۱۸۳۵ء میں نیویارک کی یونیورسٹی میں پروفیسر مقرر ہوئے +

ڈاکٹر ڈریپر کی سب سے پہلی علمی تصانیف کا موضوع یہ مسئلہ تھا کہ روشنی کا مو الید ثلاثہ پر

کیمیاوی اثر کیا ہوتا ہے۔ اس موضوع پر آپ کی تقریباً ۴۰ تصنیفات موجود ہیں۔ روشنی کے کیمیاوی اثرات میں سب سے زیادہ مہتم بالشان اثر کاربانک ایسڈ (حموضۃ الفحم) کی وہ تحلیل ہے جو درختوں کے پتوں پر دھوپ کی شعاعوں کے پڑنے سے وقوع پذیر ہوتی ہے۔ اسی واقعہ پر نباتات کے نشوونما کا انحصار ہے۔ اور اسی کی بدولت حیوانات کو بالواسطہ یا بلاواسطہ غذا ملتی ہے۔ اس تحلیل کی حقیقت پر اگر غور کیا جائے۔ تو معلوم ہوگا۔ کہ بالفاظ دگر اُسے نشر اکسا دیعنی آکسیجن کے اجزا کی علیحدگی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ روشنی کا جب بذریعہ مقیاس الوان نور منشور تجزیہ کیا جاتا ہے۔ تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ سات رنگ کی شعاعوں سے مرکب ہے۔ یعنی (۱) بنفشئی (۲) سرمئی (۳) ارزقی (۴) اخضری (۵) اصفری۔ (۶) نارنجی (۷) احمری۔ ۱۸۴۲ء تک علمائے سائنس کا یہ خیال تھا کہ عمل نشر اکساد بنفشئی شعاع کی وجہ سے واقع ہوتا ہے اور اسی لئے اس کا نام شعاع نشر اکسا ور کھ دیا گیا تھا لیکن یہ محض قیاسی نظریہ تھا۔ جو کسی تجربہ سے قطعی طور پر ثابت نہ کیا جاسکتا تھا۔ ڈاکٹر ڈریپر کو خیال ہوا کہ اس مسئلہ کے قطعی تصفیہ کی صرف ایک شکل ہے۔ اور وہ یہ کہ تحلیل خود الوان نور منشور کے ذریعہ سے کی جائے یعنی نباتاتی مادہ کو ہر رنگ کی شعاع کے زیر عمل لاکر دیکھا جائے۔ کہ نشر اکساد کس شعاع سے ہوتا ہے۔ اس لطیف و دلکش تجربہ میں ڈاکٹر ڈریپر کو پوری کامیابی ہوئی۔ اور اُنھوں نے یہ انکشاف کیا کہ عمل تحلیل میں شعاع بنفشئی مطلق حصہ نہیں لیتی بلکہ یہ کام شعاع اصفری سے متعلق ہے۔ اس نتیجہ کا تمام علمی دنیا میں نہایت دلچسپی کے ساتھ خیر مقدم کیا گیا اور علمائے کیمیا کی معلومات میں اس کی وجہ سے ایک بہت بڑا انقلاب پیدا ہوگیا۔ ڈاکٹر ڈریپر نے نور کی قوت کیمیائی کے اندازہ کرنے کا ایک آلہ بھی ایجاد کیا جس سے آگے چل کر علمائے کیمسٹری نے بہت کچھ مدد لی۔ چنانچہ بنسن اور راسکو نے جب ۱۸۵۶ء میں اپنے کیمیائی تجربوں کے متعلق ایک مضمون رائل سوسائٹی لنڈن کے اجلاس میں پڑھا تو اُس میں اعتراف کیا کہ ڈریپر کو اس آلہ کی مدد سے نور کے عمل کیمیاوی کے بعض نہایت

ہی اہم نکات کے حل کرنے میں کامیابی حاصل ہوئی ہے ۱۸۴۷ء میں ڈاکٹر ڈریپر نے ایک رسالہ اس موضوع پر لکھا کہ حرارت سے نور کیوں پیدا ہوتا ہے۔ اس کی وجہ سے الوان نور منشور کا تجزیہ زیادہ کامل و مکمل ہو گیا۔ یہ دریافت کرنا ممکن ہو گیا کہ آفتاب ستارے اور ضبابیۃ النجوم ٹھوس حالت میں ہیں یا سیال حالت میں۔ اس رسالہ میں ڈاکٹر ڈریپر نے تجربۃً ثابت کر دیا کہ تمام ٹھوس اجسام یقیناً اور تمام مایع اجسام غالباً ایک ہی درجہ حرارت پر پہنچ کر منور ہو جاتے ہیں +

ڈاکٹر ڈریپر پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے ۱۸۳۹ء میں انسانی چہرہ کی عکسی تصویر کامیابی کے ساتھ اُتاری اور نیز قمر کا عکس لیا +

یہ چند مثالیں علمی تحقیقات واکتشافات کی اُس طویل فہرست سے اخذ کی گئی ہیں جس کی ترتیب و تدوین کے لئے ڈاکٹر ڈریپر نے اپنی نمایاں قابلیتوں کو مرتے دم تک وقف کئے رکھا اور جب یہ دیکھا جاتا ہے۔ کہ آپ نے اپنے اکتشافات علمیہ کو جو بہت بڑی آمدنی کا ذریعہ ہو سکتے تھے کبھی آلہ جلب منفعت نہ بنایا۔ بلکہ سچا ذوق علمی اور ہمدردی بنی نوع انسان ان کی محرک ہوئی تو آپ کی جلالت قدر کا بے اختیار اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ امریکہ کا نایاب رسالہ "پاپولر سائنس منتھلی" جس کے جنوری ۱۸۷۴ء کے نمبر سے ان حالات کا اقتباس کیا گیا ہے لکھتا ہے کہ یہ علمی انکشافات جو ڈاکٹر ڈریپر کی سالہا سال کی عرق ریزی اور دماغ سوزی کے نتائج ہیں۔ اپنے گرانبار مصارف کے تکفل کے لحاظ سے ڈاکٹر صاحب کی جیب خاص کے رہین منت ہیں۔ اگرچہ بعض بعض علمی تجربوں پر اُنہیں ایک رقم خطیر صرف کرنی پڑی۔ لیکن اُن کی اولوالعزمی کبھی کسی غیر کی مالی سرپرستی کی روادار نہ ہوئی۔ اُنہوں نے اپنی کسی ایجاد کو کبھی پیٹنٹ نہ کرایا۔ بلکہ جو علمی نکتہ دریافت کیا۔ اور جو ایجاد کی اس کا ثمرہ از راہ غایت ایثار نفس خلق اللہ کی نذر کر دیا +

اُن تصانیف سے جن میں ادق علمی مسائل سے بحث کی گئی ہے۔ قطع نظر کرکے اگر

ڈاکٹر ڈریپر کی دوسری تصانیف کو جن کا موضوع تاریخی اور نظری مباحث ہیں دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ آپ ایک مسلم الثبوت ادیب اور انشا پرداز بھی ہیں ۱۸۶۰ء سے لیکر ۱۸۷۲ء تک کا زمانہ آپ نے اسی قسم کی دلچسپ و دلاویز کتابوں کے تصنیف کرنے میں گزارا چنانچہ یورپ کی دماغی ترقی کی تاریخ "تاریخ خانہ جنگی امریکہ" اور "معرکۂ مذہب و سائنس" اسی دور کی تصانیف ہیں +

ڈاکٹر ڈریپر کا انتقال ۱۸۸۲ء میں ہوا۔ آپ کے تین بیٹے اور دو بیٹیاں بقید حیات موجود ہیں - بیٹے علم و فضل میں اپنے نامور باپ کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ بڑا بیٹا ڈاکٹر ہنری ڈریپر نیویارک کے کالج میں علم خواص الاشیاء کا پروفیسر ہے۔ دوسرا بیٹا ڈاکٹر جان ڈریپر نیویارک کی یونیورسٹی میں علم حیات حیوانی کا پروفیسر ہے۔ تیسرا ڈاکٹر ڈینیل ڈریپر نیویارک کی رصدگاہ متعلقہ حوادث الجو کا ناظم ہے +

پروفیسر رچرڈ پراکٹر اپنی تالیف "لیثر ریڈنگس" (مطالعہ بوقت فرصت) میں جو لطیف و دلکشا مضامین کا ایک نفیس مجموعہ ہے "کانفلاکٹ بٹوین ریلیجن اینڈ سائنس" یعنی کتاب ہذا کی نسبت حسب ذیل خیال ظاہر کرتے ہیں "یہ کتاب ایک اعتبار سے یورپ کی دماغی ترقی کی تاریخ کا خلاصہ ہے۔ مذہبی تعصب اور عدم مسالمت پر اس میں سختی کے ساتھ نکتہ چینی کی گئی ہے اور اُن وجوہ پر نظر انصاف نہیں ڈالی گئی جو بسا اوقات مذہبی جبر و تشدد کی محرک ہوئیں۔ لیکن با ایں ہمہ یہ کتاب ایک صحیح الدماغ اور صائب الرائے شخص کے قلم کا حاصل ہے اور اگر اُن چند مقامات سے قطع نظر کیا جائے جن میں بیجا سختی پائی جاتی ہے تو ہم وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ یہ کتاب پڑھنے والوں کو بہت بڑا فائدہ پہنچا چکی ہے اور پہنچا سکتی ہے" +

بحیثیت ایک مسیحی ہونے کے پروفیسر پراکٹر کو "معرکۂ مذہب و سائنس" کی نسبت یہی رائے ظاہر کرنی چاہئے تھی اور اگر ہم (خدانخواستہ) مسیحی ہوتے تو اس تعریف

ہیں جن کی یہ کتاب دوست دشمن سب کے نزدیک مستحق ہے منقصت کے شائد اس
سے بھی زیادہ شاخسانے نکالتے لیکن حقیقت یہ ہے کہ سائنس کے مقابلہ میں نصرانیت
پر جو فرد قرارداد جرم ڈریپر نے لگایا ہے وہ ایسا نہیں ہے کہ نصرانیت کا بڑے سے
بڑا وکیل اُس کے چھوٹے سے چھوٹے نکتہ کا تخطیہ کرسکے اور اگر چشم انصاف کھلی رکھ
اُن واقعات پر نظر ڈالی جائے جو سائنس اور نصرانیت کی ہزار سالہ جنگ کے معرکے
ہو کر اُس شکست فاش پر منتہی ہوئے جو نصرانیت کو اپنے حریف کے مقابلہ میں اُٹھانی
پڑی اور جنھوں نے نصرانیت کی روحانی و اخلاقی قوتوں کا شیرازہ بکھیر کر اُسے محض
پولیٹیکل اغراض کی تکمیل کا ایک مادی آلہ بنادیا ہے تو خواہی نخواہی اعتراف کرنا پڑے گا
کہ جو فتح سائنس کو بمقابلہ نصرانیت حاصل ہوئی ہے اُس کی وجہ یہ تھی۔ کہ حق اور قوت دونوں
اس کی جانب تھے اور ڈاکٹر ڈریپر نے کوئی بات ان دونوں حریفوں کے کارناموں
اور ان کی جدوجہد کے متعلق ایسی نہیں بیان کی جس کی تغلیط و تردید ہوسکے البتہ ایک
لغزش ڈاکٹر ڈریپر سے یہ ہوئی ہے کہ اُنھوں نے مذہب پر اس حیثیت سے نظر ڈالی ہے
کہ اس کا الہامی حصہ غیر متحرک اور غیر ترقی پذیر ہونے کے لحاظ سے گویا جہلا کے اوہام
باطلہ کا ایک لایعنی مجموعہ ہے جس کی ظلمت آفتاب سائنس کی درخشاں شعاعوں کے آگے
ایک پل کے لئے نہیں ٹھہر سکتی۔ اُنھوں نے مذہب کے فلسفہ پر ناقدانہ نظر نہیں ڈالی اور
فطرت انسانی کے اُس زبردست اقتضا کا حکیمانہ تجزیہ نہیں کیا جو مذہبی تخیل کی شکل میں بیسویں
صدی عیسوی کے انسان کو باایں ہمہ دانش و حکمت انسان اولین سے نسلاً بعد نسل ترکہ
میں پہنچا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ایک مقام پر مصنف نے انسان کی دماغی ساخت
پر علم حیات حیوانی کے اصول سے بحث کرتے ہوئے اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ
مذہبی خیالات فکر انسان کے اجزائے لاینفک ہیں اور ان سے کسی انسان کو خواہ وہ
کیسا ہی تہذیب یافتہ اور روشن دماغ کیوں نہ ہو مفر نہیں لیکن یہ بحث بیچ میں برسبیل

استطراداً آجاتی ہے اور اس سے وہ کوئی اہم نکتہ جسے انسان کے معاد سے تعلق ہو اخذ
نہیں کرتے جس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ اُن کے پیش نظر رومن کیتھولک نصرانیت کے
مزخرفات لاطائل و شطحیات لایعنی ہیں اور اُنھوں نے اپنی تمام قوت انہیں کے ابطال
و ابطال میں صرف کردی ہے ٭

رومن کیتھولک مذہب کے پیشواؤں نے کچھ تو اُس تحریف کی وجہ سے دھوکا کھا
جس نے تورات و انجیل کی سماوی اصلیت کو پایۂ اعتبار سے ساقط کردیا کچھ اُس جہالت
کے اقتضا سے جو قرنہا قرن تک پادریوں کا سرمایہ امتیاز بنی رہی اور کچھ اُن سیاسی ضرورتوں
سے مجبور ہوکر جنھوں نے اُن کے دین کو مبدل بہ دنیا کردیا اُن باتوں میں بھی دخل دینا
شروع کردیا تھا جن سے اُنہیں کوئی تعلق نہ تھا یعنی وہ انسان کو اخلاق حسنہ سکھانے سکھانے
اور نجات اُخروی کی راہ دکھاتے دکھاتے علم و حکمت کے بھی سبق آموز بن گئے اور
سائنس کے مسائل پر بھی ملہم من اللہی کی حیثیت سے رائے زنی کرنے لگے۔ اس غلط
بحث کا نتیجہ یہ ہوا کہ حقائق فطرت کے متعلق جب انسان کو صحیح صحیح علم ہوا تو ان کے
دعاوی جنہیں الہام سے کوئی لگاؤ نہ تھا باطل ہوگئے اور اُن کے پیرو اُن کو جھوٹا سمجھ کر
کفر و الحاد کی طرف جھک پڑے اور مغربی دنیا ایک بڑی حد تک مذہب کی قید سے آزاد
ہوگئی۔ ڈاکٹر ڈریپر کو رومن کیتھولک پادریوں کے اس طرز عمل نے یہ نتیجہ اخذ کرنے پر مجبور
کیا ہے کہ وہ مذہب جو سائنس کے مطابق نہ ہو جھوٹا ہے اور وہ صحائف آسمانی جو حقائق
فطرت کے مخالف ہوں ایمان پر کوئی حق نہیں رکھتے۔ یہ عام نتیجہ بالکل صحیح ہے اس لئے
کہ بقول سر سید احمد خاں رحمت اللہ علیہ کے سائنس کی ہر حقیقت خدا کا کام ہے اور صحیفہ
آسمانی خدا کا کلام ہے۔ دونوں میں اگر ضد ہو تو ممکن نہیں کہ دونوں سچے ہوں پس جس کی
سچائی عقل سلیم کے نزدیک جو معیار یقین ہے مسلم نہ ہوگی وہ باطل ہوگا۔ لیکن ہم کو ڈاکٹر
ڈریپر کی بالغ نظری اور نصفت پروری سے اس امر کی توقع تھی کہ وہ صرف یہی نتیجہ نکال کر

نہ رہ جائیں گے کہ چونکہ فرقہ رومن کیتھولک کے لوگ مسئلہ عصمت پاپا کے قائل ہیں۔
اور اُس کو نائب خدا سمجھ کر اُس کی ہر بات کو برحق سمجھتے ہیں اس لئے رومن کیتھولک مذہب
جھوٹا ہے اور سائنس کے ساتھ توافق نہیں رکھ سکتا اور چونکہ پراٹسٹنٹ مذہب سچائی کی
تلاش بائبل کے اوراق میں کرتا ہے اور اصلی سچائی صحیفہ کی فطرت کے اوراق میں مضمر
ہے لہٰذا وہ عقلی بحران جس میں یورپ مبتلا ہوا چاہتا ہے منجر بہ ہلاکت مذہب ہوگا۔ ہم کو
اُمید تھی کہ ڈاکٹر ڈریپر مذہب اور سائنس کے درمیان ایک خط فاصل کھینچ کر اور ایک کو
معاد اور دوسرے کو معاش کا مظہر قرار دے کر اس مسئلہ پر بحث کریں گے کہ اگرچہ ان کا موضوع
جدا جدا ہے۔ لیکن انسان کو اُس جسمانی دماغی اور روحانی منزل پر پہنچنے کے لئے جس کی
طرف انگشت ارتقا اشارہ کر رہی ہے دونوں کی یکساں ضرورت ہے اور تاوقتیکہ سائنس
اور مذہب ایک دوسرے کے مدومعاون نہ ہوں گے انسان کے قوائے ذہنی و
روحانی منتہائے بلوغ کو نہ پہنچ سکیں گے۔ ہمیں خیال تھا کہ ڈاکٹر ڈریپر موجودہ مذاہب کا
مقابلہ کرکے ایک ثالث کی حیثیت سے یہ فیصلہ کریں گے کہ ان میں سے کون سا مذہب
سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور اس لحاظ سے سائنس کے دوش بدوش چلنے کے
قابل ہے۔ افسوس ہے کہ ہماری یہ تمنائیں اور توقعات پوری نہیں ہوئیں۔ ڈاکٹر ڈریپر
نے جو فیصلہ کیا ہے وہ یک طرفہ اور یک طرفہ ہونے کی حیثیت سے بھی بالکل ادھورا
ہے۔ اُنہوں نے اول تو سائنس کے مدمقابل کی شخصیت کی تعمیم کو تخصیص سے بدل دیا
ہے یعنی علوم کا حریف نصرانیت کو قرار دیا ہے کسی دوسرے مذہب سے سروکار نہیں
رکھا اور نصرانیت سے بھی رومائی نصرانیت مراد لی ہے۔ غالباً اس تخصیص کی وجہ یہ
ہے کہ رومائی نصرانیت ہی نے اپنے آپ کو علوم و فنون کا سب سے بڑا دشمن ثابت کیا
ہے دنیا میں بجز رومائی نصرانیت کے اور کوئی مذہب ایسا نہیں ہے جو قدیم الایام سے
ہر علمی تحریک کے ساتھ اس درجہ معاندانہ برتاؤ کرتا چلا آیا ہو اور جس کے ہاتھوں اہل علم

کو اتنی سخت ایذائیں پہنچی ہوں اور غالباً اسی لئے مذہب کو سائنس کا حریف قرار دیتے ہوئے ڈاکٹر ڈریپر نے مذہب سے مراد رومن کیتھولک نصرانیت لی ہے اور اپنی کتاب کا نام بجائے "نصرانیت اور سائنس کی معرکہ آرائی" کے "معرکہ مذہب و سائنس" رکھا ہے پراٹسٹنٹ نصرانیت کے متعلق اگرچہ اُنہوں نے ایک مقام پر یہ لکھا ہے کہ اس کا اور سائنس کا میل ممکن ہے لیکن جب اُنہیں کے قول کے مطابق یہ دیکھا جاتا ہے کہ سائنس پر پراٹسٹنٹ مذہب کا ذرا سا بھی احسان نہیں ہے اور اس کی ترقی میں مارٹن لوتھر کی اصلاح نے ذرا بھی حصہ نہیں لیا اور نیز جب یہ امر پیش نظر رکھا جاتا ہے کہ زمانہ حال کی فلسفیانہ تنقید نے اناجیل مقدسہ کو جو پراٹسٹنٹوں کا منہاج ایمان ہیں تحریف و تدلیس سے مملو ثابت کر دیا ہے اور اُن میں ایسے ایسے تاریخی نواقض کا موجود ہونا بدلائل قاطع پایۂ ثبوت کو پہنچا دیا ہے جن سے اُن کی تنزیل ساقط الاعتبار ہو جاتی ہے اور جن کا جواب کسی پادری سے بن نہیں پڑا تو سمجھ میں نہیں آتا کہ کیونکر یہ دونوں ایک دوسرے کے دلی دوست ہو سکتے ہیں +

رومائی اور پراٹسٹنٹ نصرانیت میں سب سے بڑا مابہ الافتراق یہ ہے کہ رومن کیتھولک فرقہ آیات کتب مقدسہ کی تفسیر اور مذہبی عقائد کی تاویل و تعین کا حق صرف پاپائے روما اور اُس کے ماتحت پادریوں سے مخصوص سمجھتا ہے اور پراٹسٹنٹ فرقہ کے عقیدہ کے بموجب توراۃ و انجیل کی تفسیر و تاویل کے متعلق ہر لکھے پڑھے شخص کو حق اجتہاد حاصل ہے - یہ فرق اگرچہ بجائے خود بہت بڑا فرق ہے اور اس نے پراٹسٹنٹوں کے پاؤں سے قسیسیت کی بیڑیاں کاٹ کر انہیں بزعم خود معصوم و غیر خاطی پاپا کی غلامی سے آزاد کر دیا ہے لیکن اس کا کیا علاج ہو سکتا ہے کہ توراۃ و انجیل کی آیات بدستور اسی مناقضت آفریں شان کے ساتھ قائم ہیں جس نے سائنس کے ہاتھ میں منجنیق بن کر رومائی نصرانیت کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور اب پراٹسٹنٹ نصرانیت کے حلقہ بگوشوں کو اس حد

تک آزاد خیال بنائی جا رہی ہے کہ اُن کے نزدیک خدا کی حکمت اور دماغ کی قوت از قبیل مترادفات ہیں تاویل کا میدان نہایت وسیع ہے لیکن وہ اتنا وسیع کہ اُن تحریفات کو سائنس کے ساتھ تطبیق دینے میں عقل سلیم کا خون کئے بغیر کامیابی حاصل ہو سکے جن سے تورات و انجیل کے اوراق بھرے پڑے ہیں۔ ایک فرانسیسی باورچی سے جو اپنے فن کا اُستاد تھا پیرس کے کسی امیر نے فرمائش کی تھی کہ فن طباخی میں جو بے مثل کمال اُسے حاصل ہے اس کا ثبوت سڑے ہوئے مٹن کا قلیہ تیار کرنے سے دے۔ باورچی نے جواب دیا کہ جناب والا میں سو سال پُرانے بوٹ کے تلے کا شوربا تیار کر سکتا ہوں لیکن سڑے ہوئے مٹن[1] کو قابل خورش بنانا میرے امکان سے خارج ہے۔ یہی حال تحریف شدہ تورات و انجیل کا ہے۔ اگر کوئی آیت حقیقت میں الہامی ہو اگر کوئی صحیفہ حقیقت میں آسمانی ہو تو اس کی سو تاویلیں ہو سکتی ہیں لیکن اُن مہملات کی کیا صحیح اور مفید یقین تفسیر ہو سکتی ہے جو انسان ظلوم وجہول کے تراشے ہوئے ہوں اور فطرت کے حقائق مسلمہ کی ضد ہوں۔

ڈاکٹر ڈریپر اگر اس مواد کی بنا پر جو اُن کے پاس موجود تھا اور جس نے اس کتاب کی ترتیب میں بقدر ایک سو صفحہ کے حصہ لیا ہے کام لیتے تو وہ بآسانی ثابت کر سکتے کہ مذہب اپنی ترقی یافتہ شکل میں انسان کو نہ صرف اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ وہ آزادی سے تمام اُن حقائق کا انکشاف کرے جو عقل انسانی کی رسائی کے اندر ہیں اور تمام وہ کوششیں عمل میں لائے جن سے اس کی طبیعی معلومات میں اضافہ ہو سکتا ہے بلکہ ان کوششوں کو اپنے آغوش عاطفت میں لے کر جہاں انسان کو روحانی اور اخلاقی حیثیت سے کامل بننا اور ابدی زندگی کے تمتعات سے بہرہ اندوز ہونا سکھاتا ہے وہاں دنیوی حیثیت سے بھی اُسے اعلےٰ درجہ کے مدارج پر پہنچانا چاہتا ہے۔

اسلام کو ڈاکٹر ڈریپر نے نصرانیت کی ایک شاخ تصور کیا ہے۔ کوئی مستقل مذہب

---

[1] بکری کا گوشت۔

نہیں سمجھا۔ اسی لئے ڈریپر نے اس کو رومن کیتھولک کلیسا کی اصلاح جنوبی اور پروٹسٹنٹ مذہب کو کلیسائے مذکور کی اصلاح شمالی سے تعبیر کیا ہے لیکن اگر ان کے اس خیال کو جس کے ایک حد تک معقول ہونے میں کلام نہیں پوری طرح سے تسلیم کر لیا جائے تو پھر تو ان سے اس امر کی بدرجہ اولےٰ توقع تھی کہ وہ اسلام کو مذہبی ترقی کی معراج یا منتہا قرار دے کر اور سائنس کی اُس حیرت انگیز ترقی کو پیش نظر رکھ کر جو اسلام کی سرپرستی میں اسے میسر ہوئی اور جس نے یونان و مصر۔ کالدیہ و ایران۔ ہندوستان و چین کی فرسودہ ہڈیوں میں نئی روح پھونک کر علوم جدیدہ کی بنیاد قائم کی اس نتیجہ پر پہنچتے کہ صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو فطرت الٰہی و سنت ایزدی سے تطابق کلی رکھتا ہے۔ بالفاظ دیگر مذہب و سائنس میں اگر وفاق پیدا ہو سکتا ہے تو صرف اسی صورت میں جب کہ مذہب سے مراد اسلام لی جائے۔ اور یہ تعبیر نادرست بھی نہ ہو گی اس لئے کہ اگر کوئی مذہب دنیا کے تمام مذاہب کے حسنات کے شیرازہ بند ہونے کی وجہ سے ہمہ گیری کا ادعا کر سکتا ہے اور اس حیثیت سے تمام مذاہب کا مجسم انصاف قائم مقام بن سکتا ہے تو وہ اسلام ہے۔

یہ دعوٰی ہم کچھ اس وجہ سے نہیں کر رہے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں بلکہ اسلام کے دینی و دنیوی کارناموں کو پیش نظر رکھ کر کرتے ہیں جن کا ذکر خود ڈاکٹر ڈریپر نے اس کتاب میں شرح و بسط کے ساتھ کیا ہے۔ اسلام کے اُس اصولی عقیدہ کا ذکر کرنے کے بعد جس کا راز لا الہ الا اللہ میں چھپا ہوا ہے اور جو ہر قوم کے ترقی یافتہ مذہبی جذبات کا نصب العین ہے۔ اور اُن روحانی و اخلاقی حقائق کا بالاجمال اعادہ کرنے کے بعد جن کی تکشیف حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی ڈاکٹر ڈریپر نے جہاں اسلام کی عدیم النظیر ملکی فتوحات اور قابل رشک تمدن کا ذکر کیا ہے وہاں یہ بھی بتایا ہے کہ اسلام نے خود اپنے ہاتھوں سے سائنس کے اُس پودے کو سینچا جسے عجائب خانہ اسکندریہ کے زندہ جاوید بانی بطلیموس سوٹر نے لگایا تھا لیکن جو نصرانیت کی بنجر زمین میں خشک ہو چلا تھا

اور یہ اسی آبیاری کا صدقہ تھا کہ علوم و فنون حکمت و فلسفہ صنائع و بدائع کا وہ لہلہاتا ہوا چمن عقل و ادراک کی سیر کے لئے تیار ہو گیا جس کے پھول یورپ و امریکہ میں آج نئی شگفتگی کے ساتھ مہک رہے ہیں۔ علوم جدیدہ کا دور سولھویں صدی سے شروع ہوتا ہے۔ ظہور اسلام چھٹی صدی میں ہوا یہ ہزار سال کا زمانہ اُن مسلسل و متوالی کوششوں سے بھرا پڑا ہے جو علوم قدیمہ کے احیا اور علوم مروجہ کی بقا کے متعلق دنیائے اسلام کے طول و عرض میں ظاہر ہوتی رہیں اور یہ امر روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ سائنس نے جو ترقی گذشتہ تین سو سال میں کی ہے اُس کے لحاظ سے وہ اسلام ہی کا شرمندۂ احسان ہے۔ گویا اسلام نے ایک ڈھانچ قائم کر لیا تھا جس پر یورپ نے گوشت و پوست چڑھا لیا۔

تم نے قندیل سخن کو ہنڈہ لیا تو کیا ہوا

ڈھانچ میں تو ہیں وہی اگلے برس کی تیلیاں

ایسی حالت میں جبکہ اسلام یا بقول مصنف نصرانیت کی جنوبی شاخ نے جس کے ماننے والے روئے زمین پر بقدر تیس کروڑ نفوس کے موجود ہیں سائنس کی ہم آہنگی و ہمصفیری کا یہاں تک دم بھرا ہو۔ ایسی حالت میں جبکہ ہادی عرب کے جانشینوں نے جاہلوں کو عالم۔ عامیوں کو فلسفی اور غلاموں کو شہنشاہ بنا دیا ہو۔ ایسی حالت میں جبکہ وادی بطحا سے ایک ابر رحمت نے اُٹھ کر مغرب و مشرق میں خیر و برکت کے وہ موتی برسائے ہوں جن کو دنیا ابھی تک رول رہی ہے۔ ایسی حالت میں جبکہ کل مومنین اخوۃ کی منادی نے ارذل ترین اقوام کو مسند نشینان بزم شرافت کے پہلو میں جگہ دے کر حریت اخوۃ اور مساوات کے وہ سنہرے اصول قائم کر دیئے ہوں جن پر عمومیت کے ساتھ عمل کرنا صرف دنیائے اسلام ہی میں ممکن ہے۔ ایسی حالت میں جبکہ لکم دینکم ولی دین کا فرمان واجب الاذعان مسالمت اور رواداری کے وہ حقوق ادا کرتا ہو جن کا یہود و نصاریٰ مجوسی و ہنود کو یکساں اعتراف ہے۔ ایسی حالت میں جب کہ رب زدنی علما کی نص صریح نے جس میں لا اکراہ فی الدین نے شان تاسیس پیدا کر دی

ہے الحکمۃ ضالۃ المؤمن فحیث وجدھا فھو احق بھا کی حق مخلوق کے ساتھ ملکر علم وحکمت کو خواہ اس کا ماخذ کچھ ہی کیوں نہ ہو مسلمانوں کی میراث قرار دیا ہو یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ مذہب اور علم کی سمائی ایک اقلیم میں نہیں ہو سکتی اور یہ دونوں ایک ایسی کشمکش میں مبتلا ہیں جس میں بالآخر مذہب کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو جائے گا۔

بہرحال ڈاکٹر ڈریپر نے یہ کتاب لکھ کر ہم پر ایک بہت بڑا احسان کیا ہے کہ تلاش حق کا دروازہ کھول دیا ہے اس دروازہ کے اندر داخل ہو کر ہر شخص علی قدر توفیق گوہر مقصود سے اپنی جیب و دامان بھر سکتا ہے اور اگر اسے مبداء فیاض سے ذوق سلیم جسے دوسرے لفظوں میں ایمان سے تعبیر کیا جا سکتا ہے عطا ہوا ہے تو وہ اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ مذہب اور سائنس ایک دوسرے کے حریف نہیں بلکہ حلیف ہیں۔

کرم آباد۔ پنجاب

۱۵ مارچ سنہ ۱۹۱۰ء

ظفر علی خاں۔

دیباچہ مصنف

جس شخص کو یورپ اور امریکہ کی روشن خیال جماعتوں کی ذہنی حالت سے واقف ہونے کا موقع ملا ہے اُس کو معلوم ہوا ہو گا کہ لوگ جانبِ مذہب سے جلد جلد اور بہ تعداد کثیر منحرف ہو رہے ہیں۔ اور اگرچہ اُس جماعت نے جو راست گفتاری اور صاف گوئی کے اوصاف سے متصف ہے اس انحراف کو مخفی نہیں رکھا۔ لیکن ایک بہت بڑی جماعت ایسے اشخاص کی ہے جن کی بداعتقادی بہت زیادہ خطرناک ہے اس لئے کہ اخلاقی جرأت کے فقدان کی وجہ سے یہ جماعت اپنے اعتزال کو علانیہ نہیں ظاہر کرتی +

یہ اعتزال اس قدر عمیم الاثر اور اس درجہ زبردست ہے کہ اس کو نہ تحقیر دبا سکتی ہے نہ تعزیر مٹا سکتی ہے۔ اس کا سدباب نہ استخفاف و استہزا سے ہو سکتا ہے نہ سب وشتم سے نہ جبر و تعدی سے۔ وہ ساعت جلد جلد قریب آ رہی ہے جب کہ اس سے نہایت خطرناک سیاسی نتائج پیدا ہو کر رہیں گے +

دنیا کی حکمت عملی کے جسم سے قسیسیت کی روح نکل چکی ہے۔ وہ جنگی جوش جو کبھی مذہب کی حمایت میں سرکیف نظر آتا تھا جھاگ کی طرح بیٹھ گیا ہے۔ اور اس کی بچی کھچی یادگاریں حروب صلیبیہ کے اُن سورماؤں کے مرمری مجسموں میں باقی رہ گئی ہیں جو گرجاؤں کے زیرِ زمین دوز مدفنوں میں محوِ آرام ہیں +

دول عظمے نے پاپائیت کے مقابلہ میں جو روش اختیار کی ہے۔ وہ اُس خطرہ کی آمد
آمد کا پتہ دے رہی ہے جو ٹل نہیں سکتا۔ وہ طاقت جس کا مظہر پاپائے روما ہے یورپ
کی دو ثلث آبادی کے خیالات اور تمناؤں کی وکیل ہے۔ اس طاقت کو منسوب الی السما
اور مامور من اللہ ہونے کا دعوےٰ ہے اور اسی دعوے کی بنا پر وہ یہ مطالبہ کرتی ہے
کہ اُس کی سیاسی فوقیت بمقابلہ دول یورپ تسلیم کرلی جائے۔ اُس کو اُس جہالت کی تجدید
واحیا پر اصرار ہے جو قرون وسطیٰ میں پائی جاتی تھی۔ اور وہ بہ بانگ دہل اس امر کا اعلان
کررہی ہے کہ اُس کی اور تمدن جدید کی ایک اقلیم میں سمائی نہیں ہوسکتی۔

یہ مناقضت جو ہمیں مذہب اور سائنس کے درمیان نظر آرہی ہے اُس کشمکش کا تسلسل
ہے جو اُس وقت سے چلی آتی ہے جب کہ سیاسی اقتدارات کی باگ نصرانیت کے ہاتھ
میں اول اول آئی۔ الہام ربانی تردید کا روادار ہرگز نہیں ہوسکتا۔ ضرور ہے کہ وہ اپنے
آپ کو کامل و بے عیب سمجھ کر مستوجب الترمیم ہونے سے سختی کے ساتھ ابا کرے اور
اُس ترمیم کو جو انسان کے نشو ونما ئے عقل کی مقتضیات میں سے ہو۔ ازراہ حقارت رد
کردے۔ لیکن انسانی علم کی اٹل ترقی معلومات انسانی کے ہر شعبہ کے متعلق ہمارے مسلمات
میں تبدیلی پیدا کئے بغیر نہیں رہ سکتی۔

کیا یہ ممکن ہے کہ ہم ایک ایسی بحث کی اہمیت کے اظہار میں مبالغہ سے کام لے سکیں
جس میں ہر ذی شعور انسان حصہ لینے پر خواہی نخواہی مجبور ہے؟ مذہب سے زیادہ عظیم
الشان حقیقت اور کیا ہوسکتی ہے۔ پس ظاہر ہے کہ بجز اُن اشخاص کے جن کی دنیوی
اغراض موجودہ مذہبی عقاید کے قیام کے ساتھ وابستہ ہیں باقی تمام اشخاص کی صدق دل
سے یہی خواہش ہوگی کہ حق کی تلاش کریں۔ وہ مسائل مابہ البحث کے متعلق پوری واقفیت
پیدا کرنی چاہیں گے اور اس امر کے خواہش مند ہوں گے کہ مباحثہ کرنے والوں کے طریق
اور روش پر روشنی ڈالی جائے۔

سائنس کی تاریخ کو انفرادی اکتشافات کے ایک بے ربط مجموعہ کی کہانی نہ سمجھنا چاہیے بلکہ یہ اُن دو مخالف طاقتوں کی زور آزمائی کی داستان ہے جن میں سے ایک تو عقلِ انسانی کی انشراحی قوت ہے اور ایک روایتی ایمان اور انسانی اغراض کی متفقہ انقباضی قوت۔ کسی مصنف نے اب تک اس مسئلہ پر اس پہلو سے نظر نہیں ڈالی لیکن یہی وہ پہلو ہے جو سب سے زیادہ نکتہ آموز سب سے زیادہ نتیجہ خیز اور سب سے زیادہ مہتم بالشان ہے۔

آج سے کچھ سال پہلے مصلحت اور صوابدید اسی میں سمجھی جاتی تھی کہ اس بحث کی طرف اشارہ تک نہ کیا جائے اور جہاں تک ممکن ہو اس جھگڑے سے الگ ہی رہنے کی کوشش کی جائے۔ جماعت انسانی کا سکون نفس و اطمینان قلب اس کے مذہبی عقائد کے ثبات و قیام پر اس درجہ منحصر ہے کہ کوئی شخص بلا وجہ موجہ و حجت کافی ان عقائد میں خلل انداز ہونے کے لحاظ سے حق بجانب نہیں سمجھا جا سکتا۔ لیکن چونکہ ایمان بالطبع غیر متغیر و غیر متحرک اور سائنس بالطبع متدرج اور ترقی پذیر ہے لہذا ان دونوں میں اُس افتراق کا پیدا ہو جانا ناگزیر ہے جو چھپانے سے چھپ نہیں سکتا۔ ایسی حالت میں اُن لوگوں کا جو تخیل کے دونوں طریقوں سے آشنا ہیں فرض ہو جاتا ہے کہ اپنی رائے کا اظہار فروتنی لیکن مضبوطی سے کریں اور مذہب و سائنس کے حریفانہ دعاوی پر متانت و سنجیدگی کے ساتھ بلا رو و رعایت فلسفیانہ انداز سے نظر انتقاد ڈالیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ اگر ایسا نہ کیا جائے گا تو انسان کو وہ تمدنی و عمرانی تباہیاں آگھیریں گی جن کا سلسلہ گوناگوں مصیبتوں کے ساتھ مدتوں قائم رہے گا۔ جب یورپ کی قدیم بت پرستی اپنے ہی نواقص کے بوجھ تلے دب کر رہ گئی تو نہ تو قیصران روم ہی لوگوں کے روحانی پیشوا بن سکے اور نہ اُس زمانہ کے فلاسفہ ہی نے عقائد کا کوئی ضابطہ مرتب کیا۔ بلکہ اُنھوں نے مذہب کو بحال خود چھوڑ دیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ مذہب جاہل اور غیظ آلود پادریوں۔ ننگز گداؤں زنخوں اور غلاموں کے ہاتھ میں پڑ گیا۔

اس غفلت کبریٰ کے باعث جو عقلی تاریکی یورپ پر چھا گئی وہ اب زائل ہو رہی ہے اور ہماری آنکھیں فہم و شعور کی صبح صادق کے نور سے منور ہونے لگی ہیں۔ جماعت انسانی طلوع آفتاب کا شوق سے انتظار کر رہی ہے تاکہ اس کی روشنی میں اُسے نظر آ جائے کہ وہ بھٹکتی ہوئی کدھر آ نکلی ہے۔ اُس کو صاف دکھائی دینے لگا ہے کہ تمدن جس شاہراہ پر اب تک سفر کرتا چلا آیا تھا اُسے چھوڑ کر اب وہ ایک نئی ڈگر پر پڑ لیا ہے جو اُسے ایک غیر معلوم سرزمین کی طرف لے جا رہی ہے۔

اگرچہ ان خیالات نے میرے دل پر نہایت گہرا اثر ڈالا تھا لیکن اس کتاب کے لکھنے اور جو خیالات اس میں ظاہر کئے گئے ہیں اُنہیں ملک کی خدمت میں پیش کرنے کی جرأت مجھے پھر بھی نہ ہو سکتی تھی۔ بایں ہمہ اگر میں نے یہ کتاب لکھی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے موضوع پر میں نے مدتوں غور کیا ہے اور سالہا سال تک اس کے مباحث کی تنقید میں خلوص نیت اور صدق دل سے کام لیا ہے۔ ایک اور بڑی وجہ تحریک اس کتاب کی اشاعت کی یہ ہوئی کہ ''یورپ کی دماغی ترقی کی تاریخ'' جو میں نے کچھ سال ہوئے شائع کی تھی یورپ اور امریکہ میں ہر جگہ قدر کی نگاہ سے دیکھی گئی۔ چنانچہ یہ تاریخ نہ صرف امریکہ ہی میں کئی بار چھپ چکی ہے بلکہ انگلستان میں مکرر طبع ہونے کے علاوہ فرانسیسی جرمن روسی پولش سرین وغیرہ متعدد یورپین زبانوں میں اس کا ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

''تاریخ خانہ جنگی امریکہ'' کے نام سے جو کتاب میں نے بہت بڑی محنت شاقہ اُٹھا کر شائع کی تھی اُس کے مواد کی فراہمی کے دوران میں مجھے متخالف بیانات کے مقابلہ اور متخالف دعاوی کے تصفیہ کا موقع بار بار ملا تھا۔ اہل امریکہ نے جن کی دقت نظر وا تفاق زیر بحث کے انتقاد کے متعلق محتاج ایضاح نہیں قبولیت عام کی جو سند اس تاریخ کو عطا کی وہ میرے لئے مزید حوصلہ افزائی کا باعث ہوئی۔ میں نے مظاہر قدرت کی عملی تحقیقات پر بھی بہت کچھ توجہ صرف کی تھی اور متعدد مشہور و معروف رسائل ان مضامین پر شائع کئے

تھے - ظاہر ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو اُن مشاغل کی نذر کر دے اور اپنی زندگی کا بڑا حصہ سائنس کا درس دینے میں گزارے وہ عدم پاسداری اور حق پرستی کے اُن اصولوں سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا جو فلسفہ کی نکتہ آموزی کا ماحصل ہیں - فلسفہ ہم میں یہ خواہش پیدا کرتا ہے کہ ہم اپنی زندگی کو ابنائے جنس کی بھلائی کے لئے وقف کر دیں تاکہ جب ہماری مشعل زندگانی کے گل ہونے کی گھڑی قریب آئے تو ہم اس کی تمثالی روشنی میں گزشتہ واقعات پر نظر ڈالتے ہوئے حسرت کے ساتھ اس امر کا اعتراف کرنے پر مجبور نہ ہوں کہ وہ مشاغل جن میں ہم عمر بھر مصروف رہے ناپائدار ہوا اور دور از کار محض تھے ؎

اگرچہ کوئی ایسی محنت نہیں جو اس کتاب کے لکھنے میں میں نے برداشت نہ کی ہو لیکن جس موضوع پر میں نے قلم اُٹھایا ہے اُس سے عہدہ برا نہ ہو سکنے کا مجھے پورا پورا احساس ہے - اس لئے کہ یہ وہ موضوع ہے جس کا حق ادا کرنے کے لئے مصنف کو سائنس - تاریخ - الہیات اور سیاسیات میں دسترس ہونی چاہیئے اور اُس کی تصنیف کا ہر ورق معارف کا گنجینہ اور حقائق کا سفینہ ہونا چاہیئے - لیکن میں نے اپنے دل کو اس خیال سے تسلی دے لی ہے کہ یہ کتاب اُن تصانیف کا محض ایک دیباچہ یا مقدمہ ہے جو زمانہ موجودہ کے واقعات اور ضرورتوں کے اقتضا سے سپرد قلم ہو کر رہیں گی - ہم نے ایک بہت بڑے عقلی انقلاب کی وادی میں قدم رکھا ہے - آج کل جو لغو اور مزخرف کتابیں پڑھی جاتی ہیں اُن میں سے اکثر کا قائم مقام وہ دماغ آزما اور دانش آموز لٹریچر ہو جائے گا جس میں ہمارے روحانی مقاصد کے خطرات ایک نئی روح پھونک دیں گے اور مذہبی جذبات ایک نیا جوش پیدا کر دیں گے ؎

میں نے اس کتاب میں فریقین کے افعال و آرا کو بصراحت اور بلا رو رعایت درج کر دیا ہے - ایک لحاظ سے میں نے دونوں کے طرفدار بننے کی کوشش کی ہے

تاکہ اُن میں سے ہر ایک کی وجوہ تحریک کا اندازہ اچھی طرح سے کرسکوں لیکن ایک اعتبار سے جس کا مفہوم بہت کچھ ارفع و اعلےٰ ہے میں نے اپنی مساعی کے دامن کو پاسداری کے دھبہ سے بچایا ہے اور دونوں کے کارنامے ہو بہو بیان کر دیئے ہیں +

پس مجھے یقین ہے کہ جو حضرات اس کتاب پر نکتہ چینی کرنا چاہیں گے وہ اس امر کو ضرور پیش نظر رکھیں گے کہ اس کا مقصد فریقین میں سے کسی ایک کے آرا و دعاوی کی حمایت نہیں ہے بلکہ دونوں کے آرا و دعاوی کو بوضاحت و صراحت اور بلا ڈرنے یا جھجکنے کے صاف صاف بیان کر دینا ہے - میں نے ہر باب کی ترتیب میں عام طور پر یہ خیال رکھا ہے کہ اول مذہب کا خیال پیش کر دیا جائے اور اُس کے بعد اس کے حریف کا +

مضمون زیر بحث پر اس طور سے نظر ڈالتے وقت میں نے معتدل یا متوسط آرا کو معرض بحث میں لانا ضروری نہیں خیال کیا اس لئے کہ اگرچہ فی نفسہ ان کے قیمتی و گرانمایہ ہونے میں شک نہیں لیکن اس قسم کے مباحث میں غیر طرفدار اور انصاف پسند ناظرین کو اعتدال پسندوں سے نہیں بلکہ انتہا پسندوں سے بحث ہوتی ہے اور انتہا پسندوں کی افراط و تفریط ہی سے نتائج مترتب ہو سکتے ہیں +

یہی وجہ ہے کہ میں نے مسیحیت کی دو بڑی شاخوں یعنی کلیسائے پراٹسٹنٹ و کلیسائے یونان کا بہت کم ذکر کیا ہے - ثانی الذکر نے سائنس کے احیا کے وقت سے ترقی علوم و فنون کی کبھی بھی مخالفت نہیں کی بلکہ اُلٹا اس کا خیر مقدم کیا ہے - سچائی کو خواہ اس کا ماخذ کچھ ہی کیوں نہ ہو اس نے ہمیشہ بنظر استحسان و احترام دیکھا ہے - حقائق الہامی کی جو تعبیرات اس نے کی ہیں اُن کو سائنس کے اکتشافات سے بظاہر مغائر پاکر اس نے ہمیشہ یہ اُمید ظاہر کی ہے کہ اس مغائرت و مناقضت کی شافی تاویل ہونے کے بعد فریقین میں مصالحت ہو جائے گی اور اس اُمید میں اسے ناکامی بھی نہیں ہوئی - تمدن جدید کے فنون

اچھے ہوتے اگر کلیسائے روما نے یہی روش اختیار کی ہوتی +

مسیحیت کا ذکر کرتے ہوئے عام طور سے کلیسائے روما ہی کا حوالہ اس کتاب میں دیا گیا ہے۔ کچھ تو اس لئے کہ مسیحی دنیا کی آبادی کا جزو غالب اسی کلیسا کا پیرو ہے ۔ کچھ اس لئے کہ اس کے مطالبات حد سے زیادہ بالغ فی الادّعا ہیں اور کچھ اس لئے کہ ان مطالبات کا نفاذ اس نے عموماً بزور حکومت کرانا چاہا ہے۔ پراٹسٹنٹ کلیساؤں میں سے کسی کو ایسا خود مختارانہ درجہ نصیب نہیں ہوا اور کسی کا سیاسی رسوخ اس درجہ عمیم الاثر نہیں ثابت ہوا۔ ان کلیساؤں نے اوّل تو جبر و مزاحمت کو روا ہی نہیں رکھا اور اگر گنتی کی چند صورتوں میں انہوں نے جابرانہ طرز عمل اختیار کیا بھی ہے تو وہ فتوائے بدعت کے صدور کی حد سے آگے نہیں بڑھنے پاتا +

سائنس کے طرز عمل پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس نے کبھی بھی زور حکومت کو اپنا طرف دار بنانا نہیں چاہا۔ اُس نے کبھی یہ کوشش نہیں کی کہ کسی انسان کو بوجہ اُس کے عقائد کے بدعتی قرار دے یا اُس کے تمدنی حقوق کو پامال کرے۔ اپنے مسلمات یا خیالات کی توثیق یا اشاعت کی غرض سے اُس نے کبھی کسی شخص کو عقاب روحانی یا عذاب جسمانی میں مبتلا نہیں کیا اور سزائے موت کا تو ذکر ہی نہیں۔ اُس کے دامن پر قساوت و بے رحمی اور معصیت و جرائم کا دھبہ ہمیں کہیں نظر نہیں آتا۔ لیکن جب ہم محکمۂ احتساب عقائد کے کارناموں کو یاد کر کے پاپائے روما کے قصر "ویٹیکن" کے اندر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں وہ ہاتھ جو اس وقت دعا کے لئے ارحم الراحمین کی جناب میں اُٹھے ہوئے ہیں بے گناہوں کے خون سے رنگے ہوئے دکھائی دیتے ہیں +

تاریخ نگاری کے دو طریقے ہیں۔ شاعرانہ و عالمانہ۔ اول الذکر سے مراد یہ ہے کہ واقعات و حوادث انسان کے تابع ہیں۔ اسی لیے اُن تصانیف میں جو اس طریقہ کے

مطابق لکھی جاتی ہیں کسی سربرآوردہ شخص کا انتخاب کرلیا جاتا ہے اور اُس کے حیرت انگیز کارناموں کی تصویر کھینچ کر اُسے کسی قصہ کا سورما بنا دیا جاتا ہے۔ طریقہ ثانی الذکر کی رو سے معاملات انسانی ایک مسلسل زنجیر کے مشابہ ہیں جس میں ہر واقعہ کسی واقعہ سابقہ کا معلول اور کسی واقعہ آئندہ کی علت ہے اور اس اعتبار سے واقعات انسان کے تابع نہیں ہیں بلکہ انسان تابع واقعات ہے۔ طریقہ اول الذکر اُن تصانیف کا ذمہ دار ہے جو خواہ کیسی ہی دلچسپ اور دل پسند کیوں نہ ہوں لیکن اُن کا درجہ حقیقت میں افسانوں اور قصوں سے کچھ ہی اونچا ہوتا ہے۔ طریقہ ثانی الذکر بالکل ہی روکھا پھیکا ہے بلکہ شاید موجب استکراہ بھی ہو اس لئے کہ وہ ہم پر اس حقیقت کو ظاہر کرتا ہے کہ قانون کی حکومت اٹل اور انسان کی کوشش ناچیز ہے۔ جو مہتم بالشان مسئلہ اس کتاب کا موضوع ہے اُس کو خیال آرائی و اعجوبہ آفرینی سے کوئی تعلق نہیں۔ اُس شخص کو جسے اس مسئلہ پر قلم اُٹھانے کا حوصلہ ہو مقدر ہے کہ اُس تسلسل پر اپنی نگاہ جمائے رکھنی چاہئے جو تاریخ عالم میں پایا جاتا ہے اُسے پاپاؤں اور مدبروں اور شہنشاہوں کی پرچھائیوں کی طرف سے جو ڈھلتی پھرتی چھاؤں کی طرح ہیں ازراہ تحقیر مُنہ پھیر لینا چاہئے +

اگر شاعرانہ تاریخوں کے ساقط الاعتبار ہونے کے ثبوت کی ضرورت ہو تو ہمارا ذاتی تجربہ اس کا شاہد ہے۔ ہمارے ہم نوالہ و ہم پیالہ دوست بھی بسا اوقات ہمارے روزانہ اعمال کی حقیقی نیتوں سے واقف نہیں ہو سکتے۔ اور اکثر ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ وہ ہمارے ارادوں کی غلط تاویل کرتے ہیں پس جب اُن واقعات کی یہ حالت ہے جو روزمرہ ہماری نگاہ کے سامنے گزرتے ہیں تو اُن اشخاص کے کارناموں کی نسبت کوئی قطعی حکم لگانا تو صریحًا ناممکن ہے جو ہم سے پہلے گزر چکے ہیں اور جن کی ہم نے صورت تک نہیں دیکھی +

مضامین زیر غور کے انتخاب و ترتیب میں ایک حد تک تو میں نے اُس کونسل کی

روئداد سے مدد لی ہے جو بصدارت پاپا پہلی مرتبہ روما میں منعقد ہوئی تھی اور ایک حد تک واقعات تاریخی کی ترتیب ہے۔ حضرات ناظرین دلچسپی کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں گے کہ جن مسایل پر ہم اب غور کر رہے ہیں وہ وہی ہیں جن پر قدیم فلاسفہ یونان نے بحث کی ہے یعنی خدا کیا ہے؟ رُوح کیا ہے؟ دنیا کیا ہے؟ دنیا کا انتظام کس طرح چلتا ہے؟ کیا حق کا کوئی معیار ہمارے پاس موجود ہے؟ جو ناظرین ان غوامض کی تہ کو پہنچنا چاہتے ہیں وہ یہ سوال کئے بغیر نہ رہ سکیں گے کہ "آیا ہم نے ان مسائل کو اُن سے بہتر حل کیا ہے؟"

القصہ اس کتاب کے مقدمات کی ترتیب حسب ذیل ہے:-

میں نے اول جدید سائنس کا علوم قدیمہ سے مقابلہ کر کے اور یہ دکھا کر کہ نظریات پر مبنی ہونے کے بجائے اس کا انحصار مشاہدہ تجربہ اور مہندسانہ مباحثہ پر ہے ثابت کیا ہے کہ اس کی ابتدا مقدونوی فتوحات کی وجہ سے ہوئی جنہوں نے ایشیا اور یورپ میں تعلق پیدا کر دیا۔ ان فتوحات پر ایک اجمالی نظر ڈال کر اور عجائب خانہ اسکندریہ کے مختصر حالات بیان کر کے میں نے جدید سائنس کی نوعیت اور خصوصیات کی توضیح کی ہے۔

پھر میں نے بر سبیل ایجاز ظہور مسیحیت کے مشہور واقعات کا اعادہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ اس نے ترقی کرتے کرتے شہنشاہانہ اقتدارات حاصل کر لئے اور بت پرستی کے ساتھ مخلوط ہو جانے کے باعث جو سلطنت روما کا مروجہ مذہب تھی اس کی شکل بالکل تبدیل ہو گئی۔ چونکہ اس کو صاف معلوم ہو چکا تھا کہ سائنس کا اور اس کا میل نہیں ہو سکتا۔ لہذا اس نے اسکندریہ کے فلسفیانہ مدارس جبراً بند کر دیئے اور اس کارروائی پر اس کی سیاسی ضرورتوں نے اُسے مجبور کیا +

نصرانیت اور سائنس کو ایک دوسرے کا حریف ظاہر کرنے کے بعد میں نے اُن کی پہلی علانیہ زور آزمائی یعنی اصلاح اولی یا اصلاح جنوبی کی داستان قلمبند

کی ہے۔ اس تنازع میں امر مابہ النزاع ماہیت ذات باری تعالےٰ تھا۔ اس کا نتیجہ ظہور اسلام ہوا جس نے ایشیا اور افریقہ کا بہت بڑا حصہ اور بیت المقدس اسکندریہ اور کارتھج کے تاریخی شہر مسیحی دنیا سے چھین لئے اور وحدانیت خدا کے اصول کو اُس مملکت کے بہت بڑے حصے میں شائع کردیا جس پر کبھی رومۃ الکبرےٰ کا پھریرا اُڑتا تھا +

اس سیاسی واقعہ کے بعد سائنس میں نئے سرے سے جان پڑگئی اور عربوں کے ممالک محروسہ میں دارالعلم مدارس اور کتب خانے جابجا قائم ہوگئے۔ کشورکشایان اسلام نے جو عقل وادراک میں بسرعت تمام ترقی کررہے تھے ماہیت ذات باری کے اُن تجسیمی خیالات کو جو اُن کے عامیانہ عقائد میں لے ہوئے چلے آتے تھے ترک کردیا اور ان کے بجائے اُس قسم کے حکیمانہ و فلسفیانہ عقائد اختیار کرلئے جن کا ظہور مدتوں پہلے ہندوستان میں ہوچکا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حقیقت روح انسانی کے متعلق علم اور مذہب میں دوسری نزاع پیدا ہوگئی۔ اسی زمانہ میں فلسفہ ابن رشد کو ترقی ہوئی اور مسائل انفصال وانجذاب نے رواج عام پایا۔ ازمنہ وسطیٰ کے اختتام پر محکمۂ احتساب عقائد یورپ سے ان مسائل کو خارج کرنے میں کامیاب ہوا اور اب ویٹیکن کونسل نے باضابطہ طور پر مذہبی رسموں کے ساتھ اُن کی تکفیر کردی ہے +

اس اثنا میں ہیئت جغرافیہ اور دوسرے علوم کے اکتساب کی بدولت نظام شمسی میں زمین کے مرتبہ اور دوسرے اجرام سماوی کے ساتھ اُس کے تعلق اور ترکیب کائنات کے متعلق صحیح خیالات قائم کئے جاچکے تھے۔ اور چونکہ مذہب کو جو کتب مقدسہ کی آیات کی اُس تاویل پر مبنی تھا جو تعبیر راشدہ وصحیح متصور ہوتی تھی اس امر پہ اصرار تھا کہ زمین مرکز کائنات ہے اور موجودات میں کوئی شے بلحاظ عظمت وشان اس سے لگا نہیں کھاتی لہٰذا تیسری نزاع برپا ہوگئی۔ اس جنگ میں سائنس کا علم بردار گلیلیو تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کلیسا کو شکست فاش ہوئی۔ اس کے بعد ایک اور ضمنی بحث دنیا کی عمر کے بارہ میں چھڑ گئی۔ کلیسا کو اصرار تھا کہ

دنیا کی عمر صرف چھ ہزار سال ہے۔ اس بحث میں بھی اُسے زک اُٹھانی پڑی +

تاریخ اور سائنس کی روشنی سے یورپ میں بتدریج اُجالا ہو رہا تھا۔ سولھویں صدی میں رومائی نصرانیت کا اقتدار اور اثر بوجہ اُن عقلی زکوں کے جو اُسے اُٹھانی پڑی تھیں اور نیز بباعث اپنی سیاسی اور اخلاقی حالت کے بہت کچھ گھٹ گیا۔ بہت سے ارباب زہد واتقا کی نظر سے یہ امر مخفی نہ تھا کہ مذہب خود اُن خرابیوں کا ذمہ دار نہ تھا جو اُس میں پائی جاتی تھیں بلکہ ان مفاسد و ذمایم کا باعث وہ رشتہ اتحاد تھا جو اُس نے زمانہ قدیم میں رومائی بت پرستی کے ساتھ قائم کرلیا تھا۔ پس اس کا علاج بجز اس کے اور کچھ نہ تھا کہ قرون اولے کی پاک اور صاف نصرانیت کی طرف عود کیا جائے۔ اس طور پر وہ چوتھی نزاع برپا ہوئی جو اصلاح اُخرٰے یا اصلاح شمالی کے نام سے موسوم ہے۔ اس نزاع نے جو خاص شکل اختیار کی وہ معیار حق سے تعلق رکھتی تھی یعنی سچائی کا معیار اصلی کلیسا ہے یا بائبل۔ اس بحث کے تصفیہ میں حریت عقل کا شاخسانہ نکل آیا یعنی امور عقلی میں ہر انسان کو شخصی اجتہاد کا حق حاصل ہے۔ لوتھر نے جو اس دور کا سب سے زیادہ مشہور و سربرآوردہ شخص ہے اپنے مقاصد کی تکمیل میں نمایاں کامیابی حاصل کی اور جب جنگ کے بعد دونوں حریف الگ ہوگئے تو معلوم ہوا کہ شمالی یورپ رومائی نصرانیت کے ہاتھ سے نکل گیا ہے +

اب ہمارے سامنے یہ بحث ہے کہ انتظام عالم کس طرح چل رہا ہے۔ آیا اس انتظام کا تکفل خدا کی متسلسل و متوالی مداخلت سے متعلق ہے یا ازلی و غیر متغیر قانون سے۔ مسیحی دنیا کی عقلی تحریک نشوونما کے اُس نقطہ پر اب پہنچی ہے جس پر عربی وملغ دسویں اور گیارھویں صدیوں میں پہنچ چکا تھا اور اُن مسائل پر جو اُس زمانہ میں مسلمانوں کے پیش نظر تھے اب مکرر غور ہو رہا ہے۔ مسئلہ ارتقا۔ مسئلہ پیدائش۔ مسئلہ نشوونما۔ یہ موالید وہ مباحث ہیں جو اُنیسویں صدی کی نصرانیت کو دسویں صدی کے اسلام سے ترکہ میں ملے ہیں +

میرا خیال ہے کہ ان عام عنوانات کی ذیل میں اس مہتم بالشان مباحثہ کے تمام

اصولی نکات آجائیں گے ۔ اور ان جامع ابواب کی تحت میں واقعات زیرغور کو جمع کرنے اور ہر مجموعہ پر جداگانہ بحث کرنے سے ہمیں ان کے باہمی تعلق اور ان کی تاریخی ترتیب کا صحیح صحیح علم ہوجائے گا +

سائنس اور مذہب کی ان معرکہ آرائیوں کی داستان میں نے حتی الامکان بہ ترتیب زمانی سپرد قلم کی ہے اور بہ نظر تکمیل و اتمام ذیل کے تین ابواب کا اضافہ اصل بحث پر کردیا ہے

(۱) لاطینی نصرانیت نے تمدن جدید کو کیا فائدہ پہنچایا +

(۲) سائنس سے تمدن جدید نے کیا فیض پایا +

(۳) مذہب اور سائنس کی عنقریب چھڑنے والی جنگ میں ویٹیکن کونسل کے اعلان کے لحاظ سے رومائی نصرانیت کا رویہ +

حق وراستی کی جستجو میں اکثر اشخاص نے مختلف مذہبی فرقوں کے تنازعات کی جزئیات پر اپنی توجہ کو اس حد تک صرف کر رکھا ہے کہ ان صد یوں کا جھگڑا جس کے تاریخی واقعات سے ان اوراق میں بحث ہے لوگوں کو بہت کم معلوم ہے ۔ میں نے مستقیم العزم ہوکر کوشش کی ہے کہ اس کتاب کو بلا رو ورعایت لکھوں اور فریقین کا ادب و احترام ملحوظ رکھتے ہوئے حق کو ہرگز نہ چھپاؤں ۔ اس امر کا اندازہ کہ اس کوشش میں مجھے کہاں تک کامیابی ہوئی ہے میں ناظرین اولوالالباب کے حق پسندانہ فیصلہ پر چھوڑتا ہوں +

نیویارک یونیورسٹی
دسمبر سنہ ۱۸۷۳ء

جان ولیم ڈریپر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معرکہ مذہب و سائنس

پہلا باب
سائنس کی ابتدا

یونانیون کی مذہبی حالت چوتھی صدی قبل مسیح مین سلطنت ایران پر حملہ آور ہوکر وہ قدرت کے نئے نئے مناظر دیکھتے ہین اور نئے نئے مذاہب سے واقفیت حاصل کرتے ہین مقدونوی فوج کشی سے فن حرب فن انجنیری اور سائنس کو جو تحریک پہنچتی ہے اسکندریہ مین ایک دار العلم کے قیام کا باعث ہوتی ہے۔ یہی دار العلم جس مین تجربہ مشاہدہ اور ہندسانہ تنقید کے ذریعہ سے علوم وفنون کی ترقی کے وسائل اختیار کیے جاتے ہین سائنس یعنی علوم وفنون کا سرچشمہ قرار پاتا ہے۔

ارباب فکر و دانش کی نظر مین کوئی سمان اتنا دردناک نہین ہوتا جتنا کسی پرانی مذہب کا زوال اور وہ بھی اوس مذہب کا زوال جس نے اپنے زمانہ مین بنی نوع انسان کی کئی نسلون

سکے لیے تسکین روحانی کا سرمایہ بہم پہنچایا ہو۔

حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت سے چار سو سال پہلے یونان علم و حکمت مین اتنی جلد جلد ترقی کر رہا تھا کہ قدیم مذہب کی قبا اوس کے قامت پر تنگ ہو چلی تھی۔ وہان کے فلاسفہ نے جب ماہیت کائنات پر غور کیا تو قوانین فطرت کی عظمت و جبروت کے مقابلہ مین اولمپس[۱] کے دیوتا اونھین سخت حقیر اور ذلیل نظر آئے۔ مورخون نے جب معاملات سیاسی کے انضباط و ترتیب اور افعال انسانی کی ہموار اور باقاعدہ روش پر نگاہ ڈالی اور ساتھ ہی یہ بھی دیکھا کہ دنیا مین کوئی ایسا واقعہ پیش نہین آتا جس کی کوئی صریح علت کسی واقعہ سابقہ کی شکل مین موجود نہ ہو تو اونھین شبہ ہونے لگا کہ کہین وہ معجزے اور آسمانی نشانات جن سے عہد عتیق کے سفائن معمور ہین محض من گھڑت قصہ کہانیان ہی تو نہین۔ اور جب فوق القدرت واقعات کا ظہور موقوف ہو گیا تو یہ بدیہی سوال پیدا ہوا کہ کیا وجہ ہے کہ کسی دیوتا کے مُنہ سے اب کوئی پیشین گوئی سُننے مین نہین آتی اور کرامات و عجائبات کا دروازہ مطلقاً مسدود ہو گیا ہے۔

قدیم روایات نے جو قرنہا قرن سے سینہ بسینہ چلی آتی تھین اور جنکی صداقت خوش عقیدہ اشخاص کے لئے اصول موضوعہ کا حکم رکھتی چلی آئی تھی جزائر بحر روم اور ارض ملحقہ کو فوق العادت عجائبات سے آباد کر رکھا تھا۔ چنانچہ ان ممالک کی نسبت عام طور سے مشہور تھا کہ وہان عجیب الخلقت ہستیان مثلاً جادوگر۔ جادوگرنیان۔ دیو۔ بھوت۔ چڑیلین۔ پردار سانپ کے بالون والی بلائین۔ نصف انسان اور نصف گھوڑے کے دھڑ والی آفتین اور یکچشم عفریت

---

[۱] یونان کے صوبہ تھسلی مین ایک پہاڑ ہے جس کا ارتفاع ۹۷۹۴ فٹ اور حد الثلج کی بلندی ۹۰۰۰ فٹ ہے۔ اس کی سب سے اونچی چوٹی پر جو نہایت وسیع و فراخ ہے ہر وقت بادلون کا ایک گھٹا ٹوپ چھایا رہتا ہے۔ ہومر اور اوس کے بعد کے زمانہ کے یونانی شعرا کا یہ عقیدہ تھا کہ اس چوٹی پر مہادیوتا زیوس جسکا دوسرا نام جوپیٹر تھا دوسرے چھوٹے بڑے دیوتاؤن اور دیبیون کے ساتھ رہتا ہے اور وہان سے یہ سب جب چاہتے ہین بادلون مین لپٹے ہوئے آسمان کو چلے جاتے ہین۔ مترجم

بستے ہین۔ آسمان کی لاجوردی محراب کی متعلق عام خیال یہہ تھا کہ یہ بہشت کا صحن ہے جس مین مہا دیوتا زیوس دیوتاؤن اور اون کی بیبیون اور آشناؤن کے حلقہ مین دربار کرتا ہے۔ ان دیوتاؤن کے مشاغل بھی نوعیت مین انسانی مشاغل پر تفوق نہ رکھتے تھے یعنی آسمان والے بھی زمین والون کی طرح جذبات بہیمیہ و اعمال سیئہ سے بری نہ تھے۔

یونان کے ساحل کی انحنائی ہیئت نے ایک ایسے مجمع الجزایر کے موزون موقع کی ساتھ ملکر جس کے بعض جزیرے خوشنمائی اور دلفریبی کے لحاظ سے دنیا بھر مین اپنی آپ نظیر ہین یونانیون مین جہازرانی جغرافیائی انکشاف اور ممالک غیر مین نئی آبادیان قایم کرنے کا شوق پیدا کر دیا۔ اون کے جہاز بحیرہ اسود اور بحیرہ روم مین چکر لگانے لگے اور قرب وجوار کے سمندر دن کا چپہ چپہ اونہون نے چھان مارا۔ نتیجہ یہہ ہوا کہ وہ عظیم الشان عجائبات جن کی ثنا وصفت سے کتاب ''اڈیسی''[۱] کے اوراق مزین تھے فرضی ڈھکوسلے ثابت ہوئے۔ قدرت کی واقعات کے متعلق جب زیادہ تجسس و تفحص سے کام لیا گیا تو معلوم ہوا کہ آسمان محض فریب نظر کا نام ہے اور اولمپس کا سرے سے وجود ہی نہین[۲]۔ اگر ہین تو ستارے ہین یا فضاے بسیط۔ غرض مکان کے ساتھ مکین بھی تشریف لے گئے نہ ''آیونین'' خاندان کے معبود باقی رہے جنکا ذکر ہومر نے کیا ہے اور نہ ''ڈورک'' قبیلہ کے دیوتا جن کے بھجن ہیسائڈ[۳] نے گاے ہین۔

---

[۱] کتاب ''الیڈ'' کے شہرہ آفاق مصنف ہومر یونانی کی دوسری منظوم تصنیف کا نام۔ ہومر کا زمانہ حضرت مسیح کی ولادت سے نوسو چالیس سال قبل بیان کیا جاتا ہے۔ گویا حضرت سلیمان کی ولادت سے کوئی دس بارہ سال بعد۔ ''اڈیسی'' کو ایک لحاظ سے ''الیڈ'' کا جو یونان کی مہابھارت ہی ضمیمہ سمجھنا چاہئے۔ مترجم

[۲] یہان اولمپس کے عینی وحسی وجود سے انکار کرنا مقصود نہین ہے بلکہ مصنّف کا منشا یہ معلوم ہوتا ہی کہ وہ اولمپس جو دیوتاؤن کا مسکن سمجھا جاتا تھا تحقیقات کرنے پر ایک ڈھکوسلا ثابت ہوا۔ مترجم

[۳] ایک قدیم یونانی شاعر جس نے آٹھوین صدی قبل مسیح کا وسطی زمانہ پایا ہے۔ اوسکی تصانیف جنکی زبان ہومر کی زبان سی ملتی جلتی ہے جرمنی مین شایع ہوچکی ہین۔ مترجم

لیکن یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ اتنا بڑا انقلاب بغیر کسی مزاحمت یا مخالفت کے واقع ہو گیا۔ اوّل اوّل عوام الناس خصوصاً اہل مذہب نے متشککین کے اُٹھتے شبہات پر لا مذہبی کا فتویٰ لگایا۔ اونہون نے خاطیون مین سے بعض کا مال و اسباب ضبط کر لیا بعض کو جلا وطن کر دیا اور بعض کو قتل کر ڈالا۔ اون کا دعویٰ یہ تھا کہ جن باتون کو لوگ ہزار ہا برس سے مانتے چلے آئے ہین وہ ضرور ہے کہ صحیح ہون ورنہ اتنی مدت تک قایم کیون رہتین لیکن جب شہادت مخالف اس قدر زبردست ہو گئی کہ اوس کا کوئی جواب نہ ہو سکتا تھا تو اونہین مجبوراً تسلیم کرنا پڑا کہ یہہ عجائبات استعارے تھے جن کے پردے مین قدما کی دانش و حکمت نے بہت سے مقدس و پوشیدہ رموز و نکات کو ظاہر کیا تھا۔ اگرچہ خود اُن کے دل مین بھی یہ خدشہ پیدا ہو چلا کہ ممکن ہے کہ جن باتون کی ہم حمایت کر رہے ہین اون کی حقیقت افسانہ سے زیادہ نہ ہو لیکن چونکہ مذہب کا اثر دل پر قوی تھا لہذا اون کی کوششون نے یہ صورت اختیار کی کہ اپنے معتقدات کو اپنے عقلی و ادراکی نشو و نما کے ساتھ تطبیق دینے لگے۔ لیکن ممکن نہ تھا کہ یہ کوششین بار آور ہون۔ اس لیے کہ یہ امر مقدرات سے ہے کہ انسانی راے خاص خاص مدارج ارتقا طے کرنے بعد ایک خاص نقطہ پر جا کر ٹھہر جائے۔ انسان جس عقیدہ کو حرمت اور توقیر کی نظر سے دیکھتا ہے اول اول اوس کے متعلق اوس کے دل مین شبہات و شکوک ناشی ہوتے ہین۔ تشکک کے بعد تاویل کا دور آتا ہے۔ تاویل مبدل بہ اختلاف ہو جاتی ہے۔ اور اختلاف کل عقیدہ کو ایک فرضی افسانہ سمجھکر انکار کی انتہائی اور قطعی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

فلاسفہ اور مورخین کے بعد شعرا کے اعتزال کی باری آئی۔ یوریپیڈیز[۱] پر فاسد العقیدہ

---

[۱] یونانی ڈراما نویسی کی اوس صنف مین جس کا خاتمہ حسرت پر ہوتا ہے یوریپیڈیز ایک خاص شہرت رکھتا ہے۔ ۴۸۰ قبل مسیح مین بمقام سلامس پیدا ہوا۔ فلسفہ۔ بلاغت۔ طبیعات مین مہارت تامہ رکھتا تھا۔ اول اول اس کا پیشہ نقاشی تھا۔ اس کے بعد شاعری کی طرف متوجہ ہوا۔ سقراط سے اس نے تعلیم تو نہین پائی مگر اوس کے زمرہ احباب مین ضرور شریک تھا۔ فلسفیانہ عقاید رکھنے کی وجہ سے اہل ایتھنز اوس کے (بقیہ مضمون بر صفحہ آیندہ)

ہونے کا الزام لگایا گیا۔ انیکساغورس[1] کفر بکنے کی پاداش مین سنگسار ہوتے ہوتے بچا۔ لیکن جن لوگون کی اغراض بے بنیاد باتون کی حمایت کے ساتھ وابستہ ہوتی ہین اون کی مجنونانہ کوششین کبھی بارآور نہین ہوسکتین۔ اس عقلی ہل چل کے آثار ادب وانشا کے ہر شعبہ مین نظر آنے لگے یہان تک کہ عوام الناس بھی اس سے متاثر ہوے بغیر نہ رہ سکے۔

قومی مذہب کے اس استیصال مین اہل یونان کے فلسفیانہ انکشافات کو اون کی حکیمانہ تنقید سے بہت کچھ مدد ملی تھی۔ اسی تنقید کا نتیجہ تھا کہ عقاید مروجہ کے متعلق جو عام شکوک پھیل گئے تھے اون کی تائید مین شواہد و دلایل کا ایک انبار جمع ہوگیا۔ اور مختلف مذاہب کے عقاید کے باہمی مقابلہ سے اون نواقص کی بنا پر جو ان مین پائے گئے یہ ثابت کیا گیا کہ انسان کے پاس حق اور صدق کا کوئی معیار نہین۔ نیکی اور بدی کے خیالات اس عالم کون و فساد مین سرے سے موجود ہی نہین بلکہ مطلقاً تعلیم و تربیت کا نتیجہ ہین اس لیے کہ ایک ملک مین جو بات بُری سمجھی جاتی ہے وہی دوسرے ملک مین اچھی سمجھی جاتی ہے۔ اچھائی اور بُرائی نیکی اور بدی محض چند اعتبارات کا نام ہے جنھین بنی نوع انسان نے اپنے فواید کے لحاظ سے قایم کر رکھا ہی

(بقیہ مضمون صفحہ گذشتہ) دشمن جان ہوگئے اور اوس زمانہ کے مشہور ہزال ارسٹوفینس نے اوس کی ہجو کہی۔ یہان سے جان بچا کر وہ مقدونیہ کے دربار مین جا پناہ گزین ہوا لیکن دو شاعرون سے وہان بھی اوس کی جھڑپ ہوگئی اور اونہون نے اوس پر کتے چھوڑے جنھون نے اوسے چیر پھاڑ ڈالا۔ اوس کا انتقال ۴۰۶ ق ع مین ہوا۔ اٹھارہ کتابین اوس کی تصنیف سے ہین اور ان کا انگریزی ترجمہ بھی ہوچکا ہی۔ مترجم

[1] ڈراما نویسی کے اسی شعبہ کا جس کا اوپر ذکر ہوا بانی سمجھا جاتا ہے۔ ۵۲۵ ق ع مین یونان کے شہر ایتھنس مین پیدا ہوا اور ۴۵۶ ق ع مین بمقام گیلا واقع جزیرہ نمائے سسلی وفات پائی۔ اول میرتھان کی جنگ اور اوس کے دس سال بعد ۴۸۰ ق ع مین سلامس کی مشہور بحری لڑائی مین شریک ہوا۔ ستر ناٹک اوس کی تصنیف سے ہین جن مین سے صرف سات ہم تک پہنچے ہین۔ اوس کا طرز ادا نہایت دلکش ہی اور عبارت نہایت سلیس سمجھی جاتی ہی۔ ڈراما مین مکالمہ کا طریقہ اوسی کا رواج دیا ہوا ہے۔ مترجم

ایتھنز مین بعض فرقے تو یہان تک ترقی کر گئے تھے کہ نہ صرف اونہین اس بات سے انکار تھا کہ کسی ان دیکھی ان بوجھی اور فوق القدرت ہستی کا وجود ہو سکتا ہے بلکہ وہ دنیا کو ایک خواب پریشان ایک خیال موہوم تصور کرتے تھے اور کہتے تھے کہ حقیقی وجود کسی شئے کا نہین ہے۔

یونان کی ماہیت ارضی و طبعی کا اثر اوس کی پولٹیکل حالت پر بھی پڑا۔ اس نے اہل یونان کو متعدد جماعتون مین تقسیم کر دیا جن کی اغراض مختلف اور مقاصد جداگانہ تھے۔ اور یہ بات ناممکن ہوگئی کہ اون کی ایک حکومت قایم ہو۔ اون مسلسل خانہ جنگیون نے جو یونان کی رقیب ریاستون کو ایک دم چین سے نہ بیٹھنے دیتی تھین اس کی ترقی رفتار کو روک دیا۔ ملک کی مالی حالت سقیم تھی اور ملک کے سربرآوردہ لوگ جادہ تدین سے منحرف ہو گئے تھے۔ وہ حب وطن کی بے بہا جنس کو ممالک غیر کے سیم و زر کے بدلے فروخت کرنے مین ذرا پس و پیش نہ کرتے تھے اور ایرانی رشوت کی قربانگاہ پر یونانی اغراض کی بھینٹ چڑھانا اون کے لیے مساوات ہو گیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ فنون بت تراشی و تعمیر کے اون محاسن نے جنکی دلاویزی و رعنائی آج تک دنیا مین اپنی مثال آپ سمجھی گئی ہے یونان کو حسن صوری کا اس حد تک شیفتہ و والہ بنا دیا تھا کہ اوس مین حسن معنوی یعنی سعادت و صداقت کے عملی امتیاز کی قابلیت سلب ہوگئی تھی۔

یونان کا جو حصہ یورپ مین واقع تھا اوس نے تو خود مختاری و حریت کے اون خیالات کی بدولت جو وہان پھیلے ہوئے تھے ایران کے باجگذار بننے سے انکار کر دیا لیکن ایشیائی یونان بلا تامل اوس کا حلقہ بگوش ہو گیا۔ اس زمانہ مین سلطنت ایران رقبہ مین موجودہ یورپ کے نصف کے برابر تھی۔ ایک طرف اس کے ساحلون کو بحر روم۔ بحیرہ ایجین۔ بحیرہ اسود۔ بحیرہ خزر کی موجین بوسہ دیتی تھین۔ دوسری طرف اس کی سرحد بحر قلزم۔ خلیج فارس اور بحر ہند سے ملی ہوئی تھی۔ اس کے میدانون اور وادیون کو دنیا کے سب سے بڑے چھ دریا۔ فرات دجلہ۔ انڈس۔ جیحون۔ سیحون اور نیل جن مین سے ہر ایک کا طول ہزار میل سے زیادہ تھا

سیراب کرتے تھے۔ اس کی سطح سمندر کی سطح سے کہین تیرہ سو فیٹ نیچی اور کہین بیس ہزار فٹ بلند تھی۔ اور اسی نشیب و فراز کا نتیجہ تھا کہ اس مین ہر قسم کی نباتی پیداوار موجود تھی اور معدنی دولت کی تو کوئی انتہا ہی نہ تھی۔ میڈیا اور بابل کا جاہ و جلال اور اسیریا اور کالدیہ کی عظمت و تمکنت اسے متفقہ و مشترکہ طور پر ترکہ مین ملی تھی اور یہ وہ دولتین تھین جن کے تاریخی کارنامے بیس صدیون پر پھیلے ہوے تھے۔

ایران یورپ مین یونان کو سیاسی پہلو سے ہمیشہ حقیر و ہیچ میرز سمجھتا رہا اس لئے کہ اوس کا رقبہ کسی ایرانی صوبہ کے نصف کے مساوی بھی نہ تھا۔ لیکن جو چڑھائیان اس سرکش علاقہ کو نیچا دکھانے کے لئے ایران نے وقتاً فوقتاً کین اون کے اثنا مین اوسے یونانیون کی جنگی قابلیت کا اعتراف کرتے ہی بنی۔ اور یہی وجہ تھی کہ ایرانی افواج کے سب سے زیادہ جانباز اور جری دستے اون یونانی سپاہیون سے مرکب تھے جنھین فرمان روایان ایران نے بیش قرار معاوضے دیکر نوکر رکھ لیا تھا۔ افواج ایران کے سپہ سالار اور ایرانی جہازون کے بیڑے کے امیر البحر تک بعض دفعہ یونانی ہوتے تھے۔ ان خانہ جنگیون کے دوران مین جنھون نے ایران کو طوایف الملوکی کا موقف بنا دیا تھا تخت و تاج کے دعوے دارون کی رقیبانہ کوششین بسا اوقات یونانی سپاہیون ہی کے مردانہ اوصاف کی شرمندہ احسان ہوئین۔ ان نبرد آزمائیون سے جو نتایج مترتب ہوے وہ نہایت اہم تھے۔ بہادر اور جنگجو یونانیون نے جن کے جوہر سپہگری کو اب تک ایران کے روپیہ نے خرید رکھا تھا ایک نظر مین معلوم کر لیا کہ سلطنت روبہ انحطاط ہے اور تلوار کے زور سے تخت تک پہنچ جانا کوئی بڑی بات نہین۔ کیونکہ[1]

[1] اس مقام کا ٹھیک موقع تو معلوم نہین لیکن زنوفن نے جو حالات اس جنگ کے جو یہان سنہ ۴۰۱ ق ع مین ہوئی بیان کئے ہین اون سے نتیجہ نکالا گیا ہے کہ بابل سے ساٹھ میل کے فاصلہ پر جانب شمال و مغرب دریاے فرات کے بائین کنارے پر واقع تھا۔ یہ جنگ کیخسرو خسرو ایران اور اوس کے بھائی اردشیر مین ہوئی تھی۔ سایرس مارا گیا اور اردشیر فتح یاب ہو کر تخت نشین ہوا۔ مترجم

کے میدان جنگ مین سائرس کے کام آنے کے بعد زنوفن کا اپنے دس ہزار ہمراہیون کو ایران سے صحیح وسلامت لے نکلنا ایک ایسا زندہ جاوید واقعہ تھا جس نے اِس بات کو قطعی طور پر ثابت کر دیا کہ بالکل ممکن ہے کہ یونانی فوج قلب ایران پر ترکتاز کرے اور وقت آپڑے تو صحیح وسلامت واپس چلی جائے۔

زرکسیس نے ہیلسپانٹ پر پل باندہ کر اور کوہ ایتھاس کی خاکنائے کو ابنائے کی شکل مین بدل کر یونانیون کے دلون پر ایشیائی سپہ سالارون کی جنگی قابلیت کا سکہ بٹھا دیا تھا لیکن سلامس[۱] پلیٹیا[۲] اور مائیکل کی لڑائیون نے یہ نقش محو کر دیا۔ ایران کے مالا مال صوبون کو تاخت وتاراج کرنے کی ہوس کا ایک طوفان اون کے دلون مین اُمنڈ آیا۔ اسپارٹا کا بادشاہ اگیسلیئس اسی خواہش کے اقتضا سے ایران پر چڑہ دوڑا اور کئی نمایان فتوحات حاصل کین لیکن ایرانی گورنمنٹ نے اس موقعہ پر اپنی قدیم حکمت عملی سے کام لے کر اوس کی پیش قدمی کو روک دیا یعنی اسپارٹا کی ہمسایہ ریاستون کو رشوت دے کر خود اسپارٹا پر حملہ کرا دیا۔ اگیسلیئس کو اب اپنے گھر کی پڑ گئی اور جب جہاز پر سوار ہو کر وہ اسپارٹا کو واپس جانے لگا تو یہ تلخ اور تعریض آمیز جملہ اوس کے مُنھ سے نکلا کہ "آہ مین مغلوب بھی ہوا تو فقط تیس ہزار ایرانی تیراندازون سے"۔ اس سے اوس کی مراد ایرانی سکہ "دارک" سے تھی جس پر تیرانداز کی تصویر بنی ہوئی تھی۔

اس کے بعد فیلقوس شاہ مقدونیہ کو ایک زیادہ تر اہم مقصد نے ایک بہت بڑے

---

[۱] مجمع الجزایر یونان کے ایک جزیرہ کا نام ہے جو ایتھنز کے قریب واقع ہے۔ اس کا رقبہ کوئی دس مربع میل ہوگا۔ جس جنگ کی طرف متن مین اشارہ ہے وہ ایک بحری لڑائی تھی جو ۴۸۰ق ع مین ایرانیون اور یونانیون مین ہوئی اور ایرانیون کو شکست فاش ہوئی۔ مترجم

[۲] یونان قدیم کا ایک چھوٹا سا قصبہ تھا جو شہر تھیبز سے ساڑھے چھ میل کے فاصلہ پر واقع تھا۔ ۴۷۹ق ع مین یہان ایرانیون اور یونانیون مین ایک سخت جنگ ہوئی جس مین میدان یونانیون کے ہاتھ رہا۔ مترجم

جنگی پیمانہ پر ان کوششون کی تجدید و احیا کا خیال دلایا۔ تمام یونانی ریاستون کو اوس نے اس بات پر آمادہ کرلیا کہ اوسے یونان کی افواج متحدہ کا سپہ سالار اعظم قرار دین نہ اس غرض سے کہ صوبجات ایران کو تاخت و تاراج کیا جاے بلکہ اس غرض سے کہ دولت ایران کو مسخر کرکے یونان کا حلقہ بگوش بنا لیا جائے۔ ابھی اس عظیم الشان مہم کی تیاریان مکمل نہ ہوئی تھین کہ وہ قتل کر ڈالا گیا اور اوس کا بیٹا سکندر جو ابھی بالکل نوعمر تھا اوس کی جگہہ تخت نشین ہوا۔ فیلقوس کے قتل کے بعد یونانیون کی ایک عام مجلس شوری بمقام کارنتھ منعقد ہوئی تھی اور اوس مین بالاتفاق یہ قرار پایا تھا کہ سکندر اپنے باپ کی جگہہ تخت پر بیٹھے۔ انھی دنون الیریا مین کچھ فساد اُٹھہ کھڑا ہوا۔ سکندر کو اس فتنہ کے فرو کرنے کے لئے اپنی فوج لے کر شمال کی جانب دریائے ڈینوب تک جانا پڑا۔ اوس کی غیبت مین اہل تھیبیز نے دیگر قبایل کے ساتھ مل کر اوس کے برخلاف سازش کی۔ واپس آکر اوس نے تھیبیز کو ایک دھاوے مین سر کرلیا اور اہل شہر مین سے چھ ہزار کو قتل کیا تین ہزار کو لونڈی غلام بنا کر بیچ ڈالا اور شہر کو مسمار کر دیا۔ یہ جبر و تشدد اوس کی فوجی مال اندیشی کی بہت بڑی دلیل ہے اس لئے کہ جب وہ ایشیا کی تسخیر مین مصروف تھا تو اوس کی غیبت مین کسی کو سر اُٹھانے کی جرارت نہ ہوئی۔

۳۳۴ ق ع کے موسم بہار مین سکندر ہیلسپانٹ کو عبور کرکے ایشیا کے ساحل پر لنگرانداز ہوا۔ اوس کی فوج تعداد کے لحاظ سے کچھ زیادہ نہ تھی۔ چونتیس ہزار پیادے تھے اور چار ہزار سوار۔ خزانہ بھی اوس کے ہمراہ واجبی ہی تھا یعنی کلہم ستر ٹیلنٹ[ل] لے کر گھر سے نکلا تھا۔ ایرانی فوج دریاے گرینیکس کے اوس پار ڈیرے ڈالے پڑی تھی۔ سکندر نے سیدھا غنیم کا رخ کیا اور

[ل] ابتدا مین ایک یونانی مقدار وزن کا نام تھا جو مختلف ریاستون مین مختلف تھی۔ یعنی کہین ۲۸ ۱/۲ سیر تھی اور کہین ۴۰ ۱/۲ سیر۔ بعد مین اس لفظ کا اطلاق نقرئی سکہ رائج الوقت کی مساوی مقدار پر ہونے لگا۔ اگر ٹیلنٹ کی مقدار ۴۰ ۱/۲ سیر بھی فرض کی جاے تاہم سکندر کے خزانہ مین اس مہم پر روانہ ہونے کے وقت آج کل کے ارز نقرہ کے حساب سے ایک لاکھ نوے ہزار روپیہ سے زیادہ رقم موجود نہ تھی۔ مترجم

دریا کو چیرتا ہوا حریف سے جا بھڑا گھمسان کی لڑائی ہوئی - ایرانی اگرچہ جان توڑ کر لڑے لیکن سکندر کی بہادر اور قواعد دان فوج کے آگے اون کی ایک پیش نہ گئی - شکست فاش کھا کر اونہون نے راہ فرار اختیار کی اور کل ایشیاے کوچک مع بے شمار خزانون کے سکندر کے قبضہ مین آگیا - سال کا باقی حصہ سکندر نے ممالک مفتوحہ کے فوجی نظم و نسق مین گذارا - اس اثنا مین دآرا فرمانرواے ایران چھ لاکھ کا ٹڈی دل لے کر آگے بڑہا تاکہ مقدونوی فوج کو شام کی طرف پیش قدمی کرنے سے روکے - کوہستان الپس کی گھاٹیون مین دونون فوجون کا سامنا ہوا - ایرانیون کو اس دفعہ بھی شکست ہوئی - اس خونریز جنگ مین جانون کا جس قدر نقصان ہوا اوس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ سکندر اور اوس کا ایک جرنیل بطلیموس جب ایک گھاٹی مین سے گذرے تو اوسے کشتون کے ایک عظیم الشان پشتے سے اٹا ہوا پایا اور دونون کو اس گنج قتیلان کے اوپر سے ہو کر گذرنا پڑا - سکندر کے ہمراہ جو وقایع نویس تھے اونہون نے حساب لگایا ہے کہ اس جنگ مین ایرانی فوج کا نقصان بقدر نوے (۹۰) ہزار پیادون اور دس ہزار سوارون کے ہوا - شاہی حرمسرا کا خیمہ دارا کی بی بی اور اس کے کئی بچون سمیت فاتح کے قبضہ مین آیا - اس طور پر ملک شام بھی یونانی فتوحات کی سلک مین منسلک ہو گیا - دمشق مین دآرا اور اوس کے اعیان دولت کی کثیر التعداد خواصین مع بیشمار خزانہ کے سکندر کے ہاتھ آئین -

مسوپوٹیمیا کے میدانون کی جانب اخیر جنگ کے لئے پیش قدمی کرنے سے پہلے سکندر نے اون ممالک کی حفاظت کے خیال سے جنہین وہ فتح کرتا ہوا پیچھے چھوڑ آیا تھا اور نیز اس غرض سے کہ اوس کے اور سمندر کے درمیان غنیم کو حایل ہونے کا موقع نہ ملے بحر روم کے ساحل کے کنارے کنارے جنوب کا رخ کیا اور رستہ مین جو جو شہر پڑے اونہین فتح کرتا گیا - الپس کی لڑائی کے بعد جو مجلس شوری منعقد ہوئی تھی اوس مین سکندر نے ایک تقریر کرتے ہوے اپنے افسران فوج سے کہا تھا کہ ایسی حالت مین جبکہ ٹائر[1] مسخر نہین ہوا اور مصر و قبرس

[1] قدیم دولت فینشیا کا ایک بہت بڑا شہر جو اپنی جنگی قوت اور تجارتی عظمت کی وجہ سے (بقیہ مضمون بر صفحہ آیندہ)

ایران کے قبضہ مین ہین دارا کا تعاقب کرنا کسی طرح قرین مصلحت نہین اس لیئے کہ اگر ایران بندرگاہون پر مکرر قابض ہوگیا تو مرکز جنگ یونان مین منتقل ہو جائیگا۔ پس بجز اس کے چارہ نہین کہ سمندر کے قبضہ مین ہمارا کوئی شریک وسہیم نہ ہو۔ سکندر اچھی طرح جانتا تھا کہ مصر اور قبرس پر قبضہ کرلینے کے بعد اوسے یونان کی طرف سے کوئی کھٹکا نہین ہوسکتا۔ ٹائر کے محاصرہ مین اوسے چھ مہینے کی مدت لگی۔ اس تاخیر کی پاداش مین اوس نے اہل ٹائر مین سے دو ہزار کو سولی پر لٹکا دیا۔ یورشلیم نے بلا مزاحمت ہتھیار ڈال دئے اور اس لیئے اوس کے ساتھ نرمی کا سلوک کیا گیا لیکن غازہ[۱] کے ایرانی گورنر بیطس نے مقدونوی فوج کی رستہ مین جانبازانہ مقابلہ سے دو مہینے تک روڑا اٹکائے رکھا۔ آخر ایک سخت حملہ کے بعد اس شہر کو بھی سکندر کی کشور کشا تلوار نے مسخر کیا۔ شہر کے دس ہزار باشندے تہ تیغ کئے گئے۔ اور باقی اپنے بی بی بچون سمیت لونڈی غلام بنا کر بیچ ڈالے گئے۔ خود بیطس کو فاتح کے رتھ کے پہیون کے ساتھ

(بقیہ مضمون صفحہ گذشتہ) مشہور تھا۔ اور بیروت سے ۴۷ میل کے فاصلہ پر جنوب و مغرب کی سمت مین واقع تھا۔ اس کا کچھ حصہ ایک جزیرہ پر جو ساحل سے کوئی پون میل ہوگا اور کچھ حصہ ساحل پر آباد تھا۔ دسوین صدی قبل مسیح مین حضرت سلیمانؑ کے دوست شاہ ہیرام نے اسے اپنا پایہ تخت قرار دیا۔ اور موقع کی موزونی کے لحاظ سے اس کی دولت و قوت روز بروز ترقی کرتی گئی۔ باوجودیکہ متعدد حملہ آورون نے اس پر چڑھائی کی اور یہ شہر کئی مرتبہ لٹا اور برباد ہوا لیکن یہ تباہی ہر دفعہ عارضی ثابت ہوئی وہ بگڑ بگڑ کر بنا اور اُجڑ اُجڑ کر بسا۔ اور ہر دفعہ پہلے سے بھی زیادہ رونق کے ساتھ آباد ہوا۔ اوس کی یہ رونق و عظمت حروب صلیبیہ کے زمانہ تک قایم رہی۔ ۱۲۹۱ء مین یہ شہر مسلمانون کے قبضہ مین آیا۔ نہر سویز کے افتتاح سے اس کی تجارتی اہمیت بالکل کم ہوگئی۔ آج کل اس کا نام صور ہی اور اس کی آبادی ۵۰۰۰ ہی۔ مترجم

[۱] ارض کنعان کا سب سے قدیم شہر۔ اس کی اہمیت اور عظمت کا راز اس کے جغرافیائی موقع مین پوشیدہ تھا۔ یعنی یہ اوس شاہراہ پر واقع تھا جو مصر کو شام سے ملاتی تھی۔ یہ شہر ۶۳۴ء مین مسلمانون کے قبضہ مین آیا جنہون نے اس کا نام غزہ رکھا۔ آج بھی اس کا یہی نام ہی اور اس وقت اس کی آبادی پندرہ بیس ہزار ہی۔ مترجم

باندھ کر شہر کے گرد اگرد گھسیٹا گیا۔ اس کے بعد کسی کی طرف سے کوئی مزاحمت نہ ہوئی۔
اہل مصر نے جنھین ایرانی حکومت سے نفرت تھی یونانی حملہ آور کا باشتیاق تمام خیر مقدم کیا اور بے خون کا ایک قطرہ گرے بغیر اوس کے ہاتھ آگیا۔ مصر کے انتظام مین سکندر نے اپنی مصلحتون کو پیش نظر رکھا یعنی بڑے بڑے فوجی عہدے مقدونوی افسرون کو دئے اور ملکی نظم ونسق کی باگ ابناے وطن کے ہاتھ مین رہنے دی۔

جب ایران پر آخری حملہ کی تیاریان ہو رہی تھین تو سکندر جو پیٹر ایمن دیوتا کے مندر کی جاترا کو روانہ ہوا جو دو سو میل کے فاصلہ پر صحراے لبیا کے ایک خوش سواد مرغزار مین واقع تھا۔ مندر کے غیب دان کاہن نے اوسے یہ خوشخبری سنائی کہ تم اسی ہیکل کے دیوتا کی اولاد ہو جو سانپ کی شکل اختیار کر کے تمہاری مان اولمپیاس کو اپنے تصرف مین لایا تھا۔ یہ خیال کہ بے باپ کے بھی اولاد ہو سکتی ہے اور یہ نتیجہ دیوتاؤن اور اون عورتون کی مواصلت سے مترتب ہوتا ہے جو اون کی منظور نظر ہون اوس زمانہ مین اس قدر عام تھا کہ جو شخص اپنے اقران و اماثل مین غیر معمولی طور پر نمایان اور سر بر آوردہ ہوتا تھا آسمانی نسل سے سمجھا جاتا تھا اس قسم کے خیالات صدہا سال تک لوگون مین پھیلے رہے۔ چنانچہ رومتہ الکبریٰ کی نسبت عام طور سے یہ مشہور تھا کہ ایک دفعہ ایک کنواری لڑکی رہی سلویا نامی گھڑا لئے ہوئے پانی بھرنے کے لیے چشمہ پر جا رہی تھی کہ مارس دیوتا کی اوس پر نظر پڑ گئی۔ دیوتا اس دوشیزہ پر عاشق ہوگیا اور اس تعشق کا نتیجہ رومیولس ہوا جس نے شہر روما کی بنا ڈالی۔ اگر کوئی شخص اس روایت کے صحیح ہونے مین شک لاتا تو خدا جانے اوس کی کیا گت بنتی۔ خود فلاطون کی نسبت یہ مشہور تھا کہ اوس کی مان پیریکیٹونی کنواری تھی جسے اپالو دیوتا سے حمل رہ گیا تھا اور دیوتا نے ارسٹان کو جس کے ساتھ پیریکیٹونی کی نسبت ٹھہری تھی فلاطون کے آسمانی نسب کا حال بتا دیا تھا۔
بانی فلسفہ اشراقیہ کے مصری تلامذہ کے سامنے اگر کوئی شخص اوس کی ابوت کے ہمادی الاصل ہونے کے متعلق شبہ ظاہر کرتا تو اون کی ناراضی کی کوئی انتہا نہ رہتی۔ شاہ اسکندر اپن

جوپیٹر امین" کے القاب کے ساتھ جب سکندر کے احکام و فرامین جاری ہوتے تھے تو شام
اور مصر کے باشندے اونھین اوس انتہاے تعظیم و توقیر کی نظر سے دیکھتے تھے جس کا آج کل
صحیح اندازہ ہونا مشکل ہے - لیکن آزاد خیال یونانی اس آسمانی نسبت کی اصلی قدر و قیمت سے
اچھی طرح واقف تھے - اولمپیاس جس سے زیادہ روشنی اس معاملہ پر اور کوئی نہ ڈال سکتا تھا
ازراہ مزاح کہا کرتی تھی کہ "بہتر ہوا گر سکندر مجھے اس فضیلت سے معاف رکھے تاکہ جوپیٹر کی
بی بی کے ہر وقت کے رقیبانہ غیظ و غضب سے تو بچی رہوں" مقدونوی مہم کے وقایع
نویس ایرین کا بیان ہے کہ سکندر کی یہ کوشش کہ اوس کا ربانی الاصل ہونا اوس کی رعایا
کے ذہن نشین ہوجائے قابل ملامت نہین قرار دی جا سکتی اور نہ اس سے اوس پر کوئی بڑا
الزام عاید ہوتا ہے اس لئے کہ اس کی تاویل بادی النظر مین یون ہو سکتی ہے کہ اوس کا مطلب
اس کوشش سے اس سے زیادہ نہ تھا کہ اوس کی فوج پر اوس کا زیادہ رعب اور اقتدار
قایم ہو -

جب سب انتظام خاطر خواہ ہو چکا تو سکندر شام کو واپس آیا اور اپنے لشکر کے ساتھ جس میں
اب پچاس ہزار جنگ آزمودہ اور قواعد دان بہادر موجود تھے مشرق کا رخ کیا - دریاے
فرات کو عبور کر کے وہ کوہستان میسیا کے دامن دامن سفر کرتا رہا تاکہ میسوپوٹیمیا کے جنوبی
میدانون کی شدید تمازت سے پناہ ملے - اس رستہ کے اختیار کرنے مین ایک یہ فایدہ
بھی تھا کہ گھوڑون کے لیے چارہ بافراط مل سکا - دجلہ کے بائین کنارے اربیلا کے قریب
اوس کا مقابلہ گیارہ لاکھ کے اوس عظیم الشان لشکر سے ہوا جسے دارا بابل سے لایا تھا -
ایرانیون کو باوجود کثرت تعداد شکست ہوئی اور اون کا بادشاہ مارا گیا - جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ
مقدونوی سپہ سالار اون تمام ممالک پر قابض ہو گیا جو دریاے ڈینوب اور انڈس کے
درمیان واقع تھے - اس کے بعد سکندر نے اپنی فتوحات کو دریاے گنگا تک وسعت دی
جو مال و متاع اوس کے ہاتھ آیا وہ قیاس و شمار سے باہر ہے - ایرین لکھتا ہے کہ ایک نقطہ سونا

مین اوسے پچاس ہزار ٹیلنٹ کی رقم ملی۔

زمانہ حال کے فن حرب مین جس شخص کو دستگاہ حاصل ہے وہ ان حیرت انگیز فوجی کارنامون کی تعریف مین رطب اللسان ہوئے بغیر نہین رہ سکتا۔ آبنائے ہیلسپانٹ کا عبور۔ غنیم کی مزاحمت کے باوجود دریاے گرینیکس کا مرور۔ موسم سرما مین مفتوحہ ایشیائ کوچک کی تنظیم و تنسیق۔ بحر روم کے شامی ساحل کے کنارے کنارے فوج کے میمنہ وقلب کی یلغار۔ ٹائر کے محاصرہ کی مشکلات صعب کا حل۔ شہر غازہ کی تسخیر۔ یونان سے ایرانی سلسلہ تعلقات کا انقطاع۔ بحر روم سے ایران کے جنگی بیڑے کی بے دخلی۔ ایتھنس یا اسپارٹا والون کو رشوت دے کر مقدونیہ کے برخلاف ابھارنے کے متعلق ایرانیون کی ستمرہ حکمت عملی کا توڑ۔ مصر کی فتح اور ایک اور موسم سرما گذار کر اوس کے ملکی و فوجی انتظام کی تکمیل۔ آیندہ موسم بہار مین کل فوج کا بحیرۂ اسود اور بحیرۂ قلزم کی متخالف سمتون سے کوچ کر کے مسوپوٹیمیا کے شورہ زار میدانون مین اجتماع۔ تھپساکس کے شکستہ پل پر بید مجنون سے ڈھکے ہوے کنارون والے فرات سے گذر کر دریاے دجلہ کا عبور۔ اربیلا کی عظیم الشان اور یادگار زمانہ جنگ سے پہلے شبینہ طلایہ گری۔ میدان جنگ پر ترچھی سمت مین فوج کی نقل و حرکت۔ قلب غنیم پر ترکتاز (اور یہ وہ چال ہے جس کی تقلید صدہا سال بعد آسٹرلٹز کے میدان جنگ پر کی گئی)۔ شہنشاہ ایران کا ان تھک اور سرگرم تعاقب۔ یہ تمام ایسے کارنامے ہین جنکے لحاظ سے زمانہ مابعد کا کوئی سپہ سالار سکندر پر فوقیت نہین لے گیا۔

اس طور پر یونانیون کی دماغی تحریک کو بہت بڑی تقویت پہنچی۔ یونان مین ایسے ایسے لوگ موجود تھے جنہون نے مقدونوی فوج کے ہمراہ دریاے ڈینوب سے لے کر تا بہ رود نیل اور رود نیل سے گنگا کے میدانون تک سفر کیا تھا۔ ممالک آن روے بحیرۂ اسود کی برفبار ہواؤن سے اون کا مغز استخوان تک منجمد ہوا تھا اور مصری صحراون کی آتشبار اور ریگ افشان لوؤن نے اون کے چہرون کو جھلسا تھا۔ مصر کے اہرام جنہین کھڑے

بیس صدیان گذر چکی تھین - لکسار کے مخروطی مینار جن پر مصر قدیم کے راز بخط تصویر منقوش تھے قطار اندر قطار ابوالہول جو اسرار انگیز خموشی کا مرقع تھے - اون فرمانرواؤن کے دیو ہیکل مجسمے جنھون نے صبح آفرینش کی طلوع کے وقت زمام حکومت ہاتھ مین لی تھی - یہ تمام عبرت افزا منظر اون کے پیش نظر ہو چکا تھا - ایسر ہیڈن کے عالیشان ایوانون مین وہ آسیریا کے اون قدیم بادشاہون کے تختون کے سامنے کھڑے ہو چکے تھے جنکے چہرون سے جلال ورعب ٹپکتا تھا اور جن کے حاجب و محافظ پر دار سانڈ تھے - بابل کی شہرپناہ جس کا دور کسی زمانہ مین ساٹھ میل سے اوپر تھا اور جو باوجود تین صدیون اور تین حملہ آورون کی تاخت و تاراج کے اسّی فٹ بلند تھی ابھی تک قایم تھی - بعل کے سر بفلک مندر کے کھنڈر زبان حال سے پکار پکار کر اس کی گذشتہ عظمت و شوکت کی شہادت دے رہے تھے اور اس کی چھت پر وہ رصدگاہ موجود تھی جس مین کالدیہ کے اختر شمار ہیئت دان راتون کو بیٹھکر عالم بالا کی روشن و تابناک ہستیون سے ہمکلام ہوا کرتے تھے - ابھی تک فرمانروایان بابل کے دو محلون اور اون شہرۂ آفاق معلق باغات کے آثار باقی تھے جن کے تناور درختون کو دیکھ کر یہ دھوکا ہوتا تھا کہ فضائے بسیط مین اُگے ہوے ہین اور جن کلون کے ذریعہ سے ان باغون مین دریا کا پانی پہنچایا جاتا تھا اون کے ٹوٹے پھوٹے نشان بھی ابھی تک موجود تھے - اس شہر مین جو مصنوعی جھیل نہرون اور نالیون کے ایک کثیر التعداد اور پیچ در پیچ سلسلہ کے ساتھ بزمانہ سابق تیار کی گئی تھی وہ کوہستان آرمینیا کی پگھلی ہوئی یخ سے لبریز رہتی تھی اور دریاے فرات کا پشتہ اس انداز سے باندھا گیا تھا کہ نہرون کے ذریعہ سے جو پانی شہر مین جاے وہ زاید از ضرورت بہاؤ کا سدباب کر سکے - لیکن سب سے زیادہ عجیب و غریب شاید وہ سرنگ تھی جس کے ذریعہ سے دریاے فرات کے نیچے سے آمد و رفت ہوتی تھی -

کالدیہ اسیریہ اور بابل کے حیرت افزا اور عظیم الشان آثار تو نہایت ہی قدیم تھے یہان تک کہ اون کے آغاز پر زمانہ کی رات کا سیاہ پردہ پڑا ہوا نظر آتا ہے لیکن ایران

بھی زمانہ مابعد کے عجائبات سے خالی نہ تھا۔ پرسیپولس (اصطخر) کے ستون دار ایوانون کو صناعی کا اعجازخانہ کہنا چاہیے جن مین کندہ کاری بُت تراشی میناکاری کے نفیس وپاکیزہ نمونے۔ سنگ مرمر کی سلون کے کتب خانے۔ مخروطی مینار۔ ابوالہول اور دیو پیکر سانڈ قرینہ سے آراستہ تھے۔ اکبتانا تاجداران ایران کا ایلاق یعنی موسم گرما بسر کرنے کا مقام تھا۔ اس شہر کے گرداگرد سات فصیلین ترشے ہوے اور مجلّا پتھر کی تھین۔ ہر اندر کی فصیل باہر کی فصیل سے اونچی ہوتی جاتی تھی۔ یہ فصیلین جو سبعہ سیارہ کی تنجیمی مناسبت سے تیار کی گئی تھین رنگ مین بھی ایک دوسرے سے مختلف تھین۔ شاہی محل کی چھت چاندی کی اینٹون کی تھی اور شہتیرون پر سونے کے پترون کا خول چڑھا ہوا تھا۔ آدھی رات کو جب روغن نفط کی مشعلون سے محل مین چراغان کیا جاتا تھا تو جگمگاہٹ کی یہ کیفیت ہوتی تھی کہ آفتاب کی روشنی کا سمان آنکھون مین پھر جاتا تھا۔ شہر کے وسط مین ایک پر فضا باغ جو شاہان مشرق کی دلفریبیون کا سب سے بڑا سامان ہے لگایا گیا تھا۔ غرض سلطنت ایران ہیلسپانٹ سے لے کر انڈس تک گلزار عالم بنی ہوئی تھی۔

ہم نے ان حیرت افزا فتوحات کے حالات کا ذکر بالتفصیل اس لئے کیا ہے کہ حربیات مین جو ترقی یونانیون نے ان کی وجہ سے کی وہ اسکندریہ مین ہندسہ وریاضی اور فنون عملی کے اون دارالعلمون کے قیام کا باعث ہوئی جو سائنس کا مدار و منشا رہین۔ اگر سلسلہ بہ سلسلہ سراغ لگایا جاے تو معلوم ہوگا کہ ہماری تمام صحیح معلومات کا ماخذ اصلی یہی مقدونوی فتوحات ہین۔ ہمبولٹ نے کیا خوب کہا ہے کہ انسان جب کارگاہ ہستی کی نئی اور عظیم الشان قوتون کا مشاہدہ کرتا ہے تو اوس کے قواے دماغی مین وسعت پیدا ہوجاتی ہے۔ سکندر کے سپاہیون اور ہمراہیون کو ہر منزل پر غیر مترقب اور دلفریب مناظر دکھائی دئے۔ دنیا کی تمام قومون مین یونانیون کی قوت مشاہدہ سب سے زیادہ بڑھی ہوئی تھی اور جو کچھ وہ دیکھتے تھے اوس سے بہت جلد اور بدرجہ غایت متاثر ہوجاتے تھے۔ ایک جگہ اگر ادہین

غیرمحدود ریگستان نظر آئے تو دوسرے مقام پر ایسے پہاڑ دکھائی دیئے جنکی چوٹیان بادلون
مین چھپی ہوئی تھین۔ صحراؤن مین اونہین سراب نے دھوکا دیا تو دامن کوہ مین صبا رفتار بادلون
کے مہیب اور دیو ہیکل سایہ نے اپنے گھیے مین ڈالا۔ عنبرین خرماستانون اور زمردین سرو و صنوبر
کی سیر کرتے ہوے وہ جھاؤ اور مہندی کی سرزمین مین پہونچے۔ اربیلا کے میدان مین اونہین
ہندوستان کے سدھے ہوے جنگی ہاتھیون سے مقابلہ کرنا پڑا۔ بحیرہ خزر کے ساحل کے
جنگلون مین اون کی یلغار کی دھمک نے شیر ببر کو بیدار کیا۔ ایسے ایسے جانورون کے دیکھنے
مین آئے جو یورپ کے جانورون کے مقابلہ مین نہ صرف عجیب الخلقت بلکہ بمراتب عظیم الجثہ تھے
گینڈا۔ اونٹ۔ دریائی گھوڑا نیل و گنگا کے نہنگ اون کے لئے بمنزلہ عجائبات تھے۔ ایسی
ایسی قومون سے اون کی لڑائیان ہوئین جو شکل و شمایل اور وضع و قطع مین اون سے بالکل مختلف
تھین۔ کبھی وہ سیاہ فام افریقی سے نبرد آزما ہوئے اور کبھی سانولے شامی اور گندم رنگ
ایرانی سے اونکی مڈبھیڑ ہوئی۔ خود سکندر کی نسبت یہ واقعہ مشہور ہے کہ بستر مرگ پر پڑے
پڑے وہ اپنے امیرالبحر نیارکس سے اوس کے دریائی سفر کی دلچسپ سرگذشت سن سن کر
جی بہلایا کرتا تھا جو اوس نے دریائے انڈس سے خلیج فارس تک کیا تھا۔ سکندر نے جب
اول اول دریا کے مد و جزر کو دیکھا تو اوسے بہت حیرت ہوئی۔ اوسے یہ خیال تھا کہ بحیرہ اسود
اور بحیرہ خزر بھی بحر احمر اور بحر فارس کی طرح جیسا کہ نیارکس نے دریافت کیا تھا کسی بڑے
سمندر کی خلیجین ہون گی۔ چنانچہ اس قیاس کو پایہ تحقیقات پر پہنچانے کے لئے اوس نے جہاز
تیار کرائے تھے۔ اوس کا یہبھی ارادہ تھا کہ اوس کے جہازون کا بیڑہ افریقہ کے گرد اگرد
چکر لگاتا ہوا آبنائے جبل الطارق مین سے ہوکر بحر روم مین داخل ہو جاے۔ اور یہ خیال
اوس کے ذہن مین اس قدیم روایت نے پیدا کیا تھا کہ یہ مہم ایک بار فراعنہ کے زمانہ مین
طے ہو چکی تھی۔

ممالک مفتوحہ کے بہت سے غرایب و نوادر ایسے تھے جنہون نے نہ صرف بڑے سے

ٹرے بہادران یونان بلکہ اعلیٰ ترین حکماے یونان کو محو حیرت کر دیا۔ کیلِستھنیز[۱] کو بابل مین مسلسل ایک ہزار نو سو تین سال کے کلدانی مشاہدات اجسام فلکی ہاتھ لگے جو اوس نے ہدیتہً ارسطو کی خدمت مین بھیج دئے۔ چونکہ یہ رصدی نتایج پختہ اینٹون پر ثبت تھے اس لئے یہ ممکن ہے کہ اون کے دوسرے نسخے آثار قدیمہ کے تلاش کرنے والون کو سریانی سلاطین کی خشتی کتب خانون مین سے مل جائین۔ مشہور مصری ہیئت دان بطلیموس کو ایک بابلی جدول ہاتھ لگی تھی جس مین ۷۴۷ قبل مسیح سے لے کر اوس وقت تک کے مشاہدات کسوف وخسوف کے نتایج مندرج تھے۔ ان نتایج مین سے جو ہم تک پہنچے ہین بعض کی محققانہ تنقید کے لئے ضرور ہے کہ ایک عرصہ دراز تک نہایت دقت نظر اور تسلسل سے رصد بینی کی گئی ہو۔ بابلی ہندسون نے سال انقلابی[۲] کی جو مدت قایم کی تھی وہ زمانہ حال کی متحققہ مدت سے فقط ۲۵ ثانیہ کم ہے اور سال کوکبی[۳] کی مدت کا اندازہ اصلی مدت سے صرف بقدر دو دقیقہ کے زیادہ ہے۔ استقبال نقاط اعتدال لیل ونہار[۴] کا بھی اون کو علم ہو چکا تھا۔ کسوف وخسوف کے اسباب

---

[۱] ارسطو کا بھتیجا اور شاگرد اور سکندر کا ہم سبق تھا۔ ۳۶۰ ق ع مین پیدا ہوا۔ اور ۳۲۸ مین اپنی صاف گوئی کے باعث سکندر کے حکم سے قتل کیا گیا۔ مترجم

[۲] سال انقلابی سے مراد وہ زمانہ ہے جو زمین کو منطقۃ البروج کے کسی ایک نقطہ مثلاً نقطۂ اعتدال صیفی یا نقطہ اعتدال شتوی سے روانہ ہو کر پھر اوسی نقطہ تک پہنچنے مین صرف کرنا پڑتا ہے۔ اس کی مدت ۳۶۵٫۲۴۲۲۶ یوم شمسی ہے۔ مترجم

[۳] سال کوکبی سے مراد اون دو حالتون کا درمیانی فصل ہے جبکہ زمین آفتاب اور کوئی ایک ستارہ ایک ہی ہیئت مین پائے جائین۔ اس فصل کی مدت ۳۶۵٫۲۵۶۳۸ یوم شمسی ہوتی ہے۔ مترجم

[۴] زمین چونکہ کامل کرہ نہین ہے لہذا جس محور پر یہ اپنے گرد گھومتی ہے وہ اس کے مدار کی جانب جھکا ہوا ہے اور اسی لیے وہ بڑے دایرے جو مدار ارض اور خط استوا کی سطوح کے تقاطع سے افلاک مین پیدا ہوتے ہین ایک دوسرے کو دو نقطون پر قطع کرتے ہین جنکا نام نقاط اعتدال (بقیہ مضمون بر صفحہ آیندہ)

وہ دریافت کرچکے تھے اور اپنے مجوزہ دور کی مدد سے جس کا نام اون کی اصطلاح مین سیروس تھا وہ ان کے اوقات وقوع کی نسبت پیشین گوئی کرسکتے تھے۔ اس دور کی مدت اونہون نے ۶۵۸۶ دن سے کچھ زیادہ قرار دی تھی اور یہ مدت اصلی مدت سے فقط ساڑھے اُنیس دقیقہ کم ہے۔

ان واقعات سے اس بات کا ناقابل تردید ثبوت بہم پہنچتا ہے کہ مسوپوٹیمیا مین فن ہیئت کو نہایت استقلال اور قابلیت کے ساتھ ترقی دی گئی تھی اور جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ اوس زمانہ مین آلات رصد نہایت ہی ناقص اور غیر مکمل تھے تو حیرت ہوتی ہے کہ کیون کر اونہون نے اس فن مین ایسا کمال حاصل کرلیا۔ ان قدیم علمار ہیئت نے کواکب کی ایک فہرست تیار کی تھی منطقۃ البروج کو بارہ برجون مین تقسیم کیا تھا۔ دن اور رات کے بارہ بارہ گھنٹے مقرر کیے تھے۔ ارسطو کا بیان ہے کہ اونہون نے بہت کچھ وقت احتجاب کواکب[ل] کی تحقیقات مین جو چاند کے حایل ہونے کے باعث واقع ہوتا ہے صرف کیا تھا۔ اون کو نظام شمسی کی ترکیب کا صحیح علم تھا اور وہ سیارون کے مقامات کے اعتباری تغیرات کی ماہیت سے بھی واقف تھے۔ دھوپ گھڑی۔ پانی کی گھڑی۔ اصطرلاب اور دہوپ گھڑی کا کانٹا اون کی ایجاد ہی۔

(بقیہ مضمون صفحہ گذشتہ) لیل و نہار ہے۔ ان فلکی دوائر مین سے ایک کا نام منطقۃ البروج ہے اور دوسرے کا دایرہ استوایہ۔ دونون نقطے منطقۃ البروج کے گرد آہستہ آہستہ گھومتے ہین لیکن یہ گردش بلحاظ نوعیت موجبہ نہین ہوتی بلکہ سالبہ ہوتی ہے۔ اور اسی کا نام نقاط اعتدال لیل و نہار کا استقبال یا استقبال اعتدالین ہی۔ اس کی وجہ سے دایرہ استوایہ کے قطب کو منطقۃ البروج کے قطب کے گرد گردش کرنی پڑتی ہے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زمین کا محور ایک شکل بعید البیضوی بناتا ہی جسکا محور منطقۃ البروج کے قطب مین سے ہوکر گذرتا ہے۔ اس گردش کا زمانہ ۲۵۸۰۰ سال ہے گویا استقبال اعتدالین کا سالانہ اوسط ۵۰٫۲ ثانیہ ہے۔ مترجم

[ل] قمر کا ثوابت یا سیارہ اور آفتاب کے درمیان یا سیارہ کا ثوابت اور آفتاب کے درمیان حایل ہوجانا۔ مترجم

اون کی چھپائی کا طریقہ بھی جس کا حال اوس وقت کے موجودہ نمونون سے ظاہر ہوتا ہے خالی از ہنر نہ تھا۔ جو کچھ چھاپنا ہوتا تھا ایک گردش کرنے والے بیلن پر شرخی حروف مین کندہ کر دیا جاتا تھا اور اس بیلن کو نرم گیلی مٹی کی اینٹون پر پھیر دیا جاتا تھا جس سے بیلن کے حروف اینٹون پر اُبھر آتے تھے اور پھر نہ مٹ سکتے تھے۔ ان کی اینٹون کی کتابین ابھی تک ہماری معلومات متعلقہ ادب و تاریخ مین بہت کچھ اضافہ کرنے والی ہین۔ مناظر ومرایا کو اصول سے بھی وہ بے خبر نہ تھے۔ مقام نمرود مین جو شیشہ محدب برآمد ہوا ہے اوس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ چھوٹی چیز کو بڑا کر کے دکھانے والے آلات کی ماہیت بھی جانتے تھے۔ فن حساب مین وہ مراتب اعداد کی قیمت سے واقف ہو چکے تھے لیکن ہندوستان کی مہتم بالشان ایجاد صفر اون سے چھوٹ گئی تھی۔

ان واقعات نے کشورکشا ایرانیون کی آنکھین کھول دین۔ آج تک تجربہ اور مشاہدہ سے اونھون نے کام نہ لیا تھا۔ اون کا سب سے بڑا عقلی کارنامہ اون کے تخیل کی شاعرانہ بلند پروازی تھی اور بس۔

یونانیون کی دماغی ترقی کو جس کے محرک ایک حد تک فطرت کے وسیع مشاہدات ہوے ممالک مفتوحہ کے مذاہب کی واقفیت سے بہت بڑی تقویت پہنچی۔ یونان کی بت پرستی کو ایران نے ہمیشہ نفرت وکراہیت کی نظر سے دیکھا تھا۔ چنانچہ جب کبھی فرمان روایان ایران نے یونان پر فوج کشی کی تو یونانی مندرون کا انہدام اور اون کے بہایم صفت دیوتاؤن کی تذلیل وتوہین کا موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ جب اس قسم کی توہین وتذلیل کی پاداش مین دیوتاؤن کی طرف سے کوئی آفت ایرانیون پر نازل نہ ہوئی تو لوگون کی اوس عقیدت مین جو اپنے معبودون کی طرف سے اون کے دلون مین جاگزین تھی تزلزل واقع ہوگیا اور یونانی مذھب کی جڑھ کھوکھلی ہو چلی۔ اولمپس کے اون ناپاک دیوتاؤن کے پجاری جن کی فحش کاریان ہر پاکباز شخص کے اندام اتقا پر لرزہ طاری کرنے والی تھین اب ایسے مہتم بالشان اور

سنجیدہ و متین مذہب سے دوچار ہوئے جس کی بنیاد فلسفہ پر رکھی گئی تھی۔ ہر اوس سلطنت
کی طرح جس کی مدت حکومت طویل ہوتی ہے ایران مین بھی متعدد مذہبی انقلابات واقع
ہوچکے تھے۔ اول اول اوس نے زردشتؑ کا موحدانہ مسلک اختیار کیا۔ وحدانیت کے بعد
ثنویت کا دور آیا اور ثنویت کی جگہ مجوسیت نے لے لی۔ مقدونوی فوج کشی کے وقت اہل
ایران کے عقاید یہ تھے کہ ایک عقل کل تمام کائنات کی خالق محافظ اور حکمران ہے جو راستی
کا جوہر پاک اور صداقت وخیر کا سرچشمہ ہے۔ اس قادر بے ہمتا کو کسی بُت یا تصویر کے ذریعہ
سے ظاہر نہین کیا جا سکتا۔ اور چونکہ اس دنیاے دنی مین ہر شے دو متخالف قوتون کے
آثار کی دوگونہ مظہر ہے لہذا قادر مطلق کے زیر فرمان دو ہمزاد ازلی وابدی طاقتین
ہین جنھین استعارۃً نور وظلمت کہہ سکتے ہین۔ یہہ دونون طاقتین ایک ابدی کشاکش اور
زور آزمائی مین مصروف ہین جسکی کوئی انتہا نہین۔ عالم ان دونون کا عرصہ کارزار اور
انسان ان کا مال غنیمت ہے۔

ثنویت کی قدیم روایات مین مذکور تھا کہ بدی کی طاقت (اہرمن) نے ایک سانپ کو
اس کام پر مامور کیا کہ نیکی کی طاقت (یزدان) کے بنائے ہوئے بہشت کو جاکر تباہ کرڈالے۔
یہی روایات یہودیون کو اوس زمانہ مین معلوم ہوئین جب وہ بابل مین قید کے دن کاٹ
رہے تھے۔

جس طرح نور اور سایہ لازم و ملزوم ہین اسی طرح عنصر شر عنصر خیر کا مستلزم ہے۔ اس
دنیا مین جس کا خالق اور حکمران خیر مطلق ہے شر کی توجیہ اگر کی جا سکتی ہے تو صرف اسی طریقہ
سے۔ عنصر خیر و عنصر شر یعنی یزدان و اہرمن مین سے ہر ایک کے ماتحت مجوسیون کے عقیدہ
کے بموجب فرشتے اور وزیر اور فوجین بھی تھین۔ اس مسلک کی رو سے ہر نیک انسان کا فرض
ہے کہ راستی پاکبازی اور محنت کے اصول اختیار کرے۔ اوسے یقین رکھنا چاہیئے کہ اس کالبد
خاکی کی قید سے آزاد ہونے کے بعد اوسے عالم عقبیٰ مین زندگی عطا ہوگی اور وہ اسی جسم سے

اٹھیگا اوس کی روح کو بقاے ابدی حاصل ہوگی اور وہ فہم و ادراک کی نعمتون سے مستفیض ہوکر حیات اخروی بسر کرے گا۔

سلطنت کے دور اخیر مین مجوسی عقاید زردشتی عقاید پر بتدریج بہت کچھ غالب آ گئے تھے۔ مجوسیت دراصل پرستش عناصر تھی۔ ان مین سے آگ کو خداے برتر کی نیابت کا حق سب سے زیادہ حاصل تھا۔ اون کے آتشکدون مین جو بجاے مسقف مندرون کے زیر سما قایم کئے جاتے تھے ہمیشہ آگ روشن رہتی تھی اور آفتاب بوقت طلوع انسانی پرستش کا مقصد اعظم سمجھا جاتا تھا۔ جس طرح بادشاہ کے ہوتے ہوے اور کسی پر نظر نہین پڑ سکتی اسی طرح آفتاب کی موجودگی مین باقی تمام اجرام فلکی نظر سے غایب ہوجاتے ہین اور مستحق عبادت نہین سمجھے جاسکتے۔

سنہ ۳۲۳ ق ع مین سکندر اپنے بڑے بڑے منصوبون کو ادھورا چھوڑ کر ۳۲ سال کی عمر مین بمقام بابل انتقال کرگیا۔ بعض لوگون کو اوس کی قبل از وقت موت سے یہ شبہ ہوا کہ وہ زہر دے کر مار ڈالا گیا ہے۔ اوس کی طبیعت ایسی چڑچڑی اور اوس کا مزاج ایسا بے قابو ہوگیا تھا کہ اوس کی فوج کے بڑے بڑے افسر یہان تک کہ اوس کے بے تکلف دوست اوس کے پاس جاتے ہوے ڈرتے تھے۔ کلائٹس کو جو اوس کا رضاعی بھائی اور ساتھ کا کھیلا ہوا دوست تھا اوس نے بحالت غیظ وغضب مین خنجر بھونک کر مار ڈالا۔ کیلستھینز کو جو اوس کے اور ارسطو کے درمیان علمی واسطہ تھا اوس نے سولی دلوادی یا جیسا کہ بعض لوگون کا بیان ہے اول شکنجہ مین جکڑ کر انواع واقسام کے عذاب مین مبتلا کیا اور اوس کے بعد مصلوب کیا۔ ایسی حالت مین بعید از قیاس نہین کہ محض اپنی جان بچانے کے خیال سے اوس کے گرد وپیش کے لوگون نے اوس کے قتل کی سازش کی ہو۔ ارسطو کی بھی اس سازش مین شرکت بیان کی جاتی ہے لیکن یقیناً یہ ایک بہت بڑا بہتان ہے۔ ارسطو طرح طرح کی عقوبتون کے ساتھ سو بار مرنا قبول کرتا لیکن ایسے سنگین جرم کے ارتکاب کے معین

ہونے کا ہرگز روادار نہ ہوتا۔

سکندر کی آنکھین بند ہوتے ہی خونریزی اور خانہ جنگی کا ایک ہنگامہ برپا ہوگیا جو کئی سال تک فرو نہ ہوا اور اوس وقت بھی جبکہ اوس کے افسران فوج نے سلطنت کے حصے بخرے کر لیے اور ہر ایک نے ایک نئی اور خودمختار بادشاہت قایم کر لی اس فساد کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ اس طوفان بے تمیزی مین جو قصے قضیے پیش آئے اون مین سے صرف ایک واقعہ ہماری توجہ کا مستحق ہے۔ بطلیموس ارسینو نامی ایک حسینہ وجمیلہ خواص کے بطن سے شاہ فیلقوس کا بیٹا تھا اور اس لحاظ سے گویا سکندر کا علاتی بھائی ہوتا تھا۔ بچپن مین ایک دفعہ باپ نے خفا ہو کر دونون کو جلاوطن کر دیا۔ اور اوس وقت سے وہ برابر سکندر کے ہمراہ رہا کوئی ایسی جنگ یا مہم نہ تھی جس مین اوس نے سکندر کا ساتھ نہ دیا ہو۔ وہ اول مصر کا گورنر اور بالآخر مطلق العنان فرمانروا ہوگیا۔

روڈس کے محاصرہ کے وقت بطلیموس نے وہان کے باشندون کی ایسی گران بہا مدد کی کہ اونہون نے فرط امتنان سے اوس کی تعظیم وتکریم دیوتاؤن کے برابر کی اور اوسے سوٹر یعنے نجات دہندہ کا لقب دیا۔ مصر کے سلسلہ مقدونیہ کے فرمانروایان مابعد سے اوس کو یہی لقب ممتاز کرتا ہے۔

بطلیموس سوٹر نے بجاے اون شہرون کے جو سابق مین مصر کا پایہ تخت رہ چکے تھے اپنا دار الحکومت اسکندریہ مین قایم کیا۔ جوپیٹر ایمن کے مندر کو جاتے وقت اسکندر نے اس شہر کی بنیاد یہ سمجھ کر ڈالی تھی کہ موقع کے لحاظ سے یہ شہر یورپ اور ایشیا کی تجارت کا مرکز اتصال ہوسکے گا۔ یہ امر خاص طور سے یاد رکھنے کے قابل ہے کہ نہ خود اسکندر نے بہت سے یہودیون کو فلسطین سے لاکر یہان آباد کیا اور نہ صرف بطلیموس سوٹر نے اور ایک لاکھ یہودیون کو یورشلیم کے محاصرہ کے بعد یہان لا بسایا بلکہ اوس کے جانشین فلیڈلفس نے بھی ایک لاکھ اٹھانوے ہزار یہودی غلامون کو اون کے مصری آقاؤن سے معقول زرفدیہ

ادا کر کے آزاد کرا دیا۔ ان تمام یہودیون کو وہ تمام مراعات وحقوق عطا کئے گئے جو خود مقدونیون کو حاصل تھے۔ اس لطف وانصاف کے برتاؤ کی وجہ سے کثیر التعداد یہودی اور بہت سے اہل شام برضا ورغبت خود آآکر مصر مین آباد ہوتے گئے۔ ان لوگون کو یونانی یہودیون کا امتیازی لقب عطا کیا گیا۔ سوٹر کی فیاض اور مہربان حکومت کا شہرہ سن کر بیشمار یونانیون نے بھی مصر کو اپنا ملجا و ماوا بنا لیا اور پرڈیکاس اور انٹیگونس کے حملون سے یہ بات بخوبی ثابت ہوگئی کہ یونانی سپاہی دوسرے مقدونوی سپہ سالارون کی اطاعت سے منحرف ہوکر سوٹر کی فوج مین آملنے کے لیئے بہ آمادگی تمام تیار ہین۔

اس اعتبار سے اسکندریہ مین گویا تین مختلف قومون کے لوگ آباد تھے یعنی رئیسی مصری۔ یونانی اور یہودی۔ اور یہ وہ واقعہ ہے جس کا اثر موجودہ یورپ کے مذہبی عقاید مین صاف نظر آتا ہے۔

یونانی معمارون اور انجنیرون نے اسکندریہ کو اپنی صنعت کے زور سے دنیا ے قدیم کا سب سے زیادہ خوبصورت شہر بنا دیا تھا۔ عالیشان محلون خوشنما مندرون اور دل آرا تماشا گاہون سے شہر کا کوئی حصہ خالی نہ تھا۔ وسط مین دو وسیع شاہراہ سڑکون کے مقام اتصال پر جو ایک دوسرے کو زاویہ قایمہ پر قطع کرتی تھین جہنون فوارون اور مخروطی منارون کے درمیان وہ شاندار مقبرہ کھڑا تھا جس مین مصریون کی رسم کے موافق سکندر کی حنوط آلودہ نعش محو آرام تھی۔ سکندر کا جنازہ نہایت طمطراق اور شکوہ وجلال کے ساتھ دو سال کے ماتمی سفر کے بعد بابل سے لایا گیا تھا۔ اول اول تابوت طلاے خالص کا تھا لیکن چونکہ اس کی وجہ سے مقبرہ کو نباشون کی دستبرد کا صدمہ سہنا پڑا لہذا بجاے طلاے احمر کے تابوت سنگ مرمر کا بنا دیا گیا۔ لیکن نہ تو فن تعمیر کے یہ نظر افروز اور دلفریب کرشمے اور نہ سفید سنگ مرمر کا وہ عظیم الشان منارۂ روشنی ہی ہماری توجہ کو اپنی طرف کھینچتا ہے جو دنیا کے سات عجائبات مین شمار ہوتا تھا اور اس قدر بلند تھا کہ وہ آگ جو ہر وقت

اس کی چوٹی پر جلتی رہتی تھی جہازون کو میلون سے نظر آتی تھی۔ مقدونوی فرمانروایان مصر کی اصلی وحقیقی اور سب سے زیادہ شاندار اور راسٹ یادگار عجائب خانہ اسکندریہ ہے جس کا اثر دنیا مین اوس وقت تک قایم رہے گا جبکہ اہرام مصر کی بنیادون کے سنگریزے تک پس کر گرد روزگار مین مل گئے ہون گے۔

اس عجائب خانہ کی ابتدا بطلیموس سوٹر کے عہد مین ہوئی اور اوس کے بیٹے بطلیموس فلیڈلفس نے اسے تکمیل کو پہنچایا۔ عجائب خانہ کی عمارت بروشئین مین واقع تھی جو شاہی محل کے نزدیک شہر کے اوس حصہ کا نام تھا جہان امرا و اعیان دولت آباد تھے۔ یہ عمارت سنگ مرمر کی تھی اور اس کے چارون طرف برآمدے بنے ہوے تھے تاکہ لوگ ان مین چہل قدمی کرتے ہوے مکالمہ کا لطف اُٹھا سکین۔ اس کے کمرون مین جو سنگتراشی کی صنعت کے نمونے تھے فلیڈلفس کا کتب خانہ تھا اور چارون طرف نہایت ہی حسین مجسمے اور دلربا تصویرین قرینہ سے سجائی ہوئی نظر آتی تھین۔ بالآخر اس کتب خانہ مین چار لاکھ جلدین جمع ہوگئین اور جب رفتہ رفتہ مزید کتابون کے رکھنے کی گنجایش باقی نہ رہی تو ایک اور کتب خانہ اسی کے قریب سریپیان یعنی سریپس کے مندر مین قایم کیا گیا۔ اس دوسرے کتب خانہ مین جو پہلے کتب خانہ کا بچہ کہلاتا تھا آخر مین تین لاکھ جلدین جمع ہوگئین۔ اس حساب سے گویا ان دونون شاہی کتب خانون مین سات لاکھ کتابین موجود تھین۔

اسکندریہ فقط مصر ہی کا پایۂ تخت نہ تھا بلکہ عقل و ادراک کے لحاظ سے تمام دنیا کا مرکز حکومت تھا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ یہ وہ مقام ہے جہان عقل مشرق آکر عقل مغرب سے ہم آغوش ہوئی۔ یہ قدیم زمانہ کا پیرس ہر طرح کی نشاط انگیز او باشیون اور تشکک آفرین آزاد خیالیون کا نقطۂ اتصال بن گیا۔ یہان کی دلچسپ اور رنگین صحبتون مین شریک ہو کر یہودیون تک کے دلون سے ولولۂ حب وطن و جذبۂ جوش قومی محو ہو گیا۔ اونہون نے اپنے آبا و اجداد کی زبان چھوڑ دی اور یونانی زبان اختیار کر لی۔

عجائب خانہ کے قیام سے بطلیموس سوٹر اور اوس کے بیٹے فلیڈلفس کے پیش نظر تین مقصد تھے:۔ (۱) علوم موجودہ کی بقا (۲) اس کی ترقی اور (۳) اس کی اشاعت۔

(۱) علوم موجودہ کی بقا۔

سرکاری کتب خانہ کے صدر مہتمم کو حکم دیا گیا کہ جو کتابین مل سکین سرکاری خرچ سے خرید لی جایئن عجائب خانہ مین کاتبون کی ایک جماعت اس خدمت پر مامور تھی کہ جن کتابون کے مالک اونہین فروخت نہ کرنا چاہتے ہون اون کی صحیح نقلین کرین باشندگان ممالک غیر جب کوئی کتاب مصر مین لاتے تھے تو وہ فوراً عجائب خانہ مین بھیج دی جاتی تھی اور نقل مطابق اصل ہونے کے بعد اصلی نسخہ کتب خانہ مین رکھ لیا جاتا تھا اور نقل مالک کتاب کے حوالہ کردی جاتی تھی۔ بسا اوقات بیش قرار رقمین معاوضہ یا ہرجانہ کے طور پر بھی دی جاتی تھین۔ مثلاً بطلیموس یورجیٹیز کے عہد کا واقعہ ہے کہ ایتھنس سے یورپیڈیز سفاقلس اور اسقلس کی تصانیف بہم پہنچاکر اوس نے ان کی نقول کے ساتھ پندرہ ہزار ڈالر ہرجانہ کے طور پر اصل نسخون کے مالکون کے پاس بھجوا دیئے۔ شام کی مہم سے جب وہ واپس ہوا تو اکبتانا اور سوسا سے وہ تمام مصری یادگارین فتح ونصرت کے شادیانے بجاتا ہوا ہمراہ لایا جنہین کیقباد اور دوسرے ایرانی حملہ آور مصر سے لوٹ کرلے گئے تھے۔ ان یادگارون کو اوس نے یا تو اون کے اصلی مقامات پر نصب کرادیا اور یا اپنے عجائب خانون کے سامان آرایش پر اضافہ کیا۔ جب کسی تصنیف کا نقل کے ساتھ ترجمہ بھی ہوتا تھا تو ایسا بیش قرار معاوضہ دیا جاتا تھا کہ آج کل اوس کا یقین کرنا بھی دشوار معلوم ہوتا ہی چنانچہ بائبل کے نسخہ "سیپچواجنٹ" کے ترجمہ کے لیئے جو بطلیموس فلیڈلفس کے حکم سے ہوا اسی طرح کا گران قدر معاوضہ دیا گیا۔

(۲) ترقی علوم۔

عجائب خانہ اسکندریہ کے قیام کی ایک بہت بڑی غرض یہ بھی تھی کہ سرکاری خرچ سی ایک ایسی جماعت اشخاص کی کفالت کی جائے جو یہان رہ کر اپنے آپ کو تحصیل علم کر لیے

وقف کر دین۔ بسا اوقات خود فرمانروا سے وقت بھی ان کے ساتھ کھانے مین شریک ہوتا تھا چنانچہ ان خورونوش کی صحبتون کے لطایف کی روایتین ہم تک پہنچی ہین۔ علمائے مقیم عجائب خانہ کو بلحاظ تکمیل علوم وفنون ابتداءً چار طبقات مین تقسیم کیا گیا تھا یعنی (۱) ادب (۲) ریاضی (۳) ہیئت اور (۴) طب۔ فروعی علوم کو باعتبار مناسبت ان مین سے کسی ایک کے ساتھ شریک کر دیا گیا تھا مثلاً علم حیوانات طب کی ایک شاخ قرار دیا گیا تھا۔ کسی سربرآوردہ عالم کو اس دارالعلم کے حاکم اعلیٰ کی خدمت دی جاتی تھی اور وہی اس کے جزو و کل کا انتظام کرتا تھا۔ اول اول اس عہدہ پر ڈمٹریئس فلیریئس کا تقرر ہوا جو کئی سال تک ایتھنز کا گورنر رہ چکا تھا اور علم و فضل مین یکتائے روزگار تھا۔ حاکم اعلیٰ کے ماتحت مہتمم کتب خانہ ہوتا تھا۔ اس خدمت پر بعض ایسے نامور اشخاص مقرر ہوے جنکی فضیلت کی شہرت ہم تک پہنچی ہے۔ مثلاً ایراٹاستھنیز اور اپالونئس روڈئس۔

عجائب خانہ کے متعلق ایک باغ نباتات اور جانور خانہ بھی تھا۔ ان کا مقصد جیسا کہ ان کے نام سے ظاہر ہے یہ تھا کہ نباتات و حیوانات کے حالات کے اکتشاف مین مدد ملے۔ ایک رصدگاہ بھی قایم کی گئی تھی جس مین فلکی کرے۔ سادہ کرے۔ دوایر متعلقہ انقلابات صیفی و شتوی۔ دوایر استوائی۔ اصطرلاب۔ کواکب کے حقیقی و اعتباری مواقع کے مقیاس اور دوسرے مروجہ آلات ہیئت موجود تھے اور پیمایش کے آلات درجون اور درجے کے چھوٹے حصون مین منقسم تھے۔ رصدگاہ کے فرش پر ایک خط نصف النہار کھنچا ہوا تھا۔ وقت اور حرارت کا صحیح اندازہ کرنے کے لیئے اگرچہ آلات موجود تھے مگر اون کے ناممل ہونے کے باعث صحیح اندازہ لگانے مین دقت پیش آتی تھی ٹیسیبئیس[1] کی آبی گھڑی سے ٹھیک وقت دریافت نہ ہو سکتا تھا اور حرارت کے درجات کی دریافت کا یہی ایک

---

[1] اسکندریہ کا ایک یونانی مہندس۔ پانی کھینچنے کا نل۔ آبی گھڑی اور سائفن یعنی خم دار نلی اوس کی ایجادین ہین اور اسی لیے وہ زیادہ تر مشہور ہے۔ مترجم

ذریعہ تھا کہ مائیات کے وزن دریافت کرنے کا آلہ پانی کے کٹورے مین تیرتا رہتا تھا اور پانی کی لطافت یا کثافت سے حرارت کا اندازہ کیا جاتا تھا۔ فلیڈلفس کو اخیر اخیر مین موت کی طرف سے سخت خوف پیدا ہوگیا تھا اس لیے اوس نے بہت سا وقت اکسیر حیات کی تلاش مین صرف کیا۔ اس قسم کے مشاغل کے لیے عجائب خانہ مین ایک کیمیا خانہ قایم کیا گیا تھا۔ اس زمانہ کے مخالفانہ خیالات کے باوجود طب کے صیغہ کے متعلق علم تشریح کی تحقیقات کی غرض سے ایک کمرہ چیرنے پھاڑنے کے لیے مخصوص کر دیا گیا تھا اور اس کمرے مین نہ فقط مُردون کی بلکہ اون زندون کی بھی چیر پھاڑ کی جاتی تھی جن کی نسبت کسی جرم سنگین کی پاداش مین سزاے موت کا حکم ہو چکا ہوتا تھا۔

(۴) اشاعت علوم۔

عجائب خانہ مین معلومات انسانی کے ہر شعبے پر لکچر دئے جاتے تھے یا مباحثے ہوتے تھے یا درس و تدریس کا کوئی اور موزون طریقہ اختیار کیا جاتا تھا۔ علوم و فنون کے اس عظیم الشان مرکز مین اطراف و اکناف عالم سے طالب العلم جوق جوق آتے تھے۔ بیان کیا گیا ہے کہ ایک دفعہ اس دار العلوم کے طلبہ کی تعداد چودہ ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ بعد مین کلیساے عیسوی تک کے بعض سربرآوردہ پیشوا مثلاً کلیمنس الگزنڈرینس آریجن اور اتھینیسیس یہین سے تعلیم پاکر نکلے۔

اس عجائب خانہ کے متعلق جو کتب خانہ تھا اوسے جولیس سیزر نے محاصرہ اسکندریہ کے وقت جلوا دیا۔ اس نقصان عظیم کی تلافی کے لیے مارک انٹونی نے یومینیز شاہ پرگیمس کا جمع کیا ہوا کتب خانہ ملکہ کلیوپٹرا کی نذر کیا۔ ابتداءً یہ کتب خانہ بطلیموسی کتب خانہ کی مسابقت کے خیال سے قایم کیا گیا تھا۔ جب یہ کلیوپٹرا کے ہاتھ لگا تو سریپیس کے کتب خانہ مین ضم کر دیا گیا۔

اب ہم کو مختصراً یہ بیان کرنا باقی رہتا ہے کہ یہ بے نظیر دار العلم جس کو قدما نے ازراہ فخر

"مدرسہ الٰہیہ اسکندریہ" کا نام دے رکھا تھا کس فلسفہ کی بنیاد پر قایم کیا گیا تھا اور انسانی معلومات کے ذخیرے مین جن جن باتون کا اس کی وجہ سے اضافہ ہوا اون مین سے بعض کی نوعیت کیسا تھی۔

ہمارا فرض ہے کہ اس بے مثال عجائب خانہ کے جلیل القدر بانی کی یادگار مین ہم "تاریخ فتوحات اسکندر" کو جو خود اسی کی تصنیف ہے تصانیف علمی کی صف اول مین جگہ دین بطلیموس سوٹر جس طرح ایک بہت بڑا سپہ سالار اور ایک بہت بڑا تاجدار تھا اسی طرح ایک بہت بڑا مصنف بھی تھا۔ زمانہ اون احسانات کی یاد کو نہین مٹا سکا جو اوس نے ہم پر کیئے ہین مگر اوس کی تصنیف کے ساتھ اوس نے اچھا برتاؤ نہین کیا اس لیئے کہ "تاریخ فتوحات سکندر" کا ایک بھی نسخہ آج موجود نہین۔

سکندر بطلیموس اور آرسطو کی باہمی دوستی کا یہ لازمی نتیجہ تھا کہ فلسفہ مشائیہ عجائب خانہ اسکندریہ کا عقلی سنگ بنیاد قرار پاے۔ شاہ فیلقوس نے سکندر کی تعلیم و تربیت پر آرسطو کو مامور کیا تھا جس نے اپنا یہ اثر دکھایا کہ جب سکندر ایران کی تسخیر مین مصروف تھا تو باوجود انہماک مشاغل فوجی کے روپیہ کے علاوہ دوسرے طریقون سے کتاب "علم خواص الاشیا" کی تیاری مین آرسطو کی مدد کرتا رہا جو اوس وقت لکھی جا رہی تھی۔

آرسطو کے فلسفہ کا اصل اصول یہ تھا کہ جزئیات کے مطالعہ سے بذریعہ استقرا کلیات اخذ کیئے جایئن جن واقعات و حقایق پر عمل استقرا کا انحصار ہے اون کی تعداد جس قدر زیادہ ہوگی اوسی قدر یہ عمل زیادہ صحیح اور زیادہ قرین وثوق ہوگا۔ اس طریقہ سے بذریعہ تجربہ و مشاہدہ واقعات کے جمع کرنے مین بے انتہا محنت پڑتی ہے اور ساتھ ہی واقعات مجتمعہ سے نتایج نکالنے مین بہت کچھ غور و فکر کرنا پڑتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ طریقہ گویا عقل و محنت پر مبنی ہے نہ کہ تصور و تخییل پر۔ خود آرسطو سے لبا اوقات جو غلطیان سرزد ہوئی ہین وہ اس طریقہ کی بے اعتباری پر دلالت نہین کرتین بلکہ اس کی معتبر ہونے کا

ثبوت دیتی ہین - ان غلطیون کا اصلی باعث صرف یہی ہے کہ کلیہ قایم کرنے مین جن واقعات سے کام لیا گیا وہ تعداد مین ناکافی تھے -

ارسطو کے قایم کیئے ہوے بعض کلیات نہایت پرشکوہ ہین مثلاً ایک کلیہ اوس نے یہ قایم کیا کہ ہر شے حیات کے سانچہ مین ڈھلنے کے لیئے ہر وقت تیار رہتی ہے اور تماشاگاہ فطرت مین جو مختلف اعضائی صورتین اور شکلین ہمین نظر آتی ہین یہ حالات وکیفیات موجودہ کے مقتضیات کی تابع ہین - اگر حالات وکیفیات بدل جایئن تو صورت و اشکال مین بھی تبدیلی پیدا ہوجائے - پس اس طور پر ہستی کا ایک غیر منقطع سلسلہ قایم ہے جو نباتات وحیوانات سے ہوتا ہوا انسان تک پہنچتا ہے اور موالید کی مختلف جماعتین ایک دوسرے مین بتدریج اس طرح ضم ہوتی ہوی چلی جاتی ہین کہ حدود انضمام محسوس نہین ہوتین -

حقیقت یہ ہے کہ فلسفہ استقرائیہ جس کی ایجاد کا فخر ارسطو کو حاصل ہے ایک بہت بڑا زبردست طریقہ ہے اور جو ترقی سائنس نے اس وقت تک کی ہے وہ اسی کی منت کش احسان ہے - یہ فلسفہ جب تکمیل کو پہنچا تو مظاہر سے اون کے اسباب وعلل کا استقرا کیا جانے لگا اور اسباب کے دریافت ہونے کے بعد بہ اتباع طریقہ اشراقیہ سبب سے مسبب کی تفصیل مستنبط ہونے لگی -

اس طور پر اسکندریہ مین عقلیات کی بنیاد جہان ایتھنز کے ایک نامور حکیم کے اصولون پر رکھی گئی اخلاقیات کا سہرا بھی ایتھنز ہی کے ایک دوسرے مشہور حکیم کے سر رہا - اس حکیم کا نام زینو تھا جس کی اصل اگرچہ قبرس یا فنیشیا سے تھی لیکن کئی سال سے اوس نے مستقل طور سے یونان کے پایہ تخت ہی مین بود وباش اختیار کرلی تھی - اوس کے شاگرد "اسٹوئک" (جبریہ) کے نام سے مشہور تھے - اوس کے عقاید اوس کے مرنے کے بعد مدتون قایم رہے اور مصیبت کے وقت مین جب انسان کا بجز بیکسی کے اور کوئی یار و مددگار نہین ہوتا اوس کے لیے سرمایہ تسکین وتسلی ثابت ہوے اور نہ صرف مشاہیر یونان بلکہ رومتہ الکبریٰ

کہ جلیل القدر حکیموں مدبروں سپہ سالاروں اور فرمانرواؤں کو صراط مستقیم پر چلنے کی ہدایت کرتے رہے۔

زینو کا مقصد یہ تھا کہ روزانہ زندگی کے لیے ایک دستور العمل مقرر کیا جائے جس کی بدولت انسان برائی بھلائی مین تمیز کر سکے اور کوشش کی جائے کہ انسان نیک چلن ہو جائین۔ اوس کا قول تھا کہ تعلیم نیکی کی اصلی بنیاد ہے اس لیے کہ اگر آدمی کو معلوم ہو جائے کہ نیکی کیا شے ہے تو وہ خواہ مخواہ اوس کی طرف مایل ہوگا۔ علم کا مواد بہم پہنچانے کے لیے ہمین اپنے حواس پر بھروسا کرنا چاہیے۔ باقی رہا اس مواد کی تالیف و ترتیب کا کام سو اس کی ذمہ وار عقل ہے۔ اس بارہ مین زینو اور ارسطو کا اتفاق رائے بداہتہً پایا جاتا ہے۔ ہر خواہش یا شہوت یا آرزو ناقص علم کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ ہماری جبلت یا طبیعت تو مقدرات سے ہے لیکن یہ ہمارا کام ہے کہ اپنے جذبات کو روکین اور عقل کی پابندی کے ساتھ آزادانہ فہیمانہ اور پاکبازانہ زندگی بسر کرنا سیکھین۔ ہماری زندگی ہماری دماغی قوتون کی مطیع ہونی چاہیئے اور زمانہ کے رنج و راحت سے ہم کو نہ کبیدہ خاطر و بددل ہونا چاہیے نہ مسرور و خرم بلکہ قلب مین سکون و طمانیت کی کیفیت پیدا کرنی چاہیے۔ ہم کو یاد رکھنا چاہیے کہ ہم آزاد ہین۔ اپنے ابنائے جنس کے غلام نہین ہین۔ ہمارے پاس ایک ایسا بیش قیمت خزانہ ہے جو تمام دنیا مل کر بھی اگر چاہے تو ہم سے نہین چھین سکتی اور وہ خزانہ موت ہے۔ ہمین یہ امر نظر انداز نہ کرنا چاہیے کہ فطرت اپنے عمل درآمد مین عام نتایج کو پیش نظر رکھتی ہے اور افراد کے بچانے کی کبھی فکر نہین کرتی بلکہ اونھین اپنے مقاصد عامہ کی تکمیل کا آلہ قرار دیتی ہے۔ اس لیے ہمارا فرض ہے کہ تقدیر کے آگے سر تسلیم خم کرین اور نیکی اعتدال صبر تحمل انصاف اور علم کے اکتساب مین کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھین۔ ہمین یہ بات فراموش نہ کرنی چاہیے کہ عالم متغیر ہے۔ فنا کے بعد بقا اور بقا کے بعد فنا لازمی ہے۔ ایسی دنیا مین جہان ہر شے مر رہی ہے اور مرے گی موت سے ڈرنا یا اوس پر کڑھنا فضول ہے۔ جس طرح ہر سال آبشار کی ایک ہی صورت

رہتی ہے لیکن جس پانی سے یہ مرکب ہے وہ ہمیشہ بدلتا رہتا ہے اسی طرح قدرت کی نمود سوا ے
اس کے اور کچھ نہین کہ مادہ کی ایک سیل ہر وقت بہ رہی ہے جس کے وجود کو بقا ہے لیکن شکل
آنی وفانی ہے۔ کائنات بحیثیت مجموعی ناقابل تغییر ہے۔ بجز فضا اجزاے لاتیجزی اور قوت
کے اور کسی شے کو بقا نہین۔ فطرت کی صورتین جو ہمارے پیش نظر ہین چند روزہ ہین اور ضرور
ہے کہ گذر جائین۔

ہمین اس واقعہ کی طرف سے خالی الذہن نہ ہونا چاہیئے کہ اکثر افلاطونون کی تعلیم ناقص
ہوتی ہے۔ اس لیے ہم کو اپنے زمانہ کے مذہبی عقاید کے خلاف بے ضرورت کوئی بات
نہ کہنی چاہیے۔ خود ہمارے لیے یہ جان لینا کافی ہے کہ اگرچہ ایک ایسی قوت ضرور موجود ہے
جو ہر ایک لحاظ سے کامل ومکمل ہے لیکن کسی ہستی کاملہ کا وجود مطلق نہین۔ ایک غیر مرئی جوہر
کے وجود مین تو کلام نہین لیکن یہ کہنا کہ ایک ایسا شخصی یا ذاتی خدا موجود ہے جس مین انسان
کی صورت اور جذبات اور احساسات پاے جاتے ہین اتنا باعث کفر نہ ہوگا جتنا موجب
لغویت الہام وتنزیل کی وقعت ایک ڈھکوسلے سے زیادہ نہین۔ جس شے کو انسان اتفاق
یا حادثہ سے تعبیر کرتا ہے اوسے ایک غیر معلوم علت کا معلول سمجھنا چاہیے۔ اتفاقات
وحوادث تک ایک مقررہ ضابطہ کے پابند ہین جس سے وہ سر مو تجاوز نہین کر سکتے۔ تائید
ایزدی یا شان ربانی جس قوت کا نام رکھا گیا ہے اوس کا مطلق کہین وجود نہین۔ اس لیے کہ
قدرت کا طرز عمل اٹل اور راسٹ قوانین کا تابع ہے اور اس لحاظ سے کائنات گویا ایک بہت
بڑی کل ہے جو خود بخود چل رہی ہے۔ نظام کائنات کی رگ و پے مین جو زندہ طاقت ساری
وداير ہے اوسے جہلا خدا کہتے ہین۔ وہ انقلابات اور تغیرات جن کا اثر ہر شے پر پڑتا ہے کسی طرح ٹل نہین
سکتے اور اسی لیے کہا جا سکتا ہے کہ دنیا کی ترقی بپابندئ قضا وقدر ایک بیج کی طرح ہے جو صرف اوسی طریقہ
پر اگ سکتا ہے جو اس کے لیے پہلے سے معین کر دیا گیا ہے۔[1]

[1] حکیم زینو نے خدا کا انکار کیا لیکن ایک غیر مرئی جوہر۔ ایک زندہ طاقت کا اقرار کیا۔ (بقیہ مضمون بر صفحۂ آیندہ)

انسان کی روح شعلہ حیات کائنات کی ایک چنگاری ہے۔ حرارت کی طرح اس کا نفوذ ایک جسم سے دوسرے جسم مین ہوتا رہتا ہے اور بالآخر اس کا انضمام یا انجذاب اُس جوہر کلی مین ہوجاتا ہے جس سے اس کا انفصال ہوا تھا۔ اسی لیے ہم کو عدم یا فناے محض کا اندیشہ نہ کرنا چاہیے بلکہ انجذاب یا اتصال کا یقین رکھنا چاہیے۔ اور جس طرح تھکا ہوا آدمی اوس غفلت کی تمنا کرتا ہے جو نیند سے ہم آغوش ہونے کے بعد حاصل ہوتی ہے اسی طرح فلاسفہ کو چاہیے کہ مکروہات دنیا سے تنگ آکر اوس حالت مطمئنہ کو اپنا مطمح نظر قرار دین جو اس خاکدان کی قید سے آزاد ہونے کے بعد ہی میسر ہوسکتی ہے۔ لیکن یہ باتین ایسی ہین جن پر غور کرتے وقت ہمین ہر ہر قدم پر شبہ و شک سے کام لینا چاہیے اس لیے کہ دماغ اپنے اندرونی ذرایع معلومات ہی سے حقیقت اشیا سے مطلع نہین ہوسکتا۔ علل اولی سے بحث کرنا خلاف شیوہ حکما ہے۔ ہمین صرف مظاہر یعنی اون واقعات سے سروکار رکھنا چاہیے جو ہمارے پیش نظر ہین۔ سب سے زیادہ ہم کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ انسان کے لیے حقیقت مطلق کا اکتشاف محال ہے۔ مادہ کے متعلق انسانی تحقیقات کا انتہائی نتیجہ یہ ہے کہ انسان کامل العلم ہونے کی قابلیت نہین رکھتا۔ یہان تک کہ اگر اوسے علم کامل حاصل ہو بھی جائے تو اوس کے پاس ایسا کوئی معیار موجود نہین جس کی بنا پر اوسے اپنی معلومات کے صحیح و کامل ہونے کا یقین ہوسکے۔

(بقیہ مضمون صفحہ گذشتہ) تائید ایزدی کو سراہا لیکن قانون قدرت کو سراہا۔ کارفرماے قضا و قدر سے سرتابی کی لیکن تقدیر کے آگے سر تسلیم خم کیا۔ حاکم کو نہ مانا لیکن حکم کو جایز اور قابل اطاعت سمجھا۔

"فلسفی کو بحث کے اندر خدا ملتا نہین
ڈور کو سلجھا رہا ہے پر سرا ملتا نہین"

اس پر بھی جناب باری کی ہستی سے انکار نہ ہوسکا۔ اپنی اپنی سمجھ ہے۔ کوئی اوسے کسی طرح ماننے کوئی کسی طرح لیکن اس پھندے سے بچ نکلنا محال ہے۔

"ہندو نے صنم مین جلوہ پایا تیرا
آتش پہ مغان نے راگ گایا تیرا"

"دہری نے کیا دہر سے تعبیر تجھے
انکار کسی سے بن نہ آیا تیرا" مترجم

ان تمام باتون کو تسلیم کرلینے کے بعد ہمارے لیے باقی کیا رہا؟ بجز اس کے اور کچھ نہین کہ تحصیل علم کی کوشش کرین - نیکی اور پاکبازی کو اپنا شعار قرار دین - اپنے ابناے جنس سے دوستانہ برتاؤ رکھین - ایمانداری اور راستبازی کو ہاتھ سے نہ دین - جو کچھ پیش آئے اوس کو صبر و رضا کے ساتھ گوارا کرین اور ایسی زندگی بسر کرین جو ہر اعتبار سے عقل کے احکام کی پابند ہو -

اگرچہ عجائب خانہ اسکندریہ کے قیام کا مقصد خاص فلسفہ مشائیہ کی اشاعت و ترویج تھا لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ دوسرے مذاہب فلسفہ کو بالکل نظرانداز کر دیا گیا - عجائب خانہ کی بدولت فلسفہ اشراقیہ نہ صرف حد کمال تک پہنچا بلکہ آخر مین ارسطو کی حکمت کا ناسخ ثابت ہوا اور جدید اکاڈمی[1] کے ذریعہ سے عیسائیت پر ایک مستقل اور دیرپا اثر چھوڑتا گیا - فلاطون کا فلسفیانہ طریقہ ارسطو کے طریقہ کی ضد تھا یعنی اس مین ابتدا کلیات سے

[1] لفظ اکاڈمی جس کے معنی بیت الحکمت کے ہین ایک یونانی لفظ اکاڈیمیا سے مشتق ہی - اکاڈیمیا نواح ایتھنز مین ایک مقام کا نام تھا جہان اول سقراط اور اوس کے بعد فلاطون اپنے شاگردون کو اکثر درس دیا کرتے تھے - فلاطون نے پچاس سال تک اس مقام پر حکمت آموزی کی اور یہی وجہ تھی کہ اکاڈمی کے معنی فلسفہ اشراقیہ کی درسگاہ کے ہو گئے - فلاطون کی وفات کے بعد جو ۳۴۷ق ع مین واقع ہوئی اوس کے فلسفہ مین ترمیمات ہونی شروع ہوئین جس کی وجہ سے مذہب اشراقیہ کی تین شاخین ہوگئین - تینون شاخین علی الترتیب قدیم اکاڈمی وسیط اکاڈمی اور جدید اکاڈمی کے نام سے موسوم ہین - قدیم اکاڈمی سے مراد خالص اشراقی عقاید کا مسلک ہے - وسیط اکاڈمی کی بنا حکیم آرسیسی لیس نے ڈالی جس کا سن ولادت ۳۱۶ ق ع ہے - اس کے بعد ۱۵۵ ق ع مین حکیم کارنیاڈیز نے جو دیوجانس کلبی کا شاگرد تھا جدید اکاڈمی قایم کی - کارنیاڈیز کا خیال تھا کہ ماہیت اشیا ادراک انسانی سے بالا ہے - اس سے اوس کی یہ مراد تھی کہ یہ بات ثابت نہین کی جاسکتی کہ ادراک شے کو مادہ کے جوہر یا عرض کے لحاظ سے شے مدرکہ کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے (بقیہ مضمون بر صفحہ آیندہ)

کی جاتی تھی جنکا وجود ہی مذہبی اعتقادات کی طرح قیاسی ہے اور کلیات سے جزئیات یا تفصیلات کا استخراج کیا جاتا تھا۔ بخلاف اس کے ارسطو استقرا کے عمل کی وساطت سے جزئیات سے کلیات تک پہنچتا تھا۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ افلاطون کے مذہب کی بنیاد تخیل پر تھی اور ارسطو کی تعقل پر۔ فلاطون ایک ابتدائی خیال کو سامنے رکھ کر اوس کے تجزیہ سے اوس کی تفصیلات تک پہنچتا تھا اور ارسطو جزئیات و تفصیلات سے نتایج استخراج کرکے ایک کلیہ قایم کرتا تھا۔ اسی لیے فلاطون کے طریقے سے بہت جلد بظاہر نہایت شاندار مگر دراصل ناقابل اعتبار نتایج پیدا ہو جاتے تھے حالانکہ ارسطو کے طریقہ سے اگرچہ نتایج دیر مین نکلتے تھے اور اون کی استخراج مین بے انتہا دقت اٹھانی پڑتی تھی لیکن ہوتے بہت زیادہ مستحکم اور دیرپا تھے۔ ان نتایج کے استخراج کے لیے واقعات کے جمع کرنے مین جس کنج کاوی اور دیدہ ریزی سے کام لینا پڑتا تھا اور تجربہ اور مشاہدہ مین جو جانکاہی اور عرقریزی گوارا کرنی پڑتی تھی وہ محتاج بیان نہین یہی وجہ تھی کہ فلاطون کا فلسفہ گویا ایک شاندار قلعہ ہے جس کی بنیاد ہوا پر ہے اور ارسطو کی حکمت ایک مضبوط اور سنگین عمارت ہے جو بہت سی محنتین برداشت کرنے اور بہت سی ناکامیون کا رنج اٹھانے کے بعد ایک ٹھوس اور مستحکم چٹان پر بنائی گئی ہے۔

قوت متخیلہ سے کام لینا بمقابلہ قوت عقلیہ کے عمل مین لانے کے کہین زیادہ دلاویز ہے۔ جب اسکندریہ کے عقلی انحطاط کا دور آیا تو مشاہدہ کی دیدہ ریزیون اور فکر وغور کی جانکاہیون کے بجائے طبیعتین زیادہ تر سہل اور آسان طریقون کی طرف رجوع

(بقیہ مضمون صفحہ گذشتہ) جو کچھ ثابت ہو سکتا ہے وہ فقط اسی قدر ہے کہ ادراک اور شے مدرکہ مین ایک قسم کا باہمی تعلق ہے جس کا اثر انسان کے نظام عصبی پر مترتب ہوتا ہے۔ اس سے کانٹ نیاڈ نینے یہ نتیجہ نکالا کہ انسانی معلومات غیر یقینی ہین۔ مترجم

ہوگئین۔ فلسفہ اشراقیہ جدید[۵۱] کے مدرسون مین آمونیس سیکاس[۵۲] اور پلاٹینس[۵۳] جیسے تخیل پرست متکلمین کا ہجوم نظر آنے لگا۔ خدا کی شان ہے کہ قدیم عجائب خانہ کے جفاکش مہندسون کی جانشین ایسے لوگ بنین جنہون نے فلسفہ کو بازیچہ اطفال سمجھ رکھا ہو۔

---

[۵۱] ذہنیات اور موجودات خارجی مین باوجود مشائی اور اشراقی توجیہات کے جو عقلی تناقض مدتون سے چلا آتا تھا اوس کے رفع کرنے کے لیے حکما کے ایک گروہ نے جنہین مسیحی علم کلام کا بانی کہا جا سکتا ہے تیسری صدی عیسوی مین فلسفہ کا ایک نیا مذہب فلسفہ اشراقیہ جدید کے نام سے اسکندریہ مین قایم کیا۔ اس مذہب کا مقصد یہ تھا کہ عقل اور ایمان مین توافق پیدا کیا جائے۔ ہستی علی الاطلاق یعنی خدا کی ذات کا تعقل چونکہ افلاطون کے کلیات عقلی کی وساطت سے ہونا محال تھا لہذا فلسفہ اشراقیہ جدید کے بانیون نے مکاشفہ کے مسئلہ کو رواج دیا۔ اس مسئلہ کا مفہوم یہ ہے کہ ادراک کے اجزاے عاقدہ ومنعقدہ یعنی نفس ناطقہ وشے مدرکہ باہم مخلوط ومنضم ہوکر ایک ہوجائین اور اون مین کوئی فرق نہ رہے دوسرے لفظون مین اس کی تاویل یون کی جا سکتی ہے کہ انسان کی تمنا ہے کہ اوس کو علم مطلق حاصل ہو لیکن اس حصول کے لیے خارجی اشیا کا ادراک یا طریقہ استعمال بیکار ہے۔ علم مطلق اوس کو اوسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جبکہ انجلاء نفس اور تزکیہ باطن سے محسوسات اور موجودات خارجی کو وہ اپنا پرتو بنا لے اور بیرونی اثرات سے یہان تک مستغنی ہوجاے کہ عالم اور معلوم ایک ہوجائین اور اس طور پر سب چیزون کا ادراک مکاشفہ یا بصیرت سے ہونے لگے۔ کثرت کے تصور سے جو عقلی مشکلات فلاسفہ کو اکثر پیش آئی ہین اون سے بچنے کے لیے فلسفہ اشراقیہ جدید کے پیرودن نے مسئلہ انفصال کو اصول ہمہ اوست کا سنگ بنیاد قرار دیا۔ اس مسئلہ سے مراد یہ ہے کہ کائنات مرئی کے جملہ شواہد خالق علی الاطلاق سے ماخوذ اور اوس کے مظاہر ہین۔ مترجم

[۵۲] ایک یونانی فیلسوف جس کا زمانہ ۱۷۵ء سے ۲۵۰ء تک ہے۔ فلسفہ اشراقیہ جدید کا بانی خیال کیا جاتا ہے۔ سیکاس کے معنی یونانی زبان مین حمال کے ہین اور یہی اوس کے نام کے رکن ثانی کی وجہ تسمیہ ہے۔ اسکندریہ مین وہ حمالی کا پیشہ کرتا تھا۔ فرفوریوس کہتا ہے (بقیہ مضمون بر صفحہ آیندہ)

دار العلم اسکندریہ اوس طریقہ کی پہلی مثال پیش کرتا ہے جس نے زمانہ حال کے ماہرین علم طبیعات کے ہاتھ مین آکر ایسے حیرت خیز نتایج پیدا کیے ہین - اس طریقہ کے اختیار کرنیوالون نے

(بقیہ مضمون صفحہ گذشتہ) کہ اوس کے مان باپ عیسائی تھے اور وہ خود بھی ابتدا مین عقاید عیسوی کا پابند تھا مگر بعد مین مرتد ہوگیا - بعض اہل الراے کا خیال ہے کہ وہ مرتے دم تک عیسائی رہا لیکن قیاس یہہ چاہتا ہے کہ فلسفیانہ تخیل نے مذھب عیسوی کے اصولون کی طرف سے اوس کے دل مین شبہات و شکوک پیدا کر دئے اور اوس نے فلسفہ اشراقیہ مین تصوف کا پیوند لگانا چاہا - اوس نے اپنے خیالات قلمبند نہین کیے بلکہ جو کچھ اپنے شاگردون کو سکھایا زبانی طور پر سکھایا - اور یہ تعلیم مدتون سینہ بسینہ چلی آئی - خدا کو وہ تثلیث کی شکل مین مانتا ہے لیکن اس تثلیث کے ارکان بجاے باپ بیٹے اور روح القدس کے جوہر مطلق عقل فعال اور قوت تامہ ہین - مترجم

سنہ ۲۰۵ع مین مصر مین پیدا ہوا اور ایمونیس سیکاس سے دس سال تک فلسفہ کی تحصیل کی - اس کے بعد ایرانیون اور ہندوون کے فلسفہ سے واقفیت پیدا کرنے کی غرض سے مشرقی ممالک کی طرف روانہ ہوا - چند سال کے بعد وہ روما آیا اور وہان پچیس سال تک درس دیتا رہا - فرفوریوس اور لانجینس اوس کے ارشد تلامذہ مین سے تھے - رہبانیت اوس کی زندگی کا جزو اعظم تھی - ایک دفعہ اوس کے دوستون نے اصرار کیا کہ تصویر کھنچواؤ - اوس نے جواب دیا کہ انسان ایک سایہ ہے اور سایہ کی نقل اتارنا حماقت ہے - پلاٹینس گوشت نہین کہاتا تھا اور نہاتا بھی نہ تھا - سنہ ۲۷۰ع مین جب مرض الموت مین مبتلا ہوا تو طبیب کے معالجہ سے بھی انکار کیا - اوس کی تصانیف سے جو تعداد مین چون (۵۴) ہین ایک ہستی کاملہ کے خیال کا پتہ چلتا ہے جو ہر خواہشمند پر اپنی خیر و برکت کا پرتو ڈالنے کے لیے ہر وقت آمادہ ہے - پلاٹینس کا خیال تھا کہ فلاسفہ مین ربانی عنصر موجود ہوتا ہے اور یہ لوگ عوام کالانعام کی طرح اس بات کے محتاج نہین ہوتے کہ علایق مادی سے اپنے آپ کو منقطع کرین - خود اون کی طبیعتون مین عالم بالا کے حقایق کے اکتساب کا رجحان موجود ہوتا ہے - اسی طرح عشاق مین اوس حسن کے ادراک کی استعداد موجود ہوتی ہے جو جسم سے معرا ہے اور موسیقی کا مذاق رکھنے والے ایک کمتر درجہ مین (بقیہ مضمون بر صفحہ آیندہ)

وہی خیالی باتون سے ابا کیا اور اپنے مفروضات ونظریات کو اون واقعات وحقایق کے اظہار کا ذریعہ قرار دیا جو مہندسانہ ثبوت کی تائید سے تجربہ اور مشاہدہ کی بدولت حاصل ہوے تھے - اونہون نے اس اصول کو عام طور سے رواج دیا کہ صحیفہ فطرت سے حقایق کے اقتباس کرنے کا صحیح طریقہ عملی تجربہ ہے - ارشمیدس کی تحقیقات اشیا کے وزن مخصوص کے متعلق اور بطلیموس کی تصانیف مناظر ومرایا کے موضوع پر ہمارے آج کل کے عملی فلسفہ کے اکتشافات سے بہت کچھ ملتی جلتی ہین اور زمانہ مابعد کے مصنفین کی فرضی وقیاسی مہملات کی طرف انگشت حقارت سے اشارہ کررہی ہین - لیپلیس[۱] کہتا ہے کہ دارالعلم اسکندریہ کے قیام سے پہلے یونانیون نے علم ہیئت کے متعلق اگر کوئی عملی کام کیا تو وہ یہ تھا کہ ۴۳۲ق ع مین میٹن اور یوکٹیمن نے نقطہ انقلاب صیفی کا مشاہدہ کیا - دارالعلم اسکندریہ ہی مین پہلی مرتبہ ہم کو اس امر کی مثال ملتی ہے کہ جو مشاہدات کئے گیے اون مین زاویون کی پیمایش کے آلون اور علم مثلث کے اصولی طریقہ حساب سے کام لیا گیا -

(بقیہ مضمون صفحہ گذشتہ) حسن مجرد کا تعلق کرسکتے ہین پلاٹینس کی تصانیف کا ترجمہ یورپ کی مختلف زبانون مین ہوچکا ہے - انگریزی مین اس کے بعض مقابات کا ترجمہ مسٹر ٹیلر نے کیا ہے (مطبوعہ لندن ۱۸۳۴ء) لوئیس نے بھی اپنی تاریخ فلسفہ (مطبوعہ لندن ۱۸۶۷ء) مین پلاٹینس کا حوالہ دیا ہے - مترجم

[۱] لیپلیس ایک مشہور فرانسیسی مہندس اور ہیئت دان ہے جو ۱۷۴۹ء مین پیدا ہوا - سائنس مین اس کی اجتہادی عظمت کا یہ پایہ ہے کہ اسے نیوٹن کا سہیم وعدیل سمجھا جاتا ہے - نظام شمسی کی حرکات کے اصول کے متعلق اوس نے ۱۷۹۹ء مین ایک مشہور ومعروف کتاب لکھی جس مین قمر - سیارگان اعظم کے اقمار - مشتری اور زحل کی ہردو عدم مساوات اور حقیقت مدوجزر پر نہایت جدت وتحقیق سے بحث کی ہے - اس کتاب کا انگریزی ترجمہ چار جلدون مین بورڈچ نے کیا اور بمقام بوسٹن ۱۸۲۹ء مین چھپوایا - مترجم

نہ تو اس کتاب مین اتنی گنجایش ہے اور نہ اس کا موضوع اجازت دیتا ہے کہ عجائب خانۂ اسکندریہ نے معلومات انسانی مین جو جو اضافے کیے اون کا یہان مفصل ذکر کیا جائے جو کچھ بیان کیا گیا ہے اوس کا منشا صرف اسی قدر ہے کہ اس کتاب کے پڑھنے والے کو ان ترقیات کی عام نوعیت کا اندازہ ہو جائے۔ اگر تفصیل مطلوب ہو تو میری کتاب "ہسٹری آف دی انٹلیکچوئل ڈیولپمنٹ آف یورپ" (یورپ کے دماغی نشو و نما کی تاریخ) کا چھٹا باب ملاحظہ فرمایا جائے۔

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ حکیم زینو کے فلسفہ مین حقیقت مطلق کے ادراک کے متعلق شک ظاہر کیا گیا ہے۔ ادہر زینو ان شکوک و شبہات مین گرفتار تھا اُدھر اقلیدس اپنی اوس معرکتہ الآرا تصنیف کی تیاری مین مصروف تھا جو تمام دنیا کے مقابلہ مین کوس تحدی بجا کر بنی نوع انسان کو یہ دعوت دینے والی تھی کہ اگر دعویٰ ہے تو مجھ مین کوئی نقص نکالو۔ بائیس صدیون کے گذرنے کے بعد بھی یہ کتاب صحت، سلاست، صفائی، اکملیت اثبات اور استقراے تام کا ایک عدیم النظیر نمونہ ہے۔ اس مہندس اعظم کی تصانیف نہ صرف ریاضی کی دوسری شاخون مثلاً فصول مخروطی یا اشکال کثیر النتایج مین پائی جاتی ہین بلکہ علم الاصوات اور علم مناظر و مرایا پر بھی بعض رسایل ایسے ہین جو اوس سے منسوب کیے جاتے ہین۔ مناظر و مرایا مین اوس نے اس مسئلہ پر بحث کی ہے کہ شعاعین آنکھ سے نکل کر اشیائے مرئیہ پر پڑتی ہین۔

ارشمیدس نے اگرچہ اپنی زندگی کے آخری دنون مین سسلی مین جا کر اقامت اختیار کر لی تھی لیکن اوس کا شمار بھی اسکندریہ ہی کے ماہرین علم ہندسہ و طبیعات کے زمرہ مین کرنا چاہیے۔ ریاضی مین اوس نے دو کتابین کرہ اور اسطوانہ کی ماہیت پر لکھی ہین۔ ان تصانیف مین اوس نے یہ ثابت کیا ہے کہ ہر ٹھوس کرہ کا جسم مقدار مین اوس اسطوانہ کی مقدار کا دو ثلث ہوتا ہے جو اس کا محیط ہو۔ اس اکتشاف پر اوسے اس قدر ناز تھا کہ

مرتے وقت اوس نے یہ وصیت کی کہ یہ شکل اوس کی قبر کے تعویز پر کندہ کی جائے - دایرہ اور شکل قریب البیضوی کی تربیع پر بھی اوس نے بحث کی ہے - اوس کا ایک رسالہ اشکال سیّال مخروطی و مثل کرہ پر ہے - اس کے علاوہ اوس چکردار شکل کو بھی اوس نے اپنی عقل دقیقہ سنج کی موشگافی کا موضوع قرار دیا ہے جو اوس کے نام سے مشہور ہے اور جس کا خیال اوس کے ذہن مین اول اول اوس کے دوست کانن نے اسکندریہ مین پیدا کیا تھا - اوس کے بعد اس پایہ کا مہندس یورپ دو ہزار سال تک پیدا نہ کرسکا - طبیعات مین اوس نے مائیات کی بناڈالی - وزن مخصوص کے دریافت کرنے کا طریقہ ایجاد کیا - پانی پر تیرتی ہوئی اشیا کے توازن یعنی مرکز ثقل پر بحث کی - ہیرم کی ماہیت کا پتہ لگایا اور دریاے نیل سے پانی کھینچنے کے لیے ایک پیچ کی شکل کا آلہ ایجاد کیا جو ابھی تک اوس کے نام سے مشہور ہے - غیر متناہی پیچ اور زنبرہ شیشہ آتشی جس سے سایراکیوز کے محاصرہ مین اوس نے اہل روما کے جہازون کا بیڑہ جلا دیا اوسی کی ایجادات مین داخل ہین -

ایراٹاستھنیز بھی جو ایک وقت مین کتب خانہ کا صدر مہتمم تھا بہت سی اعلیٰ درجہ کی تصنیفات کا مصنف تھا - خطوط سرطان وجدی کا درمیانی فاصلہ اسی نے دریافت کیا اور زمین کی جسامت کے معلوم کرنے کی کوشش بھی اول اول اسی نے کی - براعظمون کے جوڑ اور پھیلاؤ - پہاڑون کے سلسلون کے مقامات وقوع - بادلون کے عمل - طبقات الارض کی غرقابی - ڈوبے ہوے طبقات کے ابھار - آبناے دردانیال وجبل الطارق کا افتتاح اور بحیرہ اسود کے تعلقات پر اوس کے مباحث موجود ہین - اوس نے حالات ارضی پر ایک مکمل کتاب تین مقالون مین لکھی تھی - پہلے مقالہ مین طبیعات سے بحث تھی دوسرے مین ریاضیات سے تیسرے مین تاریخ سے - اس کتاب کے ساتھ ضمیمہ کے طور پر اون ممالک کا ایک نقشہ بھی شامل تھا جو اوس وقت تک معلوم ہو چکے تھے - اوس کی "تاریخ شاہان تھیبز"

سکے بعض اجزا زمانہ کی دستبرد سے بچ رہے ہین اور چند سال سے قدر کی نگاہ سے دیکھے جانے لگے ہین ورنہ صدہا سال تک تو ہماری موجودہ دینی تاریخ کے مقابلہ مین جس کی حیثیت ایک مجموعہ لغویات سے زیادہ نہین ان پر اعتنا ہی نہ ہوا۔

اس مقام پر اون دلائل کا بیان کرنا ضرور نہین ہے جو اسکندریہ کے علما نے زمین کو گول ثابت کرنے کے لیے اختیار کین۔ ان لوگون کو کرہ زمین۔ قطبین محور زمین۔ خط استوا۔ دایرہ قطب شمالی۔ دایرہ قطب جنوبی۔ نقاط اعتدال لیل ونہار۔ نقاط انقلاب صیفی و شتوی[1]۔ سردی اور گرمی کی تقسیم اور مسائل متعلقہ کا صحیح صحیح طور پر علم تھا۔ یہان صرف اپالونیئس کی اون تصانیف کا نام ہی لیا جا سکتا ہے جو اوس نے نصول مخروطی اور مقادیر اکثر واقل پر قلمبند کی تھین۔ الفاظ ''ایلپس'' (شکل اہلیلجی یعنی وہ شکل جو کسی جسم مخروطی کو ترچھا تراشنے سے پیدا ہوتی ہے) اور ''ہائی پربلا'' (شکل بعید البیضوی) کا اول اول اسی نے استعمال کیا۔ ارسطیلس اور تماکرس کی رصد بینی کا ذکر بھی بوجہ قلت گنجائش یہان اچٹتا ہوا ہی کیا جا سکتا ہے۔ استقبال نقاط اعتدال لیل ونہار کا عظیم الشان اکتشاف جو ہپارکس نے کیا ہے تماکرس ہی کے ہیئتی مشاہدات پر مبنی تھا۔ قمر کی عدم مساوات اولین اور مساوات مرکز کی تحقیقات بھی ہپارکس ہی نے کی ہے حرکت دواری کے اصول پر اجسام فلکی کی ظاہری گردش کی تشخیص کے لیے اس نے وہ مہندسانہ طریقہ ایجاد کیا جس مین دو غیر مساوی دایرون سے اس طرح کام لیا جاتا ہے کہ چھوٹے دایرہ کا مرکز ہمیشہ بڑے دایرہ کے محیط پر گردش کرتا رہے یا دو مختلف المرکز دوایر ایک دوسرے کو قطع کرتے رہین۔ اوس نے ستارون کی ایک فہرست بھی ایک خاص طریقہ کے مطابق تیار کی تھی جس کی رو سے وہ ستارے جو بظاہر ایک خط مستقیم مین نظر آتے ہین درج فہرست کئے گیے تھے۔

---

[1] خط استوا کے شمال اور جنوب مین دو فرضی دوایر واقع ہین جنھین سرطان اور جدی کہتے ہین۔ آفتاب موسم شتا و صیف یعنی جاڑے اور گرمی مین خط استوا کے جن بعید ترین نقطون پر ہو کر گذرتا ہے اونھین نقاط انقلاب صیفی و شتوی کہتے ہین۔ مترجم

جن ستاروں کا فہرست مین اس طور پر اندراج ہوا وہ شمار مین ۱۰۸۰ ہوتے تھے۔ آسمان کی طرح اوس نے زمین کے متعلق بھی اسی طرح کی کنج کادی کی تھی۔ یعنی عرض بلد اور طول بلد کے خط کھینچ کر دیار و امصار اور دوسرے مقامات کی نشاندہی کی تھی شمس و قمر کی میزانین بھی اول اول اوسی نے تیار کی تھین۔

مہندسین۔ منجمین اور طبیبین کے اس جلیل القدر گروہ کی فہرست مین بطلیموس کا نام ہمین نور کے حرفون مین لکھا ہوا نظر آتا ہے۔ اوس کی شہرہ آفاق کتاب "سنٹکسس" (یعنی عالم بالا کی ہندسانہ ساخت) ڈیڑھ ہزار سال تک ہیئت کے متعلق دنیا کا دستور العمل بنی رہی اور نظام بطلیموسی کا چراغ صرف اوس وقت گل ہوا جب کہ نیوٹن نے اپنی غیر فانی تصنیف "پرنسپیا" لکھ کر اوس مسند کو زینت دی جو پندرہ صدیون تک "سنٹکسس" کے مصنّف کے لیے وقف رہی تھی۔ بطلیموس کی کتاب کی ابتدا اس اصول سے ہوتی ہے کہ زمین گول ہے اور فضائے بسیط مین قایم ہے۔ اس مین میزان الاوتار کے بنانے کی ترکیب اور اون آلات کا حال مندرج ہے جن سے نقاط انقلاب صیفی و شتوی کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ محققانہ بحث کے بعد اصول اعوجاج طریق الشمس کا استخراج کیا ہے۔ علم یا جیب کے ذریعہ سے ارضی عرض بلد نکالنے کا طریقہ بتایا ہے۔ موسمون کا حال بیان کیا ہے۔ معمولی وقت کو کوکبی وقت مین تحویل کرنے کا طریقہ بتایا ہے۔ کوکبی سال پر انقلابی سال کو ترجیح دینے کی وجوہ بیان کی ہین نظام شمسی کا ذکر کرتے ہوے اس اصول کی توضیح کی ہے کہ وہ دوایر جن مین سیارے آفتاب کے گرد گردش کرتے ہین مختلف المرکز ہین۔ مساوات وقت کے اصول کی تشریح کی ہے۔ قمر کی حرکات پر بحث کرتے ہوئے اوس کی عدم مساوات اولین اوس کے گہن اور اوس کے نقطہ راس و ذنب کا حال لکھا ہے۔ اس کے بعد خود بطلیموس کے عظیم الشان اکتشاف یعنی قمر کی عدم مساوات ثانیہ پر بحث کرتے ہوے جس نے بطلیموس کے نام کو فنا کے زیر منت ہونے سے بچا لیا اسے اوس ہندسانہ اصول کا تابع کیا گیا ہے

جس کے بموجب دو غیر مساوی دایرون مین سے چھوٹا دایرہ اپنے مرکز کو بڑے دایرہ کے محیط پر رکھکر اوس کے گرد گردش کرتا ہے - پھر زمین سے سورج اور چاند کا فاصلہ دریافت کرنے کی کوشش کی گئی ہے لیکن اس مین پوری کامیابی نہین ہوئی - آگے چلکر ہپارکس کی تحقیقات یعنی استقبال نقاط اعتدال لیل و نہار کا بیان کیا ہے جس کا مکمل زمانہ پچیس ہزار سال ہے - بالاخر ۱۰۲۲ ستارون کی فہرست مرتب کی گئی ہے اور کہکشان کی نوعیت پر نظر انتقاد ڈالنے کے بعد سیارون کی حرکت پر نہایت محققانہ بحث کی گئی ہے - ایک اور امر جس نے بطلیموس کی علمی شہرت کے استحقاق کو بہت زیادہ بڑھا دیا ہے یہ ہے کہ سیارون کے مدار کی تعیین مین وہ ہیئت دانان ازمنہ ماضیہ کے ترصدات سے اپنے مشاہدات کا مقابلہ کرنے کے بعد راے قایم کرتا ہے - چنانچہ زہرہ کے مدار کو معین کرتے وقت اوس نے تماکرس کے مشاہدات کو پیش نظر رکھا ہے -

عجائب خانہ اسکندریہ مین ٹیسیبیس نے آتشین انجن ایجاد کیا تھا - اوس کے شاگرد ہیرو نے دو اسطوانون کے اضافہ سے اسے ترقی دی - اول اول دخانی انجن سے بھی یہین کام لیا گیا کہ وہ بھی ہیرو کی ایجاد سے تھا اور ایک خاص ترکیب سے چلایا جاتا تھا جو یہ تھی کہ دھات کے ایک کھوکھلے گولے مین جس مین ایک چھوٹا سا منفذ ہوتا تھا پانی بھر دیا جاتا تھا اور نیچے آنچ پہنچائی جاتی تھی - حرارت پہنچنے پر پانی بھاپ کی شکل مین تبدیل ہو جاتا تھا اور بھاپ کے زور سے گولا گردش کرنے لگتا تھا جس سے انجن چلنے لگتا تھا - سرپیس کے ایوانون کی خموشی مین ٹیسیبیس اور اپالونیس کی آبی گھڑیان خلل ڈالتی تھین جن مین سے پانی کے قطرے ٹپ ٹپ گرتے تھے اور وقت کا اندازہ کرتے جاتے تھے - جب رومتہ الکبری کی تقویم اس قدر ناقص ہو گئی کہ سال و ماہ کے حساب مین ہر وقت غلطیان ہونے لگین تو جولیس سیزر نے اس کی اصلاح کے لیے ساسجنیز ہیئت دان کو اسکندریہ سے طلب کیا - چنانچہ اوس کے مشورہ کی بنا پر قمری سال منسوخ کیا گیا اور سرکاری سال شمسی قرار پایا اور اوس وقت سے

وہ تقویم رایج ہوگئی جو جولیس سیزر کے نام سے منسوب ہے۔

مصر کے مقدونوی فرمانرواؤن کو اوس برتاؤ کے لحاظ سے جو اونہون نے اپنے زمانہ کے مذہبی عقاید کے ساتھ کیا مورد الزام قرار دیا جاتا ہے۔ اونہون نے مذہب کو اپنی سیاسی مقاصد کی تکمیل کا آلہ بنایا یعنی جہلا اور عوام پر اس کے ذریعہ سے اپنا شاہانہ اقتدار قایم رکھا اور جو سمجھ بوجھ رکھتے تھے اون کی تشفی فلسفہ سے کردی۔ لیکن بلاشبہ اون کے اس طرز عمل کا موید وہ تجربہ تھا جو یونانیون کو اپنی ایشیائی فوج کشی کی وجہ سے حاصل ہوا تھا اور جس کی بدولت وہ اقوام عالم مین ممتاز و سربرآوردہ ہوگئے تھے۔ وہ اپنے آبائی وطن کی مذہبی روایات کے بوسیدہ طلسم کو اپنی آنکھون ٹوٹتا ہوا دیکھ چکے تھے اور اون عجائبات کی ظلمت کو جن کا پردہ قدیم شاعرون کے تخیل نے بحر روم کے اطراف وجوانب پر ڈال رکھا تھا تجربہ اور معلومات کی تیز روشنی کے سامنے کافور ہوتے ہوے مشاہدہ کرچکے تھے۔ اولمپس کی پراسرار چوٹیون سے دیوتا غائب ہوچکے تھے اور دیوتا تو ایک طرف رہے خود اولمپس کا وجود ایک وہمی و فرضی فسانہ سے زیادہ ثابت نہ ہوا تھا۔ ہیڈیز کے خوفناک نظارون کا نقش پردہ تصور سے محو ہوچکا تھا اس لیے کہ خود ہیڈیز ہی کا کہین وجود نہ تھا۔ ایشیاے کوچک کے سبز جنگلون سایہ دار نشیمنون اور بہتے دریاؤن سے مقامی دیوتا اور دیبیان رخصت ہوچکی تھین یہان تک کہ ان کے پجاریون کو شبہ ہونے لگا کہ یہ معبود کبھی ان مقامات مین رہتے بھی تھے یا نہین۔ شامی لڑکیان اگر اپنے عشقیہ گیتون مین ابھی تک اڈانس[۵۱] کے حسرتناک انجام کی یاد کو

[۵۱] یونانی علم الاصنام کی روایات مین ایک نوجوان کا نام ہے جس پر بوجہ اوس کے غایت درجہ حسین وجمیل ہونے کے وینس یعنی عشق ومحبت کی دیوی عاشق ہوگئی تھی۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ اڈانس پر ایک جنگلی سور نے حملہ کرکے اوسے زخمی کردیا۔ وینس نے اپنے معشوق کے زخم پر اگرچہ شراب آسمانی کے قطرے ٹپکاے جس سے نرگس کے پھول پیدا ہوگئے لیکن وہ اس زخم جانستان سے جان بر نہ ہوسکا۔ مترجم

تازہ رکھتی تھین تو اوس کی وجہ یہ نہ تھی کہ اوڈانس کا حقیقت مین وہ حشر ہوا جو روایات مین مذکور تھا بلکہ محض بطور تفنن طبع - ایران نے رہ رہ کر اپنا قومی مذھب تبدیل کیا تھا - زردشت کے الہامی مذھب کو چھوڑ کر اوس نے ثنوی عقاید اختیار کیے تھے - پھر نئے سیاسی اثرات سے متاثر ہو کر مجوسیت کو اپنا قومی مسلک قرار دیا تھا - اوس نے آگ کی پرستش کی تھی اور اپنی قربانگاہون کو پہاڑون کی چوٹیون پر مقدس عنصر سے روشن رکھا تھا - اوس نے سورج کو اپنا معبود مانا تھا - اور جب سکندر آیا تو اوس کا میلان عقیدۂ ہمہ اوست کی طرف ہو چلا تھا -

اوس ملک کے لیے جس کی دستگیری وہان کے مقامی دیوتا سیاسی مصیبت کے وقت نہ کر سکے ہون تبدیل مذھب ایک لازمی شے ہے - مصر کے قدیم دیوتاؤن کو جنکی جلال و عظمت کی یادگار مین اونچے اونچے مینار اور بڑے بڑے مندر قایم کئے گئے تھے ممالک غیر کے حملہ آورون کی تلوار کے سامنے پے بہ پے اپنی گردن جھکانی پڑی - اہرام و ابوالہول کی سرزمین مین دیوتاؤن کی مورتون نے کسی زندہ طاقت کے مظہر ہونے کا ثبوت دینا مدت سے چھوڑ دیا تھا - لوگون کو اب اون پر مطلقاً ایمان نہ رہا تھا - اب ایسے دیوتاؤن کی ضرورت تھی جنہون نے حال ہی مین جنم لیا ہو اور یہی وجہ تھی کہ آسیرس کی جگہ سریپس نے لے لی - اسکندریہ کے گلی کوچون مین ہزارون یہودی ایسے تھے جو اوس خدا کو بھول چکے تھے جس نے سریپس کے مندر کے سب سے زیادہ مخفی حجرے کو اپنی سکونت کے لیے مخفی کر رکھا تھا -

روایت الہام یا زمانہ کسی کا اثر باقی نہ رہا تھا - یورپ مین علم الاصنام کے افسانے ایشیائی الہام کی روایتین مصری کاہنون کے قدامت آلودہ عقاید سب کے سب مٹ چکے تھے یا مٹتے جاتے تھے - یہی وہ نشانیان تھین جنہین دیکھ دیکھ کر فرمانروایان سلسلہ بطلیموسیہ کی آنکھون مین مذھبی عقاید کی بے ثباتی کی تصویر پھر گئی تھی - لیکن اس کے ساتھ ہی اون کو یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ ایک چیز ایسی بھی ہے جو مذھب کی مختلف شکلون سے زیادہ دیرپا ہے - یہ شکلین تو طبقات الارض کے ازمنہ قدیمہ کی اعضائی شکلون کی طرح ایک دفعہ ناپید ہو کر

ہمیشہ کے لیے پردہ خفا مین چلی جاتی ہین اور دوبارہ منصۂ شہود مین نہین آسکتین لیکن وہ چیز جس پر اس ظاہر بے حقیقت اس نمود بے بود عالم کا پردہ پڑا ہوا ہے کیا ہے؟ ازلی و ابدی حقیقت!!

یہ حقیقت ہم کو اون باور ہوا روایتون سے نہین معلوم ہو سکتی جو ان لوگون سے ہمین ترکہ مین پہنچی ہین جنھون نے صبح تمدن کے طلوع کے وقت عالم ہستی کا جلوہ دیکھا تھا اور نہ اون بزرگون کا خواب و خیال اس کا ماخذ ہو سکتا ہے جو اپنے آپ کو ملہم من اللہ تصور کرتے تھے بلکہ اس کا مبدا و منشا مہندسانہ تحقیقات اور فطرت کا نظری و عملی تجربہ ہے۔ جس سے بنی نوع انسان پر مستقل بے شمار اور بے بہا برکتین نازل ہوتی ہین۔

وہ دن کبھی نہ آسے گا جبکہ تحریر اقلیدس کی ایک شکل سے بھی کسی کو انکار ہو گا۔ ایراٹاستھنیز کے اس دعوے کی تردید کی کبھی کسی کو مجال نہ ہوگی کہ زمین گول ہے۔ اسکندریہ اور سائیراکیوز مین جو عظیم الشان طبیعی ایجادات و اکتشافات ہو چکے ہین وہ لوح روزگار سے کبھی مٹ نہ سکین گی ہپارکس۔ اپالونیئس بطلیموس اور آرشمیدس کے نام ہر مذہب و ملت کے لوگ اوس وقت تک جب تک کہ انسان کے سر مین دماغ اور منہ مین زبان ہے تعظیم کے ساتھ لیے جائین گے۔

اس طور پر عجائب خانہ اسکندریہ کے بطن سے علوم جدیدہ پیدا ہوے۔ یہ سچ ہے کہ اس عجائب خانہ کے قیام سے مدتون پہلے چین اور مسوپوٹیمیا مین اجرام فلکی کے مشاہدات ہو چکے تھے اور ہندوستان مین فن ریاضی کو ایک حد تک ترقی دی جا چکی تھی لیکن ان ممالک مین سے کسی مین کبھی علمی تحقیقات مین تسلسل اور ربط نہین پایا گیا۔ اور نہ عملی تجربون ہی سے کام لیا گیا۔ یہ فخر موجودہ سائنس کی طرح اسکندروی سائنس ہی کو حاصل ہے کہ اس نے مشاہدہ محض کی حد سے بڑھ کر فطرت کے مطالعہ اور عملی تجربہ کی وادی مین قدم رکھا۔

دوسرا باب

عیسائیت کی ابتدا

شاہی اقتدارات حاصل کرنے کے بعد اس کی قلب ماہیت۔ اس کا تعلق سائنس کے ساتھ

روما کی جمہوری حکومت کی مذہبی حالت۔ جمہوریت کے مبدل بہ حکومت شخصی ہونے سے لوگون کا میلان توحد کی طرف ہوجاتا ہی۔ سلطنت روما مین مذہب عیسوی کی اشاعت۔ عیسائیت کو حکومت جس طریقہ سے ہاتھ آتی ہے اوس کے سیاسی مقتضیات عیسائیت اور بت پرستی کے باہمی اتحاد کو لازمی قرار دیتے ہین۔ عیسائیت کے عقاید اور رسوم کے متعلق ٹرٹلین کا بیان۔ قسطنطین کی حکمت عملی کا مخرب اثر۔ عیسائیت کا اتحاد حکمران جماعت کے ساتھ۔ عیسائیت اور سائنس کا تناقض باہمی کتب خانہ اسکندریہ کی بربادی اور تحصیل فلسفہ کی ممانعت۔ اگسٹائن کے فلسفہ اور پادریون کے علوم کی حقیقت۔ کتب مقدس کو سائنس کا معیار قرار دیا جاتا ہی۔

سیاسی معنون مین عیسائیت وہ ترکہ ہے جو سلطنت رومتہ الکبری نے دنیا کے لیے چھوڑا۔

جب روما نے جمہوری طرز حکومت چھوڑ کر شخصی حکومت کا طریقہ اختیار کیا تو وہ تمام آزاد و خود مختار قومین جو بحر روم کے چارون طرف آباد تھین روما کی مطیع و منقاد ہو چکی تھین۔ اون کا یکے بعد دیگرے مسخر ہونا بجاے اس کے کہ اون کو تباہ کرتا اون کے حق مین موجب سلامتی ثابت ہوا اس لیے کہ وہ ہمیشہ کی لڑائیان جو ان کو ایک دوسرے سے دست و گریبان رکھتی تھین موقوف ہوگئین اور وہ مصیبتین جو ان آئے دن کی خونریز معرکہ آرائیون سے پیدا ہوتی تھین

عالمگیر امن سے مُبدل ہو گئین۔

نہ صرف اپنی فتوحات کی یادگار کے طور پر بلکہ فاتحانہ رعونت کے جذبہ کے اقتضا سے دولت روما نے مفتوح اقوام کے دیوتاؤن کو اپنے پایۂ تخت مین لا بسایا اور اوس روا داری اور سالمت کے ساتھ جس سے بوسے استغنا آتی تھی اوس نے ان سب کی پرستش کو جایز قرار دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اپنے اصلی وطن مین جو غیر محدود اقتدار ہر دیوتا کو اپنی پجاریون پر حاصل تھا وہ اون دیوتاؤن اور دیبیون مین شامل ہونے کی وجہ سے جن کا ایک جم غفیر اوس کی طرح دوسرے ممالک سے لایا گیا تھا عنقا ہو گیا۔ جیسا کہ ہم کو معلوم ہو چکا ہی جغرافیائی اکتشافات اور فلسفیانہ تنقید کی بدولت لوگون کے قدیم مذہبی عقاید مین پہلے ہی بہت کچھ تزلزل واقع ہو چکا تھا۔ رومۃ الکبریٰ کے اس طرز عمل کی بدولت جو رہا سہا اعتقاد تھا اوس کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

تمام ممالک مفتوحہ کے فرمانروا تخت سے اتارے جا چکے تھے اور اون کی جگہ ایک شہنشاہ مسند آرائے حکومت تھا۔ اسی طرح دیوتا بھی سب کے سب معدوم ہو چکے تھے۔ سیاسی اور مذہبی خیالات مین جو تعلق ہمیشہ قایم رہا ہے اوس کے لحاظ سے یہ بات ہرگز قابل تعجب نہ تھی کہ متعدد معبودون کی پرستش کے بجاے ایک معبود سے لو لگانے کا خیال دلون مین گھر کر جائے۔ روما مین بھی ایسا ہی ہوا۔ اول اول شہنشاہ کے مرنے پر اوسے ربانی اعزاز دئے گئے اور رفتہ رفتہ زندہ شہنشاہ خود پجنے لگا۔

جس آسانی سے دیوتا پیدا کر لیے جاتے تھے دلون مین اس کا ایک زبردست اخلاقی اثر پیدا ہوے بغیر نہ رہا۔ جب کوئی نیا دیوتا لوگون کی عقیدت کے سانچہ مین ڈھل کر نکلتا تھا تو پُرانے دیوتا کی لامحالہ تضحیک ہوتی تھی۔ مشرق مین اوتارون نے اور مغرب مین انسانون نے دیوتاؤن کا روپ دہار کر اولمپس کی ربانی آبادی کو بہت جلد جلد بڑہانا شروع کر دیا تھا۔ ایشیا کا اگر یہ قاعدہ تھا کہ دیوتا آسمان سے اتر کر انسانی قالب مین بروزی رنگ کے

اندر ظاہر ہوتے تھے تو یورپ مین انسان زمین سے صعود کرکے آسمان پر چلا جاتا تھا اور دیوتاؤن کے زمرہ مین شریک ہوجاتا تھا۔ روما کے دامن اعتقاد کو تشکک کی جس گرد نے آلودہ کیا وہ یونان سے نہ اٹھی تھی بلکہ کثرت مذاھب کی وجہ سے روما مین خود بد اعتقادی کی خاک اڑنے لگی تھی۔

تعدد سے توحد کی طرف رجوع کرنے مین روما کی آبادی کے تمام طبقون نے یکسان سرعت کے ساتھ کام نہین لیا۔ تجار قانون دان اور سپاہی جو اپنے مشاغل کی نوعیت کے لحاظ سے سرد وگرم زمانہ کا زیادہ تجربہ رکھتے ہین اور دماغی قابلیت سے بھی نسبتہً زیادہ بہرہ اندوز ہوتے ہین سب سے پہلے متاثر ہوے۔ ان کے بعد کاشتکارون اور مزدوری پیشہ لوگون کی باری آئی۔

جب جنگی قوت اور سیاسی اثر کے لحاظ سے سلطنت روما منتہا سے ترقی پر فائز ہوگئی تو مذھبی اور عمرانی پہلو سے اس کی اخلاقی حالت فساد کے درجہ اخیر کو پہنچ چکی تھی۔ اہل روما کی عیش پرستی وعشرت پسندی کی کوئی انتہا نہ رہی تھی۔ اون کا اصول یہ تھا کہ انسان کو چاہیے کہ زندگی کو ایک سلسلۃ العیش بنادے۔ پاکبازی حظ نفس کے نوان نعمت پر بمنزلہ نمکدان ہے اور اعتدال سلسلہ حظ نفس کی درازی کا محض ایک ذریعہ ہے۔ اون کے دسترخوان سونے چاندی کے باسنون سے جن پر جواہرات کی پچی کاری ہوتی تھی جھلکتے ہوے نظر آتے تھے۔ اون کے ملازم زرق برق کی پوشاکین پہنے اون کی خدمت کے لیے کمر بستہ کھڑے رہتے تھے۔ ماہرویان روما جو عام طور پر عصمت کی طلائی زنجیر کی قید سے آزاد تھین اون کی مستی انگیز صحبتون کا لطف دوبالا کرنے کے لیے موجود رہتی تھین۔ عالیشان حمامون دلکش تماشاگاہون اور جوش آفرین دنگلون سے جن مین پہلوان کبھی ایک دوسرے سے اور کبھی وحشی درندون سے اوس وقت تک مصروف زور آزمائی رہتے تھے جب تک کہ حریفون مین سے ایک ہمیشہ کے لیے خاک وخون مین سوجائے اہل روما کے سامان

تعیش پر مزید اضافہ ہوتا تھا۔ دنیا کے ان فاتحون کو تجربہ کے بعد یہ بات معلوم ہوئی تھی کہ عبادت اور پرستش کے لایق اگر کوئی شے ہے تو وہ قوت ہے۔ اس لیے کہ اسی قوت کی بدولت تمام اوس سرمایہ کا حاصل کرنا ممکن ہے جو محنت اور تجارت کی مسلسل جانکاہیون اور عرقریزیون سے پیدا ہوا ہے۔ مال واملاک کی ضبطی۔ صوبجات کے محاصل کی تشخیص زور بازو کی بدولت جنگ مین کامیاب ہونے کا نتیجہ ہے اور فرمانروائے دولت رؔوما اس زدر وقوت کا نشان یا علامت ہے۔ غرض رؔوما کے نظام تمدن مین جاہ وجلال کی ایک جھلک تو نظر آتی تھی لیکن یہ جھلک اوس نمایشی ملمع کی چمک کے مشابہ تھی جو یونانِ عہد قدیم کی تہذیب پر چڑھ گیا تھا۔

اس زمانہ مین جسکا ہم ذکر کر رہے ہین دولت رؔوما کے ایک مشرقی صوبہ یعنی شؔام مین طبقۂ ادنیٰ کے چند بے بضاعت لوگون نے ایک مذہبی برادری قایم [illegible] کی تھی جس کا مقصد یہ تھا کہ ابنائے جنس کے ساتھ نیکی کا سلوک کیا جائے۔ ان لوگون کے [illegible]ول ہمہ گیر اخوت کے اوس جذبہ سے توافق کلی رکھتے تھے جسکا پیوند ممالک مفتوحہ کے الحاق وانضمام نے اخلاق کی شاخ مین لگایا تھا۔ یہ اصول حضرت عیسیٰؑ ابن مریم کی تلقینات سے تھے۔

اس زمانہ مین بنی اسرائیل کا بعض روایات کی بنا پر یہ عقیدہ تھا کہ اون کی قوم مین سے ایک نجات دہندہ پیدا ہوگا جو اون کے گذرے ہوے جاہ وجلال اور کھوئی ہوئی عظمت وتوقیر کے احیا ورجعت کا باعث ہوگا۔ حضرت عیسیٰ کے شاگرد تو اونہین وہ مسیح موعود سمجھ کر اون پر ایمان لے آئے جس کے ظہور کی بشارت بزمانہ سابق دی جاچکی تھی لیکن یہودی کاہنون نے یہ دیکھ کر کہ جناب مسیحؑ کی تعلیم اون کی اغراض کے منافی ہے اون کی شکایت رومی گورنر سے کردی جس نے کاہنون کی رضامندی مقدم سمجھ کر اونہین بہ تامل بسیار موت کے حوالہ کیا۔

جناب مسیحؑ کی فیاضانہ تعلیم جس مین انسانی اخوت کا نکتہ مضمر تھا اس واقعہ کے بعد بھی

زندہ رہی - حواریان مسیح نے منتشر ہونے کے بجاے اپنا ایک جتھا قایم کرلیا۔ اصول مساوات جایداد کی بنا پر اس برادری کا ہر رکن جایداد مشترکہ مین اپنا اپنا سرمایہ اور آمدنی شریک کردیتا تھا۔ اس طور پر جماعت مسیحی کی بیواؤن اور یتیمون کی پرورش اور مفلسون اور مریضون کی نگہداشت ہونے لگی۔ اس ایچ میرزوکس سپرس جماعت نے رفتہ رفتہ ترقی کرکے ایک نئی اور جیساکہ واقعات نے آگے چل کر ثابت کردیا ایک زبردست جماعت کی شکل اختیار کرلی جس کا نام کلیسا تھا۔ کلیسا کو نئی تحریک تو اس لیے کہنا چاہیے کہ اس قسم کی کوئی جماعت اس سے پہلے وجود مین نہ آئی تھی اور زبردست اس لیے کہ مقامی کلیساؤن نے جو اول اول منتشر و منفرد تھے اپنی مشترکہ اغراض کے تحفظ کے خیال سے اجتماعی تدابیر اختیار کرنی شروع کین اور ان سب کے باہمی اجتماع سے ایک کلیسا پیدا ہوگیا۔ اسی اجتماع کی بدولت عیسائیت کو تمام سیاسی فتوحات میسر ہوئین۔

جیساکہ ہم اوپر بیان کرآے ہین روما کے جنگی تسلط کی وجہ سے عالمگیر امن قایم ہوچکا تھا اور اقوام مفتوحہ مین برادرانہ ارتباط کے خیالات پیدا ہوگئے تھے۔ لہذا سلطنت کے طول و عرض مین جدید تحریک یعنی مسیحی تعلیم کی سریع السیر اشاعت کے لیے رستہ صاف تھا۔ یہ تحریک ارض شام سے شروع ہوئی اور تمام ایشیاے کوچک مین پھیلتی ہوئی قبرس یونان اور اٹلی مین جا پہنچی اور بالآخر وہان سے مغرب کی طرف بڑھتی ہوئی فرانس اور برطانیہ پر مسلط ہوگئی۔

مسیحیت کے اعلا مین اون منادون نے بہت بڑا حصہ لیا جو ہر طرف اس دین کی منادی کرتے پھرتے تھے۔ اور یہ وہ طریقہ تھا جس سے فلسفہ کے قدیم مذاہب کے پیرؤن نے کبھی فایدہ نہ اٹھایا تھا۔

اس نئے مذہب کی حدبندی مین سیاسی حالتین ایک بڑے درجہ تک معین ہوئین۔ چنانچہ آخرالامر عیسائیت اون تمام ممالک مین پھیل گئی جن پر رومی پھریرا اڑتا تھا۔ اور بجا ئم

یورشلیم کے جس کے شہید مسیح ہوئے مین کلام نہین تو جہان پطرس کا وفات یا نا مشتبہ ہے مذہبی پایہ تخت ہوگیا۔ لیکن باوجود اون متبرک و مقدس یادگارون کے جو جتیمین اور کیلوری کے ساتھ وابستہ ہین بہتر یہی تھا کہ عیسائیت کا پرچم سات پہاڑیون والے شہنشاہی دارالامارہ پر لہراتا ہوا نظر آئے۔

سالہا سال تک مذہب عیسوی صرف تین اصولون کی تلقین کرتا رہا یعنی حق اللہ حق الذات اور حق العباد۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو چاہیئے کہ خدائے بزرگ و برتر کی تعظیم و تکریم کرے۔ ذاتی طور پر نیک اور پاکباز ہو اور اپنے ابنائے جنس کے ساتھ بھلائی کرے۔ اول اول جب یہ مذہب کمزور تھا تو اس نے لوگون کو نرمی اور انکسار کے ساتھ دعوت دی لیکن جب مسیحی جماعت تعداد اور اثر کے لحاظ سے غالب ہو چلی تو اوس مین سیاسی شان نمودار ہوئی اور حکومت کے اندر حکومت اور سلطنت کے اندر سلطنت قایم کرنے کا رجحان اوس مین پایا جانے لگا۔ چنانچہ یہ رجحان اوس وقت سے لے کر اب تک برابر قایم ہاہی اور حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کا میلان اوس کے نشو و نما کا لازمی نتیجہ ہے۔ فرمانروایان روما نے اوس کی اس اپج کو اپنی نظم و نسق سلطنت کی راہ مین مزاحم پاکر اوس کا سد باب جنگی قوت سے کرنا چاہا۔ اور ایسا کرنے مین اونہون نے اپنے اون فوجی اصولون کو پیش نظر رکھا جن کی روسے شہنشاہانہ تفوق کے برقرار رکھنے کا ذریعہ بجز دباؤ کے اور کچھ نہ تھا۔

سنہ ۳۰۲-۳ء کے موسم سرما مین بعض پلٹنون کے عیسائی سپاہیون نے اون مذہبی رسوم مین شریک ہونے سے انکار کر دیا جو دیوتاؤن کی پوجا کرنے اور اونھین بھینٹ دینے کے لیے قدیم سے چلی آتی تھین۔ یہ بغاوت اس سرعت کے ساتھ پھیلی اور حالت ایسی نازک ہوگئی کہ قیصر ڈایوکلیشن کو مجبوراً ایک مجلس شوریٰ اس غرض سے منعقد کرنی پڑی کہ اس موقع پر کیا تدابیر اختیار کرنی چاہئین۔ جو مشکلات پیدا ہوگئین تھین اون کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ قیصر کی ملکہ اور اوس کی بیٹی دونون کی دونون مسیحی المذہب تھین۔ قیصر

ایک نہایت بیدار مغز اور فرزانہ و دوربین شخص تھا۔ وہ جانتا تھا کہ نئی جماعت کے زور کو توڑنا جس کے بغیر چارہ نہین ایک سیاسی ضرورت ہے لیکن پھر بھی جب اوس نے فرمان انطفائے بغاوت جاری کیا تو یہ صراحت کر دی کہ خونریزی سے احتراز کیا جائے۔ لیکن ایک غیظ آلود انبوہ کے جوش وخروش کو کون روک سکتا ہے۔ نکومیڈیا کے گرجے کی اینٹ سے اینٹ بج گئی۔ اس کا جواب مسیحی جماعت نے یہ دیا کہ قیصر کے محل کو آگ لگا دی ایک شاہی فرمان کی علانیہ توہین کی اور اوسے پرزے پرزے کر ڈالا مسیحی افسران فوج ملازمت سے برطرف کئے گئے۔ قتل عام کی نوبت پہنچ گئی۔ ہر طرف خون کی ندیان بہنے لگین۔ واقعات کی سیل جرار کا بہاؤ اس قدر زبردست تھا کہ قیصر بھی اوس کی روک تھام نہ کر سکا۔

اب یہ بات روز روشن کی طرح آشکارا ہو گئی کہ عیسائی گروہ نے جو سلطنت کا ایک رکن اعظم ہے اون سفاکانہ مظالم کی وجہ سے جوش مین آکر جو اوس پر روا رکھے گئے تھے عزم بالجزم کر لیا ہے کہ اب ان سختیون کو برداشت نہ کرے گا۔ ڈایوکلیشن نے ۳۰۵ء مین اپنی مرضی سے تخت چھوڑ دیا۔ قسطنطین نے جو تخت وتاج کے سابقین مین سے تھا از راہ غایت مآل اندیشی علی الاعلان مسیحیت کی حمایت کا اعلان کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر حصہ مین مرد عورت بچے بوڑھے اوس کی جان نثاری اور ہوا خواہی کا دم بھرنے لگے اور اوس کی خاطر لڑنے مرنے کے لیے مستعد ہو گئے۔ اس کے علاوہ شاہی افواج مین جو مسیحی بہ تعداد کثیر موجود تھے وہ اوس کی جانبازانہ متابعت کے لیے تیار ہو گئے۔ ملویا کے پل کے قریب ایک بہت بڑی جنگ ہوئی جس مین اوسے کامل فتح حاصل ہوئی اور اوس کے تمام منصوبے بار آور ہو گئے۔ پہلے میکسمن اور اوس کے بعد لائسینیس کی موت نے اون تمام رکاوٹون کو جو اوس کی راہ مین حایل تھین دور کر دیا۔ اور اولین مسیحی فرمانروا ہونے کی حیثیت سے اوس نے قیاصرہ کے تخت پر قدم رکھا۔

فاتح اور کامیاب جماعت کے ساتھ اب جو کوئی شریک ہوا اوسے بڑے بڑے عہدے

اور مرتبے ملنے لگے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا دار لوگ جنہین مذہب کی خس برابر بھی پروا نہ تھی مسیحیت کے سب سے زیادہ جوشیلے حامی ہوگئے۔ چونکہ وہ بظاہر عیسائی لیکن بہ باطن مشرک و بت پرست تھے لہذا اون کے اثر کی وجہ سے عیسائیت مین بت پرستی و شرک کے عناصر کی آمیزش شروع ہوگئی۔ قسطنطین نے کہ وہ بھی انہین کا ہم مشرب تھا کوئی ایسا طریقہ اختیار نہ کیا جس سے اون کے اس منافقانہ طرز عمل کا سد باب ہو۔ قسطنطین کی ساری عمر سیاہ کاریون مین گذری اور کہین آخری وقت (سنہ ۳۳۷ء) مین جا کر اوس نے اون مذہبی مراسم کی پابندی کی جن پر عمل کرنے کی کلیسا ہدایت کرتا ہے۔

اون ترمیمات کا صحیح اندازہ کرنے کے لیے جو مذہب عیسوی مین بیرونی عناصر کی آمیزش کی وجہ سے پیدا ہو کر آج کے دن تک قایم ہین اور جن کی بدولت اس مذہب کو سائنس کے ساتھ دست و گریبان ہونا پڑا ہے ہمین معلوم ہونا چاہیے کہ اوس زمانہ مین جب اس دین کا چشمہ گدلا نہ ہوا تھا اس کی کیا حالت تھی۔ حسن اتفاق سے یہ کیفیت ہمین ٹرٹلین کی اوس تحریر سے بہم پہنچتی ہے جو اوس نے قیصر سیویرس کے زمانہ مین جبکہ عیسائیون پر طرح طرح کے ظلم ہو رہے تھے حکام روما تلبند کی تھی۔ یہ تحریر جس مین عیسائیون کی طرف سے اون الزامات کا جواب دیا گیا ہے جو اون پر غیر مسیحیون نے لگائے تھے قیصر کے نام نہین ہے بلکہ اس کا روے سخن اون حکام عدالت کی طرف ہے جو ملزمین کے مقدمات کی دریافت کی غرض سے مامور ہوتے تھے۔ اس مین نہایت سلیقہ اور متانت کے ساتھ اون تمام دلایل و واقعات کا استقصا کیا گیا ہے جو راقم عیسائیت کی تائید مین پیش کرسکتا تھا اور تمام دنیا کو مسیحی عقاید اور مسیحیون کی حالت سے روشناس کیا گیا ہے۔ وہ سختی و خشونت جو پادریون کے طرز خطاب کے ساتھ لازم و ملزوم ہے اس مین نام کو نہین پائی جاتی بلکہ ہر ہر سطر سے تاریخی متانت و ثقاہت ٹپک رہی ہے۔ عہد قدیم کی مسیحی تصانیف مین جو درجہ اس تحریر کو حاصل ہے کسی اور تصنیف کو میسر نہین ہوا۔ ٹرٹلین کی اس تحریر کا زمانہ

سنہ ۱۹۷ء ہے۔

ٹرٹلین اپنا بیان صفائی نہایت قابلیت سے شروع کرتا ہے۔ وہ حکام عدالت سے مخاطب ہوکر کہتا ہے کہ مسیحیت دنیا مین نئی نئی آئی ہے اور اوس ملک مین جو اوس کا اصلی وطن نہین ہے اگر اوسے دشمنون سے سابقہ پڑے تو اس مین کوئی اچنبھے کی بات نہین۔ اوس کی استدعا صرف اسی قدر ہے کہ روما کے مجسٹریٹ اوسے برارت کا موقع دین اور اوس کا بیان سماعت کیئے بغیر اوس کے خلاف تجویز صادر نہ کرین۔ اگر اوسے ایسا موقع دیا گیا تو سلطنت کے قوانین آفتاب و ماہتاب بن کر چمکین گے لیکن اگر اوسے اپنی برارت مین زبان ہلانے کی اجازت نہ دی گئی تو اوس انصاف کی اغراض پوری نہ ہون گی جس کے لحاظ سے رومتہ الکبریٰ شہرہ آفاق ہے۔ کسی شئے سے خواہ وہ فی الحقیقت نفرت ہی کے قابل کیون نہ ہو ایسی حالت مین نفرت کرنا جبکہ ہم کو اوس کے متعلق کچھ علم نہ ہو خلاف شیوہ معدلت ہے۔ روما کے قوانین کا تعلق اون افعال سے ہے جو اشخاص سے سرزد ہون نہ کہ اشخاص کے اسما سے۔ لیکن افسوس ہے کہ بااین ہمہ بعض اشخاص روما کی عدالتون مین سزایاب ہوسے ہین نہ اس لیے کہ اون سے کوئی جرم سرزد ہوا تھا بلکہ اس لیے کہ وہ مسیحی کہلاتے تھے۔

اس کے بعد وہ مسیحیت کی ابتدا۔ اس کی ماہئیت اور اس کے اثرات کا ذکر کرتے ہوے بتاتا ہے کہ اس کی بنا عبری اناجیل پر ہے جو سب کتب سے زیادہ متبرک اور قدیم ہین۔ اور اس مسئلہ کے متعلق مجسٹریٹون سے اس طرح خطاب کرتا ہے:۔ صحف موسیٰ جن مین خدا نے یہودی اور اس لحاظ سے عیسائی مذھب کو ایک بیش بہا خزانہ کی طرح محفوظ کیا ہے آپ لوگون کی قدیم ترین کتب بلکہ آپ کی سرکاری عمارات آپ کی قایم کی ہوئی حکومت آپ کے بڑے بڑے شہرون آپ کے تاریخی کارنامون آپ کی زبانی یادگارون اور آپ کی اوس ابجد کے حروف کی ایجاد سے بھی زیادہ قدیم ہین جو علوم وفنون کی مُوَوِّل اور عجائبات قدرت کی محافظ ہے۔ بلکہ مین اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر یہ کہہ سکتا ہون کہ وہ صحایف

آپ کے دیوتاؤن آپ کے مندرون آپ کے غیب گو کاہنون اور آپ کی رب النوعی
قربانیون سے بھی عمر مین زیادہ ہین ان صحایف کی تنزیل کا زمانہ محاصرہ ٹرائے سے ایک
ہزار سال اور ہومر سے پندرہ سو سال پہلے کا ہے - زمانہ راستی کا حلیف ہے اور ارباب
فہم وتمیز بجز اون باتون کے جو متحقق اور مسلم ہون اور جن کی تصدیق زمانہ کرچکا ہو اور کسی بات کو
نہین مانتے - ان صحف مقدسہ کی صحت کا سب سے بڑا انحصار اون کی غیر معمولی قدامت
پر ہے - سلسلہ بطلیموسیہ کے سب سے زیادہ فاضل فرمانروا فلیڈلفس نے جس کی اکملیت
مسلم الثبوت ہے ڈیمٹرئس فایرئس کے مشورہ سے ایک نسخہ ان کتب سماوی کا بہم پہنچایا
تھا جو اب تک اوس کے کتب خانہ مین موجود ہے - ان کتب کے سماوی الاصل ہونے کا
ثبوت یہ ہے کہ جو کچھ ہمارے زمانہ مین ہو رہا ہے وہ پہلے سے ان مین مذکور ہے اور جو
واقعات انسان کو ان کے نازل ہونے کے بعد سے پیش آئے ہین وہ سب ان مین
مندرج ہین -

کیا کسی پیشین گوئی کا پورا ہونا اوس کی سچائی کی دلیل نہین ہے ؟ اون واقعات نے
جو پیش آچکے ہین جب اون پیشین گوئیون کی سچائی پر مہر لگادی ہے جو ان کے
متعلق قبل از قبل کی گئی تھین تو کیا اون واقعات کو صحیح تسلیم کرنے کے لیے جنکے وقوع کے
متعلق دوسری پیشین گوئیان اسی قبیل کی موجود ہین ہم مورد الزام قرار دئے جاسکتے ہین؟
پس چونکہ ہم اون باتون پر ایمان لائے ہین جنکے متعلق اناجیل مین پیشین گوئی کی جاچکی ہے
اور جو پیشین گوئی کے مطابق ظہور مین آئین لہذا ضرور ہے کہ ہم دوسری باتون پر بھی ایمان
لائین جو ابھی ظہور مین نہین آئین لیکن اون کے متعلق اونہین اناجیل مین دوسری
پیشین گوئیان موجود ہین -

اناجیل مقدسہ کی تعلیم یہ ہے کہ خدا ایک ہے جس نے کائنات کو عدم سے پیدا کیا
اور جو اگرچہ ہر روز منظر آتا ہے لیکن پھر بھی آنکھون سے نہان ہے - اوس کی غیر محدودیت

کا حال بجز اوس کے اور کسی کو معلوم نہین - اوس کی بے انتہا بڑائی نے اوسے چھپا رکھا ہی لیکن ساتھ ہی ظاہر بھی کر رکھا ہے - اوس نے انسان کے اعمال حسنہ وسئیہ کے لحاظ سے جزا و سزا مقرر کی ہے - یوم نشور کے دن تمام وہ انسان جو آفرینش کائنات سے اوس کے خاتمہ تک پیدا ہو کر مر چکے ہین اوس کے حکم سے دوبارہ زندہ ہون گے اور اپنے دنیوی قالب اختیار کرین گے - اس کے بعد وہ اون کے اعمال کی جانچ کرے گا اور جو نیک ہون گے اونہین تو لذت جاودانی عطا فرمائے گا اور جو بد ہون گے اونہین ابدی شعلون مین جھونک دے گا - دوزخ کی آگ سے مراد وہ چھپے ہوے شعلے ہین جو قعر زمین مین بھڑک رہے ہین - زمانہ گذشتہ مین وہ منادون یا پیغمبرون کو اخلاق و روحانیت کی تعلیم کے لیے مامور کر چکا ہے - اس قدیم زمانہ کے پیغمبر یہودیون کی قوم مین پیدا ہوئے اور اونہون نے غیب کی آواز بنی اسرائیل تک پہنچائی جنہون نے اس آواز کو بشکل اناجیل قلمبند کر لیا - ہم پر یہ الزام لگایا جاتا ہی کہ ہم ایک انسان کی پرستش کرتے ہین بنی اسرائیل کے خدا کی عبادت نہین کرتے - لیکن حقیقت مین ایسا نہین ہی ہمارے دلون مین جناب مسیح کی طرف سے جو ارادت وعقیدت جاگزین ہے اوس سے خدا کی اوس عظمت مین جس کا ہمین اعتراف ہے کوئی فرق نہین آتا -

ان بزرگان دین کی برگزیدگی کی وجہ سے یہودیون پر خدا نے اپنے خاص احسانات او برکتین نازل کین - اور اون کو شرف ہم کلامی عطا کیا - تائید ایزدی سے وہ مراتب جلیلہ پر فایز ہوے - لیکن خبث نفس کے باعث یہ سرکش قوم خدا کو بھول گئی اور اوس کے قوانین پر ہجس پرستی کو ترجیح دینے لگی - اس پر خدا نے اونہین متنبہ کیا کہ اگر تم باز نہ آؤ گے تو مین تم سے زیادہ وفادار اور اطاعت شعار بندون کو اپنی رحمتون کا شرف بخشون گا لیکن جب اون کے تمرد نے اس انتباہ کو بھی نظر انداز کیا تو خدا نے اون کو اون کے وطن سے خارج کر دیا اور وہ دشت غربت مین سرگشتہ و سراسیمہ بھٹکنے لگے - آج وہ تتر بتر ہو کر تمام عالم مین پھیلے ہوے ہین - اون کے نصیبون مین ذلت وخواری ہے - وہ دربدر مارے مارے پھرتے ہین

اوس ہوا سے اون کے مشام ناآشنا ہین جس کے جھونکون نے اون کے گہوارون کو جھلایا تھا۔
اوس زمین کو اون کی آنکھین ترس گئی ہین جہان اونہون نے اول اول عالم ہستی کا تماشا دیکھا
تھا۔ اب اون کا سرپرست نہ خدا ہے نہ انسان۔ خدا نے جس بات کی اونہین دھمکی دی تھی
وہ پوری کر کے دکھا دی۔ اوس نے دنیا کے دوسرے ممالک اور دوسری اقوام سے ایسے
بندون کا انتخاب کیا جو اون کے مقابلہ مین زیادہ وفادار تھے۔ اپنے پیغمبرون کے ذریعہ
سے اوس نے یہ بشارت دی تھی کہ ان نئے بندون پر اوس کی خاص رحمتون کا نزول ہوگا
اور اون مین ایک مسیحا پیدا ہوگا جو اون مین ایک نئی شریعت کی اشاعت کرے گا۔ یہ مسیحا
جناب عیسیٰ تھے جو خدا بھی ہین اس لیے کہ جس طرح ایک شمع سے دوسری شمع جلتی ہے اسی طرح
ایک خدا سے دوسرا خدا پیدا ہو سکتا ہے۔ خدا اور اوس کا بیٹا متحد الوجود ہین۔ روشنی دونون
شمعون کی ایک ہی ہے۔

کتب مقدسہ مین مذکور ہے کہ ابن اللہ کا ظہور دنیا مین دو مرتبہ ہوگا۔ پہلی مرتبہ بحالت
عجز وانکسار۔ دوسری مرتبہ محشر کے روز جاہ وجلال کے ساتھ۔ یہودیون کو یہ کل باتین اون کی
پیغمبر پیشتر سے جتلا چکے تھے لیکن اون کے گناہون کی تاریکی اون کی آنکھون پر کچھ ایسی چھا گئی
تھی کہ جب وہ پہلی مرتبہ آیا تو اونہون نے اوسے بالکل نہ پہچانا اور اس وقت تک اوس کی آمد
آمد کا فضول انتظار کر رہے ہین۔ وہ یہی کہتے رہے کہ مسیح کے معجزے آسمانی نشان نہ تھے
بلکہ جادو کے کرشمے تھے۔ علماے مذہب اور پیشوایان دین اوس کو حسد کی نظر سے دیکھنے
لگے اور حاکم وقت پایلیٹ کے دربار مین جا کر اوس پر طرح طرح کے بہتان باندھے۔
اوس کو صلیب پر چڑھایا گیا اور جب اوس کا دم نکل گیا اور وہ زمین مین دفن کر دیا گیا تو
تین دن کے بعد وہ قبر سے اٹھا اور چالیس دن تک اپنے حواریون مین رہا۔ اس کے بعد وہ
بادل مین لپٹا ہوا سیدھا آسمان کو چلا گیا اور یہ وہ واقعہ ہے جس کی شہادت رومیولس یا
کسی اور رومی بادشاہ کی معراج کی انسانی شہادت سے بدرجہا زیادہ معتبر ہے۔

اس کے بعد ٹرٹلین نے شیطان اور اوس کے گروہ کثیر الانفار کی تکوین اور ماہیئت بیان کی ہے اور کہا ہے کہ شیاطین اپنے فرمانروا ابلیس کے حکم سے طرح طرح کی بیماریان- تغیرات ہوا- امراض وبائی اور پیداوار ارضی کی تباہی کے بانی ہوتے ہین- انہین کے ورغلانے سے انسان بتون کو بھینٹ دیتا ہے تاکہ انہین قربانیون کا خون جوان کی غذا ہے چوسنے کو ملے- شیاطین پرندون کی طرح سبک سیر ہوتے ہین اس لیے ربع مسکون مین جو واقعات گذرتے ہین سب ان کو معلوم ہوجاتے ہین اور چونکہ اون کی بود و باش ہوا مین ہے لہذا اون کو عرش کے حالات بھی معلوم ہوتے رہتے ہین- یہی وجہ ہے کہ وہ انسان کو دہوکا دے کر غلط باتین باور کرا دیتے ہین اور غیب گوئی بھی کرتے ہین جو انسان کو گمراہ کرتی ہے- مثلاً روما مین شیاطین نے اس واقعہ کا اعلان کیا کہ شاہ پرسیوس پر رومی فوجون کو فتح حاصل ہوگی لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ پیشین گوئی اوس وقت کی گئی جب کہ فتح کی خبر اون کو مل چکی تھی- وہ بیمارون کو جھوٹ موٹ اچھا بھی کردیتے ہین اور وہ اس طرح کہ اول تو کسی شخص کے جسم مین حلول کرتے ہین جس کی وجہ سے وہ بیمار ہوجاتا ہے اور اوس کے بعد کوئی نسخہ تجویز کرکے اوس کو ستانا چھوڑ دیتے ہین اور آسیب زدہ کو یہ خیال ہوتا ہے کہ اوسے دائمی شفا ہوگئی-

اگرچہ عیسائی شہنشاہ کو خدا نہین مانتے مگر پھر بھی وہ اوس کی ترقی دولت و اقبال کے لیے ہمیشہ دست بدعا رہتے ہین اس لیئے کہ وہ عظیم تہلکہ جو دنیا مین پڑنے والا ہے اور وہ بلائے مبرم جس سے نظام عالم کا شیرازہ بکھرنے کا خوف ہے اوسی وقت تک رُکی ہوئی ہے جب تک کہ یہ سلطنت قوی شوکت قایم ہے- عیسائیون کی یہ دعا ہے کہ خدا اون کو دنیا کا یہ ہولناک خاتمہ نہ دکھائے- وہ فقط ایک جمہوری سلسلہ کے قایل ہین لیکن یہ سلسلہ تمام عالم کو محیط ہے- اون کی ایک برادری ہے- وہ ایک خدا کی پرستش کرتے ہین اور نجات اخروی کے امیدوار ہین- وہ صرف شہنشاہ اور حکام ہی کے لیے نہین بلکہ قیام امن کے لیے

بھی دعا کرتے ہین - وہ اپنی کتب مقدسہ کو اس غرض سے پڑھتی ہین کہ اون کے ایمان مین استواری
اون کی اُمیدون مین وسعت اور اوس بھروسے مین استحکام پیدا ہو جو اونہین خدا کی ذات
پر ہے - اون کی مجلسین افہام و تفہیم کی غرض سے منعقد ہوتی ہین - وہ بدکردارون کو اپنی جماعت
سے خارج کر دیتے ہین اور اون کے پیشوایان دین اون کی افراد کی راے سے منتخب
ہوتے ہین جنہین انکا اتفاقاً کرنا ہوتا ہے - ہر مہینہ کے ختم پر ہر جماعت کے ہر شخص کو اختیار ہے
کہ اپنی مقدرت کے موافق کچھ رقم بطور چندہ دے لیکن چندہ دینے پر کسی کو مجبور نہین کیا جاتا -
جو رقم اس طور پر جمع ہوتی ہے وہ گویا چندہ دینے والون کے زہد و اتقا کی امانت ہے
یعنی اپنے نفس کی آسایش پر صرف نہین کی جاتی بلکہ مساکین کی پرورش اور تجہیز و تکفین بیکس
اور نادار یتیم بچون کی خبرگیری ضعیف العمر خادمان دین کی امداد اور اون لوگون کی اعانت مین
اُٹھائی جاتی ہے جنکے جہاز تباہی مین آگئے ہون یا جن کو دین حقہ پر ثابت قدم رہنے کی وجہ
سے جلاوطنی یا قید یا کانون مین مزدوری کرنے کی سزا دی گئی ہو - عیسائیون مین بجز اون کی
بیبیون کے اور کل مال و متاع مشترک الاستعمال ہے - نہ تو وہ اس حرص سے پیٹ بھرتے
ہین کہ گویا کل ہی مرجائین گے اور نہ عمارتین ایسی عالیشان بناتے ہین جس سے یہ معلوم ہو کہ
قیامت کے بورئے لپیٹین گے - اون کی زندگی کا مقصد پاکبازی انصاف صبر اعتدال
اور عصمت ہے -

ٹرٹلین نے جہان اپنے زمانہ کے مسیحی عقاید اور روش زندگی کی یہ دلپذیر تصویر
کھینچی ہے وہان حکام عدالت کو ایک عظیم الشان واقعہ کے متعلق جو عنقریب پیش آنے والا
تھا ان الفاظ مین بے دھڑک دھمکی بھی دی ہے :- اگرچہ ہماری جماعت کے قیام کو کچھ زیادہ
عرصہ نہین ہوا لیکن وہ کونسا مقام ہے جہان ہم موجود نہین - شہر - قلعے - جزیرے - صوبے
انجمنین شہر کے گلی کوچے - شاہی محلات - وکلاے جمہور کے اجلاس - فوجی بارکین غرض ہر
اوس مقام پر جو آپ لوگون کی قوت کی خارجی علامت ہے ہم لوگ برابر پائے جاتے ہین -

بجز آپ کے سندردن کے ہم نے آپ کے قبضہ مین اور کوئی شے نہین چھوڑی غور کیجیے کہ اگر ہم چاہین تو جنگ کا کیسا طوفان عظیم بپا کر سکتے ہین۔ اگر ہم کو ہمارا مذہب جس کی تعلیم یہ ہے کہ مارنے سے مارا جانا بہتر ہے نہ روکے ہوے ہو تو کس سرعت اور مستعدی سے ہم مسلح ہو کر آپ کے خلاف معرکہ آرا ہو سکتے ہین۔

اپنا بیان صفائی ختم کرنے سے پیشتر ٹرٹلین نے اوس دعوے کا از سر نو ذکر کیا ہے جس پر ازمنہ مابعد مین عملدر آمد ہونے سے یورپ کی علمی ترقیون پر ایک بہت بڑا اثر پڑا۔ اوس کا دعوی یہ ہے کہ کتب مقدسہ کو وہ گنج شائیگان سمجھنا چاہیے جس سے دنیا نے علوم و فنون اور دانش و حکمت کے موتی اور جواہر ریزے حاصل کیے ہین۔ اگر کسی حکیم نے فلسفہ کا کوئی نکتہ بیان کیا ہے تو انہین صحف کے اسرار حکمیہ سے فیض پا کر اور اگر کسی شاعر کو کوئی اچھوتا مضمون ہاتھ آیا ہے تو انہین مقدس کتابون کی تخییل آفرینی کی بدولت۔ غرض اوس نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ عہود جدید و عتیق صدق و حقیقت کا معیار مطلق ہین اور جو مسئلہ ان کے اصول کے مطابق نہ ہو وہ لامحالہ غلط ہے۔

ٹرٹلین کی اس فاضلانہ تحریر سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ جب عیسائیت معاندین و مخالفین کے ظلم و ستم کا تختہ مشق بنی ہوئی زندہ رہنے کے لیئے ہاتھ پاؤن مار رہی تھی تو اوس وقت اوس کی کیا حالت تھی۔ اب ہمین یہ دیکھنا چاہیئے کہ شہنشاہانہ اقتدارات حاصل کرنے کے بعد اس مین کیا تبدیلی پیدا ہو گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ سیویرس کے زمانہ کی عیسائیت اور قسطنطین کے زمانہ کی عیسائیت مین زمین آسمان کا فرق ہے۔

بُت پرستی اور مذہب عیسوی کے مخلوط ہو جانے کے دو بڑے اسباب تھے۔ اول نئے خاندان شاہی کی ملکی مصلحتین اور سیاسی ضرورتین۔ دوم وہ طرز عمل جو نئے مذہب نے اپنی اشاعت کے لیئے اختیار کیا۔

(۱) اگرچہ عیسائی جماعت اس قدر قوی ہو چکی تھی کہ جس شخص کو اوس نے اپنی گون کا سمجھا

اوسے تخت پر بٹھا دیا لیکن یہ قدرت اوسے پھر بھی نہ حاصل ہوئی تھی کہ اپنے حریف یعنی بت پرستی کا استیصال کلی کرسکے۔ دونون کی باہمی کشمکش کا یہ نتیجہ ہوا کہ دونون کے اصول شیر وشکر ہوگئے اور ایک نیا مذہب پیدا ہوگیا جس مین بت پرستی وعیسائیت دونون کی شانین پہلو بہ پہلو جلوہ گر تھین۔ عیسائیت اور اسلام مین اس بارہ مین یہ بڑا فرق ہی کہ اسلام نے اپنے مد مقابل کو مطلقاً نیست ونابود کردیا اور اپنے عقاید کو بلا کسی آمیزش کے شایع کیا۔

قسطنطین کا طرز عمل ہمیشہ اوس کے اس عندیہ کی شہادت دیتا رہا کہ وہ اپنی رعایا کے کل طبقون کو ایک آنکھ سے دیکھنا چاہتا ہے فریق کامیابی کی وکالت کو اپنی فرمانروائی کا اصول نہین قرار دینا چاہتا۔ پس جہان اوس نے گرجا تعمیر کیے بت پرستون کے لیے مندر بھی بنوا دیے۔ اگر پادریون کی سرگوشیون پر کان دھرا تو بت پرست کاہنون سے بھی مشورہ کیا۔ نایسیا[1] کی مسیحی کونسل[2] منعقد کی تو دولت کے بت پر بھی چڑھاوے چڑھائے۔ اصطباغ کی رسم کو قبول کیا تو ایک تمغہ بھی مسکوک کرایا جس پر اوس کا ربانی لقب ثبت تھا۔ قسطنطنیہ مین سنگ سماق کے ایک منار کی چوٹی پر اوس کا جو مجسمہ نصب کیا گیا وہ اصل مین اپالو دیوتا کی ایک قدیم مورت تھی جس کے خط وخال بدل کر قسطنطین کی صورت سے مشابہ بنا دیے گئے اور سر کے گرد اگرد وہ میخین بھی جن کی نسبت بیان کیا جاتا تھا کہ حضرت عیسیٰؑ کو مصلوب کرتے وقت کام مین لائی گئی تھین اس صنعت گری کے ساتھ جڑی گئین کہ عظمت وجلال کے تاج کی

---

[1] نایسیا [illegible] کا ایک قدیم شہر جسے سکندر کی فوج کے ایک افسر انٹیگونس نے بسایا اور دوسرے افسر لیسیماکس نے اپنی بیوی کی یادگار مین اس کا نام نایسیا رکھا۔ مترجم

[2] جس طرح مسلمانون مین شریعت کے تین ماخذ یعنی قرآن، حدیث اور اجماع ہین اسی طرح عیسائیون مین بھی [illegible] کے متعلق جو امور متنازع ہوتے تھے اور جن کا تصفیہ اناجیل سے نہ ہوسکتا تھا پادریون کی کونسلین منعقد کی جاتی تھین چنانچہ اس قسم کی پہلی کونسل ۳۲۵ء مین بصدارت قیصر قسطنطین نایسیا مین منعقد ہوئی۔ مترجم

شکل پیدا ہوگئی۔

اس خیال سے کہ بت پرستون کے دل مین شکست نے جو ناسور ڈال دیا ہی اوس کا اندمال مراعات خاص اور نوازشہاے پنہان کے مرہم سے ضروری ہے قسطنطین نے اپنے دربار مین بت پرستی کی رسمون کی تجدید و ترویج سے نہ صرف اغماض کیا بلکہ ان کوششون کو استحسان کی نظر سے دیکھا اور حقیقت یہ ہے کہ ان کوششون مین سب سے زیادہ حصہ لینے والے اوسی کے خاندان کے اراکین تھے۔

(۲) اس شہنشاہ کو جو محض دنیا کا بندہ تھا اور جس کے مذہبی اعتقادات خس سے بھی کم وقعت تھے اپنا ذاتی فایدہ سلطنت کی بہبودی اور دونون مخالف جماعتون یعنی عیسائیون اور بت پرستون کی بھلائی اسی مین نظر آئی کہ جہان تک ہوسکے ان مین یگانگت وارتباط پیدا کیا جائے۔ اور تو اور راسخ الاعتقاد عیسائیون تک کو اس حکمت عملی سے چندان اختلاف نہ تھا اس لیے کہ شاید وہ یہ سمجھتے تھے کہ نئی تعلیم کی شاخ مین اگر پرانے عقاید کا پیوند لگا دیا گیا تو مذہب جدید کو بہت جلد ترقی ہوجائے گی اور آخر کار نجاستون کی آمیزش سے پاک ہوکر سچا مذہب باقی رہ جائے گا۔ اس انضمام و اختلاط کی بزم آرائی مین شہنشاہ کی مان ہلینا نے شاہی دربار کی بیگمات کے ساتھ مل کر شمع انجمن کا کام دیا۔ مصلحت شناس اور مزاجدان لوگون کو ملکہ کی خوشنودی حاصل کرنے کی ایک نئی تدبیر ہاتھ آگئی بیت المقدس کے ایک غار سے حضرت عیسیٰ کی صلیب۔ دونون چورون کی صلیبین۔ واقعہ تصلیب کا کتبہ اور وہ میخین جو اس موقع پر استعمال مین لائی گئی تھین تین صدیون تک امانت رہنے کے بعد برآمد کی گئین۔ اور ایک مناسب حال معجزہ سے جس کے تصنیف کرنے مین ان بزرگوارون کو ذرا بھی دقت پیش نہ آئی ان متبرک آثار کی تصدیق بھی ہوگئی۔ غرض اچھی خاصی آثار پرستی شروع ہوگئی۔ یونانیون کے اوہام باطلہ از سرنو نمودار ہوگئے۔ اور اوس زمانہ کی تصویر آنکھون مین پھرنے لگی جبکہ وہ آلات جن سے

محاصرہ ٹرائے کا مشہور برنجی گھوڑا[51] تیار کیا گیا تھا یٹا یا ٹم[52] مین رکھے ہوئے نظر آتے تھے۔
جبکہ پیلاپس[53] کا عصائے شاہی کر دنیا مین[54] - ایکلیز[55] کا نیزہ فیسلیس مین اور میمنن[56] کی تلوار

[51] ٹرائے کے محاصرہ کو جسے ہومر نے اپنی مشہور کتاب "الیڈ" مین زندہ جاوید کر دیا ہے جب دس سال کی مدت گذر چکی اور یہ شہر یونانیون سے سر نہ ہو سکا تو یولیسیز کو جو بہادران یونان مین بوجہ اپنی ذکاوت و فراست کے ایک خاص شہرت رکھتا تھا ایک حیلہ سوجھا - اوس نے پیتل کا ایک گھوڑا تیار کیا اور اوس کے جوف مین خود چھپ گیا اور اس گھوڑے کو شہر پناہ کے قریب لے جا کر راتون رات رکھ دیا گیا محصورین اسے ایک اچنبھے کی بات سمجھ کر اندر اُٹھا لے گئے - اس ترکیب سے یولیسیز شہر کے اندر داخل ہو اور گھوڑے سے باہر نکل کر شہر کا پھاٹک کھول دیا اور محاصرین شہر پر قابض ہو گئے - مترجم

[52] مشہور جغرافیہ نویس اسطرابو لکھتا ہے کہ جنوبی اطالیہ کا یہ شہر ۷۰۸ قبل مسیح مین خلیج ٹارنٹم کے کنارے آباد کیا گیا تھا دوسری صدی قبل مسیح تک اس کا شمار دولت یونان کے سب سے زیادہ آباد اور مرفہ الحال شہرون مین ہوتا رہا - لیکن ہنی بال افریقی سپہ سالار کی فوجی کے زمانہ کے بعد سے اس مین انحطاط کے آثار شروع ہو گیے اور رفتہ رفتہ یہ ایسا مٹا کہ جب سسیرو کا زمانہ آیا تو بجز چند بوسیدہ دیوارون اور کھنڈرون کے اور کچھ باقی نہ رہا تھا - علیم فیثا غورث کی زندگی کے آخری دن یہین گذرے اور سسیرو کے زمانہ تک اوس کی قبر کے آثار بھی یہان موجود تھے - مترجم

[53] قدیم یونانی روایات مین اپنی بہادری اور شجاعت کے لحاظ سے بے مثل سمجھا جاتا تھا - ایک روایت یہ تھی کہ اوس کے باپ ٹنٹیلس نے ایک دفعہ دیوتاؤن کی دعوت کی اور بیٹے کو ذبح کر کے مہمانون کے سامنے دستر خوان پر چن دیا - صرف ایک دیوتا کو دھوکا ہوا اور وہ مقتول کا ایک بازو کھا گیا - اس کے بعد ہرمس نے آب حیات چھڑک کر اسے زندہ کر دیا اور جس دیوتا نے اس کا بازو کھا لیا تھا بجائے گوشت و خون کے بازو کے عاج کا بازو لگا دیا - مترجم

[54] قدیم یونان کا ایک شہر جس پر اہل ایتھنز نے ۳۹۴ ق ع مین قبضہ کیا - اسی مقام پر سکندر کے باپ شاہ فیلقوس نے یونانی ریاستون کی متحدہ فوجون کو شکست (بقیہ مضمون بر صفحہ آیندہ)

نکومیڈیا[۵۵] مین کا نہا موجود تھی۔ جبکہ اہل ٹیجیا کیلیڈونیا[۵۶] کے جنگلی سور کی کھال دکھا سکتے تھے اور بہت سے شہرون کو یہ دعویٰ تھا کہ اون کے پاس شہر ٹرائے کے محافظ دیوتا کا اصلی بت موجود تھا۔ جبکہ منروا دیبی کے ایسے ایسے مجسمے پیش کیے جا سکتے تھے جو برچھے ہلا سکتے تھے۔ ایسی ایسی تصویرین دکھائی جا سکتی تھین جو ہنس سکتی تھین۔ ایسی ایسی مورتین موجود تھین جنھین پسینہ آ سکتا تھا اور ایسے ایسے ہزار ہا معبد اور ہیکل اطراف ملک مین پھیلے ہوے تھے جہان معجزون سے مریض اچھے کیے جا سکتے تھے۔

جون جون زمانہ گذرتا گیا وہ مذہبی عقاید جنکی تفصیل ٹرٹلین نے بیان کی ہے متغیر ہو کر ایک عام پسند مگر بایہ اخلاق سے گرے ہوئے مذہب کی شکل اختیار کرتے گئے۔ ان عقاید مین قدیم یونانی اصنام پرستی کا عنصر مخلوط ہو گیا۔ اولمپس تو وہی پہلا سا موجود ہو گیا مگر

(بقیہ مضمون صفحہ گذشتہ) فاش دے کر ان ریاستون کی خود مختاری کا خاتمہ کر دیا تھا۔ اس شہر کے کچھ کھنڈر ابھی تک باقی ہین۔ مترجم

۵۵ ''ایلیڈ'' کے مشاہیر مین سب سے زیادہ ممتاز و سربرآوردہ پہلوان کا نام۔ مترجم

۵۶ قدیم یونانی روایات کے بموجب حبش کا ایک شاہزادہ تھا جو ٹرائے کی جنگ مین لشکر لے کر محصورین کی کمک کے لیے آیا تھا۔ اور بہت کچھ داد شجاعت دینے کے بعد آخر ایکلیز کے ہاتھون مارا گیا۔ مترجم

۵۷ نکومیڈیا دولت روما کا ایک آباد اور پر رونق شہر تھا جس کی بنا نکومیڈیز اول نے ۲۶۴ ق ع مین ڈالی تھی۔ قیصر ڈایوکلیشین و قسطنطین اوس زمانہ مین جبکہ رومی افواج ممالک مشرقیہ کے سخر کرنے مین مصروف تھین یہین بود و باش رکھتے تھے۔ چنانچہ قسطنطین کا انتقال ۲۲ رمئی ۳۳۷ء کو اسی مقام مین ہوا اسکندر اعظم کا وقایع نویس آیرئن یہین پیدا ہوا تھا۔ مترجم

۵۸ یونانی علم الاصنام مین مذکور ہے کہ اینئس شاہ کیلیڈان نے آرٹیمس دیبی کو بھینٹ نہین دی تھی۔ اس پر دیبی نے غضب ناک ہو کر ایک جنگلی سور کو مامور کیا کہ اس بادشاہ کی سلطنت کو تباہ کر ڈالے چنانچہ یہ آفت آسمانی ملک کو برباد کرنے لگی۔ بادشاہ کے بیٹے میلیجر نے (بقیہ مضمون بر صفحہ آیندہ)

دیوتاؤن کے نام بدل دیئے گئے۔ سلطنت کے جن صوبون کی قوت بڑھی ہوئی تھی وہان کے باشندون نے علی رغم مذھب شاہی اپنے قدیم عقاید اختیار کر لیے۔ عقیدہ تثلیث قدیم مصری روایات کے سانچہ مین ڈھال لیا گیا۔ نہ صرف آئسس کی پرستش بہ تبدیل نام ازسرنو ہونے لگی بلکہ اوس کا بت بھی جو کسی زمانہ مین ایک ہلال کے قوس پر رکھا ہوا نظر آیا کرتا تھا ازسرنو نمودار ہو گیا۔ اس دیبی کا مجسمہ جو گود مین اپنے بچے ہورس کو لیے ہوے ہے بت تراشی اور نقاشی کی صنعتون کے ذریعہ سے ہمارے زمانہ تک حضرت مریم اور اون کی معصوم فرزند کی دلربا تصویر کی شکل مین پہنچا ہے۔ نیز ایام مین قدیم تصورات کی اس تجدید کا ہر جگہ بہ اشتیاق تمام خیر مقدم کیا گیا۔ جب اہل افیثریا کے سامنے اس امر کا اعلان کیا گیا کہ وہان کی مسیحی مجلس نے بصدارت بطریق سائرل یہ فیصلہ کیا ہے کہ مریم عذرا کو "خدا کی مان" کے لقب سے یاد کیا جائے تو ان لوگون نے خوشی سے کیے آنسوؤن سے اپنے بطریق کے قدم دھوے۔ یہ اشک ریزی اوسی قدیم ناسور کی تراوش تھی جس پر اگرچہ مسیحیت کے اثر کی وجہ سے انگور آچلا تھا مگر مادہ فاسد ہنوز اندر باقی تھا۔ اگر اون کے آبا و اجداد کے زمانہ مین ڈایناد یبی کے لیے یہی بات کی جاتی جو جناب مریم کے لیے کی گئی تو اون کے دلون پر بھی یہی اثر ہوتا۔

دنیادار نومسیحیون کی تالیف قلوب کا یہ طریقہ جس پر اون کے رسوم و عقاید کے اختیار کر لینے سے عمل کیا گیا اون لوگون کے اعتراض سے نہ بچا جنکی بصیرت اس کی علت غائی کی تہ کو پہنچ گئی تھی۔ چنانچہ فاسٹس نے قیصر اگسٹائین سے برملا ان ملامت آمیز الفاظ مین خطاب کیا:۔ "تم مین اور بت پرستون مین کیا فرق باقی رہا اگر کوئی فرق ہے تو یہ ہے کہ تمہاری جماعت علیحدہ ہے اور اون کی جماعت علیحدہ۔ ورنہ افعال دونون کے ایک

(بقیہ مضمون صفحہ گذشتہ) یونان کے بہت سے سورماؤن کے ساتھ مل کر اس بلاے ناگہانی کے استیصال کی غرض سے ایک جتھا قایم کیا اور بالآخر اوسے اپنی برچھے سے ہلاک کر ڈالا اور اوس کی کھال پر بطور فتح و نصرت کی نشانی کے قبضہ کر لیا۔ مترجم

ہی سے ہین - اون کے ہان قربانیان ہوتی ہین جن مین بدمستیون کا زور ہوتا ہے تمہارے
ہان بزم محبت ترتیب دی جاتی ہے جو مذہبی شکل مین ہوسناکی اور عیش پرستی کا دوسرا نام ہے
اون کے ہان بت پجتے ہین تمہارے ہان شہدا و اولیا کی پرستش ہوتی ہے - تم اون کی
طرح مُردون کی روحون کی تواضع شراب وکباب اور چنگ ورباب سے کرتے ہو - بُت
پرستون کے تمام مذہبی تیوہار تمہارے ہان اوسی ذوق وشوق سے منائے جاتے ہین غرہ ماہ
اور راس الجدی وراس السرطان مین آفتاب کی تحویل کے وقت تم وہی رسمین ادا کرتے ہو جو
بُت پرستون کے ہان رایج ہین - اور طرز زمانہ ولہو اور عادات واطوار کے لحاظ سے تو تم
مین اون مین مطلق فرق نہین" - غرضکہ بُت پرستی - کہ تمام رسم ورواج جاری ہوئے چلے جاتے
تھے - یہان تک کہ شادیون مین عشق ومحبت کی دیبی وینس (زہرہ) کے بھجن گائے
جاتے تھے -

اس مقام پر تھوڑی دیر کے لیے ٹھہر کر ہمین یہ دیکھنا چاہیے کہ عیسائیت کے ساتھ
بُت پرستی کے شامل کر دینے کی اس چال نے بالآخر لوگون کو انحطاط اعتقاد کے کس طبقہ
سافل تک پہنچا دیا - بت پرستی کی رسمین اختیار کر لی گئین - پرستش کے نمایشی اور بھڑکدار
طریقے جاری ہو گئے - پادریون نے پر تکلف لباس اور ٹوپیان اور تاج پہننے شروع کر دئے
کافوری شمعین سونے چاندی کے گلدان مراسم مذہبی کے لوازم مین داخل ہو گئے - عبادت
مین براتون کے جلوس کی سی دھوم دھام نظر آنے لگی - قربانی کے ذریعہ سے طہارت
ہونے لگی - رومی بت پرست کاہنون کی جادو کی چھڑی عیسائی اسقف کی حکومت الٰہی کا
عصا بن گئی - گرجا شہدا کے مزارون پر بنائے جانے لگے اور اون کی تطہیر و تقدیس
اون رسمون کے ذریعہ سے ہونے لگی جو سلف مین بت پرست پجاریون کے ہان رایج
تھین - جھوٹ سچ جہان کہین کسی شہید کے کچھ آثار بہم پہنچ گئے فوراً اون کی یادگار مین
میلے اور عرس قایم کر دئے گئے - خدا کے غضب کو فرو کرنے اور آسیب اُتارنے کا

سب سے بڑا ذریعہ فاقہ کشی قرار دیا گیا۔ بیت المقدس اور شہدا کے مزارون کی زیارت
وطواف کے لیے لوگ ہزارہا کوس چل کر جاتے تھے۔ بیت المقدس سے منون خاک دہول
لاکر لوگ موتیون کے مول بیچتے تھے۔ اور اس مٹی کو شیطان کے دفیعہ کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا
دم کئے ہوے پانی کے اوصاف وخواص مین تو کسی کو کلام ہی نہ تھا۔ مورتین اور تبرکات،
گرجاؤن کے ضروری لوازم تھے اور خوش عقیدہ لوگ بتون کی طرح ان کو بھی پوجتے تھے۔
جس طرح زمانہ سابق مین بت پرستون نے بعض مقامات کو خوارق عادات اور معجزات کے
لیے مخصوص کر رکھا تھا اسی طرح خاص خاص مقامات عیسائی دنیا مین بھی اعجاز وکرامات کے
مرکز قرار دئے گئے۔ عیسائیون کی نجات یافتہ روحون کو حاضرات کے طریقہ پر طلب کیا جاتا تھا
اور یہ خیال کیا جاتا تھا کہ یہ روحین اطراف عالم مین بھٹکتی پھرتی ہین یا اپنے مقابر کے اوپر
منڈلارہی ہین۔ مندرون اور قربان گاہون کی تعداد خارج از حد شمار تھی۔ توبہ اور ازالہ
معصیت کے لیے خاطی کو جو تکلیف دہ اور ایذا رسان لباس پہننا پڑتا تھا اوس کی بہت سی
قسمین تھین۔ حضرت مریم کی عید تطہیر کا تہوار اس غرض سے قایم کیا گیا کہ جو بت پرست نئے نئے
عیسائی ہوے تھے اون کے دلون سے پین دیوتا کے یوم جشن کے منسوخ ہونے کی کھٹک
جاتی رہے۔ مورتون صلیب کے ٹکڑون ہڈیون کیلون اور دوسرے تبرکات کی پرستش
عام رواج پاگئی گویا ایک خاص جماد پرستی پرایج ہوگئی۔ ان آثار متبرکہ کی تصدیق کا انحصار
دو براہین پر تھا یعنی پادریون کے حکم یا معجزات کے اظہار پر۔ اولیا کے پھٹے پرانے کپڑون
اور اون کی قبرون کی خاک تک متبرک سمجھی جاتی تھی۔ چنانچہ فلسطین سے کچھ بوسیدہ ہڈیان
لائی گئین اور اون کی نسبت بوثوق تمام یہ مشہور کیا گیا کہ یہ حضرت مرقس اور حضرت جمیس
اور دوسرے اولیاے عہد سابق کے آثار جسمانی ہین۔ بت پرستی کے زمانہ مین انسان کو
دیوتا بنا دیا جاتا تھا عیسائیون نے اوسے ولی کر دکھایا کہ اوس کا تصرف بھی معاملات انسانی
مین ربانی مداخلت سے کسی طرح کم نہ سمجھا جاتا تھا۔ مقامی دیوتاؤن کی جگہ مقامی پیر اور

اولیا قایم ہو گئے۔ اس کے بعد عشاے ربانی کی پر اسرار رسم کا ظہور ہوا جس کا مطلب یہ ہو کہ پادری کے عمل سے روٹی اور شراب مسیح کے گوشت اور خون کی صورت مین منتقل ہو جاتی ہے۔ مرور قرون نے عیسائیت اور بت پرستی کے اس الحاق کو اور زیادہ کامل و مکمل کر دیا۔ نئے نئے تیوہار منائے جانے لگے جن مین سے ایک تو اوس برچھے کی یادگار مین قایم کیا گیا تھا جس سے حضرت عیسی کے پہلو مین چرکا دیا گیا تھا۔ ایک اون میخون کی یاد کو تازہ رکھنے کے لیے قایم کیا گیا تھا جن سے آپ کا جسم صلیب مین جڑ دیا گیا تھا اور ایک سے کانٹون کے اوس تاج کی یاد کو تازہ رکھنا مقصود تھا جو مصلوب کرتے وقت آپ کو پہنا دیا گیا تھا۔ اگرچہ بیسیون خانقاہون مین کانٹون کا یہ بے بہا تاج موجود تھا لیکن زمانہ کا یہ رنگ تھا کہ کوئی شخص یہ کہنے کی جرارت نہ کرسکتا تھا کہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ سب کے سب تاج اصلی ہون۔

پادری نیوٹن نے اس تعلق کی نسبت جو عیسائیت اور بت پرستی مین پیدا ہو گیا تھا جو خیالات ظاہر کئے ہین اون کا اقتباس اس مقام پر خالی از فایدہ نہ ہوگا۔ وہ کہتے ہین:- "کیا آج کل اولیا و ملایکہ کی پرستش ہر اعتبار سے زمانہ سابق کی پرستش شیاطین سے مشابہ نہین ہے؟ صرف نام کا فرق ہے۔ باقی سب کچھ یکسان ہے۔ بت پرست اپنے بزرگون کو دیوتا سمجھ کر پوجتے تھے۔ عیسائیون نے اپنے بزرگان دین کو خدا بنا رکھا ہے۔ جن لوگون نے اس قسم کی پرستش کو مذہب عیسوی مین رایج کیا وہ خوب جانتے تھے کہ دونون مین کوئی فرق نہین ہے۔ ایک طریقہ عبادت کی جگہ دوسرے طریقہ عبادت نے لے لی ہے۔ اور چونکہ دونون طریقے دراصل ایک ہی ہین لہذا ان کی رسمین بھی ایک ہی سی ہین۔ وقت واحد مین متعدد قربانگاہون پر لوبان یا خوشبوی کی دھونی دینا۔ گرجاؤن کو جاتے اور وہان سے واپس آتے وقت آب متبرک یا نمک ملے ہوئے پانی کا اون مین چھڑکاؤ کرنا۔ دن دوپہر صدہا چراغون اور موم بتیون کا بتون کی قربانگاہون اور مورتون کے سامنے جلانا۔

بیماریون اور خطرون سے فوق العادت طور پر شفا یا نجات پانے کے شکرانہ مین نذر و نیاز گذراننا اور منتین چڑھانا۔ گذرے ہوے بزرگان دین کو ولی یا خدا قرار دینا۔ ہر ایک صوبہ یا ضلع کو کسی گذرے ہوے نامور بہادر یا ولی یا پیر کی حمایت مین خاص طور سے سونپنا۔ قبرون اور مزارون پر جا کر مُردون کی پرستش کرنا یا اون کے آثارون کو پوجنا۔ بتون کی تقدیس اور اون کو سجدہ کرنا اور اون کو صاحب اعجاز و کرامات جاننا۔ گذرگاہون شاہراہون اور پہاڑون کی چوٹیون پر بت خانون قربان گاہون اور مورتون کا قایم کرنا۔ گاجے باجے دھوم دھڑکے کے ساتھ بتون اور آثارون کے جلوس نکالنا۔ خاص خاص اوقات پر مجاہدہ اور ریاضت کے دہوکے مین جسم کو دُرے مار مار کر ایذا پہنچانا۔ پادریون کے مختلف فرقے اور برادریان قایم کرنا۔ پادریون کا خاص انداز سے اپنی چاند منڈوانا ازدواجی تعلقات سے عمر بھر محترز رہنے کو جنس ذکور و اناث دونون کے زہد و اتقا کی دلیل سمجھنا۔ یہ سب وہ رسمین ہین جو اور بہت سی رسمون کے ساتھ بت پرستون اور پوپ روم کے پیرودون کے توہمات کی اجزاے لاینفک ہین۔ اور یہی نہین بلکہ نوبت یہان تک پہنچ گئی ہے کہ وہی مندر اور وہی بعد جو ایک زمانہ مین جوپیٹر اور اودس کی برادری کے دوسرے خداسون سے نامزد تھے آج مریم عذرا اور دوسرے مسیحی اولیا سے منسوب ہین۔ دونون کی عبادت کی رسمین اور کتبے ایک سے ہین اور جو معجزے اور کرامتین زمانہ سلف مین بت پرستون کا منہاج ارادت تھین وہی آج کے دن مسیحیون کی عقیدت کی تکیہ گاہ ہین۔ غرض کل کی کل بُت پرستی مسیحیت مین منتقل ہوگئی ہے۔ دونون کا مبدا و منشا ایک ہے اصول و فروع ایک ہین۔ یہان تک کہ قدیم و جدید اور بت پرست و مسیحی روما مین طریقہ عبادت کے لحاظ سے نہ صرف توافق بلکہ تطابق تام پایا جاتا ہے"

پادری تبوتن صاحب کی راے سے استفادہ کرنے کے بعد اب ہم پھر قسطنطین کے زمانہ کی طرف متوجہ ہوتے ہین۔ اگرچہ قدیم اور عام پسند عقاید کی بقا بلکہ اون کی

ترویج مین ان مراعات و بدعات کے ذریعہ سے حصہ لیا گیا لیکن مسیحی فریق نے جو فریق غالب تھا اپنے فیصلون کو بزور حکومت نافذ کرانے مین کبھی بھی ایک لحہ کا تامل نہ کیا اور حکومت کی طرف سے بھی ان فیصلجات کے نفاذ مین پوری طرح سے تائید کی گئی - اس طور پر قسطنطین نائسیا کی کونسل کے احکام کی پوری پوری تعمیل کرتا رہا - آیریس[۱] کے معاملہ مین تو اوس نے

[۱] تیسری صدی عیسوی کے وسط مین بمقام لبیا پیدا ہوا - اور چوتھی صدی کے شروع مین اسکندریہ کا نائب پادری مقرر ہوا - حضرت عیسیٰ کے متعلق عیسائیون کا عام عقیدہ تیسری صدی مین یہ تھا کہ خدا بشکل انسان یسوع مسیح کے قالب مین نمودار ہوا لیکن اوس کی یہ انسانی حیثیت اوس کی ربانی حیثیت کی تابع تھی - بالفاظ دیگر بیٹا اگرچہ خدا تھا لیکن باپ پر فوقیت نہ رکھتا تھا اور نہ اوس کے مساوی تھا بلکہ اوس سے دوسرے درجہ پر تھا - لیکن چوتھی صدی کے شروع مین بوجہ اون نواقص کے جو ابنیت و الوہیت کے اس پراسرار و ناقابل فہم مسئلہ مین پائے جاتے تھے لوگون مین اختلاف رائے پیدا ہو چلا - بعض کی یہ رائے تھی کہ بیٹا باپ سے دوسرے درجہ پر ہے - لیکن جو زیادہ خوش عقیدہ تھے اور بیٹے کی جناب مین زیادہ ارادت رکھنے کے مدعی تھے یہ دعوی کرنے لگے کہ بیٹا اور باپ مساوی ہین - ایریس آخر الذکر جماعت کا مخالف تھا اور اس مخالفت مین اوس نے نہایت سرگرمی سے حصہ لیا - وہ یہ کہتا تھا کہ اگر بیٹے کا درجہ باپ سے کم ہے تو وہ خدائے مطلق نہین یعنی باپ کے برابر نہین - اور چونکہ برابر نہین اس لیے اوس کا جوہر یا اصل خدا کے جوہر یا اصل سے مختلف ہے - اور اگر برابر ہے تو اوس کا جوہر کامل اور نقص سے مبرا ہے اور اس لیے وہ خود بھی کامل اور بے عیب ہے جسکا یہ نتیجہ ہوا کہ دو خدا موجود ہوگئے جو ہر ایک لحاظ سے مساوی الحیثیت ہین - لیکن واضح رہے کہ خدا کے علاوہ جو غیر مخلوق ہے اگر کوئی شے موجود ہوسکتی ہے تو وہ مخلوق ہستیان ہین یعنی وہ موجودات حادث جنھین خدائے قدیم نے عدم سے پیدا کیا - ایسی حالت مین ظاہر ہے کہ بیٹا قدیم نہین ہوسکتا بلکہ ایک ایسا وقت بھی تھا جب کہ وہ نہ تھا اس لیے وہ زمانی اعتبار سے محض اول و اشرف مخلوقات ہے - رحمت ہو آیریس کی روح پر جس کے (بقیہ مضمون بر صفحہ آیندہ)

یہان تک حکم دے دیا کہ جس شخص کو اس کا فر اکفر کی کوئی کتاب ملے اور وہ اسے جلا نہ ڈالے اوس کی گردن ماری جائے۔ اسی طرح شہنشاہ تھیوڈوسیس اصغر کے زمانہ مین نسطور کو جلاوطنی کی سزا دے کر صحراے افریقہ کے ایک دور دراز حصہ مین جہان درختون کے ایک جھنڈ اور پانی کے ایک چشمہ کے سوا صدہا فرسنگ تک ریگ روان اور سموم سوزان کا عمل تھا بھیج دیا گیا۔

بُت پرست فریق مین سلطنت کے قدیم طبقہ امرا کے بہت سے ذی وجاہت خاندان شریک تھے۔ اور پُرانے فلسفیانہ مذاہب کے تمام پیرو اس کے حامی و مددگار تھے۔ فریق مخالف کو یہ لوگ نہایت حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ ان کا یہ دعوی تھا کہ انسان کو علم صرف مشاہدہ اور عقل کے ذریعہ سے محنت اٹھانے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔

بہ خلاف اس کے مسیحی فریق کا یہ دعوی تھا کہ کل علم اناجیل و روایات کلیسا مین محفوظ ہے اور خدا اپنی الہامی کتابون مین انسان کے لیے نہ صرف حق و صدق کا معیار قرار دے چکا ہے بلکہ اوس کی دانست مین جن باتون کا جاننا ہمارے لیے ضروری تھا وہ سب ہمین بتا چکا ہے۔ اس لیے کتب مقدس انسانی معلومات کا مجموعہ ہین جس پر اضافہ ہونا غیر ممکن ہے۔ اور اس علمی اجارہ مین پادری بحمایت شہنشاہ کسی رقیب یا حریف کی مسابقت گوارا نہین کرین گے۔

(بقیہ مضمون صفحہ گذشتہ) یہ سچے مسیحیانہ عقاید دو صدی تک تثلیت کے طلسم کو توڑنے کی کوشش مین سرگرم رہے۔ لیکن بت پرستی عیسائی مذھب کی رگ رگ مین سرایت کر چکی تھی۔ ساتوین صدی کے خاتمہ سے پہلے آیرئس کے مذھب کا خاتمہ ہوگیا۔ غرض یہی عقاید تھے جن کی وجہ سے بیچارہ آیرئس کافر اکفر قرار دیا گیا اور جلا وطن ہوا۔ مترجم

یہان سے علم کی دو قسمین ہوگئین علوی و سفلی۔ اور دو مخالف فرقے پیدا ہوگئے جن مین سے ایک نے اپنا ہادی و رہبر عقل کو قرار دیا اور دوسرے نے الہام کو۔ بت پرست جماعت کو اپنی فلاسفہ کے علم و فضل پر غرّہ تھا اور عیسائیون کو اپنے بزرگان دین کے الہام پر۔

اس طور پر کلیسا نے علم و حکمت کا مبدار و منشا بن کر اوس کی باگ اپنے ہاتھ مین لی اور اوس کے فیصلون کی تکمیل کے لیے زور حکومت ہر وقت تیار رہنے لگا۔ اس طرز عمل نے اوس کے آئندہ کارنامون پر جبر و تحکم کی مہر لگادی اور ایک ہزار سال تک وہ یورپ کی دماغی ترقی کا سدراہ بنا رہا۔

قیصر قسطنطین کے عہد سے مسیحیت کا وہ دور شروع ہوتا ہے جبکہ اوس نے مذہبی رنگ چھوڑ کر سیاسی رنگ اختیار کیا اور اوسے دنیوی سلطنت حاصل کرنے کی فکر شروع ہوئی۔ اگرچہ ایک لحاظ سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ مذہب گرتے گرتے بت پرستی کی شکل مین مسخ ہوگیا لیکن دوسرے اعتبار سے یہ کہنا بھی نادرست نہ ہوگا کہ اس نے ترقی کرتے کرتے قدیم یونانی اصنام پرستی کی نشو و نما پذیر نفیس صورت اختیار کرلی۔ یہ اصول کہ جب دو جسم آپس مین ٹکراتے ہین تو دونون کی صورت بدل جاتی ہے طبیعیات و عمرانیات دونون پر یکسان صادق آتا ہے۔ بت پرستی نے مذہب عیسوی کے اصول مین تغیر پیدا کر دیا اور مذہب عیسوی نے بت پرستی کی ہیئت بدل دی۔

مصر مین جہان قدیم الایام سے تثلیث کا زور رہا ہے مسیحی تثلیث کے معرکۃ الآرا مسئلہ کا چھڑنا ایک لازمی بات تھی۔ سب سے زیادہ اہم بحث اس مسئلہ مین یہ تھی کہ ابن اللہ ہونے کی حیثیت سے مسیح کا کیا درجہ قرار دیا جائے۔ اسکندریہ مین ان دنون ایک پادری ایریس نامی رہتا تھا جو ایک دفعہ بشپ (اسقف) کی خدمت کا اُمیدوار تھا مگر محروم رہا۔ اوس نے یہ بحث پیش کی کہ بلحاظ رشتہ فرزندی و پدری ضرور ہے کہ ایک وقت ایسا ہوا ہو جبکہ بیٹے کا وجود نہ تھا۔ اس لیے کہ باپ کی عمر بیٹے سے زیادہ ہونی چاہیے۔ پس حضرت مسیح

قدیم نہین بلکہ حادث ہین۔ لیکن صاف ظاہر ہے کہ اس بحث کا منشا یہ تھا کہ ہر سہ افراد تثلیث ازلی نہین ہین۔ تینون کے تینون ہم مرتبہ و مساوی الحیثیت نہین ہو سکتے۔ ایک کو باقی دونون پر ضرور فوقیت ہونی چاہیے۔ اور جب صورت یہ ہے تو ضرور ہے کہ ایک وہ وقت تھا جب تثلیث کا وجود نہ تھا۔ اس پر اوس بشپ نے جس کو آیریس کے مقابلہ مین کامیابی حاصل ہوئی تھی مجالس عامہ مین اس مسئلہ پر اپنی روانی تقریر کے جوہر دکھانے شروع کیے اور جب مناظرہ نے طول کھینچا تو یہودیون اور بت پرستون نے جو اسکندریہ کی آبادی کا جزو غالب تھے اس بحث کے متعلق ناٹکون مین مضحکہ انگیز نقلین کرنی شروع کین۔ ان نقلون مین دل لگی کی سب سے بڑی بات یہ ہوتی تھی کہ باپ اور بیٹے کو مساوی السن ظاہر کیا جاتا تھا۔

اس بحث کا جوش و خروش جب حد سے بڑھ گیا اور فتنہ و فساد کا اندیشہ پیدا ہو چلا تو معاملہ شہنشاہ کے پاس تصفیہ کی غرض سے بھیجا گیا۔ پہلے تو مزخرفات سمجھ کر اوس نے توجہ نہ کی اور شاید دل مین آیریس کے دعوے کو حق بجانب خیال کیا کہ باپ کی عمر حقیقت مین بیٹے کی عمر سے زیادہ ہونی چاہیے لیکن اوس پر اس قدر دباؤ چارون طرف سے ڈالا گیا کہ آخر مجبور ہو کر اوس نے نایسیا کی کونسل کے انعقاد کا حکم دیا۔ اس کونسل نے جھگڑا مٹانے کے لیے ایک فیصلہ صادر کیا جس کی ذیل مین تکفیر و لعنت کا یہ فتویٰ درج تھا:۔ ”جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ کسی وقت مین خدا کے فرزند کا وجود نہ تھا یا پیدا ہونے سے قبل وہ موجود نہ تھا یا وہ نیست سے ہست کیا گیا یا کسی ایسے مادہ یا جوہر سے اوس کی تخلیق ہوئی جو ربانی نہین ہے یا وہ مخلوق یا متغیر ہے ایسے شخص کو کلیسائے مقدس ملعون قرار دیتا ہی“۔ اس فتوے کے صادر ہوتے ہی قسطنطین نے اس کو بزور حکومت نافذ کر دیا۔

اس کے چند سال بعد شہنشاہ تھیوڈوسیس نے قربانیون کی ممانعت کر دی اور جانورون کے رودون کے ذریعہ سے استخارہ کرنے کے طریقہ کو سنگین جرم قرار دیا۔ اوس نے مندرون مین جانے آنے کے متعلق بھی امتناعی احکام جاری کیے اور ایک محکمہ

احتساب مذہبی لوگون کے عقاید کی جانچ پرتال کے لیے قایم کیا۔ ایک شاہی فرمان اس مضمون کا صادر ہوا کہ جن لوگون کے عقاید روما کے بشپ ڈماسس اور اسکندریہ کے بشپ پیٹر کے عقاید سے مطابق نہ ہون گے وہ جلاوطن کیئے جایین گے اور ان کے حقوق ہا کی چھین لیے جایین گے۔ اور جو شخص ایسٹر کی عید اوسی روز منائے گا جس روز یہودی مناتے ہین اوس کو قتل کی سزا دی جاے گی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ یونانی زبان کا چرچا مغرب مین بہت ہی کم ہوتا جاتا تھا اور علوم صحیحہ مفقود ہو گئے تھے۔

اس زمانہ مین اسکندریہ کا بشپ تھیافیلس تھا۔ آسیرس کا ایک قدیم مندر مسیحیون کو اس غرض سے دیا گیا تھا کہ اس کو مسمار کر کے اس کی جگہ گرجا بنایا جائے۔ نئی عمارت کی بنیاد کھودتے وقت قدیم پرستش کے بعض فحش آثار برآمد ہوئے۔ تھیافیلس نے حیا و شرم کے جذبات کو حرارت مذہبی کے طاق پر رکھ کر ان علامات قبیحہ کی تشہیر کی۔ تثلیث کی بحث کے زمانہ مین جب عیسائیون کے مذہب کی ناٹکون مین توہین و تذلیل کی جاتی تھی اوس وقت بیچارے عیسائی تو چپ چاپ رہے لیکن اس موقع پر جب کہ خود بت پرستون کی باری آئی تو ان سے ضبط و تحمل نہ ہو سکا۔ وہ فساد پر آمادہ ہو گئے اور ایک عام بلوہ ہو گیا۔ "سرپیین" کو اونھون نے اپنا بنگاہ بنایا اور وہ فساد اور خونریزی ہوئی کہ شہنشاہ کو مداخلت کرنی پڑی اوس نے تھیافیلس کے نام اس مضمون کا فرمان بھیجا کہ "سرپیین" کو منہدم کر دیا جائے اس طرح وہ عظیم الشان اور قدیم کتب خانہ جسکو تاجداران سلسلہ بطلیموسیہ نے جمع کیا تھا اور جو جولیس سیزر کی آتش زنی سے بچ رہا تھا اس جاہل و متعصب پادری کے ہاتھون برباد ہو گیا۔

تھیافیلس کے بعد اسکندریہ کی دینی پیشوائی کی خدمت اوس کے بھتیجے سینٹ سایرل کو ملی جو اپنے دلپذیر اور پر تاثیر مواعظ و خطبات کی وجہ سے اسکندریہ کے مذہبی حلقون مین مشہور و ہر دلعزیز ہو گیا تھا۔ حضرت مریم کی پرستش اسی کی کوششون سے اسکندریہ مین

عام ہوگئی - لیکن جو اثر اوس کی عام پسند تقریرون نے اہل اسکندریہ کی بیچین طبیعتون مین پیدا کیا تھا اوسے ایک عورت ہائی پیشیا نامی نے بہت کچھ کمزور کر دیا - ہائی پیشیا جس کا باپ تھیان بڑے پایہ کا مہندس تھا نہ صرف فلاطون اور ارسطو کے فلسفہ کی شارح تھی بلکہ اپالونیس اور دوسرے مہندسون کی تصانیف پر بھی اوس نے عالمانہ شرحین لکھی تھین - ہر روز اوس کے مدرسہ کے سامنے امرا و اعیان کے رتھون کا ایک ہجوم رہتا تھا - اور اسکندریہ کے تمام وضیع و شریف اوس کی شاگردی کا دم بھرتے تھے - جن مسایل پر اوس کی تقریرین ہوتی تھین وہ وہی معمے ہین جن پر ہمیشہ سے بحث ہوتی چلی آئی ہے لیکن آج تک حل نہین ہوسکے یعنی "مین کیا ہون" ؟ "کون ہون" ؟ "کہان ہون" ؟ اور "میرے علم کی کیا حد ہے" ؟

ہائی پیشیا اور سایرل ! ایک کو علم و حکمت مین تبحر دوسرے کو جہل و تعصب مین توغل !! بھلا اجتماع ضدین کیونکر ممکن تھا ؟ سایرل نے سمجھ لیا کہ اگر یہی لیل و نہار رہا تو ہائی پیشیا کے آگے اوس کی مشیخت کا چراغ گل ہوجاے گا - اور یہ سمجھ کر اوس نے فیصلہ کر لیا کہ جس طرح بن پڑے اپنے حریف کا خاتمہ کر دے - ایک دن ہائی پیشیا مدرسہ کو جارہی تھی کہ سایرل کی امت کے ایک گروہ کثیر الانفار یعنی بہت سے پادریون نے اوسے آگھیرا - ان سب نے مل کر بیچ بازار مین اوس کے کپڑے نوچ کھسوٹ ڈالے - اوسے بالکل برہنہ کر دیا اور پھر کھینچتے گھسیٹتے ہوے ایک گرجا مین لے گئے جہان عصاے پطرس کی متواتر ضربون سے اوس کا سر توڑا گیا - اوس کی لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کیے گئے - گوشت و پوست کو سیپیون سے چھیلا گیا اور ہڈیان آگ مین جھونک دی گئین - اس خوفناک جرم کے متعلق سایرل سے جواب تک نہ لیا گیا - گویا یہ تسلیم کر لیا گیا کہ چونکہ مقصد محمود تھا اس لئے اوس کی تحصیل کا جو ذریعہ اختیار کیا گیا وہ بھی محمود ہوگیا -

اس واقعہ کے ساتھ ہی یونانی فلسفہ کا اسکندریہ سے چرچا اُٹھ گیا اور اوس علم کا

جس کی اشاعت کے لیے فرمانروایان سلسلہ بطلیموسیہ نے اس قدر گوشش کی تھین قبل از وقت خاتمہ ہوگیا۔ ''سیریپین'' کا کتب خانہ برباد ہو ہی چکا تھا جو کچھ رہی سہی امنگین فلسفہ وحکمت کے اکتساب کی دلون مین باقی تھین اون کا ہائی پیشیا کے عبرتناک انجام نے یون خون کر دیا۔ انسانی خیال کے پاؤن مین مذہب نے بیڑیان ڈال دین۔ آزادی خیال کا خاتمہ ہوگیا۔ غرض سنہ ۴۱۴ء وہ تاریخ ہے جبکہ انسان کو تنبہ کر دیا گیا کہ ہر شخص صرف اونہین خیالات کو ذہن مین جگہ دے سکتا ہے جس کی اجازت حکام کلیسا صادر کرین۔ ایتھنز مین بھی فلسفہ دم توڑ رہا تھا۔ جسٹینین نے اس کی تعلیم کی ممانعت کر دی اور اس شہر کے تمام مدارس بند کر دئے۔

سلطنت روما کے مشرقی صوبجات مین تو یہ واقعات گذر ہی رہے تھے لیکن مغرب مین بھی وہ قوت رنگ لائے بغیر نہ رہی جو ان واقعات کی محرک ہوئی تھی۔ ایک برطانوی راہب جس نے اپنا نام پلیجیس رکھ لیا تھا مغربی یورپ اور شمالی افریقہ کے علاقون سے ہوکر گذرا۔ وہ جہان جاتا تھا یہ وعظ کرتا تھا کہ موت دنیا مین حضرت آدمؑ کے گناہ کی وجہ سے نہین آئی بلکہ وہ طبعاً اور فطرتاً فانی تھے اور اگر اون سے گناہ سرزد نہ بھی ہوتا جب بھی وہ ضرور مرتے اون کے گناہون کی ذمہ داریان اونہین کی ذات تک محدود تھین جو اون کی اولاد پر کسی طرح عاید نہین ہوتین۔ ان صغری وکبری سے پلیجیس نے جو مذہبی نکتے اخذ کئے وہ اپنی اہمیت کے اعتبار سے بہت کچھ نتیجہ خیز ثابت ہوئے۔

روما مین پلیجیس کی بڑی آؤ بھگت ہوئی لیکن کارتھج مین سینٹ آگسٹائن کے ایما سے اوس پر بہت کچھ لے دے ہوئی۔ اور اوسے بدعتی قرار دیا گیا۔ ڈائیوپلس مین ایک بڑی مجلس اون الزامات کی تحقیقات کے لیے منعقد کی گئی جو اس پر لگائے گئے تھے اور اگرچہ ارکان مجلس نے اوسے بری کر دیا لیکن جب انوسنٹ اول روما کے بطریق اعظم سے اس معاملہ مین استفتا کیا گیا تو اوس نے پلیجیس کی تکفیر کا فتویٰ صادر کیا۔ اس فتوے کی

تعمیل نہ ہونے پائی تھی کہ انوسنٹ کا انتقال ہوگیا اور اوس کے جانشین زاسیمس نے فتوے کو منسوخ کر دیا اور یہ اعلان کیا کہ پلیجیس کے عقاید درست ہین - وہ جماعت جو پوپ کی معصومیت کی منکر ہے ابھی تک ان متخالف ومتضاد فتاوی کو اپنے فریق مخالف کی تردید مین پیش کرتی ہے - پلیجیس کی قسمت یون پلٹے کھا رہی تھی کہ افریقہ کے عیار اور چالباز پادریون نے کاونٹ ولیریس کو گانٹھ کر قیصر تک رسائی پیدا کرلی - وہان سے یہ فرمان صادر ہوا کہ پلیجیس بیشک کافر ہے وہ اور اوس کے ساتھی جلا وطن کیے جائین اور اون کا مال واسباب ضبط کرلیا جائے - یہ کہنا کہ موت کا گذر دنیا مین ہبوط آدم سے پہلے ہوچکا تھا گویا ایک سرکاری جرم تھا -

جن اصول پر یہ عجیب وغریب فیصلہ مبنی تھا اون پر غور کرنا خالی از نفع نہ ہوگا - چونکہ مسئلہ زیر بحث محض فلسفہ کا ایک مسئلہ تھا اس لیئے خیال ہوسکتا تھا کہ اوس پر جو بحث کی جائے گی وہ قوانین فطرت کی روسے کی جائیگی لیکن ایسا نہ کیا گیا بلکہ فقط مذہبی پہلو سے بحث کی گئی - جس شخص نے اس کتاب کو بغور پڑھا ہے اوسے یاد ہوگا کہ ٹرٹلین نے مذہب عیسوی کے جو ارکان بیان کیئے ہین اون مین گناہ اولین - شقاوت مطلق - سرنوشت ازلی - عفو اور کفارہ کے مسایل کا کہین ذکر نہین - عیسائیت کے جو مقاصد اوس نے بیان کیئے ہین اون مین حصول نجات کے اوس طریقہ کا نشان تک نہین پایا جاتا جو دو صدی بعد مذہب عیسوی کا جزو لاینفک بنا دیا گیا - ان اہم مسایل کی توضیح وتشریح کے لیے ہم سینٹ اگسٹائن کا رتھیج کے رہین منت ہین -

اس مسئلہ کا تصفیہ کرتے وقت کہ موت کا گذر اس دنیا مین حضرت آدم کے ہبوط سے پہلے ہوچکا تھا یا وہ فقط اون کے گناہون کی پاداش مین بطور سزا تجویز کی گئی تھی یہ تو کسی نے نہ پوچھا کہ آیا پلیجیس کے خیالات قانون فطرت کے موافق ہین یا مخالف بلکہ دریافت کیا گیا تو یہ کیا گیا کہ وہ سینٹ اگسٹائن کے عقاید سے بھی مطابقت رکھتے ہین یا نہین - اس کا

نتیجہ وہی ہوا جو ہونا چاہیئے تھا۔ جس عقیدہ کو پادریون نے اس شد و مد کے ساتھ سراپا حقیقت قرار دیا اوس کو آج کل کے سلم النبوت علمی اکتشافات نے تہ و بالا کر دیا ہے۔ انسان کے ظہور سے مدتون پہلے کروڑون افراد بلکہ مخلوقات کی ہزارہا نوعین اور جنسین نیست و نابود ہو چکی تھین اور جو باقی ہین وہ ایک ادنی اور ناچیز جزو ہین اون بے شمار گروہون کا جن کا خاتمہ ہو چکا ہے۔[1]

[1] اس حقیقت کو جس پر علوم جدیدہ کو اس قدر ناز ہے اور جس کے اکتشاف کے لیے اوسے علما و حکما کے بے تعداد تجربون اور مشاہدون کا شرمندہ احسان ہونا پڑا مکہ کے ایک امی نے جو نہ اشراقی تخیل سے آشنا تھا نہ مشائی تعقل مین دسترس رکھتا تھا جس کو نہ کبھی مہندسانہ تجربہ سے سابقہ پڑا نہ طبیعیا نہ مشاہدہ کا اتفاق ہوا ان روشن الفاظ مین رہ رہ کر دہرایا ہے۔ "کل من علیها فان و یبقی وجه ربک ذو الجلال والاکرام"۔ "کل نفس ذائقة الموت"۔ جس ہمہ گیر اصول کی طرف ان ربانی الفاظ مین اشارہ کیا گیا ہے اوس کا اطلاق اشرف المخلوقات آدم سے لے کر ارذل موجودات جراثیم تک یکسان ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ معارف و حقایق پر انسان کی عقل مجرد کے علاوہ ایک اور طاقت بھی روشنی ڈال سکتی ہے اور وہ طاقت مذہب ہے۔ مذہب اور سائنس گو اپنے اپنے موضوع کے لحاظ سے مختلف اشیا کے حقیقت آموز ہین۔ لیکن یہ ممکن نہین کہ ضمناً اگر کسی ایسے مسئلہ کا ذکر مذہب مین آجائے جس پر بحث کرنا سائنس کا کام ہو تو مذہب کوئی ایسی بات کہہ جائے جسے عقل انسانی غلط ثابت کر سکے۔ اس لیے کہ مذہب اور سائنس روشنی کی دو کرنین ہین جو ایک ہی شعلہ سے نکلی ہین۔ ایک خدا کا کلام ہے دوسرا خدا کا کام۔ دونون مین تضاد ممکن نہین۔ مسئلہ حدوث ممات بعد از ہبوط یا قبل از ہبوط آدم کے متعلق عیسائیت نے جو غلطی کی ہے وہ جیسا کہ خود مصنف نے ظاہر کر دیا ہے اوس مذہب سے منسوب نہین کی جا سکتی جس کی تلقین ٹرٹلین نے کی تھی (اگرچہ الوہیت مسیح کے متعلق اوس زمانہ کے عقاید بھی فاسد ہو چکے تھے) ۱۲۔ رومن کیتھولک پادریون کے اختراعات (بقیہ مضمون بر صفحہ آیندہ)

اس بحث و مباحثہ کے اخیر فیصلہ سے ایک نہایت اہم نتیجہ مترتب ہوا۔ کتاب پیدایش کو بنائے مذھب عیسوی قرار دیا جا چکا تھا۔ پس جب اس کی اس روایت کو کہ حضرت آدم سے بہشت مین گناہ سرزد ہوا جس کی اون کو سزا دی گئی مذھبی لحاظ سے اس قدر موثق مانا گیا تو کیا وجہ ہے کہ بزرگان دین عیسوی اس کتاب کو تمام فلسفہ اور علوم کا محک و معیار نہ قرار دین چنانچہ یہی ہوا۔ ہیئت۔ طبقات الارض۔ جغرافیہ۔ علم الانسان۔ علم تاریخ غرضکہ معلومات انسانی کے کل شعبون کو اس سے تطبیق دے دی گئی۔

چونکہ سینٹ اگسٹائن کے عقاید نے دینیات کو سائنس کا حریف بنا دیا ہے لہذا اس ذی اثر بزرگ کے بعض خالص فلسفیانہ خیالات پر ایک اجمالی نظر ڈالنا خالی از لطف نہ ہوگا۔ اوس کی ایک کتاب ہے جس کا نام "کنفشنس" (اقبالات) ہے۔ اس کتاب کی گیارہوین بارہوین اور تیرہوین فصل مین اوس نے کتاب پیدایش کے پہلے باب کی تفسیر لکھی ہے جس کے بعض موزون مقامات کا ہم ذیل مین التقاط کرتے ہین۔

یہ مقامات حکیمانہ مباحث سے معمور ہین اگرچہ اکثر حصہ مجذوب کی بڑ سے زیادہ وقعت نہین رکھتا۔ ایک مقام پر خدا سے دعا مانگی ہے کہ بار الہٰا مجھے توفیق عطا فرما کہ اس کتاب مقدس کو سمجھ سکون اور اوس کے معانی مجھ پر ظاہر ہو جائین۔ اوس کا بیان ہے کہ یہ کتاب حشو و زواید سے پاک ہے لیکن ایک ایک لفظ سے صدہا معنی پیدا ہو سکتے ہین۔

خلقت کی صورت سے ظاہر ہے کہ اوس کا خالق ضرور ہوگا۔ مگر ساتھ ہی یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ اس خالق نے زمین اور آسمان کو کیون کر بنایا۔ یہ تو ہو نہین سکتا کہ

(بقیہ مضمون صفحہ گذشتہ) کی وجہ سے پیدا ہوی۔ غرض حقیقت ہر جگہ ایک ہے خواہ اوس کا اظہار مذہب کے ذریعہ سے ہو خواہ سائنس کی وساطت سے۔ اسلام نے جو شرک بت پرستی اور توہمات باطلہ کی آمیزش سے شروع ہی سے پاک رہا جو کچھ سکھایا ہے وہ ہمارے اس دعوے پر گواہ عادل ہے۔ مترجم

اوس نے ان کو زمین اور آسمان کی حدود کے اندر بنایا ہو اس لیے کہ دنیا دنیا کے اندر موجود رہ کر نہین بنائی جا سکتی اور نہ وہ ایسی حالت مین بنائے جا سکتے تھے جبکہ اون کے بنانے کے لیئے کوئی سامان ہی موجود نہ تھا۔ اس ابتدائی عیسائی کامل سینٹ اگسٹائن نے یہ کہہ کر کیا ہی کہ ”تو نے کہا اور زمین و آسمان بن گئے“

مگر یہ مشکل یہان ہی طے نہین ہو جاتی۔ سینٹ اگسٹائن لکھتا ہے کہ جو الفاظ خدا نے کہے اون کے اجزاے ترکیبی مین بوقت اظہار فصل واقع ہوا ہوگا یعنی الفاظ و حروف یکے بعد دیگرے ادا کیئے گئے ہون گے۔ ضرور ہے کہ کوئی شے مخلوق ان الفاظ کا ذریعہ اظہار بنی ہو پس وہ شے گویا آسمان اور زمین کی پیدایش سے پہلے موجود ہو گی حالانکہ سمجھ مین نہین آتا کہ کوئی مادی شے زمین و آسمان سے قبل کیونکر موجود ہو سکتی ہے۔ اس شی کا مخلوق ہونا لازمی ہی اس لئے کہ الفاظ منھ سے نکل کر ختم ہو گئے مگر ہم کو معلوم ہے کہ خدا کا کلام ہمیشہ باقی رہتا ہی۔

اس کے علاوہ ممکن نہین کہ الفاظ یکے بعد دیگرے ادا ہوئے ہون کل الفاظ وقت واحد مین ادا ہوئے ہون گے ورنہ حدوث اور زمان لازم آتا ہے۔ تدریج کے لیے زمان کی قید لازمی ہے حالانکہ اوس وقت سوائے قدم و بقا کے اور کچھ موجود نہ تھا۔ خدا کا علم اور قول اون امور کی بابت جو بقید زمان حادث ہوتے ہین ازل و ابد سے متصف ہی۔

پھر بہت کچھ اغلاق کے ساتھ سینٹ اگسٹائن نے کتاب پیدایش کے افتتاحی الفاظ ”ابتدا مین“ کی شرح کی ہے۔ اس شرح مین اوس نے کتاب مقدس کی ایک اور آیت سے مدد لی ہے جو یہ ہے: ”اے خدا تیری صناعیان کس قدر عجیب و غریب ہین۔ تو نے ان کو اپنی حکمت سے بنایا“ پس ”یہ حکمت“ ہی گویا ”ابتدا“ تھی اور اسی ”ابتدا مین“ خدا نے زمین آسمان بنائے۔

آگے چل کر سینٹ اگسٹائن کہتا ہے کہ ممکن ہے کہ کوئی شخص یہ پوچھ بیٹھے کہ آسمان و زمین بنانے سے پہلے خدا کیا کر رہا تھا۔ اگر اوس کی صفت خالقیت کسی خاص وقت سے

شروع ہوئی تو اس سے زمان لازم آتا ہے نہ کہ قدم اور قدم مین کوئی شے حادث نہین ہوتی بلکہ سب کچھ موجود مستحضر ہوتا ہے۔ اس سوال کا جواب دینے مین اوس نے اوس بلاغت آفرینی سے کام لیا ہے جس کے لحاظ سے وہ مشہور ہے۔ وہ کہتا ہے:۔ ”مین اس سوال کے جواب مین یہ تو نہ کہون گا کہ خدا زمین و آسمان بنانے سے پہلے اون لوگون کے لیے جو اوس کے اسرار اور کنہ کا کھوج لگانا چاہتے ہین جہنم کے بنانے مین مصروف تھا۔ البتہ مستفسر کو یہ جواب دون گا کہ زمین و آسمان پیدا کرنے سے پہلے خدا نے کوئی شے نہین بنائی اس لئے کہ مخلوق ہونے سے پہلے کوئی شے مخلوق نہین ہوسکتی۔ زمانہ خود مخلوق ہے اور اس لیے ممکن نہین کہ خلقت کے قبل اوس کا وجود ہو۔ پھر زمانہ کیا ہے؟ زمان گذشتہ تو ہی نہین۔ زمان مستقبل بھی معدوم ہے۔ رہ گیا زمان موجودہ۔ اس کی نسبت کون کہہ سکتا ہے کہ کیسا ہے۔ اگر ہو تو شاید وہ شے ہو جیسے دو عدمون کے درمیان کوئی بقا نہین۔ زمانہ طویل یا زمانہ قلیل مہملات ہین اس واسطے کہ جب ماضی و مستقبل ہی موجود نہین تو ان کا وجود کیسا۔ ان کا وجود سوا ارواح کے اور کہین نہین۔“

جس عبارت مین سینٹ اگسٹائن نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے وہ گویا ایک مجذوبانہ بڑ ہے جس کا مخاطب خدا ہے۔ اوس کی تصانیف کی حقیقت خواب پریشان کے ایک مجموعہ سے زیادہ نہین۔ اس خیال سے کہ ناظرین ہمارے اس بیان کی تصدیق کرسکین ہم بلا انتخاب کسی ایک مقام سے اوس کی عبارت کے چند فقرون کا اقتباس پیش کرتے ہین۔ ذیل کی عبارت بارہوین فصل سے نقل کی جاتی ہے۔

”پس اے میرے خدا یہی وہ بات ہے جو میری سمجھ مین آتی ہے جبکہ مین تجھے اپنے کلام پاک مین یہ کہتے ہوئے سنتا ہون کہ ابتدا مین خدا نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور زمین نہ تو دکھائی دیتی تھی نہ اوس کی کوئی شکل تھی۔ اور سمندر پر اندھیرا چھایا ہوا تھا اور تو نے یہ نہین فرمایا کہ تو نے ان کو کس دن پیدا کیا۔ یہ ہے وہ بات جو میری سمجھ مین

آتی ہے اور اس کی وجہ فلک الافلاک ہے یعنی وہ عقلی آسمان جس کی عقول کو سب کچھ ایک ہی دفعہ معلوم ہوجاتا ہے تھوڑا تھوڑا کر کے اس طرح نہین معلوم ہوتا کہ گویا چارون طرف اندھیرا چھایا ہوا ہے یا کوئی چیز آئینہ مین سے نظر آرہی ہے بلکہ کل کا کل تیرا منظر بن کر دوبدو ظاہر ہوجاتا ہے۔ یہ نہین کہ ایک شے کا علم اب ہوا اور ایک شے کا تھوڑی دیر کے بعد بلکہ جیسا کہ مین کہہ چکا ہون ان عقول کو بلا تدریج یا فصل زمان سب کچھ ایک ہی دفعہ معلوم ہوجاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زمین غیر مرئی اور غیر متشکّل اور تدریج زمانی سے عاری ہے اور تدریج یا فصل ہی وہ حالت ہے جس کے باعث ایک شے اب ظاہر ہوتی ہے اور ایک شے کچھ دیر کے بعد۔ اس لیے کہ شکل یا صورت کے موجود نہ ہونے سے اشیا مین امتیاز نہین ہوسکتا۔ پس ہر شے کا وجود انہین دونون کے ساتھ وابستہ ہے یعنی ایک تو اوس ابتدائی ہستی کے ساتھ جو شکل پکڑ چکی تھی اور ایک اوس ابتدائی ہستی کے ساتھ جس کی کوئی شکل نہ تھی۔ ایک فلک تھا لیکن فلک الافلاک تھا۔ دوسری زمین تھی لیکن وہ زمین جو متحرک اور بے شکل تھی۔ انہین دونون کی وجہ سے یہ خیال میرے ذہن مین پیدا ہوتا ہے جیسا کہ اے خدا تیری کتاب مقدس بلا تخصیص ایام کہتی ہے کہ ابتدا مین خدا نے زمین و آسمان کو پیدا کیا۔ کیونکہ ساتھ ہی اس امر کی بھی تشریح و توضیح کر دی گئی کہ معہود ذہنی کونسی زمین ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ یہ قبہ لاجوردی دوسرے دن پیدا کیا گیا اور اس کا نام آسمان رکھا گیا۔ جس سے ہم کو بلا تعیین ایام معلوم ہوجاتا ہی کہ کس آسمان کا پہلے ذکر کیا گیا۔ اے خدا تیرا کلام بھی کس قدر گہرا ہے جس کی سطح ہمارے سامنے ہی۔ ہم بچون کی طرح ہین اور وہ ہمارا دل لبھاتی ہے۔ اے میرے خدا تیرے کلام کی گہرائی تعجب خیز ہے اور بہت ہی تعجب خیز ہے۔ اس گہرے کنوئین مین جھانکتے ہوے دل پر ہیبت چھا جاتی ہے وہ ہیبت جو عزت و آبرو مین لپٹی ہوئی ہے اور لرزہ طاری ہوجاتا ہے وہ لرزہ جو عشق و محبت کا پیدا کیا ہوا ہے۔ اس کے دشمنون سے مجھے سخت

نفرت ہے۔ کاش تو اپنی تیغ دو دم سے قتل کر ڈالتا تاکہ وہ تیرے کلام سے دشمنی کرنے کے قابل نہ رہتے اور میرے نزدیک اون کا اپنے نفس کے اندر مارا جانا بہت ہی پسندیدہ ہی اس لیئے کہ اس طور پر وہ تیری ذات کے اندر بقا حاصل کرسکین گے"۔

ذیل کے فقرہ کا اقتباس سینٹ اگسٹائن کی کتاب "اقبالات" کی تیرہوین فصل سے کیا جاتا ہے جس مین وہ یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ مسئلہ تثلیث کتاب پیدایش مین موجود ہے۔ اس اقتباس سے ہمارا مقصود اوس کی شان تفسیر نگاری پر روشنی ڈالتے ہوے یہ دکھانا ہے کہ وہ کتاب مقدس کے اسرار وغوامض کی گتھیان کیون کر سلجھاتا ہی۔

"اب مجھ کو تثلیث نظر آرہی ہے اور اس طرح نظر آرہی ہے جیسے آئینہ مین کوئی چیز دھندلی دھندلی دکھائی دیتی ہو۔ اور یہ اے میرے خدا تیرا جلوہ ہے کیونکہ تو نے باپ ہونے کی حیثیت سے آسمان وزمین کو اوس کا مظہر بن کر پیدا کیا جو ہماری عقل وتمیز کا مبدا ہے اور جو تیری عقل ہے اور تجھ سے پیدا ہوا اور ازل و ابد مین تیرا شریک وسہیم ہے یعنی تیرا بیٹا۔ ہم فلک الافلاک کا بہت کچھ حال بیان کرچکے ہین اور اوس زمین کا جو دکھائی نہ دیتی تھی اور بغیر کسی صورت کے تھی۔ اور تاریک سمندر کا بھی بلحاظ اس کی مسخ شدہ روحانیت کے تزلزل اور بے ثباتی کے ہم نے بہت کچھ ذکر کیا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس نے اوس کی شکل اختیار کرلی ہو جس نے بقدر اس کی نشوونمائی موجودہ کے اس مین جان ڈالی تھی اور اوس کی روشنی کی وجہ سے حسن وجمال کے سانچہ مین ڈھل کر وہ فلک الافلاک بن گیا ہو جو آگے چل کر اس طرح قایم کیا گیا کہ اوپر نیچے پانی ہی پانی تھا۔ اس طرح خدا کے نام کے ذریعہ سے مجھ کو باپ کی حقیقت کا علم ہوا جس نے یہ کائنات بنائی اور ابتدا کے نام کے ذریعہ سے مجھے بیٹے کی ماہئیت معلوم ہوئی جس مین ساری ہو دایر ہو کر اوس نے اس کائنات کو پیدا کیا۔ اور اپنے خدا پر بشکل تثلیث ایمان لاکر جب مین نے اوس کے کلام پاک کو اور زیادہ تجسس اور تفحص کی نظر سے دیکھا

تو مجھے روح القدس کا جلوہ سطح آب پر نظر آگیا۔ پس اے میرے خدا مجھ پر تثلیث یعنی باپ بیٹے اور روح القدس کی حقیقت آشکارا ہوگئی کہ وہی آفرینندۂ کون و مکان ہے"۔[ا]

سینٹ اگسٹائن کی تصانیف کو اہل مذہب پندرہ سو برس سے مستند مانتے چلے آئے ہین۔ اس لیے ہم کو بھی لازم ہے کہ اون کا ذکر ادب سے کرین۔ اور سچ تو یہ ہے کہ ہم کو سوء ادبی کی ضرورت بھی نہین۔ جن فقرات کا ہم نے اون کی تصنیف سے اوپر اقتباس کیا ہے وہ اپنی تنقید خود کر رہے ہین۔ سائنس اور مذہب مین جو نزاع پیدا ہوگئی اوس کی بانی مبانی یہی حضرت ہین۔ کتاب مقدس کی اصلی غرض یہ تھی کہ لوگون کو نیکی اور پاکبازی کا رستہ دکھائے۔ ان بزرگوار نے علوم انسانی کی قسمت کا فیصلہ جو اس کے بس کا نہ تھا اس کے حوالے کرکے نہایت بے باکی کی راہ سے انسان کے قوای عقلی پر جابرانہ حکومت کا سلسلہ قایم کر دیا۔ مثال تو قایم ہو ہی چکی تھی پیرو بہت سے پیدا ہو گئے۔ مشاہیر فلاسفہ یونان کی تصانیف کو ان مقدس پیروان کلیسا نے علوم سفلی کی ذیل مین داخل کیا۔ عجائب خانہ اسکندریہ کے عدیم المثال اور روشن کارنامون پر جہالت تعصب اور غیر ممکن الفہم مہملات کے کالے بادلون کی گھٹا چھا گئی جس مین سے پادریون کے قہر و انتقام کی بجلیان رہ رہ کر کوندنے لگین۔

یہ امر محتاج بیان نہین کہ علوم و فنون مین جن کا مدار علیہ الہام ربانی ہو کسی تغیر یا تبدیل یا ترقی کی گنجایش نہین ہوسکتی۔ اگر الہام کو سائنس کا سرچشمہ مان لیا جائے تو تمام نئے

[ا] جن دو مقامات کا اقتباس یہان کیا گیا ہے اگرچہ بہتر یہی ہوتا کہ اونہین قلم انداز کر دیا جاتا اس لیے کہ انکا مطلب یا تو خود جناب اگسٹائن نے سمجھا ہوگا اور یا وہ شخص سمجھ سکتا ہے جس کو روح القدس کے فیضان سے خاص طور پر بہرہ اندوز ہونے کا موقعہ ملا ہو لیکن اس خیال سے کہ ناظرین بھی سینٹ اگسٹائن کی ہرزہ سرائی یا بقول مصنف مجذوبانہ بڑ کا لطف اٹھانے مین ہمارے ساتھ شریک ہوسکین اصل عبارت کا لفظی ترجمہ درج کرنا ہم نے ضروری خیال کیا۔ مترجم

اکتشافات غیر ضروری ٹھہرتے ہین۔ جو باتین خدا کو بتانی منظور تھین وہ اوس سلئے بذریعہ کتب مقدس انسان پر ظاہر کردین۔ ان کے سوا اور کسی قسم کی دریافت کی کوشش گویا خدا کی کنہ کی بیہودہ اور گستاخانہ تلاش ہے۔

اب ہمین یہ دیکھنا ہے کہ اوس مقدس سائنس کی حقیقت کیا ہے جو بذریعہ الہام ربانی حاصل ہوا اور جس پر بزرگان دین یعنی پادری صاحبون نے معلومات انسانی کا حصر کردیا۔ یہ علم وہ علم ہے جو کائنات کے تمام مادی وروحانی مظاہر کو افعال انسانی کے مشابہ قرار دیتا ہے۔ اور خدائے قیوم کو ایک عظیم الجثہ انسان سے زیادہ نہین سمجھتا۔ اس کی روسے زمین ایک چپٹی سطح ہے جس پر آسمان گنبد کی طرح قایم ہے یا بقول سینٹ اگسٹائن جھلی کی طرح کھچا ہوا ہے۔ آسمان مین سورج چاند اور ستارے اس غرض سے حرکت کرتے ہین کہ انسان کو شبانہ روز روشنی پہنچائین۔ زمین اوس مادہ سے جسے خدا نے عدم سے پیدا کیا اون تمام حیوانات ونباتات سمیت جو اس پر آباد ہین چھ دن مین تیار ہوئی۔ آسمان کے اوپر بہشت ہے اور زمین کے نیچے ایک تاریک وآتشین مقام مین دوزخ ہے۔ زمین مرکز کائنات ہے اور باقی تمام اجسام فلکی وغیر فلکی اس کے تابع اور اس کے فایدہ کی غرض سے بنائے گئے ہین۔ انسان کو زمین کی خاک سے بنایا گیا۔ اول اول وہ اکیلا تھا مگر بعد مین اوس کی ایک پسلی سے عورت بنائی گئی۔ انسان اشرف المخلوقات ہے۔ اوسے خدا نے فردوس مین جو دریائے فرات کے کنارے واقع تھا رہنے کو جگہ دی۔ وہ نہایت عاقل اور پاک تھا لیکن چونکہ اوس نے ثمر ممنوعہ کھاکر خدا کے احکام کی خلاف ورزی کی لہذا اوسے مشقت اور موت کی سزا دی گئی۔ اس انسان اول کی اولاد کو اوس کی سزا سے کچھ عبرت نہ ہوئی بلکہ اون سے ایسی ایسی بدیان اور شرارتین سرزد ہوئین کہ خدا کو اون کے تباہ کرنے پر مجبور ہونا پڑا اور اس لیے ایک ایسا طوفان عظیم روے زمین پر نازل کیا گیا کہ پہاڑون کی چوٹیان تک پانی مین غرق ہوگئین۔ جب یہ طوفان انسان کو غارت کرچکا تو ایک

ہولسے تند چلی جس نے پانی کو خشک کر دیا۔

اس آفت سے حضرت نوحؑ اور اون کے تین بیٹے ہام سام اور یافت مع اپنی بیبیون کے ایک کشتی مین سوار ہو کر بچ گئے۔ ان مین سے سام نے ایشیا کو از سر نو آباد کیا ہام نے افریقہ کو اور یافث نے یورپ کو۔ چونکہ امریکہ کی حقیقت مقدس پادری صاحبون کو معلوم نہ تھی اس لیے اس کی آبادی کے مورث اعلی کے نام کی گنجایش نہین نکالی گئی۔

اب ذرا سنئیے کہ یہ بزرگوار اپنے دعاوی کی تائید مین کس قسم کے دلایل پیش فرماتے ہین۔ لکٹنٹیس نے زمین کے کروی الشکل ہونے کی تردید ان الفاظ مین کی ہے:۔ "کیا یہ ممکن ہے کہ انسان اس درجہ لغو اور مہمل ہو کہ یہ بات باور کرلے کہ درخت اور پودے زمین کی دوسری طرف نیچے کو لٹک رہے ہین یا وہان کے باشندون کے پاؤن اوپر ہین اور سر نیچے۔ اگر ان لوگون سے پوچھا جائے کہ ان مہملات کی کیا توجیہ کرتے ہو اور کیون یہ چیزین زمین پر سے گر نہین جاتین تو وہ کہتے ہین کہ خاصیت اشیا یہی ہے کہ بھاری چیزین پہیئے کے آرون کی طرح مرکز کی طرف مایل ہون اور ہلکی چیزین مثلاً بادل دہوان اور آگ مرکز سے اوپر کی طرف اٹھین۔ میری سمجھ مین نہین آتا کہ ان لوگون کو کیا کہون جو ایک بار غلطی کرتی ہین تو اس ہٹیلے پن سے اوس پر قایم ہو جاتے ہین کہ ایک حماقت کی تائید مین دوسری حماقت پیش کرتے ہین"۔ مسئلہ تقابل رجلین یعنی اس مسئلہ کے متعلق کہ زمین کے دوسری طرف جو انسان آباد ہین اون کے پاؤن کے تلوے ہمارے پاؤن کے تلوون کے متقابل ہین سینٹ اگسٹائن یون ارشاد فرماتے ہین:۔ "زمین کے اوس طرف آبادی کا ہونا محال ہی اس لیئے کہ کتاب مقدس مین حضرت آدم کی اولاد مین سے کوئی قوم اس قسم کی بیان نہین کی گئی"۔ لیکن شاید سب سے زیادہ زبردست اور لاجواب دلیل زمین کے کروی الشکل ہونے کے خلاف یہ پیش کی جاتی تھی کہ اوس طرف کے باشندون کو حشر کے دن خداوند خدا کا ہوا سے زمین پر اُترنا کیون کر نظر آئے گا۔

دنیا مین موت کی آمد۔ واقعات عالم مین روحانیات کا باہم تصرف۔ ملایکہ و شیاطین کے مناصب۔ زمین کا ایک وقت معہودہ پر آگ سے جل جانا۔ بابل کے مینارہ کا واقعہ۔ زبانون کا اختلاف۔ بنی نوع انسان کا روے زمین پر منتشر ہونا۔ مظاہر قدرت مثلاً کسوف و خسوف و قوس قزح کی تاویل۔ یہ تمام ایسے مسایل ہین جن پر یہان بحث کرنا فضول ہے۔ خصوصاً اون تصورات پر جو مقدس پادری صاحبون نے خدا کی ذات و صفات کے متعلق قایم کیے ہین مین کچھ نہین کہنا چاہتا اس لیے کہ ان تصورات کے پردہ پر خدا کی جو شبیہ کھینچی گئی ہے وہ انسان سے بہت ہی مشابہ اور شان ایزدی سے بہت ہی گری ہوئی ہے۔

البتہ کاسماس انڈیکا پلیوسٹیز کے بعض خیالات کا التقاط اس مقام پر کرنا غیر موزون نہ ہوگا۔ یہ خیالات چھٹی صدی مین عام طور سے رایج تھے۔ اس شخص نے ایک کتاب "کرسچین ٹاپوگریفی" (مسیحی جغرافیہ) کے نام سے لکھی تھی جس کا بڑا مقصد یہ تھا کہ اس ملحدانہ عقیدہ کی تردید کی جاے کہ زمین کروی الشکل ہے اور نیز بت پرستون کے اس دعوی کا ابطال کیا جائے کہ منطقہ حارہ کے جنوب مین منطقہ معتدلہ واقع ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جغرافیہ کے صحیح اور سچے اصول کی رو سے زمین ایک سطح ذوار بعۃ الزوایا ہے جو بقدر چار سو دن کی مسافت کے مشرق سے مغرب تک اور شمالاً جنوباً اس سے نصف فاصلہ مین پھیلی ہوئی ہے۔ اس کے چارون طرف پہاڑون کا سلسلہ ہے جن پر آسمان قایم ہے۔ شمال مین ایک پہاڑ واقع ہے جو سب پہاڑون سے بڑا ہے۔ جب یہ پہاڑ آفتاب کی شعاعون کا حایل ہوجاتا ہے تو دنیا پر تاریکی چھاجاتی ہے جسے رات کہتے ہین۔ زمین بالکل سطح نہین ہے بلکہ جنوب کی طرف تھوڑی سی جھکی ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دریاے فرات و دجلہ وغیرہ جنکے بہاؤ کا رخ جانب جنوب ہے نہایت تیزی سے بہتے ہین لیکن دریائے نیل کا دھارا بلندی پر چڑھنے کے باعث بہت سست رفتار ہے۔

بیڈ جو ساتوین صدی مین اسی طبقہ کا ایک مصنف ہو گذرا ہے لکھتا ہے: "دنیا

چھ دن مین پیدا کی گئی اور زمین اس کا مرکز اور سب سے بڑا جسم ہے۔ آسمان ایک آتشین اور سیال جسم مدور ہے جو زمین پر شامیانہ کی طرح تنا ہوا ہے اور مرکز زمین سے اس کا ہر ایک حصہ مساوی البعد ہے۔ یہ ہر روز نہایت تیزی سے گھومتا ہے مگر اس تیزی مین سات سیارون کی مزاحمت کی وجہ سے اعتدال پیدا ہو جاتا ہے۔ تین سیارے زحل مشتری اور مریخ آفتاب سے اونچے ہین۔ ان کے نیچے آفتاب ہے اور آفتاب کے نیچے باقی تین سیارے ہین یعنی زہرہ عطارد اور قمر۔ ستارے اپنے مقررہ دایرون مین گردش کرتے ہین۔ اور شمالی ستارون کا مدار سب سے چھوٹا ہے۔ عرش معلیٰ کی حدود مقرر ہین۔ اس مین ملایکہ آباد ہین جو زمین پر اُتر کر انسانی شکل اختیار کرتے ہین اور انسانی فرایض ادا کر کے واپس چلے جاتے ہین۔ آسمان کی حرارت یخ کے ٹھنڈے پانی سے معتدل ہوتی رہتی ہے ورنہ اسے آگ لگ جائے۔ فلک ادنیٰ کا نام آسمان ہے اس لیے کہ یہ آب فوقانی و تحتانی کے درمیان حد فاصل ہے۔ آسمانی عالم آب فلک الارواح سے نیچا مگر تمام جسمانی اشیا سے اونچا ہے۔ اگرچہ بعض لوگون کا خیال ہے کہ اس کا ذخیرہ ایک دوسرے طوفان کے لئے محفوظ رکھا گیا ہے لیکن ہمین اون لوگون کے ساتھ اتفاق ہے جن کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ عالم آب ثوابت کی حرارت کے اشتداد مین اعتدال پیدا کرنے کی غرض سے بنایا گیا ہے۔"

جہل تعصب اور خیرہ چشمی کی بھی کوئی حد ہے!! کیا انہین لغو اور مہمل خیالات کی اشاعت کے لیئے فلاسفۂ یونان کی تصانیف سے ابا کیا گیا تھا؟ لیکن جھوٹ کے پاؤن نہین ہوتے۔ ایک دن ان مہملات کی قلعی کھلنے والی تھی۔ جب "ریفارمیشن" (اصلاح مذہب) کا دور آیا تو اون فاضل نقادون نے جو اس زمانہ مین پیدا ہوئے ان تمام مصنفین کی کتابون کا ایک دوسری سے مقابلہ کرنے کے بعد ان کو حقارت کی اوس ٹوکری مین جھونک دیا جو ان کے لیے صدہا سال سے تیار کی جا رہی تھی آج کے دن ان مین سے ایک کتاب بھی ایسی نہین جسے ہم نفرت کی نظر سے نہ دیکھتے ہون۔

علوم و فنون کا جو نظام اس طور پر مدون کیا گیا اوس کا سب سے زیادہ عجیب و غریب جزو اس کی منطق اور اس کے دعوون کے ثبوت کا ڈھنگ تھا۔ اثبات دعاوی کے لئے معجزات پیش کیے جاتے تھے اور ایک واقعہ کے ثبوت مین ہمیشہ کسی غیر متعلق واقعہ کی مثال پیش کر کے سمجھ لیا جاتا تھا کہ ثبوت مکمل ہو گیا۔ ایک عربی عالم نے اس طرز ثبوت کی نسبت کیا خوب لکھا ہے[۵۱]:۔ "اگر کوئی بھان متی کا تماشا کرنے والا مجھ سے کہے کہ تین کا عدد دس سے زیادہ ہے اور اس کا ثبوت چاہو تو مین اس چھڑی کا سانپ بنا کر دکھا دیتا ہون تو مین بیشک اوس کے ہتھکنڈے کا تو قایل ہو جاؤن گا مگر اوس کے دعوی کو کسی طرح تسلیم نہ کرون گا" با این ہمہ ہزار برس سے زیادہ عرصہ تک یہی منطق یورپ بھر مین رایج رہی اور اسی قسم کے لغو دعوی ایسے ہی فضول و مہمل ثبوت پر صحیح مانے جاتے رہے۔

چونکہ وہ فریق جو سلطنت مین برسر اقتدار ہو گیا تھا اس قسم کی کتابین تصنیف کرنے سے عاجز تھا جنہین بت پرست مصنفین کی مشہور تصانیف سے عقلی طور پر یارای مسابقت ہو سکے اور یہ ممکن نہ تھا کہ فریق مذکور مد مقابل کو دانش و حکمت مین اپنے سے بڑھ کر تسلیم کرے لہذا مصلحت اسی مین سمجھی گئی کہ علوم سفلی یعنی فلسفہ و طبعیات کی اشاعت کی راہ مین نہ صرف روڑے اٹکائے جائین بلکہ فلاسفہ و طبعیین پر سختیان کی جائین تاکہ وہ اکتساب و ترویج علوم و فنون سے بالکل ہی دست بردار ہو جائین اور علم کا چراغ گل ہو جائے۔ قیصر ویلنٹانیین کے عہد مین جو مظالم حکما سے اشراقیین پر روا رکھے گئے اون کی محرک یہی پولٹیکل مصلحت تھی۔ اون پر جادوگری کا الزام لگایا گیا اور بہت سے فلاسفہ قتل کرا دیے گئے فلسفہ کو قدم قدم پر خطرات کا سامنا تھا۔ فلسفہ دانی سرکاری جرایم کی فہرست مین شامل ہو گئی۔ علم و حکمت کی جگہ اب عجائبات و توہمات نے لے لی جن سے طبیعتون کو عشق پیدا ہو گیا۔ اور مصر کے جن مشاہیر نے عجائب خانہ اسکندریہ کو بقائے دوام کی چادر اڑھا دی تھی اون کی جانشین جاہل اور اوہام پرست راہبون کے گروہ بن گئے۔

---

[۵۱] امام غزالی علیہ الرحمۃ کی طرف اشارہ ہے۔ مترجم

تیسرا باب

نزاع مذہب و سائنس دربارہ مسئلہ توحید پہلی یعنی جنوبی اصلاح

اہل مصر اصرار کرتے ہین کہ مریم عذرا کی پرستش کو رواج عام دیا جائے۔ قسطنطنیہ کا بطریق نسطور اون کی مخالفت کرتا ہے لیکن انجام کار بوجہ اوس رسوخ کے جو مصریون کو دربار قیصر مین حاصل ہے وہ نسطور کو جلا وطن کرا دیتے ہین۔ اور نسطور کے پیرو منتشر ہو جاتے ہین۔

اصلاح جنوبی (یعنی اسلام) کا آغاز۔ حملہ ایران۔ اس کے اخلاقی نتایج۔

اصلاح عرب۔ حضرت محمد نسطوری فرقے کے راہبون سے ملتے ہین۔ اور اون کے اصول اختیار کر کے ان اصول پر اپنی طرف سے بہت کچھ اضافہ کرتے ہین۔ مریم عذرا کی پرستش مسئلہ تثلیث اور اوس عقیدے سے جو توحید باری سے توافق نہین رکھتا وہ ابا کرتے ہین۔ عرب کی بت پرستی کو بہ جبر مٹا دیتے ہین اور دولت روما پر حملہ آور ہونے کی تیاریان کرتے ہین۔ آن حضرت صلعم کے جانشین شام مصر ایشیاے کوچک شمالی افریقہ اور ہسپانیہ کو سخر اور فرانس پر حملہ کرتے ہین۔

اس کشمکش سے یہ نتیجہ نکلتا ہی کہ وحدت واجب الوجود کا اصول دولت روما کے اکثر حصہ مین رایج ہو جاتا ہے۔ سائنس از سر نو زندہ ہوتا ہی اور مسیحی دنیا کے بہت سے مشہور مرکز حکومت مثلاً اسکندریہ کارتھج یہان تک کہ بیت المقدس تک عیسائیون کے ہاتھ سے نکل جاتے ہین۔

دولت روما کی حکمت عملی نے عہد قدیم کی عیسائیت مین بت پرستی کا عنصر ملا کر سلطنت کے باشندون کو کفار مسیحی نما بنا دیا تھا۔ بت پرست اور عیسائی بلحاظ عقاید ایک دوسرے کے حلیف بن گئے تھے بلکہ یون کہنا چاہیئے کہ دونون فریق ایک دوسرے مین مذہبی طور پر ضم ہوگئی تھے۔ عیسائیت نے بت پرستی مین بہت کچھ تبدیلیان پیدا کر دی تھین اور بت پرستی نے عیسائیت کو بہت کچھ متغیر کر دیا تھا۔ یہ دوغلا مذھب دولت روما کے طول و عرض مین پھیلا ہوا تھا۔

اس اختلاط سے جو عظیم الشان توسیع مترتب ہوئی اوس کا یہ نتیجہ ہوا کہ مسیحی جماعت دولتمند ہوگئی اور اوس کے سیاسی اقتدار کا پلہ بھاری ہوگیا۔ سرکاری مالگزاری کی رقم خطیر کا ایک بہت بڑا حصہ کلیسا کے خزانون مین داخل ہونے لگا۔ اس دولت پر دست مسابقت دراز کرنے والون کی تعداد بہت بڑھی ہوئی تھی۔ اور یہ وہ لوگ تھے جنہون نے دین عیسوی کی حمایت کا جامۂ ریائی پہن کر حقیقت مین اس کے دنیوی فوایدسے مستفید ہونے کو اپنا نصب العین قرار دے رکھا تھا۔

قیاصرہ زمانہ سابق کے عہد مین فتوحات کا آفتاب نصف النہار پر پہنچ چکا تھا۔ سلطنت کی تکمیل ہوچکی تھی۔ سپاہیانہ زندگی کے مقاصد اصلی سب ختم ہوچکے تھے۔ جنگ وجدل تغلب وتصرف اور لوٹ مار کا زمانہ گذر چکا تھا۔ لیکن اہل حرص وہوا کے لیے ایک اور رستہ بھی کھلا تھا اور اون کی مقصد برآریون کے اور بھی بہت سے طریقے تھے۔ کلیسائی زندگی کی کامیابی مین اون عظیم الشان فواید کا راز چھپا ہوا تھا جو عہد گزشتہ کے جنگی کارنامون کے مقابلہ مین سودمندی کے اعتبار سے کسی طرح کم نہ تھے۔

اس زمانہ مین مذھبی بلکہ یون کہنا چاہیئے کہ سیاسی تاریخ کے پرکار کا مرکز کش کش قسطنطنیہ اسکندریہ اور روما کے بطریقون کی مسابقانہ جدوجہد تھی۔ ان مین سے ہر ایک یہی چاہتا تھا کہ اپنے حریفون کو نیچا دکھا کر عنان سطوت واقتدار اپنے ہاتھ مین لے لے۔

قسطنطنیہ کے دعوای تفوق کا انحصار اس واقعہ پر تھا کہ وہ قیصر کا پایہ تخت ہے۔ اسکندریہ کو اپنی تجارتی اور علمی حیثیت پر ناز تھا اور روما اپنی گذشتہ عظمت کو اپنے دعوے کے ثبوت مین پیش کرتا تھا۔ لیکن قسطنطنیہ کے بطریق کے منصوبون کی راہ مین ایک بڑی مشکل بھی حایل تھی اور وہ یہ کہ قیصر کی ہر وقت اوس پر نظر رہتی تھی اور وہ کسی معاملہ مین خودسرانہ کارروائی نہ کرسکتا تھا۔ بخلاف اس کے اسکندریہ اور روما کو مرکز حکومت سے دور ہونے کے باعث شہنشاہ کی مداخلت کا خوف نہ تھا اور وہ بے کھٹکے من مانی کارروائیان کرسکتے تھے۔

مشرق مین مذہبی مباحث عموماً خدا کی ذات وصفات کے متعلق ہوتے رہے ہین لیکن مغرب مین اس قسم کے مناقشون کا میلان تعلقات وحیات انسان کی طرف رہا ہے۔ یہ خصوصیت اون تغیرات مین صاف طور سے نمایان ہے جن سے مذہب عیسوی ایشیا و یورپ مین متاثر ہوا۔ اوس زمانہ مین جس کا ہم ذکر کر رہے ہین سلطنت روما کے مشرقی صوبون مین ایک عقلی ہلچل مچی ہوئی تھی۔ تثلیث۔ جوہر ذات باری تعالی۔ درجہ ابن اللہ۔ ماہیت روح القدس۔ اقتدار مریم عذرا۔ وہ مسایل تھے جن پر نہایت سختی کے ساتھ مذہبی حلقون مین مناظرے اور مجادلے ہوتے تھے۔ آج ایک فریق نقارہ فتح ونصرت بجاتا تھا تو کل دوسرا فریق اپنی کامیابی کا اعلان کرتا تھا اور متخاصمین اپنے دعاوی کے ثبوت مین کبھی معجزے اور کرامتین پیش کرتے تھے اور کبھی نوبت تیغ آزمائی تک پہنچتی تھی جس سے خون کی ندیان بہ نکلتی تھین۔ یہ کوشش کبھی نہ کی جاتی تھی کہ آراے متقابل کو منطقیانہ استدلال کی کسوٹی پر پرکھ کر کھوٹے کھرے کا امتیاز کرلیا جائے۔ لیکن ان سب متخالف فرقون کے نزدیک یہ امر متفق علیہ تھا کہ بت پرستانہ مسلک کی تمام قدیم شکلین باطل تھین اس لیے کہ جس آسانی سے ان مذاہب کا استیصال ہوگیا وہ خود ان کے بطلان پر دلالت کرتی تھی۔ چنانچہ پادریون نے بہ بانگ دہل اس امر کا اعلان کردیا کہ جب امتحان کا

وقت آیا تو دیوتاؤن کی مورتین اپنی حفاظت مین انگلی تک نہ اٹھا سکین۔

یورپ کی جنوبی اقوام نے ہمیشہ تعدد ذات باری تعالی کو اپنا کیش و آئین قرار دیا ہے اور سامی اقوام کا میلان عقیدہ وحدت واجب الوجود کی طرف پایا گیا ہے۔ شاید زمانہ حال کے ایک مصنف کے خیال کے مطابق اس کی یہ وجہ ہو کہ پہاڑون وادیون جزیرون دریاؤن اور خلیجون کی رنگا رنگ منظر آرائیان انسان کے دل مین معبودون کی کثرت کا تصور پیدا کر دیتی ہین اور ایک وسیع و فسیح ریگستان اور ناپید اکنار سمندر کا نظارہ اوس کے دماغ پر جناب باری کی یکتائی کا نقش مرتسم کرتا ہی۔

ملکی مصلحتون نے قیصران روم سے سفارش کی تھی کہ عیسائیت اور بت پرستی کی آمیزش کو بنظر استحسان دیکھین۔ اور اس مین شک نہین کہ اس طرز عمل نے دونون حریفون کی باہمی رقابت کی تلخی کو کسی قدر کم کر دیا تھا۔ عام پسند مذہب عیسوی کی بہشت وہی قدیم اولمپس قرار دیا گیا تھا جس مین یونانی دیوتا رہا کرتے تھے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اب اس بہشت مین بجائے یونانی دیوتاؤن کے جو وہان سے نکال دئیے گئے تھے ایک بہت بڑے سفید تخت پر باپ یعنی خدا بٹھا دیا گیا تھا۔ اوس کے دہنے ہاتھ کی طرف بیٹا تھا۔ بیٹے کے برابر مقدس مریم زربفت کا خلعت پہنے انواع و اقسام کے زیورون سے لدی ہوئی جلوہ افروز تھین اور خدا کے بائین طرف روح القدس متمکن تھی۔ اس تخت کے گرداگرد ملایکہ کا ایک جم غفیر ہاتھون مین بانسریان لیے پراجمائے کھڑا تھا۔ ملایکہ کی صفون سے گذر کر ایک وسیع میدان نظر آتا تھا جہان اطعمہ لذیذ و اشربہ نفیسہ سے لدی ہوئی میزین بچھی ہوئی تھین جو نیک اور پاکباز بندون کی ارواح پر فتوح کے کام و زبان کے لیئے سرمایہ لذت جاودانی بہم پہنچاتی تھین۔

عوام و جہال کے اطمینان کے لیے تو راحت و سرور کی یہ تصویر کافی تھی اور شاید اون کا ذہن اس تصویر کے دوسرے رُخ کی طرف کبھی منتقل بھی نہ ہوتا ہوا اور اون کے

دل مین یہ سوال پیدا نہ ہوتا ہو کہ آخر ایسے غیر متغیر و غیر متحرک نظارہ مین جس کو دیکھ دیکھ کر طبیعت کا کبھی نہ کبھی اچاٹ ہوجانا لازمی ہے لذت آفرینی کی قابلیت کس حد تک موجود ہوسکتی ہے لیکن جو ذرا سمجھ دار تھے اون سے عوام کالانعام کی تقلید کی توقع نہ کی جاسکتی تھی۔ طبقہ اعلیٰ کے دقیقہ سنج و نکتہ رس پیشوایان دین مین بعض ایسے بھی تھے جنہون نے ان تصورات کو جو مادہ پرستی اور ہوس رانی کی آلایشون سے آغشتہ تھے کمال حقارت و نفرت کی نظر سے دیکھا اور حاضر و ناظر و قادر مطلق خدا کی ذات و صفات کو ان ناپاک قیود سے بری کرنے کے لیے اپنی آواز بلند کی۔

عیسوی مذھب مین بت پرستی کے عنصر کی آمیزش کا عمل تو ہر طرف جاری ہی تھا۔ اب ہر بطریق کو ہر دلعزیز بننے یا اپنا اثر و رسوخ برقرار رکھنے کے لیے اس بات کی فکر پڑ گئی کہ جس طرح بن پڑے اپنے مقتدیون کے عقاید کو عام اس سے کہ ان عقاید کا زمانہ قبل ظہور مسیحیت ہو یا بعد ظہور مسیحیت مذہب مین داخل کرلیا جائے۔ مصریون نے اسی طرح مسئلہ تثلیث کے متعلق اپنے خاص قسم کے عقاید کو عیسائیت مین زبردستی داخل کرالیا تھا اور اب وہ چاہتے تھے کہ مریم عذرا کی پرستش کے بہانہ سے آئسس کی قدیم پرستش کو از سر نو زندہ کیا جائے۔

انہین دنون مین قیصر تھیوڈوسیئس نے نسطور کو جو فلسفہ مین تھیوڈور ساکن بالسپوٹیا کا ہم مسلک تھا قسطنطنیہ کا بطریق اعظم مقرر کیا (۴۲۸ء)۔ اون ذلیل تجسیمیہ عقاید سے جو عوام مین پھیلے ہوئے تھے نسطور کو انکار تھا۔ اور اوس کا یہ خیال تھا کہ خدای ذوالجلال و قیوم کو جو کائنات کے ذرہ ذرہ مین ساری و دایر ہے ذات یا صفات مین انسان کے مشابہ یا مماثل قرار دینا کفر ہے۔ نسطور پر ارسطو کے فلسفہ نے نہایت گہرا اثر ڈالا تھا اور اوس کی یہ کوشش تھی کہ عقاید مشائیہ کو خالص مسیحی عقاید کے ساتھ تطبیق دی جائے۔ اس بنا پر اوس مین اور اسکندریہ کے بطریق سائرل مین جھگڑا ہوگیا۔ سائرل کا تعلق کلیسا

کی اوس جماعت سے تھا جو بت پرستی کی حامی تھی اور نسطور اوس فریق کا سرگروہ تھا جو مذہب کو مطابق عقل ثابت کرنے مین کوشان تھا۔ یہ سایرل وہی ہے جس نے ہائی پیشیا کو قتل کیا تھا۔ سایرل نے عزم بالجزم کرلیا تھا کہ حضرت مریم کی پرستش خدا کی مان ہونے کی حیثیت سے ارکان کلیسا مین داخل ہوجائے اور نسطور کا مصمم قصد تھا کہ ایسا نہ ہونے پائے۔ چنانچہ قسطنطنیہ کے صدر گرجا مین نسطور نے ایک خطبہ پڑھا جس مین خدائے قیوم کی صفات کو شرک سے مبرا قرار دیتے ہوئے اوس نے ازراہ استعجاب یہ سوال کیا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ ایسے خدا کی مان ہو؟ اس کے علاوہ متعدد موقعون پر اوس نے اور جو خطبے پڑھے یا مضامین لکھے اون مین نہایت وضاحت کے ساتھ یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ حضرت مریم کو خدا کی مان نہ سمجھنا چاہیے بلکہ حضرت مسیح کے انسانی حصہ کی مان تصور کرنا چاہیے اور یہ انسانی حصہ ربانی حصہ سے ایسا ہی جدا ہے جیسا معبد اپنے معبود سے۔

اسکندریہ کے ادنیٰ درجہ کے پادریون کی شہ پاکر قسطنطنیہ کے پادریون نے "خدا کی مان" کی حمایت کا بیڑا اُٹھایا اور نسطور کی مخالفت شروع کی۔ اس مناظرہ نے یہان تک طول کھینچا کہ شہنشاہ کو مجبور ہوکر حکم دینا پڑا کہ افیسس مین کونسل منعقد ہو۔ سایرل نے اس اثنا مین دربار شاہی کے صدر خواجہ سرا کو کئی مثقال سونے کی رشوت دے کر شہنشاہ کی بہن تک رسائی حاصل کرلی۔ اس طور پر آسانی دربار کی مقدس دوشیزہ کو اپنے ہی ہم جنسون مین سے ایک حمایت کرنے والی شہنشاہی دربار کی مقدس دوشیزہ کی شکل مین ہاتھ آگئی۔ سایرل مردون اور عورتون کے ایک جم غفیر کو جو طبقہ اراذل و انفار سے تھا ہمراہ لیے ہوئے کونسل مین پہنچا اور خود بخود صدر نشین مجلس بن بیٹھا۔ اوس کے ہمراہیون نے شور مچانا شروع کردیا اور اس شوروغل مین قبل ازانکہ شامی بطریق جو کونسل مین شریک ہونے کے لیے طلب کیے گئے تھے پہنچین شہنشاہ کا فرمان پڑھوا دیا گیا۔ اس طور پر سایرل نے ایک دن مین میدان مار لیا اور اپنے

حریف کو شکست فاش دے کر خوش خوش گھر پہنچا۔ نسطور نے بہت کچھ ہاتھ پاؤن مارے کہ اوس کے عذرات تو سن لیے جائین اور جو دلایل وہ پیش کرنا چاہتا تھا اون کو ایک نظر دیکھ تو لیا جائے لیکن اوس کی ایک پیش نہ گئی۔ بلا اس کے کہ اوس کو صفائی کا موقع دیا جاتا اوس پر فرد قرارداد جرم لگا دی گئی۔ جب شامی بطریق جو نسطور کے طرفدار تھے پہنچے تو اونہون نے ایک جلسہ مین اس فیصلہ سے ناراضی و بیزاری کا اظہار کیا۔ شدہ شدہ نوبت یہان تک پہنچی کہ فریقین مین فساد ہو گیا۔ سینٹ جان کے گرجا مین لاٹھی چل گئی اور بہت کچھ سر پھٹول ہوئی۔ نسطور مورد عتاب ہوا اور جلا وطن کر کے مصر کے ایک ریگستان مین بھیج دیا گیا۔ اوس کے دشمن عمر بھر اوس کو طرح طرح کی ایذائین دیتے رہے اور جب اوس کا انتقال ہوا تو اوس کی مرثیہ خوانی ان الفاظ مین کی گئی کہ ”اوس کی کفر بکنے والی زبان مین کیڑے پڑ گئے تھے اور اگرچہ وہ مصری ریگستان کی جھلسنے والی لوؤن کی لپٹ سے مر کر بچ نکلا ہے لیکن یقین ہے کہ اب اوس کا جسم جہنم کے بھڑکتے ہوے شعلون مین جھولکا جائے گا“

لیکن نسطور کی شکست اور سزایابی اوس کے عقاید کو کسی طرح نہ مٹا سکی۔ سینٹ میتھیو کی کتاب کے پہلے باب کی آخری آیت اور اسی کتاب کے تیرھوین باب کی پچپنوین[۵۵] اور چھپنوین[۵۶] آیتون کے صاف اور صریح الفاظ کو جنکے مفہوم مین تاویل کو دخل نہین پیش نظر رکھ کر وہ اور اوس کے پیرو اس بات کا اعتراف نہ کر سکتے تھے کہ آسمان کی نئی ملکہ کی حالت دوشیزگی ایک ہمیشہ قایم رہنے والی صفت ہے۔ اون کے فلسفیانہ رجحانات کی جھلک بہت جلد اون کے طرز عمل مین نظر آنے لگی۔ جس زمانہ مین نسطور ریگستان افریقہ مین قید کاٹ رہا تھا اوس کے بہت سے پیرو ہجرت کر گئے اور دریای فرات کے کنارے جا آباد ہوئے جہان اونہون نے کلیسائے کلدانیہ قایم کیا۔ انہین کی ساعی نے ایڈیسا کے مشہور دار العلم کی بنا ڈالی۔ نسیبس (نصیبین) کے دار العلم سے وہ علما چمکتا تاج فضیلت سر پر رکھ کر نکلے جنہون نے نسطوری عقاید کو شام عرب ہندوستان تاتار مصر اور چین مین پھیلا دیا۔ نسطوریون نے

فلسفہ مشائیہ کو اپنا عقلی مسلک قرار دیا اور ارسطو کی تصانیف کا ترجمہ شامی اور ایرانی زبانون
مین کیا۔ اس کے علاوہ اونھون نے زمانہ مابعد کے دوسرے مصنفین مثلاً پلائینی[1] کی تصانیف

[1] تاریخ مین اس نام کے دو مشاہیر کا تذکرہ موجود ہے۔ اکبر و اصغر۔ یہان پلائینی اکبر سے مراد ہے
جو نہ صرف دولت رومتہ الکبریٰ کے اراکین سلطنت مین ایک خاص درجہ رکھتا تھا بلکہ کثیر التعداد
کتابون کے مصنف ہونے کے لحاظ سے مصنفین عہد قدیم کی صف اول مین جگہ پانے کا مستحق ہے۔
۲۳ء مین بمقام ویرونا پیدا ہوا۔ روما نے جب جرمنی پر فوج کشی کی تو اسے بھی فوج کے ایک
دستہ کی کمان ملی۔ اس وقت اس کی عمر ۲۳ سال تھی۔ اس فوج کشی کی تاریخ اوس نے بیس
جلدون مین لکھی ہے۔ اس کے بعد سلطنت کے بڑے بڑے ذمہ داری کے عہدون پر اوس کا
تقرر ہوتا رہا لیکن باوجود انہماک مشاغل سرکاری وہ تالیف و تصنیف کے لیے بہت کچھ وقت
نکالتا رہتا تھا۔ اوس کی کتاب "ہسٹوریا نیچرلیس" (صحیفہ فطرت) اوس کی علمی مستعدی کی سب سے
بڑی یادگار ہے جو ہم تک پہنچی ہے۔ اس کتاب کی سینتیس ۳۷ جلدین ہین اور جیسا کہ مصنف مقدمہ
کتاب مین لکھتا ہے اس مین بیس ہزار مسایل پر بحث ہے جن کا ماخذ دو ہزار مختلف المضامین کتابین
ہین۔ پلائینی کی اس تصنیف کا ترجمہ یورپ کی قریب قریب ہر زبان مین ہوچکا ہے۔ پلائینی کی موت
کا واقعہ عجیب و غریب ہے۔ ۷۹ء مین جب وہ دولت روما کا امیرالبحر تھا ایک دن اوس نے
مائسنم سے جہان اوس کا بیڑہ متعین تھا کوہ ویسوویس کی چوٹی سے دھوان اُٹھتا دیکھا۔
اس کی ماہیت دریافت کرنے کے لیے وہ ایک پنسوی پر سوار ہوکر پہاڑ کے قریب چلا گیا۔
اور ساتھ اپنی نوٹ بک بھی لیتا گیا تاکہ جو کچھ دیکھے اوس پر درج کرتا جائے۔
قلہ کوہ کی آتش افشانی کا منظر اور زیادہ قریب سے دیکھنے کی غرض سے وہ
کشتی سے اُتر کر دامن کوہ کی طرف بڑھا۔ دہکتے ہوے انگارون اور اُبلتی ہوئی
راکھہ کا مینھہ برسنا شروع ہوگیا۔ اوس کے نوکر تو جان بچاکر بھاگ گئے مگر وہ خود
وہین تلف ہوگیا۔ مترجم

کا بھی ترجمہ کیا۔ یہودیون کے ساتھ مل کر اونھون نے جندی سابور مین ایک طبی مدرسہ قایم کیا۔ اون کے منادون نے عیسائیت کو نسطوری شکل مین اطراف واکناف ایشیا مین یہان تک پھیلا دیا کہ اس کے پرستش کرنے والون کی تعداد بالآخر کلیسائے یونان وکلیسائے رومن کیتھولک کے یورپ مین پیرودن کی مجموعی تعداد سے بھی بڑھ گئی۔ یہ امر خاص طور سے قابل لحاظ ہے کہ عرب مین نسطوری مسیحیون کا ایک ابطریق موجود تھا۔

غرض قسطنطنیہ اور اسکندریہ کی ان مذہبی معرکہ آرائیون نے ایشیا کے مغربی حصے کو بہت سے فرقون کی جولانگاہ بنا دیا جو ہر وقت آپس مین لڑتے جھگڑتے رہتے تھے اور چونکہ دربار شاہی نے اون مین سے اکثر کو سخت سخت سزائین دی تھین اور اون پر طرح طرح کی سختیان کی تھین لہذا اون کے دلون مین شہنشاہ کی طرف سے نفرت اور کینہ کا طوفان بپا ہو رہا تھا۔ اس کا نتیجہ ایک بہت بڑے مذہبی انقلاب کی شکل مین ظاہر ہوا جس کا اثر آج کے دن تک ہمین محسوس ہوتا ہے۔ یہ انقلاب ایسا ہمہ گیر تھا کہ تمام دنیا اس کی لپیٹ مین آگئی۔

اس مہتم بالشان واقعہ کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے مناسب ہوگا کہ اسے دو جداگانہ اجزا مین تحلیل کر کے ہر ایک پر باری باری سے نظر ڈالی جائے یعنی اول تو ایرانیون کے ہاتھون ایشیائی مسیحیت کی ہنگامی و عارضی پامالی اور دوم وہ قطعی اور فیصلہ کن اصلاح جو عربون کے ذریعہ سے عمل مین آئی۔

اولاً۔ مشرقی دربار اپنے آئے دن کے انقلابات کے لحاظ سے مشہور ہین۔ اسی طرح کی ایک انقلاب نے خسرو ولیعہد تخت ایران کو مارِس قیصر روم کے دربار مین جا کر پناہ لینے اور اوس سے مدد مانگنے پر مجبور کیا۔ مارِس نے اپنے شاہی مہمان کی دلجوئی کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا اور ایک لشکر جرار اوس کے ہمراہ کر دیا جس کی مدد سے خسرو مالک تخت و تاج ہوگیا۔ لیکن وہ نمایان فتوحات جو اس لشکر نے ایران مین حق کو حقدار تک پہنچانے کے لیے حاصل کی تھین خود مارِس کے دولت و اقبال کی محافظت نہ کر سکین۔ یعنی رومی فوج مین

غدر برپا ہوگیا۔ اس بغاوت کا سرغنہ ایک شخص فوکاس نامی تھا جو فوج مین سو سپاہیون کی کمان کے عہدہ پر مامور تھا۔ قیصر کے مجسمے منہدم کردیے گئے اور قسطنطنیہ کے بطریق نے اس اعلان کے ساتھ کہ فوکاس کے مذہبی عقاید کلیسائی مقدس کی میزان احتساب مین پورے اترتے ہین اوس کی تاجپوشی کی رسم اپنے ہاتھ سے ادا کی۔ برگشتہ بخت مارس ایک خانقاہ سے جہان اوس نے پناہ لی تھی کشان کشان باہر لایا گیا۔ اوس کے پانچ بیٹے یکے بعد دیگرے اوس کی آنکھون کے سامنے قتل کیے گئے اور آخر مین اوس کی گردن ماری گئی۔ اوس کی ملکہ کو سینٹ صوفیا کے گرجے سے بلطایف الحیل باہر نکلنے کی ترغیب دی گئی اور جب وہ اس مقام امن سے اپنی تین کمسن بیٹیون کو لیے ہوئے باہر نکلی تو ان بیچارون کو طرح طرح کے عذاب دے کر تہ تیغ کیا گیا۔ شاہی خاندان کے ہواخواہون پر انواع و اقسام کے ظلم کیے گئے۔ ظالمون نے بعض کی آنکھین نکلوا ڈالین۔ بعض کی زبان گدی سے کھنچوا ڈالی۔ بعض کے ہاتھ پاؤن کٹوا ڈالے۔ بعض کو کوڑے مار مار کر مار ڈالا اور بعض کو زندہ جلا دیا۔

جب یہ خبر روما مین پہنچی تو بطریق گریگوری نے خوشیان منائین اور دعا مانگی کہ فوکاس کو خدا اپنے دشمنون پر غالب آنے کی توفیق بخشے۔ اس ذلیل چاپلوسی کے صلہ مین اوسے اسقف اعظم کا لقب دیا گیا۔ اوس کی اور نیز بطریق قسطنطنیہ کی متحدہ مخالفت کی وجہ غالباً یہ تھی کہ مارس ہی کی نسبت یہ شبہ کیا جاتا تھا کہ ایرانیون سے راہ و رسم رکھنے کے باعث اوس کا میلان مجوسی عقاید کی طرف ہوگیا ہے۔ چنانچہ قسطنطنیہ کے گلی کوچون مین جب اوسے تشہیر کیا گیا تو عوام الناس نے اوس پر پھبتیان اڑائین اور آوازے کسے اور اوس کو ازراہ استحقار مجوسی کہہ کر پکارا۔

خسرو کو جب اپنے دوست کے قتل کا حال معلوم ہوا تو دنیا اوس کی آنکھون مین اندھیر ہوگئی اور غم و غصہ کا ایک طوفان اوس کے دل مین اُمنڈ آیا۔ فوکاس نے مارس اور

اوس کے بیٹون کے سر کسریٰ کے پاس بھیج دیئے تھے۔ جب یہ کٹے ہوئے سر اوس کے دربار مین پیش ہوئے تو اوس نے لرز کر اپنا منھ پھیر لیا اور اپنے محسن کے قاتلون سے اوس کا انتقام لینے کے لیے فوراً دولت روما پر چڑھائی کی تیاریان شروع کر دین۔

افریقیہ کے نائب السلطنتہ ہرقلس کو بھی جو سلطنت کا رکن اعظم تھا اس دردناک سانحہ کے سننے سے نہایت صدمہ ہوا اور اوس نے دل مین ٹھان لی کہ جو ہو سو ہو قیصران روم کے تخت کو ایک کریہ المنظر اور فرومایہ فوجی افسر کی غاصبانہ دستبرد سے بچایا جائے۔ فوکاس کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ اوس کا قد چھوٹا اور اوس کی صورت مکروہ تھی۔ اوس کی نا ملایم گھنی بھوون اوس کے سُرخ رنگ کے بالون اور اوس کی نکیلی ٹھڈی نے جس پر داڑھی کی علامت تک نہ تھی اوس کے چہرے کے ایک مہیب داغ کے ساتھ مل کر اوس کی شکل کو نہایت ہی گھناؤنا اور ڈراؤنا بنا دیا تھا۔ وہ جاہل مطلق اور کندہ ناتراش تھا۔ ملک کے قوانین سے بالکل نابلد تھا حتی کہ ہتھیارون کے استعمال سے بھی واقف نہ تھا۔ اور عیاشی اور شراب خواری اوس کی گھٹی مین پڑی تھی۔ پہلے تو ہرقلس نے اوسے خراج دینے اور اوس کی اطاعت کرنے سے انکار کیا۔ پھر کھلم کھلا علم مخالفت بلند کیا لیکن چونکہ ضعف پیری اور انحطاط قوا نے اوسے اس قابل نہ رکھا تھا کہ میدان جنگ کی سختیون اور صعوبتون کی خود تاب لا سکے لہذا یہ خطرناک مہم اوس نے اپنے بیٹے کو کہ اوس کا نام بھی ہرقلس تھا سونپی۔ نوجوان ہرقلس ایک جرار جنگی بیڑا لیے کر روانہ ہوا اور موافق ہوا اون کی مدد سے بہت جلد قسطنطنیہ کے سامنے آپہنچا۔ زمانہ کی ادا پہچاننے والے پادری۔ ارکان سلطنت اور شہر کے باشندے فتح کا پلہ اوس کی طرف جھکا ہوا دیکھ کر اوس کے شریک ہو گئے۔ آخر غاصب گرفتار ہوا اور قتل کر دیا گیا۔

لیکن قسطنطنیہ کا یہ انقلاب فرمانروائے ایران کی یلغار کا مزاحم نہ ہوا۔ کسریٰ کے مجوسی ہیربدون نے یونانیون کی دروغ آمیز اور ظالمانہ اوہام پرستیون کے خلاف اوس کی

کان اچھی طرح سے بھر دئے تھے اور اوس کو جتلا دیا تھا کہ یونانیون کی ایک نہ سننی چاہیئے بلکہ جو کچھ کرنا چاہیئے اپنی قوت ممیزہ کے بھروسے پر کرنا چاہیئے۔ غرض خسرو نے دریائے فرات کو عبور کیا۔ شام کے مسیحی فرقون نے جو قسطنطنیہ کی طرف سے خار کھائے بیٹھے تھے اوس کی فوج کے رستے مین اپنی آنکھین بچھا دین۔ حملہ آور کا خیر مقدم ہر جگہ نہایت تپاک سے کیا گیا۔ جس شہر مین اوس کا گذر ہوا وہان کے باشندے روما کی اطاعت کا جوا کندھے سے اوتار کر اوس کے ساتھ مل گئے۔ اس طرح انطاکیہ قیصریہ اور دمشق یکے بعد دیگرے نہایت آسانی سے مسخر ہوتے ہوئے چلے گئے۔ بیت المقدس کسی قدر مزاحمت کے بعد ایک حملہ مین سر ہوگیا۔ ایرانیون نے مرقد مسیح اور قسطنطین وہلینا کے گرجاؤن مین آگ لگا دی۔ صلیب عیسوی کو بطور یادگار فتح ایران بھیج دیا۔ گرجاؤن کا مال و متاع لوٹ لیا۔ مقدس تبرکات کو جنھین دست اوہام نے بڑے چاؤ سے جمع کیا تھا نیست ونابود کر دیا۔ پھر مصر پر حملہ کیا اور اوسے فتح کر کے سلطنت ایران کے ساتھ شامل کر لیا۔ اسکندریہ کے بطریق نے بھاگ کر قبرس مین جا پناہ لی۔ ساحل افریقہ طرابلس تک ایرانی فوج کے قبضہ مین آگیا۔ شمال کی جانب ایشیاے کوچک کل کا کل مسخر ہوگیا اور دس سال تک ایرانی فوجین قسطنطنیہ کے سامنے باسفورس کے ساحل پر ڈیرے ڈالے پڑی رہین۔

جب ہرقلس پر سخت ہی آبنی تو اوس نے بار بہ مجبوری صلح کی التجا کی۔ لیکن پر غرور اور متکبر کسریٰ نے یہ جواب دیا کہ جب تک شہنشاہ روم اپنے مصلوب خدا سے الگ ہو کے آفتاب کی پرستش نہ کرے گا مین اوس کی التجاے صلح قبول نہ کرون گا۔ آخر بعد دقت ساڑھے سات سو من سونا اسی قدر چاندی ایک ہزار خلعت ہاے فاخرہ ایک ہزار گھوڑے اور ایک ہزار صاحب جمال دوشیزہ لڑکیاں سلطنت روما کی آزادی کا فدیہ قرار پائین۔

لیکن ہرقلس کی یہ اطاعت چند روزہ تھی۔ اوس نے کچھ عرصہ کے بعد نہ صرف وہ

ملک جو خسرو نے اوس سے چھینا تھا واپس لے لیا بلکہ ایران پر چڑھائی کر کے وہ جنگی کارنامے یاد دلا دیئے جن کے لحاظ سے دولت روما کا سب سے زیادہ روشن زمانہ یادگار تاریخ ہی

اگرچہ سلطنت روما کی جنگی عظمت اس طور پر بحال ہو گئی تھی اور اگرچہ اوس نے وہ تمام ملک جو اوس کے ہاتھ سے نکل گیا تھا واپس لے لیا تھا لیکن ایک نقصان اوسے ایسا پہنچا تھا جس کی تلافی کسی طرح ممکن نہ تھی۔ یعنی دولت ایمان گئے وقت کی طرح پھر نہ آسکتی تھی۔ مجوسیت نے ساری دنیا کی آنکھون کے سامنے مسیحیت کا خاکہ اُڑایا تھا۔ اور حضرت مسیحؑ کی مزار کو آگ لگا کر۔ گرجاؤن کو لوٹ کر اور مٹا کر۔ بیش بہا تبرکات کو خاک کی طرح ہوا مین اُڑا کر اور صلیب کو ہر طرح کے تمسخر اور تضحیک کے بعد مال غنیمت مین لا کر مسیحیت کے مقدس ترین مقامات یعنی بیت اللحم جتمین اور کیلوری کی توہین کی تھی۔

ایک وہ زمانہ تھا کہ شام مصر اور ایشیائے کوچک مین معجزون کی بھرمار تھی۔ کوئی گرجا ایسا نہ تھا جو ایک طول وطویل فہرست آسمانی نشانات کی پیش نہ کر سکتا ہو۔ بات بات پر معجزے اور کرامتین ظاہر ہوتی تھین۔ لیکن اس نازک موقع پر جب آسمانی نشانات کی ایسی سخت ضرورت تھی ایک بھی نشان ظاہر نہ ہوا۔

ارض مشرق کی مسیحی آبادی نے جب دیکھا کہ مجوسی حملہ آورون نے اون کی گرجاؤن کو آگ لگا دی اون کی خانقاہون کو مسمار کر دیا اون کی پاک یادگارون کی بے حرمتی کی اور اس پر بھی حملہ آورون پر عذاب آسمانی نازل نہین ہوا تو اس بوالعجبی نے انہین کچھ دیر کے لیے ساکت وصامت کر دیا۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ خدا کا قہر ان کفار پر بجلی بن کر گرے گا۔ آسمان ٹوٹ پڑے گا۔ زمین پھٹ جائے گی۔ خدا کی تلوار برق خاطف کی طرح اوج فلک پر چمکتی ہوئی نظر آئے گی اور ان دین مقدس کی بیحرمتی کرنے والون کا حشر بھی وہی ہوگا جو سناچریب[1] کا ہوا تھا

[1] ایک سریانی بادشاہ تھا جس کا زمانہ سنہ ۷۰۵ سے سنہ ۶۸۱ قبل مسیح تک ہے۔ اس کی عظیم الشان فتوحات اور عالیشان محلون کی تعمیر کا ذکر اون خشتی کتابون کے مخروطی حروف مین (بقیہ مضمون بر صفحہ آیندہ)

لیکن کچھ بھی نہ ہوا۔ ایک آسمانی نشان بھی اس موقع پر ظاہر نہ ہونے پایا۔ اس کا نتیجہ جو ہونا تھا وہی ہوا۔ لوگون کا تعجب مبدل بہ خوف ہوگیا اور خوف کی جگہ بداعتقادی نے لے لی۔

ثانیاً۔ اگرچہ اس مین شک نہین کہ ایرانی فتوحات کے نتایج مسیحیت کے حق مین سخت خطرناک تھے لیکن ان نتایج کو بھی اوس مہتم بالشان واقعہ کا محض ایک مقدمہ سمجھنا چاہیے جس کا ذکر اب آتا ہے یعنی مسیحیت کے خلاف جنوبی اقوام کی بغاوت۔ اس واقعہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو ممالک عیسائیون کے قبضہ مین تھے اون کا نو دسوان حصہ اون کے ہاتھ سے نکل گیا یعنی ایشیا و افریقہ کلاً اور یورپ جزواً مسیحیت کی حلقہ بگوشی سے آزاد ہوگیا۔

۵۸۱ء کے موسم گرما مین اونٹون کا ایک قافلہ شہر بُصرا مین پہنچا جو دمشق کے جنوب مین ملک شام کی سرحد پر واقع ہے۔ یہ کاروان مکہ سے آیا تھا اور جنوبی عرب کی گران بہا پیداوار اپنے ساتھ لایا تھا۔ کاروان سالار کا نام ابُوطالب تھا جس کے ہمراہ اوس کا ایک دوازدہ سالہ بھتیجا بھی تھا۔ چچا بھتیجے شہر کی نسطوری خانقاہ مین اُتارے گئے جہان کے مہمان نواز راہبون نے اون کی بہت کچھ خاطر و مدارات کی۔

خانقاہ کے راہبون کو دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ اون کا خوردسال مہمان

(بقیہ مضمون صفحہ گذشتہ) موجود ہے جو کلدانی و سریانی آثار قدیمہ کی ذیل مین برآمد ہوئی ہین۔ توراۃ سے پایا جاتا ہے کہ اوس نے فنیشیا مصر اور جوڈیا پر چڑھائی کی تھی۔ لیکن خدا کو اوس کی سرکشی پسند نہ آئی اور اوس پر عذاب آسمانی نازل کیا گیا چنانچہ ملایکہ کے جنود مجندہ نے راتون رات اوس کے لشکر جرار کو تباہ کر ڈالا اور وہ بحالت تباہ اپنے پایہ تخت نینوہ کو لوٹ گیا۔ ہیراڈوٹس یونانی مورخ ملایکہ کے بجای چوہون کی ایک عظیم الشان فوج کا ذکر کرتا ہے جو مصریون کے مخالفین پر حملہ کر کے اون کے تیر و کمانون اور ڈھالون کو نگل گئی اور اس طور پر وہ جب نہتے رہ گئے تو مارے گئے۔ سناچرب اس لحاظ سے گویا یہودیون کا ابرہہ ہے۔ مترجم

جس کا نام حلیبی[1] یا محمد تھا عربون کے مقدس معبد کعبہ کے محافظ کا بھتیجا ہے۔ ان مین سے ایک راہب بحیرہ نامی نے کوشش کی کہ جس طرح ہو اس لڑکے کے دل سے اوس بت پرستی کے اثر کو جو اس کا آبائی مذہب ہے زایل کیا جائے۔ بحیرہ نے دیکھا کہ لڑکا نہایت ہونہار اور غیر معمولی طور پر ذہین ہے اور مذہبی باتون کو نہایت شوق اور توجہ سے سنتا ہے۔

محمد کے اہل وطن یعنی مکہ کے باشندون کا سب سے بڑا معبود ایک کالا پتھر از قسم شہاب ثاقب تھا جو تین سو ساٹھ بتون کے ساتھ کعبہ مین رکھا ہوا تھا۔ یہ بت کالے پتھر کے توابع متصور ہوتے تھے اور چونکہ اس زمانہ مین شمسی سال تین سو ساٹھ دن کا محسوب ہوتا تھا لہذا ہر بت سال کے ایک دن سے منسوب تھا۔

جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہین یہ وہ زمانہ تھا جبکہ کلیسائے عیسوی کا شیرازہ پادریون کے حب جاہ اور خباثت نفس کی وجہ سے پراگندہ ہو رہا تھا۔ اجتہادات کو شان اجماع بخشنے کے بہانے سے اکثر کونسلون کے اجلاس منعقد ہوتے تھے لیکن اس انعقاد کا اصل مقصد پوشیدہ رکھا جاتا تھا۔ بسا اوقات ان کونسلون مین جبر۔ ارتشا اور بددیانتی کا سمان نظر آتا تھا مغرب مین بطریق کا عہدہ دولت و تمول عیش و عشرت اور شکوہ و طمطراق کی ایسی نیت آزما ترغیبات پیش کرتا تھا کہ اس عہدہ پر کسی پادری کے نامزد ہوتے وقت خونریز ہنگامون کا واقع ہونا معمولات ہو گیا تھا۔ مشرق مین دربار قسطنطنیہ کے طرز عمل نے کلیسا کو مباحثون مناقشون اور مجادلون کی جولانگاہ بنا رکھا تھا۔ جو بے شمار فرقے ان مذہبی معرکہ آرائیون نے پیدا کر دیے تھے

[1] جناب رسالت مآب مختلف القاب سے یاد فرمائے گئے ہین۔ مخالفین و معاندین نے اگر از راہ خبث نفس آپ کو ابوکبشہ یا راعی یا ابتر کہا ہے تو موافقین و معتقدین نے بتقاضائے ارادت امین مصطفٰے اور مجتبٰی کے لقب سے یاد کیا ہے لیکن کوئی روایت بسند صحیح اس مضمون کی ہمارے علم مین موجود نہین ہے کہ آپ حلیبی بھی پکارے جاتے ہون۔ "حلیب" اونٹنی کے دودھ یا دودھ دوہنے والے کو کہتے ہین۔ معلوم نہین مصنف کو یہ نام کیسے ہاتھ آیا اور اس کی کیا اصلیت ہے۔ مترجم

ان میں سے چند کے نام یہ ہیں۔ ایرئین۔ بسیلیڈئن۔ کارپوکریشئن۔ کالیریڈئین۔ یوٹیشئن۔ ناسٹک۔ جیکوبائٹ۔ نارسیونائٹ۔ ناریونائٹ۔ نسطورین۔ سبیلئن۔ ویلنٹائنئن
منجملہ ان کے میریونائٹ فرقہ کا یہ عقیدہ تھا کہ تثلیث کے ارکان حسب ذیل ہیں :۔ باپ خدا بیٹا خدا اور مریم عذرا خدا۔ فرقہ کالیریڈئن حضرت مریم کو خدا سمجھ کر پرستش کرتا تھا اور اون کی مورت پر نہائی کا پڑا چڑھاتا تھا۔ فرقہ نسطوری جیساکہ ہم کو معلوم ہی ہے اس عقیدہ سے انکار کرتا تھا کہ خدا کی بھی ماں ہوسکتی ہے۔ اس فرقہ کو اس امر پر ناز تھا کہ وہ یونان قدیم کے علوم و فنون کا وارث و مالک ہے۔

یہ تمام فرقے اگرچہ عقاید میں ایک دوسرے کے حریف تھے لیکن ایک بات قدر مشترک کے طور پر ایسی بھی تھی جس پر ان سب کا اتفاق تھا اور جس کے لحاظ سے یہ ایک دوسرے کے حلیف کہلا سکتے تھے اور وہ بات تھی ان کی باہمی نفرت اور عداوت جس نے ہر فرقہ کو دوسرے فرقہ کا دشمن جان بنا رکھا تھا۔ عرب جس کو اپنی حریت اور خود مختاری پر ناز تھا جس کو کسی کی کشورکشائی مسخر نہ کرسکی تھی اور جس کی وسیع سرزمین بحر ہند سے لے کر ریگستان شام تک پھیلی ہوئی تھی آڑے وقت میں ان میں سے ہر ایک کا ملجا و ماوی بنا۔ اور یہ کوئی نئی بات نہ تھی قدیم سے یہی ہوتا چلا آیا تھا۔ جب کوئی قوم مغلوب ہوئی اور فریق غالب نے اوس کا قافیہ تنگ کردیا تو اوس نے بھاگ کر عرب ہی میں پناہ لی۔ چنانچہ جب رومیوں نے فلسطین کو فتح کیا تو یہودیوں کی ایک تعداد کثیر یہیں آکر پناہ گزین ہوئی۔ سینٹ پال اہل گلیشیا سے مخاطب ہوکر کہتا ہے کہ جب مشرف بہ اصطباغ ہوکر میں نے اپنے آپ کو ہر طرف سے مخالفین کے نرغہ میں گھرا ہوا پایا تو فوراً عرب چلا آیا۔ غرض عرب کی وادیوں اور صحراؤں میں عیسائی راہبوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ نظر آنے لگے۔ جن کی تبلیغی کوششوں نے عرب کے سربرآوردہ قبایل میں سے اکثر کو دایرہ مسیحیت میں داخل کرلیا۔ جابجا گرجے بھی بن گئے۔ اور عرب کا جنوبی صوبہ یمن حبش کے نسطوری العقاید مسیحی فرمانرواؤں کے قبضہ میں آگیا۔

بحیرہ راہب نے بصرا کی خانقاہ مین حضرت محمدؐ کو نسطوری عقاید کی تعلیم دی اور اپنے مظالم کی داستان شروع سے آخر تک حرف بحرف کہہ سنائی - یہ انہین ملاقاتون کا نتیجہ تھا کہ آنحضرت صلعم کے دل مین کلیسا ے مشرقی کی بت پرستانہ رسمون کی طرف سے عموماً اور اوثان واصنام کی پرستش کی طرف سے خصوصاً وہ نفرت بیٹھ گئی جس کو کوئی قوت مٹا نہ سکی - اور بحیرہ راہب ہی کی تعلیم کا اثر تھا کہ آپ نے اوس عجیب وغریب زندگی کے دوران مین جس کے کارنامون نے دنیا کو محو حیرت کر دیا حضرت مسیح کو کبھی خدا کا بیٹا کہہ کر نہ پکارا بلکہ ہمیشہ مسیح ابن مریم کے لقب سے یاد فرمایا - آپ کے ناتربیت یافتہ لیکن مستعد واخّاذ دماغ نے نہ صرف اپنے اتالیقون کے مذہبی بلکہ فلسفیانہ خیالات کا نہایت گہرا اثر قبول کیا اور یہ وہ اتالیق تھے جنہین ارسطو کے جانشین اور حکمت مشائیہ کے سبق آموز ہونے کے لحاظ سے اپنی ذات پر ناز تھا اور بجا ناز تھا - بعد مین آپ کے طرز عمل سے اس امر کی صاف شہادت ملتی ہے کہ نسطوریون کے مذہبی عقاید نے آپ پر کہان تک قابو پالیا تھا چنانچہ اوس ارادت ومحبت کا جو آپ اس فرقہ کے ساتھ رکھتے تھے آپ نے متواتر ثبوت دیا ہے - اس سے بڑھ کر اور ثبوت اس انس وعقیدت کا کیا ہوگا کہ آپ نے اپنی زندگی کو نسطوریون کے دینی عقاید کی توسیع واشاعت کے لیے وقف کر دیا اور جب یہ مقصد پورا ہو چکا تو آپ کے جانشینون نے اون کے علمی ومشائی اصول اختیار کر لیے اور نہایت سرگرمی سے ان کی اشاعت مین حصہ لیا - [1]

[1] عیسائی مصنفین جو نبوت کی حقیقت سے بے خبر ہین اور اون تعلقات کی ماہیت کو نہین جان سکتے جو خدا اور اوس کے برگزیدہ مرسلین کے درمیان وقتاً فوقتاً قایم ہوتے رہے ہین عام طور سے جب ہمارے رسول مقبول صلعم کا ذکر آتا ہے تو یہ ثابت کرنے کی کوشش کیا کرتے ہین کہ وہ لکھے پڑھے تھے یا اونہون نے توارات وانجیل کا بامعان نظر مطالعہ کیا تھا یا عیسائی راہبون سے اونہون نے تعلیم پائی تھی اور اسی تعلیم کا یہ نتیجہ تھا کہ اونہون نے دنیا کے سامنے وہ مہتم بالشان اور زندہ جاوید تحریک پیش کی جس کا نام اسلام ہے - یورپین مصنفین کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ادن کو اگر ایک چھوٹا سا (بقیہ مضمون بر صفحہ آیندہ)

جب حضرت محمد سن رشد کو پہنچے تو آپ نے ارض شام کے اور بھی سفر کیے۔ یہ خیال کرنا بعید از قیاس نہ ہوگا کہ ان موقعون پر آپ نسطوری خانقاہ مین جا کر اس کے مہمان نواز

(بقیہ مضمون صفحہ گذشتہ) واقعہ مل جائے تو اوس سے سینکڑون نتایج اپنے مفید مطلب بلا تامل نکالتے ہوئے چلے جاتے ہین خواہ وہ نتایج مقدمہ کے صغری وکبری سے دور کی نسبت بھی نہ رکھتے ہون۔ سوئی کا پھاوڑا اور رائی کا پربت بنا دینا اون کا ایک ادنی کرشمہ ہے پنسل کے مدھم سے خاکے پر ایسی ایسی رنگ آمیزیان کرتے ہین کہ دیکھنے والا جو سطح سے نیچے جانے کی تکلیف گوارا نہین کرتا بے اختیار فریفتہ ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر ڈریپر مصنف کتاب ہذا بھی باوجودیکہ اسلام اور بانی اسلام کا ذکر مع قبولیت سے کرتے ہین اور اون کی تحریر سے اوس تعصب کی بو نہین آتی جو پادریون کی تحریرون کا خاصہ ہے اس لغزش سے نہین بچ سکے۔ فقط ایک اتنے سے واقعہ سے کہ رسول اللہ گیارہ بارہ برس کی عمر مین شام گئے تھے اور بحیرہ راہب سے ملے تھے اور یہ وہ متفق علیہ واقعہ ہے جو بسند ابن اسحق و ابن ہشام ہم تک پہنچا ہے ڈاکٹر ڈریپر نے یہ نتیجہ نکال لیا کہ بحیرہ نے آپ کو نسطوری عقاید کی تلقین کی اور آپ نے اس تلقین سے متاثر ہو کر نسطوریت کو بالآخر بنام اسلام دنیا مین شایع کیا۔ بحیرہ کے علاوہ اور جس شخص کا اثر رسول اللہ صلعم پر بقول ڈریپر پڑا وہ ورقہ ابن نوفل مترجم انجیل تھا جس سے آن حضرت صلعم کو مذہبی امور پر گفتگو کرنے کا بارہا اتفاق ہوا۔

اسلامی تاریخون اور روایتون سے یہ کہین بھی ثابت نہین ہوتا کہ بعثت سے قبل آنحضرت صلعم کی رسم و راہ یہودیون اور عیسائیون سے رہی ہو اور آپ نے اون کے مذہبی پیشواؤن سے مذہبی تعلیم حاصل کی ہو اور ایسی حالت مین جبکہ اسلام اور اوس کے مقدس و محترم بانی کے متعلق مغربی مصنفین کی کل معلومات کا ماخذ اسلامی تاریخین اور روایات ہی ہون اس قسم کے نتیجہ پر پہنچ جانا جس پر کہ ڈاکٹر ڈریپر پہنچے ہین اون کی قوت متخیلہ کی شگرف آفرینی پر ایک گواہ عادل ہے۔

اگر یہ فرض کر بھی لیا جاے کہ ایک گیارہ برس کا عرب کا لڑکا (کیونکہ رسول اللہ صلعم جب اپنے چچا کی ساتھ شام کو تشریف لے گئے ہین تو آپ کی یہی عمر تھی) جو بت پرستی و جاہلیت کے حوالی سے گھرا ہوا ہو اقانیم ثلثہ کی اوس عجیب و غریب بحث کو سمجھنے کی قابلیت رکھ سکتا ہے (بقیہ مضمون بر صفحہ آیندہ)

کمینون سے جنہین آپ نے فراموش نہ کیا تھا ضرور ملے ہون گے۔ حقیقت یہ ہے کہ ملک شام کی آپ کے دل مین بڑی وقعت تھی۔ مکہ کی ایک دولتمند بیوہ جن کا نام خدیجہؓ تھا اپنی شامی

(بقیہ مضمون بر صفحہ آیندہ) جسے مسیحیت کا چھ صدیون کا فلسفہ بھی سلجھا نہ سکا تھا تو پھر یہ بات سمجھ مین نہین آتی کہ اس لڑکے نے اسی پُر اسرار بھول بھلیان مین سے توحید کی وہ سیدھی اور سچی راہ کیون کر ڈھونڈ نکالی جو فلسفہ ومذھب دونون کی نگاہ سے اب تک پوشیدہ تھی۔ نسطوریت باوجود اوس میلان کے جو اوسے توحد کی جانب تھا پھر بھی شرک کے دایرہ کا مرکز تھی۔ مانا کہ وہ مسیح کے جسمانی حصہ ہی کو بطن مریم سے نسبت دیتی تھی لیکن مسیح کے ربانی حصہ سے تو اوس کو انکار نہ تھا۔ بہ الفاظ دیگر وہ اس بات کی تو قایل تھی کہ خدا انسان کا روپ ایک طرح سے دھار سکتا ہے۔ اس کے علاوہ مسیحیت کے دوسرے عقاید مثلاً کفارہ جو اصل اصول نجات ہونے کے اعتبار سے مذھب عیسوی کا سنگ بنیاد ہے نسطوریت مین بلا کسی ترمیم کے داخل تھے۔ ورقہ کا اثر اگر رسول اللہؐ پر پڑا تو وہ بھی گویا زیادہ سے زیادہ ایک نسطوری المذھب عیسائی کا اثر تھا۔ یہودیون سے توحید کا خیال اگر رسول اللہ مستعار لیتے تو اوس مین بھی تجسیمیت کے مادی عناصر شامل تھے۔ پھر وہ کون سی قوت تھی جس نے مکہ کے اس یتیم ولسیر او رامی بچے کے قلب مین ابتدا ہی سے اون عقایق کو جمع کرنا شروع کردیا جن کی روشنی مین اوسے تمام ادیان و مذاہب موجودہ کی اچھائیان اور برائیان نظر آنے لگ گئین اور جب ارتقا کے اوس ہمہ گیر عمل نے جس سے پیغمبر بھی مستثنیٰ نہین ہوسکتا اوس کے قواے ذہنی کو ترقی دیکر مشاہدہ اور تجربہ کی مدد سے منتہاے کمال پر پہنچا دیا یعنی بعثت کی ساعت قریب آئی تو اوس نے اچھائیون کو چن لیا اور انہین ایک دلاویز و دل آرا شکل مین دنیا کے سامنے پیش کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ پیغمبر اوس زبردست اور فوق العادت تائید کی بدولت جو ہمیشہ اوس کے شامل حال رہتی ہے درجہ معرفت ویزدان شناسی پر خود بخود پہنچ جاتا ہے اور اس کی مثال بعینہ حضرت ابراہیمؑ کی سی مثال ہوتی ہے جنکی نسبت قرآن پاک مین کہا گیا ہے کہ جب اونہون نے ستارے کو چمکتا ہوا دیکھا تو اون کی قوت مدرکہ نے جو مایل بہ ایمان تھی اون کو یہ سمجھایا کہ ہو نہو یہی اون کا معبود ہے مگر جب وہ ڈوب گیا تو اون کو معاً یہ خیال پیدا ہوا کہ فنا ہوجانے والی چیز معبود و خالق نہین ہوسکتی۔ اسی طرح (بقیہ مضمون بر صفحہ آیندہ)

تجارت کا کل کاروبار آپ کے سپرد کرچکی تھین ۔ آپ کی قابلیت اور ایمانداری نے جناب خدیجہؓ
کو آپ کا گرویدہ بنا دیا اور چونکہ مبداء فیاض سے حسن کامل اور خُلق عظیم آپ کے حصہ مین
آیا تھا لہذا وہ آپ پر ہزار جان سے فریفتہ ہوگئین ۔ عورتون کا دل ہر ملک اور ہر زمانہ مین
اسی قسم کے جذبات کی جولانگاہ بنا رہا ہے ۔ غرض جناب خدیجہؓ نے ایک کنیز کے ذریعہ سے
اپنے دل کا حال آپ پر ظاہر کیا اور دونون کا عقد ہوگیا ۔ اس کے بعد چوبیس سال تک
جناب خدیجہؓ زندہ رہین ۔ اس مدت دراز مین آن حضرتؐ نے اپنے آپ کو اون کا وفادار شوہر

(بقیہ مضمون صفحہ گذشتہ) درجہ بدرجہ اون کو چاند اور سورج نظر آئے اور اونہون نے ان اجرام سماوی
کے قرص کی عظمت وتجلی کو دیکھ کر پہلے کی طرح انہین کو اپنا خدا سمجھا مگر جب یہ بھی غروب ہوگئے تو اونہون نے
ان سے یہ کہہ کر ابا کیا کہ مین آفلین سے محبت نہین رکھتا ۔ استدلال واستنباط کے انہی روحانی زینہ کے
ذریعہ سے وہ اوس خالق ذوالجلال کے بام معرفت پر جا پہنچے جو آسمان وزمین ثوابت وسیار بشر وملک سب کا
پیدا کرنے والا ہے ۔ ہمارے رسول اکرمؐ بھی تائید ایزدی سے خود بخود معراج عرفان پر پہنچے ۔ اس منزل کے
طے کرنے مین نہ اون کو بحیرہ نے مدد دی نہ ورقہ نے نہ زید بن عمر کی راست روی نے ہدایت کی نہ امیہ ثقیفی کی
دین حنیف نے ۔ خدا خود اون کا رہبر تھا اور تائید ایزدی خود اون کی پیشوا تھی ۔ بت پرستی سے اون کو نفرت
دلائی تو خدا نے جیسا کہ قرآن کی یہ آیت پاک ظاہر کر رہی ہے ووجدك ضالاً فهدى اور شرک
ورجس سے اون کے دل مین کراہت پیدا ہوئی تو خدا کی تحریک سے الم نشرح لك صدرك
ووضعنا عنك وزرك الذي انقض ظهرك ۔ رسول اللہؐ اگر بقول ڈریپر نسطوریت
کے اصول ہی کی تلقین کرتے تو آج دنیا مین اقانیم ثلثہ کا ایک دوسری صورت مین رواج ہوتا ۔ وہ خالص
توحید جو اسلام کا خاصہ ہے مفقود ہوتی ۔
اس کے علاوہ جیسا کہ پروفیسر نکلسن نے اپنی ایک قابل قدر تصنیف مین جو حال ہی مین شایع ہوئی ہے
لکھا ہے ۔ اس مین شک نہین کہ رسول اللہؐ کے معاصرین مین متعدد اشخاص ایسے تھے جو بُت پرستی سے کارہ تھے
حنیف کہلاتے تھے اور ممکن ہے کہ ان کا اثر رسول اللہ پر پڑا ہو لیکن اون مین (بقیہ مضمون برصفحہ آیندہ)

ثابت کیا اور ایک ایسے ملک مین جہان کثرت ازدواج کی رسم عام تھی آپ کبھی دل مین یہ خیال تک نہ لاے کہ دوسرا نکاح کر کے جناب خدیجہؓ کی توہین و دل آزاری کا موجب بنین - کئی سال کے بعد جب آپ کا نیر اقبال نصف النہار پر تھا ایک دفعہ جناب عائشہ صدیقہؓ نے جو حسن و جمال کے لحاظ سے عرب بھر مین مشہور تھین آپ سے جناب خدیجۃ الکبریٰؓ کا ذکر ان الفاظ مین کیا :- "کیا وہ بڑھیا نہ تھی ؟ کیا مجھے آپ کے حبالہ عقد مین لا کر خدا نے آپ کو اوس سے اچھی بی بی عطا نہین فرمائی ؟" - آن حضرتؐ یہ سن کر بے قرار ہو گئے اور اوس لہجہ مین جس سے بوے امتنان آتی تھی یہ جواب دیا :- "واللہ کہ خدیجہؓ سے بہتر بی بی اور کوئی نہین ہو سکتی - جب اور لوگ مجھے حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے تو وہ مجھ پر ایمان لائی - جب مین کوڑی کوڑی کو محتاج تھا اور دنیا میرے درپے آزار تھی تو اوس نے مجھے نہال کر دیا"

جناب خدیجہؓ سے عقد کرنے کی بدولت آپ معاش کی طرف سے فارغ البال ہو گئے اور اب آپ کو اوس مذہبی غور و فکر کا پورا موقعہ ہاتھ آیا جس سے آپ کی طبیعت کو فطری مناسبت تھی - جناب خدیجہؓ کے چچازاد بھائی ورقہ نے جو یہودی تھا اس زمانہ مین دین عیسوی اختیار کر لیا تھا - اور عیسائی ہونے کے بعد پہلا کام جو اوس نے کیا وہ یہ تھا کہ بائبل کا ترجمہ عربی مین کر ڈالا - آنحضرتؐ کو مذہبی امور پر ورقہ سے گفتگو کرنے کا بارہا اتفاق ہوا اور ان مکالمات نے اوس نفرت کو جو آپ کے دل مین بت پرستی کی طرف سے جاگزین تھی اور زیادہ راسخ کر دیا -

جس طرح تارک الدنیا مسیحی راہبوں نے صحراؤن مین آبادی سے دور اپنے جھونپڑے

(بقیہ مضمون صفحہ گذشتہ) اور محمدؐ مین یہ فرق تھا کہ اون کو تو اپنی ہی نجات کی پڑی تھی اور انہون نے ذاتی اغراض کی حدود سے متجاوز ہو کر تمام دنیا کی منقل جان مین نور ایمان کی چنگاری ڈال دی ہے

گفت آن گلیم خویش بدر می برد ز موج
وین جہد می کند کہ بر آرد غریق را

مترجم

ڈال رکھے تھے جن مین وہ سب سے الگ تھلگ رہتے تھے اسی طرح آنحضرتؐ نے کوہ حرا کی ایک غار مین جو مکہ سے چند میل کے فاصلہ پر تھا عزلت گزین ہو کر خدا کی عبادت کرنی شروع کی اور آپ کا وقت مراقبہ واشراق مین کٹنے لگا۔ اس عالم تنہائی مین آپ نے خدا ے قیوم و ذوالجلال کی صفات جلالی پر غور و خوض کرتے کرتے ایشیائی مسیحیت کے عقاید پر نظر ڈالنی شروع کی۔ اقانیم ثلثہ کے عقدہ کو جب سلجھانا چاہا تو یہ مشکل پیش آئی کہ ایک طرف تو حضرت مسیح کو نسبت ابوت قادر مطلق سے وابستہ کیے ہوے ہے دوسری طرف حضرت مریم ہین کہ ایک ہی وقت مین شان دوشیزگی بھی لیے ہوے ہین۔ گود بھی بھری ہوئی ہے اور آسمان کی ملکہ بھی ہین۔ ان مشکلات نے آپ کے دل مین یہ سوال پیدا کیا کہ آیا یہ ممکن ہے کہ انسان اس قسم کے عقاید اختیار کرے اور پھر بھی گناہ مین مبتلا نہ ہو یا کفر و شرک کے خطرات مین گرفتار نہ ہو۔

غار حرا مین مدتون محو غور و فکر رہنے کے بعد حضرت محمدؐ اس نتیجہ پر پہنچے کہ متضاد و متباین عقاید کے بادلون کا جو گھٹا ٹوپ ہر طرف چھایا ہوا ہے اوس مین ایک بڑی حقیقت یعنی توحید باری کی روشنی نظر آسکتی ہے[1]۔ چنانچہ ایک کھجور کے درخت کے تنے سے پیٹھ کو

[1] آخر مصنف کو حقیقت کا اعتراف کرتے ہی بنی۔ یا تو اس پر اصرار تھا کہ رسول اللہؐ نے جو کچھ حاصل کیا بحیرہ سے حاصل کیا اور اپنی طرف سے جو کچھ کیا یہ کیا کہ نسطوریت کی اشاعت کر دی اور یا اب اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ رسول اللہؐ مدتون محو غور و فکر رہ کر توحید باری کے نکتہ پر پہنچے۔ سمجھ مین نہین آتا کہ جب بحیرہ بت پرستی کا اثر رسول اللہؐ کے دل سے مٹا چکا تھا اور نسطوریت کے تمام اسرار اونہین سمجھا چکا تھا تو پھر اونہین غار حرا مین مدتون محو غور و فکر رہنے کی کیا ضرورت تھی۔ آگے چل کر مصنف نے اپنے اس خیال کی کہ رسول اللہؐ اسلام کی اشاعت کے لحاظ سے نسطوریت کے شرمندہ احسان تھے صاف الفاظ مین یہ کہہ کر تردید کر دی ہے کہ "لون اصول کے تسلیم کرنے سے بھی آپ نے انکار کر دیا جو اگرچہ آپ کے نسطوری اساتذہ نے آپ کو سکھائے تھے لیکن آپ کا ضمیر اور عقل اون کی تائید نہ کر سکتی تھی۔" مترجم

ٹپکا دے کر آپ نے اپنے خویش و اقارب کے سامنے اس بارہ مین اپنے خیالات ظاہر کرتے ہوے علی رؤس الاشہاد فرمایا کہ آپ اس حقیقت کی اشاعت کے لیئے اپنی زندگی کو وقف فرماوین اپنے خطبون مین اور نیز قرآن مین بار بار آپ نے ان الفاظ کو دہرایا ہے :۔ "مین تو محض ایک منادی ہون ...... اور خدا کی وحدانیت کی تلقین کرتا ہون ۔" آپ کی نبوت کے متعلق خود آپ کا خیال یہی تھا ۔ چنانچہ اس دن سے اپنی وفات کے وقت تک آپ اپنی انگلی مین ایک انگوٹھی پہنے رہے جس کے نگینہ پر یہ الفاظ کندہ تھے :۔ "محمد الرسول اللہ"

اطبا اس بات کو اچھی طرح جانتے ہین کہ جو شخص صایم الدہر ہوتا ہے اور عرصہ تک دماغی پریشانیون اور فکرون مین مبتلا رہتا ہے اوسے التباس حواس کا عارضہ لاحق ہوجاتا ہی یعنی وہ چیزین محسوس ہونے لگتی ہین جنکی خارجی اصلیت کچھ نہین ہوتی[۱] نفس کش راستباز اور مستقیم العزم اشخاص نے جن مذاہب کی بنیاد ڈالی ہے اون مین سے شاید ایک بھی مذھب ایسا نہ ہوگا جس مین فوق العادت آزمایشات و امتحانات اور فوق القدرت احکام و اوامر کی مثالین نہ ملتی ہون ۔ پر اسرار آوازین عربی پیغمبر کو سنائی دیتی تھین جس مین آپ کو استقامت کی ہدایت ہوتی تھی اور عجیب و غریب صورتون کی پرچھائیان آپ کے سامنے سے گذرتی ہوئی

[۱] تو اے کبوتر بام حرم چہ می دانی — طپیدن رگ مرغان رشتہ بر پا را

کیا اطبا ہم کو یقین دلا سکتے ہین کہ مجاہدہ اور ریاضت کے ذریعہ پاک نفس اور پاک سرشت انسانون کو جو حقیقتین نظر آتی ہین اون کا وجود ذہن مین بھی نہین ہوتا؟ کیا حقیقت اشیا کا راز اون کی خارجی اصلیت ہی مین مرکوز ہے؟ روحانی کرشمون کو اطبا چاہی التباس حواس سے تعبیر کرین چاہے اختلال دماغ کہین لیکن اون سے انکار نہین ہوسکتا ۔ اور سچ تو یہ ہے کہ اوس التباس حواس پر جس کا نتیجہ قرآن کا سا معجز التزام کلام اور اسلام کی سی خلاق آموز حقیقت انتہا فاین رسان اور ہمہ گیر تحریک ہو ہزار مشائی و اشراقی فلسفے قربان ہین ۔ دنیا مین سینکڑون ہزارہا بلکہ لاکھون شخص ایسے گذرے ہین جنہون نے روزے بھی رکھے ہین ریاضتین بھی کین مین دماغی پریشانیون اور فکرون مین بھی مبتلا ہوے ہین لیکن باوجود ان تمام باتون کے کسی مین محمدؐ کی شان نہ پیدا ہوسکی ۔ مترجم

معلوم ہوتی تھین دور سے گھنٹی کے بجنے کی سی آواز ہوا کو چیرتی ہوئی آپ کے کانون مین پڑتی تھی۔ ایک دفعہ رات کے وقت عالم خواب مین جبرئیل امین آپ کو مکہ سے بیت المقدس لے گئے اور وہان سے دونون نے آسمان کا رخ کیا۔ چھ آسمانون کی سیر مین تو جبرئیلؑ نے آپ کی مشایعت کی لیکن ساتوین آسمان کی دہلیز پر قدم رکھتے ہوے اون کے بھی پر جلے۔ اس لیے آپ تن تنہا اوس حجیب ہادل مین داخل ہوے جس کا نقاب ہمیشہ قادر مطلق کے چہرے پر پڑا رہتا ہے۔ اور جب باری تعالیٰ کے سرد ہاتھ کا لمس آپ کو اپنے شانہ پر محسوس ہوا تو آپ کا دل دہل گیا"[۱]

اول اول آپ کے مواعظ و نصایح کی لوگون نے بہت مخالفت کی اور آپ کو بہت کم کامیابی ہوئی۔ بت پرستون نے آپ کو مکہ سے نکال دیا اور آپ کو مدینہ مین جہان بہت سے یہودی اور نسطوری موجود تھے پناہ لینی پڑی۔ نسطوریون نے فوراً آپ کا مذھب قبول کرلیا جس سے فی الجملہ آپ کو تقویت ہوگئی۔ کفار کی ایذا رسانی سے مجبور ہو کر آپ نے اپنی صاحبزادی اور بعض صحابہ کو پہلے سے حبش بھیج دیا تھا جہان کا فرمانروا نسطوری المذہب عیسائی تھا۔ چھ سال کی مدت مین صرف پندرہ سو آدمی آپ کے مذھب مین داخل ہوئے۔ لیکن تین چھوٹی چھوٹی لڑائیون مین جو بعد مین بدر، اُحد اور احزاب کے نام سے مشہور ہوئین آپ کو معلوم ہوگیا کہ آپ کی سب سے زبردست دلیل تلوار ہے[۲]۔ چنانچہ اس خیال کو آپ نے

---

[۱] معلوم نہین یہ لغو اور مہمل فقرہ کہان سے ڈریپر کو ہاتھ لگ گیا۔ معراج کے متعلق رویت کے امکان پر قرآن نے قوقاب قوسین او ادنیٰ کا پردہ ڈال رکھا ہے لیکن آپ تجسیمت کے درجہ سافل مین پہنچ کر انسان کی قوت لامسہ کو خدا کے احساس کا شرف عطا کرتے ہوئے تامل نہین فرماتے۔ غالباً اسی بنا پر آپ نے آگے چل کر اسلام پر تجسیمیت کا الزام لگایا ہے۔ مترجم

[۲] افسوس ہے کہ مصنف نے اسلام کے اصول سے ناواقف اور اون واقعات سے بے خبر ہونے کے باعث جو غزوات نبوی کے محرک ہوئے یہ تحکمانہ اصول قایم کردیا کہ (بقیہ مضمون برصفحہ آیندہ)

اون فصیح الفاظ مین جو مشرق سے آپ کو میراث مین ملے تھے اس طرح ظاہر کیا ہے :۔ جنت تلوارون کے سایہ کے نیچے ہے "۔ غزوات کے ایک کامیاب سلسلہ نے آپ کے دشمنون کا استیصال کلی کر دیا - عرب کی بت پرستی نیست و نابود ہوگئی :۔ اصول لا الہ الا اللہ کو جس کا آپ نے اعلا فرمایا تھا آپ کے ابناے وطن نے یکزبان ہو کر تسلیم کر لیا اور آپ کی نبوت پر بھی ایمان لے آئے -

آؤ اب ہم آپ کی طوفان انگیز زندگی کے مہتم بالشان کارنامون سے قطع نظر کرین اور سنین کہ جب آپ کے دولت و اقبال کا آفتاب بصد آب و تاب چمک رہا تھا اور آپ کی حیات مستعار کا آخری وقت قریب آچلا تھا تو آپ کا طرز زندگی کیا تھا اور آپ نے اوس وقت کیا کیا خیالات ظاہر کیے -

عقیدۂ وحدت باری تعالے کے امٹ نقش کو اپنی لوح ایقان پر مرتسم کیے ہوئے آپ اوس حج کے قصد سے جس کے بعد پھر کوئی حج آپ نے نہین کیا مدینہ سے مکہ کو روانہ ہوئے - ایک لاکھ چودہ ہزار مسلمانون کا قافلہ آپ کے پیچھے پیچھے تھا - اونٹ پھولون کے ہارون سے آراستہ و مزین تھے - لہراتے ہوے پرچمون سے اس پرشکوہ کاروان کی سج دھج دوبالا ہو رہی تھی - اس شان و شوکت کے ساتھ جب آپ مکہ معظمہ کے قریب پہنچے تو آپ نے یہ دعا کی :۔ " الٰہی مین تیری عبادت کے لیے یہان موجود ہون - تیرا کوئی شریک نہین - تجھی کو عبادت سزاوار ہے - تو ہی مالک الملک ہے - کونین کی سلطنت مین تیرا کوئی شریک

(بقیہ مضمون صفحہ گذشتہ) اسلام کی سب سے زبردست دلیل تلوار ہے - اگر مصنف کے عین حیات مین پروفیسر آرنلڈ کی کتاب " اشاعت اسلام " ہی شایع ہوگئی ہوتی تو شاید یہ خیال ظاہر کرتے ہوئے اوسے تامل ہوتا - اسلام تو اپنے مسلمہ حقوق کی حفاظت ہی مین تلوار اٹھانے کی اجازت دیتا ہے مگر وہ مذہب ذرا اپنے گریبان مین منھ ڈال کر دیکھین جنکا اصول تو یہ ہے کہ مارنے سے مارا جانا بہتر ہے مگر عمل یہ ہو کہ بیکسون کو بھی پامال کر کے صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے - مترجم

وسیع نہین۔

آپ نے اپنے ہاتھ سے اونٹون کی قربانی کی۔ اس قدیم رسم کی نسبت آپ کا یہ خیال تھا کہ نماز اور قربانی مساوی الفضایل ہین۔ جو دلیل ایک کی تائید مین پیش کی جا سکتی ہے اوسی سے دوسری کو ثابت کیا جا سکتا ہے [۱]۔

کعبہ کے ممبر پر چڑھ کر آپ نے فرمایا کہ اے مسلمانو مین بھی تمھاری طرح محض ایک انسان ہون۔ جب یہ الفاظ آپ کی زبان سے نکلے تو سننے والون کو معاً وہ واقعہ یاد آ گیا جب ایک شخص ڈرتے ڈرتے آپ کے قریب آیا تھا اور آپ نے اوس سے فرمایا تھا کہ بھئی اس قدر کیون سہمے جاتے ہو مین کچھ بادشاہ تو ہون نہین۔ ایک غریب عرب عورت کا بیٹا ہون جو اونٹ کا گوشت دھوپ مین سکھا کر کھایا کرتی تھی۔

حج کر کے آپ نے مدینہ کو مراجعت کی۔ آپ کی زندگی کا مقصد ختم ہو چکا تھا۔ اب وہ وقت آ گیا کہ آپ دنیا سے رحلت کرین۔ آخری تقریر جو آپ نے مسلمانون کی جماعت کے سامنے کی اوس کے الفاظ یہ تھے :۔ "ہر شے خدا کی مرضی کے تابع ہے۔ اور اوس کے لیے ایک خاص وقت مقرر ہے جس مین نہ تقدیم کو دخل ہے نہ تاخیر کو۔ جس نے مجھے دنیا مین بھیجا تھا مین اوس کی طرف مراجعت کرتا ہون اور تم کو میری آخری نصیحت یہ ہے کہ بھائی بھائی ہو کر رہو۔ ایک دوسرے کے ساتھ عزت اور محبت کا برتاؤ کرو۔ وقت پر ایک دوسرے کے کام آؤ۔ اور ایک دوسرے کو ایمان پر ثابت قدم رہنے اور نیک عمل کرنے کی ہدایت کرو۔ مین جب تک زندہ رہا تمھاری بھلائی کی تدبیرین کرتا رہا اب مرتے وقت بھی اگر مجھے کوئی خیال ہے تو تم لوگون کی بہبودی کا۔"

---

[۱] معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کی نظر قرآن مجید کی اس آیت پر پڑ گئی ہوگی " فصل لربک وانحر" لیکن نماز اور قربانی کو مساوی الفضایل قرار دینا اور اس تساوی فضیلت کے خیال کو جناب رسالت مآب سے منسوب کرنا مصنف کی کمی معلومات پر مبنی ہے۔ مترجم

عالت نزع مین آپ کا سر حضرت عایشہؓ کے زانو پر تھا۔ فرط کرب سے آپ رہ رہ کر اپنا ہاتھ پانی کے طشت مین جو پاس رکھا ہوا تھا ڈالتے تھے اور اپنا چہرہ تر کرتے تھے۔ آخر اس کی بھی طاقت نہ رہی۔ آپ کی نگاہین عرش برین کی طرف اُٹھ گیئن اور ٹوٹتے ہوے لہجہ مین یہ آخری الفاظ آپ کے منھ سے نکلے :۔ "الٰہی .... میری گناہ معاف کر .... آمین .... مین آیا"

کیا یہ ممکن ہے کہ ایسے شخص کا نام تعظیم وتکریم کے ساتھ نہ لیا جائے؟ یہ شخص وہ ہے جس کے اصول آج کے دن بنی نوع انسان کے ایک تہائی حصہ کے رہنما وپیشوا ہین۔

حضرت محمدؐ اپنے ملک کے قدیم بت پرستانہ عقاید سے تو پہلے ہی ابا کر چکے تھے۔ اون اصول کے تسلیم کرنے سے بھی آپ نے انکار کر دیا جو اگرچہ آپ کے نسطوری اساتذہ نے آپ کو سکھائے تھے لیکن آپ کا ضمیر اور عقل اون کی تائید نہ کر سکتی تھی۔ اس مین شک نہین کہ قرآن کے ابتدائی صفحون سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے اون صحایف آسمانی کو جو حضرت موسیٰ وحضرت عیسیٰ پر نازل ہوے منجانب اللہ سمجھا اور ان دونون ابنیائے کرام کو بھی آپ نے واجب التعظیم خیال کیا لیکن باری تعالیٰ کی حمد وثنا اور تعظیم وتکریم کا جلوہ خصوصیت کے ساتھ قرآن کی ہر سورت مین نظر آتا ہے۔ الوہیت مسیح کا مسئلہ آپ کو نہایت ہی قبیح ومکروہ معلوم ہوتا ہے۔ خدا کی ماں کی حیثیت سے حضرت مریم کی پرستش کو اور عام طور سے مورتون اور تصویرون کی عبادت کو آپ ایک ذلیل درجہ کی بت پرستی تصور کرتے ہین۔ آپ تثلیث کے قطعی منکر ہین جس کی نسبت آپ کا یہ خیال ہے کہ اس مسئلہ کی بجز اس کے اور کوئی تاویل ممکن نہین کہ تین خدا علیحدہ علیحدہ موجود ہین۔

آپ کا مقصد خاص صرف اسی قدر تھا کہ مذہب کی اصلاح کی جائے اور جو خرابیان اوس مین پیدا ہو گئی ہین اونھین دور کیا جائے یعنی عربون کی بت پرستی کو مٹا کر اوس وحشیانہ فرقہ بندی کا خاتمہ کر دیا جاے جس نے عیسائیت کو فساد کا گھر بنا دیا تھا۔ یہ خیال کہ آپ ایک نیا مذہب قایم کرنا چاہتے تھے ایک بہتان تھا جو آپ پر قسطنطنیہ مین باندھا گیا جہان آپ

ویسے ہی برے سمجھے جاتے تھے جیسا کئی صدیون کے بعد تو تھر تر دا مین سمجھا گیا۔

لیکن اگرچہ آپ نے فرط حقارت سے اون تمام باتون کو رد کر دیا جن سے مسئلہ وحدت باری تعالیٰ کی کچھ بھی نفی ہوتی تھی پھر بھی تجسیمی تصورات کی قید سے آپ اپنے آپ کو آزاد نہ کر سکے۔ قرآن کا خدا بالکل انسان کے مشابہ ہے بلکہ اگر موزون الفاظ اجازت دے تو کہا جا سکتا ہے کہ جسمانی اور دماغی ہر ایک اعتبار سے یہ خدا مثیل انسان ہے۔ لیکن مسلمان بہت جلد ان ادنیٰ درجہ کے خیالات کی پستی سے نکل کر ادن رفیع الشان تصورات تک پہنچ گئے جن مین حکمت و ادراک کی لطافتین اپنی جھلک دکھا رہی تھین۔[۱]

[۱] اسلام پر جو چند سو تیا نہ اعتراضات عیسائی پادریون کے تعصب سے یورپین مصنفین کو ترکہ مین پہنچے ہین اون مین ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ اسلام مین خدا کا تصور انسانی حیثیت سے کیا گیا ہے اور قرآن کا خدا گویا ایک دیو پیکر انسان ہے جس مین تمام عادات و خصایل وہی پائے جاتے ہین جو عام طور سے بنی نوع انسان مین پائے جاتے ہین۔ تعجب ہے کہ ڈاکٹر ڈریپر جیسا نکتہ رس شخص بھی جو وسیع النظر ہونے کے علاوہ اسلامی تعلیم کو رواداری اور رسالت کی آنکھ سے دیکھتا ہے اس اعتراض کو صحیح سمجھتا ہے۔

علامہ شبلی نعمانی نے اپنی بے مثل کتاب الکلام حصہ دوم مین اس مضمون پر ایک لطیف بحث لکھی ہے جس کی یہ عبارت ہمین نہین بھولتی :۔

"دنیا اس عالمگیر تاریکی مین پڑی ہوئی تھی کہ دفعۃً اسلام نے آکر تمام غلط خیالات اور معتقدات کا پردہ چاک کر دیا۔ اوس نے بتایا کہ خدا واحد محض ہے اور زمان و مکان جہت و اشارہ تحت و فوق ہر قسم کے قیود و خصوصیات سے مبرا ہے۔ یہ وہ تقدیس و تنزیہ تھی جس پر یورپ نے بھی حیرت ظاہر کی اور گبن نے کہا کہ جب زمان و مکان و جہت و اشارہ تمام خصوصیتون کو الگ کر لیا جائے تو خیال کے لیے باقی کیا رہ جاتا ہے۔ اسی تقدیس کی بنا پر اسلام نے ہر قسم کی بت پرستی کا استیصال کر دیا کیونکہ اسلام نے خدا کی نسبت جو پاک اور منزہ خیال قایم کیا تھا وہ ایسا نہ تھا کہ خدا کا تصور جسمانی پیکر اور صورت کے بغیر دلون مین نہ آسکے۔ ہند و مصری یونانی رومن کیتھولک سب خدا کے تصور کے لیے جسمانی تمثل کے محتاج تھے اور (بقیہ مضمون بر صفحہ آیندہ)

اسلام کی ابتدائی صورت کا جو خاکہ یہان کھینچا گیا ہے اوس پر بڑے بڑے قابل اور نکتہ سنج اہل آرا کا صاد ہے۔ سر ولیم جونس نے بہ اتباع لاک یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اسلام

(بقیہ مضمون صفحہ گذشتہ) اسی وجہ سے بت پرستی مین مبتلا تھے لیکن اسلام مین باوجود سینکڑون ہزارون فرقون کے پیدا ہوجانے کے بھی کسی فرقہ کو آج تک بت پرستی کا کبھی خیال نہ آسکا۔"

اگر ڈاکٹر ڈریپر نے قرآن کی آیات کو بصیرت کی نظر سے دیکھا ہوتا تو جو اعتراض اونہون نے کیا ہے کبھی نہ کرتے۔ ہم مثال کے طور پر کلام مجید سے صرف چند مقامات کا استقصا کرتے ہین:-

(۱) اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم لا تاخذہ سنۃ ولا نوم لہ ما فی السموٰت وما فی الارض من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ یعلم ما بین ایدیھم وما خلفھم ولا یحیطون بشی من علمہ الا بما شاء وسع کرسیہ السموٰت والارض ولا یؤدہ حفظھما وھو العلی العظیم

(۲) ھو اللہ الذی لا الہ الا ھو الملک القدوس السلام المومن المھیمن العزیز الجبار المتکبر سبحان اللہ عما یشرکون۔ ھو اللہ الخالق الباری المصور لہ الاسماء الحسنی یسبح لہ ما فی السموٰت والارض وھو العزیز الحکیم۔

(۳) اللہ نور السموٰت والارض مثل نورہ کمشکوٰۃ فیھا مصباح المصباح فی زجاجۃ الزجاجۃ کانھا کوکب دری یوقد من شجرۃ مبارکۃ زیتونۃ لا شرقیۃ ولا غربیۃ یکاد زیتھا یضی ولو لم تمسسہ نار نور علی نور یھدی اللہ لنورہ من یشاء ویضرب اللہ الامثال للناس واللہ بکل شی علیم۔

(۴) لیس کمثلہ شی وھو السمیع العلیم۔

(۵) قل ھو اللہ احد اللہ الصمد لم یلد ولم یولد (بقیہ مضمون بر صفحہ آیندہ)

اور عیسائیت کا سب سے بڑا فرق یہی ہے کہ مسلمان مسیح کو نہ تو ابن اللہ سمجھتے ہیں اور نہ بیٹے کو الوہیت کی حیثیت سے باپ کا ہم درجہ مانتے ہیں۔ بلکہ خدا کی وحدانیت اور صفات کے متعلق ایسے ایسے خیالات رکھتے ہیں جن سے انسان کے قلب پر ہیبت طاری ہو جاتی ہے۔" اٹلی میں اکثر لوگوں کی یہی رائے ہے۔ ڈینٹی کا خیال تھا کہ اسلام عیسائیت کی محض کی ایک نئی شاخ ہی اور مسلمانوں کو ایرئس کے پیرودن کا ایک فرقہ سمجھنا چاہیئے۔ انگلستان میں وھیٹلی اسلام کو عیسائیت کی ایک مسخ شدہ شکل سمجھتا ہے۔ لیکن ہماری ذاتی رائے

(بقیہ مضمون صفحہ گذشتہ) ولم یکن لہ کفوا احد۔

اس قسم کے بیسوں جواہر ریزے جن سے یہ گنج شایگان جگمگا رہا ہے تشکک والحاد کی نگاہ کو خیرہ کرنے کے لیے پیش کیے جا سکتے ہیں۔ لیکن کیا کوئی شخص جو ذرا بھی انصاف پسند ہے دعوی کر سکتا ہے کہ خدا کا وہ تصور جو ان آیات سے ذہن انسانی میں پیدا ہوتا ہے شان تجسیم لیے ہوئے ہی۔ یا ان صفات میں سے جو ان آیات میں گنائی گئی ہیں کوئی صفت ایسی ہی جو مطلقاً انسان میں پائی جاتی ہو۔

ڈاکٹر ڈریپر فرماتے ہیں کہ مسلمان ان ادنی درجہ کے تصورات کی قید سے بہت جلد آزاد ہو کر ان رفیع الشان تصورات تک پہنچ گئے جن میں حکمت و فلسفہ کی جھلک نظر آتی ہے۔ لیکن شاید انہیں یہ معلوم نہیں کہ اسلام کے بڑے سے بڑے حکیم اور فلسفی کی حقیقت اس سے زیادہ نہیں کہ وہ مابعد الطبیعات میں آیات قرآنی کا شارح ہے اور بس۔ ابن رشد ابن تیمیہ ابن حزم غزالی ابن عربی فخر رازی جامی بوعلی سینا فارابی شاہ ولی اللہ اور سید احمد خان وہ لوگ ہیں جو اپنے اپنے وقت کے امام ہو گذرے ہیں اور آزاد خیالی میں ڈریپر سے بھی دو قدم آگے ہی ہیں لیکن توحید رسالت اور معاد کی حقیقتوں کے متعلق جو کچھ ان مشاہیر نے لکھا ہے وہ یا تو قرآن کی تشریح ہے یا تاویل۔ پروفیسر نکلسن جن کا حوالہ ہم ایک مرتبہ پہلے بھی دے چکے ہیں لکھتے ہیں کہ اوس بیس سال کی مدت میں جو رسول اللہ کی بعثت اور آپ کے انتقال کے درمیان منقضی ہوئی آئندہ نسلوں کے مسلمانوں کی ہر سیاسی اور عقلی ترقی کی بنیاد قایم کی جا چکی تھی۔ دنیا میں محمد صلعم بڑھ کر (بقیہ مضمون بر صفحہ آیندہ)

یہ ہے کہ اسلام نسطوری مذہب کی ایک شاخ تھا جس کے مقاصد ابتدائی محدود تھے۔ جب تک کہ یونانی مسیحیت کو بہت سی نتیجہ خیز لڑائیون مین نیچا دکہا کر یہ مذہب بہ سرعت تمام ایشیا و وافریقہ مین پھیل نہ لیا اور اپنی حیرت انگیز فتوحات کے نشہ مین چور نہ ہولیا اوس وقت تک اس نے اپنی ابتدائی مقاصد کو پس پشت نہ ڈالا اور ایک نئی شرع کے بانی ہونی کا دعوی نہ کیا۔[۵]

(بقیہ مضمون صفحہ گذشتہ) اور کسی شخص نے اپنی قوم کے مقدر کو اپنے خاص اثر کے سانچہ مین نہین ڈھالا۔ اور اگرچہ مسلمان تمدن کی دوڑ مین بہت جلد آپ سے کوسون آگے نکل گئے لیکن ہر ہر منزل بلکہ ہر ہر قدم پر ہر مسئلہ کے حل کرنے مین وہ آپ ہی سے استناد و استشارہ کرتے رہے۔ مترجم

[۵] آج تک کسی اہل الرائے کو یہ دعوی کرنے کا حوصلہ نہ ہوا تھا کہ آیہ الیوم اکملت لکم دینکم کی تنزیل کے بعد اون اصول مین جو اسلام دنیا کے سامنے علی رؤس الاشہاد پیش کر چکا تھا یا اون مقاصد پر جن کا اظہار انسان کی اصلاح معاش و معاد کے متعلق قرآن مین علی الاعلان کیا جاچکا تھا کوئی اضافہ کیا گیا یا اون اصول و مقاصد مین کوئی تنسیخ یا ترمیم روا رکھی گئی۔ تعجب ہے کہ مصنف کو باوجود اس بات کے جاننے کے کہ اسلام کا دارو مدار قرآن پر ہے اور حامل قرآن یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ساتھ ہی حجت حق ختم ہوگئی جس مین نہ آج تک کوئی تبدیلی ہوئی ہے اور نہ آیندہ ہوگی اس عجیب و غریب دعوے کی جرارت کیون کر ہوئی کہ رسول اللہؐ کی وفات تک، تو اسلام کے مقاصد محدود تھے لیکن ایشیا و افریقہ مین پھیلنے کے بعد بوجہ اس کے کہ وہ اپنی فتوحات کے نشہ مین چور ہوگیا تھا اوس نے ان مقاصد کو پس پشت ڈال دیا اور ایک نئی شرع کی ترویج کا مدعی ہوا۔ اس قسم کے دعاوی سیحی جہلا کو خوش کرسکتے ہین لیکن مسلمانون سے اور مسلمانون ہی سے نہین بلکہ بالغ نظر و آزاد خیال سیحی مستشرقین تک سے یہ توقع رکھنا کہ وہ انہین بلاچون و چرا تسلیم کرلین گے گویا دن دہاڑے اون کی آنکھون مین خاک جھونکنے کی کوشش کرنا ہے۔

اسلام اور اوس کے مقاصد سے جو شخص تہوڑی سی بھی واقفیت رکھتا ہے وہ اس اصولی نکتہ سے انکار نہین کرسکتا کہ اسلام کسی ایک قوم یا ملک یا زمانہ تک محدود نہین ہے بلکہ ابتدا ہی سے اوس نے تمام دنیا کو اپنے آغوش اثر مین لینے کا ڈھنگ ڈال دیا تھا چنانچہ اوس کی یہ شان (بقیہ مضمون بر صفحہ آیندہ)

حضرت محمدؐ کی قریباً ساری زندگی اپنے ہی وطن کا مذہب بدلنے یا اسے فتح کرنے مین بسر ہوئی۔لیکن اخیر دنون مین آپ کی قوت اس قدر ترقی کر گئی تھی کہ مسلمانون کو شام اور

(بقیہ مضمون صفحہ گذشتہ) ہمہ گیری آیہ کریمہ وما ارسلناك الا رحمة للعالمین مین نظر آرہی ہے۔ایسی حالت مین جو شخص یہ خیال ظاہر کرتا ہے کہ اسلام کے ابتدائی مقاصد محدود تھے یعنی اوس کا ظہور صرف عربون کی بت پرستی کے استیصال کے لیے ہوا تھا وہ گویا اپنے آپ کو اوس برادری مین داخل کرتا ہے جس کی جبین معلومات پر "نہ داند و بداند کہ بداند" کا قشقہ لگا ہوا ہے۔

یہ دعویٰ بھی اپنی نوعیت کے لحاظ سے عجیب وغریب ہے کہ اسلام نے تمام دنیا مین پھیلنے اور نشہ فتح ونصرت مین سرشار ہونے کے بعد اس امر کا ادعا کیا کہ وہ ایک نئی شرع کا بانی ہے۔اول تو سرے سے اس ادعا کو اوس سے منسوب کرنا ہی غلطی ہے اس لیے کہ قرآن مین بار بار جتایا گیا ہے کہ جو دین محمد مصطفےٰ صلعم کے ذریعہ سے انسان کی ہدایت کے لیے بھیجا گیا وہ محض ادیان سابقہ کا مصدق اور حقایق ماضیہ کا موید ہی۔ آیات قرآنی کے سیاق سے ہر مقام پر یہ نکتہ مترشح ہوتا ہے کہ اسلام نے ان سچائیون کو جنکا اظہار ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ اور دوسرے مرسلین نے اپنے اپنے وقت مین کیا تھا اون کدورتون اور آلائشون سے پاک کرکے جن سے وہ بوجہ امتداد روزگار آلودہ ہوگئی تھین دنیا کے سامنے پیش کر دیا۔جا بجا اوس نی اس خیال کو ظاہر کیا ہے کہ وہ معرفت اور یزدان شناسی کی وہی پرانی شراب ہے مگر نئی بوتل مین اور اخلاق وروحانیت کا وہی قدیم پیکر نورانی ہے مگر نئے لباس مین۔ثانیاً اگر ڈاکٹر ڈریپر کی خاطر سے یہ بات تسلیم کربھی لی جائے کہ مسلمانون نے اس قسم کا متناقض دعویٰ ایشیا اور افریقہ کی تسخیر کے بعد اپنی فتوحات کے نشہ مین چور ہوکر علی رغم وحی منطوق ونص صریح کسی موقع پر کیا ہے تو اوس کا اثر اسلام پر کیا پڑ سکتا ہے اسلام پر اگر کوئی الزام لگایا جاتا ہے تو آیات قرآنی کا حوالہ دے کر اوسے ثابت کیا جائے ورنہ دعویٰ بے دلیل سمجھا جائے گا۔

ڈاکٹر ڈریپر کا یہ خیال بھی انوکھا ہے کہ اسلام نسطوریت کی ایک شاخ ہے۔جیسا کہ ہم ایک گذشتہ نوٹ مین ظاہر کر چکے ہین نسطوریت اور چھٹی صدی عیسوی کی مسخ شدہ عیسائیت مین (بقیہ مضمون بر صفحہ آیندہ)

ایران پر حملہ کرنے کا حوصلہ پیدا ہو چلا تھا۔ چونکہ آپ نے سلطنت کو اپنے خاندان مین قایم رکھنے کا کوئی انتظام نہین کیا تھا لہذا آپ کی جانشینی کا مسئلہ جھگڑے مین پڑ گیا۔ آخر بہت کچھ

(بقیہ مضمون صفحہ گذشتہ) بجز اس مسئلہ کے اور کسی بات مین فرق نہ تھا کہ نسطوری حضرت عیسیٰؑ کی ذات کے ربانی وجسمانی عناصر کو جدا جدا خیال کرتے تھے اور حضرت مریم کو اون کے عنصر جسمانی کی والدہ تصور کرتے تھے۔ باقی ہر ایک لحاظ سے وہ اون کی الوہیت کے قایل تھے یعنی حضرت عیسیٰ کی فطرت ربانی وجسمانی کو متحد و غیر منفصل سمجھتے تھے اور اون کا ایمان تھا کہ مسیح کے افعال جسمانی شان ربانی لیے ہوئے ہین۔ اقانیم ثلٰثہ کی بھی وہ اسی ترمیم کے ساتھ قایل تھے اور کفارہ وعشائے ربانی اور دوسرے غوامض مسیحیت سب اون کے عقاید کا جزو لاینفک تھے۔ اور یہی وہ باتین تھین جنکی نسبت ڈریپر نے ایک مقام پر لکھا ہے کہ آنحضرتؐ نے اون اصول کے تسلیم کرنے سے بھی انکار کر دیا جو اگرچہ آپ کے نسطوری اساتذہ نے آپ کو سکھائی تھے لیکن آپ کا ضمیر اور عقل اون کی تائید نہ کر سکتی تھی۔ ایسی حالت مین اسلام کو نسطوریت کی ایک شاخ قرار دینا مصنف کی خوش فہمی نہین تو اور کیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایک پیغمبر اولوالعزم کی لوح بصیرت بمنزلہ ایک ذکی الحس آئینہ عکسی کے ہوتی ہے جس پر اوس کے اخلاقی حوالی کے باریک سے باریک نقوش شعاع ادراک سے اثر پذیر ہوتے ہی مرتسم ہو جاتے ہین۔ حقایق کے اس مرقع کو پیش نظر رکھ کر وہ اپنی قوت ممیزہ کی مدد سے جو فیضان باری کی بطرح خاص ہوتی ہے اون صورتون کا انتخاب کر لیتا ہے جن سے اقوام و امم فیض یاب ہو کر قدرت کے منشار اخلاقی کی تعمیل کرتی ہین۔

حضور سرور کائناتؐ جو انبیائے اولوالعزم کے سرتاج ہین اوس زمانہ مین مبعوث ہوئے جبکہ دنیا کی قومین ارتقائے اخلاق کے تمام مدارج طے کر چکی تھین لیکن اون کی روحانیت گوُن کے زاویۃ الراس سے گر کر بایل بہ قاعدہ فساد ہو رہی تھی۔ وحدت واجب الوجود۔ بقا و قدرت باری تعالیٰ۔ عدم تغیر قوانین ایزدی بقائے روح۔ حیات اخروی۔ حسن اخلاق۔ اخوت جماعت انسانی۔ یہ تمام اصول انسان کو معلوم ہو چکے تھے اور ان کے فروع ہندو مت۔ بدھ مت۔ مجوسیت۔ موسویت۔ مسیحیت مین (بقیہ مضمون برصفحہ آیندہ)

کشمکش اور جد وجہد کے بعد جناب عایشہؓ کے والد حضرت ابوبکرؓ جانشینی کے لیئے نامزد ہوئے اور پہلے خلیفہ یا نائب رسول اللہ مقرر ہوئے۔

اشاعت اسلام و اشاعت مسیحیت مین ایک بہت بڑا اہم فرق ہے۔ مسیحیت کو کبھی بھی اتنی طاقت حاصل نہ ہوئی کہ دولت روما کی بت پرستی کا قلع وقمع کر سکتی۔ جس قدر اس کو ترقی ہوئی اوسی قدر بت پرستی کا عنصر اس مین زیادہ ملتا گیا۔ ایک مذہب کی قدیم شکلین زندہ ہو کر دوسرے مذصب مین آملین اور نتیجہ جیسا کہ گذشتہ اوراق مین بہ تفصیل بتایا جاچکا ہی یہ ہوا کہ مسیحیت بت پرستی کے ساتھ مخلوط ہو گئی۔

لیکن عرب مین حضرت محمدؐ نے قدیم بت پرستی کو ایسا مٹایا کہ اوس کا نشان تک باقی نہ رکھا۔ جن عقاید کی آپ نے اور آپ کے بعد آپ کے جانشینون نے تلقین کی اون مین بت پرستی کا ڈھونڈے سے بھی سراغ نہین ملتا۔ وہ حجر اسود جو آسمان سے گرا تھا اور وہ بت جو اوس کی گرد حلقہ زن تھے سب نظر سے غائب ہو گئے۔ نئے مذصب کا اصل اصول یعنی لا الہ الا اللہ دنیا مین بغیر کسی قسم کی مشرکانہ آمیزش کے پھیل گیا۔ جنگی فتوحات نے قرآن کے مذصب کو دنیوی اعتبار سے بہت کچھ نفع بخش ثابت کیا تھا اور یہ ظاہر ہے کہ مذصب کا اصل اصول خواہ کچھ بھی کیون نہ ہو جب تلوار کا زور ہوتا ہے تو بہت سے لوگ اپنا مذصب چھوڑ کر نئے مذصب کی حلقہ

(بقیہ مضمون صفحہ گذشتہ) موجود تھے لیکن انسان کے طغیان وعصیان نے ان نورانی حقیقتون پر شرک ورجس کا تاریک پردہ ڈال رکھا تھا۔ اس پردہ کے اٹھانے کے لیے ایک ایسے مامور من اللہ ہادی کی ضرورت تھی جس کی زبردست شخصیت اون تمام مشکلات سے عہدہ برا ہو سکے جن کا پیش آنا اس معرکہ مین لازمی تھا۔ دفعتہً قدرت ایزدی کی شان آشکارا ہوئی اور محمد مصطفےٰؐ نے مسند رسالت پر جلوہ افروز ہو کر ایک مجدد اعظم و مصلح اکبر ہونے کی حیثیت سے اون تمام سچائیون کا جو ادیان و مذاصب سابقہ مین پہلے سے موجود تھین اقتباس و التقاط و انتخاب کر کے شیرازہ باندھا اور اس دلکش و دلاویز تالیف کو بنام اسلام دنیا کے سامنے پیش کیا۔ مترجم

بگوشی کے لیے تیار ہو ہی جاتے ہین۔

اسلام کے باقی عقاید کو جو مشہور و معروف ہین مین یہان نظر انداز کرتا ہون۔ جن ناظرین کو اس بحث سے دلچسپی ہو وہ میری کتاب "ہسٹری آف دی انٹلیکچوئل ڈیویلپمینٹ آف یورپ" (یورپ کی دماغی ترقی کی تاریخ) کا گیارہوان باب ملاحظہ فرمائین جس مین مین نے قرآن پر تنقید کی ہے۔ اس مقام پر صرف اتنا لکھ دینا کافی ہوگا کہ مسلمانون کی بہشت کی سات منزلین ہین اور ہر منزل گویا فرمانروایان مشرق کا ایک محل ہے جس مین ہر طرح کی جسمانی لذتین پائی جاتی ہین اس مین سیاہ آنکھون والی حورین اور غلمان بھرے پڑے ہین[۱] اسلام کے خدا کی صورت

[۱] یہ ایک اور مضحکہ انگیز الزام ہے جو اسلام پر لگایا جاتا ہے۔ باوجودیکہ وہ لوگ جو اس قسم کی مین میک نکالنے کے عادی ہین خود بہت بڑے مادّہ پرست ہین اور اون کا بال بال اجزاے دیمقراطیسی مین بندھا ہوا ہے جن کے ازلی و ابدی اور ناممکن الفنا ہونے پر اونہین ایسا ہی یقین ہے جیسا اپنی ہستی پر لیکن جب کبھی حیات اخروی کے عذاب و ثواب مین اونہین جسمانی شان نظر آتی ہے خواہ وہ برسبیل تمثیل ہی کیون نہ ہو تو اون کا ستون ثقاہت و متانت مرکز ثقل سے ہٹ جاتا ہے اور وہ ایسے بے سر و پا اور لغو اعتراضات پر اُتر آتے ہین کہ ہم سے متبسم ہوے بغیر نہین رہا جا سکتا۔ ہم اون لوگون سے جو بہشت کے اسلامی تصور پر یہ کہہ کر نکتہ چین ہوا کرتے ہین کہ اس مین ہر طرح کی جسمانی لذتین پائی جاتی ہین اور جن کو حورون غلمانون کے ذکر سے اس قدر چڑ ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا آپ کے خرمن تقدس پر برق خاطف گر پڑی یہ دریافت کرنا چاہتے ہین کہ اگر آپ خدا اور اوس کی تنزیہ و تقدیس کے قایل ہین تو آخر اس دنیا مین ناز و نیاز اور اوس کی متعلقہ لذتون کے پیدا کرنے سے اوس کے دامن تقدس و تنزہ مین کون سا ایسا دھبہ لگ گیا جو عقبی مین حورون اور غلمانون کی عدم موجودگی سے چھوٹ جائیگا۔ جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ خدا اس دنیا مین کچھ اور ہے اور آنے والی دنیا مین کچھ اور ہو جائے گا وہ ایک انوکھی منطق سے کام لیتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کے معترضین اصل حال سے تو بے خبر ہین (بقیہ مضمون بر صفحہ آیندہ)

شاید کفر آلو وہ عیسائیت کے خدا کی شکل کی بہ نسبت زیادہ مہیب اور بارعب ہے۔ بات یہ ہے کہ خدا کو انسانی صفات سے متصف کرنے کا خیال اون لوگون کے دلون سے محو نہین ہو سکتا

(بقیہ مضمون صفحہ گذشتہ) لیکن شوق نکتہ چینی قلم کو چین نہین لینے دیتا۔

شاہ ولی اللہ صاحب اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ مین انبیا کے طرز عمل کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہین کہ وہ لوگون سے اون کی عقل و علم کے لحاظ سے خطاب کیا کرتے ہین۔ اسی خیال کو امام فخر الدین رازی نے ان الفاظ مین ظاہر کیا ہے کہ قرآن کا روئے سخن عوام وخواص کی طرف یکسان ہے لیکن چونکہ عوام اکثر امور مین اپنے افتاد طبیعت کے لحاظ سے حقایق کے ادراک سے قاصر ہین لہذا مصلحت یہ تھی کہ ایسے الفاظ مین اونہین مخاطب کیا جائے جو اون کے خیالات و تصورات کے ساتھ مناسبت رکھتے ہون۔

قرآن کے اون مقامات کا مطالعہ کرتے وقت جن مین بہشت و دوزخ کی تصویرین کھینچی گئی ہین اسی حکیمانہ اصول کو پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ ظاہر ہے کہ ان پڑھ اور اکھڑ جہلا کے غیر نشو ونما یافتہ دماغ کے پردہ پر اعمال حسنہ کی جزا کی تصویر اگر کھینچی جا سکتی تھی تو صرف اون نعمتون اور لذتون کے تذکرہ سے جن کا احساس یا ادراک اون کے لیے ممکن تھا۔ بہشت کا وہ تصور جس مین حوردن اور غلمانون اور بہتی ہوئی نہرون اور لہلہاتے ہوئے چمنون کا عنصر شریک ہے تمثیلی پیرایہ مین عوام کالانعام کو جاودانی مسرتون سے روشناس کرنے کا فلسفیانہ ذریعہ ہے۔ ورنہ اوس بہشت کا تصور بھی اسلام مین موجود ہے۔ جس مین داخل ہو کر بڑے سے بڑے مشائی یا اشراقی فیلسوف کو بھی یہ اندیشہ نہین ہو سکتا کہ اوس کی طبیعت کسی زمانہ مین اس کی خوشیون سے اچاٹ ہو جائے گی۔ حیات اخروی کا وہ اصل الاصول اور غایت الغایات جس کے حصول کے لئے اسلام کے حکمائے عظام وصوفیہ کرام نے اپنی عمرین وقف کر دی ہین لقائے باری تعالی یا وصال ذات ذوالجلال والجمال ہے۔ اور یہی وہ حقیقت ہے جس کی تشریح حضور سرور کائنات نے ایک صحابی کے اس استفسار پر کہ بہشت کی ماہیت کیا ہے ان الفاظ مین فرمائی تھی لا عین راءت ولا اذن سمعت ولا خطر علے قلب بشر یعنی بہشت کی لذت وہ لذت ہے جس کا ادراک سامعہ و باصرہ تو ایک طرف رہے (بقیہ مضمون بر صفحہ آئندہ)

جو حکمت آشنا نہین ہین۔ اون کا خدا زیادہ سے زیادہ گویا ایک دیوہیکل انسان ہی جس کا سر آسمان سے لگا ہوا ہے اور ٹانگین زمین پر ہین۔

حضرت ابوبکرؓ نے مسند خلافت پر متمکن ہوتے ہی حسب ذیل اعلان شایع کیا :۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اللہ جل شانہ کی حمد و ثنا کرنے اور محمد رسول اللہ پر درود بھیجنے کے بعد ابوبکر تمام مسلمانون کے لیے دعا مانگتا ہے کہ اون پر خدا کی رحمتین اور برکتین نازل ہون اور اون کو صحت و عافیت کی نعمت میسر ہو۔ اس کے بعد تم لوگون کو واضح ہو کہ میرا ارادہ مسلمانون کو شام کی جانب روانہ کرنے کا ہے تاکہ یہ ملک کفار کے ہاتھون سے لے لیا جائے۔

(بقیہ مضمون صفحہ گذشتہ) تصور و تخیل تک سے نہین ہو سکتا۔ اسی حقیقت کا انکشاف قرآن پاک کی اس آیت سے ہوتا ہے یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربك راضیۃ مرضیۃ ایک اور مقام پر جناب باری نے لذت نجات کی حلاوت سے حقیقی معنون مین بہرہ اندوز ہونے والون کو ان الفاظ مین بشارت دی ہے کہ وہ اخیر فیصلہ والے دن اپنے خدا کے جمال عالم آرا کا مشاہدہ کرین گے۔ اسی طرح ایک نص صریح اس مضمون کی موجود ہے کہ کسی نفس کو اوس مسرت ابدی کا علم نہین ہے جو پوشیدہ طور پر اس غرض سے تیار کی گئی ہے کہ اون اعمال حسنہ کے انعام کے طور پر اوس کو مرحمت کی جاے جو اوس سے اس دنیا مین صادر ہون۔ فلسفیانہ اصطلاح مین ان مضامین کو انجذاب یا وصال سے تعبیر کیا جا سکتا ہی۔ قصہ مختصر یہ کہ قرآن کا بہشت وہ بہشت ہے جس سے عامی و جاہل عالم و فلسفی اپنے اپنے مذاق کے لحاظ سے یکسان لذت یاب ہو سکتے ہین۔ اگر ایک خداشناس فلسفی اسی کو اپنی خوشیون کی معراج تصور کرتا ہے کہ اوس کی روح اس خاکدان کی قید سے آزاد ہونے کے بعد روح کائنات یعنی ذات باری تعالی مین ضم ہو جائے تو یہ انتہای خوشی بھی قرآن کے توسل سے اوس کو حاصل ہو سکتی ہے اور اگر ایک ادنی درجہ کا دین دار عامی جس کی آرزو صرف اسی قدر ہے کہ حورون سے ہم کنار ہو کر شراب طہور کے پیالے پیا کرے اور طوبی کے پھل توڑ توڑ کر کھایا کرے تو ڈریپر یا اوس کے ہم خیال بزرگون کو یہ حق ہرگز حاصل نہین کہ اس خوشی سے اس بیچارے کو محروم کرنے کے لیے جوڑ توڑ کرین۔ مترجم

مین تم سب کو یہ جتلا دینا چاہتا ہون کہ مذھب کی حمایت مین لڑنا خدا کی اطاعت کرنا ہے"
پہلی لڑائی مین جب عربی فوج کے سپہ سالار خالد کا قافیہ غنیم نے تنگ کیا تو اوس نے اپنی سب فوج کے سامنے ہاتھ اٹھا کر ان الفاظ مین خدا سے دعا مانگی :- "بارالٰہا یہ بدبخت مشرک بتون کا نام لے لے کر دعا مانگتے ہین اور تیرے سوا دوسرے خدا کی پرستش کرتے ہین حالانکہ ہم تیری توحید کے قایل ہین اور ہمارا یہ ایمان ہے کہ تیرے سوا اور کوئی خدا نہین پس ہم نہایت عاجزی کے ساتھ تجھ سے التجا کرتے ہین کہ اپنے رسول محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ہماری مدد کر اور ہمین ان بت پرستون پر فتح دے" عربون نے فتح شام مین حرارت دینی کا حد سے زیادہ اظہار کیا۔ شامی عیسائیون کے عقاید اون کے دلون مین غیظ وغضب اور نفرت وحقارت کے طوفان بپا کر دیتے تھے۔ چنانچہ ایک موقع پر خالد کی زبان سے بے اختیار یہ الفاظ نکلے :- "مین اوس کفر بکنے والے بت پرست کی کھوپری پھوڑ ڈالون گا جو اللہ جل جلالہ کی شان مین یہ کہے گا کہ وہ بھی بیٹے والا ہے"۔ حضرت عمرؓ فاتح بیت المقدس ہرقلس قیصر روم کو خط لکھتے ہین جس کے ابتدائی الفاظ یہ ہین :- "حمد ہو اللہ کو جو دونون جہانون کا پروردگار ہے اور جس کے نہ بی بی ہے اور نہ بیٹا"۔ اہل عرب عیسائیون کو مشرک کہہ کر پکارتے تھے کیونکہ عیسائیون نے مریمؑ وعیسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ جل شانہ کا شریک بنا رکھا تھا۔

حضرت ابوبکرؓ کا یہ قصد نہین تھا کہ فوج کی کمان خود کرین۔ یہ خدمت نام کو ابوعبیدہؓ اور دراصل خالد کے سپرد کی گئی۔ رخصت کے وقت جب خلیفۃ المسلمین نے فوج کا جایزہ لیا تو افسرون اور سپاہیون کو تاکید کی کہ فریق مقابل سے انصاف اور رحم کا برتاؤ کرین اپنے عہد وپیمان پر ثابت قدم رہین۔ بیہودہ گفتگو سے بچین۔ شراب خواری سے پرہیز کرین۔ پانچون وقت پابندی کے ساتھ نماز پڑھین۔ جہان جہان گذرین عام لوگون کے ساتھ بہ ملاطفت پیش آئین مگر اون کے پادریون پر ذرا رحم نہ کرین۔

دریاے ثزردن کے شرق کی جانب بصرا کا مستحکم شہر واقع ہے جہان رسول عربی اول اول اپنے نسطوری معلمون سے ملے تھے۔ دولت روما کے جو قلعے ارض شام مین جابجا بنے ہوئے تھے اونہین مین بصرا کے قلعہ کا بھی شمار تھا۔ فوج عرب نے اس کے سامنے ڈیرے ڈال دیے۔ قلعہ بند فوج کی طاقت غنیم کے مقابلہ مین کچھ کم نہ تھی اور اس طاقت مین اون مقدس صلیبون اور متبرک جھنڈون نے اضافہ کر دیا تھا جنہین محصورین کی خوش اعتقادی نے فصیل پر بلند کر رکھا تھا۔ اہل قلعہ عرصہ دراز تک اپنی حفاظت کر سکتے تھے لیکن قلعدار رومینس کی نیت بدل گئی اور اوس نے چپکے سے پھاٹک کھول دیے۔ اوس کے اس طرز عمل سے ظاہر ہے کہ اہل شام کی حالت کیسی بری ہو رہی تھی۔ جب فوج محاصرہ شہر مین داخل ہوگئی اور رومینس نے قلعہ کی کنجیان سپہ سالار عرب کے حوالہ کر دین تو اہل قلعہ کو اوس نے حسب ذیل الفاظ مین مخاطب کیا:۔ "آج سے مین تم لوگون سے جدا ہوتا ہون۔ دنیا و عقبیٰ دونون جگہ میری تمہاری راہین الگ الگ ہون گی۔ مجھے اوس خدا سے انکار ہے جو مصلوب ہوا تھا اور جو لوگ اوس کی پرستش کرتے ہین مین اون سے بھی بیزار ہون۔ میرا خدا آج سے خداے واحد ہے۔ میرا مذھب آج سے مذہب اسلام ہے۔ میرا قبلہ آج سے مکہ معظمہ ہے میرے بھائی آج سے مسلمان ہین اور میرا رسول آج سے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے جس کو اللہ تعالےٰ نے ہم لوگون کی ہدایت کے لیے بھیجا اور جس نے علی رغم مشرکین اعلاے کلمۃ الحق مین کامیابی حاصل کی"۔ ایران کے حملہ کے بعد ایشیاے کوچک۔ شام بلکہ قسطنطین مین بھی نمکحرامون اور مرتدون کا ایک گروہ کثیر ایسا پیدا ہوگیا تھا جو عربون کے ساتھ مل جانے کے لیے صرف موقع کا منتظر تھا۔ رومینس کا شمار بھی اون نہرارہا لوگون مین تھا جو ایرانی فتوحات کی وجہ سے بداعتقاد ہوگئے تھے۔

شام کا پایۂ تخت دمشق بصرا سے صرف بہتر میل جانب شمال واقع تھا۔ فوج عرب بلا توقف اسی طرف روانہ ہوئی۔ اہل دمشق سے کہا گیا کہ تین باتون مین سے جو چاہو

اختیار کر دیعنی یا تو اسلام لاؤ یا جزیہ دو یا مقابلہ کرو۔ شہنشاہ ہرقلس اس وقت انطاکیہ مین مقیم تھا جس کا فاصلہ دمشق سی بہ سمت شمال صرف بقدر ڈیڑہ سو میل کے رہ گیا تھا۔ حملہ آورون کی پیش قدمی کی خبر وحشت اثر سن کر ہرقلس کے ہوش اڑ گئے اور اوس نے فوراً استر ہزار فوج غنیم کا رستہ روکنے کے لیے روانہ کی۔ عربون کو مجبوراً دمشق کا محاصرہ چھوڑنا پڑا۔ اجنادین کے میدان مین دونون فوجون کا مقابلہ ہوا۔ میدان مسلمانون کے ہاتھ رہا اور رومی فوج شکست فاش کھا کر بحالت تباہ منتشر و پریشان ہو گئی۔ یہان سے مظفر و منصور ہو کر خالد نی پھر دمشق کے سامنے اپنا علم جس پر سیاہ عقاب کا نشان بنا ہوا تھا بلند کیا۔ اور ستر دن کے محاصرہ کے بعد اہل دمشق نے ہتھیار ڈال دئے۔

عربی تاریخون کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ تک افواج عرب کی حالت مذہبی خبطیون کی ایک بے قاعدہ جمعیت سے کچھ بہتر نہ تھی۔ بہت سے سپاہی ایسے ہوتے تھے جنہین تن ڈھکنے کے لئے کپڑا تک میسر نہ تھا۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ ایک شخص فوج کی صف سے نکل کر میدان مین آکھڑا ہوتا تھا اور فریق مقابل سے مبارز طلب کرتا تھا اور یہ دونون اوس وقت تک لڑتے رہتے تھے جب تک کہ ایک کا خاتمہ نہ ہو جائے۔ مرد تو ایک طرف رہے عورتین تک شریک جنگ ہوتی تھین اور داد شجاعت دیتی تھین۔ چنانچہ ان کے ان بہادرانہ کارنامون کی بہت سی دلچسپ روایتین تاریخون مین موجود ہین۔

کوہستان لبنیس کی برف سے ڈھکی ہوئی چوٹیون اور دریائے آرانطس کے خوش سواد اور پر فضا کنارون کی رہنمائی سے عربی فوج دمشق کے شمال کی طرف روانہ ہوئی۔ رستہ مین بعلبک اور حمص دو شہر پڑتے تھے۔ دونون کو یکے بعد دیگرے اس نے سخر کیا۔ ہرقلس کو پل پل کی خبرین لگتی تھین۔ حملہ آورون کی مزید پیش قدمی کا سد باب کرنے کے لیے اوس نے ایک لاکھ چالیس ہزار کا لشکر جرار جمع کیا[1]۔ یرموک کے میدان جنگ مین دونون فوجون کا

[1] یہ اندازہ اصل سی بقدر ایک لاکھ کے کم ہے۔ اس معرکہ مین مسلمانون کی فوج چالیس ہزار تھی اور عیسائیون کی دو لاکھ چالیس ہزار سے کم

سامنا ہوا - پہلے حملہ مین عربی فوج کے میمنہ کے پاؤن اکھڑ گئے لیکن عرب عورتون نے ہزیمت کھائے ہوؤن کے دلون مین اپنے غیرت آفرین الفاظ سے نیا جوش پیدا کر دیا - وہ پلٹے اور اس بے جگری سے لڑے کہ لڑائی کا رنگ بدل گیا - رومی فوج اون کے حملہ کی تاب نہ لاسکی اور اوسے شکست فاش ملی - چالیس رومی قید ہوے اور ہزارون میدان جنگ مین کام آئے - اب تمام ملک فاتحون کے قبضہ مین آگیا - چونکہ اونہون نے دریاے ترّدن کے مشرق کی جانب پیش قدمی کی تھی لہذا صاف ظاہر تھا کہ ایشیائے کوچک پر ہاتھ ڈالنے سے پہلے فلسطین کے مستحکم اور سربرآوردہ شہرون کا مسخر ہو جانا ضروریات سے ہے - سرداران فوج مین اس مسئلہ کے متعلق اختلاف رائے ہوا کہ اول قیصریہ پر حملہ کرنا چاہیے یا بیت المقدس پر - جب بحث اس اختلاف کا تصفیہ نہ کر سکی تو دربار خلافت سے استمداد کیا گیا - خلیفہ کی عقل سلیم نے بیت المقدس کی فتح کے اخلاقی فواید کو تسخیر قیصریہ کے جنگی فواید پر ترجیح دی چنانچہ عربی فوج کے سپہ سالار کے نام اس مضمون کا حکم پہنچا کہ بیت المقدس پر اول حملہ ہو اور جس طرح بن پڑے اسے سر کیا جائے - غرض اس شہر کا بہ سرگرمی تمام محاصرہ کیا گیا - یہان کے باشندون کو ایرانی حملہ کے وقت مزار مسیح کی توہین فراموش نہ ہوئی تھی - اس لیے اونہون نے محافظت و مدافعت کی بہت بڑی تیاریان کین - اور جان توڑ کر مقابلہ کیا - لیکن چار مہینے کے محاصرہ کے بعد جب اونہون نے بچاؤ کی کوئی صورت نہ دیکھی تو بطریق سفرائنس فصیل شہر پر آکھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ اگر ہم کو امان دی جائے اور شرایط طے ہو جائین تو ہم لوگ ہتھیار ڈال دینے پر آمادہ ہین - چونکہ فتح دمشق کے وقت سرداران فوج کی غلط فہمیون کی وجہ سے باشندگان شہر کا قتل عام ہوا تھا لہذا سفرائنس نے یہ شرط پیش کی کہ بیت المقدس خلیفہ کی موجودگی مین مسلمانون کے حوالے کیا جاے گا - یہ شرط منظور کر لی گئی اور حضرت عمرؓ جو اوس وقت خلیفہ تھے بیت المقدس پر قبضہ کرنے کے لیئے مدینہ سے روانہ ہوے - آپ نے سفر اس حیثیت سے کیا کہ ایک سرخ رنگ کے اونٹ پر سوار تھے اور زاد راہ کی قسم سے آپ کے ساتھ ایک تھیلے مین

کچھ اناج تھا۔ ایک تھیلے مین کھجورین تھین۔ ایک لکڑی کی رکابی تھی اور پانی کے لیے ایک چمڑے کی چھاگل تھی۔ غرض اس شان کے ساتھ عرب فاتح عیسائی بطریق کی سواری کے ہمراہ بیت المقدس مین داخل ہوا اور مسیحیت کا صدر مقام بغیر کسی شور و شر اور بغیر کسی خونریزی کے پیشواے اسلام کے سپرد کر دیا گیا۔ یہ حکم دینے کے بعد کہ ہیکل سلیمانی کی جگہ ایک مسجد تعمیر کی جائے خلیفۃ المسلمین نے مدینہ کو مراجعت کی۔

ہرقلس سے یہ بات مخفی نہ تھی کہ جو تباہیان اور مصیبتین عیسائیت پر پیہم نازل ہو رہی ہین اون کا باعث متخالف العقاید مسیحی فرقون کا تفرقہ ہے۔ اسی لیے جہان اوس نے سلطنت کی حمایت مین تلوار اوٹھائی وہان ان اختلافات کے مٹانے کی بھی بدل کوشش کی۔ اس غرض کو پیش نظر رکھ کر اوس نے یہ اصول مسیحی دنیا مین شایع کرنا چاہا کہ چونکہ مسیح کی ربانی اور انسانی فطرتین ایک دوسرے مین ضم ہو چکی ہین اور جدا جدا نہین لہذا مسیح کی مشیت بھی جس سے اوس کے ربانی و انسانی افعال صادر ہوتے ہین ایک ہے اور وہ مشیت ایزدی ہے مشیت انسانی نہین۔ لیکن یہ کوشش ہرقلس نے اوس وقت کی جب پانی سر سے گذر چکا تھا۔ بیت المقدس کی تسخیر کے بعد مسلمان ایشیاے کوچک کی طرف بڑھے اور حلب اور انطاکیہ پر قبضہ کیا۔ وہ برابر بڑھتے ہوئے چلے جاتے تھے اور کوئی طاقت ایسی نہ تھی جو اون کی فتوحات کے سیلاب کو روک سکے۔ خود ہرقلس کو جان بچانے کے لیے فرار ہونا پڑا۔ اور شام کا صوبہ جسے جولیس سیزر کے رقیب پامپی اعظم نے سات سو سال پہلے دولت رومتہ الکبری کے ساتھ ملحق کیا تھا جو عیسائیت کا زاد بوم تھا جہان اس کی مقدس اور قیمتی یادگارین موجود تھین جہان سے خود ہرقلس نے ایک مرتبہ ایرانی حملہ آورون کو نکال دیا تھا اب ایسا ہاتھون سے نکلا کہ پھر واپس نہ آیا۔ کہتے ہین کہ جس جہاز مین ہرقلس سوار ہو کر قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہوا جب اوس نے لنگر اوٹھایا تو ہرقلس حسرت بھری نگاہون سے پیچھے ہٹتی ہوئی پہاڑیون پر ٹکٹکی جما کر درد و کرب کے لہجہ مین پکارا:۔

"الوداع اے شام ہمیشہ کے لیے الوداع"

فتوحات عرب کے باقی واقعات کی تفصیل اس مقام پر درج کرنی ضروری نہین ہے۔ طرابلس اور تایر (صور) کا خود اپنے ہی افسرون کی غداری سے مسلمانون کے قبضہ مین چلا جانا۔ قیصریہ کا فتح ہونا۔ کوہستان لبنیس کے درختون اور فنیشیا کے ملاحون کی مدد سے ایک بیڑے کا تیار کیا جانا اور اس بیڑے کا روما کے جنگی بیڑے کو شکست دے کر ہیلسپانٹ کی طرف بھگانا۔ قبرس روڈس اور سکلیڈس کا تاخت و تاراج ہونا اور کلاسس کے مجسمہ کا جو عجائبات دنیا مین شمار ہوتا تھا ایک یہودی کے ہاتھ جو اس کے پیتل سے نوسو اونٹ لاد کر لے گیا بکنا۔ اور اسلامی فوج کا بحیرہ اسود کی طرف بڑھنا بلکہ قسطنطنیہ کی دیوارون کے سامنے ڈیرے ڈالنا۔ یہ تمام ایسی باتین تھین جن کی فتح بیت المقدس کے مقابلہ مین کوئی حقیقت نہ تھی۔

فتح! اور وہ بھی بیت المقدس کی!! عیسائیت کے پایہ تخت کی!!! کس طرح ممکن تھا کہ لوگ اس واقعہ کو اسلام کے غلبہ اور مسیحیت کی شکست سے تعبیر نہ کرین۔ دونون مذاہب مین سے ہر ایک نے اپنے آپ کو سچا سمجھ کر اس یقین کے ساتھ کہ فتح سچائی کو ہوگی ایک دوسرے کا مقابلہ کیا تھا اور فیصلہ خدا پر چھوڑا تھا۔ خدا نے فتح اسلام کو عطا کی اور فتح کا تمغہ بیت المقدس کی شکل مین مسلمانون کو دیا۔ اور اگرچہ حروب صلیبیہ کے دوران مین عیسائیون کو تھوڑی دیر کے لیے کامیابی حاصل ہوگئی لیکن نتیجہ یہ ہے کہ ہزار سال کی جد وجہد کے بعد آج بھی وہ مسلمانون کے قبضہ مین ہے۔ دولت قسطنطنیہ کے مورخین پر وقایع نگاری کا جو طریقہ اختیار کرنے کا الزام لگایا گیا ہے اوس کے لحاظ سے وہ ایک حد تک قابل معافی ہین۔ "اونہون نے کلیسائے شرقی کی تباہی کے اہم مسئلہ کو چھو تک نہین" باقی رہا کلیسائے غربی۔ سو اوس کی یہ حالت ہے کہ ازمنہ وسطے یعنی دور حروب صلیبیہ کے ذلیل اساقف تک کی رگ حمیت پھڑکنے لگتی تھی جب وہ یہ دیکھتے تھے کہ ہم روما کو اس جھوٹی روایت کی بنا پر

کہ سینٹ پیٹر نے یہان قدم رنجہ فرمایا تھا مجبور ہوکر مسیحیت کا پایہ تخت قرار دے رہے ہین حالانکہ عیسائیت کا اصلی مرکز حکومت یعنی مسیح کی ولادت زندگی اور وفات کا عظیم الشان اور مقدس مقام کفار کے قبضہ مین ہے - یورپ کے مسیحی مصنفین نے ہر مضمون پر قلم اُٹھاتے وقت خواہ اوس کا موضوع تاریخ ہو یا مذہب یا سائنس جب اپنے فتحمند مخالفین کا ذکر کیا ہے تو اسی طرح زہر اگلا ہے - اون کی ہمیشہ یہی کوشش رہی ہے کہ جس چیز مین وہ کوئی منقصت کا پہلو نہ نکال سکین اوسے چھپائین اور جس چیز کو چھپا نہ سکتے ہون اوس کی تنقیص کرین -

قلت گنجایش اور نیز اس کتاب کا موضوع ہم کو اجازت نہین دیتا کہ جس طرح فتح بیت المقدس کا ذکر ہم نے بہ تفصیل کیا ہے اسی طرح پوری وضاحت کے ساتھ مسلمانون کی دوسری فتوحات کے واقعات لکھین جنکی بدولت آگے چل کر ایک ایسی عظیم الشان اسلامی سلطنت قایم ہوگئی جو جغرافیائی وسعت مین اسکندر کی سلطنت بلکہ دولت رومتہ الکبری پر بھی بمراتب فوقیت لے گئی - لیکن اس مضمون پر ایک اجمالی نظر ڈالتے ہوئے ہم اس قدر کہنا بے موقع نہین سمجھتے کہ عیسائیت پر جو طمانچہ پڑا تھا مجوسیت نے اس سے بھی زور کا تھپڑ کھایا - قادسیہ کی جنگ نے ایران کی قسمت کا فیصلہ کر دیا - مداین کے لٹنے پر خزانہ و اسلحہ شاہی اور بے انتہا مال غنیمت عربون کے ہاتھ آیا - معرکۂ نہاوند کو عرب مورخون نے جو "فتح الفتوح" کا لقب دیا ہے وہ کچھ غیر موزون نہین ہے - ایک طرف تو وہ بحیرہ خزر کی طرف بڑھے اور دوسری طرف جنوبی سمت مین دجلہ کے کنارے کنارے اصطخر کا رخ کیا - فرمانروائے ایران اوس شہر کے منارون اور پتھر کی مورتون مین سے گذر کر جو اسکندر کی محفل مے نوشی کی رات سے اجڑا پڑا تھا صحرائے نمک مین سے ہوتا ہوا جان سلامت لے کر بھاگ گیا - عربی فوج کا ایک حصہ اوس کے تعاقب مین روانہ ہوا اور اوس کو جیحون عبور کرا آیا جہان اوسے ترکون نے قتل کر ڈالا - اوس کے بیٹے کو

چین مین پناہ لینی پڑی جہان وہ فغفور چین کی فوج مین کپتان ہوگیا۔جیحون کے اوس پار کا علاقہ بھی مسلمانون کا مطیع ومنقاد ہوگیا اور خراج مین دو لاکھ اشرفیان دینی منظور کین۔ غرض ایک طرف تو فغفور چین اپنے پایۂ تخت پیکن سے مدینہ مین اپنا سفیر بھیجکر خلیفۃ المسلمین سے التجائے صلح وآشتی کر رہا تھا اور دوسری طرف علم نبوی دریائے آنڈس کی کنارون پر لہرا رہا تھا۔

شام کی لڑائیون مین جن سرداران فوج نے علم امتیاز بلند کیا اون مین سے ایک عمرو بن العاص بھی تھا جس کے مقدر مین فاتح مصر ہونا لکھا تھا۔خلفا نے اپنی شمالی ومشرقی فتوحات ہی پر قناعت نہ کی بلکہ اب مغرب کی طرف نگاہ اٹھائی اور افریقہ کے الحاق کی تیاریان شروع کین۔ پہلے کی طرح اس مرتبہ بھی مذہبی فرقون کا باہمی عناد وتفرقہ اون کی کامیابی کا باعث ہوا۔فرقہ "جیکوبائٹ" نے مسلمانون کو اپنا ذریعہ مخلصی سمجھکر عرب فوج کا خیر مقدم صدق دل سے کیا۔فرقہ منوفسطائیہ نے جو بقول پیروان مذہب سینٹ اتھنیسئس ذات ابن اللہ کی الوہیت وانسانیت کو مخلوط سمجھتا تھا اپنے سرگروہ مقوقس کے ذریعہ سے اس امر کا اعلان کیا کہ ہم یونانیون سے نہ دنیا مین تعلق رکھنا چاہتے ہین نہ عقبیٰ مین اور ظالم قیصر قسطنطنیہ اور اوس کی کونسل سے جس کا مستقر چیلسیڈان ہے ہمیشہ کے لیے ابراکرتے ہین۔غرض انہون نے خلیفۃ الاسلام کو خوشی خوشی خراج دینا قبول کیا۔سڑکون اور پلون کی مرمت خود کر دی اور حملہ آور فوج کو نہ صرف رسد بہم پہنچائی بلکہ اوس کے لئے جاسوسی کی خدمت بھی انجام دینے مین دریغ نہ کیا۔

ممفس پر جو فراعنہ کے زمانہ مین مصر کا پایۂ تخت تھا مسلمانون کا بہت جلد قبضہ ہوگیا اور اس کے بعد افواج اسلام نے اسکندریہ کا محاصرہ کیا۔چونکہ اسکندریہ کے پس پشت سمندر کی راہ کھلی تھی لہذا ہرقلس کو محصورین کے لیے کمک بھیجنے کا موقع ملتا رہا۔ادہر حضرت عمرؓ نے بھی جو اس وقت مسند خلافت پر متمکن تھے فوج محاصرہ کی امداد کے لیے شام

کی جنگ آزمودہ سپاہ روانہ کی۔ محاصرین کی طرف سے بہت سے دھاوے ہوئے اور محصورین نے بہت دفعہ نکل نکل کر مسلمانون پر حملے کیے۔ ایک دفعہ محصورین نے عمرو کو گرفتار کر لیا مگر وہ ایک غلام کی جانبازانہ عیاری سے بچ کر نکل آیا۔ غرض چودہ مہینے کے محاصرہ کے بعد جس مین مسلمانون کی تیئیس ہزار فوج کام آئی اسکندریہ کو اسلام کے آگے سربسجدہ ہونا پڑا۔ عمرو بن العاص نے جب دربار خلافت مین فتح اسکندریہ کا مژدہ بھیجا تو مغرب کے اس شہر غدار کے شان وشکوہ اور جاہ وجلال کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا کہ اس مین چار ہزار محل چار ہزار حمام چار سو تماشا گاہین بارہ ہزار پھل ترکاری اور اناج کی دکانین ہین اور چالیس ہزار باج گذار یہودی آباد ہین۔

اس طرح عیسائی دنیا کا دوسرا شہر بھی کشورکشایان اسلام کی سلک فتوحات مین منسلک ہوگیا اور جو حشر بیت المقدس کا ہوا تھا وہی اوس اسکندریہ کا بھی ہوا جس کو اپنے مسیحی آثار پر ناز تھا جس نے اتھینیسس اور ایرنس اور سائرل کو گودیون مین کھلایا تھا جس نے کلیسا کے عقاید کی شاخ مین اقانیم ثلثہ اور پرستش مریم کا پیوند لگایا تھا۔ ہرقلس قسطنطنیہ مین تھا کہ یہ جانکاہ خبر پہنچی۔ اس صدمہ سے اوس کی کمر ٹوٹ گئی اور دنیا اوس کی آنکھون مین اندھیر ہوگئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا عیسائیت کے زوال سے اوس کی حکومت کے ماتھے پر کلنک کا امٹ ٹیکا لگنے والا ہے۔ فتح اسکندریہ کے صدمہ نے اوسے ایک مہینہ سے زیادہ زندہ نہ رہنے دیا اور وہ اسی رنج مین گھُل گھُل کر مر گیا۔

اسکندریہ کا ہاتھ سے نکل جانا قسطنطنیہ کے لیے ایک دہرا دھکا تھا۔ اس لیے کہ مذہب کے مرکز ہونے کے علاوہ اوس کا وجود روزمرہ کی رسد رسانی کے لحاظ سے بھی قسطنطنیہ کے لیے ضروریات سے تھا۔ مصر رومیون کے لیے اناج کی منڈی تھا یہی وجہ تھی کہ زبردست جنگی بیڑون اور جرار فوجون کی مدد سے دو دفعہ اس مقام کو مسلمانون سے چھین لینے کی کوشش کی گئی اور دونون دفعہ عمرو کو یہ شہر گویا ازسرنو فتح کرنا پڑا۔ فاتح

اسکندریہ نے جب یہ دیکھا کہ سمندر کے کنارے پر واقع ہونے کے باعث اس شہر پر غنیم بآسانی حملہ آور ہو سکتا ہے جس کے دفعیہ کی ترکیب بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ شہر پناہ کو ہی مسمار کر دیا جائے تو اوس کے منھ سے بے اختیار یہ کلمات نکلے :- "قسم ہے خدائے قیوم کی کہ اگر تیسری مرتبہ پھر بھی کوشش اغیار کی طرف سے ہوئی تو مین اسکندریہ کو کسی طوائف کے دروازہ کی طرح تمام دنیا کے لیے کھول دون گا" یہ دھمکی پوری ہو کر رہی - عمرو نے جو کچھ کہا تھا اوس سے زیادہ کر دکھایا - یعنی فوراً شہر کی فصیلون اور دمدمون کو زمین کے برابر کر دیا جس سے اس کی قوت مزاحمت و مدافعت سلب ہو گئی -

خلفائے اسلام کا قصد یہ نہ تھا کہ اپنے دایرہ فتوحات کو مصر ہی تک محدود رکھین - حضرت عثمان رضؓ خلیفہ ثالث نے افریقیہ کے کل شمالی ساحل کی تسخیر و الحاق کا عزم کیا - چنانچہ آپ کے سپہ سالار عبداللہ نے چالیس ہزار فوج کے ساتھ ممفس سے روانہ ہو کر صحرائے برقہ کو قطع کرتے ہوئے طرابلس کا جا محاصرہ کیا - لیکن چونکہ فوج مین وبا پھوٹ پڑی اس لئے اوسے مجبوراً مصر کو واپس آنا پڑا -

اس کے بعد بیس سال تک مسلمانون نے کوئی پیش قدمی نہ کی لیکن تقریباً ربع صدی کا جوش کشور کشائی جو اندر ہی اندر کسی چشمہ کی طرح ابل رہا تھا کب تک رکا رہتا - آخر یہ جوش ظاہر ہوا اور فتوحات کا ایک سیلاب شمالی افریقیہ پر چھا گیا - عقبہ وادی نیل سے آندھی کی طرح اٹھا اور کوہ و صحرا دشت و بیابان کو قطع کرتا شہرون اور ملکون کو حلقہ بگوش خلافت بناتا ہوا بحر اوقیانوس کے ساحل تک جا پہنچا - اور جب سمندر کی موجون نے اوس کے اسپ صبا رفتار کے سمون کو جزایر کنیری کے بالمقابل بوسہ دیا تو یہ الفاظ اوس کے منھ سے نکلے :- "سبحان ذی الکبریار والجبروت ! اگر یہ سمندر میرا مزاحم نہ ہوتا تو مین مغرب کے نامعلوم ملکون مین برابر بڑھتا ہوا چلا جاتا اور خدائے بزرگ و برتر کی وحدانیت کا ڈنکا بجاتا ہوا ان تمام سرکش قومون کو تلوار کے گھاٹ اُتارتا جو خدائے

واحد کے سوا کسی دوسرے خدا کی پرستش کرتی ہین"۔

عربون نے یہ چڑہائیان ملک کے اندرونی علاقون پر کی تھین۔ اس لیے کہ ابھی تک بحیرہ روم پر فرمانروایان قسطنطنیہ کے اقتدار کا علم لہراتا تھا اور جو شہر ساحل پر واقع تھے وہ بحری قوت کی بدولت اون کے قبضہ مین تھے۔ آخر کار خلیفہ عبد الملک نے کارتھج کی تسخیر کا عزم کیا جو ان شہرون مین سب سے زیادہ آباد اور طاقتور تھا بلکہ گویا شمالی افریقہ کا دارالسلطنة تھا۔ اموی سپہ سالار حسن نے کمندین اور سیڑھیان لگا کر ایک ہلہ مین اسے سر کر لیا لیکن چونکہ کارتھج والون کو قسطنطنیہ سے کمک پہنچ گئی اور اس کے علاوہ سسلی اور گاتھ کی فوج بھی اون کی مدد کے لیے آگئی لہذا حسن کو پسپا ہونا پڑا۔ لیکن یہ کامیابی چند روزہ ثابت ہوئی۔ حسن نے چند مہینے کے بعد سنبھل کر پھر حملہ کیا اور اس مرتبہ غلبہ پانے کے بعد کارتھج کو آگ لگا کر خاک سیاہ کر دیا۔

بیت المقدس اور اسکندریہ پہلے ہی عیسائیون کے ہاتھ سے نکل گئے تھے۔ کارتھج کی تسخیر سے عیسائی طاقت کا ایک اور زبردست مرکز کم ہوگیا۔ قسطنطنیہ کا فتح ہونا بھی صرف چند دن کی بات تھی۔ اس کے مسخر ہو جانے کے بعد عیسائیون کے پاس لے دے کر ایک صرف روما باقی رہ جاتا تھا۔

عیسائیت کے نشو و نما مین کارتھج نے کچھ کم حصہ نہین لیا تھا۔ اسی کی بدولت یورپ مین رومن کیتھولک مذہب نے رواج پایا۔ اسی کی خاک سے اس مذہب کے بڑے بڑے علما پیدا ہوئے۔ اسی شہر مین سینٹ اگسٹائن کے سے شہرہ آفاق پادری نے جنم لیا۔

جب ہم دنیا کے مذاہب کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہین تو ہمین معلوم ہوتا ہے کہ سرعت و وسعت اشاعت مین کوئی مذہب اسلام کا مقابلہ نہین کر سکتا۔ جس زمانہ کا ہم ذکر کر رہے ہین اسلام کوہ الطائی سے لے کر بحر اوقیانوس اور وسط ایشیا سے لے کر افریقہ کی

مغربی حدود تک کوس لمن الملک الیوم بجا رہا تھا۔

اب خلیفہ ولید کا دور آیا اور اوس نے فرمان صادر کیا کہ یورپ پر چڑہائی کی جائے اور اندلس یعنی مغرب الاقصیٰ کو سلطنت اسلام مین شامل کرلیا جائے۔ مذھبی تفرقہ اور ملکی نکھرامی ہمیشہ سے اسلامی حملہ آورون کی اعانت کرتی چلی آئی تھی۔ اس موقعہ پر بھی مسلمانون کے سپہ سالار موسیٰ کو یہی دو پرانے رفیق مجسم ہو کر ٹالیڈو کے اسقف اور گاتھ فوج کے سپہ سالار کاونٹ جولین کی شکل مین مل گئے۔ جنگ زریز مین عین اوس وقت جبکہ مسلمانون اور مسیحیون مین برابر کی چوٹین چل رہی تھین اور یہ نہین کہا جا سکتا تھا کہ فریقین مین سے شکست کون پائے گا اور فتح کس کو ہوگی مسیحی فوج کا ایک بہت بڑا حصہ ٹالیڈو کے پادری اور کاونٹ جولین کی تحریک پر مسلمانون کے ساتھ آملا۔ ہسپانیہ کے بادشاہ کو میدان جنگ سے بھاگنا پڑا اور دریائے گواڈلکویئوز کی موجون نے اوسے غلیم کے تعاقب سے ہمیشہ کے لئے امان دے دی۔

موسیٰ کا نائب طارق بہ سرعت تمام ٹالیڈو کے میدان جنگ سے شمال کی طرف روانہ ہوا اور رستہ مین جو شہر ملا اوسے فتح کرتا ہوا برق و باد کی طرح بڑہا چلا گیا۔ جب موسیٰ شمالی افریقہ سے جہان وہ کچھ عرصہ کے لیے چلا گیا تھا واپس آیا تو طارق کی تلوار تمام جزیرہ نمائے اسپین کو سخر کر چکی تھی اور گاتھ فوج کا بقیۃ السیف بحال تباہ کوہستان پرینیز سے گذر کر فرانس مین جا پناہ گزین ہوا تھا۔ تسخیر اسپین کو اپنی فتوحات کی پہلی منزل قرار دے کر طارق نے اپنا یہ عندیہ ظاہر کیا کہ فرانس کو فتح کرتا ہوا اٹلی مین جا پہنچے اور پوپ کے محل مین توحید کا نقارہ بجا کر قسطنطنیہ پر فوج کشی کرے پھر دولت رومتہ الکبریٰ کو ہمیشہ کے لیے خاک و خون مین سلاتا ہوا دمشق پہنچ کر اپنی مظفر و منصور تلوار کو خلیفۃ المسلمین کے قدمون پر جا رکھے۔

مگر کارپردازان قضا و قدر کو یہ بات منظور نہ تھی۔ موسیٰ نے طارق کے ان روشن

کارنامون کو رشک وحسد کی نظر سے دیکھ کر اوسے طرح طرح کی ذلتین دین۔ طارق کے بھی دربار خلافت مین بہت سے ہوا خواہ موجود تھے۔ اونہون نے موسیٰ کی اس بدسلوکی کی کیفیت خلیفہ سے خوب نمک مرچ لگا کر بیان کی نتیجہ یہ ہوا کہ دمشق سے ایک سفیر روانہ ہوکر اسپین پہنچا۔ موسیٰ اپنے خیمہ مین تھا کہ یہ نے آکر شاہی فرمان سنایا اور اوسے گرفتار کر کے دمشق لے گیا۔ موسیٰ جب دربار خلافت مین پہنچا تو خلیفہ نے اوس پر بے حد عتاب کیا اور حکم دیا کہ سب کے سامنے اسے کوڑے لگائے جائین۔ اس بے عزتی نے موسیٰ کا دل توڑ دیا اور وہ اس صدمہ سے جان بر نہ ہوسکا۔

طارق کا منصوبہ تو بروے کار نہ آسکا لیکن بعض دوسرے اسلامی سپہ سالارون نے فرانس پر ضرور فوج کشی کی۔ پہلی ہی لڑائی مین فرانس کا وہ علاقہ جو دریائے گیرون اور دریائے لائر کے دہانون کے درمیان واقع ہے مسلمانون کے قبضہ مین آگیا۔ اس کے بعد اسلامی سپہ سالار عبدالرحمن نے فوج کو دو جماعتون مین تقسیم کر کے ایک جماعت کو ہمراہ لیا اور مشرق کی طرف بڑھ کر دریائے رون کو عبور کرنے کے بعد آرلس کا محاصرہ کیا۔ جو مسیحی فوج محصورین کی کمک کے لیے آئی تھی اوسے سخت نقصان کے ساتھ پسپا ہونا پڑا۔ اوس کی فوج کے دوسرے ٹکڑے کو بھی جس نے مغرب کی طرف پیش قدمی کی تھی نمایان کامیابی حاصل ہوئی۔ اس حصہ فوج نے دریائے ڈارڈون سے گذر کر ایک اور مسیحی فوج کو جو اس کا رستہ روکے پڑی تھی سخت شکست دی اور اوس کا ایسا سخت نقصان ہوا کہ خود اون لوگون کا جو میدان جنگ سے جان بچا کر بھاگے یہ بیان ہے کہ "مقتولون کی تعداد کا خدا ہی کو علم ہے۔" تمام وسط فرانس پر عرب ہی عرب چھا گئے اور دریائے لائر کے ساحل تک تمام علاقہ پر مسلط ہوگئے۔ گرجاؤن اور خانقاہون کی برسون کی جمع کی ہوئی دولت اون کی لوٹ مین آئی اور وہ مسیحی پیر اور ولی جو اپنے روحانی تصرفات کے کرشمے آئے دن سبب بے وجہ و بلا ضرورت دکھایا کرتے تھے آج جبکہ اون کی کرامتون کی ایسی سخت ضرورت تھی ایسی سٹی بھولے کہ ایک بھی

کرامت یا معجزہ نہ دکھا سکے۔

آخر کار ۷۳۲ء مین چارلس مارٹل نے حملہ آورون کی پیش قدمی کو روک دیا۔ ٹورس اور پائشیرس کے درمیان ایک عظیم الشان جنگ ہوئی جو سات دن تک رہی۔ اس معرکہ مین عبدالرحمٰن شہید ہوا اور عرب پسپا ہوئے۔ اس کے بعد اونہین بہت جلد کوہستان پرینیز سے گذر کر اسپین واپس آنے پر مجبور ہونا پڑا۔

اس لحاظ سے گویا دریائے لائر کا ساحل مغربی یورپ مین مسلمانون کی پیش قدمی کی انتہائی حد ہے۔ گبن ان مہتم بالشان واقعات کا ذکر کرتے ہوئے حسب ذیل رائے ظاہر کرتا ہے: ”جبل الطارق سے لے کر تا بہ ساحل لائر عربون نے فتح و نصرت کا ایک مسلسل خط کھینچ دیا تھا جس کی لمبائی ایک ہزار میل سے اوپر تھی۔ اگر اسی قدر فاصلہ وہ اور طے کرتے تو پولینڈ کی حدود تک اور دوسری طرف اسکاٹلینڈ کے پہاڑون کی چوٹیون پر پہنچ جاتی۔“

اسلام کے ان جنگی کارنامون پر ان واقعات کا اضافہ کرنا غیر ضروری ہے کہ کیونکر بحر روم مین اپنے فتحمند بیڑون کو لے جا کر اونہون نے اول کریٹ کو فتح کیا پھر سسلی کو مسخر کیا اور اوس کے بعد روما کو ذلیل و رسوا کیا۔ البتہ اس امر کا تذکرہ کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جنوبی اطالیہ اور سسلی مین اون کے موجود ہونے کی وجہ سے یورپ کی عقلی و دماغی ترقی کو ایک بہت بڑی تحریک پہنچی۔

برسبیل تذکرہ ہمارے قلم سے یہ الفاظ نکل گئے ہین کہ اسلام نے روما کو ذلیل و رسوا کیا۔ حقیقت مین اون واقعات سے زیادہ اور کیا امر اس کے لیے باعث ذلت و رسوائی ہو سکتا تھا جو ۸۴۶ء مین پیش آئے۔ مسلمانون کی ایک چھوٹی سی جمعیت دریائے ٹائبر مین سے ہوتی ہوئی روما کی دیوارون کے سامنے لنگر انداز ہوتی ہے۔ اس قدر طاقت تو اس جماعت مین ہے نہین کہ زبردستی شہر مین داخل ہو جائے لہذا وہ حوالی شہر ہی کو لوٹتی ہی گرجاؤن اور خانقاہون کی بے حرمتی کرتی ہے اور سینٹ پیٹر اور سینٹ پال کے مزارون کو پاؤن

تلے روندتی ہے۔ خود اگر شہر کا شہر تاخت و تاراج ہوجاتا تو اوس کا اخلاقی اثر ایسا بُرا نہ ہوتا جیسا اس حالت مین ہوا۔ مسلمانون نے سینٹ پیٹر کے گرجا سے اوس کی چاندی کی قربانگاہ اکھیڑ ڈالی اور اوسے بطور یادگار غلبہ اسلام افریقہ بھیج دیا۔ مسیحیت کے جگر مین اس سے زیادہ ناسور اور کیا پڑ سکتا تھا کہ سینٹ پیٹر کی وہی قربانگاہ جو اس کی سب سے بڑی مذہبی علامت تھی یون غارت ہوجائے۔

قسطنطنیہ کا محاصرہ عرب پہلے ہی کئی دفعہ کرچکے تھے۔ اس کی تسخیر ٹل نہ سکتی تھی۔ صرف معرض التوا مین پڑی ہوئی تھی۔ رومائی ایسی سخت توہین ہوئی تھی کہ اوس کے تصور سے عیسائیون کے اندام ارادت پر لرزہ طاری ہوجاتا تھا۔ ایشیائے کوچک کے قدیم کلیسا معدوم ہوچکے تھے۔ کوئی مسیحی مسلمانون کی اجازت کے بغیر بیت المقدس مین قدم تک نہ رکھ سکتا تھا۔ ہیکل سلیمان کی جگہ مسجد عمرؓ کھڑی تھی۔ اسکندریہ کے کھنڈرون مین "مسجد رحمت" اوس عرب سپہ سالار کی یاد کو تازہ کرتی تھی جس نے قتل عام سے سیر ہوکر رسول عربیؐ کے بچے کھچے دشمنون کو جنھین ڈھونڈے سے بھی راہ فرار نہ ملتی تھی حقارت آمیز رحم کے ساتھ امان دی تھی۔ جہان ایک زمانہ مین کارتھیج کا پر رونق اور دولتشہر آباد تھا وہان اب بجز اوس کی آگ مین جھلسے ہوئے کھنڈرون کے اور کچھ باقی نہ تھا۔ دنیا کی سب سے زیادہ طاقتور مذہبی سلطنت دفعتہً پردہ عدم سے نکل کر منصہ شہود پر جلوہ گر ہوئی تھی۔ اس سلطنت کا ایک سرا بحر اوقیانوس پر تھا تو دوسرا دیوار چین پر۔ ایک حد بحیرہ خزر کے کنارے سے ملتی تھی تو دوسری بحر ہند کے ساحل سے۔ اس پر بھی ایک لحاظ سے یہ سلطنت اپنے منتہائے عروج پر نہ پہنچی تھی۔ اس لئے کہ ایک دن وہ آنے والا تھا جب وہ قیاصرہ کے جانشینون کو اون کے دار الحکومت سے نکال کر اور جزیرہ نمائے یونان پر اپنا پھریرا اڑا کر ایک طرف تو یورپ کے قبضہ کے لیے اس براعظم کے بیچون بیچ عیسائیت پر حملہ کرنے والی تھی اور دوسری طرف افریقہ کے آتش خیز صحراؤن اور وبا انگیز جنگلون مین اپنے موحدانہ عقاید کی تلقین کرتی ہوئی ساحل بحر روم سے

خطِ استوا کے پرلے سرے تک نقارہ انا ولا غیری بجانے والی تھی۔

اسلام کو اگرچہ ابھی ترقی کی بہت سی منزلین طے کرنی باقی تھین لیکن سلطنت خلفا نصف النہار کمال پر پہنچ چکی تھی۔ یورپ کو اسلام کی حلقہ بگوشی سے جس چیز نے بچایا وہ چارلس مارٹل کی تلوار نہ تھی بلکہ عربون کی وسیع سلطنت کے اندرونی فسادات تھے۔ اگرچہ خلفائے بنوامیہ کی حکومت سے شام کے لوگ خوش تھے لیکن باقی ہر جگہ وہ غاصب اور جابر سمجھے جاتے تھے اور عام خیال یہ تھا کہ اصلی مستحق خلافت آل رسولؐ ہے۔ تین جماعتون نے جو اپنے اپنے علمون کے رنگ سے ممتاز ہوئین خلافت کو اپنے فسادون اور نزاعون سے پارہ پارہ کردیا اور اون کے وحشیانہ مظالم سے اس کی وہ بے وقری اور بے حرمتی ہوئی کہ بیان سے باہر ہے بنی اُمیہ نے سفید رنگ اختیار کیا۔ بنی فاطمہ نے سبز اور بنی عباس نے سیاہ۔ آخرالذکر جماعت آن حضرتؐ کی اولاد عم تھی۔ ان خانہ جنگیون کا یہ نتیجہ ہوا کہ دسوین صدی مین سلطنت اسلام کے تین حصے ہوگئے اور تین علیحدہ علیحدہ خلافتین بغداد قاہرہ اور قرطبہ مین قایم ہوگئین۔ مسلمانون کے سیاسی اتحاد کا اب خاتمہ ہوگیا اور مسیحیت کی جان مین جان آئی۔ لیکن مسیحیت کی سلامتی کا باعث تائید آسمانی نہ تھی بلکہ مسلمان فرمانرواؤن کی رقابت اور باہمی نزاع۔ اندرونی فسادون اور خانہ جنگیون کو اغیار واجانب کی دست اندازیون نے اور زیادہ مہلک بنادیا اور جب ترک اور بربر برسراقتدار ہوئے تو اوس عربی تحریک کا جس نے دنیا کی عقلی و دماغی ترقی مین اتنا بڑا حصہ لیا تھا خاتمہ ہوگیا۔

اپنی خانہ جنگیون مین عرب اس درجہ منہمک ہورہے تھے کہ انہین یورپ کی مخالفت کی خس برابر بھی پروانہ رہی تھی۔ آکلی اپنی تاریخ مین سچ کہتا ہے کہ "عربون مین ایک بھی سپہ سالار یا جرنیل یا کپتان ایسا نہ تھا جو یورپ بھر کی متفقہ فوجون سے اگر اپنی توہین کرالیتا تو اسے اپنی بہت بڑی ذلت اور رسوائی نہ خیال کرتا۔ اور اگر کوئی شخص یہ پوچھ بیٹھے کہ کیا وجہ تھی کہ یونانیون نے ان شوخ چشم حملہ آورون کے استیصال کے لیے جان نہ لڑادی

تو جو شخص ان لوگون کی طبیعتون سے واقف ہے اوس کے لئے یہ جواب کافی ہوگا کہ عمرو بن العاص اسکندریہ مین برسر حکومت تھا اور معاویہ دمشق مین"

یورپ والون کو مسلمان جس حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اوس کا اندازہ اس مثال سے ہو سکتا ہے کہ جب نائسیفورس قیصر روم نے خلیفہ ہارون الرشید کو ایک خط لکھا جس مین خلیفہ کو دھمکی دی گئی تھی تو اوسے یہ جواب ملا:۔

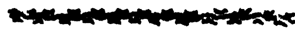
"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ امیر المومنین ہارون الرشید کی طرف سے نائسیفورس رومی کتے کے نام۔ او بے ایمان مان کے بیٹے مین نے تیرا خط پڑھا۔ تو اس خط کا جواب سنے گا نہین بلکہ آنکھون سے دیکھے گا"

تاریخ گواہ ہے کہ یہ جواب خون و آتش کے حروف مین فریجیا کے میدان جنگ کے صفحہ پر لکھا گیا۔

کسی قوم سے اگر ملک چھین لیا جائے تو وہ زندہ رہ سکتی ہے۔ اگر اوس کے خزانے لوٹ لئے جائین تو وہ پھر بھی پنپ سکتی ہے۔ بڑے سے بڑا تاوان جنگ ادا کرنے کے بعد بھی اوس کی حالت کا سدھرنا ممکن ہے لیکن جنگ کے اوس نہایت ہی خوفناک عمل کے بعد یعنی اس کے بعد کہ اوس قوم کی عورتون کو فاتح اپنے زرت مین لے آئے اوس قوم کی بقا محال ہے۔ جب ابوعبیدہ نے فتح انطاکیہ کی خبر دربار خلافت مین بھیجی تو حضرت عمرؓ نے جو اوس وقت خلیفہ تھے ابوعبیدہ کو اس بات پر ملامت کی کہ کیون اوس نے فوج کے سپاہیون کو عورتون کی صحبت سے روکا۔ چنانچہ اون کے الفاظ یہ ہین:۔" اگر وہ شام مین شادی کرنا چاہین تو کرنے دو اور لونڈیان بھی جتنی رکھنی چاہین رکھنے دو"۔ حقیقت یہ ہے کہ کثرت ازدواج کی رسم جس پر ممالک مفتوحہ کی عورتون کو اپنے حبالہ تصرف مین لاتے وقت مسلمانون نے عمل کیا اسلامی حکومت کے ثبات و قیام کی ممد ہوئی۔ ان شادیون سے جو اولاد پیدا ہوئی اوس کے لیے فاتحون کی نسل سے ہونا مایۂ فخر و ناز ہوگیا۔ اس حکمت عملی کے موثر و کارگر

ہونے کا سب سے بڑا ثبوت شمالی افریقہ مین ملتا ہے جہان کثرت ازدواج کا قوی اثر ملک کی سیاسی وعمرانی حالت کے بدلنے مین نہایت حیرت انگیز ثابت ہوا۔ ایک بھی نسل نہ گذرنے پائی تھی کہ اس علاقہ کے حکام نے خلیفہ کو اطلاع دی کہ خراج اب موقوف ہونا چاہیئے اس لئے کہ یہان جتنے بچے پیدا ہوتے ہن سب مسلمان ہین اور سب کے سب عربی بولتے ہین۔

اسلام کو جس صورت مین اس کا بانی چھوڑ گیا اوس پر اگر نظر غایر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک تجسیمیہ مذھب ہے۔ اس کا خدا محض ایک کوہ پیکر انسان تھا۔ اس کی بہشت جسمانی لذتون کا ایک عیش آفرین محل تھی۔ لیکن ان ناقص خیالات کی قید سے اون مسلمانون نے جو زیادہ فطین وفہیم تھے اپنے آپ کو آزاد کر لیا اور بجائے ان کے زیادہ فلسفیانہ اور زیادہ صحیح خیالات قایم کیے۔ آخر کار لا ادریت کے حکیمانہ عنصر کی آمیزش کی بدولت ان خیالات کو اون خیالات کے ساتھ مطابقت ہو گئی جنھین آج کے دن پاپائے روما کی کونسل بھی صحیح سمجھتی ہے۔ چنانچہ امام غزالی کا قول ہے:۔ "خدا کا علم اوس علم کے ذریعہ سے حاصل نہین ہو سکتا جو انسان کو اپنے یا اپنی روح کے متعلق حاصل ہے۔ خدا کی صفات کو انسان کی صفات پر قیاس نہین کیا جا سکتا۔ اوس کی شاہنشہی اور آئین حکمرانی کا نہ مقابلہ ہو سکتا ہے اور نہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے"[۱]



[۱] مصنف کو شاید یہ معلوم نہین کہ امام غزالی کا یہ قول قرآن کے مشہور ومعروف آیت لیس کمثلہ شئی کی شرح ہی جو علی رؤس الاشہاد اس الزام کی تردید کر رہی ہے کہ اسلام ایک تجسیمیہ مذھب ہے۔ مترجم

چوتھا باب

جنوب مین سائنس کا احیا

نسطوریون اور یہودیون کے اثر کی وجہ سے عرب اکتساب علوم و فنون کی طرف متوجہ ہوتے ہین۔ قضا و قدر اور سرنوشت ازلی کے متعلق اون کے خیالات مین تبدیلی واقع ہوتی ہے اور کائنات کی ہیئت ترکیبی کا اون کو صحیح صحیح علم ہو جاتا ہے۔ وہ زمین کی جسامت اور شکل کی تحقیق کرتے ہین۔ اون کے خلفا عظیم الشان کتب خانون کی بنا ڈالتے ہین علوم و فنون کے ہر شعبہ کی سرپرستی کرتے ہین اور رصدگاہین قایم کرتے ہین۔ وہ فن ریاضی کو ترقی دیتے ہین الجبرا ایجاد کرتے ہین اور فن ہندسہ و فن مثلث پر بہت کچھ اضافہ کرتے ہین۔ فنون ریاضی و ہیئت کے متعلق قدیم یونانی تصانیف کا ذخیرہ جمع کرتے ہین اور انکا عربی زبان مین ترجمہ کرتے ہین۔ ارسطو کے طریقہ استقراے تام پر اپنے فلسفہ کی بنیاد رکھتے ہین۔ بہت سے دار العلم قایم کرتے ہین اور نسطوریون کی مدد سے موجودہ وضع کے مدارس کھولتے ہین۔ عربی سیاق و اعداد اور فن حساب کو رواج دیتے ہین اور ستارون کی فہرستین مرتب کر کے اون کے نام رکھتے ہین۔ موجودہ فنون ہیئت کیمیا و طبیعات کی بنیاد رکھتے ہین اور فلاحت و صنعت و حرفت کو بہت کچھ ترقی دیتے ہین۔

خلیفہ چہارم حضرت علیؑ کا قول ہو کہ مین نے اپنی طول طویل زندگی مین اکثر یہ بات دیکھی ہو کہ انسان عادات و خصایل مین اپنے آبا و اجداد سے اتنی مشابہت نہین رکھتا جتنی اپنے ہمعصرون سے۔ رسول عربیؐ کے داماد کا یہ حکیمانہ مقولہ نہایت ہی درست ہے اس لیے کہ گو کسی شخص کے جسمانی حلیہ

یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ وہ فلان نسل سے ہے لیکن اوس کی ترکیب دماغی اور اس لحاظ سے اوس کی خیالات کا رجحان اون حوالی کے سانچے مین ڈھلا ہوا ہوتا ہے جن مین وہ اپنی زندگی بسر کرتا ہے

جب حضرت عمرؓ کے نائب عمرو بن العاص نے مصر کو فتح کرکے عربی سلطنت مین شامل کیا تو اسکندریہ مین اوس کی ملاقات یوحنا عرف فلپونس ایک یونانی نحوی سے ہوئی۔ فلپونس ایک یونانی لفظ ہے جس کے معنی محنت پسند کے ہین۔ رفتہ رفتہ عمرو اور یوحنا مین دوستی ہوگئی اور اس دوستی کے بھروسے پر محنت پسند نے عمرو سے درخواست کی کہ کتب خانہ اسکندریہ کی جو کتابین حوادث جنگ ۔ مرور دہور اور مذہبی تعصب کی پیہم دستبرد سے بچی بچائی باقی چلی آتی ہین وہ اوسے دے دی جائین۔ عمرو نے اس بارہ مین خلیفہ سے استصواب کیا۔ وہان سے یہ جواب آیا کہ اگر یہ کتابین کلام آلہی یعنی قرآن مجید سے مطابق ہین تو اون کا رکھنا فضول ہے اور اگر نہین مطابق ہین تو ضرررسان ہین لہذا انہین ضایع کردو۔ اس فرمان کی بنا پر سب کتابین اسکندریہ کے حماموں مین تقسیم کردی گئین اور بیان کیا جاتا ہے کہ اون کے جلنے مین چھ مہینے کی مدت لگی۔

اگرچہ اس واقعہ سے انکار کیا گیا ہے لیکن اس مین مطلق شک نہین کہ حضرت عمرؓ نے یہ حکم ضرور دیا۔ وہ نوشت وخواند سے عاری تھے اون کے چارون طرف تعصب اور جہالت کا بادل چھایا ہوا تھا۔ ایسی حالت مین اگر اونہون نے یہ حکم دیا تو کون تعجب کی بات ہے۔ عمرؓ کے اس فعل نے گویا علیؓ کے قول کی تصدیق کردی۔

لیکن یہ نہ قیاس کرنا چاہیے کہ وہ کتابین جو یوحنای محنت پسند کو اس درجہ عزیز تھین وہ کتابین تھین جو تاجداران سلسلہ بطلیموسیہ کے مشہور کتب خانہ یا یومینیز شاہ پرگیمس کے کتب خانہ کا سرمایہ اعتبار تھین فیلڈلفس کو کتب خانہ قایم کیے ہوئے ایک ہزار سال کا زمانہ گذر چکا تھا۔ اس کتب خانہ کی آدھی کتابین تو جولیس سیزر نے جلادی تھین اور باقی اسکندریہ کے پادریون نے اپنے اہتمام سے ضایع کرادی تھین۔ آورسیس[۱] نے صاف الفاظ مین جنکی کوئی دوسری تاویل

[۱] اسپین کا ایک مورخ تھا جس نے پانچوین صدی عیسوی کا زمانہ پایا ہے۔ ۴۱۶ء مین (بقیہ مضمون بر صفحہ آیندہ)

نہین ہوسکتی بیان کیا ہے کہ سینٹ سایرل کا چچا تھیافیلس جب شہنشاہ تھیوڈوسیئس سے کتب خانہ کی بربادی کا فرمان حاصل کرکے تمام کتابون کو ضایع کرچکا تو اوس کے بیس سال بعد اوس نے کتابون کی الماریون کو اپنی آنکھون دیکھا کہ وہ سب کی سب خالی تھین اور ادن مین ایک کتاب باقی نہ تھی۔ اور اگر بفرض محال یہ بھی تسلیم کرلیا جاے کہ ایسی وحشیانہ بربادی کے بعد بھی یہ عظیم الشان کتب خانہ بچ رہا تو ہزار سال کی فرسودگی اور شاید تصرف بیجا کے اثر کا مقابلہ کرنے کے بعد اس کی تعداد کتب بہت ہی کم رہ گئی ہوگی۔ اس کے علاوہ یوحنا کو اوس کے عرف کی مناسبت سے ستعدی اور مشغولیت کا خواہ کیسا ہی بڑا تمغہ کیون نہ عطا کیا جاے لیکن یہ بات پھر بھی سمجھ مین نہین آتی کہ ایک اکیلے یوحنا کی محنت پسندی کیونکر پانچ لاکھ کتابون کی نگہداشت اور اہتمام سے عہدہ برا ہوسکتی تھی۔ اور کس طرح ایک ادنی درجہ کا غریب نحوی اوس مہتم بالشان کتب خانہ کو قایم رکھنے اور چلانے کے مصارف کا متکفل ہوسکتا تھا جس پر بطلیموسیون کی شاہانہ محاصل کا ایک بیش قرار حصہ صرف ہوا کرتا تھا۔ کتب خانہ کے جلنے کی جو مدت بتائی گئی ہی اوس سے بھی کتابون کی تعداد کا صحیح اندازہ نہین ہوسکتا جبکہ کاغذ سے زیادہ بڑہ ایندھن کا ہونا ممکن نہین۔ کاغذ اور پٹیلا اگرچہ اچھی طرح جل سکتا ہی

(بقیہ مضمون صفحہ گذشتہ) اوس نے اگسٹائن کی ملاقات کی غرض سے افریقہ کا سفر اختیار کیا۔ اوس کی مشہور کتاب "تاریخ عالم" اسی ملاقات کا نتیجہ ہے۔ اگسٹائن نے اس کتاب کی تصنیف کی فرمایش کرتے ہوے اوس سے کہا تھا کہ اس مین اس بات کو ثابت کرنا چاہیے کہ دولت روما پر بت پرستی کے زمانہ مین بھی ویسی ہی مصیبتین نازل ہوئین جیسی مسیحیت کے زمانہ مین ہورہی ہین۔ کارتھیج سے اوروسئیس بیت المقدس گیا اور وہان چند دن تک پلیجئس کی مخالفت مین اوس کے حریفون کا ہم صفیر وہم آہنگ رہ کر وطن کو لوٹا۔ رستہ مین اسکندریہ پڑتا تھا۔ چند روز یہان کی بھی سیر کی۔ یہ زمانہ وہ تھا جب سینٹ سایرل کا سا متعصب اور دشمن علم پادری جس نے ہائی پیشیا کے وحشیانہ قتل سے علم وحکمت کے گلے پر اُلٹی چھری پھیردی تھی اسکندریہ کا بطریق تھا۔ اول تو سایرل کا چچا تھیافیلس ہی کتب خانہ اسکندریہ کی تمام بچی کچی کتابون کو برباد کرچکا تھا اور بفرض محال اگر کچھ بچ رہی ہون تو ضرور ہے کہ ہائی پیشیا کے وحشی قاتل نے انہین ضایع کرڈالا ہو۔ (بقیہ مضمون بر صفحہ آیندہ)

لیکن ان کتابون مین سے زیادہ تر ایسی تھین جو جھلی پر لکھی ہوئی تھین اور سمجھ مین نہین آتا کہ اسکندریہ کے حامیون نے دوسرا ایندھن چھوڑ کر چرمی اوراق جلانے پسند کیے ہون جن کی آنچ جیسی تیز ہوسکتی ہے وہ توظاہر ہے البتہ چراند کے ہرطرف پھیل جانے مین کچھ شک نہ تھا۔

پس اس مین شک نہین کہ حضرت عمرؓ نے یا تو یہ سمجھ کر کہ کتابین کسی مصرف کی نہین اور یا اس خیال سے کہ اون کے پڑھنے سے لوگ بداعتقاد ہوجائین گے اس کتب خانہ کے جلانے کا حکم ضرور دیا۔[۱] اسی طرح کا ایک واقعہ حروب صلیبیہ کے دوران مین بھی پیش آیا جبکہ عیسائی

(بقیہ مضمون صفحہ گذشتہ) اور اس لیے اور دسیس کی اس تاریخی شہادت کی سچائی مین کلام نہین ہوسکتا کہ جب اوس نے کتب خانہ کو جاکر دیکھا تو اس مین ایک کتاب بھی موجود نہ تھی۔ گویا حضرت عمرؓ کی خلافت سے دوسو بیس سال قبل کتب خانہ اسکندریہ عیسائی پادریون کی جہالت اور تعصب کے ہاتھون تمام وکمال برباد ہوچکا تھا۔ مترجم

[۱] کتب خانہ اسکندریہ کا بعہد حضرت عمرؓ بحکم حضرت اقدس جلایا جانا ایک ایسا الزام ہے جس کی اصل حقیقت کا انکشاف علامۂ شبلی کا سحرآفرین قلم کرچکا ہے۔ ہمارے ناظرین مین سے جن صاحب کو اس بحث کی تفصیل مطلوب ہو وہ علامۂ ممدوح کی تصنیف "رسایل شبلی" کا بامعان نظر مطالعہ کرین۔ لیکن حیرت کا مقام ہے کہ باوجودیکہ اون تمام براہین ودلایل کو جو اس الزام کے جواب مین پیش کی جاسکتی تھین ڈریپر نے یہان خود پیش کردیا ہے پھر بھی اوسے اصرار ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس کتب خانہ کے جلادئے جانے کا حکم ضرور نافذ فرمایا۔ ڈریپر کو اس امر کا اعتراف ہے کہ فتح اسکندریہ کے وقت "سریپیان" یعنی فلیڈلفس کے کتب خانہ کی کوئی کتاب موجود نہ تھی اس لیے کہ تمام کتابین کچھ تو جولیس سیزر کے عہد مین جل چکی تھین اور جو باقی بچی تھین وہ بحکم شہنشاہ تھیوڈوسیس بطریق تھیافیلس کی نگرانی مین منتشر کی جاچکی تھین جس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ اوردسئیس جو ایک مسیحی مورخ ہے اپنے چشمدید حالات کی بناپر اپنی تاریخ مین لکھتا ہے کہ شہنشاہ تھیوڈوسئیس کے حکم کی تعمیل کے بیس سال بعد جب اوس نے کتب خانہ کو جاکر دیکھا تو ایک کتاب موجود نہ پائی۔ اس کے علاوہ مصنف اون اندرونی وذیلی شہادتون کا بھی مقر ہے جو اس اصولی ثبوت کی موید ہین مگر بااین ہمہ اوس اصرار واستبداد سے کام لیکر جو معقولیت سے کوسون دور ہے اور جس مین کسی سوفسطائی کی کٹھ حجتی کی شان نظر آرہی ہے (بقیہ مضمون صفحہ آیندہ)

مجاہدوں نے کتب خانہ طرابلس کو جس کے نسخوں کی تعداد از راہ مبالغہ تیس لاکھ بیان کی گئی ہو
آگ لگادی۔ اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ جب عیسائی کتب خانہ طرابلس کے پہلے کمرہ مین داخل
ہوئے تو اونہین بجز قرآن کے اور کچھ نظر نہ آیا۔ اس سے اونہون نے یہ قیاس کرکے کہ باقی کتابین
بھی آن حضرتؐ ہی کی تصانیف ہون گی تمام کتب خانہ کو آگ مین جھونک دیا۔ ان دونون قصون مین

(بقیہ مضمون صفحہ گذشتہ) یہ کہے جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے حکم سے کتب خانہ جلا دیا گیا۔ اور اس کی وجہ یہ بیان
کرتا ہے کہ چونکہ وہ نوشت وخواند سے عاری تھے اور اون کے چارون طرف تعصب اور جہالت کا بادل چھایا ہوا
تھا لہذا اگر اونہون نے یہ حکم دیا تو اس مین کوئی تعجب کی بات نہین۔ افسوس ہے کہ ڈاکٹر ڈریپر نے اس مقام پر
ایسے جہل مرکب کا ثبوت دیا ہی جس کی ایسے عالم وفاضل شخص سے ہم کو ہرگز توقع نہ ہوسکتی تھی۔ حضرت عمرؓ کو
نوشت وخواند سے عاری اور متعصب وجاہل سمجھنا تاریخ کی آنکھون مین خاک جھونکنا ہے۔ جو شخص عربی مین
یدطولی رکھنے کے علاوہ عبرانی زبان مین بھی دستگاہ وافی رکھتا ہو جس نے فقہ یعنی علم اصول قانون جیسے دانش
آزما فن کی بنیاد قایم کی ہو۔ جس کی مجتہدانہ عظمت تیرہ سو سال سے ایمہ فن کے دلون مین جاگزین ہو۔
جو شعر وسخن سے ایک خاص مذاق رکھتا ہو اور اتنعار نغز ولطیف کے سب سے بڑے نقاد ہونے کی حیثیت سے
فنون لطیفہ کے اس شعبہ خاص کا بہت بڑا سرپرست مانا گیا ہو۔ جس کو علم الالف ب موروثی طور پر ترکہ مین ملا ہو۔
جس نے تعلیم کو جن معنون مین کہ یہ لفظ اسلام کے قرون اولی مین مستعمل تھا عام بلکہ ایک حد تک جبری کر دیا ہو۔
جس نے سب سے اول قرآن کے جمع ومدون کئے جانے کی تحریک کی ہو۔ جس کو قرآن "قل رب زدنی علما"
اور حدیث سے "اطلبوا العلم ولو کان بالصین" کا سبق ملا ہو۔ جو مدینۃ العلم کے خرمن فیوض کا خوشہ چین
اور باب العلم کا ہم چشم وہم نشین ہو۔ جس کی بسالت۔ رواداری۔ انصاف۔ سیاست وحکمت شہرہ آفاق ہو اوسی
جاہل ومتعصب کہنا ڈاکٹر ڈریپر ہی کا کام ہے۔

مصنف نے حضرت علیؓ کے اس قول کو کہ "انسان عادات وخصایل مین اپنے آباؤ اجداد سے اتنی
مشابہت نہین رکھتا جتنی اپنے ہمعصرون سے" حضرت عمرؓ کے جہل وتعصب کے ثبوت مین پیش کیا ہے۔ لیکن
ہم یہ پوچھتے ہین کہ جہالت وتعصب کے حوالی مین زندگی بسر کرنے کے باعث اگر (بقیہ مضمون بر صفحہ آیندہ)

کسی قدر اصلیت اور بہت کچھ مبالغہ ہے۔ لیکن مجنونانہ تعصب نے ہمیشہ اس قسم کی حرکتون سے اپنا نام کیا ہے۔ ہسپانیہ کے عیسائیون نے جب میکسیکو پر حملہ کیا تو ڈھیر کے ڈھیر اون کتابون کے

(بقیہ مضمون صفحہ گذشتہ) حضرت عمرؓ بھی اپنے معاصرین کی طرح جاہل و متعصب تھے تو پھر انہین حوالی مین سے حضرت علیؓ کا سا حکیم اور فلسفی کس طرح پیدا ہو گیا جس کی حکمت کا خود ڈریپر کو بھی اعتراف ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ حضرت علیؓ مہمات الامور مین حضرت عمرؓ کو صلاح و مشورہ دیا کرتے تھے اور کوئی اہم مسئلہ ایسا نہ ہوتا تھا جس مین حضرت علیؓ کی رائے نہ لی جاتی ہو۔ پس اگر حضرت عمرؓ نے اوس کتب خانہ اسکندریہ کے جلائے جانے کا حکم دیا جس کا وجود بدلایل قاطع و براہین ساطع متعصب پادریون اور اون کے حق ناشناس ہم صفیرون کے دماغ ہی مین متمکن ہونا ثابت ہے تو اس الزام مین حضرت علیؓ بھی حضرت عمرؓ کے برابر کے ساجھی ہین۔ لیکن شاید ڈریپر کو حضرت علیؓ پر بھی جاہل و متعصب ہونے کا الزام لگاتے ہوئے تامل ہوگا۔ مترجم

[۱] کتب خانہ اسکندریہ والے قصے مین تو ہم نے ثابت کر دیا کہ مبالغہ مسلمانون کی طرف سے نہین بلکہ پادریون کی طرف سے ہے لیکن مسیحی مورخ اس واقعے کی تکذیب و تردید نہ کر سکین گے کہ حروب صلیبیہ کے جاہل و وحشی سورماؤن نے کتب خانہ طرابلس کو اوس وقت جلایا جبکہ اوس مین لاکھون کتابین جمع تھین۔ کتب خانہ اسکندریہ کا تو حضرت عمرؓ کے عہد مین سرے سے وجود ہی نہ تھا مگر جب عیسائی سورما طرابلس پر حملہ آور ہوئے ہین تو کتب خانہ طرابلس اپنی پوری علمی شان کے ساتھ موجود تھا۔ یہ واقعہ مسلم و متحقق ہے کہ پندرھوین صدی تک مسیحیت مجنونانہ جہالت اور مخبوطانہ تعصب کی مترادف تھی جس کا خمیازہ علوم و فنون کو رہ رہ کر کھینچنا پڑا بخلاف اس کے مسلمان علم و حکمت کے علم بردار اور ظلمتکدۂ تمدن کی شمع تھے۔ ایسی حالت مین اگر وحشی و خونخوار مسیحیون پر یہ الزام لگایا جاتا ہی کہ اونھون نے کئی لاکھ کتابین جو مسلمانون نے جمع کی تھین جلا دین تو اون کے حامیون کا یہ فرمانا کہ کئی لاکھ نہین بلکہ صرف چند ہزار کتابین جلائین واقعہ آتش زنی کی سنگینی اور مسیحیون کے تعصب و وحشیانہ پن کے اشتداد کو کم نہین کر سکتا۔ مانا کہ کتب خانہ طرابلس مین کئی لاکھ نسخے نہ تھے بلکہ کئی ہزار تھے لیکن اس کا جواب کیا ہو سکتا ہے کہ حروب صلیبیہ کے مسیحی سورماؤن نے ان سب کو آگ مین جھونک دیا۔ بجائے کئی ہزار کے اگر کئی لاکھ نسخے ہوتے توکیا اون کی بے محابا آتش زنی سے بچ جاتے۔ مترجم

جن مین امریکہ کے قدیم تمدن کی داستان بخط تصویر محفوظ تھی کمال وحشیانہ پن ست جلا دئے اور یہ ایک ایسا نقصان ہے جس کی تلافی زمانہ نہین کرسکتا - ہسپانیہ کے ایک متعصب پادری بشپ دغایل زمینز نے غرناطہ کے چوک مین عربی زبان کے اسّی ہزار قلمی نسخون کا ڈھیر لگا کر آگ لگا دی - ان مین سے بہت سے نسخے مشاہیر مصنفین زمانۂ قدیم کی تصانیف کے عربی تراجم تھے -

ہم پہلے ذکر کرآئے ہین کہ اسکندر کی ایرانی فتوحات نے فن انجنیری کے متعلق یونانیون کی قابلیت کو ترقی دے کر فرمانروایان سلسلۂ بطلیموسیہ کی سرپرستی مین سائنس کے نشو ونما مین حیرت انگیز حصہ لیا - یہان ہم تاریخ کے سبق کو دہرا کر یہ بیان کرنا چاہتے ہین کہ عربون کے فوجی کارنامون سے بھی اسی طرح کے نتایج مترتب ہوئے -

فاتح مصر عمرو بن العاص اور یوحنا ی نحوی کی باہمی دوستی صاف ظاہر کرتی ہے کہ عربی دماغ ترقی کے لیے پہلے ہی سے تیار تھا - کعبہ کی بت پرستی سے محمد صلعم کی وحدانیت تک پہنچ کر اس نے اپنے آپ کو ادب وانشا اور فلسفہ وحکمت کے بہارستان کی سیر کے لیے تیار پایا - عربون کی اس ترقی کے اسباب پر جب ہم نظر ڈالتے ہین تو ہم کو دو اثرات نمایان نظر آتے ہین یعنی (۱) شام مین نسطوریون کا اثر اور (۲) مصر مین یہودیون کا اثر -

گذشتہ باب مین ہم نے اون سختیون کا ذکر کیا ہے جو نسطورا اور اوس کے پیرو ون کو مخالفین کے ہاتھون برداشت کرنی پڑین - اگرچہ اون کو طرح طرح کے عذاب دئے گئے اور اون مین سے بہت سے مارے گئے لیکن وحدت باری تعالےٰ کے اصول سے اونہون نے کبھی منھ نہ موڑا - اولمپس کے دیوتاؤن اور دیبیون سے اونہون نے ہمیشہ نہایت سختی کے ساتھ اور قطعی طور پر ابا کیا - اون کا قول ہی کہ "آسمان کی ملکہ کو ہمارا دور ہی سے سلام ہے"

ان خاص عقاید کی وجہ سے نسطوریون کو اپنے عرب فاتحون کے ساتھ مل جانے مین کچھ بھی دقت پیش نہ آئی - مسلمان اون کا حد سے زیادہ ادب واحترام کرتے تھے اور سلطنت کے اعلیٰ سے اعلیٰ عہدون پر اونہین نہایت فراخدلی سے مقرر کرتے تھے - آنحضرت صلعم نے اپنی امت کو

بہ تقید تمام ہدایت کی ہے کہ ان کے ساتھ سختی کا برتاؤ نہ کیا جائے۔ نسطوریون کے اسقف اعظم
جسوبیاس کے ساتھ خود آن حضرتؐ اور اون کے بعد حضرت عمرؓ نے معاہدے کئے اور آگے
چل کر خلیفہ ہارون الرشید نے اپنی سلطنت کے تمام مدارس کا ناظم ایک نسطوری المذہب عالم
جان ماس کو مقرر کیا۔

نسطوریون کے اثر کے ساتھ یہودیون کا اثر بھی شامل ہوگیا۔ جب عیسائیت مین بت
پرستی کی آمیزش کے آثار شروع ہوے تو یہودیون نے مذہب عیسوی مین داخل ہونا ترک کردیا
اور جب عیسائیت مین اقانیم ثلثہ کا عمل ہوا تو یہ مذہبی تبدیلی مطلقاً موقوف ہوگئی۔ مصر اور شام کے
شہرون مین یہودی کثرت سے آباد تھے۔ ایک فقط اسکندریہ ہی مین جب عمرو بن العاص نے اسے
فتح کیا ہے چالیس ہزار یہودی ایسے تھے جو حکومت کو خراج ادا کرتے تھے۔ صدیون تک وقف
مظالم و مصایب رہنے کی وجہ سے وہ اپنے عقیدۂ وحدت ذات باری مین اور زیادہ راسخ
ہوگئے تھے اور بت پرستی کی طرف سے اوس قلبی نفرت کا اشتداد اور بھی زیادہ بڑھ گیا تھا
جسے وہ اپنے سینہ مین بابل کی اسیری کے زمانہ سے امانت کے طور پر جگہ دئے چلے آتے تھے۔
نسطوریون کے ساتھ شریک ہوکر اونہون نے فلسفہ کی بہت سی یونانی و لاطینی کتابون کا شامی
زبان مین ترجمہ کیا اور اس شامی ترجمہ کا پھر عربی مین ترجمہ ہوا۔ ان دونون فرقون کو اسلامی تمدن
کے ساتھ دو مختلف حیثیتون کا تعلق رہا۔ نسطوریون نے مسلمان امرا کے بچون کی تعلیم و تربیت کا
ذمہ لیا اور یہودی طبیب بن کر ان گھرانون تک پہنچے۔

ان اثرات سے مسلمانون کا تعصب کم ہوچلا۔ اون کے اخلاق پسندیدہ ہوگئے اون کے
خیالات مین شستگی آگئی۔ جس سرعت سے اونہون نے دولت روما کے صوبون کو تاخت و تاراج
کر ڈالا تھا اوسی سرعت سے فلسفہ اور سائنس کی مملکتون کو مسخر کرلیا۔ اور اسلام کی عامیانہ غلطیون کو
چھوڑ کر سائنس کی حقیقتون کو تسلیم کرلیا۔

ایک ایسی دنیا مین جہان چارون طرف بت ہی بت پج رہے تھے عربون کی تلوار خدائے

ذوالجلال کے توحد کی حمایت مین جھکی اور تعدد کو مٹا کر رہی - اس کامیابی کا سہرا تقدیر کے اوس مسئلہ کے سر رہا جس کی تلقین قرآن نے ان الفاظ مین کی ہے :- "کوئی شخص اپنے مقدر کو ٹال نہین سکتا - تقدیر کی ساعت نہ گھٹ سکتی ہے نہ بڑھ سکتی ہے - اگر ہم برج مشید مین بھی محفوظ ہون تو موت سے نہین بچ سکتے - خدا نے ہر شخص کی موت کا مقام ازل سے مقرر کر رکھا ہے" رسول اللہ کا قول ہے کہ "کوئی شخص بھاگ کر اپنی تقدیر سے بچ نہین سکتا - شہسواران قضا و قدر رات کے وقت اپنے گھوڑون پر سوار ہو کر نکلتے ہین ..... خواہ تم بستر پر سوتے ہو خواہ میدان جنگ مین دشمن کا مقابلہ کرتے ہو ملک الموت کی آنکھ سے نہین بچ سکتے" حضرت علیؓ جنکی دانش و حکمت کا ذکر ہم بیشتر کر چکے ہین کہتے ہین کہ "مجھے یقین ہے کہ معاملات انسانی مین ہمارے انتظام کو دخل نہین بلکہ خدا کے فیصلہ کو دخل ہے" غرض مسلمان وہ ہین جو راضی برضاے الٰہی ہو کر خدا کے آگے گردن تسلیم جھکا دین[1] - وہ جبر و اختیار مین یہ کہہ کر توافق پیدا کرتے ہین کہ نقاش قضا نے ہمین خاکہ کھینچ کر دے دیا ہے اوس مین رنگ آمیزی ہم اپنے اختیار اور مرضی سے کرتے ہین - اون کا قول ہے کہ قوانین قدرت پر غالب آنے کے لیے ہمین اون کا مقابلہ نہین بلکہ موازنہ کرنا چاہیے -

اس مہیب عقیدے نے مسلمانون کو اون کارہاے نمایان کے لیے تیار کر دیا جو بظاہر انسانی کوشش کی رسائی سے باہر تھے لیکن جن کو عربون نے انجام دے کر دکھا دیا - اسی عقیدے نے مایوسی کو مبدل بہ رضا و تسلیم کر کے انسان کو امید سے مستغنی ہونا سکھا دیا - عربون مین ایک مثل تھی کہ مایوسی حر ہے اور امید عبد -

[1] اسلام کی تعریف مولوی سید امیر علی صاحب اپنی کتاب "اسپرٹ آف اسلام" مین باین الفاظ کرتے ہین :- "اسلام مادہ سلم سے مشتق ہے جس کے لغوی معنی طمینان قلب - سکون نفس - بجا آوری فرض - ادائے دین - کامل آشتی و امن اور بالآخر اپنے آپ کو اوس ذات پاک کے تئین سونپ دینے کے ہین جس کے ساتھ رشتہ آشتی و امن قایم کیا جائے - جو اسم اس مادہ سے مشتق ہے اوس کے معنی امن (بقیہ مضمون بر صفحہ آیندہ)

لیکن جنگ مین بہت سے ایسے واقعات پیش آئے جنہون نے صاف طور سے ثابت کر دیا
کہ تقدیر ایک بڑی حد تک تابع تدبیر ہے۔ تجربے سے عربون کو معلوم ہو گیا کہ دوا سے درد کم ہو سکتا
ہے مرہم پٹی کرنے سے زخم بھر سکتا ہے اور جو شخص دم توڑ رہا ہو اور بظاہر اوس کے بچنے کی
کوئی صورت نظر نہ آتی ہو طبیب کی مسیحائی سے گویا از سر نو زندہ ہو سکتا ہے۔ اطبائے یہود قرآن کو
مسئلہ تقدیر کی تردید کی زندہ مثال بن گئے[5]۔ رفتہ رفتہ قسمت اور تقدیر کے مسئلہ کی سختی

(بقیہ مضمون صفحہ گذشتہ) تلطف، سلامتی اور نجات کے ہین۔ عام طور پر اس لفظ سے مطلقاً راضی بہ رضائے
الٰہی ہونا مراد لیا جاتا ہے مگر یہ مفہوم درست نہین ہے۔ بخلاف اس کے اسلام کے معنی ہین نیک بننے کی
کوشش کرنا۔ مترجم

[5] کلام مجید مین اگرچہ بکثرت ایسی آیات موجود ہین جن سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ انسان اپنے افعال
مین مجبور محض ہے چنانچہ (۱) لاتتحرك ذرة الا باذن الله (۲) هو القاهر فوق عباده
(۳) وما تشاؤن الا ان يشاء الله (۴) قل كل من عند الله کا مطلب بادی النظر
مین یہی سمجھا جا سکتا ہے کہ جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے انسان کو کچھ اختیار نہین دیا گیا لیکن یہ مطلب ان آیات کا
وہی لوگ نکالتے ہین جو ظاہر بین ہین اور سطح کے نیچے جانے کی زحمت اپنے دماغ کو نہین دیتے۔

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح کائنات مجموعہ اضداد ہے یعنی ہر نیکی کے لیے ایک بدی کا ہونا لازم ہے
ہر بلندی ایک پستی کو چاہتی ہے ہر نور ایک ظلمت کا محتاج ہے غرض دنیا مین کوئی ایسی چیز نہین ہے جسکا
تصور اوس کی ضد کے بغیر ممکن ہو اسی طرح مسئلہ جبر بھی اپنی ضد یعنی مسئلہ اختیار کا مستلزم ہے۔ یہ فلسفیانہ
نکتہ قرآن کی اون بظاہر متعارض مگر بباطن متوافق آیات مین مضمر ہے جن مین سے کسی مین اگر یہ کہا گیا ہو کہ
تم کسی بات کو نہ چاہو گے جب تک کہ خدا نہ چاہے تو کسی مین یہ ارشاد ہوا ہے کہ خدا کسی قوم کی حالت کو نہین
بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنی حالت کو نہ بدلے۔ جبر و اختیار کی یہ آمیزش اوس اٹل اور ازلی قانون کے
مقتضیات مین سے ہے جس کی تعریف ان الفاظ مین کی گئی ہے (۱) لا تبديل لخلق الله (۲)
خلق كل شئ فقدره تقديرا (۳) فلن تجد لسنة الله تبديلا (بقیہ مضمون بر صفحہ آئندہ)

کم ہوگئی اور عام طور یہ بات تسلیم کی جانے لگی کہ انفرادی حیثیت سے انسان کے افعال کے نتایج معلل بہ اختیار ہوتے ہین اور خاص خاص حدود کے اندر جو افعال اوس سے سرزد ہوتے ہین اون کی ذمہ دار خود اوسی کا ارادہ یا مرضی ہوتی ہے۔ لیکن اقوام چونکہ ذاتی یا شخصی طور پر خدا کے آگے اپنے افعال کی جواب دہ نہین ٹھہر سکتین بلکہ اون کی اجتماعی حیثیت خدا کے بلا واسطہ احتساب سے بالا ہے لہذا وہ قدرت کے غیر تغیر پذیر قانون کے تابع ہین۔

اس بارہ خاص مین مسیحی اور مسلم اقوام مین بیّن فرق تھا۔ مسیحی کو معاملات انسانی مین خدا کی مسلسل دست اندازی پر پورا ایمان تھا۔ اوس کا عقیدہ یہ تھا کہ انتظام کائنات مین قاعدہ قانون کوئی چیز نہین۔ دعاؤن اور التجاؤن سے انسان خدا کو صورت معاملات کے بدلنے پر

(بقیہ مضمون صفحہ گذشتہ) اس سے زیادہ حکیمانہ توجیہ کائنات کے کسی ارادی یا غیر ارادی حادثہ کی اور کیا ہوسکتی ہے کہ وہ اسباب وعلل کے ایک محکم و متقن سلسلہ کے ذریعہ سے اوس مدبر اعظم کی ذات پر جا منتہی ہوتا ہے جو علۃ العلل اور مظاہر عالم کا سبب اولین ہے۔ لیکن مقدرات کے اس جبریہ عنصر مین علۃ العلل نے جس کی حکمت آفرین شان پر ''الذی خلق فسوّی'' گواہ ہے ارادۂ انسانی کا اختیاری عنصر بھی ایک خاص حد تک شامل کر دیا ہے جس کا اندازہ ''والذی قدر فھدیٰ'' سے کیا جا سکتا ہے۔ اسلام کی رو سے انسان نہ مجبور محض ہے نہ مختار مطلق۔ وہ اون حدود کے اندر جو فطرت انسانی کے ارتقائے عقلی و روحانی و اخلاقی کے لیے مقرر کر دی گئی ہین اپنے افعال کا مختار ہے لیکن ان حدود سے آگے بڑھنے پر قادر نہین۔ اسلام کی نسبت یہ سمجھنا کہ اوس نے اپنے پیرودن کو ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے رہنے کی تلقین کی ہے اور یہ سکھایا ہے کہ اگر مریض کو مرنا ہے تو طبیب سے رجوع کرنا فضول ہے اس لیے سرے سے علاج ہی نہ کرنا چاہیے اس کی تعلیم کا ایک جاہلانہ اور متعصبانہ اندازہ کرنا ہے۔ جس کی نفی نہ صرف قرآن کی آیات بلکہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام اور قرون اولیٰ کے اون مسلمانون کی زندگیان کر رہی ہین جن سے زیادہ شریعت کا رازدان اور کوئی نہ ہوسکتا تھا۔ جبر و اختیار کے معمے کو معارف دستگاہ مولانائے روم نے ان سادہ الفاظ مین حل کر دیا ہے۔

(بقیہ مضمون بر صفحہ آئندہ)

آمادہ کر سکتا ہے اور اگر خدا کی بارگاہ مین اوس کی دعا مقبول نہ ہو تو پھر مسیح یا مریم کی توجہاون کی مطلب برآری کے لیے کافی ہے اور اگر یہان سے بھی وہ محروم رہا تو پھر بزرگان دین کی شفاعت یا ادن کے تبرکات اور ہڈیون کا اثر مشیت ایزدی کا رد عمل کر سکتا ہے - اگر خود اوس کی منت وسماجت یا عجز والحاح سے کام نہ چلے تو حلقہ کے پادری یا کلیسا کے دوسرے مقدس پیشواؤن کی سفارش خصوصاً ایسی حالت مین جبکہ اوس کی طرف سے کوئی چڑھاوا چڑھا یا گیا ہو یا بندھی رقم بطور نذرانہ پیش کی گئی ہو اوس کی حاجت روائی کا ذریعہ ہوسکتی ہے - غرض مسیحی دنیا کو یقین تھا کہ فوق الانسان ہستیون پر اثر ڈال کر وہ معاملات دنیوی کے دھارے کو جس رخ مین چاہے بدل سکتی ہے - بخلاف اس کے اسلام کا دار و مدار اس اصول پر تھا کہ خدا کی مشیت قابل تغیر نہین ہے انسان کو لازم ہے کہ اس کے آگے تسلیم و رضا کا سر جھکا دے - عیسائی کی دعا آلۂ جلب منفعت ہوتی تھی جس کے ذریعہ سے وہ بصد عجز والحاح خدا سے اپنی مرادین مانگتا تھا اور مسلمان کی دعا اون نعمتون کا امتنان آمیز شکریہ ہوتی تھی جن سے وہ فائز وبہرہ اندوز ہو چکا تھا - دونون نے گویا دعا کو ہندوؤن کے گیان اور دھیان کا قایم مقام قرار دے رکھا تھا - عیسائی کی منظرون مین ترقی دنیا غیر مربوط حادثون اور ناگہانی حیرتون کا ایک سلسلہ تھی مسلمان کے نزدیک اس ترقی مین کچھ اور ہی عالم نظر آتا تھا - وہ یہ سمجھے ہوے تھا کہ ہر جسمانی حرکت کسی حرکت سابقہ سے وابستہ ہے - ہر خیال کسی خیال ماسبق کا پیدا کیا ہوا ہے - ہر تاریخی واقعہ کسی گذشتہ تاریخی واقعہ سے ماخوذ ہے - ہر انسانی فعل کسی گذرے ہوے اور انجام پائے ہوے فعل کا نتیجہ ہے - بنی نوع انسان کی تاریخ مین جو قرنہا قرن پر محیط ہے آج تک ایک بھی

(بقیہ مضمون صفحہ گذشتہ)

گفت پیغمبر بہ آواز بلند   بر توکل زانوئے اشتر بہ بند

ہم کو اپنی طرف سے مقدور بھر کوشش کرنی چاہیے - اور نتیجہ کے لیے اوس لطیفہ غیبی کا منتظر رہنا چاہیے جو معلل بحکمت وپابند قانون غیر ممکن التغییر ہے - مترجم

واقعہ ایسا نہیں پیش کیا جاسکتا جو ایکایک ظہور میں آگیا ہو۔ علت و معلول اور سبب و مسبب کے سلسلہ کی ہر کڑی دوسری کڑی سے اس ترتیب و تدریج کے ساتھ ملی ہوئی ہے کہ کہیں فصل نظر نہیں آتا۔ مقدر ایک آہنی زنجیر ہے جس کے حلقے واقعات ہیں۔ ہر حلقہ اوسی جگہ نصب ہے جہان خدا وقضا و قدر نے اسے قایم کر دیا تھا۔ ایک حلقہ بھی اپنی جگہ سے آج تک نہ ہلا ہے اور نہ علیحدہ کیا گیا ہے۔ جب انسان عالم میں آتا ہے تو اوسے اس کا کچھ علم نہیں ہوتا۔ جب وہ یہان سے رخصت ہوگا تو شاید اپنی مرضی کے خلاف رخصت ہوگا۔ پس کیا وجہ ہے کہ وہ جامہ تسلیم و رضا پہن کر نہایت ٹھنڈے دل سے اپنی قسمت کے فیصلہ کا انتظار نہ کرے۔

انسان کی شخصی زندگی کے ازلی مقدر ہونے کے متعلق جب خیالات میں یہ تبدیلی پیدا ہوئی تو دنیا کی ہیئت ترکیبی کے بارہ میں بھی خیالات نے پلٹا کھایا۔ قرآن کی رو سے زمین ایک سطح مربع ہے جس کے کنارون پر بڑے بڑے پہاڑ واقع ہین اور ان پہاڑون کا یہ دہرا فایدہ ہے کہ ایک تو ان کی وجہ سے زمین اپنی جگہ قایم رہتی ہے اور دوسرے آسمان ان پر لٹکا ہوا ہے۔ اس وسیع بلورین گنبد کو جو بغیر کسی فتور یا صدمہ کے اپنی جگہ قایم ہی دیکھ کر ہمین خدا کی طاقت و حکمت کے لحاظ سے اوس کی حمد و ثنا کرنی چاہیے۔ آسمان کے اوپر بہشت کی بنیاد ہے جس کی سات منزلین ہین۔ سب سے اونچی منزل خدا کا مسکن ہے جہان وہ دیوپیکر انسان کی شکل مین ایک تخت پر بیٹھا ہے اور اس تخت کے دونون طرف اوسی طرح کے ذوالجناح بیل ہین جیسے قدیم سریانی بادشاہون کے محل مین ہوتے تھے۔[۱]

[۱] خدا کی شان وہ لوگ جو عربی کا ایک حرف تک نہین جانتے جنکی کل معلومات قرآنی کا ماخذ وہ ذلیل لفظی ترجمے ہین جو سیل جیسے متعصب اور نا اہل پادریون نے کیے ہین اس بات کے مدعی ہون کہ وہ قرآن کے حقیقی معانی کے سمجھنے کی پوری قابلیت رکھتے ہین۔

مصنف کا تو انتقال ہو چکا ہے اس لیے ہمارا روئے سخن اون کی طرف نہین ہوسکتا البتہ جو لوگ اون کے ہم خیال ہین اون کی خدمت مین ہم یہ عرض کیے بغیر نہین رہ سکتے کہ (بقیہ مضمون بر صفحہ آیندہ)

یہ خیالات کچھ اسلام ہی سے مخصوص نہیں ہین - ہر قوم نے اپنے دماغی نشو و نما کے ایک
خاص درجہ پر پہنچ کر انہین وحی آسمانی سمجھا ہے - لیکن جو مسلمان زیادہ ترقی یافتہ تھے ادنہون نے

(بقیہ مضمون صفحہ گذشتہ) تحریف شدہ انجیل کی طرح قرآن نے اس قسم کا لغو دعویٰ کہین نہین کیا کہ زمین ایک
سطح مربع ہے جس کے چارون طرف پہاڑ ہین یا یہ کہ زمین غیر متحرک ہے جس پر آسمان ٹکا ہوا ہے یا یہ کہ بہشت
آسمان پر ہے اور سب سے اونچے آسمان پر خدا ایک انسان کی شکل مین تخت پر بیٹھا ہے جس کے دونون طرف
پر دار بیل کھڑے ہین -

حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے پہلے ہی دن مذہب اور سائنس کی حدود کو الگ الگ کر دیا تھا - رسول کے
مبعوث ہونے کا منشا یہ تھا کہ لوگون کو اخلاق حسنہ سکھائے اور ایک آنے والی زندگی کے حقایق سے آگاہ
کرے نہ یہ کہ انہین جغرافیہ و ہیئت اور فلسفہ و طب کا سبق دیتا پھرے - حضور رسالت پناہ نے صاف صاف
یہ فرما دیا ہے کہ انتم اعلم بامور دنیا کم -

اس مین شک نہین کہ قرآن مین جا بجا ایسی آیات پائی جاتی ہین جس مین آسمان زمین بہشت عرش
کرسی کا ذکر ہے لیکن افلا ینظرون الی الارض کیف سطحت سے یہ معنی لینا کہ زمین ایک سطح مربع
ہے یا الم نجعل الجبال اوتادا کی یہ تاویل کرنا کہ پہاڑ زمین مین میخون کی طرح ٹھکے ہوے ہین اور
اوسے اپنی جگہ سے ہلنے نہین دیتے - یا ثم استویٰ علی العرش کا یہ مفہوم سمجھنا کہ باری تعالیٰ باعتبار
جہت و اشارہ و بلحاظ تحت و فوق سب سے اونچے آسمان پر تخت پر بیٹھا ہوا ہے - یا ما تریٰ فی خلق الرحمٰن
من تفاوت فارجع البصر ھل تریٰ من فطور کا یہ مطلب سمجھنا کہ آسمان ایک بلورین گنبد
ہے جو بغیر کسی دراڑ کے اپنی جگہ قایم ہے فن بلاغت کے اوس اصول کی گردن پر الٹی چھری پھیرنا ہے جس مین
خطابیات کے تفہیمی اثر کا راز چھپا ہوا ہے -

علامہ شبلی "الکلام" مین تحریر فرماتے ہین کہ سب سے زیادہ قابل لحاظ یہ امر ہے کہ انبیا تہذیب
اخلاق اور تزکیہ نفس کے سوا اور قسم کے مباحث اور مسائل اور حقایق سے متعرض نہین ہوتے اور اس
قسم کے امور کے متعلق کچھ بیان کرتے ہین تو انہین کی روایات اور خیالات (بقیہ مضمون بر صفحہ آیندہ)

ان کے بجائے وہ خیالات قایم کرلیے جو ازروے سائنس درست و صحیح تھے - پھر بھی عیسائی
ممالک کی طرح اسلامی ملکون مین بھی حامیان مذھب کی مخالفت کے بغیر یہ ترقی نہ ہوسکی - مثلاً
جب المامون کو زمین کا کروی الشکل ہونا معلوم ہوا اور اوس نے اپنے مہندسون اور ہیئت دانون
کو ایک درجہ ارضی کی پیمایش کا حکم دیا تو علامہ تقی الدین نے جو اوس زمانہ کے مشاہیر علماے
دین مین سے تھے خلیفہ کے اس فعل کو بدعت قرار دے کر ظاہر کیا کہ مسلمانون کو ایک جھوٹے اور
مشرکانہ فلسفہ کی اشاعت سے گمراہ کرنے کی پاداش مین خدا یقیناً المامون پر عذاب نازل
کرے گا - لیکن المامون نے اس فتوے کی کچھ پروا نہ کی - اور اپنے حکم کی تعمیل کراہی کر رہا -
بحیرہ قلزم کے ساحل پر شنار کا میدان اس پیمایش کے لیے تجویز کیا گیا - ایک اصطرلاب کی مدد سے دو مقامات پر
جو ایک ہی خط نصف النہار پر واقع تھے اور جن کا باہمی فاصلہ پورا ایک درجہ تھا افق سے

(بقیہ مضمون صفحہ گذشتہ) کے مطابق اور اس مین بھی استعارات اور مجازات سے کام لیتے ہین - چنانچہ
شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ مین لکھا ہے کہ انبیا کے اصول مین سے ایک یہ بات ہے کہ جو
امور تہذیب نفس اور سیاست قومی سے تعلق نہین رکھتے اون مین وہ دخل نہین دیتے مثلاً کائنات الجو
یعنی بارش گہن ہالہ کے پیدا ہونے کے اسباب - نباتات اور حیوانات کے عجائبات - چاند سورج کی رفتار
کی مقدار - حوادث یومیہ کے اسباب - انبیا سلاطین اور ممالک کے قصے وغیرہ - ان چیزون سے وہ بحث
نہین کرتے - مگر ہان چند معمولی باتین جن سے لوگون کے کان مانوس ہوچکے ہین اور اون کی عقلون نے
اون باتون کو قبول کرلیا ہے اور ان باتون کو بھی وہ لوگ خدا کی شان اور قدرت کے ذکر مین ضمنی طور پر
اجمالاً بیان کرتے ہین اور اس مین مجاز اور استعارہ سے کام لیتے ہین اور اسی اصول کی بنیاد پر جب
لوگون نے آن حضرت ؐ سے چاند کے گھٹنے بڑھنے کا سبب پوچھا تو خدا نے اس کے جواب سے اعراض کیا اور
اس کے بجاے مہینون کا فایدہ بیان کر دیا چنانچہ فرمایا ویسئلونک عن الاھلۃ قل ھی مواقیت
للناس والحج - اکثر لوگون کا مذاق ان فنون (یعنی ریاضیات وغیرہ) کے اشتغال کی وجہ سے خراب ہوگیا ہے
تو یہ لوگ انبیا کے کلام کو خلاف حقیقت محمل پر محمول کرتے ہین - مترجم

قطب کے ارتفاع کا اندازہ قایم کیا گیا - ان دونون مقامات کے درمیانی فاصلہ کی جب پیمایش کی گئی تو معلوم ہوا کہ دو لاکھ ہاشمی گز ہے - اس حساب سے گویا کل زمین کا دور چوبیس ہزار انگریزی میل ہوا جو صحت سے بہت زیادہ دور نہین - چونکہ زمین کی کرویت اس قسم کی ایک ہی پیمایش سے قطعی طور پر مستنبط نہ ہوسکتی تھی لہذا خلیفہ نے حکم دیا کہ ایک درجہ کی پیمایش کوفہ کے قریب کی جائے - شاہی مہندس دو جماعتون مین تقسیم ہوگئے اور ایک نقطہ سے متخالف سمتون مین روانہ ہوکر ایک جماعت نے بجانب شمال اور دوسری نے بجانب جنوب ایک درجہ ارضی کے قوس کی پیمایش کی - اس پیمایش کا نتیجہ گزون مین ظاہر کیا گیا ہے - اگر یہ گز وہی ہین جو ہاشمی یا شاہی گز کے نام سے مشہور ہین تو ایک درجہ کے طول کی صحیح مقدار مین اور اوس مقدار مین جو اونہین معلوم ہوئی صرف ½ میل کا فرق ہے - ان پیمایشون سے خلیفہ نے یہ نتیجہ نکالا کہ زمین کا کروی الشکل ہونا مسلم ہی -

ہمین رہ رہ کر تعجب ہوتا ہے کہ عربون کا وحشیانہ تعصب کیون کر اس قدر جلد تحصیل علوم و فنون کی زبردست خواہش کی شکل مین بدل گیا - اوّل اوّل قرآن ادب و انشا اور حکمت و فلسفہ کا مزاحم تھا - آن حضرت ؐ نے اسے تمام تصانیف کا گل سرسبد ظاہر کر کے اس کی بے مثل فصاحت و بلاغت کو اپنی مامور من اللہی کے ثبوت مین پیش کیا تھا - لیکن اون کی وفات کے بعد بیس سال سے کچھ ہی زیادہ عرصہ گذرا تھا کہ وہ تجربہ جو مسلمانون کو شام ایران ایشیائی کوچک اور مصر مین حاصل ہوا اپنا رنگ لایا اور یہ واقعہ مسلم ہے کہ حضرت علی رضؓ نے جو اوس وقت سریر آرائے خلافت تھے ہر طرح کے علمی مشاغل کا لوگون کو خود شوق دلایا [1] - امیر معاویہ نے

[1] کیا ڈاکٹر ڈریپیر علی رغم آیہ کریمہ "قل رب زدنی علماً" ہم کو یہ یقین دلانا چاہتے ہین کہ اسلام مانع اکتساب علم و حکمت تھا ؟ کیا وہ اس کا کوئی ثبوت پیش کرسکتے ہین کہ جب مسلمانون کی تلوار نے مشرق و مغرب کی قسمت کا فیصلہ کر دیا تو اوس تحدی کا زور جو "و ان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورة من مثله وادعوا شهداءکم ان کنتم صادقین (بقیہ مضمون بر صفحہ آیندہ)

جو بانی خاندان بنوامیہ مین سنہ ۶۶۱ء مین برسر اقتدار ہوتے ہی آئین حکومت مین انقلاب پیدا کر دیا۔ پہلے حکومت انتخابی تھی اب موروثی ہوگئی۔ اونہون نے مدینہ کے بجاے دمشق کو جس کا موقع زیادہ مرکزی تھا دارالخلافہ بنایا اور تعیش وعشرت اور شان وشوکت کی زندگی اختیار کی۔ اونہون نے استبداد وتعصب کے سلاسل کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور علوم وفنون کی سرپرستی شروع کی۔ یہ حیرت انگیز انقلاب تیس سال کے اندر اندر پیدا ہوگیا تھا۔ حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانہ مین ایک ایرانی گورنر جب دربار خلافت مین آداب بجا لانے کو حاضر ہوا تو اوس نے امیرالمومنین کو مسجد نبوی کی سیڑھیون پر فقیرون کے ساتھ سوتے ہوئے پایا لیکن چھٹے خلیفہ امیر معاویہ کے دربار مین دوال غیرہ کے جو سفیر باریاب ہوئے وہ خلیفہ کے روبرو ایک عالیشان محل مین پیش کیے گئے جو نقش ونگار سے مزین اور چمنون اور فوارون سے آراستہ تھا۔

آن حضرتؐ کی رحلت کے بعد پوری ایک صدی بھی نہ گذرنے پائی تھی کہ مشاہیر حکماے یونان کی تصانیف کا ترجمہ عربی زبان مین ہوگیا اور "ایلیڈ" اور "اوڈیسی" جیسی نظمون کو جو بوجہ اپنی بت پرستانہ تلمیحات کے موجب گمراہی تصور کی جاتی تھین علم دوست اور ہنر پرور لوگون کے شوق نے شامی زبان کا لباس پہنا دیا۔ المنصور نے اپنے عہد خلافت (۷۷۵-۷۵۴ء) مین حکومت کا مرکز دمشق سے بغداد مین منتقل کیا اور نئے دارالخلافہ کو عروس البلاد بنا دیا۔

(بقیہ مضمون صفحہ گذشتہ) وان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودها الناس والحجارة اعدت للکافرین" کے حرف حرف مین ساری دو ایر تھا گم ہوگیا تھا؟ کیا ڈاکٹر ڈریپیر حضرت علیؓ کی ۔ امی کا دم یہی سمجھ کر بھرتے ہین کہ باوجودیکہ قرآن ادب وانشا اور حکمت وفلسفہ کا مزاحم تھا پھر بھی اونہون نے لوگون کو ہر طرح کے علمی مشاغل کا شوق بطور خود دلایا؟ کیا ڈاکٹر ڈریپیر کے ہم خیال قریباً ساڑھے تیرہ سو سال کے گذرنے کے بعد بھی کوئی ایسی کتاب دکھا سکتے ہین جو فصاحت وبلاغت مین قرآن کی ٹکر کی ہو؟ مترجم

اوس کا بہت سا وقت علم ہئیت کے مطالعہ اور اس فن شریف کے ترقی دینے مین صرف ہوتا تھا
اس کے علاوہ اوس نے سلطنت مین جا بجا طب اور قانون کے مدارس قایم کیے۔ اوس کا پوتا
ہارون الرشید (۷۸۶ء) بھی اوسی کے نقش قدم پر چلا چنانچہ اوس کے حکم سے دولت
عباسیہ کی ہر مسجد کے ساتھ ایک مدرسہ قایم کیا گیا۔ لیکن علم وحکمت کا سب سے زیادہ روشن
زمانہ جو ایشیا کے بیے سرمایہ صد افتخار و نازش ہے المامون کا عہد خلافت ہے (۸۱۳-۸۳۲ء)
اوس نے بغداد کو سائنس کا مرکز بنا دیا۔ عظیم الشان کتب خانے قایم کیے اور اپنے دربار کو
علما وفضلا کی مجلس بنا دیا۔

یہ اعلیٰ درجہ کا علمی مذاق اوس وقت تک بھی بدستور قایم رہا جب کہ اندرونی تنازعات
وفسادات کی وجہ سے عربی سلطنت تین جداگانہ حصون مین تقسیم ہوگئی تھی۔ بنی عباس ایشیا مین
بنی فاطمہ مصر مین اور بنی امیہ اندلس مین ایک دوسرے کے سیاسی رقیب تو تھے ہی لیکن
علم وحکمت اور ادب وانشا کی سرپرستی مین بھی ہر ایک کی یہی کوشش تھی کہ دوسرون پر
فوق لے جائے۔

شعر وسخن مین عربون نے ہر دلچسپ ونتیجہ خیز مضمون پر کتابین لکھین۔ اون کو اس امر پر ناز
تھا کہ ایک اکیلے عرب نے جس قدر شاعر پیدا کئے ہین وہ تعداد مین دنیا بھر کے شاعرون سے
زیادہ ہین۔ سائنس مین اون کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کے اکتساب مین اونہون نے
یورپ کے یونانیون کا طریقہ اختیار نہین کیا بلکہ اسکندریہ کے یونانیون کی روش کا اتباع کیا۔
اون کی عقل سلیم نے اونہین یہ بات سمجھا دی تھی کہ سائنس کی ترقی محض تخیل ہی سے نہین
ہوسکتی بلکہ اس ترقی کا صحیح اور یقینی ذریعہ صحیفہ فطرت کا عینی مطالعہ ہے۔ وہ حکمت نظری پر
حکمت عملی کو ترجیح دیتے تھے یعنی اون کے علم کی بنیاد تجربہ اور مشاہدہ پر تھی۔ فن ہندسہ
وریاضیات کو وہ استدلال واستنباط کے آلات تصور کرتے تھے۔ فن جرثقیل۔ توازن
مایعات۔ فن مناظر ومرایا پر جو کثیر التعداد کتابین اونہون نے لکھی ہین اون مین یہ دلچسپ

خصوصیت پائی جاتی ہے کہ ہر مسئلہ کسی تجربہ یا کسی آلہ شاہد کے ذریعہ سے حل کیا گیا ہے۔
یہی خصوصیت تھی جس نے اونکو فن کیمیا کا موجد بنا دیا جس نے اون سے تقطیر (عرق کھینچنے)
تصعید (بخار اڑا کر منجمد کرنے) تسیح (پگھلانے) اور تروق (چھاننے) کے آلات ایجاد کرائی۔
جس نے فن ہیئت مین اون کو آلات منقسمہ مثلاً لبنہ و اصطرلاب سے کام لینے کی ترغیب دلائی۔
جس نے فن کیمیا مین اون سے ترازو کا استعمال کرایا جس کے اصول سے وہ بخوبی واقف تھے۔
جس نے اون سے بغداد اندلس اور سمرقند مین اجسام کے اوزان کی میزانین اور ہیئت کے نقشے
تیار کرائے۔ جس نے اون کو علم ہندسہ۔ علم مثلث۔ علم جبر و مقابلہ اور ہندی طریقہ اعداد نویسی
مین نئے نئے نکتے پیدا کرنے کے قابل بنایا۔ یہ وہ نتایج ہین جو ارسطو کے عملی و استقرائی
طریقہ کو افلاطون کی خیال آرائی پر ترجیح دینے کی بدولت اون کی کوششون نے پیدا کیے۔

کتب خانجات عامہ کے قیام و توسیع کے لیے کتابون کے جمع کرنے مین نہایت
اہتمام کیا جاتا تھا۔ خلیفہ مامون عباسی کی نسبت روایت ہے کہ اوس کی کوششون سے صدہا
اونٹ جو قلمی کتابون کے پشتارون سے لدے ہوئے تھے بغداد مین داخل ہوئے۔ جو معاہدہ
اوس نے یونانی فرمانروا میکائیل ثالث کے ساتھ کیا تھا اوس مین ایک شرط یہ بھی تھی کہ قسطنطنیہ
کا ایک کتب خانہ اوس کے حوالے کر دیا جائے۔ جو علمی خزانے اس طرح المامون کے ہاتھ
آئے اون مین بطلیموس کی اوس مشہور تصنیف کا ایک نسخہ بھی تھا جو اوس نے سیار و ثوابت کی
مہندسانہ ساخت پر لکھی تھی۔ اس کا ترجمہ خلیفہ کے حکم سے فوراً عربی زبان مین کیا گیا اور ترجمہ
کا نام المجسطی رکھا گیا۔ جو کتابین اس طور پر جمع کی گئین اون کی کثرت تعداد کا اندازہ اس سے
ہو سکتا ہے کہ قاہرہ کے کتب خانہ فاطمیہ مین ایک لاکھ نسخے جن کا خط نہایت پاکیزہ اور
جلدین نہایت خوشنما تھین موجود تھے۔ ان مین سے چھ ہزار پانچ سو نسخے فقط ہیئت اور طب
پر تھے۔ اس کتب خانہ کے قواعد کے بموجب اون طالب العلمون کو جو قاہرہ مین سکونت پذیر
تھے کتابین مستعار مل سکتی تھین۔ کتب خانہ مین زمین کے دو کرے بھی تھے۔ ایک تو ٹھوس

چاندی کا تھا۔ دوسرا پیتل کا تھا۔ پیتل کے کرے کی نسبت مشہور تھا کہ اسے بطلیموس نے بنایا تھا۔ چاندی کے کرے پر تین ہزار دینار لاگت آئی تھی۔ خلفائے اندلس کے عظیم الشان کتب خانہ کے نسخون کی تعداد رفتہ رفتہ چھ لاکھ ہوگئی۔ اس کی فہرست ہی چوالیس کتابون پر مشتمل تھی۔ اس شاہی کتب خانہ خاص کے علاوہ اندلس مین ستر سرکاری کتب خانے ایسے تھے جن مین ہر شخص جاکر اپنی معلومات بڑہا سکتا تھا۔ خاص خاص اشخاص کے پاس بعض دفعہ کتابون کا بہت بڑا ذخیرہ ہوتا تھا۔ ایک طبیب کی نسبت روایت مشہور ہے کہ جب سلطان بخارا نے اوسے بلا بھیجا تو اوس نے وہان جانے سے اس بنا پر انکار کردیا کہ اوس کی کتابون کی باربرداری کے لیے چارسو اونٹون کی ضرورت تھی۔

ہر بڑے کتب خانہ مین ایک سررشتہ نقل اور ترجمہ کا ہوتا تھا۔ تراجم بھی بسا اوقات بعض اشخاص اپنے ذاتی اہتمام سے مرتب کراتے تھے۔ چنانچہ ایک نسطوری طبیب حنین نامی نے اس قسم کا ایک دفتر بغداد مین قایم کر رکھا تھا (۸۵۰ء)۔ یہ شخص ارسطو افلاطون بقراط جالینوس اور دوسرے مشاہیر یونان کی تصانیف کے تراجم شایع کرتا تھا۔ تراجم کے علاوہ جدید تصانیف کا بازار بھی ہر طرف گرم تھا۔ تصنیف کا طریقہ یہ تھا کہ دارالعلوم کے حکام اساتذہ کو مقررہ موضوع پر کتابین لکھنے کے لیے مامور کرتے تھے۔ ہر خلیفہ کے دربار کا وقایع نویس علیحدہ ہوتا تھا۔ قصص و حکایات کے متعلق الف لیلہ جیسی کتابون کا وجود عربون کی قوت متخیلہ کا پتہ دیتا ہے۔ تصوف اور افسانون کے علاوہ انواع و اقسام کے دوسرے مضامین پر بھی کتابین تصنیف کی جاتی تھین مثلاً تاریخ۔ اصول فقہ۔ سیاست۔ فلسفہ و تفسیر۔ سوانح عمریان نہ صرف جلیل القدر اشخاص بلکہ مشہور گھوڑون اور اونٹون تک کی لکھی جاتی تھین۔ کتابون کی اشاعت مین کسی قسم کی مزاحمت یا ممانعت من جانب حکومت نہ ہوتی تھی اور نہ اون کے مضامین مین مصلحت عامہ کے بہانے سے کسی قسم کی حک و اصلاح کی جاتی تھی۔ البتہ اخیر اخیر مین دینیات کی کتابون کی اشاعت کے لیے مصنفون کو سرکاری اجازت حاصل کرنی پڑتی تھی۔ واقفیت

عامہ کے متعلق علمی حوالجات کی کتابین کثرت سے لکھی گئین - جغرافیہ - شمار واعداد - طب - تاریخ غرض ہر مضمون کی ایک جامع لغات موجود ہوگئی یہان تک کہ اون کے ملخصات بھی تیار کر دیے گئے - چنانچہ محمد ابوعبداللہ کی تصنیف "دایرۃ المعارف" اس صنعت کی ایک ممتاز مثال ہی - کتابون مین جو کاغذ لگایا جاتا تھا اوس کی صفائی اور سفیدی کا خاص طور سے خیال رکھا جاتا تھا - رنگا رنگ روشنائیون کی تیاری مین بہت کچھ اہتمام کیا جاتا تھا - اور کتابون کے عنوان کو مطلا و مذہب کرنے اور اون کو طرح طرح کے نقش و نگار سے زینت دینے مین نہایت دیدہ ریزی ہنر آفرینی اور کمال خوش سلیقگی کا ثبوت دیا جاتا تھا -

غرض دنیاے اسلام مین علوم و فنون کی روشنی چارون طرف پھیلی ہوئی تھی - منگولیا تاتار - ایران - عراق - شام - مصر - شمالی افریقہ - مراکش - فیض اور اندلس مین کثرت سے مدرسے اور درسگاہین موجود تھین - دولت روما کا رقبہ باآن ہمہ عظمت و جبروت اتنا نہ تھا جتنا اس عربی سلطنت کا - اس عظیم الشان سلطنت کے ایک کنارہ پر تو سمرقند کا مشہور مدرسہ اور رصدگاہ تھی اور دوسرے کنارے پر اندلس کا شہرہ آفاق مینارہ ترصد آسمان سے ہم کلام تھا - مسلمانون کی اس سرپرستی علوم و فنون کا ذکر کرتے ہوے گبن لکھتا ہے :"صوبون کے خودمختار امیر بھی علم و ہنر کی سرپرستی مین شاہانہ اقتدارات برتتے تھے - اور اون کی رقیبانہ مسابقت نے مذاق علمی کی ترویج مین غیرمعمولی حصہ لے کر سائنس کے نور کو سمرقند و بخارا سے نے کر فیض اور قرطبہ تک پھیلا دیا - ایک سلطان کے وزیر نے ایک دفعہ ایک لاکھ اشرفیان اس غرض سے وقف کر دین کہ اس سرمایہ سے بغداد مین ایک کالج قایم کیا جاے اور اس کالج کے مصارف کے لیے پندرہ ہزار دینار سالانہ کا دوامی عطیہ مقرر کر دیا - تعلیم کے فیضان سے عوام و خواص کو یکسان بہرہ اندوز ہونے کا موقع دیا جاتا تھا - وزیر کا بیٹا اور ایک ادنی درجہ کے موچی کا بیٹا پہلو بہ پہلو بیٹھ کر استاد سے سبق لیتے تھے - طالب العلمون کی تعداد ایک ایک دارالعلم مین چھ چھ ہزار تک پہنچی ہوئی تھی - جنکی جماعتون کو باوقات

مختلف تعلیم دی جاتی تھی۔ نادار طلبہ کے لیے معقول وظایف مقرر تھے اور اساتذہ کو بیش قرار تنخواہین ملتی تھین۔ ہر شہر مین عربی زبان کی نادر تصنیفات کے نقل اور جمع کرنے کے لئے طالبان علم کا شوق اور اہل دل کا نمود ہر وقت سرگرمی سے مصروف تھا۔ ان مدارس و مکاتب کی نگرانی فراخ حوصلگی کے اقتضا سے بعض دفعہ نسطوریون اور بعض دفعہ یہودیون کے سپرد کی جاتی تھی۔ کسی شخص کو کسی خدمت جلیلہ پر سرافراز کرتے وقت حکومت کو یہ خیال نہ ہوتا تھا کہ وہ کس قوم سے تعلق رکھتا ہے یا اوس کے مذہبی عقاید کیا ہین بلکہ محض اوس کی علمی قابلیت کا لحاظ کیا جاتا تھا۔ "خیر الناس من ینفع الناس" کے اصول کو پیش نظر رکھ کر خلیفہ اعظم المامون نے اپنا یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ "اہل علم و فضل خدا کے برگزیدہ اور بہترین بندے ہین جنھون نے اپنی زندگی اپنے قواے عقلی و ادراکی کی ترقی کے لیے وقف رکھی ہے۔ وہ اپنے ابنائے جنس کو حکمت و دانش کے نکتے سکھاتے ہین اس لیے وہ نظام دنیا کے شیرازہ بند اور محفل کون و فساد کی شمع ہین۔ اگر اون کی ہدایت چراغ راہ نہ ہو تو اہل دنیا پر اوسی جہالت اور وحشیانہ پن کی ظلمت پھر چھا جائے جو پہلے چھائی ہوئی تھی۔"

مدرسہ طبیہ قاہرہ کے طرز عمل کی تقلید نے دوسرے طبی مدارس مین بھی یہ قاعدہ جاری کرا دیا کہ زمانہ تعلیم کے اختتام پر طلبہ کا نہایت سختی کے ساتھ امتحان لیا جائے۔ اور کامیاب ہونے پر اونھین مطب کرنے کی سند دی جائے۔ یورپ کا پہلا طبی مدرسہ وہ تھا جسے عربون نے اٹلی کے شہر سلرنو مین قایم کیا اور پہلی رصدگاہ جو یورپ کو نصیب ہوئی وہ تھی جو اموی خلفا کی سرپرستی مین بمقام اشبیلیہ (اسپین) قایم ہوئی۔

اگر ہم اس مہتم بالشان علمی تحریک کی جزئیات سے بحث کرین تو اس کتاب کا حجم حد سے زیادہ بڑھ جائیگا۔ لہذا ہم صرف اس اجمال پر اکتفا کرتے ہین کہ مسلمانون نے قدیم علوم و فنون مین بہت کچھ اضافے کیے اور نئے نئے علوم ایجاد کیے۔ اونھون نے حساب کے ہندی طریقہ کو رواج دیا جس مین تمام رقوم نہایت خوبصورتی کے ساتھ دس اعداد کے

ذریعہ سے اس طرح ظاہر کی جاتی ہین کہ ہر عدد کی اول تو ایک قیمت مطلق مقرر کر دی گئی ہے اور اوس کے بعد ایک قیمت اعتباری ہے جو بلحاظ موقع یا مرتبہ پیدا ہو جاتی ہے اور ساتھ ہی ہر طرح کے اندازے کے لیے سہل اور سادہ قاعدے بنا دئے گئے ہین۔ جبر و مقابلہ یا بالفاظ دیگر ہمہ گیر ریاضی وہ طریقہ ہے جس کے ذریعہ سے مقادیر غیر معینہ کی تعیین یعنی اون تعلقات کی دریافت ہو سکتی ہے جو ہر قسم کی مقادیر کے درمیان قایم ہون خواہ ان مقادیر کا تعلق علم حساب سے ہو خواہ علم ہندسہ سے۔ اس طریقہ کا موہوم سا خیال ڈایوفنٹس[۱] کو پیدا ہوا تھا جسے عربون نے ترقی دے کر اس حد کمال تک پہنچایا۔ جبر و مقابلہ مین محمد بن موسیٰ نے مساوات درجہ چہارم اور عمر بن ابراہیم نے مساوات درجہ سوم کے حل کرنے کا عمل دریافت کیا۔ عربون ہی کی ساعی سے علم مثلث نے اپنی موجودہ شکل اختیار کی۔ اونھون نے جیب مستوی کے بجاے جس کا اول استعمال ہوتا تھا اوتار کو اس فن مین داخل کیا۔ اور اسے ترقی دے کر ایک مستقل فن کی حیثیت عطا کی۔ موسیٰ نے جس کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہین علم مثلث کروی پر ایک رسالہ لکھا اور البغدادی کا ایک رسالہ ساحت پر موجود ہے جس مین اس فن کے متعلق یہان تک دادنکتہ سنجی دی گئی ہے کہ بعض لوگ یہ کہے بغیر نہ رہ سکے کہ اس موضوع پر اقلیدس کا جو مقالہ گم ہو گیا تھا البغدادی کا رسالہ اوسی کی نقل ہے۔

[۱] ایک یونانی الاصل ریاضی دان تھا جو چوتھی صدی عیسوی کے خاتمہ پر اسکندریہ مین پیدا ہوا۔ جبر و مقابلہ کے بعض ابتدائی مسایل کی دریافت اوس سے منسوب کی جاتی ہے۔ اوس کی قبر کی لوح پر چند اشعار بزبان یونانی کندہ تھے جو ہم تک پہنچے ہین۔ ان کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اوس کی ۳۳ سال کی عمر مین شادی ہوئی۔ اوس کا بیٹا شادی کے پانچ سال بعد پیدا ہو کر ۴۲ سال کی عمر مین اوس سے چار سال پہلے مرگیا اور اس حساب سے اوس کی عمر ۸۴ سال ہوئی۔ یہ اطلاع جبر و مقابلہ کی ایک شکل مین قلمبند کی گئی ہے۔ ارسماطیق (علم حساب) پر اوس نے ایک کتاب تیرہ مقالون مین لکھی تھی جس مین سے صرف چھ مقالے اس وقت موجود ہین۔ مترجم

علم ہیئت مین اونہون نے نہ صرف ستارون کی فہرستین تیار کین بلکہ اوس حصہ آسمان کے نقشے بھی تیار کئے جو اون کے پیش نظر تھا۔ بڑے بڑے ستارون کے اونہون نے عربی نام بھی رکھے اور آج کے دن تک یہ ستارے انہین نامون سے مشہور ہین۔ جیسا کہ ہم کو معلوم ہو چکا ہے اونہون نے سطح زمین کے ایک درجہ کی پیمایش کر کے اس کی جسامت دریافت کی۔ طریق الشمس کا اعوجاج معلوم کیا۔ آفتاب و ماہتاب کی صحیح میزانین شایع کین۔ سال کی مدت مقرر کی۔ استقبال اعتدالین کی توثیق و تصدیق کی بطلیمس نے البتانی نے رسالہ علم کواکب کا ذکر ادب و احترام کے ساتھ کیا ہے اور حاکم بامر اللہ خلیفہ مصر (سنہ ۱۰۰۰ء) کے دربار کے مشہور ہیئت دان ابن یونس کی ایک عالمانہ تصنیف کے بعض بچے بچائے اجزا کا بھی حوالہ ہاسے جس مین المنصور عباسی کے زمانہ سے لے کر اوس وقت تک کے مختلف مشاہدات فلکی مثلاً کسوف و خسوف۔ نقاط اعتدال لیل و نہار۔ نقاط انقلاب صیفی و شتوی۔ قران سیارگان و احتجاب کواکب کے نتایج مندرج ہین۔ ان رصدی نتایج نے نظام عالم کے بڑے بڑے تغیرات پر بہت کچھ روشنی ڈالی ہے۔ اس کے علاوہ ہیئت دانان عرب نے آلات ہیئت کی ترکیب و تکمیل پر بہت سا وقت صرف کیا۔ وقت کا اندازہ لگانے کے لیے مختلف قسم کی پانی اور دہوپ کی گھڑیان ایجاد کین۔ اور سب سے پہلے اس مقصد کی تکمیل کے لیے "پنڈلم" یعنی رقاص ساعت اونہین نے ایجاد کیا۔

عملی علوم مین جن کا دار و مدار تجربہ پر ہے علم کیمیا کی ایجاد کا سہرا اونہین کے سر ہے۔ اونہون نے اس فن کے بعض نہایت ہی اہم معیار دریافت کیے مثلاً گندھک کا تیزاب۔ شورے کا تیزاب اور الکحل۔ اس فن سے اونہون نے طب مین بھی کام لیا اور سب سے اول ادویات مفردہ و مرکبہ کی قرابادینین شایع کین۔ اور ان مین معدنی نسخہ جات بھی شامل کیے۔ علم جرثقیل مین اونہون نے گرتے ہوے اجسام کے قوانین دریافت کیے۔ قوت کشش ثقل کی ماہیت سے بھی وہ نابلد نہ تھے۔ جرثقیل کی قوتون کے مسئلہ کا اونہین اچھی طرح

علم تھا۔ علم توازن مایعات مین جو ترقی اونھون نے کی اوس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہی کہ اجسام کے اوزان مخصوص کی میزانین مرتب کرکے پانی مین اجسام کے ڈوبنے اور تیرنے کے مالہ وماعلیہ پر اونھون نے بسوط بحثین لکھین۔ فن مناظر ومرایا مین اونھون نے یونانیون کی اس غلط فہمی کو درست کیا کہ شعاع نور آنکھ سے نکل کر شئی مرئی پر پڑتی ہے۔ اس کے بجاے اونھون نے اس مسئلہ کو رواج دیا کہ شعاع شے سے چل کر آنکھ مین داخل ہوتی ہے۔ واقعہ انعکاس وانعطاف ضیا کی ماہیت کا اونھین پورا علم تھا۔ ابن حزم سے یہ مشہور تحقیقات منسوب ہے کہ شعاع نور کرہ ہوا کو بہ شکل قوس قطع کرتی ہے اور اس سے اوس نے یہ ثابت کیا کہ ہم آفتاب و ماہتاب کو قبل طلوع وغروب دیکھتے ہین۔

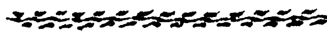
اس علمی مستعدی کا اثر اوس ترقی مین صاف نظر آتا ہے جو صنعت وحرفت کے متعدد فنون مین جلد جلد ہونی شروع ہوی۔ فن فلاحت مین آبپاشی کے طریقے پہلے سے بہتر ہوگئے۔ کھاد کا استعمال ہنر اور سلیقہ کے ساتھ کیا جانے لگا۔ چوپایون کی افزایش نسل کے متعلق قیمتی نکتے معلوم ہوگئے۔ دیہی قوانین کا ضابطہ کاشتکارون اور مزارعین کے حقوق کے لحاظ سے بہت زیادہ کامل ومکمل ہوگیا۔ جن کھیتون مین پہلے دھان کی کاشت نہ ہوتی تھی وہان اب اس کی لہلہاتی فصلین نظر آنے لگین۔ جہان ایکھ اور قہوہ کا نام ونشان نہ تھا وہان اب ان کی پیداوار بھی ہونے لگی۔ سلطنت مین جابجا ریشم روئی اور اون کے کپڑون کی کارخانے قایم ہوگئے۔ قرطبہ اور مراکو مین چرم سازی وکاغذ سازی کا کام شروع ہوگیا۔ معدنون پر کام ہونے لگا۔ مختلف دھاتین ڈھلنے لگین۔ ٹالیڈو مین ایسے ایسے فولادی خنجر اور تلوارین تیار ہونے لگین کہ لیک دنیا اون کا لوہا مان گئی۔

شاعری اور موسیقی پر عرب فریفتہ تھے۔ اون کا جو وقت فکر معاش سے بچتا تھا ان فنون لطیفہ کی نذر ہوتا تھا۔ شطرنج کا کھیل یورپ نے عربون سے سیکھا اور قصص وحکایات اور خیالی مضامین کا شوق بھی جو اہل یورپ مین اس قدر پایا جاتا ہے عربون ہی کا پیدا کیا ہوا ہی

فن ادب کی اون شاخون مین جو محض تفریح اور دلبستگی ہی کا ذریعہ نہین - بلکہ شان ثقاہت ومتانت لیے ہوے ہین اون کی فکر سلیم داد نکتہ آفرینی دیتی تھی - دنیا کی ناپایداری - لامذہبی کے نتایج - قسمت کی گردش - عالم کی ابتدا - اس کی میعاد اور اس کا خاتمہ وہ مضامین ہین جن پر اونہون نے لطیف اور نتیجہ خیز کتابین لکھی ہین - بعض دفعہ ہمین تعجب ہوتا ہے تعجب جب ہماری نگاہ ایسے خیالات پر جا پڑتی ہے جن کی نسبت از راہ تفاخر ہم یہ سمجھے بیٹھے ہین کہ ان خیالات کے موجد ہونے کا شرف ہمین کو حاصل ہے - مثلاً ایک مسئلہ ارتقا ہی کو لیجیے جسے ہم اکتشاف جدید سمجھتے ہین - اس مسئلہ کی تعلیم اون کے مدارس مین دی جاتی تھی - اور ہم تو خیر پھر بھی اس کے محدود معنی لیتے ہین - وہ ہم سے بھی ایک قدم آگے بڑھے ہوے تھے اور غیر عضوی اجسام یعنی جمادات تک کو اس کے حیز عمل مین داخل سمجھتے تھے - رسایں یعنی کیمیا سازی کا اصلی راز فلزاتی اجسام کے ارتقائے فطری مین مرکوز تھا - الخزاینی جس نے بارھوین صدی عیسوی کا زمانہ پایا ہے لکھتا ہے :" جب عوام الناس فلاسفہ طبیعیین کو یہ کہتے ہوے سنتے ہین کہ سونا ایک جسم ہے جو درجہ کمال کو پہنچ گیا ہی تو اونہین کامل یقین ہو جاتا ہے کہ سونا ایک ایسی چیز ہے جو اور دھاتون کی شکل یکے بعد دیگرے اختیار کرتا ہوا ایک زمانہ دراز کے بعد اس حالت کمال کو پہنچا ہے یعنی ابتدا مین یہ سیسہ تھا پھر رانگ ہو گیا اوس کے بعد پیتل ہوا پھر چاندی ہوا اور چاندی سے ترقی کر کے سونا بن گیا - ان جہلا کو یہ معلوم نہین کہ فلاسفہ طبیعیین کا یہ قول کہ سونا ایک ترقی یافتہ جسم ہے قریب قریب اون کے اس قول کا ہم معنی ہے کہ انسان اپنی فطرت اور ترکیب جسمانی کے لحاظ سے قدرت کی قوتون کے اعتدال کا مرکز ہے - ظاہر ہے کہ اس سے اون کا مطلب یہ نہین ہوتا کہ آدمی پہلے بیل تھا - پھر گدھے کی شکل مین تبدیل ہوا - پھر گھوڑا بن گیا اس کے بعد بندر کے قالب مین ظاہر ہوا اور سب سے آخر مین انسان بن گیا "

پانچوان باب

نزاع مذہب و سائنس دربارہ ماہیت روح مسئلہ انفصال و انجذاب



روح کی ماہیت کے متعلق قدیم اہل یورپ کے خیالات - یعنی روح جسم کے مشابہ ہے۔

اہل مشرق کے فلسفیانہ خیالات - ہندو مذہب اور بدھ مذہب مسئلہ انفصال وانجذاب کی تلقین کرتے ہین - یہی مذہب ارسطو کا بھی ہے جس کی تقلید پیروان فلسفہ اسکندریہ اور بعد مین یہودی اور عرب کرتے ہین - یہی مسئلہ اریجینا کی تصانیف مین بھی پایا جاتا ہے۔

اس مسئلہ کا تعلق مسئلہ بقا و تناسب قوت کے ساتھ - جسم اور روح کے آغاز و انجام کی باہمی مماثلت - روح انسانی کا قیاس روح حیوانی پر۔

فلسفہ ابن رشد جو انہین واقعات پر مبنی ہے اسپین اور سسلی ہوتا ہوا مسیحی دنیا مین پہنچتا ہے۔

فلسفہ ابن رشد کے استیصال کی تاریخ - اسلام کا اس سے ابا کرنا - یہودیون کے مذہبی طبقہ کی مخالفت - پاپاے روما کا اس فلسفہ کو مٹا دینے پر کمر باندھنا "انکویزیشن" (محکمہ احتساب مذہبی) کا اسپین مین قایم ہونا - اس محکمہ کے وحشیانہ مظالم اور اون کے نتایج - یہودیون اور عربون کا اخراج - یورپ مین فلسفہ ابن رشد کی پامالی "ڈینٹکن کونسل" کا فیصلہ۔

بت پرست یونانیون اور رومیون کا یہ عقیدہ تھا کہ انسان کی روح اوس کی جسمانی صورت

کے مشابہ ہے۔ جسم بڑہتا ہے تو یہ بھی اوس کے ساتھ بڑہ جاتی ہے اور گھٹتا ہے تو گھٹ جاتی ہی۔
غرض تغیرات جسمانی کے ساتھ ساتھ اس مین بھی تغیرات ہوتے رہتے ہین۔ اس لحاظ سے اون
مشاہیر عصر کو جنہین مرنے کے بعد ہیڈیز کے طبقہ سافل مین داخل ہونے کی کارپردازان دنیاے
تحتانی کی طرف سے اجازت ملتی تھی اپنے پرانے رفیقون کے پہچاننے مین کوئی دقت نہ پیش
آتی تھی۔ نہ صرف ان باشندگان عالم عقبی کی جسمانی صورت ہی بدستور قایم رہتی تھی بلکہ اوس
لباس تک مین جسے وہ اس دنیا مین پہنا کرتے تھے کسی قسم کی تبدیلی نہ واقع ہوتی تھی۔

قدیم مسیحیون نے جن کے خیالات حیات اخروی اور بہشت و دوزخ یعنی نیکوکارون
اور گناہ گارون کے ماکن کے متعلق اپنے بت پرست پیش رودن کے تصورات کے مقابلہ مین
بہت زیادہ واضح و نمایان تھے انہین قدیم تصورات کو تسلیم کرکے اون پر اپنی طرف سے بہت کچھ
حاشیے چڑہا دیے۔ اون کو ذرا شک نہ تھا کہ آنے والی دنیا مین وہ اپنے احباب و اقارب
سے اسی طرح ملکر باتین کرین گے جس طرح اس دنیا مین کرتے ہین۔ اور اون کی یہ اُمید
فطرت انسانی کے مقتضیات کے لحاظ سے چندان بیجا نہ تھی اس لئے کہ جب کوئی عزیز دوست
ہمیشہ کے لیے جدائی کا جانکاہ داغ دے جاتا ہے تو اس خیال سے کہ دوسری زندگی مین
اوس سے ہماری ملاقات ہو ہی جائے گی ہمارے دل کو تسکین ہو جاتی ہی۔

اس مسئلہ کے متعلق کہ روح جسم سے جدا ہونے کے بعد روز جزا تک کس حالت مین
اور کہان رہتی ہے صحیح صحیح معلومات نہ ہونے کی وجہ سے لوگون کے خیالات مختلف تھے۔ ایک
گروہ کا خیال یہ تھا کہ روح قبر کے گرد و پیش منڈلایا کرتی ہے۔ دوسرا گروہ یہ سمجھتا تھا کہ
مرنے کے بعد روح بحالت سراسیمگی و پریشانی فضاے بسیط مین ادھر ادھر بھٹکتی پھرتی ہی۔
عام عقیدہ یہ تھا کہ سینٹ پیٹر بہشت کا دربان ہے۔ اور اوس کو یہ اختیار حاصل ہے کہ جس کو
چاہے دروازہ مین گھسنے دے اور جس کو چاہے روک دے۔ وہ انسانون کی روحون کو اپنی
مرضی سے بہشت مین داخل کرتا ہے یا وہان سے نکال دیتا ہے۔ لیکن بہت سے لوگ اوس کے

ان اقتدارات کے منکر تھے جس کی وجہ اُن کے نزدیک یہ تھی کہ جب روز جزا سے پہلے ہی سینٹ پیٹر نے روحون کو بہشت مین داخل کر دیا یا وہان سے نکال دیا تو پھر روز جزا کی کیا ضرورت باقی رہی پاپائی گریگوری کے زمانہ کے بعد یہ عقیدہ عام طور پر رایج ہوگیا کہ قید عنصری سے آزاد ہوکر روحین ایک مقام پر رکھی جاتی ہین جہان اون کا تزکیہ ہوتا ہے یعنی بدون کو اپنی بدی کی تلافی کا موقع دیا جاتا ہے۔

مردون کی روحون کا وقتاً فوقتاً زندون سے آکر ملنا اور اپنے دیرینہ مساکن مین بود و باش اختیار کرنا ایک ایسا خیال ہے جسے یورپ کے تمام ممالک مین ہر زمانہ کے نہ صرف جہلا بلکہ عقلا بھی تسلیم کرتے چلے آئے ہین۔ جاڑے کے موسم مین غروب آفتاب کے بعد دہکتے ہوئے تابدان کے سامنے بیٹھ کر جب بھوت پریت سایہ کی کہانیان دہرائی جاتی ہین تو سننے والون پر ایک دل کو بھلا معلوم ہونے والا خوف طاری ہوجاتا ہے۔ زمانہ قدیم مین اہل روما تین قسم کی ارواح کے قایل تھے۔ یعنی نیکون کی روحین بدون کی روحین اور اون لوگون کی روحین جن کے اعمال مشکوک تھے۔ اگر اس بارہ مین انسانی شہادت کی کوئی وقعت ہوسکتی ہے تو حقیقت یہ ہے کہ قدیم الایام سے اس قسم کی صدہا روایتین جنکے راوی نہایت ثقہ اور معتبر سمجھے گئے ہین اس مضمون کی ہم تک پہنچی ہین کہ مُردون کی روحین یا تو قبرستانون مین جمع ہوتی ہین یا ویران قلعون کے تنگ و تاریک حجرون مین اقامت پذیر ہوتی ہین۔ یا چاندنی رات مین تن تنہا خاموشی کے ساتھ چہل قدمی کیا کرتی ہین۔

ادہر یورپ مین تو اس قسم کے خیالات مقبول خاص و عام ہوئے لیکن ایشیا مین اس کی برعکس دوسرے قسم کے خیالات جو تخییل کے طبقہ اعلیٰ سے تعلق رکھتے تھے عام طور پر پھیل گئے۔ پیشوایان مذہب نے سولہوین صدی مین ان کو اگرچہ دبا دیا لیکن اون کا استیصال کلی کبھی نہ ہوسکا۔ خود ہمارے زمانہ مین بھی ان کی اشاعت ایک نہایت وسیع پیمانہ پر یورپ بھر مین اس خاموشی کے ساتھ ہوتی رہی کہ پاپائے روم نے مناسب سمجھا کہ اون کی صاف صاف

طور پر قلعی کھول دی جائے۔ چنانچہ پاپا کا دینی فرمان جب "ویٹیکن کونسل" مین پڑھا گیا تو کونسل نے بالاتفاق ان خیالات کو موجب ضلالت و گمراہی قرار دے کر ایک فتویٰ جاری کیا جس مین اون سب لوگون کو ملعون ٹھہرایا گیا جو ان کو صحیح سمجھتے ہون۔ اس فتوے کا ایک فقرہ یہ ہے:۔

"لعنت ہو اوس پر جو یہ کہتا ہے کہ روحانی اشیا کا انفصال یا خروج ذات باری سے ہوا ہے یا یہ کہ ذات باری اپنے مظاہر کے ذریعہ سے یا نشو و نما پانے کے بعد تمام چیزون کی شکلین قبول کر لیتی ہے" چونکہ روما کی مذہبی کونسل نے ان عقاید کی تکفیر مین اپنے اقتدارات کا پورا زور صرف کیا ہے لہذا ضرور ہوا کہ ان کے مالہ و ماعلیہ پر تاریخی پہلو سے نظر ڈالی جائے۔

ماہیت ذات باری کے تصورات سے ماہیت روح کے تصورات کا اثر پذیر ہونا لازمی ہے۔ ذات باری کے تصور سے مشرقی ایشیائیون نے شخصیت کا خیال خارج کر دیا تھا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ روح کے متعلق اون کے ہان مسئلہ انفصال و انجذاب رواج پا گیا۔

ویدانت مین اس امر کا اعتراف کیا گیا ہے کہ ایک روح تمام کائنات مین ساری و دائر ہے۔ اس روح کل یا خدا کی ماہیت وہی ہے جو روح انسانی کی ہے۔ نہ صرف ویدون مین بلکہ منو کی سمرتیون مین بھی یہ دعوی موجود ہے کہ روح شعلۂ عقل کل کی ایک چنگاری ہے جو اس سے جدا ہو گئی ہے اور ایک زمانہ موقت کے بعد اس مین پھر مل جانے والی ہے۔ اسی کا نام اصول انفصال یعنی جدائی و انجذاب یعنی ملاپ ہے۔ ویدون اور سمرتیون مین روح کی کوئی شکل نہین مانی گئی۔ مظاہر قدرت کو جنکی رعنائیان اور رنگینیان آنکھ اور دل کو بھاتی ہین خدا کا محض ایک سایہ تصور کیا گیا ہے۔

ویدون کے مذہب نے ترقی کرتے کرتے بدھ مذہب کی شکل اختیار کر لی جو بنی نوع انسان کے جزو غالب کا ایمان ہے۔ اس مذہب کو ایک طاقت عالیہ کے وجود کا تو اعتراف ہے لیکن کسی ہستیٔ عالیہ کے موجود ہونے سے انکار ہے۔ بدھون کا عقیدہ یہ ہے

کہ قوت کا وجود اصلی وحقیقی مادہ کو اپنا مظہر بنا کر عالم شہود مین لاتا ہے۔ وہ مسئلہ انفصال وانجذاب کے قایل ہین۔ ایک جلتی ہوئی شمع اون کے نزدیک گویا انسان کی مورت ہے جس مین مادہ مجسم ہو کر قوت کے عمل ارتقا کو ظاہر کرتا ہے۔ اگر ہم اون سے سوال کرین کہ روح کا کیا حشر ہوگا تو وہ ہم کو یہ الزامی جواب دیتے ہین کہ جب شعلہ بجھا دیا گیا تو اوس کا کیا حشر ہوا اور جب مشعل جلی نہ تھی تو شعلہ کہان تھا۔ کیا وہ اوس وقت معدوم تھا اور اب فنا ہو گیا ہے؟ بدھ مذھب اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ ذات یعنی انانیت کا خیال جس نے ہمین عمر بھر دھوکے مین ڈالے رکھا ہے شاید مرنے کے ساتھ ہی تو زایل نہ ہو لیکن رفتہ رفتہ ضرور جاتا رہتا ہے۔ اسی عقیدہ پر مسئلہ تناسخ مبنی ہے۔ شخصیت یا انانیت کے بتدریج مٹنے کے بعد واقعہ انجذاب یعنی عقل کل کے ساتھ روح کا اتحاد ظہور مین آتا ہے۔ اس حالت مین جس کو حالت نروان کہتے ہین روح پر محویت یا خود فراموشی کا عالم طاری ہو جاتا ہے اور یہ ایک ایسا عالم ہے جس مین مادہ فضا اور زمانہ کے اعتبارات کا کہین نشان نہین ہوتا جس مین بجھی ہوئی مشعل کا شعلہ چلا گیا ہے اور جس مین انسان پیدا ہونے کے قبل موجود تھا۔ یہی وہ انجام ہے جس کی انسان کو اُمید رکھنی چاہیے۔ یعنی یہ وہ حالت ہے جس مین روح قوت کل کی لذت وصال سے بہرہ اندوز ہو کر سرمایہ سرور بے پایان وراحت جاویدان حاصل کرتی ہے۔

مشرقی یورپ مین ان خیالات کی ترویج کا پہلا ذریعہ ارسطو ہوا اور آگے چل کر وہ ان کا بانی مبانی سمجھا جانے لگا۔ کتب خانہ اسکندریہ نے اپنے دور آخر مین جو حکما پیدا کیے اون پر ان خیالات کا نہایت گہرا اثر ہوا۔ فلو نامی ایک یہودی شہنشاہ کیلیگیولا کے زمانہ مین رہتا تھا۔ اوس کے تمام فلسفہ کا دار و مدار ہی مسئلہ انفصال پر ہے۔ پلاٹینس نے نہ صرف اس مسئلہ سے حقیقت روح انسانی کا معما حل کرنا چاہا بلکہ اقانیم ثلثہ کی گتھی کو بھی اسی کی مدد سے سلجھانے کی کوشش کی۔ چنانچہ اوس کا یہ خیال تھا کہ جس طرح نور کی ایک شعاع آفتاب سے

نکلتی ہے اور جس طرح شعاع کے اجسام مادی پر پڑنے سے حرارت پیدا ہوتی ہے اسی طرح باپ سے بیٹا اور بیٹے سے روح القدس نکل سکتی ہے۔ ان خیالات کی بنیاد قایم کر کے پلاٹینس نے اوس پر ایک مکمل مذہبی عمارت تعمیر کی اور ارباب زہد و ریاضت کو عالم قال سے عالم حال مین آنے کے طریقون کی تعلیم دے کر یہ بتانا شروع کیا کہ عالم حال وصال عقل کل یا ذات باری کی پہلی منزل ہے۔ اور اس عالم مین روح پر خود فراموشی کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے۔ اسی طرح فرفوریوس نے بھی انجذاب یا وصال باری کو معاد کے انتہائی مقصد سے تعبیر کیا۔ فرفوریوس ٹائر مین پیدا ہوا تھا۔ روما مین اوس نے حلقہ درس قایم کیا اور عیسائیت کے رد مین بہت سی کتابین لکھین۔ یون تو یوسیبئس اور سینٹ جردم نے بھی ان کتابون کے جواب مین رسایل تصنیف کیے لیکن سب سے بڑی حجت قاطع شہنشاہ تھیوڈوسیئس کے جواب مین مضمر تھی جس نے فرفوریوس کی تصانیف کے تمام نسخے ہی جلوا دیے۔ فرفوریوس اپنی ناقابلیت پر افسوس کرتے ہوئے کہتا ہے کہ مجھے عالم حال مین خدا کے قرب سے چھیاسی سال کی عمر مین صرف ایک دفعہ مشرف ہونے کا موقعہ ملا حالانکہ میرے اُستاد پلاٹینس نے کل ساٹھ برس کی عمر پائی اور اس عرصہ مین چھ مرتبہ وصال باری تعالیٰ کی نعمت سے شرف اندوز ہوا۔ پراکلس نے بھی مسئلہ انفصال و انجذاب کی بنا پر ایک مکمل ضابطہ دینیات مرتب کر کے طریقہ انجذاب سے بہت کچھ بحث کی ہے یعنی آیا روح قالب سے نکلتے ہی فنا فی اللہ ہوجاتی ہے یا کچھ عرصہ تک اپنی ذات کے ادراک مین مقید رہ کر بتدریج وصال کامل حاصل کرتی ہے۔

فتح اسکندریہ کے بعد یہی خیالات مسلمانون مین پھیل گئے اور اونہون نے بہت جلد خدا اور روح انسانی کے متعلق اپنے تجسیمیہ عقاید کو ادانی واقاصی کے لیے چھوڑ دیا۔

جب عربی فلسفہ نے ایک مستقل بالذات فن کی حیثیت اختیار کی تو مسئلہ انجذاب و انفصال اس کے معرکۃ الآرا مباحث مین شریک ہوگیا۔ اون عقاید کے ترک کر دینے مین جو مسلمانون کے

طبقہ جہلا مین مقبول عام تھے حکمائے اسلام نے ایک بڑی حد تک یہودیون کا تتبع کیا۔
یہودیون نے اپنے آباو اجداد کی تجسیمیت کو ترک کر دیا تھا اور اوس معبود کے بجائے
جو سابق مین معبد کے اندر نقاب اسرار اوڑھے رہا کرتا تھا ایک ایسے خدا کی پرستش شروع
کر دی تھی جو عقل مطلق اور طاقت غیر محدود ہونے کے لحاظ سے کائنات کے ہر رگ و ریشہ مین
پھیلا ہوا تھا۔ اور چونکہ یہ بات اون کی سمجھ مین نہ آتی تھی کہ کیونکر ایک ایسی شے جو دفعتہً
عدم سے وجود مین آئی ہو غیر فانی ہو سکتی ہے لہذا وہ اس عقیدہ پر راسخ ہو گئے کہ روح انسانی
کا تعلق ایک طرف تو اوس ازل سے ہے جس کی کوئی ابتدا نہ تھی اور دوسری طرف اوس ابدی
ہے جس کی کوئی انتہا نہین۔

عربون کی دماغی ترقی کی ہر منزل مین عرب اور یہودی ساتھ ساتھ دکھائی دیتے ہین۔
اون کی پولٹیکل تاریخ پر اگر نظر ڈالی جائے تب بھی یہودی اور مسلمان دوش بدوش
نظر آئین گے۔ شام مصر اسپین جس ملک مین دیکھو دونون ایک ساتھ نظر آتے ہین۔ مغربی
یورپ نے ان دونون سے اپنے فلسفیانہ خیالات اخذ کیے۔ اور ان خیالات کو امتداد
روزگار نے مسلک ابن رشد کی شکل مین بدل دیا۔ اسلام کو اگر فلسفیانہ رنگ مین دیکھنا چاہو
تو ابن رشد کے مذہب کا مطالعہ کرو۔ اہل یورپ عام طور سے ابن رشد ہی کو ان ضلالت
آفرین عقاید کا بانی خیال کرتے تھے اور راسخ الاعتقاد عیسائیون نے اسی اعتبار سے
اوس کو مورد مطاعن و ملامت قرار دیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ ان خیالات کا محض جامع اور
شارح تھا اور بس۔ اوس کی تصنیفات نے عیسائی دنیا پر دو طرف سے حملے کیے۔ یعنی
ایک طرف تو اسپین سے براہ جنوبی فرانس اونھون نے اٹلی کے شمال مین پہنچ کر رستہ مین
بہت سے عقاید کو بدل ڈالا۔ اور دوسری طرف سسلی سے روانہ ہو کر شہنشاہ فریڈرک
ثانی کی حمایت مین وہ نیپلز ہوتی ہوئین جنوبی اٹلی مین جا پہنچین۔

لیکن اس زبردست عقلی حملہ سے مدتون پہلے یورپ مین بعض مستشرقین بطور خود مشرقی

خیالات کی اشاعت مین حصہ لے چکے تھے - چنانچہ مثال کے طور پر ہم ایک برطانوی حکیم جان اریجینا (سنہ ۶) کے خیالات درج ذیل کرتے ہین - اریجینا مشائی المذھب تھا اور ارسطو کے فلسفہ کی تعلیم دیتا تھا - وہ ازراہ ارادت یونان کے اس نامور فلسفی کے مولد کی زیارت بھی کر چکا تھا - اوس کی یہ آرزو تھی کہ فلسفہ اور مذھب مین اون مسیحی پادریون کے طریقہ مجوزہ کے موافق اتحاد پیدا کیا جائے جو اندلس کی اسلامی یونیورسٹیون مین تعلیم پاتے تھے -

انسٹیسئیس نے ایک چٹھی مین جو اوس نے شاہ چارلس الملقب بہ اصلع کے نام لکھی ہے اریجینا کی تبحر علمی اور فکر دقیقہ سنج کا ذکر کرتے ہوے ان الفاظ مین اپنا تحیر ظاہر کیا ہے :-

"سمجھ مین نہین آتا کہ ایک ایسا وحشی جو دنیا کے دوسرے کنارے سے آیا ہے اور دانشمند و فرزانہ اشخاص کی صحبت سے بے بہرہ ہے کیون کر بڑے بڑے ادق علمی مسایل کے سمجھنے اور اونہین اس خوبی کے ساتھ ایک غیر زبان مین ترجمہ کرنے پر قادر ہو سکتا ہے" - اریجینا کی تصانیف کا عام مقصد جیسا کہ ہم ابھی ظاہر کر چکے ہین یہ تھا کہ فلسفہ اور مذھب مین اتحاد پیدا کرے لیکن اس موضوع پر قلم اٹھانا تھا کہ پادریون نے اوس پر لے دے شروع کر دی اور اوس کی اکثر تصانیف جلا دی گئین - اوس کی سب سے زیادہ مشہور کتاب کا نام "تقسیم قدرت" ہے -

اریجینا کا فلسفہ مشاہدہ اور تجربہ کے اس نچوڑ پر مبنی ہے کہ ہر ایک زندہ شے کسی ایسی شے سے پیدا ہوتی ہے جو پہلے زندہ تھی - عالم مرئی چونکہ دنیاے حیات ہے لہذا لازمی طور پر اس کا انفصال یا خروج کسی وجود اولین سے عمل مین آیا ہے اور وہ وجود خدا ہے جو ہم سب کا پیدا کرنے والا اور محافظ ہے - ہر وہ شے جو ہمین نظر آتی ہے اپنے وجود کو بحیثیت ایک شے مرئی کے اوس قوت کے ذریعہ سے قایم رکھتی ہے جو خدا سے ماخوذ ہے اور اگر یہ قوت ہٹا لی جائے تو ضرور ہے کہ شے معدوم ہو جائے - اس طور پر خدا کے متعلق اریجینا کا یہ خیال ہے کہ وہ قدرت کے ہر عمل مین علی التوالی والتواتر حصہ لیتا ہے یعنی وہ قدرت کا

بچانے والا۔ قایم رکھنے والا اور سنبھالنے والا ہے۔ اور اس لحاظ سے گویا یونانیون کی ہمہ گیر روح یا عقل فعّال کے مشابہ ہے۔ اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ افراد کی زندگی وجود عام یعنی روح عالم کا ایک جزو ہے۔

اگر وہ قوت جس پر تمام اشیا کے وجود کا مدار ہے ہٹالی جائے تو ان اشیا کا رجوع اپنے مبدا اصلی کی طرف لازمی ہے یعنی ضرور ہے کہ وہ ذات باری کی طرف راجع ہوکر اوس مین ضم یا جذب ہوجایئن۔ اس طور پر کل مظاہر کائنات کا انجام کار عقل فعال مین پیوست ہوجانا لازمی ہے۔ اریجینا کا قول ہے کہ "جسمانی موت جسم کی حالت اصلی یا ہیئت قدیمی کی طرف عود کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ اس کی مثال بعینہ ایسی ہے جیسے کہ اصوات فنا ہوکر ہوا مین جا ملتی ہین جو اون کا مبدا و منشا اور مدار علیہ ہے اور پھر سنائی نہین دیتین کسی شخص کو یہ نہین معلوم ہوتا کہ اون کا کیا حشر ہوا۔ اوس آخری اور انتہائی انجذاب کی حالت مین جو ایک میعاد موقت کے بعد لازمی طور پر ظہور پذیر ہونے والی ہے صرف خدا ہی کی ذات موجود رہیگی۔ بجز اوس کے اور کچھ نہ ہوگا۔" ایک اور مقام پر بحث ذات باری مین وہ لکھتا ہے :۔ "مین اوسے کل کائنات کا مبدا اول اور علت العلل سمجھتا ہون۔ تمام وہ اشیا جو ہین اور نیز تمام ایسی اشیا جو نہین ہین مگر ایک زمانہ مین تھین اوسی سے پیدا ہوئین اوسی نے پیدا کین اور اوسی مین پیدا ہوئین۔ اس کے علاوہ مین اوس کو کل کائنات کی انتہا اور ساعت موقت خیال کرتا ہون جس کا ٹلنا ممکن نہین۔ کائنات کے تصور کی چار شکلین ہین ان مین سے دو اشکال یعنی آغاز و انجام کا تعلق مابعد الطبیعات سے ہے اور دو کا تعلق بطور سبب و مسبب یا علت و معلول موجودات ترکیبی یا طبیعی سے۔ باقی اور غیر فانی بجز خدا کے اور کوئی نہین۔"

عقل کل کی طرف روح کی اس رجعت کو اریجینا نے جس لفظ سے تعبیر کیا ہے وہ فنا فی اللہی کا مترادف ہے۔ مقام فنا مین داخل ہوکر روح کو اپنے سابقہ تجربے مطلقاً فراموش

ہوجاتی ہین اور اوس کی وہی حالت ہوجاتی ہے جو جسم مین داخل ہونے سے پہلے تھی۔ ظاہر ہے کہ ایسے عقاید کو اہل مذہب کس طرح استحسان کی نظر سے دیکھ سکتے تھے۔ اریجینا پر کلیسا کا عتاب نازل ہوا اور پادری اوس کے درپے آزار ہوگئے۔

سب سے اول جس قوم کو اس حقیقت کا علم ہوا کہ قوت غیر فانی اور ابدی ہے وہ ہندوؤن کی قوم تھی۔ اس حقیقت کا مفہوم اوس اصول سے ملتا جلتا ہے جسے علمی اصطلاح مین ہم "تناسب وصیانت قوت" سے تعبیر کرتے ہین۔ نظام عالم کا قیام و ثبات بھی اس اصول کی حقیقت کا موید ہے اس لیے کہ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اگر کائنات کی مجموعی مقدار قوت مین کچھ بھی کمی یا بیشی ہوجاے تو نظام عالم کا شیرازہ بکھر جائے۔ پس یہ واقعہ کہ کائنات مین توانائی یا قوت کی ایک معین اور غیر متغیر مقدار موجود ہے ایک علمی حقیقت ہے جس کے تسلیم کیے بغیر چارہ نہین۔ جو تغیرات ہمین اس دنیا مین نظر آتے ہین اون کی وجہ محض اس قوت کی تقسیم ہے۔

لیکن چونکہ روح ایک قوت فعال ہے لہذا ایک بالکل نئی روح کا عدم سے وجود مین آنا اس کا مستلزم ہوگا کہ جو قوت کائنات مین پہلے سے موجود تھی اوس مین کچھ اضافہ کیا جائے اور اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ آج تک جتنے انسان پیدا ہوئے ہین ہر ایک کی پیدایش کے وقت دنیا کی قوت مین بقدر ہر انسان کی روح کے اضافہ ہوتا رہا اور آیندہ بھی جتنے انسان پیدا ہونے والے ہین اون مین سے ہر ایک کے متعلق اسی عمل کا اعادہ ہوتا رہیگا تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ قوت کی مجموعی مقدار ہر وقت بڑھتی رہتی ہے۔

اس کے علاوہ اکثر زاہد و مرتاض لوگ اس خیال پر کراہت کا اظہار کیے بغیر نہین رہ سکتے کہ قادر مطلق اپنے بندون کے تلون اور شہوائے نفسانی کا تابع ہے کہ نطفہ کے استقرار کی کچھ مدت کے بعد اسے جنین کے لیے ایک نئی روح پیدا کرنی پڑتی ہے۔

چونکہ انسان کی شخصیت روح و جسم دو اجزا سے مرکب ہے لہذا ایک کی تعلقات

دوسرے کے پوشیدہ اور غیر معلوم تعلقات پر بہت کچھ روشنی ڈال سکتے ہین - یہ ظاہر ہے کہ وہ اجزا جن سے جسم نے ترکیب پائی ہے اس عام مادہ سے ماخوذ ہین جو ہمارے گرد وپیش موجود ہے اور مرنے کے بعد اسی مادہ مین جاکر مل جاتے ہین - اس مشاہدے سے یہ بدیہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا صانع قدرت نے شخصیت انسانی کے مادی حصے کے آغاز و انقلاب و انجام کی شکل مین ہماری آنکھون کے سامنے ایسا عقدہ تو پیش نہین کیا جس کے حل کرنے سے ہمین جسم کے رفیق یعنی روح کے آغاز و انجام کا علم حاصل ہو سکے ؟

آؤ دیکھین ایک بہت بڑے زبردست مسلمان فلسفی امام غزالیؒ (سنہ ۱۱۱۱ء) کا قول اس بارہ مین کیا ہے :-

"خدا نے انسان کی روح کو اپنے نور کے ایک قطرے سے پیدا کیا ہے اور اس قطرے کی خلقت کا منشا یہ ہے کہ جس سمندر سے نکلا تھا آخر کو اوسی مین جاکر مل جائے - اپنے نفس کو اس خیال لایعنی سے دھوکا نہ دو کہ جسم کے فنا ہوتے ہی روح بھی فنا ہو جاے گی - جب تم دنیا مین آئے تھے تو تمھاری شکل کچھ اور تھی اب کچھ اور ہے - اس لیے یہ ضروری نہین ہے کہ چونکہ تمہارا جسم ہلاک ہو گیا ہے لہذا روح بھی ہلاک ہو جائے - تمہاری روح اس دنیا مین ایک تازہ وارد مسافر کے طور پر آئی ہے اور چند دن کے لئے گویا ایک سرائے مین مقیم ہے - اس زندگی کی مصیبتون اور بلاؤن سے ہماری پناہ خدا کے ہان ہے - سکون جاودانی ہم کو اوسی وقت حاصل ہوگا جب ہم وصال جناب باری کی نعمت سے مستفیض ہون گے - اور یہ حالت مطمئنہ جب حاصل ہو جائے گی تو ہم کو وہ راحت ملے گی جس مین رنج کی آمیزش نہین - وہ طاقت نصیب ہوگی جو کمزوری سے مبرا ہے - وہ علم حصہ مین آئے گا جو شک سے پاک ہے - اور حیات دلنور کے اوس سرچشمہ ابدی کا دیدار میسر ہوگا جو ہمارا مبدا ر منشا ہے"

پتھر مین چونکہ مادہ کے ذرات متحجر ہو کر بحالت اعتدال قایم ہین لہذا وہ ہمیشہ تک برقرار رہ سکتا ہے لیکن حیوان کی حقیقت اس سے زیادہ نہین کہ وہ مادہ کی ایک نہر کے

مسلسل بہاؤ کی ایک خاص شکل ہے۔ اس کو ادھر غذا ملتی ہے ادھر فضلہ خارج ہوتا ہے۔
اس لحاظ سے حیوان ایک آبشار یا ندی یا شعلہ کے مشابہ ہے۔ یعنی آبشار یا ندی یا شعلہ کی
طرح اون ذرات کو جس سے یہ مرکب ہے مطلق قرار نہین کیونکہ یہ ذرات ہر وقت بدلتے
رہتے ہین۔ اس کے تسلسل یا حیات کا دار و مدار خارجی اجزا کے شمول پر ہے۔ اس کی عمر
طبیعی کی ایک میعاد مقرر ہے اور ایک نہ ٹلنے والی ساعت ایسی آتی ہے جب اسے چار و
ناچار مرنا پڑتا ہے۔

ایک ہی واقعہ کو پیش نظر رکھنے سے فلسفہ روح کا عقدۂ مشکل حل ہونا دشوار ہے۔
ہمین چاہیے کہ جس قدر واقعات سے مدد لے سکین لین۔ روح انسانی کی گتھی اوس وقت
تک پوری طرح سے نہین سلجھ سکتی جب تک روح حیوانی کی حقیقت پر بھی ساتھ ہی ساتھ غور
نہ کیا جائے۔ ہمین ڈیکارٹ[1] کے طریقہ سے کام لے کر یہ دیکھنا چاہیے کہ آیا انسانون کی روحین
حیوانون کی روحون سے کوئی قرابت رکھتی ہین اور آیا نشو و نما کے لحاظ سے ان دونون کا
تعلق ایک ہی سلسلہ سے ہے جس کا حصہ فوقانی روح انسان ہے اور حصہ تحتانی روح حیوان
چیونٹی کی فہم و فراست سے جو نتایج ہم اخذ کرین اون پر بھی ہمین ایسا ہی غور کرنا چاہیے جیسا
انسان کی عقل و بصیرت کے کرشمون پر۔ اعضائے انسان کی تشریح کا علم آج اس درجہ
کمال کو پہنچا ہوا نہ ہوتا اگر اس پر علم تشریح اعضائے حیوانات کی روشنی نہ پڑتی۔

بروڈی[2] نے واقعات پر نظر غایر ڈالنے کے بعد یہ دعوی کیا ہے کہ روح انسانی

---

[1] فرانس کا سب سے زیادہ مشہور فلسفی ہے جس کے تخیل نے مابعد الطبیعیات پر ایک غیر ممکن المحو نقش چھوڑا ہی۔
عقلیات مین اوس کا اصل اصول یہ نکتہ ہے کہ میرے وجود پر میری قوت غور و فکر گواہ ہے۔ تجربہ اور مشاہدہ
کی تائید کو وہ موجودات کی حقیقت کی تصدیق کے لیے ضروری نہین خیال کرتا بلکہ ذہنیات ہی کو حق مطلق کے
انکشاف کا ذریعہ اولی سمجھتا ہی۔ ڈیکارٹ کا سن ولادت ۱۵۹۶ء اور سن وفات ۱۶۵۰ء ہے۔ مترجم

[2] سر بنجمن کالن برو ڈلی انگلستان کا ایک مشہور طبیب ہے جسے فن جراحی سے (بقیہ مضمون بر صفحہ آیندہ)

ور روح حیوانی کی ماہیت ایک ہے۔ جو شخص کتے کی عادات وخصایل سے اچھی طرح واقف ہے اوسے یہ بات ماننی پڑے گی کہ کتا نیک و بد مین تمیز کر سکتا ہے اور جب کوئی خطا کرتا ہے تو جانتا ہے کہ اوس سے یہ خطا ہوئی۔ بہت سے پالو جانورون مین قوت استدلال موجود ہوتی ہے اور وہ حصول مقاصد کے لئے مناسب تدابیر عمل مین لاتے ہین۔ کون ہے جس نے ہاتھی اور بندر کے ارادی افعال وحرکات کی بے تعداد مثالین نہین سنین۔ اور ان جانورون کے یہ عاقلانہ افعال کچھ تقلید جامد یا انسان سے میل جول رکھنے کا نتیجہ نہین ہین بلکہ اون کی فطری سرشت کا لازمہ ہین اس لیے کہ جنگلی جانور بھی جنہین انسان کی صحبت کا اتفاق نہین ہوا اسی قسم کے اوصاف سے متصف پائے گئے ہین۔ مختلف انواع کے حیوانون مین ذہنی قابلیت اور عادات وخصایل کے لحاظ سے بہت بڑا فرق پایا جاتا ہے۔ مثلاً کتا نہ صرف بلّی کی نسبت بہ زیادہ سمجھدار ہوتا ہے بلکہ اوس مین وہ عمرانی واخلاقی صفات بھی پائی جاتی ہین جو بلّی مین موجود نہین ہین۔ کتے کو اپنے آقا سے محبت ہوتی ہے اور بلّی کو اپنے گھر سے۔

ڈو بوا ریمان کا یہ قول ہمین نہین بھولتا:۔ "کارگاہ ہستی کے عجائبات پر ایک ہمہ گیر اور گہری نظر ڈالو۔ اور ننھی سی چیونٹی کے اوس دماغ کو دیکھو جو مقدار مین جزو لایتجزی سے کچھ ہی زیادہ ہوگا۔ مادہ کے اس عصبی ذرہ مین اوس روح کو کرشمہ سنج دیکھ کر تم پر رعب اور حیرت طاری ہوجائے گی جس مین محنت واستقلال۔ اختراع وایجاد۔ ترتیب وتناسب۔ وفا کیشی وجان سپاری اور شجاعت ودلاوری کی شانین پہلو بہ پہلو جلوہ گر ہین۔ غور تو کرو کہ چیونٹی کو یہ ترقی کتنے زمانہ مین جاکر نصیب ہوئی ہے۔ بے تعداد نسلون نے شبانہ روز محنت کی ہی تب کہین جاکر خدا کی یہ ننھی سی مخلوق اس درجہ کمال کو پہنچی ہے"۔

(بقیہ مضمون صفحہ گذشتہ) دستگاہ کامل حاصل تھی۔ ۱۸۳۳ء مین پیدا ہوا اور ۱۸۶۴ء مین ملکہ معظمہ وکٹوریہ کے دربار کا سرجن مقرر ہوا۔ اوس کی تاریخ انتقال ۱۴ راکتوبر ۱۸۹۶ء ہے۔ علم الامراض۔ علم الاعصاب اور علم النفس پر اوس کی متعدد تصانیف موجود ہین۔ مترجم

ہیو بر[1] جس نے چیونٹی کے حالات پر ایک نہایت دلچسپ اور نتیجہ خیز رسالہ لکھا ہی بیان کرتا ہے کہ "اگر تم کسی چیونٹی کے طرز عمل کو اوس وقت جبکہ وہ کام کر رہی ہو بغور دیکھو تو تمھین خود بخود معلوم ہو جائیگا کہ وہ آگے چل کر کیا کرے گی۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ جب مین چیونٹیون کی ایک گروہ کو اپنا گھر بناتے دیکھ رہا تھا تو مین نے دیکھا کہ ایک داروغہ نے آکر عمارت کا معائنہ کیا لیکن جب اوسے معلوم ہوا کہ مستریون نے دیوار کی بلندی جتنی رکھنی چاہیے تھی نہین رکھی اور چھت ڈالنی شروع کر دی ہے تو اوس نے فوراً چھت اُدھڑوا ڈالی اور دیوارون کو کافی بلند کرا کے پرانی چھت کے مسالے سے نئی چھت از سر نو ڈلوائی" کیا اس بیان کے بعد بھی شبہ باقی رہ جاتا ہے کہ یہ کیڑے محض کلین ہین جن سے تمام افعال بر سبیل اضطرار سرزد ہوتے ہین۔ مشیت۔ ارادہ۔ اختیار کون سی ایسی صفت ہے جو ان مین نہین پائی جاتی؟ چیونٹیان جب اپنی پرانی سہیلیون کو کئی مہینون کے بعد دیکھتی ہین تو اونہین فوراً پہچان لیتی ہین اور اس ملاقات پر خوشی کا اظہار کرتی ہین۔ ان کا منھ سے منھ ملا کر باتین کرنا دیکھو۔ اس طریقہ سے یہ بہت سے خیالات ظاہر کر سکتی ہین۔ یہ طریقہ اظہار خیالات ان کے گھر کے لیے جس کے اندر چارون طرف اندھیرا گھپ چھایا ہوا ہی ہر طرح سے موزون ہی۔

اکیلے رہنے والے کیڑون کی اتنی عمر نہین ہوتی کہ وہ اپنے بچون کی پرورش کر سکین لیکن اکٹھے مل کر رہنے والے کیڑون کی زندگی زیادہ ہوتی ہے۔ اون مین اخلاقی خواہشین موجود ہوتی ہین اور وہ اپنے بچون کی تربیت اور پرورش خاص اہتمام سے کرتے ہین۔ یہ ہیچ میرز جاندار جو محنت واستقلال کی زندہ تصویرین ہین سولہ سولہ اور اٹھارہ اٹھارہ گھنٹے روزانہ کام کرتے ہین۔ حالانکہ بہت کم آدمی ایسے ہون گے جو دماغی محنت ایک وقت مین

[1] فرانسوا ہیو بر (المتوفی ۱۸۳۱ء) سوئٹزرلینڈ کا ایک مشہور ماہر علم خواص الاشیا ہی۔ اگرچہ آخر مین بصارت سے محروم ہو گیا تھا لیکن اپنی بی بی اور ایک وفادار ملازم کی مدد سے اوس نے شہد کی مکھیون اور چیونٹیون کے حالات کے متعلق نہایت قیمتی مواد فراہم کیا اور اپنی معلومات کو ۱۷۹۶ء مین بصورت کتاب شایع کیا۔ مترجم

مسلسل چار پانچ گھنٹے سے زیادہ کر سکین۔

نتایج کی یکسانی اسباب کی یکسانی پر دلالت کرتی ہے اور افعال کی مشابہت اعضا کی مشابہت کو مستلزم ہے۔ ہمارے وہ ناظرین جو جانورون کی عادات وخصایل سے عموماً اور چیونٹی کے تمدن سے خصوصاً پوری واقفیت رکھتے ہین اگر ہماری کتاب "یورپ کی دماغی ترقی کی تاریخ" کا انیسوان باب ملاحظہ فرمائین گے تو اونہین ملک پیرو واقع امریکا کی وحشی قوم انکا کے تمدن کی کیفیت معلوم ہوگی۔ ظاہر ہے کہ چیونٹی ایک ذرہ ناچیز ہے اور انسان اشرف المخلوقات لیکن چیونٹی کے تمدن اور قوم انکا کے تمدن کا موازنہ کرنے کے بعد اور اون خصوصیات رسم ورواج وعادات وخصایل کو میزان تقابل مین تولنے کے بعد جو ان دونون مین پائی جاتی ہین ناظرین کو شاید ہم سے اس رائے مین اتفاق ہوگا کہ شہد کی مکھیون اور بھڑون اور چیونٹیون اور پرندون اور اون تمام چھوٹے درجے کے حیوانات سے جنہین انسان حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے اوسے ایک دن یہ سبق سکھنا ہے کہ خود اوس کی حقیقت اور ہستی کیا ہے۔

ڈیکارٹ تمام کیڑون کو خود بخود چلنے والی کلین تصور کرتا ہے۔ لیکن یہ خیال بہت کچھ ترمیم کا محتاج ہے۔ کیڑے محض اوس اضطراری حرکت کے لحاظ سے تو متحرک بالذات کلین سمجھے جا سکتے ہین جو اون کے خیط البطن اور سلعتہ الراس کے اوس حصہ سے سرزد ہوتی ہی جس کو ایک ہی وقت مین مختلف احساسات سے اثر پذیر ہونے سے تعلق ہے ورنہ باقی ہر اعتبار سے وہ متحرک بالارادہ اور فاعل مختار ہین۔

جس مادہ سے اعصاب مخلوط مرکب ہین اوس کا ایک کام یہ بھی ہے کہ حواس کے ذریعہ سے جو نقوش اشیائی خارجی کے اس پر مرتسم ہون اون کے آثار و باقیات کو محفوظ رکھے۔ اس لحاظ سے سلعتہ الاعصاب کو جو اسی مادہ سے بنا ہے گویا نظام تصور کا محکمہ اندراج نقوش سمجھنا چاہیے۔ نظام عصبی کے عمل مین اس کی وجہ سے زمانہ کا عنصر بھی داخل ہو جاتا ہے یعنی وہ نقش جو سلعتہ الاعصاب کے موجود نہ ہونے کی حالت مین فوراً منجر بہ ردعمل ہوتا۔

کچھ دیر تک حالت اصلی پر قایم رہتا ہے اور اس قیام کی وجہ سے وہ تمام اہم نتایج مترتب ہوتی ہین جنھین بہت سے قدیم وجدید نقوش کے باہمی تعامل نے پیدا کیا ہے۔

کوئی خیال خود بخود نہین پیدا ہو سکتا۔ ہر عقلی فعل کسی فعل سابق کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اور اوس وقت تک وجود مین نہین آسکتا جب تک کہ کوئی شے جو پہلے گذر چکی ہے اوس کے وجود مین آنے کا باعث نہ ہو چکی ہو۔ دو دماغ جن کی ساخت مین سرمو فرق نہین اگر یکسان حوالی مین ہون گے تو اون سے ایک ہی سا خیال پیدا ہوگا۔ اس مشابہت عمل یا یکسانی خیال کو تمیز مشترک کا نام دینا چاہیے جس سے مراد فہم وشعور کی وہ عام قابلیت ہے جو دماغ مین بطور قدر مشترک پائی جاتی ہے۔ خیال کے پیدا ہونے کی دو جداگانہ حالتین ہوتی ہین یعنی ایک تو دماغ کی وہ حالت جو نقوش یا تصورات ماسبق پر منحصر ہے اور دوسری وہ حالت جس کا دارومدار موجودہ طبیعی حالات پر ہے۔

کیٹرون کے سلعتہ الراس مین اون نقوش کے آثار کا خزانہ جمع رہتا ہے جو معمولی اعصاب بیرونی پر مرتسم ہوتے ہین اور باصرہ وشامہ وسامعہ کے ذریعہ سے جو احساسی کیفیات پیدا ہوتی ہین وہ ان اعصاب مین رکھی رہتی ہین۔ دونون کا تعامل اضطراری حرکات کو مبدل بہ افعال اختیاری کرتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ کیٹرون کو خود بخود حرکت کرنے والی کلون پر جن مین انتقاش فوری ردعمل کا مستلزم ہے فوقیت حاصل ہی۔

ہر مرکز عصبی کا فعل عام اس سے کہ وہ مرکز ترقی کے درجہ اعلیٰ مین ہو یا ادنیٰ مین ایک اصولی حالت کیمیاوی کے تابع ہوتا ہے جسے اکسادسے تعبیر کرتے ہین۔ خود انسان کی یہ حالت ہے کہ اگر وہ خون جو اوس کی رگون مین دوڑ رہا ہے ایک لمحہ کے لیے روک دیا جائے تو نظام عصبی کی طاقت زایل ہو جاتی ہے اور اگر کم کر دیا جائے تو مقدار کم شدہ کی مناسبت سے کم ہو جاتی ہے لیکن اگر بڑھا دیا جائے جس کی صورت یہ ہے کہ ہوا میں سے ملی ہوئی نائٹروجن تنفس کے ذریعہ سے پھیپھڑون مین پہنچائی جائے تو اعصاب کی عملی قوت

اوسی نسبت سے بڑھ جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بدل ماتحلل کی ضرورت واقع ہوتی ہے اور تکان اور بیداری کے بعد آرام کرنا اور سونا لازمی ہے۔

اشیائے خارجی کے ہر ادراک کے ساتھ دو اصولی خیالات لازمی طور پر وابستہ ہین یعنی زمان ومکان۔ ان دونون تصورات کے لیے نظام عصبی مین ابتدا ہی سے جبکہ وہ ناقص وغیر مکمل ہوتا ہے گنجایش رکھ دی جاتی ہے۔ آنکھ سے مکان کا احساس ہوتا ہے اور کان سے زمان کا اور ان دونون اعضا کی مکمل ساخت نے ادراک زمان ومکان کو اس قدر صحیح کر دیا ہے کہ اگر صرف قوت لامسہ ہی سے کام لیا جاتا تو ہرگز اتنا صحیح ادراک نہ ہو سکتا۔

سلطنۃ الاعصاب کی لوح پر ارتسام نقوش کی کیفیت چند سادہ تجربون سے واضح ہو سکتی ہے۔ اگر کسی سرد مجلا دآبدار دھات مثلاً ایک نئے استرے کے پھل پر کوئی شے مثلاً ایک قرص رکھ دیا جائے اور سانس کی بھاپ دے کر نمی کے خشک ہو جانے کے بعد قرص کو اٹھا لیا جائے تو اگرچہ نہایت غور سے دیکھنے پر بھی استرے کی آبدار سطح پر کوئی شکل نظر نہ آئے گی لیکن اگر منھ سے پھر بھاپ دی جائے گی تو قرص کا دھندلا سا سایہ نمودار ہو جائے گا اور یہ عمل ایک دفعہ نہین بلکہ مکرر کیا جا سکتا ہے۔ بلکہ اگر استرے کو بحفاظت تمام بند کر کے ایسی جگہ رکھ دیا جائے جہان اس کے پھل کی آب وتاب مین فرق نہ آنے پائے تو کئی مہینے کے بعد جب پھر اوس کو منھ سے بھاپ دی جائے گی تو قرص کا سایہ موہوم پہلے کی طرح نظر آنے لگے گا۔

اس مثال سے ظاہر ہوتا ہے کہ ناچیز سے ناچیز نقش اس طور پر قایم ہو کر محفوظ رہ سکتا ہے۔ پس جب ایک ایسی جمادی وغیر عضوی سطح پر ایک امٹ نقش نمودار ہو سکتا ہے تو اوس لوح اعصابی پر تو اسے بدرجہ اولی مرتسم ہونا چاہیے جسے صانع قدرت نے تیار ہی اسی مقصد سے کیا ہے۔ کوئی سایہ بھی دیوار پر ایسا نہین پڑتا جو اپنا مستقل نشان وہان نہ چھوڑ

جاتا ہوا ور اگر مناسب تدابیر عمل میں لائی جائیں تو یہ نشان ظاہر ہوسکتا ہے۔ عکسی تصاویر کا عمل اس دعوے کا ثبوت ہے۔ ہمارے احباب و اقارب کی تصویریں اور مناظر قدرت کے نقشے آئینہ عکسی کی ذکی الحس سطح پر گو ہمیں آنکھ سے دکھائی نہیں دیتے لیکن جب مناسب ادویہ کا استعمال کیا جاے تو وہ جھٹ ظاہر ہوجاتے ہیں۔ گویا ایک پری ہی جو ہمارے عمل سے شیشہ میں اتر آتی ہے اور وہ پیکر جمالی جو پہلے جلباب خفا اوڑھے ہوئے تھا چہرے سے نقاب الٹ دیتا ہے۔ ہمارے مخفی سے مخفی خلوت کدہ میں جہاں ہم یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ پرندہ پر نہیں مارسکتا اور کسی نامحرم کی نظر وہاں تک نہیں پہنچ سکتی ہمارے تمام افعال واعمال کے نشانات وآثار موجود ہوتے ہیں اور جو کچھ ہم نے کیا ہے اوس کی ایک دھندلی سی تصویر سیاہ سایہ کی شکل میں نقش دیوار بنی ہوئی پائی جائے گی۔

اگر کچھ دیر تک پلکیں بند رکھنے کے بعد مثلاً صبح کو جاگتے وقت ہم یکایک ٹکٹکی باندہ کر کسی روشن چیز کی طرف دیکھتے رہیں اور پھر جلدی سے آنکھیں بند کرلیں تو جس غیر محدود تاریکی کا میدان ہمارے سامنے پھیلا ہوا ہوگا اوس میں اس چیز کا سایہ ہمیں نظر آئے گا۔ یہ سایہ کوئی خیالی شے نہ ہوگا بلکہ فی الحقیقت موجود ہوگا اس لئے کہ اصل شے کی جن باریکیوں پر چشم زدن میں ہمیں غور کرنے کا موقع نہ ملا تھا وہ ہمیں اس سایہ میں نظر آسکتی ہیں۔ مثلاً جاگتے وقت جس چیز پر اول اول ہماری نظر پڑی وہ اگر جالی کا پردہ تھا جس میں پھولدار لیس ٹکی ہوئی تھی یا درخت کی شاخیں تھیں جو ہماری خوابگاہ کے دریچہ کے باہر اگا ہوا تھا تو پلکیں بند کرنے کے بعد پردے یا شاخ درخت کی پوری تصویر بلا کم وکاست ہماری آنکھوں میں پھر جائے گی۔ رفتہ رفتہ یہ تصویر دھندلی ہوتی جاتی ہے اور ایک دو منٹ میں بالکل غایب ہوجاتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تصویر موج خلا میں تیرتی ہوئی چلی جاتی ہی۔ اگر ہم آنکھ کی پتلی کو حرکت دے کر اس صورت طلسمی کا پیچھا کرنا چاہتے ہیں تو وہ یک بیک نگاہ سے غایب ہوجاتی ہے۔

مشبکہ یعنی آنکھ کے پچھلے پردے پر نقوش کے اس امتداد سے ثابت ہوتا ہے
کہ اعصاب منفوط پر خارجی اثرات کا عارضی و آنی ہونا کچھ ضروری و لازمی نہین ہے۔ آنکھ
کے ان نقوش اور عکسی تصاویر کے نقوش مین امتداد انجلاء و انطفا کے لحاظ سے پوری
مطابقت پائی جاتی ہے۔ مثلاً ہم نے میکسیکو کے مناظر راماکن کی ایسی عکسی تصویرین
دیکھی ہین جنکی نسبت عکاسون کا بیان ہے کہ شیشہ عکسی پر مہینون بعد تیو یارک مین یہ ادویہ
کا عمل کیا گیا اور جب اس سفر طویل اور مدت مدید کے بعد تصویرین شیشہ پر ابھر کر کاغذ پر
اترین تو خط و خال اور نوک پلک کے لحاظ سے اصل اور نقل مین سر مو فرق نہ تھا۔ گویا
شیشہ عکسی نے اپنی ودیعت کو پوری طرح سے ادا کر دیا۔ ہمیشہ قایم رہنے والی سر بفلک
پہاڑون کا ڈیل ڈول اور ڈاکوؤن کے کسی گروہ کے الاؤ کا کچھ دیر مین غایب ہوجانے والا
دھوان کوئی تفصیل ایسی نہ تھی جو تصویر مین رہ گئی ہو۔

ان واقعات کے مشاہدہ کے بعد یہ سوال پیدا ہوئے بغیر نہین رہ سکتا کہ آلات حس نے
جن نقوش کو خارجی اشیاء سے فراہم کیا ہے آیا اون کے آثار جس طرح مشبکہ مین عارضی
طور پر قایم رہتے ہین دماغ مین مستقل طور پر قیام پذیر ہوتے ہین ؟ کیا قوت حافظہ کے
معنی یہی ہین کہ روح حوادث گذشتہ و واقعات ماضیہ کی اون تصاویر کو جو اوس کے
سپرد کر دی گئی ہین مستحضر رکھنے کی کوشش مین مصروف ہے ؟ کیا اوس کے نگارخانہ مین جہان
خاموشی کا عالم طاری ہے زندون اور مُردون کی ننھی ننھی تصویرین اور دیکھے ہوئے مناظر
اور آزمائے ہوے واقعات کے نقشے لٹکے ہوئے ہین ؟ کیا یہ مستقل اور دیرپا نقوش
کسی کتاب کے حروف کی طرح محض وہ علامتین ہین جو دماغ مین خیال پیدا کرتی ہین یا
اشیائے خارجی کی ایک نہایت ہی چھوٹے پیمانہ پر حقیقی شبیہین ہین جن کو خردبین کی
مدد سے دیکھ کر ہمین اتنی سی جگہ مین جو سوئی کے سوراخ سے زیادہ نہین پوری کعبہ کا مرقع
ایک نگاہ مین نظر آجاتا ہے ؟

مشترکہ پر جو خیالی تصاویر نقش ہوتی ہین وہ دن کی روشنی مین نظر نہین آسکتین۔ اسی طرح وہ تصاویر جو پردہ حس مشترک پر اُتری ہوئی ہین اوس وقت تک ہماری توجہ کو اپنی طرف مایل نہین کرتین جب تک کہ آلات حس اپنے کام مین چستی اور مستعدی سے معروف رہ کر نئے نئے نقش حس مشترک کے لیے جمع کرتے رہتے ہین۔ لیکن جب یہ آلات تھک کر سست پڑجاتے ہین یا جب ہمین سخت فکر دامنگیر ہوتی ہے یا جھٹ پٹے کے وقت ہم بیٹھے ہوئے کسی سوچ مین محو ہوتے ہین یا جب ہم سو رہے ہوتے ہین تو یہ مخفی صورتین اپنے نہانخانہ سے نکل آتی ہین اور چونکہ اس وقت ان کا امتیاز بوجہ تقابل و تضاد نمایان ہوجاتا ہے اس لیے یہ صاف صاف نظر آنے لگتی ہین۔ یہی وجہ ہے کہ بخار کی حالت مین جب ہم پر ہذیان طاری ہوتا ہے یا موت کے وقت جب ہم عالم سکرات مین ہوتے ہین تو یہ چھپی چھپائی تصویرین ہمارے سامنے آکھڑی ہوتی ہین۔ ہماری زندگی کا ایک تہائی حصہ نیند مین گذرتا ہے اور اس زمانہ مین ہم پر عالم خارجی کا کوئی اثر نہین پڑتا۔ سامعہ باصرہ اور دوسرے قوا معطل ہوتے ہین لیکن وہ کبھی نہ آنکھ جھپکنے والی اور ہر وقت فکر مین ڈوبی رہنے والی نقاب پوش ساحرہ یعنی روح اپنے کنج تنہائی سے اون تصویرون پر نظر ڈالتی رہتی ہے جو اوس نے جمع کی ہین۔ یہ تصویرین نہ مٹ سکتی ہین اور نہ ان کا نور گہنا سکتا ہے اور ان کو طرح طرح سے ترکیب دے دے کر وہ اوس دلکشا اور حیرت انگیز مرقع کی تیاری کا سامان کرتی ہے جسے خواب کہتے ہین۔

اس طور پر قدرت نے انسان کی جسمانی ساخت کا ڈھنگ ہی کچھ ایسا ڈالا ہو کہ بقائے روح اور حیات اخروی کے تصورات بے اختیار اوس کے دماغ مین پیدا ہوتے رہتے ہین۔ غیر مہذب وحشی کو بھی جس کی روح پر جہالت کی تاریکی چھائی ہوئی ہے عالم رؤیا مین وہ سہانے جنگل اور دلفریب مرغزار نظر آتے ہین جو اوس کی یاد کا سب سے زیادہ خوشگوار حصہ ہین۔ ان غیر حقیقی اور موہوم تصاویر سے وہ بجز اس کے اور کیا نتیجہ نکال سکتا ہے کہ وہ سایہ ہین

اوس دلکشا حقیقت کا جو اوسے ایک آنے والی زندگی مین نظر آئے گی۔ کبھی کبھی خواب مین
اوسے اون گذرے ہوئے لوگون کی صورتین بھی نظر آجاتی ہین جن مین سے زندگی کی حالت
مین کوئی اوس کا دوست رہ چکا ہے اور کوئی دشمن۔ ظاہر ہے کہ عالم خواب کے ان مظاہر کو
وہ روح کے وجود و بقا کی حجت قاطع سمجھتا ہے۔ خود ہم بھی جنکی تہذیب و تمدن کا آفتاب
نصف النہار پر ہے اس قسم کے واقعات سے متاثر ہوئے بغیر نہین رہ سکتے اور جو نتایج
ہمارے غیر مہذب آبا و اجداد نے ان سے اخذ کیے تھے وہی ہم بھی نکالتے ہین۔ ہماری اعلیٰ درجہ
کی تہذیب و شایستگی جس طرح ہمین کمزوریون اور بیماریون سے نہین بچا سکتی اسی طرح مقتضیات
فطرت کی قید سے بھی آزاد نہین کر سکتی۔ ان اعتبارات سے روے زمین کے کل
انسان مساوی الحیثیت ہین۔ ہم خواہ وحشی ہون خواہ تہذیب یافتہ لیکن اس سے ہم کو کسی طرح
مفر نہین کہ ہماری فطرت فنا اور بقا کی اون حقیقتون کو جن سے زیادہ مہتم بالشان اور قلب کو
مرعوب کرنے والی حقیقت اور کوئی نہین ہو سکتی ایک نہ ایک وقت ہمارے سامنے پیش کرکے
رہتی ہے۔ ان حقیقتون کے انکشاف کے لئے فطرت انسانی کسی موزون موقع کی منتظر رہتی
ہے۔ اور یہ موقع اوس وقت آتا ہے جب ہم انفراغ یا بیماری کی حالت مین ہوتے ہین۔
اس موقع پر ہماری فطرت اپنا پورا عمل کرتی ہے اور ہم بھی اس وقت اس کی حقایق آموزیون
سے متنبہ ہونے کے لیے پوری طرح تیار ہوتے ہین۔ اس فطرت کا عمل سب پر یکسان ہوتا ہے۔
اس کے نزدیک غریب امیر جاہل عالم سب برابر ہین۔ مغرور سے مغرور اور متکبر سے متکبر
شخص اس کی سرزنش اور نصیحت سے نہین بچ سکتا اور مسکین سے مسکین اور عاجز سے عاجز
شخص کو بھی حقیقت عقبیٰ کی معرفت کی تسکین سے یہ محروم نہین رکھتی۔ اس پر کسی کی سازش
یا خود غرضی کا جادو نہین چلتا۔ انسانی کوشش کی خارجی تائید کی اس کے نہ ٹلنے والے
اثر کو پروا نہین۔ ہر انسان کے ساتھ خواہ وہ کہین بھی کیون نہ جائے یہ برابر سایہ کی طرح
لگی رہتی ہے۔ گذشتہ تصورات کے آثار و باقیات سے حیرت انگیز صفائی کے ساتھ عالم

عقبی کی آنے والی حقیقتون کی ناممکن التردید شہادتون کا استخراج اس کا کام ہے - یہ اوس سرچشمہ سے سیراب ہوتی ہے جو ظاہر بین نگاہون کو خشک نظر آتا ہے - اور اون وہمی و خیالی شبیہون سے جو ظاہر ہوتے ہی غایب ہوجاتی ہین ہمارے صورتکدہ ایقان کے لیے اون لعبتون کو تیار کرتی ہے جو فنا و زوال کی رہین منت نہین ہین -

کیڑے اور کل مین یہ بڑا فرق ہے کہ ایک متحرک بالذات ہے اور ایک متحرک بالارادہ - بالفاظ دیگر کل مین خارجی تحریک کے پہنچتے ہی حرکت پیدا ہوجاتی ہے اور کیڑے پر اون تحریکات کا بھی اثر ہوتا ہے جن کا داخلہ دماغ مین موجود ہے یعنی جو پہلے سے دماغ پر نقش ہو چکی ہین - حیوانات کے طبقہ اعلی مین اس تسجیل نقوش کا عمل زیادہ کامل و مکمل ہوتا ہے اور قوت حافظہ زیادہ کمال کے درجہ کو پہنچ جاتی ہے - یہ ضروری نہین ہے کہ کسی خارجی شکل مین اور اوس کے اوس نقش مین جو لوح السلعہ پر مرتسم ہو کوئی مشابہت پائی جائے اس لیے کہ اوس پیغام تاربرقی کے الفاظ مین جو تارگھر مین داخل کیا جاتا ہے اور اون علامات مین بھی تو کوئی مشابہت نہین ہوتی جن کے ذریعہ سے یہ پیغام ایک مقام سے دوسرے مقام دوردراز تک پہنچایا جاتا ہے - علی ہذا القیاس کسی چھپی ہوئی کتاب کے حروف اور اون افعال یا مناظر مین بھی کوئی تطابق شبہی نہین پایا جاتا جن کا اظہار بذریعہ حروف کیا گیا ہی - البتہ حروف سے واقعات و مناظر کی تصویر پڑھنے والے کے پردہ ذہن پر صفائی سے اتر آتی ہے -

آلات حفاظت نقوش سے جو حیوان محروم ہو اوس کی حقیقت متحرک بالذات کل سی زیادہ نہین - اوس مین قوت حافظہ نہین ہوسکتی - ان آلات کا ابتدائی مواد نہایت ہی بے حقیقت و غیر متیقن ہوتا ہے لیکن اسی مواد سے رفتہ رفتہ ترقی کر کے یہ آلات درجہ کمال کو پہنچ جاتے ہین - ترقی کی بڑھتی رفتار کے ساتھ فہم شعور اور ادراک کی قابلیت بھی بڑھتی جاتی ہے - انسان کے آلات تحفظ و تسجیل نقوش منتہائے کمال کو پہنچے ہوئے ہین -

اوس کے گذشتہ وموجودہ نقوش اوس کے لیے دستورالعمل کا حکم رکھتے ہین۔ وہ تجربہ کو اپنا رہنما قرار دیتا ہے اور اوس کے افعال عقل کی ہدایت سے صادر ہوتے ہین۔

جب کسی حیوان مین یہ قابلیت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ اون نقوش کا علم جن کا ذخیرہ اوس کی مراکز عصبی مین جمع ہے اوسی نوع کے دوسرے حیوان پر منتقل کرسکتا ہے تو ترقی کی ایک بہت بڑی منزل طے ہو جاتی ہے۔ یہ ترقی اس امر کی دلیل ہے کہ انفرادی زندگی نے اجتماعی یا عمرانی زندگی کی شکل اختیار کرلی۔ حقیقت یہ ہے کہ کیفیات ذہنی کے انتقال کی قابلیت یعنی تعلیم مدنیت کے لیے لازمی ہے۔ اعلیٰ طبقہ کے کیڑے اپنے خیالات کا اظہار ایک دوسرے پر سریع الحس لامسہ رونگٹون کے تماس سے کرتے ہین اور انسان کا ذریعہ اظہار معلومات تکلم ہے۔ بنی نوع انسان اپنے ابتدائی دور یعنی زمانہ جاہلیت مین اپنی معلومات کا اظہار اپنے ابنائے جنس پر صرف باہمی گفتگو کے ذریعہ سے کرسکتے تھے۔ اس طور پر ایک نسل کے افعال اور خیالات دوسری نسل کو ترکہ مین پہنچتے تھے اور اوس کے افعال وخیالات پر اپنا اثر ڈالتے تھے۔

لیکن زبانی روایت کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ قوت گویائی کی بدولت انسان مل جل کر رہنے کے قابل ہو جاتا ہے لیکن اس سے زیادہ تمدنی ترقی نہین کرسکتا۔

قوت گویائی کی سلسلہ ارتقا کا مشاہدہ خالی از دلچسپی نہین۔ فن تحریر کی ایجاد نے نقوش کے اندراج وتسجیل کو شان وسعت ودوام عطا کی۔ جو نقوش اب تک صرف ایک انسان کے دماغ مین جمع تھے اون سے تمام نوع انسانی ہر زمانہ مین مستفید ہونے کے قابل ہو گئی۔ اس قابلیت نے تمدن کو ممکن کر دیا اس لیے کہ تحریر یا کسی ایسے ذریعہ کے بغیر جس سے واقعات کسی نہ کسی شکل مین محفوظ رہ سکین تمدن کا وجود ممکن نہین۔

اس فلسفیانہ پہلو سے اگر ہم غور کرین تو ہمین چھاپے کی ایجاد کی اصلی قدر ومنزلت معلوم ہوگی۔ چھاپہ تحریر کے ارتقا کا وہ درجہ ہے جو خیالات کو روز بہ سرعت کے ساتھ شایع کرنے اور اونہین ہمیشہ کے لیے قایم وبرقرار رکھنے سے بنی نوع انسان کی ترقی

تہذیب اور اتحاد دار تباط باہمی کا باعث ہوتا ہے۔

ذرات عصبی کی لوح پر نقوش کے ارتسام اور اون کی تسجیل اور اون کے نتایج کے متعلق جو کچھ مین نے گذشتہ فقرون مین بیان کیا ہے وہ دراصل اون خیالات کا خلاصہ ہے جو میری کتاب ”ہیومن فزیالوجی“ (ترکیب اعضائے انسانی) مین بوضاحت درج ہین۔ یہ کتاب ۱۸۵۶ء مین شایع ہوئی تھی۔ جن ناظرین کو تفصیل مطلوب ہو وہ اس کتاب کی وہ فصل ملاحظہ فرمائین جس کا عنوان ”بصارت مقلوب یا دماغی بینائی“ ہے۔ اس کے علاوہ مقالہ اول کی فصل چہار دہم اور مقالہ دوم کی فصل ہشتم کا مطالعہ بھی خالی از فایدہ نہ ہوگا۔

روح انسانی کی صحیح ماہیت کا اگر سراغ لگ سکتا ہے تو اوس کی شکل یہی ہے کہ اس کا مقابلہ روح حیوانی سے کیا جائے۔ یہ طریقہ اگرچہ دقت طلب ہے اور بہت کچھ وقت اور محنت اس پر خرچ کرنی پڑتی ہے لیکن اس کے نتایج کی صحت مین بھی کلام نہین۔

ان تمام امور کو پیش نظر رکھ کر کیا ہمین یہ تسلیم کر لینا چاہیے کہ مادہ کی طرح روح کا بھی ایک عظیم الشان وجود کائنات کی رگ وپے مین ساری و دایر ہے اور یہ روح ایک بہت بڑے جرمن فلسفی کے قول کے مطابق ”پتھرون مین سوتی ہے جانورون کے قالب مین آکر خواب دیکھتی ہے اور انسان کے جسم مین داخل ہوتے ہی جاگ اٹھتی ہے“؟ کیا جسم کی طرح جو مادہ سے بنتا ہے روح بھی روحانی وجود سے پیدا ہوتی ہے؟ کیا یہ دونون ایک دوسرے سے جدا ہونے کے بعد اپنے اپنے مخارج کو لوٹ جاتے ہین یعنی جسم مادہ مین جا ملتا ہے اور روح روح مین جا شامل ہوتی ہے؟ اگر حقیقت حال یہی ہے تو پھر ہم وجود انسانی کی تاویل کر سکتے ہین اور یہ تاویل حقاین علمی کے ساتھ تطابق کلی رکھ سکتی ہے یعنی ہمارا یہ خیال کہ نظام کائنات دایم و قایم اور غیر تغیر پذیر ہے اس تاویل سے باطل نہین ہونے پاتا۔

عربون نے دوسری مشرقی اقوام کی تقلید کر کے اس ہمہ گیر روحانی وجود کا نام ”عقل فعال“

رکھا۔ اون کا خیال یہ تھا کہ جس طرح مینھ کا قطرہ سمندر سے نکل کر کچھ دیر بعد پھر اوسی مین جا ملتا ہے اسی طرح انسان کی روح عقل فعال یعنی خدا سے صادر ہو کر ایک مدت معینہ کے بعد اوسی کے ساتھ واصل ہو جاتی ہے۔ اس طور پر مسلمانون مین مسئلہ انفصال و انجذاب کا ظہور ہوا۔

جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہین ہندوستان مین ساکی منی نے اس مسئلہ کو ایک صورت مین مسلم الثبوت قابلیت کے ساتھ رواج دیکر مذہب بدھ کا مدار علیہ بنایا۔ اسی مسئلہ کو دوسری شکل مین ابن رشد نے عربون مین رایج کیا۔ لیکن ساکی منی کا طریقہ تعلیم ابن رشد کے مقابلہ مین زیادہ استادانہ تھا۔

لیکن یہ رائے شاید زیادہ تر قرین صواب ہوگی کہ اہل یورپ ابن رشد ہی کو اس مسئلہ کا بانی قرار دیتے ہین اس لیے کہ اون کی نظرون سے وہ سلسلہ اسناد جو ابن رشد کو مسئلہ مذکور کے موجدون سے ملاتا ہے پوشیدہ تھا۔ یورپ والے چاہے ابن رشد کو کیسی ہی وقعت کی نظر سے کیون نہ دیکھین لیکن مسلمانون نے تقدم کا سہرا اوس کے سر نہین رہنے دیا۔ وہ اون کے نزدیک محض شارح ارسطو تھا اور اوس کی حیثیت اون کے نزدیک اس سے زیادہ نہ تھی کہ وہ مدرسہ اسکندریہ اور اپنے زمانہ تک کے دوسرے فلسفیانہ مسالک کا ناقل تھا۔ ذیل کا اقتباس موسیو رینان کے اوس تاریخی مضمون سے ہے جو اوس نے فلسفہ ابن رشد پر لکھا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عربون کا خیال اوس کے فلسفہ کی نسبت وہی تھا جو اوپر مذکور ہوا۔

اس مذہب (فلسفہ ابن رشد) کے پیرودون کا یہ عقیدہ ہے کہ جب کوئی شخص مرتا ہی تو اوس کا جوہر عقلی یعنی روح جداگانہ طور پر قایم نہین رہتی بلکہ اوس عالمگیر روح یا عقل فعال یا روح کائنات یعنی خدا کی طرف رجوع کر کے اوس مین جذب ہو جاتی ہی جس سے ابتداءً اس کا صدور یا خروج یا انفصال ہوا تھا۔

عقل کل یا عقل فعال یا عقل موجود فی الخارج نہ مخلوق ہے نہ اوس مین کسی شے کا نفوذ ممکن ہے ۔ نہ وہ فساد پذیر ہے ۔ نہ اوس کی ابتدا و انتہا ہے اور نہ اوس مین انفرادی ارواح کی تعداد کی زیادتی سے زیادتی واقع ہوتی ہے ۔ وہ مادہ سے بالکل منزہ ہے ۔ وہ گویا نظام کائنات کا جوہر یا طاقت ہے ۔ عقل فعال کا یہ توحد ابن رشد کے فلسفہ کا اصل اصول ہے اور اسلام کے اصولی و انتہائی عقیدے یعنی وحدت واجب الوجود کے ساتھ توافق وتطابق رکھتا ہے ۔

عقل منفرد یا عقل انفعالی یا عقل موجود فی الذہن عقل کل سے صادر ہوئی ہے اور انسان کی روح پر مشتمل ہے ۔ ایک اعتبار سے تو یہ عقل فانی ہے اور اس کا خاتمہ جسم کے ساتھ ہوجاتا ہے مگر دوسرے اعتبار سے یہ غیر فانی بھی ہے اس لیے کہ موت کے بعد اس کی رجعت عقل کل کی طرف ہوتی ہے جس مین یہ ضم یا جذب ہوجاتی ہے اور اس طور پر تمام ارواح انسانی کے ہمہ گیر روح مین ملنے سے آخر مین صرف ایک روح یعنی یہی ہمہ گیر روح باقی رہ جاتی ہے جو سب کا مجموعہ ہے ۔ زندگی کسی فرد واحد کی ملکیت نہین بلکہ اس کی مالک قدرت ہے ۔ انسان کی زندگی کا مقصد انتہائی یہی ہے کہ عقل فعال کے ساتھ اوس کا اتحاد شان اکملیت لیے ہوئے ہو ۔ یہی اتحاد یا انضمام یا وصال روح کے لیے مایہ سرور جاودانی ہے ۔ کاتب تقدیر نے ہماری لوح مقدر کا عنوان سکون وطمانیت قرار دیا ہے اور اسی کے حصول کے لیے ہم کو کوشش کرنی چاہیے ۔ ابن رشد کا خیال یہ تھا کہ روح کی جسم سے جدا ہوتے ہی عقل منفرد عقل کل مین جذب ہوجاتی ہے لیکن بدھ مذھب والون کا عقیدہ یہ ہے کہ فنائے کامل یعنی نروان کے مقام تک پہنچنے مین روح کو کچھ مدت لگتی ہے اور اس اثنا مین انسان کی شخصیت برقرار رہتی ہے لیکن اوس مین انحطاط وزوال شروع ہوجاتا ہے یہان تک کہ وہ گھٹتے گھٹتے بالکل فنا ہوجاتی ہے ۔

فلسفہ نے نظام کائنات کی توجیہ کے ہمیشہ دو پہلو اختیار کیے ہین ۔ ایک تو یہ کہ ایک

شخصی خدا ہے جس کا وجود سب سے علیحدہ ہی اور اوس کا ضمیمہ ایک انسانی روح ہے جسے خدا نے پیدا کیا ہے اور جو حدوث کے بعد غیر فانی ہو جاتی ہے۔ دوم یہ کہ ایک غیر شخصی عقل یا غیر معین خدا ہے جس مین سے روح نکلتی ہے اور ایک مدت مقررہ کے بعد اوسی مین جا کر مل جاتی ہے۔ موجودات کی تکوین کے متعلق بھی دو متضاد خیالات ہین۔ ایک یہ کہ وہ عدم سے وجود مین لائی گئی۔ دوسرے یہ کہ وہ اشکال وصور سابقہ سے نشوونما پا کر موجودہ حالت مین پہنچی۔ مسئلہ پیدائش نظریہ اول سے متعلق ہے اور مسئلہ ارتقا نظریہ ثانی سے تعلق رکھتا ہے۔

اس طور پر عرب فلسفہ کی اوسی شاہ راہ پر چلے جس پر اہل چین واہل ہند غرض مشرق کی تمام قومین چلی تھین۔ اس فلسفہ کے معرکتہ الآرا مسایل کا انحصار اس واقعہ کے اعتراف پر تھا کہ مادہ اور قوت کو فنا نہین۔ اس نے جب دیکھا کہ قدرت مین جو بے پایان ذخیرہ مادہ کا موجود ہے اوس سے انسان کا جسم ترکیب پاتا ہے اور فنا ہونے پر اوسی مین جا کر مل جاتا ہے تو لامحالہ اسے یہ نتیجہ نکالنا پڑا کہ انسان کی روح بھی عقل کل یا ذات باری تعالی سے صادر ہوتی ہے اور بالآخر اوس مین جا کر جذب ہو جاتی ہے۔

مسئلہ انفصال وانجذاب کی فلسفیانہ خصوصیات پر کافی وضاحت کے ساتھ نظر ڈالنے کے بعد ہم اب اس کی تاریخ بیان کرتے ہین۔ یورپ مین اس مسئلہ نے اندلسی عربون کی بدولت رواج پایا۔ اسپین وہ مرکز تھا جہان سے اس کی شعاعین نکل نکل کر یورپ کے علمی وعقلی حلقون مین پھیلین اور اسپین ہی مین اس کا حسرت ناک خاتمہ ہوا۔

خلفاے اندلس نے مشرقی عیش وعشرت کے کل لوازم فراہم کر رکھے تھے۔ اون کے قصر وایوان شان وشوکت کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ تھے۔ اون کے دلفریب باغون کی فضائین دیکھ کر آنکھون مین طلسمات کا نقشہ پھر جاتا تھا۔ اون کی حرم سراؤن مین ایسی ایسی نازنینین موجود تھین جن کا حسن چاند اور سورج کو شرماتا تھا۔ یورپ کی تہذیب آج کے دن

بھی اوس سلیقہ اوس قرینہ اور اوس لطافت مذاق سے معرا ہے جو اندلسی عربون کی پایہ تخت مین اپنی جھلک دکھاتی تھی۔ اون کے شہرون مین کوئی سڑک ایسی نظر نہ آتی تھی جس پر کنکر کوٹے ہوئے نہ ہون اور جو رات کے وقت قندیلون سے نہ جگمگاتی ہو۔ اون کے مکانات نقش ونگار سے مزین اور قالینون کے پرتکلف فرش سے آراستہ ہوتے تھے۔ جاڑون مین اونہین دہکتے ہوے تابدان گرم رکھتے تھے اور گرمیون مین معطر اور معنبر ہوا جو پھولون کی کیاریون سے چل کر زمین دوز نلون مین سے ہوتی ہوئی آتی تھی اونہین خوش گوار ٹھنڈک پہنچاتی تھی۔ نفیس حمام۔ شاندار کتب خانے۔ کھانا کھانے کے فرحت افزا کمرے۔ پانی اور سیماب کے دلربا فوارے اون کے تمدن کی رونق کو دوبالا کرتے تھے۔ ہر شہر اور ہر قریہ مین دن عید اور رات شب برات تھی۔ بانسری اور چنگ کی تال پر جابجا محفل رقص ونشاط گرم نظر آتی تھی۔ لیکن ان پرلطف صحبتون مین اوس بدمستی و بدتمیزی کا رنگ نظر نہ آتا تھا جو مسلمانون کے پھوہڑ اور گنوار شمالی ہمسایون کے جلسون مین عام طور سے پایا جاتا تھا۔ مسلمانون کے ہان شراب قطعاً ممنوع تھی۔ اندلس کی دلفریب چاندنی راتون کا لطف مسلمان امرا طرح طرح سے اڑاتے تھے۔ کوئی چمن مین بیٹھا ہوا داستان گویون کے افسانون سے جی بہلاتا تھا۔ کوئی باغ کی روشون مین دوست احباب کے ساتھ ٹہلتا ہوا فلسفیانہ مباحث مین اپنا وقت گذارتا تھا۔ غرض اون کا وقت نہایت لطف سے کٹتا تھا اور اگر کبھی اونہین اس زندگی کی تلخیون اور ناکامیون کا خیال آتا تھا تو یہ سوچ کر اون کو تسکین ہوجاتی تھی کہ نیکی کا اجر اسی دنیا مین مل جائے تو عالم عقبیٰ بیکار ہوا جاتا ہے۔ وہ دنیا کی مصیبتون اور پریشانیون سے کبھی نہ گھبراتے تھے بلکہ اس خیال سے دل کو تشفی دے لیتے تھے کہ گو اس دو دن کی زندگی مین ہم محنت اور تکلیف اٹھا رہے ہین لیکن موت کے بعد جب ہم دوسری زندگی کی سرزمین مین قدم رکھین گے تو وہ آرام ہمارے حصہ مین آئے گا جس کے بعد کوئی محنت نہین۔

دسوین صدی مین خلیفہ حاکم ثانی نے اندلس کو فردوس عالم بنا دیا تھا۔ عیسائی مسلمان اور یہودی بے روک ٹوک آپس مین ملتے تھے اور ایک عالمگیر برادری قایم ہوگئی تھی جس کا شیرازہ مساوات سلوک نے باندہ رکھا تھا۔ اس زمانہ کے جن مشاہیر کے نام ہم تک پہنچے اون مین جربرٹ کا نام بھی شریک ہے جو آگے چل کر پاپائے اعظم ہوگیا۔ پیٹر الملقب بہ مقدس اور دوسرے بہت سے عیسائی پیشوایان مذہب بھی اسی عہد کے خرمن فضل وکمال کے خوشہ چین تھے۔ پیٹر کا بیان ہے کہ مین نے ایسے علما کو یہان دیکھا جو فن ہیئت کی تحصیل کے لیے برطانیہ سے چل کر آئے تھے۔ ارباب فضل وکمال کا عام اس سے کہ وہ کہین کے ہون یا کیسے ہی مذہبی عقاید کیون نہ رکھتے ہون نہایت تپاک سے خیر مقدم کیا جاتا تھا۔ خود خلیفہ کے محل مین کتابون کا ایک بہت بڑا کارخانہ موجود تھا جس مین کاتبون جلد سازون اور نقاشون کی ایک جماعت کثیر ملازم تھی۔ ایشیا اور افریقہ کے ہر بڑے شہر مین خلیفہ کے گماشتے مقرر تھے جن کا یہی کام تھا کہ جو نادر کتاب ملے فوراً خرید لین۔ اوس کے کتب خانہ مین چار لاکھ کتابین موجود تھین جن کے منقش اوراق اور پر تکلف جلدین بصارت کے لیے سرمہ کا حکم رکھتی تھین۔

لیکن ایشیا کے تمام اسلامی ممالک اور نیز افریقہ و اسپین کے ادنی طبقہ کے مسلمان علم کے جانی دشمن تھے۔ جن کا زہد و اتقا ذرا زیادہ بڑھا ہوا تھا اور جنہین پابندی شرع کا دعوی شد و مد کے ساتھ تھا اونہین تو خلیفہ المامون تک کی نجات مین شک تھا۔ چنانچہ اون کا یہ قول تھا کہ اس شریر خلیفہ نے ارسطو اور دوسرے یونانی کفار کی تصانیف کو رواج دے کر نہ صرف خلق خدا مین ایک ہل چل ڈال دی ہے بلکہ بہشت اور دوزخ کے وجود کو بھی یہ کہہ کر کہ زمین گول ہے اور ناپی جا سکتی ہے وہمی و خیالی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان لوگون کی تعداد چونکہ بہت زیادہ تھی لہذا وہ انتظام سلطنت مین بھی دخیل ہوگئے تھے۔ المنصور نے جو حاکم کے بیٹے کو بے دخل کر کے خلافت خود غصب کر بیٹھا تھا خیال کیا

کہ اگر مین مذھبی جماعت کا ساتھ دون گا تو میرے قدم جم جائین گے۔ لہذا اوس نے حکم دیا کہ
حاکم کے کتب خانہ مین جتنی علمی یا فلسفیانہ کتابین پائی جائین سب ضایع کردی جائین۔ چنانچہ
ہزارہا کتابین شارع عام پر جلادی گئین یا محل کے حوضون مین ڈبو دی گئین اور اس طور پر
علم وحکمت کا وہ نادر ذخیرہ جو حاکم ثانی کے مذاق سلیم نے سالہا سال کی محنت اور لاکھون
روپیہ کے خرچ سے جمع کیا تھا منصور کی خود غرضی اور جہلا کے تعصب کے ہاتھون برباد ہوگیا۔
اسی طرح کے ایک درباری انقلاب کے باعث ابن رشد (المتوفی ۵۹۸ھ) بڑھاپے مین
اسپین سے ملک بدر کیا گیا۔ مذہبی جماعت نے فلسفی جماعت پر فتح پائی اور ابن رشد دشمن
مذھب قرار دیا گیا۔ تمام اسلامی دنیا مین فلسفہ کی مخالفت کی جانے لگی۔ ایک بھی فلسفی اس زمانہ
مین ایسا نہ تھا جسے سزا نہ ملی ہو۔ بعض سزایاب ہوئے بعض جان سے مار ڈالے گئے اور نتیجہ
یہ ہوا کہ دنیاے اسلام ریاکارون سے بھر گئی۔

اٹلی۔ جرمنی اور انگلستان مین ابن رشد کا فلسفہ چپکے چپکے پہنچ گیا تھا۔ فرانسسکن
فرقہ کے پادریون نے اس فلسفہ کو خاص وقعت کی نظر سے دیکھا اور پیرس کی یونیورسٹی
اس کا مرکز بن گئی۔ بہت سے لوگون نے جنہین مبدا فیاض سے جوہر فکر سلیم عطا ہوا تھا اسے تسلیم
کرلیا اور اس کا حلقہ اثر وسیع ہو چلا۔ لیکن آخر کار فرقہ ڈامنیکن نے جو فرقہ فرانسسکن کا رقیب
تھا اس کی مخالفت شروع کی۔ اون کا اعتراض یہ تھا کہ ابن رشد کا فلسفہ ذات اور شخصیت
کے تصور کو مٹا دیتا ہے جبریہ خیالات کی اشاعت کرتا ہے اور عقول منفردہ کے اختلافات
مدارج اور ترقی کی کوئی توجیہ نہین پیش کرسکتا۔ یہ دعوی کہ کائنات مین صرف ایک عقل کا وجود
ہے غلط محض ہے اس لیے کہ اس سے اولیا کی کرامت اور تصرفات روحانی کی نفی ہوجاتی
ہے اور انسانون کے مدارج مین کوئی فرق قایم نہین رہتا۔ کیا یہ سمجھ مین آنے کی بات ہے کہ
پیٹر کی مقدس اور یہودا کی ملعون روح مین کوئی فرق نہ ہو بلکہ دونون کا درجہ برابر ہو؟ ابن رشد
کا یہ ملحدانہ مسلک پیدائش۔ تائید ایزدی۔ الہام۔ اقانیم ثلثہ۔ استجابتہ دعا۔ ثواب

خیرات اور قبولیت استغفار کا منکر ہے۔ حشر اجسام اور بقاے روح کو باطل قرار دیتا ہے اور محض حظ نفس کو موجب سعادت دارین خیال کرتا ہے۔

اسی طرح یہودیون مین بھی جو اس زمانہ مین صدرنشینان بزم ادراک متصور ہوتی تھے فلسفہ ابن رشد عام طور سے پھیل گیا تھا۔ مشہور یہودی فیلسوف موسیٰ بن میمون نے اس فلسفہ کے اصول کو تسلیم کر لیا تھا اور اوس کے شاگرد اسے دنیا کے ہر حصہ مین پھیلاتے جاتے تھے۔ لیکن دفعتہً یہودیون کے اوس طبقہ نے جس کا میلان مذہب کی طرف تھا اس فلسفہ کی مخالفت بڑے زور و شور سے شروع کی۔ میمون کو پہلے وہ از راہ فخر "راس العلما۔ فرزانہ دوران۔ مایہ نازش سرزمین مغرب۔ آفتاب ارض مشرق" کا لقب دیتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ انسانون مین اوس کا درجہ اگر کسی سے کم ہے تو صرف حضرت موسیٰ سے۔ لیکن اب اونہون نے کہنا شروع کیا کہ میمون دین ابراہیمؑ چھوڑ بیٹھا ہے۔ پیدایش کے امکان سے منکر ہے۔ دنیا کی ابدیت کا معترف ہے۔ دہریت کے عقاید کی اشاعت کے لیے اپنے آپ کو وقف کر چکا ہے۔ خدا کو اوس کی صفات سے محروم کیے دیتا ہے۔ اور خدا کو خلا یا جوف قرار دے کر یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ نہ دعا کو سن سکتا ہے اور نہ اوسے انتظام عالم مین دخل ہے۔ مانٹ پلیر بارسلونا اور ٹالیڈو مین یہودیون کی جو دینی مجلسین قایم تھین اونہون نے میمون کی تصانیف کو آگ مین جلا دیا۔ اور اس طور پہ فلسفہ ابن رشد کو ایک اور بہت بڑا صدمہ اٹھانا پڑا۔

فرڈیننڈ اور اسابیلا کی فتوحات نے عربون کی حکومت اندلس کا خاتمہ کیا ہی تھا کہ پاپا نے ان فلسفیانہ عقاید کے استیصال کی تدابیر اختیار کرنی شروع کین کیونکہ پیشوایان مذہب عیسوی کو یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ یہ عقاید یورپ مین مسیحیت کی جڑ کو کھوکھلا کر رہے ہین۔

پاپا ائنو سنٹ چہارم (۱۲۴۳ء) کے عہد تک ملحدون کی سزادہی کے لیے اساقفہ کی دینی عدالتون کے علاوہ کوئی خاص محکمہ موجود نہ تھا۔ لیکن جب مذہبی قوت ایک مرکز پر

آگئی تو ایک محکمۂ احتساب عقاید بنام "انکویزیشن" قایم کیا گیا۔ اس محکمہ نے جسے پاپا کی صدر عدالت فوجداری کہنا چاہیے قدیم مقامی عدالتون کو ہٹا کر خود اون کی جگہ لے لی۔ چونکہ اس محکمہ نے اساقف کی اقتدارات سلب کر لیے تھے لہذا اونہون نے اسے نہایت ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا۔ مگر پاپا کی طاقت کے مقابلہ مین اون کی پسندیدگی یا ناپسندیدگی بے اثر محض تھی۔ اس نئی عدالت کے مرکز اٹلی۔ اسپین۔ جرمنی اور فرانس کے جنوبی صوبون مین قایم کیے گئے۔

دینوی فرمانرواؤن نے "انکویزیشن" کو اپنی ملکی اغراض کی تکمیل کا آلہ بنانا شروع کر دیا۔ یہ بات دینی فرمانرواؤن یعنی پاپاؤن کو سخت ناگوار گذری اور ہر پاپا نے اس کی مخالفت مین کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ وہ ہرگز نہ چاہتے تھے کہ یہ طاقت پادریون کے ہاتھ سے نکل جائے۔

فرانس کے جنوبی صوبون مین "انکویزیشن" کا قیام استیصال الحاد و زندقہ کے لیے نہایت موثر ثابت ہوا تھا۔ ایریگان کے صوبہ مین بھی یہ عدالت قایم کی جا چکی تھی۔ اب یہودیون کا قلع و قمع کرنے کی خدمت اس کے سپرد ہوئی۔

قدیم زمانہ مین جب قوم وزیگاتھ کے فرمانرواؤن کا دور دورہ تھا یہودی بہت خوشحال تھے لیکن جب وزیگاتھون نے ایریس کا وہ موحدانہ مسلک جس کی تلقین یہودیون نے کی تھی چھوڑ کر خالص تثلیث پرستی اختیار کی تو یہودیون کے ساتھ بجائے ترقی کے نہایت سختی کا برتاؤ ہونے لگا اور اون کے بسے ہوئے گھرانے اجڑنے لگے۔ یہودیون کے لیے نہایت ظالمانہ اور وحشیانہ قوانین وضع کیے گئے۔ چنانچہ ایک قانون اس مضمون کا نافذ کیا گیا کہ ہر ایک یہودی غلام سمجھا جائے گا اور اوسے آزادی کا کوئی حق حاصل نہ ہوگا۔ پس مقام تعجب نہین ہے کہ جب عربون نے اسپین پر حملہ کیا تو یہودیون نے دل و جان سے حملہ آورون کی مدد کی۔ عربون کی طرح وہ بھی مشرقی نسل سے تھے۔ دونون کا نسب حضرت ابراہیمؑ سے جو ان کے مورث اعلی تھے ملتا تھا۔ دونون خدا کی وحدانیت کے معتقد تھے۔ اور اسی مسئلہ کی حمایت نے اون کو وزیگاتھ آقاؤن کو اون کا دشمن بنا دیا تھا۔

مسلمانون کے عہد مین یہودیون کے ساتھ نہایت ہی عمدہ برتاؤ کیا گیا۔ جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ وہ اپنی دولت اور علم کی وجہ سے مشہور ہوگئے۔ اون مین سے اکثر ارسطو کے مقلد تھے۔ اونہون نے بہت سے مدرسے اور کالج قایم کیے۔ چونکہ اون کے تجارتی تعلقات ہر ملک کے ساتھ تھے لہذا دنیا کے ہر حصہ مین اون کو سفر کرنے کا موقع ملتا رہا۔ علم طب کی تحصیل کا اونہین خصوصیت کے ساتھ شوق تھا۔ ازمنہ وسطی مین یورپ کے طبیب اور مہاجن ہر جگہ یہودی ہی تھے۔ معاملات انسانی کو فلسفیانہ انتقاد کی نظر سے جانچنے کا شرف صرف اونہین کو حاصل تھا۔ طب اور فلسفہ کے علاوہ وہ ریاضی اور ہیئت مین بھی دستگاہ وافی رکھتے تھے۔ الفانسو[۱] کی زیچین اونہین کی مرتب کی ہوئی ہین اور ڈی گاما کو سفر روئے زمین کا خیال اونہین نے دلایا فن ادب مین بھی اونہین کمال حاصل تھا۔ دسوین سے لے کر پندرھوین صدی تک وہ انشا پردازی مین یورپ کے اُستاد سمجھے جاتے رہے۔ سلاطین کے دربارون مین وہ طبیب کی حیثیت سے باریاب ہوتے تھے اور سرکاری خزانون کے انتظام کے لیے بطور صدر محاسب یا افسر اعلی مامور ہوتے تھے۔

مملکت نیویر[۲] کے کٹر پادریون نے عوام الناس کو یہودیون کے برخلاف بہت کچھ بھڑکایا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہر شخص نے ان بیچارون کی ایذا دہی پر کمر باندہ لی۔ ان مظالم سے بچنے کے لئے بہت سے تو بظاہر عیسائی ہوگئے لیکن عیسویت قبول کرنے کے بعد پھر اپنے آبائی مذھب کی طرف عود کر آئے۔ پاپا کے سفیر متعینہ دربار کسٹیل نے محکمہ "انکویزیشن"

---

[۱] الفانسو دہم شاہ لیان وکسٹیل سے مراد ہے جو ۱۲۵۲ء مین تخت پر بیٹھا۔ فن ہیئت سے اوسے ایک خاص لگاؤ تھا۔ چالیس ہزار اشرفیون کی لاگت سے اوس نے ہیئت کی وہ شہرہ آفاق زیچین تیار کرائین جنکا حوالہ متن مین دیا گیا ہے۔ ان زیچون کو میڈرڈ کی اکاڈمی نے نظر ثانی کر کے ۱۸۶۳ء مین از سر نو مرتب کیا۔ مترجم

[۲] زمانہ سابق مین ایک مستقل بادشاہت تھی۔ آج کل اسپین کا ایک صوبہ ہے جس کی شمالی سرحد فرانس ہے۔ اس کا رقبہ کوئی چار ہزار چالیس میل ہوگا۔ مترجم

کے قایم کیے جانے پر بہت کچھ زور دیا۔ غریب اور غیر مستطیع یہودیون پر تو یہ الزام لگایا جاتا تھا کہ وہ عید الفصح[۱] کی تقریب پر واقعہ تصلیب کی تضحیک کے لیے عیسائی بچون کی قربانی دیتے ہین اور دولتمند یہودیون سے یہ جرم منسوب کیا جاتا تھا کہ وہ ابن رشد کے پیرو ہین۔ ڈامینکن فرقہ کا ایک راہب ٹارکوئی میڈا نامی ملکہ اسابیلا کا پادری تھا۔ اوس کی ترغیب سے ملکہ نے پاپا کی خدمت مین یہ درخواست پیش کی کہ احتساب عقاید کا مقدس محکمہ دولت اسپین مین قایم کرنے کی اجازت اوسے عطا فرمائی جائے۔ چنانچہ نومبر ۱۴۷۸ء مین پاپا کا فرمان صادر ہوا کہ کفر و زندقہ کی سراغ برآری اور استیصال کی غرض سے "انکویزیشن" کی مقدس عدالت قایم کی جاے۔ اس عدالت کی پہلے سال یعنی ۱۴۸۱ء کی کارروائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ دو ہزار اشخاص اندلس مین زندہ جلاے گئے اور ان کے علاوہ کئی ہزار مردے قبرون سے نکال کر جلاے گئے اور سترہ ہزار اشخاص کو جرمانہ یا حبس دوام کی سزا دی گئی۔ مظلوم یہودیون مین سے جس سے بن پڑا جان سلامت لے کر بھاگ گیا باقی تختہ مشق ستم بنائے گئے۔ ٹارکوئی میڈا نے جو اب کیسٹیل اور لیان کا صدر محتسب مقرر ہوا دار احتساب وحشیانہ خونخواری سے دی۔ گمنام شکایات کی بنا پر ملزم کو پکڑ بلایا جاتا تھا۔ اوس کے مواجہ مین کوئی شہادت نہین لی جاتی تھی۔ اوسے گواہون پر جرح کرنے کا کوئی موقع نہین دیا جاتا تھا۔ اقبال جرم کے لیے ملزم کو شکنجہ مین دے دیا جاتا تھا۔ اور شکنجہ کا جانفرسا عذاب زمین دوز تہ خانون مین پہنچایا جاتا تھا جہان سے بیچارے ستم رسیدون کی چیخ پکار کوئی نہین سن سکتا تھا۔ رحم کا منہ اس طرح چڑایا جاتا تھا کہ حکم دے دیا جاتا تھا کہ مجرم کو شکنجہ مین دوسری مرتبہ نہ کسا جائے۔ فیاضی کی نقل اس طرح اتاری جاتی تھی کہ ملزم سے کہہ دیا جاتا تھا کہ آج تمہاری ہڈیون کا چورا اچھی طرح نہین ہوا اس لیے کل تک کے لیے شکنجہ کی سزا ملتوی کی جاتی ہے۔ بدنصیب مجرمون کے

---

[۱] بنی اسرائیل کے فراعنہ مصر کی غلامی سے آزاد ہونے کی خوشی مین جو تیوہار یہودی ہر سال مناتے ہین اوس کا نام عید الفصح ہے۔ مترجم

تباہ شدہ خاندانون کی مصیبت کا اندازہ کرتے ہوئے دماغ لرزتا ہے۔ لارنٹے نے جو انکوئزیشن کا مورخ ہے اندازہ لگایا ہے کہ ٹارکوئی میڈا اور اوس کے تہ کا نے اٹھارہ سال کی مدت مین دس ہزار دو سو بیس اشخاص کو زندہ جلایا۔ چھ ہزار آٹھ سو ساٹھ اشخاص کی مورتین بنا کر جلائین اور ستانوے ہزار تین سو اکیس اشخاص کو دوسرے طریقہ سے مختلف سزائین دین۔ اس مخبوط الحواس پادری نے انجیل کے عبرانی نسخے جہان کہین ملے ضایع کرا دئے اور سیلیمنکا مین علوم مشرقیہ کی چھ ہزار کتابین یہ کہہ کر آگ مین جھونک دین کہ ان مین یہودی مذہب کی تعلیم مندرج ہے۔ اس کے ساتھ ہی جب ہم یہ سنتے ہین کہ پاپا کی حکومت دولتمند یہودیون سے روپیہ لے کر اونہین "انکوئزیشن" کے احتساب سے مستثنی کر دیتی تھی اور تذکرات الغفران کی فروخت سے بہت کچھ روپیہ پیدا کرتی تھی تو ہماری نفرت اور حقارت کی کوئی انتہا نہین رہتی۔

لیکن اس خوفناک ظلم اور وحشیانہ جبر کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ بہت کم یہودی ایسے تھے جنھون نے اپنا مذہب چھوڑ کر مذہب عیسوی قبول کیا۔ لہذا ٹارکوئی میڈا نے اس بات پر زور دیا کہ ہر غیر اصطباغ یافتہ یہودی فوراً ملک بدر کیا جائے۔ حکومت نے اوس سے یہ بات بھی منوا کر چھوڑی۔ بتاریخ ۳۰ مارچ ۱۴۹۲ء یہودیون کے اخراج کے فرمان پر دستخط ہو گئے۔ تمام یہودیون کو جو اصطباغ یافتہ نہ تھے بلا لحاظ عمر یا جنس یا حالت حکم دیا گیا کہ آیندہ جولائی کی آخری تاریخ تک ملک سے نکل جائین۔ اور اگر واپس آئین گے تو سزاے موت پائین گے۔ اس فرمان قہر توامان کی رو سے اگرچہ وہ اس کے مجاز کئے گئے تھے کہ اپنا مال اور املاک فروخت کر کے اوس کی قیمت اپنے ساتھ لیتے جائین لیکن ساتھ ہی یہ شرط بھی لگا دی گئی تھی کہ یہ قیمت نقدی کی شکل مین نہ ہو بلکہ یا تو سامان تجارت یا ہنڈی کی شکل مین ہو۔ ظاہر ہے کہ ایسے لوگون کے مال یا جایداد کی بازار مین کیا قیمت اٹھ سکتی تھی جن کے سر پر قضاے مبرم کی طرح یہ حکم سوار تھا کہ تین مہینے کے اندر اندر ملک سے نکل جائین اور ملک بھی وہ ملک جو اون کا زاد بوم تھا جہان وہ پلے اور بڑھے تھے جس مین اون کے آباد اجداد صدہا سال سے

بستے چلے آئے تھے۔کسی کو کیا پڑی تھی کہ اوس مال کو جو جولائی کے مہینے کے بعد کوڑیون کے
دامون بلکہ مفت ملنے والا تھا روپیہ دے کر خریدتا۔جب بیکس اور مظلوم یہودیون کی جلاوطنی
کی دردناک گھڑی قریب آئی تو ایک طرف تو گلی کوچون مین اون کے نالہ وبکا کی جگر خراش
آوازین امید اور انصاف کی مرثیہ خوانی کرتی ہوئی ہوا مین رہ رہ کر گونجتی تھین دوسری طرف
ناخدا ترس پادری سڑکون اور گلی کوچون مین کھڑے ہوے اپنی جوش فصاحت کو اس بدنصیب
قوم کی سیہ کاریان اور بداعمالیان گنانے مین صرف کرتے ہوے نظر آتے تھے یہ مسیحی تماشائی
تک اس دردناک اور زہرہ گداز نظارہ کو دیکھ کر رو دیتے تھے لیکن کوئی کچھ نہ کر سکتا تھا اس لئے
کہ ٹارکوئی میڈا کی قساوت قلبی اس فرمان کی تعمیل کرا کر رہی کہ یہودیون کو کوئی شخص کسی طرح
کی مدد نہ دے۔

جو یہودی اس طور پر جلاوطن ہوئے اون مین سے کچھ تو افریقہ اور کچھ اٹلی چلے گئے۔
جو جماعت اٹلی گئی تھی وہ اپنے ساتھ جہازی بخار کی وبا لیتی گئی جس نے نیپلز کے بیس ہزار باشندون
کو صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا کر اس جزیرہ نما کو ویران کر دیا۔کچھ یہودی ٹرکی کو
بھی ہجرت کر گئے اور علی ہذا القیاس اون کی ایک جماعت نے انگلستان مین جا بود و باش
اختیار کی۔سفر کی گوناگون مصیبتون کی تاب نہ لا کر ہزارون رستہ مین مر گئے جن مین زیادہ تر شیرخوار
بچے اور اون کی مائین۔کمسن بچے اور سن رسیدہ ضعیف اشخاص تھے۔بہت سے ایسے
تھے جنھون نے پانی کے میسر نہ آنے سے تشنہ لبی کی حالت مین تڑپ تڑپ کر جان دی۔

یہودیون کی اس بیخ کنی کے بعد مسلمانون کی باری آئی۔ماہ فروری ۱۵۰۲ء مین ایک
فرمان بمقام اشبیلیہ صادر ہوا جس مین اس تمہید کے بعد کہ دشمنان خدا کو ملک سے
نکال دینا ہر مسیحی کا مقدس فرض ہے یہ حکم دیا گیا تھا کہ ہر غیر اصطباغ یافتہ عرب جس کی عمر سن
شیرخوارگی سے متجاوز ہو مملکت کسٹیل ولیان سے اواخر ماہ اپریل تک ملک سے نکال دیا
جائے۔یہودیون کی طرح مسلمانون کو بھی اپنا مال و متاع فروخت کرنے کی اگرچہ اجازت تھی

لیکن جائداد فروخت شدہ کی قیمت سونے چاندی کی شکل مین ہمراہ لے جانے کی ممانعت تھی۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی ممانعت کی گئی کہ کوئی مسلمان اسلامی ممالک کو ہجرت نہ کرے اور یہ جتلا دیا گیا کہ اس حکم کی خلاف ورزی کرنے والون کو سزائے موت دی جائے گی۔ اس لحاظ سے مسلمانون کی حالت یہودیون سے بھی بدتر تھی۔ کیونکہ یہودیون کو تو پھر بھی یہ اجازت دیدی گئی تھی کہ جہان اون کے سینگ سمائین چلے جائین لیکن مسلمان اس حق سے بھی محروم کر دئے گئے۔ ہسپانوی مسیحیون کی شیطنت آمیز سفاکی اسی حد کو پہنچی ہوئی تھی کہ یہ تک کہتے ہوئے خدا سے نہ ڈرتے تھے کہ مسلمانون کی بے غیرتانہ بے دینی کی پاداش مین اگر حکومت اون سب کی گردن مار دے تو کچھ بے جا نہ ہو۔

افسوس مسلمانون نے اپنے عہد حکومت مین عیسائیون کے ساتھ جس رواداری اور مسالمت کا سلوک کیا تھا اوس کا معاوضہ ناسپاس اور حق ناشناس عیسائیون نے اون کو دیا تو یہ دیا!! مظلوم مسلمانون کے ساتھ سخت بدعہدی اور بے ایمانی روا رکھی گئی۔ غرناطہ کی اسلامی حکومت نے جب ہتھیار ڈالے تھے تو عیسائیون سے یہ اقرار صالح لے لیا تھا کہ اون کی تمدنی اور مذہبی حقوق مین کسی طرح کی دست اندازی نہ کی جائے گی۔ لیکن پادری زمینیز کے اغوا پر یہ وعدہ توڑ دیا گیا اور آٹھ سو سال تک آباد رہنے کے بعد مسلمان اس ملک سے نکال دئے گئے۔

اندلس مین تین مذاہب یعنی عیسائیت موسویت اور اسلام کے پہلو بہ پہلو موجود ہونے سے فلسفہ ابن رشد کو نشو ونما پانے کا موقع ملا تھا۔ یہ گویا اوسی واقعہ کا اعادہ تھا جو کئی صدی پیشتر روما مین اوس وقت پیش آیا تھا جبکہ ممالک مفتوحہ کے تمام دیوتا اور دیبیان پایہ تخت قیصر مین لاکر جمع کر دی گئی تھین۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ ان کی طرف سے عام بداعتقادی پھیل گئی تھی۔ خود ابن رشد پر یہ الزام لگایا گیا کہ وہ اول مسلمان تھا پھر عیسائی ہوا پھر یہودی بنا اور انجام کار دہریہ ہو گیا۔

از منہ وسطی مین دو تصانیف اپنے ملحدانہ مضامین کے لحاظ سے شہرہ آفاق تھین - ایک کا نام "دی ایورلاسٹنگ گاسپل" (انجیل لازوال) تھا اور دوسری کا "دی ٹرائبس امپاسٹاریبس" (جماعت کا ذبین) - ثانی الذکر کتاب کے مصنف کے متعلق مختلف اقوال تھے - بعض لوگ اس تصنیف کو پاپائے جربرٹ سے منسوب کرتے تھے بعض فریڈرک ثانی سے اور بعض ابن رشد سے - چونکہ ڈامینیکن فرقہ کے پادریون کو ابن رشد سے قلبی عداوت تھی لہذا اوس زمانہ کے ہر ملحدانہ عقیدہ کو وہ بلا تامل اوس کے سر تھوپ دیتے تھے - چنانچہ مسئلہ عشائے ربانی کی تحقیر و تضحیک کا ذکر اون کے حلقون مین جب آتا تھا تو ابن رشد کے نام پر سینکڑون گالیان پڑجاتی تھین - ابن رشد کی تصانیف کا علم مسیحی یورپ کو اول اول تیرھوین صدی کے شروع مین میکائیل اسکاٹ کے تراجم کی وساطت سے ہوا لیکن ایشیا کی طرح یورپ مین بھی اس قسم کے خیالات مدتون پہلے سے شایع ہو چکے تھے - ہم دیکھ چکے ہین کہ اریجنیا کا فلسفہ انہین کس شرح و بسط کے ساتھ ظاہر کرتا ہے - عربون پر مذاق فلسفہ سے آشنا ہوتے ہی ان خیالات کا اثر پڑنے لگا تھا - اور تینون خلافتون کے دارالعلمون مین یہی فلسفہ رایج تھا - اگر ان خیالات پر اس پہلو سے نظر نہ ڈالی جائے کہ عقلی نشو و نما کے ایک خاص مقام تک پہنچنے کے بعد ہر انسان کا ان سے خودبخود متاثر ہو جانا یقینی ہے بلکہ ارسطو کو ان کا مبدا و منشا قرار دیا جائے تو تاریخ شہادت دے رہی ہے کہ ہر اعلی درجہ کے تعلیم یافتہ طبقہ نے ان کو بہ نظر استحسان دیکھا - ان خیالات کی جھلک ہمین رابرٹ گراسٹٹ - راجر بیکن اور اسپائنورا کی تصانیف مین نظر آتی ہے - ابن رشد ان خیالات کا موجد نہ تھا بلکہ محض شارح اور مفسر تھا - تیرھوین صدی کے یہودیون کو استاد کی مسند پر صرف شاگرد بیٹھا ہوا نظر آتا تھا - ارسطو کی جگہ فلسفہ مشائیہ کے شارح اعظم ابن رشد نے لے لی تھی - مسئلہ انفصال و انجذاب کے مسیحی ماننے والون کی تعداد یورپ مین اس قدر بڑھ گئی کہ پاپائے الگزنڈر رابع (۱۲۵۵ء) کو مجبوراً مداخلت کرنی پڑی - چنانچہ اوس کے حکم سے آلبرٹس میگنس نے ایک کتاب مسئلہ وحدت عقل کل کے رد مین لکھی - اصلیت و ماہیت

روح پر بحث کرتے ہوئے اوس نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ "یہ مسئلہ کہ ایک عقل
محرد اپنے نور سے افراد انسانی کو اون کے پیدا ہونے سے پہلے منور کرتی ہے اور اون کے
فنا ہونے کے بعد قایم رہتی ہے ایک قابل نفرین غلطی سے آلودہ ہے"۔ لیکن ارسطو کے
زندہ جاوید شارح کا سب سے بڑا مخالف سینٹ ٹامس ایکویناس تھا جس نے وحدت
عقل کل۔ انکار توفیق ایزدی۔ عدم امکان پیدایش اور اسی قسم کے دوسرے عقاید کی جو ملحدانہ
سمجھے جاتے تھے شدومد کے ساتھ تردید کی اور اپنے ہم صفیروں یعنی ڈامینیکن فرقہ کے پادریون
کی رائے مین گویا ان الحادلت کا قلع وقمع کر ڈالا۔ سینٹ ٹامس نے جب اپنے مسیحی بھائی
بندون کو ابن رشد کے عقاید اختیار کرتے ہوئے دیکھا جو اوس کی نظر مین مسلمانون سے بھی
بدتر تھا تو اوس کے غیظ وغضب کی کوئی انتہا نہ رہی اور ڈامینیکن پادریون کے قول کے مطابق
اس "فرشتہ خصال عالم جید" نے اپنے مخالف پر وہ نمایان قلمی فتوحات حاصل کین جن کی یادگارین
فلارنس اور پاپیسا کے نقاشون نے پردہ تصویر پر چھوڑی ہین۔ ڈامینیکن پادریون کے
سمنڈیشں پر یہ خیال تازیانہ باری کرتا تھا کہ فرانسسکن فرقہ کے پادری جن سے اونہین رقابت
تھی ابن رشد کے عقاید رکھتے تھے۔ چنانچہ ڈینٹی نے جو فرقہ ڈامینیکن کا طرفدار تھا ابن رشد
کی نسبت لکھا ہے کہ وہ ایک نہایت خطرناک مذہب کا بانی ہے۔ غرض ابن رشد پر تینون بڑی مذاہب
کی طرف سے متفقہ تکفیر کا فتویٰ جاری کیا گیا اور یہ خطرناک قول اوس سے منسوب کیا گیا کہ "تمام
مذاہب اگرچہ غالباً مفید ہین لیکن اون کے باطل ہونے مین شک نہین"۔ وین کی کونسل مین
بالاتفاق یہ قرار پایا کہ اوس کی تصنیفات کی اشاعت مطلقاً روک دی جائے اور تمام عیسائیون کو
اون کے مطالعہ کی ممانعت کی جائے۔ ڈامینیکن فرقہ کے پادریون کو "انکویزیشن" کا ساحیب آلہ
ہاتھ آگیا تھا اور اون کے سفاکانہ جبر وتشدد سے تمام یورپ کانپ رہا تھا۔ اس زمانہ مین جو
بے دینی پھیلی ہوئی تھی اوس کا ذمہ دار یہ فرقہ ابن رشد ہی کے فلسفہ کو قرار دیتا تھا لیکن مخالفون
کے مقابلہ مین اوس کے طرفدارون کی بھی ایک جماعت موجود تھی۔ نہ صرف پیرس بلکہ شمالی اٹلی

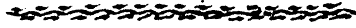
کے تمام شہرون مین فرانسسکن فرقہ کے عیسائی اوس کے پیرو تھے اور کل مسیحی دنیا مین ان مناقشون کی وجہ سے ایک تہلکہ پڑا ہوا تھا۔

ڈامینیکن فرقہ کے پادریون کی زبانی ابن رشد کے کافرانہ وملحدانہ کارنامون کا ذکر سنتے سنتے اٹلی کے نقاشون اور مصوّرون کی نظرون مین وہ بیدینی کی مجسم علامت بن گیا تھا۔ اٹلی کے اکثر شہرون اور قریون مین روز قیامت اور دوزخ کی تصویرین بنائی گئی تھین۔ ان مین ابن رشد کہین نہ کہین ضرور نظر آتا ہے۔ چنانچہ پائیسا کے ایک اسی طرح کے مرقع مین جہان حضرت محمدؐ اور ایریس اور دجال کی تصاویر ہین وہان ابن رشد بھی موجود ہے۔ ایک اور مرقع مین یہ دکھایا گیا ہے کہ ابن رشد زمین پر گرا ہوا ہے اور سینٹ ٹامس اوس کی چھاتی پر سوار ہے سینٹ ٹامس کی فتح اور ابن رشد کی شکست لازم وملزوم ہوگئی تھی۔ اٹلی کے مصورون کی مذہبی تصاویر سولہوین صدی تک ابن رشد کے بغیر مکمل نہ سمجھی جاتی تھین۔ اور اوس کے فلسفیانہ عقاید پیڈوا کی یونیورسٹی مین سترہوین صدی تک بدستور قایم رہے۔

فلسفہ ابن رشد کے اسپین سے اٹھ کر یورپ پر حملہ آور ہونے کی داستان ہم بالاجمال سنا چکے۔ اب صرف اتنا بیان کرنا باقی رہتا ہے کہ فریڈرک ثانی کی سرپرستی مین اس فلسفہ نے سسلی مین بھی سر اٹھایا لیکن اس طرف سے اس کی پیش قدمی زیادہ کامیاب نہ ثابت ہوئی۔ فریڈرک ثانی نے اسے پوری طرح سے تسلیم کر لیا تھا۔ اپنی کتاب "سسیلین کوسچنس (مسائل سسلی) مین اوس نے ابدیت عالم اور ماہئیت روح پر بحث کرتے ہوئے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ان مسائل کے متعلق اوس کے تمام شکوک ابن سبعین کے جوابات سے رفع ہوگئے جو ابن رشد کا پیرو تھا۔ لیکن فریڈرک ثانی کی یہ آزاد خیالی چند روزہ ثابت ہوئی۔ وہ پاپائے اعظم کی مخالفت کی تاب نہ لا سکا اور اوس کے مغلوب ہونے پر ان فلسفیانہ خیالات کا بھی خاتمہ ہوگیا۔

اٹلی کے شمالی حصہ مین فلسفہ ابن رشد مدتون قایم رہا۔ وینس کے طبقہ اعلیٰ مین اس کا اثر یہان تک تھا کہ ہر وضیع وشریف اس کے اتباع پر مجبور تھا۔ آخر کار کلیسا نے اس کی قسمت

کا فیصلہ کر دیا۔ یعنی لیٹرن کونسل نے سنہ ۱۵۱۲ء مین یہ فتویٰ صادر کیا کہ جو شخص ان قابل نفرین عقاید کی حمایت کرے گا وہ ملحد و بے دین سمجھا جائے گا۔ اس کے علاوہ جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہین ویٹیکن کونسل نے بھی اپنے گذشتہ اجلاس مین ان عقاید کو مورد سب وشتم ٹھہرایا ہے۔ لیکن باوجود ان تمام مطاعن و ملاعن کے ہم اس سے انکار نہین کر سکتے کہ یہ خیالات بنی نوع انسان کے ایک جزو غالب کے نزدیک صحیح ہین۔



چھٹا باب

نزاع مذھب و سائنس دربارہ ماہیئت عالم

ماہیئت عالم کی نسبت مذھبی خیال یعنی زمین چپٹی ہے۔بہشت اور دوزخ۔

اہل سائنس کا خیال یعنی زمین گول ہے۔ زمین کی جسامت کی دریافت۔ نظام شمسی مین اس کا درجہ اور نظام شمسی کے دوسرے اعضا کے ساتھ اس کے تعلقات۔ کولمبس۔ڈی گاما اور میگیلن کے تین بڑے بحری سفر۔ سیاحت گرد زمین۔ ایک درجہ کی پیمایش اور رقاص ساعت کے ذریعہ سے کرویت زمین کی تعیین۔

کوپرنیکس کے اکتشافات۔ دوربین کی ایجاد۔گلیلیو "انکویزیشن" کے اجلاس مین حاضر کیا جاتا ہے۔ اوس کی سزایابی۔ سائنس کی فتح کلیسا پر۔

جسامت نظام شمسی کی تحقیق کی کوشش۔ سیارہ زہرہ کے مرور منطقۃ البروج کی بنا پر آفتاب کے زاویہ اختلاف منظر کی تعیین۔کرہ زمین اور اوس کی پیچ میرزی۔

خیالات دربارہ جسامت کائنات۔ زوایاے اختلاف مناظر کواکب۔ برونو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس دنیا کے علاوہ اور بھی آباد دنیائین موجود ہین۔محکمہ "انکویزیشن" اوسے گرفتار کرکے قتل کردیتا ہے۔

اب ہم اون مباحث کو حیز تحریر مین لانا چاہتے ہین جو فلسفہ کے تیسرے مہتم بالشان مسئلہ یعنی ماہیئت عالم کے متعلق پیدا ہوئے۔

اگر ہم صحیفہ قدرت کا مطالعہ بنظر اعتقاد نہ کرین۔ تو ہمین بظاہر یہی دکھائی دیتا ہے کہ زمین ایک وسیع چپٹی سطح ہے جو قبہ آسمان کو سہارے ہوئے ہے۔ اور یہ قبہ نیلگون فوقانی و تحتانی دریاؤن کے مابین حد فاصل ہے۔ اجرام فلکی یعنی آفتاب ماہتاب اور ستارے مشرق سے مغرب کی طرف حرکت کرتے ہین۔ ان کے قامت کی کہتری اور غیر متحرک زمین کے گرد اون کا حرکت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کا درجہ زمین سے بمراتب حقیر اور بمدارج کم ہے۔ جو حیوانات روے زمین پر موجود ہین اون مین علو شان کے لحاظ سے ایک بھی انسان کا مد مقابل نہین اور اس لیے اوس کا یہ قیاس حق بجانب ہے کہ کائنات کی ہر چیز اوس کے فایدہ کے لیے بنائی گئی ہے۔ آفتاب اس مقصد سے پیدا کیا گیا ہے کہ دن کے وقت اوسے روشنی پہنچائے۔ چاند اور ستارے اس غرض سے بنائے گئے ہین کہ اندھیری راتون مین اون کا اجالا اوس کی رہبری کرے۔

مختلف ادیان و مذاہب کی روایات کے مقابلہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی ہر قوم نے مدارج عقل و ادراک مین قدم رکھتے وقت مظاہر فطرت کے متعلق یہی تصورات قایم کیے ہین۔ تمدن کے دور اول مین انسان نے زمین کو اکبر و اعظم موجودات سمجھ کر مرکز کائنات خیال کیا ہے اور انسان کو افضل و اشرف مخلوقات مان کر زمین کی مرکزی ہستی سمجھا ہے۔ ریگ وید [illegible] دنیا کی [illegible] دیکھ کر با غور و تعمق ہی قایم نہین کیا بلکہ مختلف آسمانی صحیفون [illegible] دیے ہین من حیث التفلسف اسی نتیجہ پر پہنچے ہین۔ ان [illegible] انسان کو یہی بتایا ہے کہ آسمان کے بلورین گنبد کے اوپر نور لازوال او [illegible] خدا کا ایک عالم ہے جسے بہشت کہتے ہین۔ اس عالم مین خدائے تعالی اور ملائکہ رہتے ہین اور ممکن ہے کہ مرنے کے بعد انسان کو بھی یہی جگہ رہنے کو ملے۔ زمین کے نیچے یہی تاریکی اور عذاب کا مستقر ہے جہان بدون کو رکھا جائے گا۔ اس طرح عالم مرئی کے پردہ مین گویا عالم غیر مرئی کی تصویر دکھا دی گئی ہے۔

ترکیب عالم کے اس تصور کی بنا پر بڑے بڑے مذاہب کی عمارتین قایم کی گئی ہین اور چونکہ اس کے قیام کے ساتھ بہت سی زبردست مادی اغراض وابستہ تھین لہذا اس کے استحکام مین کوئی دقیقہ اٹھا نہین رکھا گیا۔ جو کوششین پیروان سائنس کی طرف سے اس کی مسلسل غلطیون کی تصحیح کے لیے عمل مین لائی گئین اون کی مخالفت بعض دفعہ یہان تک ہوئی ہی کہ خونریزی تک نوبت پہنچی ہے۔ اور یہ مخالفت محض اس خیال سے کی گئی ہے کہ اگر مخالفین کو کامیابی ہوئی تو بہشت و دوزخ کے مواقع کی تعیین کا ستون مرکز ثقل سے ہٹ جائے گا اور اوس افضلیت و اکملیت کو جو کائنات کے موضوع اعظم ہونے کے لحاظ سے انسان سے منسوب کی جاتی ہے بہت بڑا صدمہ پہنچے گا۔

لیکن اس قسم کی کوششون کا عمل مین آنا ایک یقینی اور لازمی امر تھا۔ جب انسان اس مسئلہ پر غور و خوض کرنے کے قابل ہوگیا تو اوس نے اس دعوے کے تسلیم کرنے مین تامل ہونے لگا کہ زمین ایک سطح غیر محدود ہے۔ کسی شخص کو اس امر مین کلام نہین ہوسکتا کہ جو آفتاب آج ہماری دیکھنے مین آیا ہے یہ وہی آفتاب ہے جسے ہم نے کل دیکھا تھا۔ اوس کے نورانی قرص کا ہر صبح از سر نو نمودار ہونا یہ خیال پیدا کیے بغیر نہین رہ سکتا کہ وہ زمین کے نیچے سے گذرا ہے۔ لیکن اگر یہ خیال صحیح ہو تو وہ دوسرا مفروضہ کہ زمین کے نیچے ہمیشہ تاریکی چھائی رہتی ہے باطل ہوا جاتا ہے۔ غرض آفتاب کا زمین کے نیچے سے ہو کر گذرنا شکل زمین کی کرویت کا خیال کم و بیش وضاحت کے ساتھ ضرور پیدا کرتا ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ زمین کا پھیلاؤ سمت تحتانی مین غیر محدود نہین ہوسکتا۔ کیونکہ آفتاب کا نفوذ اوس کے جرم مین ممکن نہین اور یہ بھی ممکن نہین کہ کوئی ایسا سوراخ یا منفذ زمین مین موجود ہو جس کی راہ سے آفتاب نکل آتا ہو اس لیے کہ سال کے مختلف موسمون مین اوس کے طلوع و غروب کے مقامات مختلف ہوتے ہین۔ علی ہذالقیاس ستارے بھی زیر زمین مختلف اطراف مین حرکت کرتے ہین پس ضرور ہے کہ زمین کے نیچے ایک صاف رستہ موجود ہو۔

آیات الہامی کو اس جدید استقرا کے ساتھ تطبیق دینے کے لئے اوس قسم کی توجیہات سے وقتاً فوقتاً کام لیا گیا جن کی مثال کاسماس انڈ دکا پلیوسٹیز کی کتاب "کرسچین ٹاپو گریفی" (جغرافیہ مسیحی) مین پائی جاتی ہے۔ چنانچہ اس کا حوالہ ہم پہلے بھی دے چکے ہین۔ اس کتاب مین جیسا کہ ناظرین کو یاد ہوگا یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ زمین ایک چپٹی سطح ہے جس کے شمالی حصون مین ایک بہت بڑا پہاڑ واقع ہے۔ آفتاب جب اس پہاڑ کے پیچھے چلا جاتا ہے تو رات ہو جاتی ہے۔

ایک نہایت دور و دراز تاریخی زمانہ مین انسان کو کسوف و خسوف کی حقیقت کا علم ہو چکا تھا۔ چاند گہن کے مشاہدے سے یہ بات ثابت ہو چکی تھی کہ زمین کا سایہ ہمیشہ مدور رہتا ہے۔ اس مشاہدہ سے یہ بدیہی نتیجہ نکلا کہ زمین کی شکل بھی گول ہوگی اس لیے کہ جو جسم ہر حالت مین گول سایہ ڈالتا ہو وہ خود بھی گول ہونا چاہیے۔ اس کے علاوہ دوسرے قراین و دلایل سے بھی جن کو آج کل بچہ بچہ جانتا ہے یہ بات پایہ تحقیق کو پہنچ گئی کہ زمین کروی الشکل ہے۔

لیکن شکل زمین کی تعیین اوسے اوس مسند عظمت سے ہٹا نہ سکی جس پر ظاہر بین انکھون نے اوسے بٹھا رکھا تھا۔ چونکہ وہ بظاہر تمام دوسری اشیا کے مقابلہ مین بمراتب بڑی نظر آتی تھی اور کسی محسوس ہو سکنے والی شے کی اوس کے سامنے کوئی ہستی نہ تھی لہذا ظاہر بینون نے نہ صرف اوسے مرکز عالم بلکہ خود عالم تصور کیا۔

اگرچہ اون نتایج نے جو زمین کو کروی الشکل ماننے سے پیدا ہوئے مروجہ مذہبی عقاید پر نہایت گہرا اثر ڈالا لیکن جو نتایج جسامت زمین کی تعیین سے مترتب ہوئے وہ کہین زیادہ اہم تھے۔ علم ہندسہ کا مبتدی بھی اس بات سے بے خبر نہ تھا کہ زمین کی جسامت کا صحیح حال سطح زمین کے ایک درجہ کی پیمایش سے معلوم ہو سکتا ہے۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے غالباً نہایت قدیم زمانہ مین متعدد کوششین علمائے ہیئت کی طرف سے ہوئین جن کے نتایج ضایع

ہو گئے ہین۔ لیکن اتنا ہمکو تحقیق کے ساتھ معلوم ہے کہ ایراتاستھینیز نے مصر مین اسکندریہ
اور سئین کے درمیان یہ سمجھ کر کہ سئین ٹھیک خط سرطان کے نیچے واقع ہے ایک درجہ ارضی
کی پیمایش کی کوشش کی تھی۔ لیکن چونکہ یہ دونون مقامات نصف النہار کے ایک ہی
خط پر واقع نہ تھے لہذا اُن کے باہمی فاصلہ کا صرف اندازہ لگا لیا گیا۔ پیمایش نہین کی
گئی۔ اس کے دو صدی بعد پاسیڈونیس نے اسکندریہ اور روڈس کے درمیان
اس قسم کی دوسری کوشش کی سہیل نامی روشن ستارہ مقام تالی الذکر پر افق کو مس کرتا تھا
اور اسکندریہ مین افق سے ساڑھے سات درجہ اونچا تھا لیکن اس مرتبہ بھی ان دونون
مقامات کے درمیان سمندر کا حائل ہونا پیمایش کو مانع آیا اور فاصلہ کا صرف تخمینہ قایم
کر لیا گیا۔ بالآخر جیسا کہ ہم سابق مین بیان کر آئے ہین خلیفہ المامون نے درجہ ارضی کی
دو پیمایشین کرائین۔ ایک ساحل بحر قلزم پر دوسری عراق عرب مین شہر کوفہ کے قریب
ان مختلف تجربون کا عام نتیجہ یہ نکلا کہ زمین کا قطر سات اور آٹھ ہزار میل کے درمیان ہے
جسامت زمین کے اس تخمینہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ عظمت و جبروت کے اُس درجہ سے
جس پر وہ ابھی تک خوش عقیدہ لوگون کے نزدیک فائز تھی گر گئی اور دینیات مین
اس کی وجہ سے ایک ہل چل پڑ گئی۔ اس ہل چل مین ارسٹارکس متوطن سیماس کی تحقیقات
نے بہت بڑا حصہ لیا۔ ارسٹارکس مدرسہ اسکندریہ کا متبحر ہیئت دان تھا جس نے سنہ ۲۸۰ ق م
کا زمانہ پایا ہے شمس و قمر کی مقادیر و ابعاد پر اسنے ایک رسالہ لکھا ہے جسمین وہ اُس
قابل تعریف مگر ناقص طریقہ کو بوضاحت بیان کرتا ہے جس کے ذریعہ سے اسنے اس
مسئلہ کے حل کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس سے بھی کئی قرن پیشتر فیثاغورث کے ذریعہ
سے ایک نیا خیال ہندوستان سے یورپ مین پہنچ چکا تھا۔ اس خیال کے مطابق
آفتاب مرکز کائنات تھا۔ آفتاب کے گرداگرد عطارد۔ زہرا۔ زمین۔ مریخ۔ مشتری اور
زحل اپنے اپنے محورون پر گھومتے ہوئے درجہ بدرجہ گردش کرتے تھے۔ بقول سیسرو

نائسیٹاس نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ اگر یہ بات تسلیم کرلی جاے کہ زمین اپنے محور کے گرد گھومتی ہے تو گردش فلک کی ناقابل خیال سرعت کی وجہ سے جو مشکل پیش آتی ہے وہ رفع ہو جاتی ہے۔

قیاس چاہتا ہے کہ ارسٹارکس کی تصانیف جو کتب خانہ اسکندریہ مین موجود تھین جولیس سیزر کی آتش زنی مین جل گئی ہون - اُسکی صرف ایک تصنیف " مقادیر وا بعاد شمس وقمر " جس کا حوالہ ہمنے اوپر دیا ہے دستبرد روزگار سے بچی بچائی ہم تک پہنچی ہے -

ارسٹارکس نے نظام فیثاغورث کو ایک حقیقت نفس الامری سمجھ کر تسلیم کرلیا - آفتاب کا حیرت انگیز فاصلہ اور اس لحاظ سے اُسکا عظیم الشان جرم اس اعتراف کا مدار علیہ تھا - نظام فیثاغورث نے آفتاب کو مرکز کائنات قرار دیکر زمین کا درجہ بہت ہی گھٹا دیا اور اسے اُن حقیر توابع کے زمرہ مین شریک کردیا جن کا کام یہ ہے کہ آفتاب کے گرد گردش کیا کرین

لیکن ارسٹارکس نے فن ہیئت کی ایک یہی خدمت نہین کی یہ دیکھ کر کہ زمین کی حرکت سے کواکب کے ظاہری یا اعتباری مقامات ومواقع پر کوئی نمایان اثر نہین پڑتا - اُس نے یہ استدلال کیا کہ اُن کا اور زمین کا باہمی فاصلہ سورج اور زمین کے باہمی فاصلہ سے بھی بدرجہا زیادہ ہے - لیپلیس کا قول ہے کہ کائنات کے جلال وعظمت کا صحیح خیال جیسا ارسٹارکس کو تھا ویسا مہندسین زمانہ قدیم مین سے اورکسی کو نہ تھا - وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ فاصلہ ثوابت کو مدنظر رکھنے کے بعد زمین کی حقیقت ایک ذرہ ناچیز سے زیادہ باقی نہین رہتی - اُس کو یہ بھی معلوم تھا کہ ہمارے اوپر بجز فضاے بسیط اور کواکب کے اور کچھہ نہین ہے

لیکن اجسام فلکی کے مقامات حقیقی واعتباری کے متعلق ارسٹارکس کے خیالات کو قدما نے تسلیم نہین کیا بلکہ نظام بطلیموسی جس حیثیت سے کہ اُس کی تصریح المجسطی مین کی گئی ہے عام طور پر رائج ہوگیا - اُس زمانہ کا فلسفہ طبیعی نہایت ناقص وغیر مکمل تھا - مثلاً نظام فیثاغورث پر بطلیموس کا ایک اعتراض یہ تھا کہ اگر زمین متحرک ہو تو ہوا اور دوسرے

لطیف اجسام کو پیچھے چھوڑ جاے۔ اسی لیے اُس نے زمین کو مرکز کائنات قرار دے کر یہ ظاہر کیا کہ قمر۔عطارد۔ زہرہ۔شمس۔ مریخ۔مشتری اور زحل درجہ بدرجہ اُس کے گرد گھومتی ہین اور زحل کے مدار کے بعد منطقۃ الثوابت ہے۔ ایک خیال اُس زمانہ مین یہ بھی تھا کہ دو ٹھوس بلورین کرے ہین جن مین سے ایک مشرق سے مغرب کی طرف اور دوسرا شمال سے جنوب کی طرف حرکت کرتا ہے لیکن یہ محض ایک فرضی خیال تھا جو یونا اُسس کا پیدا کیا ہوا تھا اور اُس کا بطلیموس حوالہ تک نہین دیتا۔

اس لحاظ سے نظام بطلیموسی گویا ارضی المرکز ہے اِس نے زمین کا تفوق قایم رکھا اور اس لیے مسیحی یا اسلامی عقاید کو برافروختہ ہونے کا موقع نہ ملا۔ اس کے بانی کی مسلمہ شہرت اور اُس غیر معمولی قابلیت نے جو اُسکی تصنیف متعلق ساخت آسمانی پر صرف کی گئی ہے۔ نظام بطلیموس کو چودہ سو سال یعنی دوسری سے لیکر سولہوین صدی تک پایہ اعتبار سے ساقط نہ ہونے دیا۔

مسیحی دنیا مین اس زمانہ دراز کا زیادہ تر حصہ ماہیت ذات باری کے مباحث اور مذہبی اقتدارات کے حصول کی غرض سے پادریون کی رقیبانہ کشمکش مین کٹا۔ مسیحی بزرگان دین کے اجتہادات نے اس عام عقیدہ کے ساتھ شامل ہوکر کہ انجیل جملہ علوم وفنون کی مخزن ہے مشاہدہ وتجربہ اور علمی انکشافات کا رستہ روک دیا۔ اگر ہیئت کے کسی مسئلہ کی تحقیق کا شوق اتفاق سے کسی کو کچھ دیر کے لیے پیدا ہو بھی گیا تو ثوابت وسیارے کے مہندسانہ مشاہدہ کے بجاے اگسٹائن یا ٹلکنٹیس کے سے بزرگوارون کی تصانیف کی ورق گردانی سے سائل کی تشفی کردی گئی۔ روایت کو درایت پر یہان تک ترجیح دی گئی کہ عیسائیت نے باوصفیکہ اُسے وجود مین آے ہوے پندرہ صدیان گزر چکی تھین ایک بھی ہیئت دان پیدا نہ کیا۔

لیکن اسلام کی حالت اس بارے مین مسیحیت سے بہت بہتر ہے۔ مسلمانون نے اکتساب

علوم و فنون کا دور فتح اسکندریہ کی تاریخ یعنی ۶۳۸ء سے شروع ہوتا ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ جناب رسالت مآب کو رحلت فرمائے ہوئے صرف چھ سال کی مدت منقضی ہوئی تھی۔ دو صدیون کے اندر اندر مسلمان نہ صرف یونان کے حکماے طبیعین کی تصانیف سے واقف ہوگئے بلکہ ہر علمی مسئلہ کے مالہ و ماعلیہ پر نظر انتقاد ڈالنے کے قابل ہوگئے جیسا کہ ہم پیشتر بیان کرچکے ہین اُس معاہدہ کی رو سے جو میکائیل ثالث شہنشاہ یونان اور المامون عباسی مین ہوا تھا مامون نے بطلیموس کی تصنیف "سنٹاکسس" کا ایک نسخہ حاصل کرکے اس کا ترجمہ المجسطی کے نام سے عربی مین کرایا تھا۔ یہ کتاب ہیئت دانان عرب کے لیے مستشار اعظم بن گئی۔ اور اس کو اپنے علم کی بنا قرار دے کر اُنھون نے سائنس کے بعض نہایت ہی اہم مسایل حل کیے اُنھون نے زمین کی جسامت دریافت کی۔ اُن تمام ستارون کی فہرستین تیار کین جو اُس حصہ آسمان پر نظر آتے جو اُن کے مقابل تھا اور بڑے بڑے ستارون کے نام رکھے جو آج تک تبدیل نہین ہوئے۔ اُنھون نے سال کی صحیح مدت کا اندازہ لگایا۔ انعطاف ضیا کے کوکبی کے اصول کی تحقیق کی۔ "پنڈلم" (رقاص) والی گھڑی ایجاد کی جن آلات سے ستارون کی روشنی کا اندازہ کیا جاتا ہے اُن کو بہت کچھ ترقی دی۔ یہ اصول دریافت کیا کہ شعاع نور ہوا مین بشکل قوس گزرتی ہے۔ چاند اور سورج کے اُفق پر نظر آنے کی توجیہ کرتے ہوے بتایا کہ یہ اجرام قبل از طلوع و بعد از غروب کیون نظر آتے ہین۔ کرہ ہوا کی بلندی کو ناپا اور یہ بلندی اٹھاون میل قرار دی جھٹ پٹے کی اصلی کیفیت اور ستارون کے جھلملانے کی صحیح وجہ بیان کی۔ یورپ مین اول اول جو رصدگاہ قایم ہوئی وہ مسلمانون ہی کی بنائی ہوئی تھی۔ اجرام فلکی کے نقل و حرکت کے متعلق اُن کی باریک بینی و دقیقہ سنجی کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ زمانہ حال کے قابل سے قابل مہندسون نے اُن کے رصدی نتایج سے استناد کیا ہے۔ مثلاً لیپلیس اپنی کتاب "نظام عالم" مین البتانی کے مشاہدات کی سند اس امر کے قطعی ثبوت کے طور پر پیش کرتا ہے کہ مرکز آفتاب اور مرکز مدار ارض کا درمیانی

فاصلہ کم ہوتا جاتا ہے۔ اسی طرح وہ مسئلہ اعوجاج طریق الشمس اور مشتری و زحل کی عدم مساوات ہاے اکبر کے مسایل پر بحث کرتے ہوئے ابن یونس کے مترتبہ نتایج سے مدد لیتا ہے۔

عقدہ ماہیت عالم کے حل کرنے مین ہئیت دانان اسلام نے جو نمایان خدمات انجام دی ہین ہم نے اُن کا عشر عشیر بھی بیان نہین کیا۔

بہرحال اس زمانہ مین سائنس کو جو کچھ ترقی حاصل ہوئی مسلمانون کی بدولت ہوئی عیسائی دنیا پر جہل واوہام کی تاریکی کا پردہ پڑا ہوا تھا۔ مسیحیون کو علمی مسایل کی ہوا تک نہ لگی تھی۔ وہ مجسمہ پرستی۔ گور پرستی۔ عشاے ربانی۔ کرامات اولیا۔ معجزات۔ تبرکات ارواح اور خوش عقیدگی کے اسی طرح کے دوسرے گورکھ دھندون مین پھنسے ہوئے تھے۔

اس خواب غفلت سے عیسائی دنیا پندرھوین صدی کے خاتمہ تک بیدار نہ ہوئی۔ اس وقت بھی شوق علم اُس کے جاگنے کا باعث نہ ہوا۔ بلکہ اسباب ترغیب کچھ اور ہی تھے یعنی اقوام یورپ مین تجارتی رقابت پیدا ہوگئی۔ اور کولمبس۔ ڈی گاما اور فرڈیننڈ میگیلن کی جہازرانی مسئلہ شکل زمین کے تصفیہ کا اخیر باعث ہوئی۔

مشرقی ایشیا کی تجارت نے اُن مغربی اقوام کو جو اُس پر قبضہ کرنے مین کامیاب ہوئی ہین ہمیشہ مالامال کیا ہے۔ ازمنہ وسطی مین اس تجارت کا مرکز اٹلی کا شمالی حصہ تھا یہ تجارت شمال وجنوب دو طرف سے ہوتی تھی اور اس کے مرکز علی الترتیب جنوا اور وینس تھے۔ جنوا سے مال تجارت جہازون مین بھر کر براہ بحیرہ اسود وبحیرہ خزر ایران کے شمالی ساحلون پر اُتارا جاتا تھا اور وہان سے اونٹون پر بار کر کے آگے بھیجا جاتا تھا۔ جنوبی صدر مقام یعنی وینس سے جو مال روانہ ہوتا تھا وہ یا تو شامی اور مصری بندرگاہون پر اُتار کر براہ خشکی اندرون ملک مین بھیج دیا جاتا تھا یا بحیرہ قلزم اور بحر عرب کی راہ سے مشرقی ممالک کی طرف روانہ کر دیا جاتا تھا۔ جن سوداگرون کا مقصد

مقام وینس تھا اُنھون نے دوران حروب صلیبیہ مین ذرایع بار برداری کی بہم رسانی سے بہت بڑی دولت کمائی تھی۔

اہل وینس کی زمانہ شناسی نے اُن کے تعلقات کو چونکہ شام اور مصر کی اسلامی دولتون سے کے ساتھ بگڑنے نہ دیا تھا لہٰذا اُن کو اسکندریہ اور دمشق مین اپنے سفارت خانے قایم رکھنے کی اجازت تھی۔ اور باوجودیکہ ان ممالک مین جدال و قتال کے ہنگامے آئے دن برپا ہوتے رہتے تھے پھر بھی وینس کی تجارت ترقی پر تھی۔ لیکن شمالی شاخ تجارت جس کا صدر مقام جنوا تھا کچھ تو تاتاریون اور ترکون کی حملہ آوری اور کچھ اون ممالک کے اندرونی فسادات کی وجہ سے جن مین سے اس کے مال کو گزرنا پڑتا تھا ویران ہو چلی تھی۔ اور وہ وقت قریب آگیا تھا کہ یہ تجارت بالکل ہی مٹ جائے۔

افق ظاہری کی مدور شکل سمندر مین اُس کا ڈوبا ہوا نظر آنا۔ جہازون کا کھلے سمندر مین تدریج نمودار ہونا اور رفتہ رفتہ غایب ہو جانا یہ تمام ایسے واقعات ہین جن کے مشاہدہ سے وہ جہازران جن کو مبداء فیاض سے جو ہر فکر سلیم عطا ہوا ہے اس نتیجہ کی طرف مائل ہوئے بغیر نہین رہ سکتے کہ زمین کروی الشکل ہے۔ مسلمان مہندسین و فلاسفہ کی تصنیفات نے اس خیال کو مغربی یورپ مین عام طور سے شایع کر دیا تھا لیکن دین مسیحی کے پیشواؤن نے اسے کبھی استحسان کی نظر سے نہ دیکھا اور اُن سے بجز اس کے توقع ہی اور کیا ہو سکتی تھی جب جنوا کی تجارت تباہی کے قریب پہنچ گئی تو یہان کے بعض جہازرانون کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اگر زمین حقیقت مین گول ہو تو ممکن ہے کہ جنوا کا آفتاب تجارت جو لب بام ہے پھر نصف النہار پر چمکتا ہوا نظر آئے۔ اس لیے کہ جو جہاز آبنائے جبل الطارق مین سے ہوتا ہوا بحر اوقیانوس کے بیچون بیچ سمت مغرب ناک کی سیدھ چلا جائے وہ ضرور ہے کہ ہندوستان کے مشرقی ساحل پر پہنچ جائے۔ اس کے علاوہ ایک بہت بڑا فائدہ اس مین یہ بھی تھا کہ مال تجارت جہازون کے ذریعہ سے خشکی کے سفر کی محنت شاقہ اور مصارف کثیر کے بغیر

منزل مقصود پر پہنچ سکتا تھا۔
جنوا کے جن ناخداؤں کو یہ خیال پیدا ہوا اُن میں کرسٹوفر کولمبس بھی شریک تھا جس کے مقدر میں ایک عظیم الشان حقیقت کا عملی انکشاف لکھا تھا۔

کولمبس بیان کرتا ہے کہ اس مسئلہ کی طرف اُس کی توجہ ابن رشد کی تحریرات نے منعطف کی اِسکے علاوہ اُس کا ایک دوست ٹاسنلی نامی فلارنس کا رہنے والا تھا جس کو فن ہیئت کے مطالعہ کا بدرجہ غایت شوق تھا۔ ٹاسنلی مسئلہ کرویت شکل زمین کا بہت بڑا حامی تھا اور کولمبس کے خیالات پر اُس کی تعلیم کا بھی قوی اثر پڑا۔ لیکن جنوا میں کولمبس کی حوصلہ افزائی بہت کم ہوئی۔ کئی سال تک وہ مختلف ممالک کے فرمانرواؤں اور امرا کو اپنے مجوزہ ارادہ کی تکمیل کی سرپرستی پر آمادہ کرتا رہا لیکن اُس کی کوششیں رائگان گئیں۔ اسپین کے پادریوں کو اُس کے ارادہ میں کفر اور زندقہ کی ڈراونی صورت نظر آئی۔ اور سیلامنکا کی مسیحی کونسل نے اس پر بدعت سیئہ کا فتویٰ لگایا۔ چاروں طرف سے پادریوں کی یہ آوازیں آنے لگیں کہ جو شخص زمین کو گول مان کر اُس کے گرداگرد سفر کرنے کی ملحدانہ کوشش کرتا ہے وہ عہد عتیق۔ عہد جدید۔ زبور۔ رسولوں کی پیشین گوئیوں۔ اور سینٹ کریسا سٹم۔ سینٹ اگسٹائن سینٹ جردم۔ سینٹ گریگوری۔ سینٹ بیل اور سینٹ ایمبروز کے نوشتجات و ملفوظات کو جھٹلاتا ہے۔

لیکن اُس کی مساعی جمیلہ آخرکار بارآور ہو کر رہیں۔ اسپین کی ملکہ آسابیلا نے اُس کی ہمت بڑھائی اور ناخدایان پیلاس کے ایک دولتمند خاندان پنزان نامی نے روپیہ سے اُس کی مدد کی۔ اس خاندان کے کچھ لوگ اُس کے ساتھ چلنے کے لیے بھی آمادہ ہو گئے۔ شاہ فرڈیننڈ نے اُسے تاتار کے خان اعظم کے نام ایک چٹھی اپنے خاص دستخط سے لکھ کر دی۔ اور ایک بحری نقشہ جو ٹاسنلی کے مرتبہ نقشہ کی بنا پر تیار کیا گیا تھا اپنی رہنمائی کے لیے اُس نے ساتھ لیا۔ غرض کیل کانٹے سے پوری طرح لیس ہو کر اُس نے ۳ اگست ۱۴۹۲ء کو تین

چھوٹے چھوٹے جہازون کے بیڑے کے ساتھ لنگر اُٹھایا۔ سوا دو مہینے کے مسلسل سفر
کے بعد ۱۱ اکتوبر ۱۴۹۲ء کو آدھی رات سے ذرا دیر پہلے اُس نے اپنے جہاز کے سلوقیہ[۴]
سے کچھ فاصلہ پر ایک متحرک روشنی دیکھی۔ دو گھنٹے کے بعد دوسرے جہاز سے توپ کے
دغنے کی آواز آئی جو اس بات کی علامت تھی کہ اہل جہاز نے خشکی کو دیکھ پایا ہے۔ جب آفتاب
طلوع ہوا تو جہاز ساحل پر پہنچ گئے اور کولمبس نے نئی دنیا مین قدم رکھا۔

جب وہ یورپ واپس آیا تو سب نے یہی خیال کیا کہ جس ساحل پر وہ لنگر انداز ہوا وہ ایشیا
کا مشرقی حصہ تھا اور اس لحاظ سے اس کا سفر علی سبیل النظر کامیاب رہا۔ خود کولمبس کو مرتے دم
تک اسی بات کا یقین رہا۔ لیکن متعدد بحری سفر جو بعد مین کئے گئے اُن سے ساحل امریکہ کی
عام حدود بہت جلد معلوم ہوگئین۔ اور جب بلبوا نے بحر اعظم جنوبی کو دریافت کیا تو اصل حقیقت
پر جو پردہ پڑا ہوا تھا وہ معاً اُٹھ گیا اور وہ غلطی رفع گئی جس مین ٹاسنلی اور کولمبس دونون کے
دونون مبتلا تھے یعنی مغربی بحری سفر مین یورپ اور ایشیا کا درمیانی فاصلہ اُس فاصلہ سے زیادہ
نہین ہو سکتا جو اٹلی سے خلیج گنی تک جانے مین طے کرنا پڑتا ہے اور یہ سفر کولمبس نے بارہا
کیا تھا۔

کولمبس نے اپنے پہلے سفر مین ۱۳ ستمبر ۱۴۹۲ء کو رات کے وقت جبکہ وہ مجمع الجزائر
ازورس[۵] کے ایک جزیرہ کوروو سے ۲½ درجہ مشرق کی جانب تھا یہ بات مشاہدہ کی کہ جہازون

---

۴ جہاز کے اگلے حصہ مین ایک مرتفع مقام کا نام جہان سے ناخدا کو مدنظر تک سب کچھ دکھائی دے سکتا ہے ۱۲ مترجم

۵ یہ ادقیانوس شمالی مین پرتگال سے کوئی آٹھ سو میل جانب مغرب واقع ہے۔ اس مجمع الجزائر مین کل نو جزیرے
ہین جن کا مجموعی رقبہ ایک ہزار میل اور آبادی کوئی تین لاکھ نفوس ہوگی۔ دار الحکومت کا نام انگرا ہے جو جزیرہ ٹرسیرا مین
واقع ہے۔ ان جزائر مین بہت سے آتش فشان پہاڑ ہین جن کی وجہ سے آئے دن اتلاف جان و مال ہوتا رہتا ہے۔
آب و ہوا نہایت اعلیٰ درجہ کی ہے چنانچہ جو لوگ امراض صدر مین مبتلا ہوتے ہین وہ بغرض تبدیل آب و ہوا و
تکمیل صحت یہین جاتے ہین۔ انگور، نارنگیان اور نیبو میوون مین اور گیہون اور مکی اناج مین یہان کی خاص

کی کمپاس کی سوئیون کا رخ حسب معمول مایل بہ شمال و مشرق نہین ہے بلکہ مایل بہ مغرب ہے جون جون جہاز آگے بڑہتے گئے یہ انحراف بھی نمایان ہوتا گیا۔ اگرچہ کولمبس ہی پہلا وہ شخص نہین ہے جس کی نظر اس انحراف پر پڑی لیکن اس مین شک نہین کہ خط عدم انحراف کو سب سے اول اُسی نے دریافت کیا۔ اس سفر سے واپس آتے وقت اس کی برعکس حالت پائی گئی یعنی کمپاس کی سوئی کا مغربی میلان کم ہوتا گیا۔تا آنکہ اُس خط نصف النہار پر پہونچ کر جہان انحراف باقی نہین رہتا سوئی کا رخ پھر شمال کی طرف ہوگیا۔ اس کے بعد جون جون یورپ کا ساحل قریب آتا گیا سوئی کا مشرقی میلان بڑہتا گیا۔ اس سے کولمبس نے یہ نتیجہ نکالا کہ خط نفی میلان یا عدم انحراف ایک مقررہ جغرافیائی خط ہے جو انصف کرۂ مشرقی و نصف کرۂ مغربی کے درمیان بمنزلہ حد فاصل ہے۔ جب اسپین اور پرتگال مین مقبوضات خارجہ کے متعلق جھگڑا ہوا تو پاپاے الگزنڈر سادس نے اس نزاع کے تصفیہ کی غرض سے ایک فرمان ماہ مئی ۱۴۹۳ء مین جاری کیا۔ جس مین یہ خط ان دونون اقوام کے مقبوضات کی دوامی حد فاصل قرار دیا گیا۔ لیکن بعد مین معلوم ہوا کہ یہ خط بتدریج مشرق کی طرف حرکت کر رہا ہے۔ چنانچہ ۱۶۶۳ء مین لندن کے خط نصف النہار پر منطبق ہوگیا۔

پاپا کے فرمان کی رو سے پرتگال کے مقبوضات کی حدود خط عدم انحراف کا مشرقی حصہ قرار دی گئی تھین۔ لبعض مصری یہودیون کی زبانی دولت پرتگال کو معلوم ہوا کہ بحر اعظم افریقیہ کے گرداگرد جہاز پر سفر کرنا باآسانی ممکن ہے۔ اس لیے کہ بحر اعظم مذکور کے منتہاے جنوب مین ایک راس ہے جس کا عبور آسانی سے ہوسکتا

نوٹ متعلقہ صفحہ ۲۲۴- پیداوار ہے۔ اہل کارتھیج کو ان جزائر کا علم ہوچکا تھا جسکا ثبوت یہ ہے کہ یہان سے کارتھیج کے سکے برآمد ہوئے ہین۔ علیٰ ہذا القیاس مسلمان جہازرانون کے یہان آنے کی بھی بکثرت شہادت بہم پہنچ سکتی ہے۔ مترجم ۱۲

اس اطلاع کی بنا پر تین جہازون کا ایک مختصر سا بیڑا بسر کردگی واسکوڈی گاما ۹ جولائی ۱۴۹۷ء کو پرتگال سے روانہ ہوا اور بتاریخ ۲۰ نومبر راس امید کو قطع کرنے کے بعد ۱۹ مئی ۱۴۹۸ء کو کالی کٹ مین لنگر انداز ہوا جو ہندوستان کے ساحل پر واقع ہے۔ پاپا کے اُس فرمان کی رو سے جسکا حوالہ دیا جاچکا ہے مشرق سے اس سفر کی بدولت اہل پرتگال کو ہندوستان کے ساتھ تجارت کرنے کا حق حاصل ہوگیا۔

راس امید کا چکر کاٹنے سے پہلے واسکوڈی گاما کے جہازون کا رخ عموماً جنوبی سمت مین تھا۔ بہت جلد یہ بات اہل جہاز کے دیکھنے مین آئی کہ سطح افق سے قطب تارے کا ارتفاع کم ہوتا ہے اور خط استوا پر پہنچنے کے بعد تو یہ ستارہ نظر سے بالکل ہی غائب ہوگیا مگر اور ستارے جن مین سے بعض شاندار بروج کی شکل مین تھے نظر آنے شروع ہوگئے تھے۔ یہ وہی ستارے تھے جن کا تعلق نصف کرۂ جنوبی کے آسمان سے ہے۔ تمام واقعات سے اُن نظری قیاسات کی تائید ہوتی تھی جو شکل زمین کی کرویت کے متعلق قایم کیے گئے تھے۔

ان جدید انکشافات کے سیاسی نتائج نے پاپاے روما کو گرداب تشویش و تذبذب مین ڈال دیا۔ جن مذہبی روایات اور ملکی مصالح پر پاپا کی حکومت کا انحصار تھا وہ کسی طرح اسکے مقتضی نہ تھے کہ زمین کی کوئی اور شکل بجز شکل سطح کے جسکا ذکر کتب الہامی مین تھا تسلیم کی جاے۔ اخفاے واقعات ممکن نہ تھا اور سوفسطائیانہ تاویلین بیکار تھین۔ وینس اور جنوا کی تجارت کا چراغ گل ہوگیا۔ یورپ کی شکل تبدیل ہوگئی۔ بحری طاقت اُن ممالک سے جو بحر روم کے سواحل پر واقع تھے رخصت ہوگئی۔ اور وہ ملک جو بحر اوقیانوس کے اطراف و جوانب مین پھیلے ہوے تھے جہازرانی کے مرکز بن گئے لیکن دولت اسپین نے اپنے تجارتی رقیب کی اس کامیابی کے آگے ہاتھ پاؤن مارے بغیر سر تسلیم خم کرنا گوارا نہ کیا۔ فرڈیننڈ میگیلن نامی ایک اولوالعزم ناخدا نے

اراکین دولت سے یہ عرض کیا کہ اگر اُس نئی دنیا مین جو اب براعظم امریکہ کے نام سے
موسوم ہے کسی نئی آبنائے کا پتہ معلوم ہو جائے تو مغربی سمندرون کو قطع کرنے کے بعد
ہندوستان اور " اسپائس آئیلینڈس " (جزائر الاقراح) تک پہنچ جانا ممکن ہے اور اگر یہ
مہم طے ہو جائے تو پاپا کے فرمان کی رو سے اسپین کو بھی ہندوستان کی تجارت مین
اُسی قدر حصہ مل سکتا ہے جس قدر پرتگال کو میگیلن کی ان باتون کو حکومت اسپین نے دل کے
کانون سے سنا اور پانچ جہازون کی ایک مہم جس کے ساتھ دو سو تینتیس آدمی تھے اُس کی
سرکردگی مین ۱۰ اگست ۱۵۱۹ء کو اشبیلیہ سے روانہ کی گئی۔

میگیلن نے سیدھا جنوبی امریکہ کے ساحل کا رخ کیا اور [illegible] بتقدیر اس امید پر بڑھتا چلا گیا
کہ اُسے کوئی قدرتی آبی منفذ براعظم مین سے مل جائے گا جس کے ذریعہ سے وہ بحر اعظم
جنوبی مین داخل ہو سکے گا۔ خط اعدم الانحراف پر پہنچ کر ہوا چلنی بند ہو گئی اور کامل دو مہینے دس
دن تک بند رہی۔ جہاز کے ملاحون کو یہ خوف پیدا ہوا کہ کہین وہ ایسے منطقہ مین نہ چلے
آئے ہون جہان ہوا کبھی چلتی ہی نہ ہو۔ اور ان کا بیڑا اس خوفناک سمندر کی ساکن وغیر
متحرک موجون سے کبھی پار ہی نہ ہو سکے۔ یہ خوف بغاوت سے مبدل ہو گیا۔ اور جب
خدا خدا کر کے ہوا کے جھونکون نے سمندر کے طلسم خموشی کو توڑا تو جھکڑ چلنے لگا۔
اور ایسا طوفان اُٹھا کہ جان کے لالے پڑ گئے۔ لیکن سمندر کا سکون۔ طوفان کا جوش
ملاحون کی بغاوت اہل جہاز کی بیوفائی اُسکی جبین استقلال پر بل تک نہ ڈال سکی ایک سال
سے زیادہ کی بحر نوردی کے بعد اُس نے وہ آبنائے دریافت کی جو اب اُسکے نام سے
منسوب ہے۔ اٹلی کا ایک باشندہ پگافیٹی جو اُسکے ہمراہ تھا بیان کرتا ہے کہ جب میگیلن
کی نظر بحر جنوبی یعنی بحر الکاہل کی عظیم الشان پہنائی پر پڑی تو فرط مسرت سے اُس کی
آنکھون مین آنسو ڈبڈبا آئے اور اُسکے مُنھ سے بے اختیار نکلا کہ " اُس خدا کا لاکھ لاکھ
شکر ہے جسنے مجھے اس محیط اعظم کے نامعلوم خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیے آخر

یہان تک پہونچا دیا"۔

قحط کی شدت کا یہ عالم تھا کہ روٹی کے بجاے اُسے چمڑے کے وہ ٹکڑے چبانے پڑے جن کی پھٹے ہوے بادبانون مین گرہین لگی ہوئی تھین۔ پانی اُسے ایسا پینا پڑا جس مین کیڑے پڑ گئے تھے اور بو آنے لگی تھی۔ اُس کے جہاز کے ملاح بھوک سے جان بلب اور مرض احتراق خون مین مبتلا تھے مگر یہ کوہ وقار شخص جسے زمین کے کروی الشکل ہونے کا کامل یقین تھا ان جان فرسا مصائب سے مطلق متاثر نہ ہوا۔ وہ ثابت قدمی کے ساتھ اپنے جہاز کو برابر سمت شمال و مغرب مین بڑھاے چلا گیا اور چار مہینے تک کسی آبادی پر اُسکی نظر نہ پڑی۔ اُسنے اندازہ لگایا تھا کہ بحر الکاہل کی سطح پر اُس نے بارہ ہزار میل سے کم مسافت نہ طے کی ہوگی۔ خط استوا سے گزرنے کے بعد اُسے قطب ستارہ پھر دکھائی دیا اور آخر کار جزائر لیڈرونس کے ساحل پر اُس نے لنگر ڈالا یہان اُسکی ملاقات سماٹرا کے بعض باشندون سے ہوئی جو قسمت آزمائی کے لیے وطن سے نکلے تھے لیکن افسوس اُسکے مقدر مین یہ نہ لکھا تھا کہ اس عظیم الشان بحری مہم کو اپنے ہاتھون انجام تک پہنچاے۔ انھین جزائر مین یا تو یہان کے وحشیون نے یا خود اُس کے ہمراہیون نے اُسے مار ڈالا۔ اُسکے بعد اُس کے مددگار سباسٹین ڈلکانو نے جہاز کی کمان اپنے ہاتھ مین لی اور اس امید کا رُخ کیا۔ رستے مین جو مصیبتین اُسے جھیلنی پڑین وہ بیان سے باہر ہین۔ آخر خدا خدا کر کے راس اُمید آئی جس سے گزر کر اُسنے چوتھی مرتبہ خط استوا کو عبور کیا۔ ۷۔ستمبر ۱۵۲۲ء کو تین سال سے زیادہ کے بحری سفر کے بعد اُس کا جہاز سین وِکٹوریا نامی سینٹ لوکر کے بندرگاہ مین۔ جو اشبیلیہ کے متصل واقع ہے لنگر انداز ہوا۔ اس جہاز کا سفر بنی نوع انسان کی تاریخ مین سب سے بڑا کارنامہ ہے اس لیئے کہ زمین کے گرداگرد سفر کرنے کا پہلا شرف اسی کو حاصل ہوا۔

سین وکٹوریا مغرب کی سمت مین سفر کرتے رہنے کے بعد اصلی نقطہ پہ پہنچ گیا

تھا جہان سے چلا تھا۔ اس سے زیادہ ناممکن التردید ثبوت زمین کے گول ہونے کا اور کیا ہو سکتا تھا۔ اب مسیحیت کو یہ مجال نہ رہی کہ یہ دعوے کرے کہ زمین چپٹی ہے۔ لفظ و اصطلاح ارض انسانی دماغ سے ہمیشہ کے لیے محو ہو گیا۔

میگیلن کے بحری سفر کی تکمیل کے پانچ سال بعد مسیحی دنیا نے تحقیق جسامت ارض کے متعلق پہلی کوشش کی جو ایک فرانسیسی طبیب فرنل کے حصہ مین آئی۔ فرنل نے اول حساب لگایا کہ پیرس مین ارتفاع قطب کس قدر ہے۔ اس کے بعد وہ شمال کی طرف روانہ ہوا تا آنکہ وہ ایک ایسے مقام پر پہنچا جہان پیرس کے مقابلہ مین ارتفاع قطب ایک درجہ زیادہ تھا۔ ان دونون مقامات کے درمیان جس قدر فاصلہ تھا اُسکی پیمایش اُس نے اپنی گاڑی کے ایک پہیے کے چکرون کے ذریعہ سے کی جس کے ساتھ اُس نے ایک مقیاس المسافت لگا دیا تھا۔ جب ایک درجہ کا فاصلہ اس طریقہ پر معلوم ہو گیا تو اُس نے یہ نتیجہ نکالا کہ زمین کا دور حسب پیمانہ انگلی بقدر چوبیس ہزار چار سو اسی میل کے ہے۔

اس کے بعد مختلف ممالک مین باحتیاط تمام پیمایش کی گئی۔ اسنیل نے ایک درجہ ارضی کی پیمایش ہالینڈ مین کی۔ نارووڈ نے لندن اور یارک کے درمیان انگلستان مین پکارڈ نے "فرینچ اکاڈمی آف سائنسز" (مجلس ترقی علوم وفنون) کی سرپرستی سے فرانس مین۔ پکارڈ کی ترکیب یہ تھی کہ مثلثون کے ایک سلسلہ کے ذریعہ سے دو نقطون کو باہم ملا کر دائرہ نصف النہار کے اُس قوس کو جو ان نقطون مین حایل ہوتا ہے لیا جائے اور اس کا مقابلہ عرض البلد کے اوس اختلاف کے ساتھ کیا جائے جو مشاہدات فلکی سے حاصل ہو۔ اتصال نقاط کے لیے جو مقامات اس طور پر تجویز کیے گئے وہ ملوائزن اور سردون تھے۔ اول الذکر نواح پیرس مین واقع ہے۔ اور ثانی الذکر امینس کے قریب۔ اختلاف عرض البلد کی تعیین بُرج ذات الکرسی کے بُعد سمت الراس کے مشاہدہ سے کی گئی۔ پکارڈ کے طرز عمل مین دو امور خاص طور سے توجہ کے قابل ہین۔ اول تو

اس طریقہ کے عمل مین لانے وقت جو آلات استعمال کیے گئے اون مین دوربین بھی شامل تھی۔ ثانیاً اس سے جو نتایج مستنبط ہوے اُنہون نے جیسا کہ ہمین آگے چل کر معلوم ہوگا نیوٹن کے لیے اصول کشش ثقل کی ہمہ گیری کا ثبوت بہم پہنچایا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب کہ اصول علم الحرکات خصوصاً اُن اصول نے جو نیوٹن کے دریافت کیے ہوئے تھے یہ بات ثابت کردی تھی کہ چونکہ زمین ایک جرم دوار ہے لہذا اُس کی شکل کامل کرہ کی نہین ہوسکتی بلکہ شلجمی کروی یا مسطح الطرفین ہونی چاہیے یعنی ضرور ہے کہ وہ قطبین پر چپٹی ہو۔ اس سے لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ ایک درجہ کا طول خط استوا کے اطراف وجوانب کے مقابلہ مین قطبین کے قریب زیادہ ہونا چاہیے۔

"فرنچ اکاڈمی" نے فیصلہ کر لیا کہ پیکارڈ کے عمل کو وسعت دی جاے اور پیمایش کا سلسلہ ہر طرف قایم کر کے فرانس کا ایک ایسا نقشہ تیار کیا جاے جو نسبتہً زیادہ صحیح ہو۔ لیکن اس مقصد کی تکمیل ملتوا مین پڑی رہی اور کہین ۱۷۱۸ء مین جا کر فرانس کی شمالی حد یعنی ڈنکرک سے لیکر جنوبی حد تک کی پیمایشین ختم ہوئین۔ ان پیمایشون کی تاویل اختلاف آرا کا باعث ہوئی۔ بعض نے یہ خیال ظاہر کیا کہ ان پیمایشون سے کرہ زمین کا مستطیل الطرفین ہونا پایا جاتا ہے لیکن بعض کی راے اس کے خلاف تھی وہ ان پیمایشون کو زمین کے مسطح الطرفین ہونے کا ثبوت سمجھتے تھے۔ شکل اول کو عام طور پر لیمو سے تشبیہ دی جا سکتی ہے اور شکل ثانی کو نارنگی سے۔ اس اختلاف کا تصفیہ کرنے کے لیے حکومت فرانس نے "اکاڈمی" کی مدد سے دو علمی نفایض دائرہ نصف النہار کے ایک ایک درجہ کی پیمایش کے لیے خط استوا اور شمال کی طرف روانہ کیے۔ پہلا تفیصنہ پیرو کو گیا اور دوسرا سویڈن ولیپ لینڈ کی طرف۔ دونون جماعتون کو بہت کچھ دقتین اور زحمتین اٹھانی پڑین۔ لیکن شمالی جماعت نے جو لیپ لینڈ کو گئی تھی اپنا کام پیرو والی جماعت سے جو نو سال تک اپنے فرایض مفوضہ کی انجام دہی مین مصروف

رہی بہت پہلے ختم کرلیا۔ بہرحال دونون جماعتون کے نتائج کے مقابلہ سے معلوم ہوا
کہ کرۂ زمین مسطح الطرفین یعنی قطبین پر چپٹا ہے۔ اُس وقت سے لیکر اب تک اس
پیمایش کا نہایت وسیع اور صحیح پیمانہ پر بار بار اعادہ ہوتا رہا ہے۔ انگریزون نے انگلستان
اور ہندوستان مین پیمایش کی اور فرانسیسیون نے اوزان و پیمایجات کے طریقہ
مطریہ[۱] کو جاری کرتے وقت جو پیمایش کی وہ اپنی دقیقہ سنجی اور موشگافی کے
لحاظ سے خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے۔ اس پیمایش کو ڈلامبر اور مشائن نے
ڈنکرک سے شروع کرکے بارسلونا تک پہنچایا اور وہان سے بایٹ اور آراگو نے
اس کے سلسلہ کو جزیرہ فارمنٹیرا تک وسعت دی جو منارکا کے قریب واقع ہے۔
اس پیمایش کا طول ساڑھے بارہ درجہ تھا۔

پیمایش کے اس بلاواسطہ طریقہ کے علاوہ زمین کی شکل مختلف عروض البلد
مین ایک معینہ طول کے رقاص ساعت کے اہتزازات کی اختلاف تعداد سے
معلوم ہوسکتی ہے۔ ان اہتزازات سے اگرچہ نتائج سابقہ کی تصدیق و توثیق ضرور
ہوتی ہے لیکن پیمایش درجات کے مقابلہ مین ان کے ذریعہ سے زمین کی بیضیت
زیادہ بڑھی ہوئی قرار پاتی ہے۔ جون جون خط استوا قریب آتا جاتا ہے رقاص کی
اہتزاز یا ارتعاش مین آہستگی پیدا ہوتی جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس کا
فاصلہ زمین کے مرکز سے قطبین کے مقابلہ مین خط استوا پر زیادہ ہے۔

سب سے زیادہ معتبر و موثق پیمایش کی بنا پر زمین کی جسامت حسب ذیل اعداد

[۱] فرانسیسی اندازہ یہ تھا کہ ایک مطر قطب سے خط استوا تک کے درمیانی فاصلہ کا ایک لاکھوان حصہ ہو۔ یہ اندازہ تو عند التدقیق غیر صحیح ثابت ہوا لیکن پھر بھی دوسرے اندازون کے مقابلہ مین زیادہ صحیح ہونے کے باعث عام طور سے فاصلہ کا یہی پیمانہ علمی مقاصد کے لیے استعمال ہونے لگا ایک مطر ۳۹٫۳۷۰۷۹ انچ کے مساوی ہے۔ مترجم

مین ظاہر کی جا سکتی ہے ۔

قطر اکبر یا قطر استوائی ۷۹۲۵ میل

قطر اصغر یا قطر قطبی ۷۸۹۹ میل

دونون کا فرق یعنی انضغاط قطبین ۲۶ میل

یہ وہ نتایج ہین جو اس بحث سے پیدا ہوے کہ زمین کی شکل کیسی ہے اور جسامت کس قدر ہے ابھی یہ بحث ختم نہ ہونے پائی تھی کہ ایک اور بحث جس کے ساتھ اس سے بھی زیادہ اہم نتایج وابستہ تھے پیدا ہو گئی ۔ یہ بحث اس مسئلہ کے متعلق تھی کہ آفتاب اور دوسرے سیارون کے مقابلہ مین زمین کا درجہ اور حیثیت کیا ہے ۔

پروشیا کے ایک مہندس کوپرنیکس نے ۱۵۴۳ء مین ایک کتاب " ادوار اجرام فلکی " کے عنوان سے لکھی تھی ۔ جوانی کے زمانے مین اُس نے اٹلی کا سفر کیا تھا اور فن ہیئت کی تکمیل کے بعد روما مین ریاضیات کا درس بھی ایک عرصہ تک دیا تھا ۔ نظام بطلیموس و نظام فیثا غورث کا بہ امعان نظر مطالعہ کرنے کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچا تھا کہ نظام ثانی الذکر صحیح ہے اور اُس کی تصنیف کا مقصد اسی کی تائید و توثیق تھا ۔ چونکہ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اس کے خیالات حقایق الہامی کی نفی مطلق کرنے کے لحاظ سے اُسے مورد عتاب کلیسائے عیسوی بنائینگے ۔ لہذا اُس نے اپنی کتاب کا مقدمہ جسکا روے خطاب پاپاے پال ثالث کی طرف ہے حزم و احتیاط کی راہ سے معذرت کے پیرایہ مین اس طرح شروع کیا ہے کہ " مین نے صرف بطور تجربہ اس بات کے تحقیق کرنے کی جرأت کی ہے کہ اگر زمین کو متحرک فرض کر لیا جاے تو آیا یہ ممکن ہے کہ اجرام سماوی کی گردش کی جو توجیہات قدمانے کی ہین اُن سے کوئی زیادہ تر معقول توجیہ ہمارے ہاتھ آجاے ۔ قیاسات کے قایم کرنے کا حق ایک ایسا حق ہے جو دوسرون کو بھی اس سے پہلے عطا کیا جا چکا ہے ۔ اور مین نے بھی

اس کتاب کی تصنیف مین اسی حق سے فائدہ اُٹھایا ہے"۔

اس ڈر کے مارے کہ خدا جانے کتاب کے شایع ہوتے ہی کیا آفت اُس پر ٹوٹ پڑے اُس نے چھتیس سال تک اس اشاعت نہ کی اور اسی ششش وپنج مین رہا کہ ممکن ہے کہ مصلحت اسی مین ہو کہ جس طرح فیثاغورث اور دوسرے حکما اپنے معلومات کو سینہ بسینہ منتقل کرتے چلے آئے ہین اور اُن کے عقاید بجز اُن کے خاص خاص احباب کے اور کسی کو معلوم نہین ہوسے اسی طرح مین بھی اپنے اصول کی تلقین کا حلقہ اپنے دوستون تک ہی محدود رکھون اور آئندہ نسلون تک اُنھین بذریعہ روایت ہی پہنچاون لیکن آخر کار اپنے دوست پادری شومبرگ کے بجد اصرار پر اُس نے اسے ۱۵۴۳ء مین شایع کیا۔ جب مطبع سے اس کا ایک نسخہ چھپ کر اُسکے پاس پہنچا تو وہ بستر مرگ پر پڑا ہوا دم توڑ رہا تھا۔ کتاب کا حشر وہی ہوا جس کا اُسے ڈر تھا۔ "انکویزیشن" نے اسے ملحدانہ قرار دیا اور اُس حکم امتناعی مین جس کی رو سے اس کتاب کا پڑھنا جرم قرار دیا گیا نظام کوپرنیکس کی نسبت یون درافشانی کی گئی "یہ وہ باطل فیثاغورثی مذہب ہے جو کتب مقدسہ کی ضد ہے"

ہیئت دانون کا یہ قول بالکل درست ہے کہ کوپرنیکس کی کتاب نے علم ہیئت کی شکل ہی بدل ڈالی۔ اس نے نظریہ شمسی المرکز کے حق مین قول فیصل بن کر آفتاب کو نظام اجرام کا مرکز قرار دیا اس نے ثابت کر دیا کہ ثوابت کا فاصلہ زمین سے اس قدر ہے کہ ہمارا وہم وگمان بھی وہان نہین پہنچ سکتا اور زمین فضاے غیر متناہی مین بمنزلہ ایک چھوٹے سے نقطہ کے ہے۔ نیوٹن پر کوپرنیکس کو یہ تقدم حاصل ہے کہ اُس نے آفتاب قمر اور دوسرے اجرام سماوی مین کشش ثقل کا موجود ہونا تسلیم کیا۔ اگرچہ اس بات کے فرض کرنے سے وہ غلطی مین پڑ گیا کہ اجرام سماوی کی حرکت بشکل دائرہ ہونی چاہیے۔ یہ خیال کوپرنیکس کو دور مریخ کے مشاہدہ سے یہ دیکھ کر کہ مختلف اوقات مین اُسکے قطر کا طول مختلف ہوتا ہو پیدا ہوا تھا۔

نظام کوپرنیکس پر اس الزام کے لگانے مین کہ وہ کتب مقدسہ کے الہامی حقایق کی نفی کرتا ہے پیشوایان دین نے غالباً منطقیانہ استدلال سے کام لیا اُنھون نے یہ سوچا کہ اگر زمین کو جواب تک مرکز و مدار کائنات سمجھی جاتی تھی عظمت و جلال کی اس مسند سے نیچے اُتار دیا جائیگا اور ایسے کثیر التعداد اجرام فلکی کا وجود تسلیم کرلیا جاے گا جن مین سے بیشتر اُسکے ہم درجہ اور اکثر اُس پر فوقیت رکھتے ہین تو اس کے گویا یہ معنی ہونگے کہ زمین عنایات ایزدی کی مورد خاص نہین ہے۔ بیشمار ثوابت مین سے اگر ہر ایک بمنزلہ آفتاب ہو اور اُس کے گرد سیارے گھومتے ہون جن مین ہمارے جیسی مکلف اور ذمہ دار ہستیان آباد ہون تو اس سوال کا کیا جواب ہوسکتا ہے کہ ہمکو تو خیر بعد ہبوط خدا کے بیٹے کی قیمتی قربانی کے کفارہ کے ذریعہ سے نجات مل گئی لیکن اُن بیچارون کا کیا حشر ہوا ہوگا؟ کیا اُن مین کوئی ایسی قوم نہین جو ہماری طرح گناہ مین مبتلا ہوئی ہو یا ہوسکتی ہو؟ اور اگر ہے تو اُسکے لیے نجات دہندہ کہان سے آسکے گا؟

۱۶۰۸ء مین ہالینڈ کے ایک باشندے لپرشی نامی نے دریافت کیا کہ اگر بلور کے دو ٹکڑون کو ایک خاص طریقہ پر باہم ملایا جاے اور اُن مین سے دیکھا جاے تو دور کی چیزین بڑی ہوکر بہت صاف نظر آنے لگتی ہین۔ اسی ایجاد کا نام دوربین ہے۔ دوسرے سال فلارنس کے ایک باشندے گلیلیو کو جس نے ریاضیات اور علوم طبیعیہ پر کتابین لکھکر بہت بڑا نام پیدا کیا تھا یہ واقعہ معلوم ہوا۔ لپرشی کے ایجاد کیے ہوئے آلہ کی ترکیب کا اگرچہ اُسکو مطلق علم نہ تھا لیکن اُس نے اپنے لیے اُسی قسم کا ایک نیا آلہ اپنی ترکیب سے ایجاد کیا۔ رفتہ رفتہ اُس نے اپنی ایجاد کو ترقی دی۔ یہان تک کہ سب سے آخر مین جو دوربین اُس نے بنائی اُس مین اشیا تیس حصے بڑی ہوکر نظر آتی تھین۔ جب اسکے ذریعہ سے اُس نے چاند کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ سطح قمر پر زمین کی

طرح وادیاں اور پہاڑ موجود ہین - چنانچہ پہاڑون کا سایہ بھی اُسے نظر آیا ۔ زمانہ سابق مین یہ کہا جاتا تھا کہ عقد ثریا مین پہلے سات ستارے تھے ۔ لیکن ایک ستارہ نا معلوم طور پر غایب ہوگیا۔ دوربین لگا کر جب گلیلیو نے اس بُرج کو دیکھا تو بجاے سات کی چالیس ستارے نظر آئے ۔ غرض جس طرف اُس کی نظر پڑتی تھی نئے ستارے جو مجرد آنکھ کو نظر نہ آسکتے تھے دکھائی دیتے تھے ۔

۷ - جنوری سنہ ۱۶۱۰ع کی رات کو اُس نے تین چھوٹے ستارے ایک خط مستقیم مین سیارہ مشتری کے نزدیک دیکھے اور کچھ دن بعد ایک چوتھا ستارہ اور دیکھا ۔ ان ستارون کو اُس نے مشتری کے گرد گردش کرتے ہوئے پایا ۔ اور جب اُس کو یہ بات معلوم ہوئی کہ وہ ایک چھوٹے سے پیمانہ پر نظام کوپرنیکس کا نمونہ پیش کرتے ہین تو اُس کی خوشی کی کچھ انتہا نہ رہی -

ان عجائبات کا مشتہر ہونا تھا کہ تمام دنیا ادھر جھک پڑی - پادریون کے گھر مین بھی ان اکتشافات نے ہلچل ڈالدی ۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ اُن کے اس مذہبی اصول کا اب خدا ہی حافظ ہے کہ کائنات محض انسان کے فائدہ کی غرض سے پیدا کی گئی ہے ممکن نہ تھا کہ وہ بے شمار ثوابت جواب تک نظر سے مخفی تھے انسان کے دل مین یہ خیال نہ پیدا کرین کہ ان کے پیدا کرنے سے خدا کا مقصد یہی نہین ہے کہ انسان کو شب کے وقت روشنی پہنچائی جاے بلکہ اور ہی کچھ ہے -

نظام کوپرنیکس پر یہ اعتراض کیا جاتا تھا کہ اگر عطارد اور زہرہ آفتاب کے گرد دور زمین کے اندر گردش کرتے ہون تو ضرور ہے کہ اُن مین قمر کی طرح تبدلات نظر آئین اور زہرہ مین تو جس کی روشنی اور چمک دمک اس درجہ نمایاں ہے یہ تبدیلیاں اور بھی بین ہونی چاہئین - خود کوپرنیکس نے اس اعتراض کی معقولیت کو تسلیم کیا تھا اور اُس سے اس کا کوئی شافی جواب نہ بن پڑا تھا - گلیلیو نے جب دوربین لگا کر زہرہ کو دیکھا تو اُسے

معلوم ہوا کہ تبدلات متذکرہ حقیقت مین موجود ہین یعنی ایک وقت مین سیارہ ہلال تھا
پھر ماہ نیم ناہ ہوا اس کے بعد محدب التنویر ہوا یعنی اس کا تین چوتھائی حصہ روشن
ہوگیا۔ اور بالآخر بدر کامل بن گیا۔ کوپرنیکس کے زمانہ سے پہلے یہ خیال تھا کہ سیارے بذات
خود روشن ہین لیکن زہرہ اور مریخ کے تبدلات یعنی مدارج تنویر نے ثابت کر دیا کہ
وہ مستنیر ہین یعنی اُن کی تابانی آفتاب کی روشنی کا عکس ہے۔ ارسطو اور اُس کے
پیروون کے اس عقیدے کو کہ اجسام سماوی اجسام ارضی کی طرح فساد پذیر نہین ہین
گلیلیو کے ان اکتشافات نے سخت صدمہ پہنچایا کہ زمین کی طرح چاند مین بھی پہاڑ اور
وادیان ہین اور آفتاب بےعیب نہین ہے بلکہ اُس کا چہرہ داغدار ہے اور بجائے اس کے
کہ وہ شان و وقار کے ساتھ ایک جگہ قرار پذیر ہو اپنے محور کے گرد گھومتا رہتا ہے۔
نئے ستارون کے منظر نے بھی اس عقیدہ کو بہت کچھ متزلزل کر دیا تھا۔

ان دلفریب دوربینی اکتشافات نے اور بہت سی تحقیقاتون کے ساتھ ملکر نظام کوپرنیکس
کی صحت کو پایۂ ثبوت پر پہنچا دیا اور کلیسائے عیسوی کی تشویش و اضطراب کی کوئی انتہا
نہ رہی ادنیٰ درجہ کے جاہل پادری ان اکتشافات کو مکر و زور اور فریب التباس سے
تعبیر کرتے تھے۔ بعض کا یہ قول تھا کہ دوربین پر اجسام ارضی کے متعلق تو اعتبار کیا
کیا جاسکتا ہے لیکن اجرام سماوی کی حالت اس سے بالکل مختلف ہے۔ ان اجرام
کا جو علم ہمین بذریعہ دوربین ہوتا ہے وہ محض فریب نظر ہے۔ ایک گروہ ایسے بزرگ واران
کا بھی تھا جو یہ ارشاد فرماتے تھے کہ دوربین کی ایجاد ارسطو کے اس قول کی دوسری
شکل ہے کہ ستارے روز روشن مین ایک گہرے کنوئین کی تہ سے نظر آسکتے ہین۔
گلیلیو پر اس مقدس برادری نے التباس بدعت الحاد اور زندقہ کا الزام لگایا۔ اسی
علی سبیل ابرار اُس نے ایک خط پادری کیسٹیلی کے نام لکھا جس مین یہ ظاہر کیا کہ کتب
مقدسہ کی تنزیل کا منشا یہ نہین ہے کہ علمی مسائل مین اُن سے استناد کیا جائے

بلکہ اُن کا مقصد انسان کی اخلاقی رہبری ہے۔ مخالفت کی جو آگ پہلے ہی بھڑک رہی تھی اُس پر اس خط نے اور تیل ڈال دیا۔ مقدس محکمہ احتساب عقاید یعنی "انکوئزیشن" نے وارنٹ گرفتاری جاری کرکے گلیلیو کو پکڑ بلوایا۔ اس حکم نامہ مین اُس پر الزام یہ لگایا گیا تھا کہ وہ اس اصول کی تعلیم دیتا ہے کہ زمین سورج کے گرد گھومتی ہے۔ حالانکہ یہ عقیدہ کتب مقدسہ کی تعلیم کے بالکل خلاف ہے جب وہ اس دینی عدالت کے اجلاس مین حاضر ہوا تو اُس سے کہا گیا کہ اپنے ملحدانہ عقیدہ سے توبہ کرے ورنہ قید کر دیا جائیگا۔ اُس کو یہ حکم دیا گیا کہ کوپرنیکس کے اصول کی تائید اور تلقین سے باز آجائے اور آیندہ کے لیے عہد کرے کہ ان اصول کی حمایت و اشاعت مین حصہ نہ لیگا۔ چونکہ وہ خوب جانتا تھا کہ سچائی خود بخود ظاہر ہو کر رہتی ہے اور اُسے شہدا کی ضرورت نہین جو اپنی جان اُس پر قربان کرین لہذا اُس نے "انکوئزیشن" کے جابرانہ احکام کی تعمیل کا اقرار کرلیا۔ اور وعدہ کیا کہ جو کچھ اُسکو ہدایت کی گئی ہے اُس پر عمل کرے گا۔

اس کے بعد سولہ[۱۶] سال تک کلیسا کو چین سے سونا نصیب ہوا۔ لیکن ۱۶۳۲ء مین جب گلیلیو سے نہ رہا گیا تو اُس نے اپنی کتاب موسوم بہ "نظام عالم" شایع کر ہی دی۔ اس کتاب کا مقصد کوپرنیکس کے اصول کی تصدیق و توثیق تھا۔ اس کتاب کا شایع ہونا تھا کہ "انکوئزیشن" کے پیادے پھر دوڑے اور اس الزام مین کہ اُس نے آفتاب کے گرد زمین کے گھومنے کا دعویٰ کیا ہے وہ مکرر "انکوئزیشن" کے اجلاس مین حاضر کیا گیا۔ اور اس مقدس عدالت کے صدر نشین نے یہ فیصلہ صادر کیا کہ ملزم نے جرم الحاد و زندقہ کے ارتکاب سے اپنے آپکو اُن تعزیرات کا مستوجب قرار دیا ہے جو اس جرم کے ساتھ وابستہ ہین۔ اُسے مجبور کیا گیا کہ گھٹنون کے بل کھڑے ہو کر اصول حرکت زمین کے قائل ہونے سے توبہ کرے اور اُس پر لعنت بھیجے۔ اللہ اکبر! کس حد عبرتناک نظارہ ہے کہ ایک واجب التعظیم بزرگ کو جو علم و فضل مین اپنے اقران و اماثل کا سرتاج ہو

موت کی دھمکی دیکر اُن واقعات کے انکار پر مجبور کیا جارہا ہے جنھیں وہ خود تو صحیح سمجھتا ہی ہے مگر طرہ یہ ہے کہ خود اُس کی قسمت کا فیصلہ کرنے والے تک درست خیال کرتے ہیں۔ اس کے بعد گلیلیو قید مین ڈال دیا گیا جہان اپنی زندگی کے باقی دس سال اُس نے طرح طرح کی علقوبتوں اور سختیون کے ساتھ کاٹے اور جب اُس کا انتقال ہوا تو اُس کی لاش تک کو مسیحی قبرستان مین دفن نہ ہونے دیا گیا۔ اس واقعہ کی یاد سے ہماری آنکھون مین خون اتر آتا ہے۔ اُس عقیدے کے باطل ہونے مین کسے شک ہوسکتا ہے جسے اپنی تائید کے لیے اس قدر مکروفریب اس درجہ سفاکی اور وحشیانہ پن سے کام لینا پڑے۔ وہ عقاید جن کی حمایت "انکوئزیشن" نے اس شد ومد کے ساتھ کی تھی آج کل دن تمام مہذب دنیا مین استحقار واستہزار کی نظر سے دیکھے جاتے ہین۔

زمانۂ حال کے ایک بہت بڑے مہندس نے اس واقعہ پر نظرِ انتقاد ڈالتے ہوئے بیان کیا ہے کہ امر مابہ النزاع اس بحث مین ایسا تھا جس کے ساتھ انسان کو حد درجہ کی دلچسپی ہے۔ اس لیے کہ اس امر کے تصفیہ پر اُس کرہ کے مرتبہ اور حیثیت کا انحصار ہے جس مین ہم آباد ہین۔ اگر زمین کائنات کے وسط مین ایک جسم غیر متحرک وقایم ہو تو انسان کو یہ حق ہر طرح سے حاصل ہے کہ اپنے آپ کو صانع قدرت کی توجہ کا مہبط اکبر مان لے لیکن اگر زمین کی حقیقت اس سے زیادہ نہ ہو کہ وہ محض ایک سیارہ ہے جو آفتاب کے گرد گھومتا ہے اور نظام شمسی کے ارکان مین بھی اُس کا درجہ کچھہ بہت زیادہ قابل وقعت نہین تو اس کے معنی یہ ہون گے کہ وہ افلاک کی اُس غیر محدود عظمت مین جہان یہ نظام شمسی بھی باین ہمہ درخشانی و پہنائی بمنزلہ ایک نقطہ غیر محسوس کے ہے بالکل ہی غائب ہوجاے گی۔

نظام کوپرنیکس کی مسلمہ کامیابی کا دور تاریخ ایجاد دوربین سے شروع ہوتا ہے۔ اس ایجاد کے بعد زیادہ زمانہ نہ گزرنے پایا تھا کہ یورپ کے ہر ہیئت دان نے اس نظریہ کو

بطور اصول موضوعہ تسلیم کر لیا کہ آفتاب مرکز عالم ہے اور زمین اس کے گرد گردش کرنے کے علاوہ اپنی محور پر بھی گھومتی ہے۔ آفتاب کے گرد زمین کے گردش کرنے کے واقعہ کی تصدیق کے لیے اگر کسی مزید ثبوت کی ضرورت تھی تو وہ بریڈلی کے عظیم الشان انکشاف اختلال ثوابت سے بہم پہنچ گیا۔ ثوابت کے اس اختلال کا انحصار کچھ تو حرکت نور کے تدرج یا تسلسل پر ہوتا ہے اور کچھ زمین کی گردش پر۔ بریڈلی کا انکشاف بلحاظ اہمیت استقبال اعتدالین کی دریافت سے کم نہ تھا۔ تدرج حرکت نور کی تحقیقات جو رومیر کی دقت نظر کا نتیجہ ہے اگرچہ اول اول غلط سمجھی گئی۔ چنانچہ فانٹینل نے اس کو فریب نظر سے تعبیر کیا اور کیسینی[1] جیسے شخص نے اسے تسلیم نہ کیا لیکن رفتہ رفتہ تمام دنیا نے اس کی صداقت وحقیت کے آگے سر جھکا دیا۔

اس کے بعد ہیئت دانوں کو ابعاد نظام شمسی کے متعلق صحیح حالات دریافت کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ بلکہ اس مسئلہ کو اگر محدود شکل میں پیش کیا جاسے تو یہ کہنا درست ہوگا کہ انہوں نے یہ دریافت کرنا چاہا کہ زمین سے آفتاب کا فاصلہ کس قدر ہے۔

کوپرنیکس کے زمانہ میں مہندسین کا یہ خیال تھا کہ آفتاب کا فاصلہ پچاس لاکھ میل سے زیادہ نہیں ہوسکتا۔ بلکہ بعض کی رائے میں تو یہ اندازہ بھی بہت کچھ مبالغہ آمیز تھا۔ لیکن ٹائیکو براہی کے ارصادات پر نظر ثانی کرتے ہوئے کیپلر نے یہ نتیجہ نکالا کہ یہ اندازہ بہت کچھ اضافہ کا محتاج ہے۔ اور آفتاب کا فاصلہ ایک کروڑ تیس لاکھ میل سے کسی طرح کم نہیں ہوسکتا۔ ۱۶۷۲ء میں کیسینی نے ظاہر کیا کہ یہ اعداد بھی اصل سے بالکل مقارنت نہیں رکھتے۔ اصلی فاصلہ آٹھ کروڑ پچاس لاکھ میل ہے۔ علمائے ہیئت یہ پیشین گوئی کر چکے تھے کہ ۳ جون ۱۷۶۹ء کو سیارہ زہرہ کا مرور روئے آفتاب پر ہوگا اور بعد شمس

[1] اٹلی کا ایک مشہور ہیئت دان جسے لوئی چہاردہم شاہ فرانس نے رصدگاہ پیرس کا مہتمم مقرر کیا تھا۔ مترجم

کے اس اصولی مسئلہ کے حل کرنے مین مرور زہرہ سے جو مدد ملنے والی تھی اُس سے بھی وہ ناواقف نہ تھے۔ یورپ کی مختلف سلطنتون نے قابل تحسین مستعدی سے کام لے کر اس عظیم الشان واقعہ فلکی کے ارتصاد مین سرکاری طور پر مدد دی۔ چنانچہ یورپ مین پچاس ایشیا مین چھ اور امریکہ مین سترہ مقامات رصد بینی کے لیے تجویز کیے گئے۔ انگریزی حکومت نے کپتان کُک کو اس مقصد کی تکمیل کے لیے مامور کیا اور اُس نے وہ پہلا بحری سفر اختیار کیا جس کی شہرت کبھی نہ مٹے گی۔ کپتان کُک کی منزل مقصود اوٹاہیٹ تھی جہان پہنچ کر اُس نے ترصد کی تیاریان کرنی شروع کین۔ اُس کا سفر پوری طرح سے کامیاب ثابت ہوا اس لیے کہ آفتاب جب طلوع ہوا تو مطلع بالکل صاف تھا اور دن بھر صاف رہا۔ مرور کا وقت صبح کے ساڑھے نو بجے سے شروع ہو کر سہ پہر کے ساڑھے تین بجے ختم ہوا۔ اور کُک نے اپنی رصدگاہ سے تمام ارتصادات قابل اطمینان پر انجام دیے۔

لیکن مختلف مقامات کے رصدی نتائج کا جب مقابلہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ تطابق جو ان سب مین موجود ہونا چاہیے تھا مفقود ہے یعنی کم سے کم فاصلہ ۸ کروڑ اسی لاکھ اور زیادہ سے زیادہ فاصلہ دس کروڑ نو لاکھ میل قرار پاتا ہے اس تفاوت کی تنقید کے لیے مشہور و معروف مہندس انک نے ۱۸۲۲ء–۱۸۲۴ء مین ان مختلف ارتصادات پر نظر ثانی کی اور یہ نتیجہ نکالا کہ آفتاب کا زاویہ اختلاف منظر افقی یعنی اُس مثلث کا زاویۃ الراس جس کا قاعدہ نصف قطر ارض ہے اور دونون ساقین آفتاب پر جا کر ملتی ہین بقدر ۸ ۵۷۶/۱۰۰۰ ثانیہ کے ہے اور اس لیے زمین سے آفتاب کا فاصلہ نو کروڑ باون لاکھ چوہتر ہزار میل ہے اس کے بعد انہین ارتصادات کا تبصرہ ہنس نے کیا اور نتیجہ نو کروڑ سولہ لاکھ انسٹھ ہزار میل نکالا۔ ہنس کے بعد لیو ویری نے اپنے پیشرو کے نتیجہ پر ایک لاکھ میل کا اضافہ کیا آیٹری اور اسٹون ایک دوسرے طریقہ سے اس نتیجہ پر پہنچے کہ فاصلہ آفتاب نو کروڑ چودہ لاکھ میل ہے۔ البتہ اسٹون نے ارتصادات سابقہ کی تنقیح سے یہ رائے قایم کی

کہ حقیقی فاصلہ نو کروڑ ستر لاکھ تیس ہزار میل ہے۔ سب سے آخر میں فوکا اور فیزو نے طبیعی تجربات سے جو سرعت رفتار نور کے اندازہ پر مبنی تھے اور اس لیے بلحاظ نوعیت اُن مشاہدات سے بالکل مختلف تھے جن کا انحصار مرور زہرہ پر تھا یہ نتیجہ نکالا کہ فاصلہ آفتاب نو کروڑ چودہ لاکھ میل ہے۔ تاوقتیکہ سال آیندہ (۱۸۸۲ء) کے مرور کے نتایج معلوم نہ ہون یہی تسلیم کرنا چاہیئے۔ کہ آفتاب سے زمین کا فاصلہ نو کروڑ بیس لاکھ میل سے کسی قدر کم ہے[۱]

اس فاصلہ کے معلوم ہو جانے کے بعد نظام شمسی کے ابعاد و مقادیر کا اندازہ آسانی اور صحت کے ساتھ لگایا جا سکتا ہے۔ صرف اس قدر بیان کر دینا کافی ہوگا کہ نیپچون جو نظام شمسی کا بعید ترین سیارہ معلومہ ہے آفتاب سے بمقابلہ زمین تیس گنا زیادہ دور ہے۔

ان اعداد کی مدد سے ہم اس مسئلہ کے متعلق صحیح راے قایم کرنے کی قابلیت پیدا کر سکتے ہین کہ کائنات انسان کے لیے پیدا کی گئی ہے۔ آفتاب پر سے اگر دیکھا جاے تو زمین ایک نقطۂ موہوم رہ جاتی ہے گویا خاک کا ایک ذرہ بے مقدار ہے جو اُس کی شعاعون مین رقص کر رہا ہے۔ اگر ناظرین اس بارہ مین زیادہ تر صحیح اندازہ قایم کرنا چاہتے ہون تو وہ اس کتاب کو نگاہ سے گز بھر کے فاصلہ پر رکھ کر اس کی عبارت کے کسی نقطہ کو دیکھین یہ نقطہ زمین کی اُس سطح سے جو دیکھنے والے کو آفتاب پر سے نظر آے گی۔ مقدار مین کئی سو حصہ بڑا ہے۔

پس کیا حقیقت ہو سکتی ہے ایک ایسے جزو لایتجزّا الطبیعی ایک ایسے ذرہ بے مقدار کی اُس ان گنت دنیاؤن کی غیر محدود کائنات مین جس کی پہنائی کا اندازہ کرتے ہوے دماغ دیوانہ ہوا جاتا ہے؟ اگر یہ ذرہ ناچیز اپنی جگہ سے ہٹا بھی دیا جاے بلکہ معدوم بھی ہو جاے تاہم کوئی فرق موجودہ حالت مین پیدا نہین ہو سکتا۔ کیا ہستی ہے اُن انسانی اجسام کے

[۱] تازہ ترین اکتشافات نے اس اندازہ مین کسی قدر ترمیم کی ہے اور اس وقت کہ ۱۹۰۸ء ہے مہندسین عالم کے نزدیک یہ امر متفق علیہ ہے کہ سورج کا فاصلہ زمین سے نو کروڑ اُنتیس لاکھ میل ہے۔ مترجم۔

لایتجزی کی جو دس ارب سے بھی زیادہ کی تعداد مین اس سی قریب قریب نہ نظر آنے والی ذرہ خاک پر آباد ہین اور جن مین سے لاکھون صفحہ روزگار سے ایسے مٹین گے کہ گویا اُنکا کبھی نام ونشان ہی نہ تھا۔ کیا حقیقت ہے انسان کی یا اُس کے رنج وراحت کی؟

جب نظام کوپرنیکس کے اصول کی عام طور سے اشاعت ہوئی تو موافقین ومخالفین سبھی نے اس پر طرح طرح کے اعتراض کیے۔ چنانچہ ایک اعتراض ہالینڈ کے مشہور ہیئت دان ٹائکو برہی نے بھی کیا جو دراصل ارسٹارکس نے فیثاغورث کے مذہب پر کیا تھا یعنی اگر زمین حقیقت مین سورج کے گرد گھومتی ہو تو مناظر ثوابت کی سمت مین تغیر پیدا ہونا چاہیئے ایک وقت خاص مین ہمکو بقدر دور زمین کے قطر کی مسافت سے افلاک کے ایک مقام معینہ سے زیادہ قرب حاصل ہوتا ہے بہ نسبت اُس قرب کے جو ہمین چھ مہینے پہلے حاصل تھا لہذا ثوابت کی ہیئت اعتباری پر اس قرب وبعد کا اثر پڑنا چاہیئے اور اُن کے مناظر مین تغیر واقع ہونا چاہیئے یعنی جون جون ہم اُنکے قریب آتے جائین وہ جدا جدا نظر آنے چاہئین اور جون جون ہم اُن سے دور ہوتے جائین وہ آپس مین ملے ہوئے نظر آنے چاہئین یا باصطلاح ہیئت ان ستارون کا سالانہ زاویہ اختلاف منظر ہونا چاہیئے۔ کسی ستارہ کا زاویہ اختلاف منظر وہ زاویہ ہے جو اُن دو خطوط کے ملنے سے پیدا ہوتا ہے جو اس سے علی الترتیب سورج اور زمین کی طرف کھینچے جائین۔

جس زمانہ کا ہم ذکر کر رہے ہین زمین سے سورج کا فاصلہ بہت کم خیال کیا جاتا تھا۔ اگر اُس وقت یہ معلوم ہوتا جیسا کہ اب معلوم ہے کہ یہ فاصلہ نو کروڑ میل سے بھی زیادہ ہے یعنی دور زمین کا قطر اٹھارہ کروڑ میل سے اوپر ہے۔ تو اعتراض متذکرہ بالا بلاشبہ نہایت قوی سمجھا جاتا۔

اس اعتراض کا جواب ٹائیکو کو یہ دیا گیا کہ چونکہ اجرام سماوی کا زاویہ اختلاف منظر اسی نسبت سے گھٹتا جاتا ہے جس نسبت سے کہ ان کا فاصلہ بڑھتا جاتا ہے لہذا ممکن ہے

کہ کوئی ستارہ اس قدر دور و دراز فاصلہ پر ہو کہ اسکا زاویہ اختلاف منظر محسوس و معلوم ہی نہ ہو سکے۔ یہ جواب آگے چل کر صحیح ثابت ہوا۔ ثوابت کے زوایائے اختلاف منظر کا معلوم ہونا آلات پیمایش زوایا کی ترقی پر منحصر تھا اور جب اس قسم کے آلات ایجاد ہو گئے تو ان زاویوں کی پیمایش آسان ہو گئی۔

ستارہ الفا قنطورس جو ثوابت مین سب سے زیادہ نزدیک خیال کیا جاتا ہے نصف کرہ جنوبی کا ایک روشن دُہرا ستارہ[1] ہے۔ اس کا زاویہ اختلاف منظر جو بقدر ¾ ثانیہ کے ہے سب سے پہلے ہنڈرسن اور مکلیر نے بمقام راس امید ۳۳-۱۸۳۲ء مین دریافت کیا تھا اس حساب سے گویا یہ ستارہ ہم سے آفتاب کی بہ نسبت دو لاکھ تینتیس ہزار گنا زیادہ دور ہے اس کی سطح سے اگر آفتاب کو دیکھا جائے تو خواہ قرص آفتاب دور زمین کے مساوی ہی کیون نہو یعنی اس کا قطر خواہ اٹھارہ کروڑ میل ہی کیون نہ ہو پھر بھی وہ محض ایک نقطہ دکھائی دے گا یہ ستارہ اور اس کا ہمزاد اپنے مشترک مرکز ثقل کے گرد اکیاسی سال مین گھومتا ہی جس سے معلوم ہوا کہ ان دونون کا متفقہ جرم آفتاب کے جرم سے کم ہے۔

ستارہ ۶۱ سگنی کا تعلق ثوابت طبقہ سادس سے ہے۔ یہ ستارہ بھی دہرا ہے۔ اس کا زاویہ اختلاف منظر جو بیسل نے ۱۸۳۸ء مین دریافت کیا تھا ½ ثانیہ کے قریب ہے۔ اس حساب سے اس کا فاصلہ سطح زمین سے آفتاب کے فاصلہ کی بہ نسبت پانچ لاکھ حصہ بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے۔ یہ ستارہ اور اس کا ہمزاد اپنے مشترک مرکز ثقل کے گرد پانچ سو

[1] دوربین مین دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض ثوابت مضاعف ہین۔ اس کی توجیہ اول اول اس طرح کی گئی تھی کہ ممکن ہے کہ دو ثوابت تقریباً اُسی خط مستقیم پر واقع ہون جس پر زمین واقع ہے اور اس لیے بظاہر دُہرے نظر آتے ہون مگر مسلسل ارتصادات سے یہ بات پایہ تحقیق کو پہنچ گئی ہے کہ یہ دہرے ثوابت آپس مین اسی طرح مربوط و منوط ہوتے ہین جس طرح ارض و قمر اور ایک کوکب دوسرے کوکب کے گرد جو اُس کا ہمزاد ہے ایک وقت معینہ مین گھومتا ہے۔ مترجم

بیس سال مین گھومتا ہے۔ ان دونون کا متفقہ وزن تقریباً وزن آفتاب کے ایک ثلث کے مساوی ہے۔

ستارہ سیریئس جو اپنی چمک دمک کے لحاظ سے آسمان مین سب ثوابت سے زیادہ نمایان ہے الفا قنطورس سے بھی چھ حصہ زیادہ دور ہے اس کا قطر غالباً ایک کروڑ بیس لاکھ میل ہے اور جو نور کی شعاعین اسکے جرم سے نکلتی ہین وہ تابانی ودرخشانی مین سورج کی روشنی سے دوسو حصہ زیادہ ہین لیکن دوربین مین سے دیکھنے پر بھی اُس کا قطر ناپا نہین جا سکتا بلکہ وہ ایک نہایت چمکتی ہوئی چنگاری کی شکل مین نظر آتا ہے۔

پس ثوابت نہ صرف بلحاظ ظاہری عظمت کے ایک دوسرے سے مختلف ہین بلکہ باعتبار جسامت اصلی بھی ان مین تفاوت پایا جاتا ہے۔ جیساکہ آلہ اسپکٹروسکوپ (مقیاس الوان نور منشوری) سے معلوم ہوتا ہے ترکیب کیمیاوی وطبعی کے لحاظ سے بھی اُن مین بہت بڑا اختلاف پایا جاتا ہے۔ یہ آلہ اُن تغیرات کے ظاہر کرنے سے جو ثوابت کی شعاع نور کی قابلیت انکسار وانحراف مین پیدا ہوتی رہتی ہین اُن کے دوران عمر کی کیفیت پر بھی روشنی ڈال رہا ہے۔ ہم دیکھ چکے ہین کہ قریب ترین ستارہ ہم سے اتنا دور ہے کہ اس کے فاصلہ کی پیمایش کرنا قریباً محال ہے لیکن ہمارے قیاس کی یہ ابھی پہلی منزل ہے۔ کائنات فلکی مین ایسے ثوابت بھی ہین جن کی روشنی کی شعاعون کو ہماری زمین تک پہنچنے مین ہزارہا بلکہ شاید لکھوکھا سال کی مدت صرف ہوئی ہے[۱]۔ جب خود ہمارے ہی نظام شمسی کی حدود ہماری بڑی سے بڑی دوربین کی رسائی سے باہر ہین تو اُن نظامات کا تو ذکر ہی کیا جو ان حدود سے پرے واقع ہین۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیائین خاک کے ذرون کی طرح فضا کے میدان نامتناہی مین پھیلی ہوئی ہین۔

---

[۱] اور جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ روشنی کی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی ثانیہ ہے تو اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ان شموس بازغہ کا فاصلہ زمین سے کس قدر ہوگا۔ مترجم

کیا یہ عظیم الشان اجرام جن میں سے ہزارون لاکھون کا فاصلہ ہم سے اس قدر دور ہے کہ مجرد نگاہ دوربین کی مدد کے بغیر اُن کو دیکھ تک نہین سکتی اسی لیے پیدا کیے گئے ہین کہ ہم اُن کی روشنی سے مستفید ہون؟ اور جیسا کہ ہمارے پیشوایان دین ارشاد فرماتے ہین کیا ان روشن وتابناک کواکب کی تخلیق کا منشا بجز اس کے اور کچھ نہین کہ وہ انسان کو روشنی پہنچا ئین؟ کیا اُن کے جرم کی عظمت اور جسامت کی پہنائی سے یہ ثابت نہین ہوتا کہ جس طرح ان مین سے ہر ایک قوت کا مرکز ہے اسی طرح اسے حرکت کا بھی مرکز ہونا چاہیے؟ بہ الفاظ دیگر کیا اُن کا وجود اس امر پر دال نہین ہے کہ وہ شموس ہین جن مین سے ہر ایک جداگانہ نظام عالم کا مبداء تکوین ہے؟[۵]

[۵] علامہ شبلی نعمانی اپنی کتاب "الکلام" مین ایک مقام پر یورپ کے تمدن کے مہات اصول پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہین کہ "انسان کی تمام ترقیون کی پہلی بنیاد یہ ہے کہ وہ یہ خیال کرے کہ وہ اعلیٰ ترین مخلوقات ہے اور تمام کائنات مین جو کچھ ہے وہ اسی لیے ہے کہ انسان اس سے تمتع اٹھائے" یہ لکھ کر مولانا فرماتے ہین کہ "سب سے پہلے قرآن مجید نے اس اصول کی تعلیم کی" اور ان آیات کو اپنے دعوے کے ثبوت مین پیش فرماتے ہین۔

(۱) لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔

(۲) وسخر لکم ما فی السموات وما فی الارض جمیعا۔

ہمین ڈر ہے کہ ڈریپر اور اُس کے ہم خیال مولانا کے اس دعوے کو بلا ترمیم تسلیم کرنے مین متامل ہون گے کائنات سے اگر مولانا کی مراد کرہ ارض سے ہے تو یقیناً انسان اس خیال مین حق بجانب ہے کہ وہ اعلےٰ ترین مخلوقات ہے اور تمام کائنات مین جو کچھ ہے وہ اسی لیے ہے کہ انسان اس سے تمتع اٹھائے۔ لیکن اگر کائنات کے مفہوم مین وہ اُن کروڑون روشن وتابناک دنیاؤن کو بھی داخل کرتے ہین جن کے وجود پر جناب باری کی عظمت وحکمت بے پایان گواہ ہے اور جن کا ثبوت انسان باوجود اپنی بوالعجبی عقلی کے دینے پر قادر ہوگیا ہے تو ڈریپر کے اس سوال کا معقول جواب شاید پیش نہ کیا جاسکے گا کہ کیا ان دنیاؤن

ابھی ان واقعات کا علم بہت ہی ناقص تھا بلکہ یون کہنا چاہیے کہ اس علم کا وجود سراپردہ تخئیل سے باہر نہ نکلا تھا کہ اٹلی کا ایک باشندے گارڈینو برونو نامی لے جو کوپرنیکس کی وفات سے سات سال بعد پیدا ہوا ایک کتاب کائنات اور دنیاؤن کے عدیم النہایت ہونے پر لکھی چند کتابین اور بھی اُسکی تصنیف سے ہین۔ مثلاً "اپونگ کا نورسیشنس آن ایش وڈنسڈے"

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۴۵ - کا جو ہم سے اس قدر فاصلہ پر ہین کہ مجرد نگاہ د بلامدد دوربین اونہین دیکھہ تک نہین سکتی بجز اس کے اور کوئی منشا نہین کہ ہم اُن سے تمتع اٹھائین۔ اور اُن کے نور سے مستنیر ہون؟

قرآن مجید مین جو صرف کرہ ارض کے باشندون کی اخلاقی رہبری کے لیے نازل کیا گیا ہے اور جس کا روے سخن صرف اُن ذی عقل و فہیم ہستیون کی طرف ہے جو نظام شمسی کے اس تیسرے رکن پر آباد ہین یہ دعویٰ کہین نہین کیا گیا کہ کائنات فلکی کا منشا بجز انسان کو فائدہ پہنچانے کے اور کچھ نہین ثوابت و سیار کی تخلیق سے اور جو مقاصد جناب باری کے پیش نظر ہون گے وہ تو بجز اُس کے اور کون جان سکتا ہے لیکن اگر ان مین سے بعض کا ذیلی وضمنی مقصد یہ بھی ہو کہ کرۂ ارض کے مکین اُن کے نور سے مستنیر ہون تو اس سے دوسرے مقاصد کی نفی نہین ہوتی۔ اسی لیے اُس عام فہم پیرایہ مین جو جناب باری انسان کے دل مین اُس جذبہ احسان مندی وشکر گزاری کے برانگیختہ کرنے کے لیے اختیار کرتا ہے جو عبد کو معبود کے ساتھ وابستہ کیے ہوئے ہے اُس نے کہین تو یہ کہا ہے کہ چاند سورج اور ستارے تمہین روشنی دیتے ہین کہین یہ کہا ہے کہ خدا نے کائنات سماوی کو تمہارا تابع کر دیا ہے۔ لیکن ان الفاظ کی حکمت آفرین جامعیت پھر بھی اس قابل اعتراض دعوے کی گرد سے اپنے دامن کو کمال دقیقہ رسی کی راہ سے بچا گئی ہے کہ کائنات فلکی کا منشا بجز انسان کے افادہ کے اور کچھ نہین۔ وسخر لکم ما فی السموات سے یہی مراد نہین ہے کہ وہ تمام اجرام روشن وتاریک جو فضاے بسیط مین پھیلے ہوئے ہین بلحاظ سود مندی انسان کے تابع کر دیے گئے ہین بلکہ ان الفاظ کا صریح مطلب یہ ہے کہ خدا نے انسان کو وہ عقل دقیقہ سنج عطا فرمائی ہے جس کی بدولت اوسے اُس کائنات کے پوشیدہ اسرار معلوم ہو گئے جہان وہ جسم کے ساتھ نہ پہنچ سکتا تھا تسخیر جسمانی ہی نہین ہوتی بلکہ عقلی وذہنی بھی ہوتی ہے اور یہی اس کا درجہ کمال ہے۔ کیا دوربین کے ذریعہ

(اسمار اربعار الرماد) جس مین نظام کوپرنیکس کی حمایت کی گئی تھی۔ اور "دمی ون سول کاز اٹ تھنگز" (وحدت علت العلل)۔ ان تصانیف پر ایک اور رسالہ کا بھی اضافہ کیا جا سکتا ہے جو اوس نے علی سبیل التمثیل لکھا اور ۱۵۸۴ء مین شایع کیا۔ اس رسالہ کا نام "دمی اکسپلشن آف دی ٹرایمفنٹ بیسٹ" (نفخ متمدوحشی کا اخراج) تھا۔ اس کے علاوہ ہئیت دانون کی آیندہ نسلون کے لیے اُس نے ایک جدید تارے کے متعلق اپنے مشاہدات فلکی کو سپرد قلم کیا۔ یہ ستارہ ۱۵۷۲ء مین دفعتہً برج ذات الکرسی مین نمودار ہوا اور اُس کی تابانی و درخشانی روز بروز بڑھتی گئی۔ یہان تک کہ باقی تمام کواکب اُس کے سامنے ماند پڑ گئے۔ یہ ستارہ روز روشن مین بھی صاف نظر آتا تھا۔ ۱۱ نومبر کو اُس کی چمک زہرہ کی منتہا ے درخشندگی کے برابر ہو گئی۔ مارچ ۱۵۷۳ء مین اُس کا شمار ثوابت طبقہ اولین مین ہونے لگا۔ چند مہینے تک اُس نے مختلف رنگ بدلے اور مارچ ۱۵۷۴ء مین غائب ہو گیا۔

کیپلر کے زمانہ (۱۶۰۴ء) مین جو ستارہ دفعتہً برج ثعبان مین نمودار ہوا تھا ابتداءً زہرہ سے بھی زیادہ درخشان تھا۔ اس نے ایک سال سے زیادہ عمر پائی اور پھر ارغوانی زرد و سرخ مختلف رنگ بدلتا ہوا فنا ہو گیا۔

ابتداءً برونو کا یہ قصد تھا کہ اپنی زندگی کلیسا کی خدمت گزاری کے لیے وقف کر دے چنانچہ ڈامینیکن فرقہ کے راہبون مین وہ داخل بھی ہو گیا تھا لیکن مسئلہ عشاے ربانی اور مسئلہ حبل بلا دنس یعنی امکان استقرار حمل بحالت دوشیزگی پر غور کرنے سے اُس کا ایمان مبدل بہ شکوک ہو گیا۔ چونکہ اُس نے اپنے خیالات کو پوشیدہ رکھنے کی کوشش نہین کی لہذا اُسے بہت جلد پیشوایان دین کا مورد عتاب ہونا پڑا اور اُن کے پنجہ عقوبت سے بچنے کے

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۴۶ سے الفا قنطورس کا اکتشاف کچھ کم تسخیر آسمان ہے جو ہم کو یہ دعوی کرنے کی ضرورت ہو کہ ہمس ازغ سس کی روشنی ہماری مجرد نگاہ کو بمشکل نظر آتی ہے اس غرض سے ہارا تابع کیا گیا ہے کہ ہم کو روشنی پہنچائے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار - مترجم۔

لیے اول سوئٹزرلینڈ پھر فرانس پھر انگلستان پھر جرمنی مین پناہ لینی پڑی - لیکن انکویزیشن کے خونخوار تازی کتے جن کی قوت شامہ بلا کی تیز تھی برابر اُسکے پیچھے لگے رہے - اور آخر جب وہ اٹلی واپس آیا تو اُسکا کھوج لگاکر رہے - وینس مین وہ گرفتار کیا گیا اور پاپا ہی کے جیل خانہ مین چھ سال تک اس سختی سے قید رکھا گیا کہ نہ اُسے لکھنے کے لیے قلم دوات کاغذ دیا جاتا تھا نہ پڑھنے کے لیے کوئی کتاب دی جاتی تھی اور نہ اُس کے کسی دوست کو اجازت تھی کہ اس قید تنہائی مین آکر گھڑی دو گھڑی کے لیے اُس سے ملے اور اس کا غم غلط کرے -

برونو نے زمانہ قیام انگلستان مین متعدد عوالم پر لکچر دیے تھے اور اپنی سب سے زیادہ مشہور کتابین بزبان اطالوی تصنیف کی تھین - پادری یہ دیکھ دیکھ کر اور بھی کھسیانے ہوتے تھے کہ وہ جہان جاتا تھا اُن کی ریاکاری اور بد باطنی کی پردہ دری کرتا تھا اور علے رؤس الاشہاد یہ کہتا پھرتا تھا کہ اہل مذہب کے تشکک پر مداہنت اور منافقت کا ملمع چڑھا ہوا ہے اُن کے ظاہر اور باطن مین بُعد المشرقین ہے اور اُن کے عقاید زور والتباس اور نفاق دریا کی اُس متنزل بنا پر قایم ہین جسے اخلاق حسنہ یا ایمان بالغیب چھو بھی نہین گیا ہے - "اسمار ار بعار الرباد" مین اُس نے اس بات پر زور دیا تھا کہ تنزیل کا مقصد سائنس کی تعلیم ہرگز نہین ہے بلکہ اُس سے محض خلایق کی ہدایت مقصود ہے - اناجیل مقدسہ ہیئت یا طبیعات کے مسائل کے متعلق ذریعہ استناد نہین ہوسکتین خصوصاً ان کی یہ تعلیم تو بالکل ہی غلط اور ناقابل قبول ہے کہ زمین ایک سطح مستوی ہے جو ستونون پر قایم ہے اور آسمان ایک قبہ جامد ہے جو فردوس کا صحن ہے - برونو کہتا ہے کہ ان پادرہوا تاویلات کو پس پشت ڈال کر ہمین تسلیم کرنا چاہیئے کہ کائنات غیر محدود و لامتناہی ہے جو منیر و غیر شفاف دنیاؤن سے معمور ہے اور ان دنیاؤن مین سے اکثر آباد ہین - ان مسایل پر غور کرتے کرتے وہ اس نتیجہ پر پہنچا تھا کہ ابن رشد کے خیالات حقیقت سے دور نہین ہین ضرور ہے کہ ایک ایسی عقل کل موجود ہو جس نے اس تمام کائنات مین جان ڈال رکھی ہے

اور جس کا یہ عالم ظاہری محض ایک شبہ یا مظہر ہے۔ اس عقل کی قوت اس کائنات ظاہری کی تکوین و قیام کا باعث ہے اور اگر یہ قوت ہٹ جائے تو تمام چیزین معدوم ہو جائین۔ اسی حاضر و ناظر اور ساری دوائر عقل کل کا نام خدا ہے جو تمام چیزون مین خواہ وہ زندہ نظر نہ بھی آتی ہون موجود ہے اور ہر شے مین ترکیب پذیر ہونے اور زندگی قبول کرنے کی صلاحیت ہر وقت پائی جاتی ہے۔ پس خدا تمام موجودات کی علت واحد اور اُس کا مدار علیہ ہے۔

اس لحاظ سے فلاسفہ مین برونو کا درجہ ابن رشد اور اسپائنوزا کے بین بین ہے اسپائنوزا کا یہ مذہب تھا کہ خدا اور کائنات ایک ہی وجود کے دو مختلف نام ہین۔ ہر واقعہ قدرت کے ایک غیر تغیر پذیر قانون کے اقتضا سے مجبوراً پیش آتا ہے۔ اور خدا شئ اصل کائنات موجود فی الاصل غیر متغیر اور غیر ممکن الاندفاع توانائی کے اقتضا سے لازمی حرکات یا افعال کا ایک سلسلہ پیدا کرنے مین ہر وقت مصروف ہے۔

پیشوایان مذہب کے مطالبہ پر برونو وینس سے روما کو منتقل کیا گیا اور اس الزام کی پاداش مین کہ وہ ملحد ہی نہین بلکہ راس الملاحدہ ہے "انکوئزیشن" کے محبس مین قید کیا گیا۔ سب سے بڑا الزام اوس پر یہ تھا کہ وہ تعداد عوالم جیسے ناپاک مسئلہ کا قایل ہے جو کتب مقدسہ کے سیاق اور آیات الہامی خصوصاً اُن آیات سے تناقض کلی رکھتا ہے جنھین انسان کی سبیل نجات سے تعلق ہے۔ دو سال تک قید کاٹنے کے بعد وہ حاضر عدالت کیا گیا اور حکام عدالت نے اُس پر فرد قرارداد جرم لگا کر اُسے مسیحی برادری سے خارج کر دیا اور جب مقدس عدالت کے اِس حکم کی تعمیل سے اُس نے ازراہ غایت شرافت نفس انکار کیا کہ اپنے گناہ سے توبہ کرے تو کارفرمایان قضا و قدر یعنی حکام "انکوئزیشن" نے اس سفارش کے ساتھ اُسے دنیوی حکام کے سپرد کر دیا کہ اُسے نہایت نرمی سے سزا دی جائے اور یہ خیال رکھا جائے کہ اُس کے خون کا ایک قطرہ بھی نہ گرنے پائے۔" عدالت "انکوئزیشن" کے اس خوفناک فقرہ کا مطلب ایسے موقعون پر یہ ہوا کرتا تھا کہ مجرم کو آگ مین زندہ جلا دیا جائے۔ چونکہ برونو اچھی طرح جانتا تھا کہ اُس کے

دشمن اگرچہ اُس کے جسم کو فنا کر سکتے ہین۔ لیکن اُس کے خیالات کی اشاعت کو نہین روک سکتے۔ لہذا اُس نے اپنے ججون سے مخاطب ہو کر کہا کہ تمہارے اس فیصلہ کو سن کر میرے قلب پر اُس خوف کا عشر عشیر بھی طاری نہین ہوا جو خود تمہارے دل مین اس کے صادر کرتے وقت پیدا ہوا ہوگا۔ اس فیصلہ کی تعمیل ۱۶؍ فروری سنہ ۱۶۰۰ء کو ہوئی اور برونو زندہ جلا دیا گیا۔

اُن بے شمار شہدا کے مصایب و نوایب کی یاد ہمارے دلون مین رحم و ہمدردی پیدا کیے بغیر نہین رہ سکتی جنھین محض اپنے مذہبی عقاید کی وجہ سے فریق مخالف کے متعصب ہاتھون آگ مین جلنا پڑا ہے۔ لیکن ان مین سے ہر ایک کو آخری وقت مین جبکہ اُسکی روح بصد درد و کرب جسم سے علیحدہ ہو رہی تھی ایک بہت بڑی زبردست طاقت کا سہارا تھا۔ اُن کو اس بات کا پورا یقین تھا کہ اس دنیا مین گو اُن کی زندگی مصیبت سے کٹی اور عقبی کی دہلیز پر قدم رکھتے وقت بھی اُنہین گرفتار عذاب الیم ہونا پڑا لیکن دوسری دنیا مین پہنچتے ہی اُن کا رنج مبدل بہ راحت ہو جائے گا اور اُن کی تکالیف لذت ہاے جاودانی سے تبدیل ہو جائین گی۔ موت کی بھیانک اور اندھیری وادی مین سے گزرتے وقت شہید کو کم از کم یہ اطمینان قلب تو میسر ہوتا ہوگا کہ ایک رحیم و شفیق نظرون سے پوشیدہ ہستی اُس کی رہنما بن کر اُسے ابدی زندگی کی روشن اور پر فضا منزل مین صحیح و سلامت لے جائے گی۔ لیکن برونو اس سہارے سے بھی محروم تھا۔ وہ فلسفیانہ عقاید جن کی خاطر اُس نے اپنی جان دی اُس کے لیے کسی طرح موجب تسکین و تشفی نہ ہو سکتے تھے۔ اس لیے ضرور تھا کہ مرتے دم تک اُس کو اپنی قوت بازو ہی پر بھروسہ ہو اور وہ کسی کی تائید سے سروکار نہ رکھے۔ کیا اس بے یار و مددگار شخص کی استقامت عزم کو دیکھ کر جو تن تنہا ایک تاریک مکان مین اپنے خونریز اور بے درد ججون کے سامنے محض اُس اصول کی تائید کے لیے بے دھڑک کھڑا ہوا ہے جسے وہ صحیح سمجھتا ہے۔ ہمارا جی بے اختیار اُس کی تعریف کرنے کو نہین چاہتا؟ [۵]

[۵] اگر ہکو یقین ہو کہ وہ خدا کی ہستی کا منکر تھا تو ہم ہرگز اُسکے معرف نہین ہو سکتے۔ انسان ضعیف البنیان کا

ڈرائنگ روم میں نہ کوئی الزام لگانے والا موجود ہے نہ گواہ حاضر ہے نہ وکیل نظر آتا ہے۔
بلکہ محکمہ مقدس کے صرف کارندے ہیں جو سیاہ لباس پہنے دبے پاؤں موت کے سایہ کی
طرح نقل و حرکت کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں نیچے کے زمین دوز حجروں میں شکنجہ
رکھا ہوا ہے اور مجرموں کو انواع و اقسام کے عذاب دینے کے شیطانی آلات اور ان آلات
کے سفاک استعمال کرنے والے پاس ہی موجود ہیں۔ ملزم سے صرف اس قدر کہا جاتا ہے
کہ اُس کی نسبت ملحدانہ عقاید رکھنے کا قوی شبہ ہے۔ پس کیا وہ اس بات پر طیار ہے کہ
اپنے قصور کا اعتراف اور اپنے گناہوں سے توبہ کرے لیکن جن عقاید کو وہ صحیح سمجھتا ہے اُن
سے وہ نہ ابا کر سکتا ہے اور نہ کرتا ہے بلکہ پہلے کی طرح اپنے ایذا دہندوں سے کہتا ہے کہ
دل میں تم بھی انہیں باتوں کے قایل ہو جن کو صحیح سمجھنے کی پاداش میں اس وقت تم مجھے
سزا دے رہے ہو۔ ایک تو تصویر کا یہ رُخ ہے جس میں شرافت نفس ہمت مردانہ۔ استقامت
غیر متزلزل اور استعصام بالحق کے خط و خال صاف صاف نظر آرہے ہیں تصویر کا اگر دوسرا
رخ دیکھنا منظور ہو تو تاریخ عالم کی پندرہ صدی پہلے کا ایک ورق لوٹو۔ سردار کاہن کیافس
کے مکان کا ایک کمرہ ہے۔ انگیٹھی میں آگ دہک رہی ہے مرغ صبح اذان دے رہا ہے۔

لہ نوٹ صفحہ ۲۵۰۔ جس کی حقیقت اس عالم لامتناہی کی بے پایانی میں ایک جزو لایتجزی سے زیادہ نہیں
ہے عقل غیر محدود پر جس کے کرشمے ہر وقت اُس کی نظر کے سامنے ہیں بھروسہ نہ کرکے اپنی عقل محدود پر تکیہ کیے
رکھنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ باغی اور سرکش ہے اور بغاوت اور سرکشی سے کسی کو بھی ہمدردی نہیں ہو سکتی لیکن
برونو جیسا کہ خود مصنف کو اعتراف ہے دہریہ نہ تھا۔ وہ خدا کی ہستی کا قایل تھا۔ یہ اور بات ہے کہ وہ خدا کو
بشکل اقانیم ثلثہ نہ مانتا ہو لیکن وہ اس کا تو قائل تھا کہ ایک ایسی عقل کل ضرور موجود ہے جس نے اس تمام کائنات
میں جان ڈال رکھی ہے اور جس کا یہ عالم ظاہری محض ایک رشحہ یا مظہر ہے وہ اسی عقل کو تمام موجودات کی علت
واحد تو مانتا تھا۔ جس شخص کا یہ عقیدہ ہو وہ خدا کا منکر نہیں سمجھا سکتا اور اسلیے ہمیں بمصداق من قال لا الہ
الا اللہ فدخل الجنہ اُس کی نجات میں شک نہیں۔ مترجم۔

اور خداوند خدا حسرت بھری نگاہوں سے پلٹ کر پطرس کی طرف دیکھ رہے ہیں[۵]"(لوقا باب بست ودوم آیت ۶۱) خدا کی شان ہے کہ کلیسا کو برونو کے ساتھ اس طرح کے سلوک کرنے کا حق جس کی بدولت حاصل ہوا وہ خود پطرس کی ذات ہو !!

لیکن شاید وہ دن قریب آرہا ہے جبکہ آیندہ نسلیں پادریوں کے اس گناہ عظیم کا کفارہ ادا کرینگی۔ اور برونو کا مجسمہ کلیسائے سینٹ پیٹر واقع روما میں نصب ہو کر بے نقاب کیا جائے گا۔

---

[۵] یہ اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کے حواری پطرس نے جو مسیحی دنیا میں سینٹ پیٹر کے لقب سے ملقب ہے کمال کور نمکی و بیدردی و ناشناسی کی راہ سے اپنے آقا سے اعراض کیا تھا۔ پطرس کو آپ کی وفاداری کا بڑا دعوی تھا اور جب آپ نے ایک دفعہ اُس سے کہا کہ تو میرا منکر ہوگا اور اُس نے اس پر اپنی خیر خواہی جتانی چاہی تو آپ نے کہا کہ ایک ہی دفعہ نہیں بلکہ تین دفعہ۔ چنانچہ یہ قول سچ ہو کر رہا۔ جب حضرت مسیح یہودیوں کے معاندانہ اغوا سے رومی عدالت کے سامنے لائے گئے اور پطرس سے جو بطور گواہ حاضر تھا دریافت کیا گیا کہ تو اس شخص کو جانتا ہے تو ان حضرت نے جواب دیا کہ میں نہیں جانتا۔ تعجب ہے کہ باوجود اس کے نصرانیت میں پطرس کا اتنا بڑا مرتبہ کیوں ہے۔ مترجم۔

ساتواں باب

نزاع دربارہ عمر زمین

بائبل کی رو سے زمین کی عمر صرف چھ ہزار سال ہونا اور اس کا ایک ہفتہ کی مدت مین بنایا جانا۔ پادریون کے علم التاریخ کا انبیاء سلف کی عمرون پر مبنی ہونا۔ بائبل کے مختلف نسخون مین مختلف تخمینون کی وجہ سے تناقض۔

قصہ طوفان نوح۔ رو سے زمین کا از سرنو آباد ہونا۔ منارہ بابل۔ اختلاف السنہ انسان کی قدیمی زبان۔

کیسینی کا یہ اکتشاف کہ سیارہ مشتری مسطح الطرفین ہے۔ نیوٹن کا یہ اکتشاف کہ کرہ ارض مسطح الطرفین ہے۔ اس اکتشاف سے اس نتیجہ کا استخراج کہ زمین نے حرکات دوری کے سانچے مین ڈہل کر موجودہ شکل اختیار کی ہے۔ اصحاب آبی کی طبقات الارضی تحقیقات سے اس نتیجہ کی تصدیق۔ آثار اجسام ذوی الاعضا سے اس نتیجہ کی مزید توثیق۔ زمین کی عمر کا اندازہ کرنے مین مدت ہاے مدید کے تسلیم کرنے کی ضرورت۔ مسئلہ پیدایش کی جگہ مسئلہ ارتقا لے لیتا ہے۔ اکتشافات دربارہ قدامت انسان۔

کائنات کے پیمانہ زمان و مکان کا غیر محدود ہونا۔ زمین کی عمر کی بحث مین افراط و تفریط سے احتراز۔

کائنات مین جو درجہ کرۂ ارض کو حاصل ہے اُسکی حقیقت کا اعتراف ایک طول وطویل کشمکش کے بغیر نہ ہو سکا۔ کلیسا نے اس کی مخالفت مین ناخنون تک کا زور لگایا اور اپنے

عقاید کے برقرار رکھنے کی کوشش مین لوگون کو سزا سے موت تک دی - لیکن اُس کی تمام کوششین رائگان گئین - نظام کوپرنیکس کی تائید مین نا ممکن التردید شہادتون کا انبار لگ گیا - آخر کار تمام دنیا نے بالاتفاق اس حقیقت کو تسلیم کرلیا کہ آفتاب اُس نظام کا جس کو انسان سے تعلق ہے مرکزی جرم ہے اور زمین کا شمار اُن سیارون مین ہے جو آفتاب کے گرد گھومتے ہین اور ان مین بھی زمین سب سے بڑی نہین ہے -

چونکہ اس بحث کا سبق کلیسا کو نہ بھولا تھا لہذا جب مسئلہ عمر عالم کی جدید بحث پیش ہوئی تو پادریون نے اُس شدید مخالفت کا اظہار نہ کیا جو پہلی بحث کے وقت اُن کی طرف سے ظاہر ہوئی تھی - اس مین شک نہین کہ کلیسا کی روایات کے ایوان مین اس نئی بحث نے پھر تزلزل ڈال دیا لیکن پیشوایان دین کی راے مین یہ حملہ سختی مین پہلے حملہ کی بہ نسبت بمراتب کم تھا - چنانچہ حامیان مذہب اس موقع پر یہ کہتے ہوئے پائے گئے کہ زمین کو اس کے تخت عظمت و جلال سے نیچے اُتار دینا تو یہ معنی رکھتا ہے کہ حقایق الہامی کی بنیاد مین سرنگ لگا دی جاے البتہ تاریخ تکوین عالم پر بحث کرنے کی اجازت خاص حدود کے اندر دی جا سکتی ہے - لیکن اہل مناظر ان حدود سے بہت جلد تجاوز کر گئے اور اس لیے یہ جدید بحث بھی ویسی خطرناک ہو گئی جیسی پہلی بحث ثابت ہوئی تھی -

تکوین عالم کے مسئلہ کے متعلق افلاطون نے اپنی کتاب "ٹائمیس" مین فریق مقابل کو حسب ذیل مشورہ دیا تھا:-

"مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہم اور آپ جو آخر انسان ہین اس امر کو ذہن نشین رکھین کہ روایات مذہبی کے احتمالات مین مزید تفحص سے احتراز کرنا ہی اولیٰ ہے"

لیکن اُس زمانہ مین جس کا ہم ذکر کر رہے ہین اس مشورہ پر کاربند ہونا ممکن نہ تھا - سینٹ اگسٹائن کے زمانہ سے سائنس کے ہر مسئلہ کی سند کتب مقدسہ مین ڈھونڈی جانے لگی تھی اور اہل مذہب نے آیات انجیل سے تاریخ اور جغرافیہ کے ایسے ایسے خیالی نکات کا استخراج کیا

تھا جنھون نے حقیقی علم کی چلتی گاڑی مین روڑے اٹکا دیے تھے۔

ہم اس مقام پر پادری صاحبون کی ان تاریخی و جغرافیائی معلومات کا جن کا دارومدار آیات انجیل پر ہے صرف سرسری سا حوالہ دینے پر اکتفا کرین گے۔ ان کی خصوصیات ایسی ہین جن کے پہچاننے کے لیے زیادہ تفصیل و وضاحت کی ضرورت نہین ہے۔ چونکہ انجیل مین یہ لکھا ہوا تھا کہ دنیا چھ دن مین بنائی گئی اور ساتوین دن جو یوم السبت ہے خدا نے آرام لیا اور ایک دن خدا کے نزدیک بمنزلہ ہزار سال کے ہے لہذا مقدس مورخون نے یہ استدلال کیا کہ دنیا کی عمر کل سات ہزار سال کی ہوگی جس مین سے چھ ہزار سال تو مصیبت مین کٹین گے اور ایک ہزار سال کا زمانہ عیش و راحت اور سکون و اطمینان مین بسر ہوگا۔ عام طور سے یہ تسلیم کر لیا گیا تھا کہ حضرت مسیح کی ولادت کے وقت دنیا کی عمر چار ہزار سال تھی لیکن یورپ سنین عالم کے مطالعہ کی طرف سے اس درجہ غافل اور بے پروا تھا کہ ۵۲۲ء سے پہلے اسے سن عیسوی کے قایم کرنے کا خیال تک نہ آیا۔ اس زمانہ مین روما کے ایک پادری ڈایونیسس اکسیگوئس کو یہ فروگذاشت محسوس ہوئی اور اس نے بجاے عام بت پرستانہ سن کے موجودہ عیسوی سن کو رواج دیا۔

قدیم ترین واقعات عالم کے سنین کا اندازہ لگانے مین اُن تخمینون سے کام لیا گیا جو زیادہ تر انبیاے سلف کی عمرون پر مبنی تھے اور اس طور پر اعداد مین جو نواقص پیدا ہوے اُن کی تطبیق مین بے حد دقتین پیش آئین۔ فن انتقاد سے تو اُس زمانہ کے اصحاب جس سے ہمین بحث ہے مطلقاً بیگانہ تھے اور اسی لئے حضرت موسیٰ کو اُن صحائف کا حامل تسلیم کر لیا گیا جو اُن سے منسوب ہین۔ لیکن اگر یہ مان بھی لیا جاے کہ حضرت موسیٰ ان صحایف کے مصنف تھے تو اس اجتماع ضدین کی کیا تاویل ہو سکتی ہے کہ وہ ایسے واقعات کے راوی ہین جن مین سے اکثر اُن کی ولادت سے دو ہزار سال قبل پیش آچکے تھے توراۃ کا ہر حصہ بادی النظر مین الہامی نہ سمجھا جا سکتا تھا اس لئے کہ اس کو تحریف سے بچانے

کی کوئی تدبیر اختیار نہ کی گئی تھی۔ مختلف نسخون مین جو زمانہ کی دست برد سے بچے بچاے باقی چلے آتے تھے بہت کچھ اختلاف تھا۔ مثلاً سامری نسخہ مین پیدائش یعنی آفرینش عالم سے طوفان تک کا زمانہ ایک ہزار تین سو سات سال درج تھا عبرانی نسخہ مین یہ مدت ایک ہزار چھ سو چھپن سال تھی۔ حالانکہ نسخہ سبعینیہ مین یہی مدت دو ہزار دو سو تریسٹھ سال مذکور تھی۔ نسخہ سبعینیہ مین پیدائش سے حضرت ابراہیمؑ تک کا زمانہ عبرانی نسخہ کے مقابلہ مین ڈیڑھ ہزار سال زیادہ تھا۔ لیکن اس اندازہ مین ان سب کا اتفاق تھا کہ واقعہ طوفان پیدائش سے تقریباً دو ہزار سال بعد پیش آیا اور اس پر جب اور دو ہزار سال گزر گئے تو حضرت مسیح تولد ہوئے۔ جن لوگون نے اس مضمون کی اچھی طرح سے چھان بین کی تھی اُن کا یہ قول تھا کہ حضرت مسیح کی تاریخ ولادت کے بارے مین ایک سو تیس مختلف اقوال موجود ہین اور ایسی حالت مین کتب مقدسہ کے شمار واعداد پر پورا بھروسہ کرنا قرین مصلحت نہین ہے اس لیے کہ مختلف نسخون کے اختلافات ظاہر کر رہے ہین کہ خدا نے خود صحیح نسخہ کی حفاظت نہین کی نہ کوئی ایسا نشان یا علامت موجود ہے جس سے انسان کو معلوم ہو سکے کہ فلان نسخہ صحیح اور غیر محرف ہے[۱]۔ وہ بھی نسخے بھی جنھین خاص وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے ایسی ایسی غلطیون سے بھرے پڑے ہین جن کا اعتراف کیے بغیر چارہ نہین۔ مثلاً نسخہ سبعینیہ مین درج ہے کہ میتھوسیلا طوفان کے بعد بھی بقید حیات موجود تھا جو ایک صریح غلطی ہے۔

یہ خیال عام طور سے پھیلا ہوا تھا کہ دنیا سے قبل طوفان ہین سال تین سو ساٹھ دن کا ہوتا تھا اور دائرے کو تین سو ساٹھ درجون مین تقسیم کرنے کی ابتدا اسی سے ہوئی۔ لیکن جب

---

[۱] اس کے مقابلہ مین قران مجید کو دیکھو جس کا ایک ایک حرف ایک ایک لفظ ایک ایک سطر کسی تحریف یا ترمیم یا تغیر کیے بغیر وہی ہے جس کا القا حضور سرور کائنات پر ہوا تھا اور جس کو دست برد روزگار سے بچانے کا وعدہ خداوند جل وعلے نے خود ان الفاظ مین کیا ہے۔ "وانا لہ لحافظون"۔ مترجم۔

طوفان آیا تو آفتاب کی حرکت مین تغیر واقع ہوگیا اور سال کی مدت بقدر پانچ دن اور چھہ گھنٹے کے بڑہ گئی۔ بعض پیشوایان دین کی یہ راے تھی کہ دنیا کا یہ عظیم الشان واقعہ ۱۶۵۶ آفرینش عالم مین نومبر کی دوسری تاریخ کو پیش آیا۔ ڈاکٹر وہسٹن جن کی دقت نظری اور دقیقہ سنجی کو اس تاریخ مین تھوڑی سی غلطی محسوس ہوئی۔ ازراہ غایت تدقیق وتحکیم فرماتے ہین کہ اس واقعہ کی اصلی تاریخ ۲ نومبر نہین بلکہ ۲۸ نومبر ہے۔ بعض بزرگوارون کا یہ خیال تھا کہ طوفان سے پہلے قوس قزح دیکھنے مین نہین آئی تھی بلکہ طوفان کے فرو ہونے کے بعد اول اول بطور ایک آسمانی نشان کے ظاہر کی گئی۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ کشتی نوح سے باہر آنے کے بعد آدمیون کو گوشت کھانے کی اجازت ملی۔ اور طوفان سے پہلے انسان نباتات خوار تھا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ طوفان کی وجہ سے روے زمین پر کوئی نمایان جغرافیائی تبدیلی نہین ہوئی۔ اس لیے کہ حضرت نوح نے اپنی اُن معلومات کے بھروسے پر جو اُنھین قبل طوفان حاصل تھین زمین کو اپنے تین بیٹون کے درمیان تقسیم کر دیا یعنی یورپ یافث کو دیا۔ ایشیا سام کو اور افریقہ حام کو۔ چونکہ اُنہین امریکا کے وجود کا علم نہ تھا اس لیے اُس کے از سر نو آباد کرنے کی کوئی گنجایش نہ نکالی۔ حضرت نوح کے ان سعادتمند فرزندون نے اپنے والد ماجد کے حکم کی تعمیل بسر وچشم کی اور دل مین مطلق یہ ہراس لائے بغیر کہ جن خوفناک ویرانون مین ہم جا رہے ہین وہان ہو کا عالم چھایا ہوا ہے اور طوفان کی وجہ سے جو دلدلین پیدا ہو گئی ہین وہ خشک بھی نہین ہونے پائین اپنے اپنے مفوضہ مقبوضات مین نو آبادیان قایم کرنے کے لیے روانہ ہو گئے۔

ستر سال مین ایشیائی خاندان کے بال بچون کی تعداد بڑہ کر کئی سو ہو گئی یہ سب کے سب دشت نوردی وبادیہ گردی کرتے ہوئے مسوپوٹیمیا مین جا پہنچے تھے۔ جہان اُنہون نے کسی مصلحت سے جس کا علم ہمین نہین ہے[ل] ایک مینارہ تعمیر کرنا شروع کیا جس کی

[ل] مصلحت ظاہر ہے کہ بجز اس کے اور کیا ہو سکتی تھی کہ آیندہ جب طوفان آئے تو کشتی کی ضرورت نہ پڑے بلکہ

چوٹی کو وہ آسمان تک پہنچانا چاہتے تھے۔ یوسیبئس رقم طراز ہے کہ اس مینارہ کی تعمیر کا کام چالیس سال تک جاری رہا۔ اس وقت خدا نے دفعتاً اُن کی زبانوں میں اختلاف پیدا کر دیا اور وہ مجبوراً مینارے کا کام چھوڑ کر روئے زمین پر منتشر ہو گئے۔ سینٹ امبروز ارشاد فرماتے ہیں کہ اس اختلاف السنہ کا باعث انسانی طاقت نہ تھی۔ اور آریجن کا قول ہے کہ فرشتے بھی اس اختلاف کی تکمیل نہ کر سکے بلکہ خود خدا نے اس قوم کی زبانوں کو بدل ڈالا۔

اختلاف السنہ کی بنا پر علمائے مذہب نے انسان کی ابتدائی زبان کے متعلق عجیب وغریب قیاس آرائیوں سے کام لیا ہے۔ ایک گروہ ایسے علما کا ہے جن کا یہ خیال ہے کہ حضرت آدمؑ کی زبان مطلقاً اسما پر مشتمل تھی اور یہ اسما واحد الہجا تھے۔ جب اسمائے کثیر الہجا کی اشاعت و ترویج ہوئی تو زبان میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ان بزرگواروں نے یہ رائے قایم کرتے وقت اُن متعدد مکالمات کو نظر انداز کر دیا جن کا ذکر کتاب پیدائش میں موجود ہے۔ چنانچہ خدا نے حضرت آدم اور سانپ نے حضرت حوا سے جو گفتگو کی اُس کی روداد توراۃ میں تمام وکمال مندرج ہے۔ اس گفتگو میں کلمہ کی سبھی اقسام واصناف پائی جاتی ہیں۔ بہر حال یہ امر متفق علیہ تھا کہ انسان کی ابتدائی زبان عبرانی تھی۔ اور جن اصول پر پادریوں کے علوم وفنون کا انحصار تھا اُن کی رو سے یہی مناسب بھی تھا۔

کلیسائے یونان کے پادریوں نے یہ اندازہ لگایا تھا کہ جب اختلاف زبان کی وجہ سے اقوام میں تفرقہ پڑا تو بابل کی آبادی بہتّر قوموں میں منقسم ہو گئی اور اس اندازہ سے سینٹ آگسٹائن کو بھی اتفاق ہے۔ لیکن عقل سلیم کو اس تخمینہ کے صحیح تسلیم کرنے میں جن دقتوں کا سامنا تھا وہ اپنا رنگ لائے بغیر نہ رہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر سٹکفرڈ نے اپنی

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۵۷۔ یہ لوگ مینارے کی چھت پر جا بناہ لیں۔ مترجم

قابل قدر کتاب مین جو "عالم کی تواریخ پاک ونجس کا مقابلہ" کے نام سے شایع ہوئی ہے متذکرہ بالا تمام مباحث پر نظر انتقاد ڈالتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ ان بہتر اقوام مین سے ہر ایک کی آبادی مرد عورت بچے سب ملا کر اکیس بائیس نفوس سے زیادہ کسی حالت مین نہ ہو سکتی تھی۔

شہور وعوام کے اس تاریخی تخمینہ مین جو انبیا و اولیاے سلف کی عمرون پر مبنی تھا سب سے زیادہ قابل غور بات ان بزرگون کی عمرون کی غیر معمولی اور فوق العادت طوالت تھی۔ عام خیال یہ تھا کہ طوفان نوح سے پہلے مزاج کائنات مین دائمی اعتدال پایا جاتا تھا باغ عالم مین ہر وقت بہار جلوہ گر رہتی تھی اور قدرت کے انقلابات وتغیرات مفقود تھے۔ لیکن طوفان کے بعد پیمانۂ عمر لقدر لغدن سے خالی ہو گیا۔ اور حضرت زبور کے زمانہ مین انسان کی عمر کا اوسط اور بھی گھٹ کر ستر سال تک پہنچ گیا جو آج کے دن تک قایم ہے۔ چونکہ طوفان کے وقت زمین کا محور اپنی جگہ سے ٹل گیا لہذا موسمون مین سختی پیدا ہو گئی اور صیف وشتا وبرشکال کے اشتداد کو طوفان کے واقعہ ہائلہ کی آن تھمہ گیر ملاؤن نے اور زیادہ بڑہا دیا جن کی وجہ سے سطح زمین ایک وسیع دلدل بن گئی اور خون مین احتراق اور اعصاب مین استرخا پیدا ہو گیا۔

انبیاے سلف اور قرون اولی کے شیوخ قبائل کے عمرون کی حیرت انگیز طوالت سے جو مشکلات استقرا کو پیش آتی تھین اُن سے بچنے کے لیے بعض علماء دین نے تاویل کا یہ پہلو اختیار کیا کہ کتب مقدسہ مین جن سنین کا ذکر کیا گیا ہے وہ شمسی سال نہ تھے بلکہ قمری سال تھے اس تاویل نے اُن بزرگوارون کی عمر کو اگرچہ آج کل کی مدت حیات کے برابر کر دیا۔ اور ایک مشکل رفع ہو گئی لیکن ایک دوسری بہت بڑی مشکل یہ آن پڑی کہ پانچ چھہ سال ہی کی عمر مین وہ سن بلوغ کو پہنچ کر صاحب اولاد بھی ہو گئے۔

پیشوایان کلیسا نے مقدس سائنس کو جن معارف وحقائق کا منبع قرار دیا ہے اُن کا

التقاط ذیل کے مہمات المسائل کی شکل مین کیا جا سکتا ہے :-

(۱) تاریخ پیدایش یعنی تکوین عالم کو کچھ بہت زیادہ عرصہ نہین ہوا یعنی ظہور مسیح علیہ السلام سے یہی کوئی چار یا پنچ ہزار برس پہلے (۲) عالم کو پیدا کرنے مین چھہ معمولی دنون کی مدت صرف ہوئی۔ (۳) طوفان عالمگیر تھا اور جو حیوانات اسکی تباہی سے بچے وہ ایک کشتی کے ذریعہ سے محفوظ رہے (۴) حضرت آدم پیدایش کے وقت اخلاق اور عقل مین کامل تھے لیکن اس پایہ عقل و اخلاق سے اُنہین گناہ نے گرا دیا۔ اور اُن کی اولاد و احفاد کو اُن کی معصیت و ہبوط مین شریک ہونا پڑا۔ ان کے علاوہ اور بھی بعض مسائل ایسے پیش کیے جا سکتے ہین جو کلیسا کی فہرست عقاید مین شامل ہین۔ ان مین سے دو مسائل ایسے تھے جن کی حقیقت پر پیشوایان دین عیسوی کو اصرار کیے بغیر مفر نہ تھا۔ اول یہ کہ آفرینش عالم کو کچھ بہت زیادہ زمانہ نہین گزرا۔ مسیحیت کی بقا کے لیے یہ عقیدہ لازمی تھا اسلیے کہ آفرینش کا زمانہ جس قدر بعید ہوگا اُسی قدر خدا کے عدل و انصاف کو ثابت کرنے کے لیے زیادہ قوی دلایل کی ضرورت عاید ہوگی جس نے بنی نوع کے ایک حصہ کثیر کو اُس کی قسمت کے حوالہ کر کے نجات کی نعمت صرف اُنہین چند نفوس کو بخشی جو ظہور مسیح کے بعد یعنی عالم کے دور آخر مین پیدا ہوئے مسیحیت کا دوسرا رکن اعظم یہ تھا کہ حضرت آدم پیدایش کے وقت انسان کامل تھے یہ عقیدہ وہ مسئلہ ہبوط و مسئلہ نجات کی تاویل کے لیے نہایت ہی ضروری تھا۔

اس سے ظاہر ہے کہ علماے دین عیسوی ہر اُس کوشش کی مخالفت پر مجبور تھے جو اس بات کے ثابت کرنے کے لیے عمل مین لائی جائے کہ زمین کی ابتدا ایک ایسی دور و دراز زمانہ مین ہوئی جسکا بُعد زبانی کسی تعیین نہین ہے اور مسلمانون کے اس قیاس کو وہ کسی طرح بنظر استحسان نہ دیکھ سکتے تھے کہ انسان طبقہ سافل کی اشکال حیوانی کی ترقی یافتہ صورت ہے یعنی قرنہا قرن تک بتدریج نشو و نما پاکر موجودہ درجہ کو پہنچا ہے۔

عبارت مذکور الصدر جن مہملات و لغویات و اضداد سے معمور ہے اُن سے اس مقدس

سائنس کی حقیقت روز روشن کی طرح آشکارا ہے۔ اور عجب نہین کہ ہمین بھی وہی راسے ظاہر کرنی پڑے جو بیچارسے ڈاکٹر سٹکفرڈ نے جن کا حوالہ ہم نے اوپر دیا ہے اس علم پاک کے نواقص مین شان توافق و معقولیت پیدا کرنے کی بےسود کوششون کے بعد مجبوراً ان الفاظ مین ظاہر کی ہے کلیسا کے پیشوایان قرن اولی کی نسبت ہم اس سے زیادہ اور کیا کہہ سکتے ہین کہ اُن کی نیکو کاری مین شک نہین لیکن اُن کی معلومات تبحر سے عاری تھین[۱] روایات مقدسہ کی رو سے خدا زمین کی ترکیب و تنظیم کی بلا واسطہ علت ہے۔ روایات مذکور کو آفرینش عالم مین علل ثانیہ کی مداخلت سے انکار ہے۔

علم ترکیب کائنات کا زمانہ کیسینی کے اس دوربینی انکشاف سے شروع ہوتا ہے کہ سیارہ مشتری کرہ نہین ہے بلکہ ایک مسطح القطبین جرم بیضوی ہے۔ علم الحرکات والحیل نے ثابت کردیا کہ اس قسم کی شکل ایک مادہ قابل الجبل کی گردش کا لازمی نتیجہ ہے اور گردش جس قدر زیادہ تیز ہوگی اُسی قدر جرم دوار کے قطبین زیادہ مسطح ہون گے بالفاظ دیگر اُسکے استوائی حصے باہر کو زیادہ نکلے ہوے ہون گے۔

علم الحرکات ہی کے اصول کی بنا پر نیوٹن نے حکم لگایا تھا کہ کسی قدر ترمیم کے ساتھ زمین کی بھی اسی طرح کی شکل ہونی چاہیے۔ منطقہ استوائیہ کا انتفاخ و اندلاع یعنی پچک کر باہر کو نکلا ہوا ہونا استقبال اعتدالین کا باعث ہے جسکے دور کی تکمیل پچیس ہزار آٹھ سو اڑسٹھ سال مین ہوتی ہے اور اسی اندلاع سے محور زمین کا اہتزاز پیدا ہوتا ہے جسے بریڈلی نے دریافت کیا تھا۔ اس سے پہلے ایک مقام پر ہم لکھ چکے ہین کہ زمین کا قطر استوائی قطر قطبی سے بقدر چھبیس میل کے زیادہ ہے۔

---

[۱] ڈاکٹر سٹکفرڈ کے اس خیال کو خان بہادر مولانا اکبر حسین صاحب الہ آبادی نے ازراہ ستم ظریفی ذرا زیادہ تفسیم کے ساتھ اس طرح ظاہر کیا ہے:-

کچھ شک نہین کہ حضرت واعظ ہین خوب شخص — یہ اور بات ہے کہ ذرا بے وقوف ہین

مترجم

زمین کی تسطیح قطبین سے دو واقعات منکشف ہوتے ہین اول یہ کہ وہ زمانہ سابق مین جابل دلتین یعنی بصورت خمیرہ رہ چکی ہے دویم یہ کہ وہ حرکت کے سانچے مین ڈھلی ہے اور اس لحاظ سے گویا اُسکی ترکیب مین کسی علت ثانیہ نے حصہ لیا ہے۔

قوانین حرکات دحیل کا یہ اثر کرۂ زمین کی ترکیب خارجی وظاہری ہی مین نمایان نہین ہے یعنی اس اثر نے اُس کے قطبین کی تسطیح اُس کی بیضویت اور اُسکی حرکت دواری ہی مین حصہ نہین لیا بلکہ اگر اُن اجزا کا معائنہ کیا جائے گا جن سے زمین مرکب ہے تو یہی اثر اُن مین بھی نظر آئے گا۔

اگر ہم احجار آبی کے طبقہ کو جانچین تو معلوم ہوگا کہ اُس کا دَل کئی میل کا ہے لیکن اس واقعہ سے انکار نہین ہوسکتا کہ ان چٹانون کے التام وانطباق کا عمل بہت آہستہ آہستہ ہوا ہے جس مادہ سے یہ چٹانین مرکب ہین وہ قرنہا قرن پہلے کے اجزاے ارضی کی تحلیل وتشعیث سے حاصل ہوا ہے جنہین نالون اور ندیون کے بہاؤ نے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرکے از سر نو تہ بہ تہ جما دیا۔ اس قسم کا عمل تحلیل وانطباق ہماری آنکھون کے سامنے ہو رہا ہے لیکن تا وقتیکہ مدت ہاے مدید منقضی نہ ہو جائین کوئی نمایان اثر اس سے مترتب نہین ہوسکتا۔ پانی کی روانی کے عمل سے مٹی کے اجزاے تحلیل شدہ کی جو تہ کسی دریا کے دہانہ پر جم جاتی ہے اُس کی موٹائی ایک صدی مین چند انچ سے زیادہ نہین ہوتی۔ پس اسی قسم کی جس تہ کی موٹائی کئی ہزار گز ہو اُسکے انطباق مین کس قدر زمانہ صرف ہوا ہوگا؟

مصر کے ساحل کی ہیئت ترکیبی کا علم انسان کو دو ہزار سال بلکہ اس سے بھی پہلے سے ہے۔ اس زمانہ مین اُن اجزاے ارضی نے جنھین دریاے نیل کی موجین اپنے ساتھ بہالائی رہی ہین اس ساحل مین ایک نمایان اضافہ کرکے بحر روم کو کچھ دور پیچھے ہٹا دیا ہے لیکن مصر کا تمام شمالی حصہ اسی طرح سمندر کو پاٹ پاٹ کر بنا ہے۔ دریاے مسیسپی کے دہانے کے

قریب خلیج مکسیکو کا ساحل تین سو سال سے ماہرین فن طبقات الارض کے پیش نظر ہے لیکن اس مدت میں خط ساحل نے کوئی نمایان پیش قدمی نہین کی حالانکہ مشاہدہ سے ثابت ہے کہ ایک زمانہ وہ تھا جبکہ اس دریا کا دہانہ سینٹ لوئیس کے قریب موجودہ مقام سے سات سو میل کی فاصلہ پر تھا۔ مصر و امریکا ہی پر کچھ موقوف نہین ۔ تمام ممالک مین دریا اِنچ بہ اِنچ خشکی کو تری مین ٹہلاتے ہوئے چلے جاتے ہین اور اُن کی آہستگی عمل اور اس عمل کے عظیم الشان آثار سے ہم وثوق کے ساتھ اس نتیجہ پر پہنچتے ہین کہ اس عمل تراکم اجزاء و انطباق طبقات کے لیے ادوار مدیدہ و قرون بعیدہ کا انقضا لازمی ہے ۔

یہی نتیجہ ہمکو اُس وقت بھی نکالنا پڑتا ہے جب ہم جھیلون کے پاٹے جانے پانی کے قطرات سے اجزاے کلسیہ یعنی چونے اور کھار کے متحجر ہونے ۔ بارش کے عمل سے کہسارون کے حل ہو ہو کر بہنے ۔ سمندرون کی موجون کے تھپیڑون سے ساحل کے کٹنے سنگلاخ ٹیکرون کی بنیادون مین پانی کے سرنگ لگانے اور باد و باران کے اثر سے چٹانون کے فرسودہ ہونے پر غور کرتے ہین ۔

تراکم اجزاء سے اجسام آبی کے جو پرت تلے اوپر جم گئے ان کے انطباق کی سطح ضرور ہے کہ ابتدا مین تقریباً افقی السمت ہو ۔ لیکن کثیر التعداد طبقات یا تو کسی ایسے لغزش شدید کی وجہ سے جس کا ظہور باوقات مختلفہ ہوا اور یا تدریجی حرکت کے باعث زوایاے مختلف المیلان بناتے ہوئے پائے جاتے ہین ۔ ان عظیم الشان اعوجاجات و انحرافات کی اصلی وجہ خواہ کچھ ہی ہو لیکن اس مین ذرا شک نہین کہ ان طبقات کے ترکیب پذیر ہونے کے لئے اس قدر مدت مدید کا گزرنا لازمی ہے ۔ جسکے ادراک سے فہم قاصر ہے ۔

ویلز کے اُن طبقات ارضی کا عمق جن سے پتھر کا کوئلہ برآمد ہوتا ہے بتدریج قعر زمین مین غرق ہوتے ہوتے بارہ ہزار فٹ ہو گیا ہے اور نوا اسکو شیا مین ان طبقات کا دل چودہ ہزار پانچ سو ستر فٹ ہے ۔ دھنسنے کا یہ عمل اس آہستگی اور مواظبت سے ہوا کہ ہر طبقہ کے درخت

تلے اوپر جون کے تون کھڑے ہوئے ہین۔ اور چار ہزار یا پانچ سو پندرہ فٹ کی موٹائی
مین سترہ طبقے اس قسم کے گنے جا سکتے ہین۔ درختون کی عمر کا اندازہ اُن کی جسامت سے
ہو سکتا ہے چنانچہ بعض کے تنہ کا قطر چار فٹ ہے۔ دھنستی ہوئی زمین کے ساتھ ساتھ
جب درخت بھی آہستہ آہستہ زمین مین سماتے گئے تو اُن کے گرد وہ پودے اُگتے گئے
جنھین اصطلاح فن طبقات الارض مین "کیلیمائٹ" (ذنب الفرس) کہتے ہین۔ چنانچہ یہ پودے
غرق شدہ درختون کی طرح درجہ بدرجہ ہر طبقہ مین پائے جاتے ہین۔ سڈنی کے طبقہ زغال
مین انسٹھ دبے ہوئے جنگل تلے اوپر کھڑے ہوئے ہین۔

بحری گھونگون کی سیپیون کو بڑا عظمون کے اندرونی حصہ کے پہاڑون کی چوٹیون پر
دیکھ کر علماے مذہب اپنی تصانیف مین یہ دعویٰ کیا کرتے تھے کہ ان سیپیون سے طوفان
نوح کی ہمہ گیری کی حجت قاطع بہم پہنچتی ہے۔ لیکن جب علم طبقات الارض کے مسائل صحت
کے ساتھ معلوم ہونے لگے تو یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ زمین کے خول بیرونی مین وہ
طبقات جو آب شیرین کے عمل سے بنے ہین اُن طبقات کے ساتھ جنھین آب شور نے بنایا
ہے علی التوالی والتسلسل کسی کتاب کے اوراق کی طرح ملے ہوئے ہین۔ اس سے یہ
نتیجہ نکلا کہ ایک ہی طوفان ان مختلف مظاہر کا باعث نہین ہو سکتا بلکہ اصل حقیقت یہ ہے
کہ ایک ہی قطعہ زمین اپنی سطح کے تدریجی تغیرات اور اپنے جغرافیائی حوالی کی تبدیلیون سے
کبھی تو بالکل خشک تھا کبھی آب شیرین کے تلے ڈوب گیا اور کبھی آب شور کے نیچے
آگیا اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی روز روشن کی طرح آشکارا ہو گئی کہ ان تغیرات و انقلابات
کی تکمیل کے لیے ہزارون لاکھون سال کی مدت مطلوب ہے۔

قدامت ارض کی اس شہادت پر جو اس کے طبقات کی وسعت۔ عمق اور تنوع سے
ماخوذ تھی اُن زبردست شہادتون کا اضافہ ہو گیا جو اس کے آثار متحجرہ پر مبنی تھین۔ زمین
کے ہر طبقہ کی عمر جب متحقق ہو گئی تو اس بات کا ثبوت دینا آسان ہو گیا کہ نباتی و حیوانی ہر

طرح کے اجسام ذوی الاعضا نے قدیم ترین اشکال سے لے کر جدید ترین اشکال تک بتدریج ترقی کی ہے اور وہ نباتات و حیوانات جو ہمارے زمانہ مین سطح زمین کی آبادی کا باعث ہین اُن کثیر التعداد اشکال نباتی و حیوانی کا محض ایک جزو حقیر ہین جو بہ زمانہ سابق عالم ہستی مین آچکی ہین - یعنی اگر ایک نوع اس وقت زندہ ہے تو ہزارہا انواع فنا ہو چکی ہین - اگرچہ طبقات ارض سے متحجرات کے جو آثار برآمد ہوئے ہین اُن مین سے حیوانات کی بعض انواع اپنی خصوصیات مخصوصہ کے لحاظ سے اس درجہ نمایان ہین کہ ہماری زبان پر دور حیوانات مفصلیہ (بے ریڑھ کی ہڈی کے جاندار) دور ہوام الارض (زمین پر رینگنے والے وہ جاندار جو ریڑھ کی ہڈی رکھتے ہین) دور ذوات الثدی (دودھ پلانے والے جاندار) کی اصطلاحین چڑھ گئی ہین لیکن یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ ہر نئی نوع یک بیک نمودار ہو گئی تھی - ہر نوع کا ظہور بتدریج دور سابق مین ہوا اور اپنے دور مین جو اُس کے نام سے منسوب و مخصوص ہے منتہائے نشو و نما پر پہنچ کر وہ بتدریج دور آیندہ مین معدوم ہو گئی - فوری پیدایش یعنی کسی شے کا یک بیک کامل و مکمل صورت مین نمودار ہو جانا خارج از امکان ہے - ہر وجود کمال آہستگی سے اپنا جو لا بدلتا ہے اور ایک سابقہ شکل سے ترقی کرتا ہوا موجودہ شکل اختیار کرتا ہے - اس کے لیے بھی ایک بہت بڑے طویل و مدید زمانہ کا انقضا لازمی ہے - جب سے انسان نے ہوش سنبھالا ہے یعنی جس زمانہ سے تاریخ کی روشنی انسان کے تمدن پر پڑی ہے - اس قسم کے انبدال یا استحالہ یا نشو و نما کی کوئی بین مثال ہمارے دیکھنے مین نہین آئی - علی ہذا القیاس انعدام نوع کی کوئی تاریخی مثال دیتے ہوے بھی ہم کچھ بہت زیادہ وثوق ظاہر نہین کر سکتے لیکن اُن قرون و ادوار مین جنہین حقایق طبقات الارض سے تعلق ہے صدہا ہزارہا کون و فساد اور ارتقا و انعدام پیش آچکے ہین -

چونکہ انسان کا تجربہ تبدیل ہئیت یا ارتقا کی کسی مثال پر حاوی نہین ہے لہذا بعض اصحاب نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اس قسم کا تبدل یا ترقی خارج از امکان ہے - اور

حیوانات و نباتات کی مختلف نوعیں علیحدہ علیحدہ پیدا کی گئی ہیں۔ لیکن ان اصحاب کو یہ تو سوچنا چاہیے کہ ہر نوع کا ایک نوع سابقہ سے بہ تبدیل و ترمیم اعضا ترقی پاکر درجہ کمال پر فایز ہونا اس کے مقابلہ میں زیادہ قرین دانش ہے کہ وہ نوع یک بیک عدم سے وجود میں آجائے۔ یہ قول بھی کچھ بہت زیادہ وقعت نہیں رکھتا کہ کسی انسان نے کسی نوع کے کسی فرد کو ارتقا کا چولا بدلتے ہوئے اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا شاید وہ لوگ جن سے اس ادعا کی نسبت ہے اس امر کی طرف سے خالی الذہن ہیں کہ آج تک کسی شخص نے اپنی آنکھ سے یہ بھی تو نہیں دیکھا کہ کوئی جسم ذوی الاعضا بغیر کسی مورث کے خود بخود اور یک بیک پیدا ہو گیا ہو۔

آفرینش کے اُن افعال سے جو بغتۃً صادر ہوں اور جن میں مغائر للقانون ہونے کے علاوہ کوئی ربط نہ پایا جاتا ہو۔ گو قدرت ایزدی ظاہر ہوتی ہو لیکن اجسام ذوی الاعضا کا وہ غیر منقطع سلسلہ جو طبقات قدیمہ تحتانیہ کے متحجرات سے لے کر طبقات جدیدہ فوقانیہ تک پھیلا ہوا ہے اور جس کا ہر ایک حلقہ ایک حلقہ ما سبق سے متعلق اور ایک حلقہ مابعد کا سہارا ہے اس بات کا ثبوت دے رہا ہے کہ جاندار ہستیوں کا وجود میں آنا ایک مقررہ ضابطہ کے تابع ہے اور یہ وہ ضابطہ ہے جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ یہ قانون ہزاروں لاکھوں سال سے اپنا عمل کر رہا ہے۔ لیکن آج تک اس میں کوئی تغیر اور کوئی رکاوٹ نہیں واقع ہوئی۔[1]

جو کچھ اوپر لکھا گیا ہے اس سے اُس شہادت کے ایک حصہ کی نوعیت معلوم ہو سکتی ہے جس سے مسئلہ عمر زمین پر بحث کرنے وقت ہمیں سابقہ پڑنا ضرور ہے یعنی علمائے فن طبقات الارض

---

[1] حقیقت یہ ہے کہ خدا کی صنعت و حکمت کا جو ثبوت اس ضابطہ غیر ممکن التغییر سے ملتا ہے وہ کسی ایسے فعل سے ہرگز نہیں بہم پہنچ سکتا جس میں تلون آمیز جبروت کی شان پائی جاتی ہو۔ دنیا کے ترقی یافتہ مسلک یعنی اسلام نے اسی خیال کو بار بار ان الفاظ میں ظاہر کر کے حقیقت قدرت ایزدی کے چہرہ سے پردہ اٹھایا ہے۔ لاتبدیل لخلق اللہ۔ لن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا۔

مترجم۔

کی مستقل و مسلسل کوششون سے اس شہادت کا اتنا بڑا انبار جمع کردیا ہے کہ اُس کی تفصیل
کے لیے کئی ضخیم جلدین مطلوب ہین۔ یہ شہادت اُن تمام احجار کے اجزاے ترکیبی
و ہیئت کذائی کا ماحصل ہے جن مین سے بعض تو آبی ہین یعنی پانی کے عمل سے بنے
ہین۔ بعض آتشی ہین یعنی جوف زمین کے کھولے ہوے خارج شدہ مادے سے مرکب
ہین اور بعض مستحیلہ یعنی حرارت اور دباؤ کے متفقہ عمل سے ترکیب پذیر ہوئے ہین طبقہ
احجار آبی کے متعلق یہ تحقیقات کی گئی ہے کہ اس کی موٹائی کس قدر ہے۔ اسکے مختلف
پرتون کا میلان کس سمت مین ہے۔ ہر ایک پرت دوسرے پرت پر بے ڈھنگے پن سے
کس شکل مین قایم ہے۔ وہ طبقات جو آب شیرین کے عمل سے بنے ہین اُن طبقات کے
ساتھ جن مین آب شور کا اثر پایا جاتا ہے کس طرح ملے ہوئے ہین۔ تعریہ و تحلیل کے بطی
العمل اسباب نے مادہ ارضی کے کو دبیکر انبارون کو کیونکر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل
کرکے وسیع و عریض جغرافیائی رقبون کی شکل تبدیل کردی ہے۔ براعظمون کی سطوح مین
اُبھرنے اور دبنے کی وجہ سے کس طریقہ پر نشیب و فراز پیدا ہوگیا ہے یعنی اُن کے
سواحل کیونکر یا تو سمندر مین غرق ہوگئے ہین اور یا خشکی مین بہت دور اندر تک چلے گئے
ہین۔ حیوانات و نباتات کے حال سے بھی علم طبقات الارض کی شہادتون کو بحث ہے یعنی
اس مسئلہ پر نظر ڈالی گئی ہے کہ ہر دور مین کون کون سی حیوانی اور نباتی شکلین موجود تھین اور
کیونکر نہایت ترتیب و تسلسل کے ساتھ اجسام ذوی الاعضا یعنی نباتات و حیوانات کا سلسلہ
عالم ابداع کے مبہم و موہوم نقطہ آغاز سے ہمارے زمانہ تک پہنچا ہے۔ حشیش متحجر سے
جس کی اصل ہر صورت مین نباتات ذاہل ہے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ نہ صرف زمین کے
کرہ ہوا ہی مین تبدیلیان واقع ہوئی ہین بلکہ موسم مین بھی ہمہ گیر انقلاب پیدا ہوگیا ہے۔ بعض
دوسرے واقعات متعلقہ سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ روے زمین کی حرارت
مین بھی مد و جزر ہوتا رہا ہے۔ یعنی بعض زمانون مین حرارت کا اوسط بہت بڑھ گیا ہے اور

بعض مین قطبین کی برف و یخ کے تودے موجودہ براعظمون کے ایک بہت بڑے حصہ پر چھا گئے ہین - چنانچہ ان ادوار کو ازمنہ زمہریریہ کہتے ہین -

ماہرین فن طبقات الارض کا ایک گروہ جس کی دلایل کا مدار علیہ نہایت زبردست شہادت ہے یہ رائے پیش کرتا ہے کہ کل جرم ارض ابتدا مین ایک جسم گداختہ یا سیال تھا بلکہ شاید فرط حرارت سے بحالت دخانی تھا - لاکھون قرنون کے گزرنے کے بعد تبخیر کے ذریعہ سے اس کی حرارت کا اشتداد کم ہوتا گیا تا آنکہ اس کے مزاج مین موجودہ اعتدال پیدا ہوا - علم ہیئت کے مشاہدات خصوصاً نظام شمسی کے اجرام سیار کے حالات اس تاویل کی تائید و توثیق کرتے ہین - بعض دوسرے واقعات سے بھی اس کی مزید تصدیق ہوتی ہے مثلاً اوسط کثافت ارض کی کمی - زیادتی عمق قعر زمین کی نسبت سے حرارت کا ازدیاد - کھولتے ہوے مادہ کا آتش افشان پہاڑون اور دراڑون کی راہ سے اخراج - احجار آتشی و مستحیلہ کا وجود - اُن طبیعی تغیرات کی تکمیل کے لیے جو علماے طبقات الارض کی اس جماعت کے پیش نظر ہین بے انتہا صدیان مطلوب ہین -

لیکن نظام کوپرنیکس کے حقایق کا اعتراف اس ضرورت کا مستلزم ہے کہ زمین کی ابتدا و سرگزشت کے واقعہ پر انفرادی حیثیت سے نظر نہ ڈالی جاے - ضرور ہے کہ اس واقعہ پر بحث کرتے وقت اُس نظام یا خاندان کے حالات کو پیش نظر رکھا جاے جس کا کرۂ زمین ایک رکن ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ ہم اپنی بحث کو نظام شمسی تک بھی محدود نہین کرسکتے اس بحث مین ہمین ثوابت کی دنیاؤن کو بھی شریک کرنا چاہیے - اور چونکہ اُس بے تراز قیاس فاصلہ کی غرابت سے ہمارا دماغ اب مانوس ہو چکا ہے جو ان ثوابت کو ایک دوسرے سے جدا کرتا ہے لہذا ہم اُنکی تکوین کے زمانہ مین بھی بُعد کے اُس عنصر کے اعتراف کے لیے آمادہ ہین جس کی پیمایش محالات سے ہے - کائنات مین ایسے ایسے کواکب بھی موجود ہین جو ہم سے اس قدر دور ہین کہ باوجودیکہ روشنی اس تیزی سے حرکت کرتی ہے پھر

بھی اُن کی شعاع نور کو ہم تک پہنچنے مین کئی ہزار سال کا زمانہ صرف ہوا ہے جس سے یہ بدیہی نتیجہ نکلتا ہے کہ اُن کو وجود مین آے ہوئے اگر زیادہ نہین تو کم از کم کئی ہزار سال کی مدت توضرور منقضی ہوئی ہو گی۔

علماے طبقات الارض جب بالاتفاق تسلیم کر چکے کہ تاریخ تکوین ارض بہت زیادہ توسیع کی محتاج ہے تو یہ کوشش مین ہونے لگین کہ اس تاریخ کو معین کیا جاے۔ ان کوششون مین سے بعض اصول ہیئت پر مبنی تھین اور بعض اصول طبیعیات پر۔ مثلاً سب سے آخری دور زمہریریہ سے اس وقت تک کی مدت کے دریافت کرنے کی غرض سے جو تخمینہ مرکز مدار ارض و مرکز آفتاب کے درمیانی فاصلہ کی معلومہ تبدیلی کی بنا پر قایم کیا گیا ہے اُس کا ماحصل دو لاکھ چالیس ہزار سال ہے۔ اگرچہ اس عام اصول کے صحیح ہونے مین شک نہین کہ ازمنہ طبقات الارض کی مدت عسیر الاحصا ہے لیکن اس قسم کے تخمینے ایسے غیر یقینی قیاسات پر مبنی ہین کہ وہ کسی طرح موثق و معتبر نہین ٹھہر سکتے۔

تاہم اس مسئلہ کے مالہ و ماعلیہ پر علمی پہلو سے نظر ڈالنے کے بعد اس مین تو مطلق شک نہین رہتا کہ علماے مذہب نے صحیفہ موسیٰ سے جن واقعات کا استقصا کیا ہے وہ ناقابل تسلیم ہین۔ اگرچہ اکتشافات جدیدہ و واقعات متحققہ کے ساتھ واقعات الہامی کو تطبیق دینے کی متواتر کوشش کی گئی ہے لیکن وہ لاحاصل ثابت ہوئی ہے۔ توراۃ کا زمانہ حد سے زیادہ قلیل ہے۔ ترتیب ظہور مخلوقات بالکل خلاف واقعہ ہے اور خدا کی طرف سے جو مداخلت ہوئی ہے اُس مین شان انسانی معمول سے زیادہ اپنی جھلک دکھا رہی ہے اور اگرچہ مسایل زیر بحث اُن خیالات سے توافق و تطابق رکھتے ہین جو انسان کے دماغ مین اُس وقت پیدا ہوئے تھے جب اُسکو اول اول صحیفہ فطرت کی ورق گردانی سے اپنی معلومات مین اضافہ کرنے کا شوق پیدا ہوا لیکن اُن کو زمین کی ہیچ میرزی اور کائنات کی عظمت و شان کے موجودہ تصورات سے مطلق ربط نہین۔

حال کے طبقات الارضی اکتشافات مین سے ایک اکتشاف خصوصیت کے ساتھ ہماری
توجہ کا محتاج ہے - یعنی اُن طبقات مین جن کو اگرچہ طبقات الارضی اعتبار سے کچھ زیادہ مدت
نہین گذری لیکن تاریخی اعتبار سے ایک عرصہ دراز منقضی ہو چکا ہے انسانی جسم کے
ڈھانچ اور انسانی صنعت کے آثار پاے گئے ہین -

انسان کے آثار متحجرہ یعنی اُس کے جسم کے ڈھانچ اور کھردرے یا ترشے ہوئے
مجلا پتھر اور ہڈی اور نحاس (کانسی) کے اوزار یورپ مین غارون ریت اور سنگریزون کے تودون
اور حشیش متحجر کے طبقون مین پائے گئے ہین - ان سے پتہ چلتا ہے کہ انسان اُس
زمانہ مین وحشیانہ زندگی بسر کرتا تھا اور جنگل کے جانورون اور مچھلیون کے شکار سے قوت
بسری کرتا تھا - جو تحقیقات حال مین کی گئی ہے اُس سے اس واقعہ کی صریح شہادت
بہم پہنچتی ہے کہ انسان دور ثالثہ مین بھی موجود تھا - اور جنوبی ہاتھی پتلی تھوتھنی والے گینڈے
اور عظیم الجثہ دریائی گھوڑے کا ہمعصر تھا - بلکہ شاید دور ثالثۃ الوسطیٰ کے مشہور داڑھون مین
تھن رکھنے والے فیل نما حیوان "مسلودان" کا بھی معاصر تھا اور یہ وہ حیوان ہین جن کی
نسلین معدوم ہو چکی ہین -

دور ثالثہ کے اختتام پر بوجہ اُن اسباب کے جو ابھی تک متحقق نہین ہوے زمین کے
نصف کرہ شمالی کی حرارت مین غیر معمولی کمی واقع ہو گئی - یعنی منطقہ حارہ سے وہ منطقہ باردہ
ہو گیا اور تابستان کی جگہ برفستان نے لے لی - ایک مدت ممتد کے بعد حرارت پھر بڑھ گئی
اور برف کے وہ پہاڑ جو سطح زمین پر دور دور چھا گئے تھے پیچھے ہٹ گئے - اس کے بعد
پھر حرارت مین کمی ہو گئی اور تودہ ہاے برف آگے بڑھ آئے - لیکن اس مرتبہ اُنھون نے
زیادہ پیش قدمی نہ کی - اب دور رابعہ کا آغاز ہوا اور موسم بتدریج بدلتا ہوا موجودہ حالت پر
پہنچ گیا - تراکم اجزاء کے عمل کو جو پانی کی مدد سے برابر جاری تھا طبقات آبی کے انطباق
کے لیے ہزارہا صدیون کی ضرورت تھی قرون رابعہ کے اوایل مین خرس کہفی - اسد کہفی -

فرس البحر ذو عنصرین ۔ کرگدن مشبک المناخر اور فیل شعرانی (میمتھ) کی نسلین زندہ تھین ان کوہ پیکر ہاتھیون کے کثیر التعداد غول جنگلون مین آباد تھے ۔ اور ان کے پنپنے کو لیے نصف کرہ شمالی کا موسم نہایت موزون تھا۔ رفتہ رفتہ برفانی بارہ سینگون گھوڑون بیلون اور رارسنے بھینسون کی نسلین ترقی کر گئین ۔ اور قدرت کو جس کا دسترخوان پہلے صرف ایک اکیلے فیل شعرانی کے لیے وقف تھا اب اتنے بہت سے مہمانون کی تواضع کرنی پڑی ۔ کچھ تو اس وجہ سے اور کچھ روز افزون حرارت کے باعث فیل شعرانی معدوم ہو گیا ۔ وسط یورپ سے برفانی بارہ سینگا رخصت ہو کر اقطاع شمالی کی طرف جہان زیادہ سردی تھی چلا گیا ۔ اُسکا نقل مکان قرون رابعہ کے خاتمہ کی علامت ہے ۔

پس روے زمین پر انسان کے ظاہر ہونے کی تاریخ سے لیکر اب تک بہت سے قرن گزرے ہین جن کی میعاد بیرون از قیاس اور برتر از احصا ہے ۔ ان قرون ممتدہ مین انقلابات آب و ہوا اور تغیرات انواع حیوانات اُن بطی الاثر اسباب سے ہوتے رہے جو آج کے دن بھی اپنا عمل برابر کر رہے ہین ۔ شمار و اعداد سے ہم ان مدت ہاے دراز و ازمنہ بعیدہ کا اندازہ ہرگز نہین کر سکتے ۔

یہ امر پایہ تحقیق کو پہنچ گیا ہے کہ انسان کی ایک نسل جو قوم باسک[1] سے مشابہت

---

[1] اسپین کا وہ وسیع علاقہ جو کوہستان پرینیز کے جنوب و مغرب مین واقع ہے صوبہ باسک کہلاتا ہے جس کا رقبہ تین ہزار مربع میل اور آبادی پانچ لاکھ ہو گی ۔ اس صوبہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس مین ایک قدیم نسل کے لوگ جو باسک کے نام سے موسوم ہے آباد ہین ۔ ماہرین علم الاقوام کا خیال ہے کہ اسپین مین قوم کلٹ کے آکر آباد ہونے سے قبل یورپ سے جزیرہ نما مین ایک قوم بستی تھی جسکا نام آئبیری تھا چنانچہ اسپین کو آئبیریا اسی لیے کہتے ہین ۔ باسک انہین آئبیریون کی نسل سے ہین ۔ اس نسل کا تعلق اقوام کے اُس خانوادہ سے تھا جو آریہ اقوام کے ظہور سے پہلے یورپ مین آباد تھین ۔ باسک قوم کی زبان جو آریہ زبانون کی عنصر کی آمیزش سے بالکل پاک ہے غالباً تورانی الاصل ہے ۔ تمدن جدید کا اثر اس قوم پر کچھ کچھ اب پڑنے لگا ہے ۔ ورنہ

رکھتی ہے زمانہ حجریہ جدید مین روے زمین پر آباد تھی - اسس زمانہ مین جزایر برطانیہ کی سطح اُسی طرح زیر انقلاب تھی جس طرح فی زماننا جزیرہ نماے اسکنڈ مینویا متغیر ہو رہا ہے - اسکاٹلینڈ ابھر رہا تھا اور انگلستان دھنس رہا تھا - طبقہ ثانیۃ الثالثۃ جدید کے زمانہ مین وسط یورپ شکاریون اور ماہی گیرون کی ایک وحشی نسل سے آباد تھا جو اسکیما[۵] نسل سے ملتی جلتی ہے -

نوٹ صفحہ ۲۷۱ - پچاس سال اُدھر تک ان کی زندگی نیم وحشیانہ تھی - مترجم

[۵] اسکیما اُس وحشی نسل کا نام ہے جو شمالی امریکہ کے منطقہ باردہ مین گرین لینڈ اور لبریڈار کے ساحلون اور دوسرے برفستانی علاقون مین آباد ہے - اگرچہ اس ساحلی علاقہ کا طول پانچ ہزار میل سے کم نہ ہوگا - لیکن اس کی آبادی اپنی شکل صورت - عادات واطوار - رسم ورواج - بول چال اور روایات وخیالات کے اعتبار سے آپس مین بہت کچھ مشابہ ہے اور دنیا مین دوسری کوئی قوم نہ ہوگی جس کا خون اس درجہ خالص اور بلا آمیزش ہو اور جس کی قومی خصوصیات مین بیرونی اثرات نے اتنا کم تغیر پیدا کیا ہو - یہ لوگ ہزارہا سال سے ایک ہی طرح رہتے سہتے چلے آئے ہین -

ان کی زندگی کا دار و مدار دریائی بچھڑون اور دوسرے دودھ پلانے والے بحری جانورون اور مچھلیون پر ہے ان جانورون کی چربی اُن کی عام غذا ہے جس کی وجہ سے وہ سردی کی سختی جھیل سکتے ہین - اور اُن کا لباس بھی انہین جانورون کے چمڑے کا ہوتا ہے - دریائی بچھڑون اور مچھلیون اور دوسرے جانورون کے شکار مین انہین ایسی مہارت ہے کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے - لباس اور غذا کے علاوہ وہ اپنی زندگی کی باقی تمام ضرورتون کو بھی انہین جانورون کے ذریعہ سے پورا کرتے ہین اُن کی ہڈیون سے شکار کے لیے ہتھیار بناتے ہین ان کی نسون سے تاگے اور ڈوری کا کام لیتے ہین - اُن کی برف پر چلنے والی گاڑیان بھی جن کے آگے کتے جوتے جاتے ہین ہڈیون ہی کی بنی ہوئی ہوتی ہین - دس دس بارہ بارہ کنبون کے جرگے ایک جگہ آباد ہوتے ہین - جاڑون کے موسم مین جہان یہ جرگے رہتے ہین وہی ان کا اصلی گھر ہے - کیونکہ گرمی کے موسم مین وہ خانہ بدوش بن جاتے ہین اور ادھر ادھر چکر لگاتے پھرتے ہین - اس زمانہ مین علاوہ دریائی بچھڑے مچھلی وغیرہ کے شکار کے

ریت مٹی اور خس و خاشاک کے اُن انباروں میں جو اسکا ٹمینڈ کو دور زمہریریہ جدید سے ترکہ میں پہنچے ہیں انسان اور ہاتھی کے متحجرات پائے جاتے ہیں - یہ وہ زمانہ تھا جس کا ذکر

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۷۲ - وہ برفانی بارہ سینگے کا بھی شکار کرتے ہیں اور تھوڑی بہت تجارت بھی کرتے ہیں جو تبادلہ اجناس کے اصول پر مبنی ہوتی ہے - جاڑے کی آمد کے ساتھ وہ اپنے تشلاق کو لوٹ جاتے ہیں - اگرچہ گوشت وہ کچا بھی کھاتے ہیں لیکن عام دستور یہ ہے کہ گوشت ایک پتھر کی ہنڈیا میں جو ایک چراغ کے اوپر لٹکا دی جاتی ہے ابال لیا جاتا ہے - اس چراغ میں تیل دریائی بچھڑوں اور دیل مچھلیوں کی چربی کا ہوتا ہے اور بتی کائی کی ہوتی ہے - گرمی کا موسم وہ خیموں میں بسر کرتے ہیں جو کھالوں کو سی کر تیار کرلے جاتے ہیں اور جاڑوں میں گھروں کے اندر رہتے ہیں جن کی ساخت حالات مقامی کا پتہ دیتی ہے یعنی یا تو پتھر اور گھاس پھونس کے ہوتے ہیں یا پتھر اور ہڈیوں یا بہ کر آئی ہوئی لکڑیوں کے یا یخ کی اینٹوں کے جو تلے اوپر اس ترکیب سے چن دی جاتی ہیں کہ ایک گنبد نما جھونپڑا بن جاتا ہے - اسکیما قوم کا مذہب بت پرستی کی ایک شکل ہے - وہ ایک بہت بڑی ہستی عالیہ پر ایمان رکھتے ہیں جس کا نام اُن کی زبان میں تورنارسک ہے اس کے علاوہ وہ کئی محافظ دیوتاؤں کے قایل ہیں جن کا نام اسکیمائی اصطلاح میں تورنات ہے اُن کے اس سلسلہ ارادت میں تیسرا درجہ بعض انسانوں کو حاصل ہے جو انگاکوت کہلاتے ہیں اور فوق القدرت عقل و قوت سے متصف ہیں اُن کا عالم عقبیٰ پر بھی ایمان ہے یہ عالم اُن کے عقیدہ کی رو سے دو طبقوں میں منقسم ہے - فوقانی و تحتانی طبقہ فوقانی گنہگار اور بدقسمت روحوں کا ٹھکانا ہے جو ہمیشہ سردی سے ٹھٹھرتی رہتی ہیں اور جنھیں کھانے کو کچھ نہیں ملتا - طبقہ تحتانی کا موسم گرم ہے اور اُس میں غذا بافراط میسر آتی ہے - یہ طبقہ خوش نصیب روحوں کا مسکن ہے - اسکیما متواضع خوش اخلاق ملنسار اور مہمان نواز ہوتے ہیں - اور اُن کی خاندانی زندگی نہایت اچھی طرح سے بسر ہوتی ہے - مساوات جائداد کا اصول عام طور سے اُن میں رائج ہے اور ایک جرگہ جو معاش پیدا کرتا ہے اُس میں سب برابر کے شریک ہوتے ہیں - موجودہ تمدن نے اُن کے حال پر اتنی عنایت کی ہے کہ شراب اور دوسرے خواحش کی معرفی اُن سے نہیں کرائی اور یہی وجہ ہے کہ اب تک یہ قوم بدستور قایم ہے ورنہ امریکہ اور آسٹریلیا کی قدیم نسلوں کی طرح ان کا بھی کبھی کا صفایا ہو گیا ہوتا - مترجم -

ہم اوپر کر آئے ہین یعنی جب یورپ کا بہت بڑا حصہ برسا کے اُن تودہاے عظیم سے ڈھک گیا تھا جو قطب شمالی سے کھسکتے ہوے جنوبی ممالک کی طرف بڑھ آئے تھے اور پہاڑون کی چوٹیون سے اُتر کر میدانون مین چھا گئے تھے - حیوانات کی بےشمار انواع برف اور یخ کے اس طوفان مین تباہ ہوگئین لیکن انسان بچ رہا -

قدیم وحشیانہ حالت مین جب کہ انسان پھل پھلاری جنگل کی جڑی بوٹیون اور گھونگون پر زندگی بسر کرتا تھا اُسے ایک بات ایسی معلوم تھی جس کی وجہ سے کبھی نہ کبھی اُس کا متمدن و مہذب ہوجانا لازمی تھا یعنی اُسے آگ جلانی آتی تھی - سطح زمین کے بالائی پرت کے اُن مقامات مین جہان کھودنے پر چشیش پتھر کا طبقہ نکلتا ہے ابھی تک انسان کے آثار پاے جاتے ہین اور اُس کے اوزارون سے اُس کا تاریخی زمانہ صاف صاف معلوم ہوتا ہے - سطح زمین سے تھوڑی دور پر کانسی کے اس سے کچھ نیچے ہڈی یا سینگ کے اس سے بھی نیچے ترشے ہوے مجلا پتھر کے اور سب نیچے کھردرے ان گھڑ پتھر کے اوزار پاے جاتے ہین - جن طبقات مین سے یہ اوزار برآمد ہوے ہین اُن مین سے بعض کا زمانہ کسی طرح چالیس پچاس ہزار سال سے کم نہین ہے -

فرانس اور دوسرے ممالک مین ماہرین فن طبقات الارض نے جن غارون کا معائنہ کیا ہے اُن مین سے ازمنۂ حجریہ کے اوزار مثلاً کلہاڑیان - چھریان - برچھیون اور تیرون کے پھل - رانپیان اور ہتوڑے برآمد ہوئے ہین - ان گھڑ پتھر کے زمانی یعنی عہد حجریہ قدیم کا تبدیل ہوکر ترشے ہوئے پتھر کے زمانی یعنی عہد حجریہ جدیدہ مین ضم ہو جانا بہت ہی آہستگی کے ساتھ عمل مین آیا - یہ تبدیلی کتے کے پالے جانے کے ساتھ ساتھ ظاہر ہوئی گویا یہ وہ دور تھا جب انسان نے خشکاری زندگی شروع کی تھی یہ دور بھی ہزارون ہی صدیون تک رہا - تیرون کے پھلوں سے اس امر کی شہادت بہم پہنچتی ہے کہ انسان نے کمان ایجاد کرلی تھی اور مدافعانہ طرز ماند و بود سے ترقی کر کے معارضانہ طریقۂ زندگی اختیار کرلیا تھا - غار دار پیکانون

سے ثابت ہوتا ہے کہ قوت ایجاد روبہ ترقی تھی - ہڈی اور سینگ کی نکیلی پھالیون سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑے جانورون کے علاوہ انسان چھوٹے جانورون بلکہ شاید پرندون کا بھی شکار کرنے لگ گیا تھا۔ہڈی کی سیٹیون سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ اُس کے ساتھ دوسرے شکاری بھی ہوتے تھے یا کم از کم اُس کا کتا تو ضرور اُس کا رفیق ہوتا تھا۔ سنگ خارا کی رانپیون سے پایا جاتا ہے کہ وہ اپنے لباس کے لیے چمڑے کا استعمال کرنے لگ گیا تھا اور بھدے لوچنون اور سوئیون سے لباس کی سلائی کی حقیقت پر روشنی پڑتی ہے چھدی ہوئی سیپیون سے جو چوڑیون اور مالائون کے لیے کام مین لائی جاتی تھین آرایش جسمانی کے مذاق کا ثبوت بہم پہنچتا ہے - آلات رنگ سازی کا وجود تلوین و توشیم بدن پر گواہ ہے - اور اعلیٰ مرتبہ کے ظاہر کرنے والے عصا تمدن کی تکوین و تنظیم کی علامات ہین

ان قدیم انسانون کی صنعت و دستکاری کا پہلا نمونہ ہمارے لیے نہایت ہی دلچسپی کا موجب ہے - ہاتھی دانت کے ٹکڑون اور ہڈی کی تختیون پر اُنھون نے اُن جانورون کی بھدی تصویرین کھینچی ہین جو اُن کے زمانہ مین موجود تھے - اسی طرح ان جانورون کی مورتین بھی اُن کی سنگ تراشی اور کندہ کاری کی ابتدائی کوشش کو ظاہر کرتی ہین - زمانۂ قبل تاریخ کی ان تصویرون مین جو بعض صورتون مین اصلیت سے کچھ بہت زیادہ مغایر نہین ہین فیلان شعرانی اور برفستانی بارہ سینگون کی لڑائی کا نظارہ دکھایا گیا ہے - ایک تصویر مین ایک آدمی مچھلی کا شکار برچھے سے کر رہا ہے - ایک اور تصویر مین چند برہنہ آدمی دکھائے گئے ہین جو ہاتھ مین بھالے لیے شکار کر رہے ہین حقیقت یہ ہے کہ فقط انسان ہی وہ حیوان ہے جو اشکال خارجی کے انتقاش کی قابلیت رکھتا ہے اور آگ کا استعمال کر سکتا ہے -

گھونگون کے ٹیلون مین جو ہڈیون اور سیپیون سے مرکب ہین اور جن مین سے بعض بہت بڑے بڑے اور ازمنہ نحاسیہ سے بھی پہلے کے ہین اور پتھر کے اوزارون سے

معمور ہین ہر جگہ آگ کے استعمال کے آثار پائے جاتے ہین - یہ ٹیلے اکثر تو موجودہ سواحل سے ملحق ہین لیکن بعض صورتون مین سمندر کے ساحل سے ہپالیش چالیس پچاس پچاس میل اوپر خشکی مین ہٹ آئے ہین - ان کے اجزائے ترکیبی اور محل وقوع سے پایا جاتا ہے کہ ان کا زمانہ دودھ پلانے والے معدوم چوپایون سے بعد لیکن پالتو جانورون سے پہلے کا ہے - بیان کیا جاتا ہے کہ ان ٹیلون مین سے بعض کی عمر کسی طرح ایک لاکھ سال سے کم نہین ہے

سوئٹزرلینڈ کے آب دوز ماکن یعنی ان جھونپڑیون مین جو جھیل کے اندر لکڑی کے موٹے موٹے لٹھے گاڑکر درختون کی ٹہنیون کے گوندھنے سے بنائی جاتی تھین کچھ اوزار پائے گئے ہین جن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جھونپڑیان ازمنۂ حجریہ مین بننی شروع ہوئی ہین اور ازمنۂ نحاسیہ تک قایم رہین - ازمنۂ نحاسیہ کے جو آثار موجود ہین ان سے پایا جاتا ہے کہ انسان نے اس دور مین مزارعانہ زندگی اختیار کر لی تھی -

یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ علمائے طبقات الارض نے اپنی آسانی کے لیے انسان کے زمانۂ ترقی تمدن کو جن ادوار مین تقسیم کر لیا ہے ان کا آغاز و انجام بغتۃً ہوا اور بنی نوع انسان کے کل افراد ہر دور کو ایک ساتھ طے کرتے گئے - امریکہ کی خانہ بدوش وحشی اقوام زمانۂ حجریہ کی وادی سے اب باہر نکل رہی ہین - بہت سے مقامات مین ابھی تک یہ لوگ ایسی تیرون سے مسلح نظر آتے ہین جن کے پھل پتھر کے ہین - ابھی کل کی بات ہے کہ ان مین سے بعض نے گورے رنگ کی مہذب اقوام سے لوہے بندوق اور گھوڑے کا استعمال سیکھا -

غرض جس قدر تحقیقات اب تک ہوئی ہے اُس سے یہ بات بلا امکان تردید ثابت ہوتی ہے کہ انسان آج سے کئی لاکھ سال پہلے کرۂ زمین پر آباد تھا - مخفی نہ رہے کہ اس تحقیقات کو کچھ بہت عرصہ نہین گزرا اور جغرافیائی حدود کے لحاظ سے بھی اس کا دایرۂ عمل بہت تنگ ہے - اُن مقامات مین ابھی تک کوئی اکتشاف نہین کیا گیا جن کی

نسبت عقل سلیم گواہی دیتی ہے کہ انسان اولین کا مسکن یہین ہو گا۔
اس طور پر ہم چھہ ہزار سال کی اُس مدت سے جو یادریون کا مبلغ تاریخ ہے قرنون اور ہگون پیچھے ہٹ جاتے ہین۔ دور زمہریریہ جدیدیعنی یورپ کی گزشتہ تبہریدکا زمانہ کسی طرح ڈہائی لاکہہ سال سے کم نہین ٹھہر سکتا اور انسان کا اس زمانہ سے بھی پہلے دنیا مین موجود ہونا ثابت ہے لیکن ایک فقط یہی عظیم الشان حقیقت ہمارے پیش نظر نہین ہے بلکہ ہمکو اس واقعہ کا بھی خواہی نخواہی اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ انسان سے بھی پہلے حیوانی زندگی موجود تھی اور ہر جسم ذی الانتہا نہایت آہستگی اور تدریج کے ساتھہ ارتقا پذیر ہوا۔
ایک طرف تو روایت کو اصرار ہے کہ ہمارے جدامجد باغ عدن مین جامہ اکملیت زیب تن کیے ہوئے فردوس کی لذتون سے بہرہ اندوز تھے اور دوسری طرف روایت علی رؤس الاشہاد انسان اولین کی بے بسی اور بےکسی اور وحشیانہ حالت کا ثبوت دے رہی ہے۔

ببین تفاوت رہ از کجاست تابکجا

روایت کے اس ادعا نے مسئلہ ہبوط آدم کو جو جرکا لگایا ہے اس سے ممکن نہین کہ وہ جانبر ہوسکے۔
ہم نے اس فصل کے موضوع کو براہ ترتیب تاریخی سے اس لیے خارج کردیا ہے کہ مسئلہ ماہیت عالم کے متعلق جو کچھ ہمین کہنا تھا اُس کے مالہ وما علیہ سے ہمین مختلف مقامات بحث نہ کرنی پڑے۔ ورنہ مسئلہ عمر زمین مسئلہ معیار حق وصدق سے مدتون بعد چھڑا یعنی ریفارمیشن (اصلاح کنیسہ) کے بعد اس مسئلہ پر بحث ہوئی کہ حق کی ماہیت کیا ہے بلکہ ہمین یون کہنا چاہیے کہ یہ بحث انیسوین صدی تک چھڑی رہی۔ اس بحث مین فریقین نے غیر معمولی اعتدال سے کام لیا چنانچہ اس پر بجائے مناقشہ کے مناظرہ کا لفظ زیادہ موزون طور پر صادق آتا ہے علم ہیئت کی مخالفت جس معاندانہ ومنتقمانہ شان کے ساتھہ کی گئی تھی علم طبقات الارض کو اُس سے سابقہ نہین پڑا اور اگرچہ علماے طبقات الارض نے کرہ زمین کی بے انتہا قدامت

کے تسلیم کیے جانے پر زور دیا ہے۔ لیکن ساتھ ہی اس امر کا بھی اعتراف کیا ہے کہ جن اعداد کے ذریعہ سے عمر زمین کا اندازہ قایم کیا گیا ہے وہ نا قابل اعتبار رہیں۔ جن ناظرین نے اس فصل کو توجہ کے ساتھ پڑہا ہے اُنہوں نے اُن اعداد کے عدم تطابق کو نظر انداز نہ کیا ہوگا۔ جن کا حوالہ جا بجا دیا گیا ہے۔ اگرچہ یہ اعداد تدقیق و تحکیم سے عاری ہیں لیکن اس دعوے کی تائید ان سے پھر بھی بخوبی ہوتی ہے کہ زمین نہایت قدیم ہے اور اُن کی بنا پر ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ عالم کا پیمانۂ زمان اُس کے پیمانۂ مکان کا جواب ہے۔



آٹھوان باب

نزاع دربارہ معیار حق

فلسفہ قدیمہ کا یہ دعوی ہے کہ انسان کے پاس احقاق حق کا کوئی ذریعہ نہین۔

قدیم مسیحیون مین عقاید کے اختلافات۔ کلیسائی کونسلین ان اختلافات کے مٹانے کی بے سود کوششین کرتی ہین۔ حجت معجزہ حجت ابتلا کی ترویج۔

پاپاے روما طریقہ اعتراف سری کو جاری کرتا ہے اور محکمہ احتساب عقاید کو اپنا آلۂ اقتدار بنالیتا ہے اور اختلافات عقاید کے رفع کرنے کے لیے وحشیانہ مظالم پر اُتر آتا ہے۔

قیصر جسٹینین کے مجلۃ القوانین کی دریافت اور قانون دینیہ کے نشو و نما کا اثر نوعیت و ماہیت شہادت پر۔ قانون شہادت مین درایت کی شان نمودار ہونے لگتی ہے۔

اصلاح کلیسہ کی بدولت ہر انسان کو اپنی عقل اور سمجھ کے لحاظ سے راے قایم کرنے کا حق حاصل ہو جاتا ہے۔ کلیساے رومن کیتھولک دعوی کرتا ہے کہ حق و صدق کا معیار خود کلیسا ہے۔ فہرست کتب محرمہ کے اجرا سے وہ کتابون کے مطالعہ کی ممانعت کرتا ہے اور حکم امتناعی کی خلاف ورزی کرنے والون کا قلع و قمع سینٹ برتھالومیو کے قتل عام کے ذریعے سے کرتا ہے۔

پراٹسٹنٹ مذہب توراة کو معیار حق تسلیم کرتا ہے۔ توراة کی موثوقیت پر نظر انتقاد ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ محرف ہے۔

سائنس کی رو سے معیار حق انکشافات فطرت ہین۔ پراٹسٹنٹ کے نزدیک یہ معیار کتب مقدسہ مین موجود ہے اور رومن کیتھولک کی راے مین پاپاے معصوم اس کا مورد و مہبط ہے۔

ایک موقع پر جو اپنی اہمیت کے لحاظ سے صفحۂ تاریخ پر بخط جلی لکھے جانے کا استحقاق رکھتا ہے روما کے ایک گورنر نے بیتاب ہوکر یہ سوال کیا کہ حق کسے کہتے ہین۔ لیکن اُس الوہیت مآب شخص نے جو گورنر کے سامنے کھڑا ہوا تھا اور جس سے یہ استفسار کیا گیا تھا جواب مین کچھ نہ کہا۔ شاید خموشی ہی اس سوال کا بہترین جواب تھی۔

یہ سوال بارہا پہلے بھی کیا گیا تھا لیکن بے فائدہ اور آج تک اس کا اعادہ ہر دور کر ہوتا رہا ہے مگر بے سود۔ کسی شخص سے اس کا شافی جواب آج تک بن نہین پڑا۔

جب افق یونان پر صبح علوم وفنون کی روشنی نمودار ہوئی اور قدیم مذہب کی ظلمت کافور ہونے لگی تو اس ملک کے متقی و پرہیزگار اور فطین وفہیم شخص دائمی یاس کی حالت مین مبتلا ہوگئے۔ اکسا غورث فرط حسرت و تاسف سے کہتا ہے کہ "کوئی چیز معلوم نہین ہوسکتی کسی حقیقت کے چہرے سے پردہ نہین اُٹھ سکتا۔ کوئی امر یقینی نہین ہوسکتا۔ قوائے حسی محدود ہین قوائے عقلیہ کمزور ہین۔ حیات مستعار قلیل ہے۔" زینوفینز کا دعوی ہے کہ ناممکن ہے کہ ہم حق بات کو بھی یقینی تصور کرین۔ پارمینائڈیز کا قول ہے کہ انسان کی دماغی ساخت ہی ایسی نہین ہے کہ وہ حق مطلق کی تحقیق کرسکے۔ امپیڈاکلیز کی راے ہے کہ ضرور ہے کہ کل فلسفہ اور مذاہب ناقابل اعتبار ہون اس لیے کہ ہمارے پاس ایسا کوئی معیار نہین جس سے ہم اُن کو جانچ سکین۔ ڈیمقراطیس کا بیان ہے کہ حقایق بھی ہمارے ذہن مین تیقن کا القا نہین کرسکتے۔ انسانی تحقیقات کا انتہائی نتیجہ یہ نکتہ ہے کہ انسان علم مطلق کا روشناس ہونے کی قابلیت نہین رکھتا اور اگر حقیقت اُسکی مٹھی مین بھی ہو تاہم اُسکو اس کی موجودیت پر یقین نہین ہوسکتا۔ پیرو ہمین یہ صلاح دیتا ہے کہ چونکہ ہمارے پاس حق و باطل کا کوئی معیار نہین ہے اسلیے ہمین ہر شے کی نسبت اظہار راے مین تامل کرنا چاہیے۔

اس فیلسوف نے اپنے شاگردون کو تشکک کی اس حد تک تلقین کی تھی کہ وہ کہا کرتے تھے کہ ہم کوئی دعوی نہین کرتے بلکہ یہ دعوی بھی نہین کرتے کہ ہم کوئی دعوی نہین کرتے۔ پائیورس

سنے اپنے شاگردون کو یہ سبق دیا تھا کہ حق کی تکشیف ہرگز عقل کے ذریعہ سے نہین ہو سکتی۔
آرسیسیلیس کو معلومات حسیہ وعقلیہ دونون سے انکار تھا اور اُس نے علی الاعلان کہہ دیا تھا کہ
ہم کسی شے کا علم نہین یہان تک کہ اپنی لاعلمی کا بھی علم نہین۔ غرض جس عام نتیجہ پر فلسفہ یونان
پہنچا تھا وہ یہ تھا کہ چونکہ حواس کی شہادت نقطہ اتصال نقیضین ہے لہذا ہم حق وباطل مین تمیز
نہین کر سکتے اور عقل اس درجہ ناقص ہے کہ ہم کسی فلسفیانہ نتیجہ کی صحت کے ضامن نہین ہو سکتے
قیاس چاہتا ہی کہ ایسے موقع پر ایک ایسا مدلل ومبرہن صحیفہ آسمانی منجانب اللہ انسان پر نازل
ہو کہ شک وشبہ کا خاتمہ ہوجاے اور کسی شخص کو اُس سے یاراے اختلاف ومقاومت نہ ہو
یونان کے ایک فلسفی نے جس کی مایوسی اپنے ہمعصرون کی بہ نسبت ذرا کم تھی ایک دفعہ یہ کہنے
کی جراءت کی تھی کہ دو مختلف الاشکال مذاہب کا ایک ساتھ موجود ہونا اور ملہم من اللہی کا دعوی
کرنا دونون کے بطلان پر دلالت کرتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مادی ومرئی اشیا تک کی
نسبت انسان ایک راے بمشکل قایم کر سکتا ہے۔ تاوقتیکہ وہ ایک ہی پہلو سے ان اشیا کو نہ دیکھے
پھر مابعد الطبیعیات کا ٹھکانا ہی کیا! حضرت مسیح کے ظہور سے تین سو سال پہلے اگر فلسفہ
اختلاف وارتیاب کی جولان گاہ تھا تو آپ کی وفات کے تین سو سال بعد مذہب بھی اسی
کشمکش وپیچ مین مبتلا تھا۔ پائی ٹیرز کا اسقف ہلاری اپنے مشہور ومعروف مضمون مین جو
اُس نے ناسیا کی کونسل کے انعقاد کے وقت لکھا تھا ایک مقام پر کہتا ہے:۔

"یہ واقعہ جس قدر افسوسناک ہے اُسی قدر خطرناک بھی ہے کہ لوگون کی جتنی رائین ہین
اُتنے ہی مذاہب ہین۔ جتنی خواہشین ہین اتنے ہی عقاید ہین اور جس نسبت سے اُن مین
عیوب پاے جاتے ہین اُسی نسبت سے اُنکے اسباب کفر والحاد کا شمار ہو سکتا ہے۔ اس کی
وجہ یہ ہے کہ ہم من مانے عقاید قایم کر لیتے ہین۔ اور جو جی مین آتا ہے ان کی تاویل کر دیتے
ہین۔ ان دیکھے اور ان بوجھے اسرار ورموز کی تاویل وتفسیر کے لیے ہم آئے دن نئے مذہب
تراشا کرتے ہین۔ ہم اپنے کیے پر پچھتاتے رہتے ہین۔ پچھتانے والون کی حمایت کرتے ہین

جن کی حمایت کرتے ہین اُنہین کو بُرا بھلا کہتے ہین۔ دوسرون کے عقاید کا باوجود ان عقاید کے پیرو ہونے کے ابطال کرتے ہین اور اپنے عقاید کو بھی باوجودیکہ دوسرے لوگ ان کے پیرو ہین جھوٹا قرار دیتے ہین۔ غرض اسی طرح باہم دست دگریبان ہوکر ہم آپس مین ایک دوسرے کی تخریب وتباہی کا باعث ہورہے ہین ؎

یہ محض لفظاہی لفظا نہین ہین، بلکہ اس خود ملامتی سے بوے حقیقت آتی ہے اور وہ شخص جو اُس زمانہ کی کلیسائی تاریخ سے واقف ہین اس کا مفہوم پوری طرح سے سمجھ سکتے ہین جود وکرم اور خیر وبرکت کے مسلک ہونے کے لحاظ سے جب مسیحیت کا پہلا جوش فرو ہوگیا تو نزاع ونفاق نے اپنا جھنڈا آ گاڑا۔ قیسی مورخین کا بیان ہے کہ دوسری صدی عیسوی کے آغاز کے ساتھ ایمان وعقل مذہب وفلسفہ اتقا وفطنت مین جنگ چھڑ گئی۔ ان اختلافات وتنازعات کے اندفاع اور احقاق حق کی غرض سے مجالس مشاورت کا انعقاد ہونے لگا جنھون نے بالآخر مجالس عمومیہ کی شکل اختیار کرلی۔ ایک عرصہ دراز تک ان مجالس کے اقتدارات مشورہ دہی کی حد سے آگے نہ بڑھنے پائے۔ لیکن جب چوتھی صدی مین مسیحیت مسند شہنشاہی پر جلوہ افروز ہوئی تو ان مجالس کے احکام کی تعمیل لازمی ہوگئی اور احکام کا نفاذ بزور حکومت ہونے لگا۔ اس واقعہ نے کلیسا کی کایا ہی پلٹ دی۔ مجالس عمومیہ یعنی مسیحیت کی پارلیمنٹین جن مین دنیا بھر کے گرجاؤن کے عہدہ دار بطور ارکان شریک ہوتے تھے شہنشاہ کے حکم سے منعقد ہوتی تھین۔ وہ اصالتًہ یا برائے نام ان مجالس کی خدمت صدارت انجام دیتا تھا۔ اور امور مابہ النزاع کا تصفیہ کرتا تھا گویا وہ مسیحی دنیا کا پاپا ہوتا تھا۔ تشیم مورخ جس کا حوالہ اوپر دیا جاچکا ہے اس زمانہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ قیسی عہدون پر جاہلون اور عامیون کے مامور ہونے کو کوئی چیز مانع نہ آسکتی تھی۔ وحشی اور بے علم جماعت جو علم وفضل کو عمومًا اور فلسفہ کو خصوصًا دشمن زہد واتقا خیال کرتی تھی بڑھتی جاتی تھی اور یہی وجہ تھی کہ تاکیسا کی کونسل یعنی مجلس

عمومی مین جہالت اور بے ربطی خیالات کی جو شان علی الخصوص اُن بزرگوارون کی تقریر اور دلائل مین پائی جاتی ہے۔ جنھون نے اس کونسل کے فیصلہ کو بہ نظر استحسان دیکھا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ باوجود اُس وسیع اثر کے جو اس کونسل نے مسیحی دنیا پر ڈالا ہے تبصرہ نگاران عہد قدیم کو نہ تو اس بارے مین اتفاق ہے کہ اس کونسل کا انعقاد کب اور کس مقام پر ہوا اور نہ یہی ٹھیک معلوم ہے کہ اس کے ارکان کی تعداد کس قدر تھی اور صدر نشین کونسل کونسا بطریق تھا اس کے مشہور و معروف فیصلہ جات کو سپرد قلم کرنے کی زحمت تک گوارا نہ کی گئی۔ یا اگر کی بھی گئی ہو تو وہ رو یداد بہ ضبط تحریر ہم تک نہین پہنچی۔ زمانۂ حال کے مدبرین کی اصطلاح مین کلیسا نے اس زمانہ مین جس کا ذکر کیا جارہا ہے " ریاستہاے جمہوری متحدہ" کی شکل اختیار کر لی تھی۔ کونسل کے فیصلہ کا انحصار کثرت راے پر ہوتا تھا۔ اور اس کے لیے ہر طرح کی سازشین اور افترا پردازیان اور دغا بازیان عمل مین لائی جاتی تھین یہان تک کہ دربار شاہی کی خواتین کے رسوخ بلکہ ارتشا بلکہ دھینگا مشتی تک سے کام لیا جاتا تھا۔ نایسیا کی کونسل کو چیز التوا مین پڑے ہوے زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ اُن سب لوگون نے جنھین کسی کی رو و رعایت مد نظر نہ تھی بالاتفاق یہی راے قایم کی کہ مذہبی معاملات مین معیار حق و صدق قایم کرنا اس قسم کی مجلسون کے بس کا روگ نہین۔ فریق مغلوب کو کوئی حق ایسا حاصل نہ تھا جس کا فریق غالب کو پاس ہو۔ بہت سے نیک نفس اور راست کردار اشخاص نے جب یہ عذر پیش کیا کہ ایسی کثرت راے جس مین اُن وکلا کی آرا کا عنصر غالب شریک ہو جن کا حق راے دہندگی مسلم نہ ہو کسی طرح حق مطلق کا ذریعہ تعین نہین ہو سکتا تو اُن کے عذر کو بحقارت نظر انداز کیا گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کونسل پر کونسل منعقد ہونے لگی جن کے متباین اور متناقض فیصلون نے مسیحی دنیا کو حیران و پریشان کر دیا۔ ایک نقطہ چوتھی ہی صدی مین تیرہ کونسلین ایریس کے مخالف پندرہ کونسلین اُس کے موافق اور سترہ کونسلین اُن لوگون کی تائید مین منعقد ہوئین جن کے عقاید ایریس سے ملتے جلتے تھے

گویا کل پینتالیس کونسلون کا انعقاد اس ایک مسلہ کے تصفیہ کی غرض سے ہوا۔ ان کونسلون کے اراکین کے طرز عمل پر یہ واقعہ روشنی ڈالتا ہے کہ جس قوت کا فریق غالب نے بیجا استعمال کیا تھا اسی سے فریق مغلوب بھی فائدہ اُٹھانے کی کوشش کرتا تھا۔

جس مورخ کی بے تعصبانہ تحریر سے ہم نے اوپر التقاط کیا ہے اُسی کا یہ بھی بیان ہے کہ چوتھی صدی مین عیسائی دو بلاکی سنگین غلطیون مین مبتلا ہوگئے تھے۔ اول یہ کہ دھوکا دینا اور جھوٹ بولنا داخل حسنات ہے بشرطیکہ اس سے کلیسا کی اغراض کو کوئی فائدہ پہنچے دوم یہ کہ اگر کافی سرزنش اور زجر و توبیخ کے بعد بھی کوئی شخص اپنی مذہبی لغزشون پر اڑا رہے تو وہ مستوجب سزائے قانونی و عقوبت جسمانی ہے۔

جب ہم اُن امور پر جنھین عوام اُس زمانہ مین معیار حق سمجھتے تھے نظر ڈالتے ہین تو ہمین بلا اختیار تعجب ہوتا ہے۔ کسی مسلہ کی حقیقت کی سب سے بڑی دلیل اُن شہدا کی تعداد ہوتی تھی جنھون نے اسے سچ مانا ہو یا وہ معجزے یا کرامتین اُسکی صحت پر گواہ ہوتی تھین جو اُس کی تائید مین پیش کی جاسکین یا ارواح خبیثہ یا مجانین یا اشخاص آسیب زدہ کا اقبال اُس کی سچائی کا ثبوت سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ سینٹ امبروز کو جب کبھی پیروان آیریس سے مناظرہ کا اتفاق ہوا تو ان بزرگوار نے جھٹ سے آسیب زدہ اشخاص کو پیش فرما دیا۔ جنھون نے بعض مسیحی شہدا کے تبرکات کی صورت دیکھتے ہی یہ پکارنا شروع کیا کہ نائسیا کی کونسل کا مسلہ اتانیم ثلثہ برحق ہے۔ لیکن پیروان ایریس بھی کچی گولیان نہ کھیلے تھے۔ اُنھون نے سینٹ امبروز پر یہ الزام لگایا کہ اُس نے ان خبیث گواہون کو بہت بڑی رشوت دیکر جھوٹی شہادت دینے پر آمادہ کیا ہے۔ وہ عدالتین بھی اس زمانہ مین قایم ہو چلی تھین جن مین ابتلا کا طریقہ جاری کیا گیا تھا۔ یعنی ملزم کے خطاوار یا بے خطا ہونے کا فیصلہ اُسے انواع و اقسام کی جسمانی آزمایشون مین ڈال کر نتیجہ کے لحاظ سے منجانب اللہ سمجھا جاتا تھا۔ چھ صدی تک یہ عدالتین ملزم کی گنہگاری یا بے گناہی کا ثبوت آب سرد۔ مبارزت۔ جلتی آگ اور صلیب کے گوناگون ذرایع تحقیقات سے دیتی

رہین ۔

شہادت کی ماہیت اور اُس کے قوانین کے متعلق اس جہالت اور لاعلمی کی بھی کوئی حد ہے ملزم پانی کے تالاب مین پھینک دیا جاتا ہے اور وہ یا تو ڈوب جاتا ہے یا تیرنے لگتا ہے۔ اُس کے ہاتھہ مین سُرخ جلتی ہوئی لوہے کی ایک سلاخ تھمادی جاتی ہے جس سے وہ یا تو جل جاتا ہے یا بچ رہتا ہے۔ جس مبارز کو اُسنے اجرت دے کر اپنی طرف سے لڑنے کے لئے منتخب کیا ہے وہ یا تو مغلوب ہوجاتا ہے یا غالب آتا ہے۔ وہ اپنے بازؤن کو صلیب کی شکل مین اُس شخص کی بہ نسبت جس نے اُس پر الزام لگایا ہے کم دیر تک پھیلائے ہوئے رکھہ سکتا ہے یا زیادہ دیر تک۔ لیکن انہین آزمائشون کے نتایج کے لحاظ سے کسی علت منسوبہ کے متعلق اُس کی تصورواری یا بے تصوری مسلم قرار پاتی ہے۔ کیا یہی طریقے معیار حق وراستی ہو سکتے ہین؟

ایسی حالت مین مقام تعجب نہین کہ یورپ مین صدہا سال تک جھوٹی کرامتون کا بازار گرم رہا اور یہ وہ کرامات ہین جو انسان کی عقل وتمیز کے لیے باعث ننگ وعار ہین۔

لیکن وہ دن جو نہ ٹل سکتا تھا آخر آپہنچا۔ وہ ادعا اور وہ عقاید جو اس قسم کی نامعقول شہادت پر مبنی تھے اُس بے اعتباری کی خاک مین مل گئے جس کا پیوند خود یہ شہادت ہو چکی تھی۔ جب تیرہوین صدی شروع ہوئی تو چارون طرف تشکک اور بداعتقادی کی ہوا چلنے لگی اول اول اس بداعتقادی سے پادریون کا طبقہ متاثر ہوا اور اس کے بعد یہ بہ سرعت تمام عوام الناس مین پھیل گئی۔ پادریون نے اپنے تشکک کی بھڑاس "انجیل لازوال" کی سی کتابین تصنیف کر کے نکالی اور عوام الناس "کیتھرسٹ" "والڈنسیز" اور "پیٹروبرشن" کے سے فرقون مین متفرق ہو گئے۔ ان سب کو اس امر مین اتفاق تھا کہ مذہب مسلمہ ومروجہ اغلاط واوہام کا ایک مجموعہ بے ربط ہے۔ پاپا نے عیسائیون پر جو جبری حکومت قایم رکھی ہے وہ ناجائز اور ظالمانہ ہے اور روما کا یہ دعویٰ کہ پاپاے روما دنیا کا حکم الحاکمین ہے اور کسی بادشاہ یا قسیس یا دینی و دنیوی حکمران کو کوئی جائز مذہبی یا سیاسی اقتدار حاصل نہین ہو سکتا تاوقتیکہ وہ پاپا ہی کا عطا کیا ہوا نہ ہو

بالکل بے بنیاد اور حقوق انسان کے لیے بمنزلہ غاصبانہ دستبرد کے ہے۔

بیدینی کے اس سیلاب کی روک تھام کے لیے پاپائے روما کی حکومت نے دو محکمے قایم کیے۔ (۱) "انکوئزیشن" یعنی محکمہ احتساب عقاید اور (۲) محکمہ اعتراف سرّی ثانی الذکر تفتیش اور سراغ برآری کا ذریعہ تھا اور اول الذکر سزادہی کا۔

عام الفاظ میں "انکوئزیشن" کا مقصد یہ تھا کہ تخویف و ترہیب کے ذریعہ سے مذہبی اختلافات کا استیصال کیا جائے اور بدعت و زندقہ کو نہایت خوفناک سزاؤں کے تصور سے وابستہ کردیا جائے۔ اس کے یہ معنی تھے کہ ارباب "انکوئزیشن" ہی کو بدعت و زندقہ کی تعریف و تبیین کا اختیار حاصل ہو۔ اس طور پر معیار حق محکمۂ انکوئزیشن کے ہاتھ آگیا اور پاپا کی طرف سے یہ محکمہ مجاز کیا گیا کہ "ان ملاحدہ و زنادقہ کی نسبت بعد سراغ برآری تجویز مناسب صادر کرے جو شہروں مکانوں تہ خانوں جنگلوں غاروں اور کھیتوں میں چھپے ہوئے ہیں" یہ اغراض مذہبی کے تحفظ کی اس خدمت کی انجام دہی میں اس محکمہ نے ایسی وحشیانہ مستعدی ظاہر کی کہ ۱۴۸۱ء سے لیکر ۱۸۰۸ء تک اس نے تین لاکھ چالیس ہزار اشخاص کو مختلف سزائیں دیں اور اشخاص سزایاب میں سے تقریباً بتیس ہزار نفوس زندہ جلا دیے گئے اول اول جب عامہ خلایق کو اس کی وحشیانہ سزاؤں کے خلاف اپنی آواز بلند کرنے کی جرارت اور مجال نہ تھی تو بسا اوقات ایسا اتفاق ہوتا تھا کہ امرا اہل قلم قسیس راہب اور ہر طبقہ کے عوام الناس الزام عاید ہوتے ہی بلا اس کے کہ انہیں اپیل کا موقع دیا جائے اسی دن مارڈالے جاتے تھے ارباب فکر و دانش کی جدہر نظر پڑتی تھی انہیں بھیانک اور ڈراونی پرچھائیاں دکھائی دیتی تھیں۔ کوئی شخص بلاخوف سزایابی آزادانہ راے کے اظہار پر قادر نہ تھا۔ "انکوئزیشن" کا طرز عمل ایسا خوفناک اور مہیب تھا کہ پگلیا ریسائی کا یہ فقرہ ہزارہا نفوس کی صدے بازگشت بن گیا تھا۔ "ممکن نہیں کہ کوئی شخص مسیحی ہو اور اطمینان سے اپنی موت مرے"

"انکوئزیشن" نے جنوبی فرانس کے عیسائی فرقوں کا تیرھویں ہی صدی میں خاتمہ کردیا

تھا۔ اس کی غدّارانہ سفاکی نے اٹلی اور اسپین مین پراٹسٹنٹ مذہب کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا۔ مذہبی امور کے علاوہ اس نے پولیٹیکل شورش کے فرو کرنے کی خدمت بھی خود ہی انجام دینی شروع کی۔ نکولس ایمیرک جو حکومت آیریگان کا پچاس سال تک صدر محتسب رہا اور جس کا انتقال ۱۳۹۹ء مین ہوا۔ اپنی کتاب "روید ا د محکمۂ احتساب عقاید" مین اس محکمے کے ہیبت انگیز اور کپکپا دینے والے مظالم کی داستان قلم بند کر گیا ہے۔

یہ محکمہ مسیحیت بلکہ بنی نوع انسان کے لئے موجب ننگ و عار ہے۔ مختلف ممالک مین مختلف حیثیتون سے قایم تھا پاپاے روما نے اس کے جابرانہ اور مطلق العنان اختیارات قایم رکھ کر بالآخر قدیم قسیسی محکمہ جات احتساب کو موقوف کر دیا۔ اور وہ اختیارات جو ہر اسقف کو بزمانۂ سابق اس بارہ مین حاصل تھے چھین کر اپنے اقتدارات مین ضم کر لیے۔ اس طرح محکمۂ "انکوئزیشن" براہ راست پاپا کی ماتحتی مین آگیا اور پاپا ہی کے کارندے اور گماشتے اسکو چلانے لگے۔

چوتھی لیٹرن کونسل (۱۲۱۵ء) کے فیصلہ نے "انکوئزیشن" کے اقتدارات مین ایک خوفناک اضافہ کر دیا یعنی یہ بات ہر شخص کے فرایض مین باضابطہ طور پر داخل کر دی گئی کہ اپنے حلقہ کے پادری کے سامنے اپنے تمام افعال و اعمال کا اعتراف کیا کرے۔ اس کا نام طریقہ اعتراف سرّی ہے۔ اس طریقہ کی بدولت جس حد تک کہ خانگی زندگی کو تعلق تھا محکمہ "انکوئزیشن" ہمہ بین و ہمہ دان ہو گیا کوئی شخص اپنے آپ کو مامون و مصئون نہ تصور کر سکتا تھا۔ حلقہ کے پادری کو یہ قدرت حاصل تھی کہ اُس کی بی بی یا ملازمون کے خفیہ سے خفیہ اور پوشیدہ سے پوشیدہ دلی راز بہ طریقہ جرح یا بر سبیل جبر دریافت کرے اور اس لحاظ سے بی بی اپنے خاوند اور نوکر اپنے آقا کے گویا جاسوس بنا دیے گئے تھے۔ اس خوفناک عدالت کے سامنے وہ پکڑ بلایا جاتا تھا اور اُس سے صرف اسی قدر کہا جاتا تھا کہ کلیسا کو تمہارے عقاید نہایت مشتبہ معلوم ہوتے ہین۔ کسی الزام لگانے والے کا نام ملزم کو نہین بتایا جاتا تھا

بلکہ یہ کہی انگوٹھے کو پچی کرنے والے پیچ۔ بدن کو تاشنے والے رستے۔ پاؤن کی ہڈیون کو چورا چورا کرنے والے بوٹ۔ انگلیون کو توڑنے والے فانے اور دوسرے عقوبت آفرین شکنجون سے بہت جلد پوری کردی جاتی تھی اور خواہ وہ معصوم ہوتا تھا خواہ ظالم ہر حالت مین اُسے جرم کا اعتراف کرتے ہی بنتی تھی۔

لیکن باوجود ان تمام اقتدارات کے "انکوزیشن" کو اپنے مقصد مین کامیابی نہ ہوئی۔ جب ملاحدہ وزنادقہ اس کی تاب نہ لاسکتے تھے تو اس سے بچنے کے لیے سو سو طرح کے حیلے نکالتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تشکک اور بداعتقادی کا تمام یورپ مین چپکے چپکے عمل دخل ہوگیا۔ لوگ ذات باری تعالےٰ۔ بقاے روح انسانی اور اختیار ارادہ بشری کے منکر ہو گئے اور یہ سمجھنے لگے کہ انسان جبر مطلق کی مدافعت نہین کرسکتا اور اُن مقدرات سے جن کا دل بادل اُسکے چارون طرف چھایا ہوا ہے کسی طرح گریز نہین۔ اس قسم کے خیالات خموشی کے ساتھہ اُن ہزارون لاکھون آدمیون کے دلون مین گھر کرگئے جو تسیحیت کے مظالم سے تنگ آکر مجبور تھے کہ اس مایوسانہ تخیل کی آڑ مین پناہ لین۔ "ولڈنسیز" فرقہ کے پیرو باوجود اُن انواع واقسام کی سختیون کے جو ان کی بیخ کنی کے لیے عمل مین لائی گئین اس خیال کی اشاعت مین کامیاب ہوکر رہے کہ کلیساے روما قسطنطین کے عہد کی پاکیزگی اور تقدس سے کوسون دور جا پڑا ہے۔ اُنہون نے تذکرہ غفران کی فروخت کے خلاف بھی اپنی آواز بلند کی اور یہ ظاہر کیا کہ اس ذریعہ مغفرت نے دعا روزہ اور خیرات کا تقریباً خاتمہ کردیا ہے۔ اس کے ساتھہ ہی ان لوگون نے یہ خیال بھی ظاہر کیا کہ مرے ہوؤن کی روحون کے لیے دعاے مغفرت کرنا ایک فعل عبث ہے اس لیے کہ وہ بہشت و دوزخ مین پہلے ہی داخل ہو چکے ہون گے۔ اگرچہ عام طور سے یہ سمجھا جاتا تھا کہ فلسفہ یا سائنس مسیحیت یعنی اتقاے خالص کی اغراض کے منافی ہے پھر بھی اسلامی تصانیف جو اُس زمانہ مین اندلس مین رائج تھین ہر طبقہ کے لوگون کے عقاید پر اپنا زبردست اثر ڈال رہی تھین۔ یہ اثرات

ہم کو اُن فرقون مین صاف صاف نظر آتے ہین جو اس زمانہ مین قایم ہو چلے تھے چنانچہ فرقہ
" ابناو بنات حرّیت " کا یہ عقیدہ تھا کہ " کائنات کا خروج ذات باری تعالےٰ سے ہوا ہے اور
بالآخر اسی ذات مین اس کا انضمام ہو جائے گا ۔ نفوس ناطقہ انسانی جناب باری کے اجزا
ہین اور کائنات ہی بحیثیت مجموعی خدا ہے ۔ یہ وہ خیالات ہین جو بجز ترقی یافتہ دماغون کے
اور کہین نہین سما سکتے ۔ اس فرقہ کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ ان مین سے اکثر خوشی خوشی
" انکوئزیشن " کی آگ مین جل گئے مگر زبان پر اُف اور ماتھے پر بل تک نہ لائے پادریون نے
ازراہ عناد اس فرقہ پر یہ الزام لگا کر اپنا جی ٹھنڈا کر لیا کہ آدھی رات کے وقت اس فرقہ کی عورتین
اور مرد برہنہ ہو کر تاریک کمرون مین جاتے ہین اور وہان حظ نفسانی سے بہرہ اندوز ہوتے ہین"
اسی قسم کا الزام جیسا کہ ہمین اچھی طرح سے معلوم ہے روما کی رنگین مزاج سوسائٹی نے قدیم
مسیحیون پر بھی لگایا تھا ۔

ابن رشد کے فلسفہ کا اثر ان فرقون مین سے اکثر کے عقاید مین صاف نظر آتا تھا ۔ مسیحی
نقطۂ خیال سے اس اسلامی مسلک کا لازمی نتیجہ یہ زندیقانہ عقیدہ تھا کہ ارکان مسیحیت کا حاصل
بجز اس کے اور کچھ نہین کہ روح انسانی ذات باری تعالیٰ مین داخل ہو جائے ۔ خدا اور کائنات
کو آپس مین وہی تعلق ہے جو روح کو جسم کے ساتھ ہے ۔ صرف ایک عقل واحد و منفرد کا عالم
مین وجود ہے اور بنی نوع انسان کی روحانی و عقلی مستعدی کی ذمہ دار ایک ہی روح ہے جب
اصلاح کنیسہ کا زمانہ قریب آیا اور " انکوئزیشن " کے مصیطرون نے ابن رشد کے اطالوی پیرون
کے عقاید کی تفتیش شروع کی تو انھون نے یہ ثابت کرنا چاہا کہ فلسفیانہ اور مذہبی حقیقت مین
ایک بون بعید ہے ۔ ممکن ہے کہ ایک بات از روے فلسفہ برحق ہو لیکن از روے مذہب باطل
ہو ۔ یہ وہ تدبیری حیلہ تھا جسے " لیٹرن کونسل " نے پاپاے لیو دہم کے زمانہ مین ناجائز قرار دیا ۔

لیکن باوجود اعتراف مشری و احتساب عقاید کے یہ بد عتیانہ رجحان بدستور قایم رہے
اس قول کی صداقت مین شک نہین کہ اصلاح کنیسہ کے وقت یورپ کے مختلف مقامات

مین ایسے بہت سے لوگ چھپے ہوئے تھے جنھین مسیحیت سے قلبی عداوت تھی ان خانہ برانداز ان مذہب مین پامپونشیس کی طرح اکثر تو پیروان ارسطو تھے۔ باڈن ریبلیس اور مانٹین کے مانند بہت سے فلاسفہ اور بزلہ سنج نکتہ دان تھے اور لیو دہم لمبو اور بزدلو کے مثل بہت سے آزاد خیال اطالوی تھے۔

کراماتی شہادت گیارہوین اور بارہوین صدی مین پایۂ اعتبار سے ساقط ہو چلی۔ اندلس کے مسلمان فلاسفہ کے مطاعن و مضاحک سے متاثر ہو کر بہت سے روشن خیال پادری قایل ہو گئے کہ اس قسم کی شہادت کی حقیقت ایک خیالی ڈھکوسلے سے زیادہ نہین۔ سنہ ۱۱۳۰ء مین بمقام آمالفی جسٹینین کے مجلۃ القوانین کا مکمل نسخہ برآمد ہوا جس نے لوگون کے دلون مین علم اصول قانون روما کے مطالعہ کا شوق پیدا کر دیا اور قانونی یا فلسفیانہ شہادت کی نوعیت کے متعلق لوگون کی معلومات زیادہ وسیع ہو گئین۔ ہیلم نے اس نسخہ کے برآمد ہونے کے مشہور و معروف واقعہ کو کسی قدر شبہ کی نگاہ سے دیکھا ہے لیکن اس امر کا اسکو بھی اعتراف ہے کہ فلارنس کے کتب خانہ ”لارنشین“ مین جو نسخہ مجلۃ القوانین کا موجود ہے صرف ایک وہی ایسا نسخہ ہے جو پوری پچاسون جلدون پر متضمن ہے۔ غرض مجلۃ القوانین کی دریافت کے بیس سال بعد گریشین نامی ایک راہب نے مختلف پاپاؤن کے فرامین۔ کونسلون کے فیصلہ جات بزرگان و علماے کلیسا کے ملفوظات ایک کتاب مین جس کا نام ”ڈیکریٹم“ (فتاوی) ہے جمع کیے چنانچہ یہ کتاب قانون دینیہ پر سب سے زیادہ قدیم تصنیف ہے۔ اس کے بعد کی صدی مین پاپاے گریگوری نہم نے ”ڈیکرٹیل“ (کتاب الاوامر) پانچ حصون مین شایع کی اور بانیفیس ہشتم نے ان پر ایک حصہ کا اور اضافہ کیا۔ اس کے بعد گریگوری سیزدہم نے ”کلیمنٹاین کانسٹیٹیوشنز“ (دساتیر کلیمنٹ) کتاب الاوامر کی ساتوین جلد اور ”اے بک آف انسٹیٹیوٹز“ (کتاب الآیین) کو ایک جگہ جمع کر کے ”کارپس جیورس کینانیسائی“ (مجموعہ قوانین دینیہ) کے نام سے سنہ ۱۵۸۰ء مین شایع کیا۔ قانون شرعی کو وصیت نامجات

ولایت یتامی نکاح اور طلاق پر قابو پانے کی وجہ سے رفتہ رفتہ بہت بڑا اقتدار حاصل ہو گیا تھا
کراماتی شہادت کے انکار اور اُس کے بجاے قانونی شہادت کے قیام سے اصلاح
کنیسہ کی ساعت بہت قریب آ گئی۔ ایک زمانہ ایسا بھی تھا کہ کنٹربری کے لاٹ پادری
انسلم کا مقرر کیا ہوا یہ قاعدہ مسیحی دنیا مین نافذ تھا کہ ہم کو پہلے بے سوچے سمجھے بے دیکھے بھالے
یقین کر لینا چاہیے اُسکے بعد ہمین اختیار ہے کہ اپنے یقین کی وجہ دریافت کرنے کی کوشش
کرین۔ لیکن اس قاعدہ پر اس وقت عمل درآمد ہونا ممکن نہ تھا۔ کجیٹن نے لوتھر سے کہا تھا کہ
تجھ کو اس بات پر ایمان لانا چاہیے کہ یسوع مسیح کے خون کا ایک قطرہ کل بنی نوع انسان کے
کفارہ ذنوب کے لیے کافی ہے۔ باقی جس قدر خون باغ مین اور صلیب پر گرا وہ پاپاے
روما کو ترکہ مین ملا تاکہ اس نجات کی روشنائی سے تذکرات الغفران لکھے جا سکین۔ اگر اگلا
سا زمانہ ہوتا تو لوتھر کو اس قول کی صداقت کے تسلیم کرنے مین مطلق تامل نہ ہوتا۔ مگر اب آزادی
خیال کی ہوا چلنے لگی تھی۔ اور بزم دماغ مین شمع دانش جلنے لگی تھی۔ کجیٹن کی ہرزہ سرائی کو
اس دلیر جرمن راہب نے استحقار و استکراہ کی نظر سے دیکھا اور اگر کجیٹن اپنے دعوے
کی تائید مین ہزار معجزے اور کرامتین بھی پیش کرتا تب بھی وہ اُسکو تسلیم نہ کرتا۔ معصیت پر خط
عفو کھینچنے کے لیے تذکرۃ الغفران کی فروخت کے ناپاک اور شرمناک طریقہ کی ابتدا اُن
اساقف نے کی تھی جنھین اپنی اوباشیون اور عیاشیون کے لیے جب اور کسی طریقہ سے
روپیہ نہ ملتا تھا تو مسیح کے گلے کی کالی بھیڑون کے ہاتھ پروانہ مغفرت ہی بیچ بیچ کر روپیہ وصول
کرتے تھے جن قسیسون اور راہبون کو اس سود مند تجارت سے ہاتھ رنگنے کی ممانعت
تھی وہ تبرکات ہی کے جلوس نکال کر اپنی جیبین بھرتے تھے یعنی جو شخص بغرض حصول ثواب
ان تبرکات کو چھونا چاہتا تھا اُس سے ایک خاص رقم بطور نذرانہ رکھوا لیتے تھے۔ حضرت
پاپا کا مالی قافیہ جب تنگ ہوا اور آپ نے دیکھا کہ تذکرات الغفران کے بیوپار مین بہت
بڑا فائدہ ہے تو آپ نے اساقف کو حق تذکرہ فروشی سے محروم کر کے اس حق کا استعمال

اپنی ذات کے لیے مخصوص کر دیا اور اپنے گماشتے اور کارندے تذکرہ فروشی کے لیے جا بجا مقرر کر دئیے۔ اس گماشتگی اور کارندگی کے لیے زیادہ تر گدائی پیشہ طبقون کے راہبون کا انتخاب ہوتا تھا۔ ان طبقون مین مسابقت اور رقابت کا بازار بہت جلد گرم ہو گیا۔ ہر طبقہ فخریہ اعلان کرتا تھا کہ چونکہ ہمارا اثر آسمانی دربار مین زیادہ ہے اور مقدس مریم عذرا اور دوسرے اولیاے کرام کی جناب مین ہمین زیادہ تقرب حاصل ہے اس لیے ہمارے تذکرے عفو و غفران کا زیادہ موثر ذریعہ ہین۔ خود لوتھر پر جس کا تعلق طبقہ اگسٹائن کے راہبون سے تھا یہ بہتان باندھا گیا کہ جب ۱۵۱۷ء مین پاپاے لیو دہم اسی ذریعہ سے سینٹ پیٹر کے گرجا کی تعمیر کے لیے روپیہ جمع کر رہا تھا تو بجاے اس کے کہ بخشش کے پروانون کی فروخت کا ٹھیکہ لوتھر کی برادری کو دیا جاتا ڈامینکن فرقہ کے راہبون کو دیا گیا۔ جس کی وجہ سے لوتھر نے ناراض ہو کر کلیسا سے قطع تعلق کر لیا۔ "اصلاح" کے ابتدائی ایام مین خود لیو بھی اس الزام کو صحیح تصور کرتا تھا۔

اس طور پر واقعہ "اصلاح" کی فوری محرک فروخت تذکرات الغفران ہوئی لیکن زیادہ عرصہ نہ گزرنے پایا تھا کہ سبب اصلی بھی جو اس کشمکش کی روح درواں تھا ظاہر ہو گیا۔ حقیقی بحث جس پر اس تمام جد و جہد کا دار و مدار تھا یہ تھی کہ آیا انجیل کی حقیقت کا دار و مدار کلیسا پر ہے یا کلیسا کی حقیقت کا دار و مدار انجیل پر ہے؟ بالفاظ دیگر معیار حق کا ماخذ ہے تو کونسا ہے؟

واقعہ اصلاح کنیسہ کی مشہور و معروف جزئیات اور ان خونریز لڑائیون کی تفصیل جو اسکی وجہ سے یورپ مین مدتون چھڑی رہین ہم اس مقام پر سپرد قلم کرنا ضروری نہین خیال کرتے لوتھر کا وٹمبرگ[۵] کے گرجا کے دروازے پر ۹۵ مسائل نصب کرنا اور اس جرم کی جواب دہی

[۵] جرمنی کا ایک متوسط درجہ کا شہر ہے جو دریاے الب کے دہنے کنارے پر واقع ہے۔ ۳۱ اکتوبر ۱۵۱۷ء کو لوتھر نے اس شہر کے گرجا کے دروازے پر وہ مشہور استفتا کیلون سے جڑ دیا جس کے ۹۵ مسائل نے مسیحی دنیا کو رومن کیتھولک اور پراٹسٹنٹ دو فرقون مین تقسیم کرنے کی بنیاد رکھی۔

سے کے لیے روما مین طلب کیا جانا۔ اُس کا پاپا کو یہ لکھہ بہیجنا کہ آپ اس وقت حقیقت حال سے خالی الذہن ہین جب آپ کو پوری کیفیت معلوم ہوگی تو جو جرم مجھ سے منسوب کیا جاتا ہے وہ جرم نہ رہے گا بلکہ ایک حقیقت نفس الامری سمجھا جاے گا۔ اُس پر بدعت اور زندقہ کا الزام لگایا جانا اور اُس کا ایک عام کونسل مین اپیل دائر کرنا۔ مسائل مطہر عشاے ربانی۔ اعتراف سری وغفران ذنوب کی پیچ در پیچ بحثون مین سے اصلی بحث یعنی ذاتی راے کے اظہار کے استحقاق کا چھٹ کر نکل آنا۔ سنہ ۱۵۲۰ء مین لوتھر کا مسیحی جماعت سے خارج کیا جانا اور اس کے جواب مین اُس کا فرمان اخراج اور نیز مجموعہ قوانین دینیہ کو یہ کہہ کر کہ اس کا مقصد بجز ملکی و دیوانی اقتدارات کے استیصال اور پاپاے روما کی شوکت وسطوت کے اعتلا کے اور کچھ نہین جلا ڈالنا[۱]۔ اس دانشمندانہ حیلے سے اُس کا جرمنی کے متعدد رئیسون کو اپنا ہم خیال بنا لینا۔ مجلس شاہی مین جو بمقام ورمس منعقد ہوئی اُس کا طلب کیا جانا اور اپنے عقاید سے تائب نہ ہونا۔ درٹبرگ کے قلعہ مین اُس کا کچھ مدت کے لیے روپوش ہونا اور اس عرصہ مین اُس کے عقاید کا اطراف واکناف ملک مین پھیلنا اور سوئٹزرلینڈ مین زوئنگلی کی کوششون سے اصلاح کینسہ کی ایک جداگانہ تحریک کا بارور ہونا۔ تحلیل ملل وتشعیث نحل کے اُس اصول کا جو تحریک اصلاح مین مضمر تھا اہل جرمنی وسوئٹزرلینڈ کی باہمی رقابت کا باعث قرار پانا۔ بلکہ سوئٹزرلینڈ مین زوئنگلی اور کیلون کی سرگرمی سے دو مخالف گروہ پیدا کر دینا۔ ماربرگ۔ اسپائرس اور آگسبرگ کی مجلسون کا ان اختلافات

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۹۲ لوتھر اس گرجا مین دفن ہے۔ سنہ ۱۸۵۸ء مین گرجا کے دروازے بدل دیے گئے اور کانسی کے نئے دروازے لگائے گئے جن مین ۹۵ مسایل کھدے ہوئے ہین۔ مترجم

[۱] پاپا کا فرمان لوتھر نے وٹمبرگ مین جس مقام پر بتاریخ ۱۰ دسمبر سنہ ۱۵۲۰ء جلایا تھا وہان شاہ بلوط کا ایک سالخوردہ درخت کھڑا ہے جو اس لحاظ سے اصلاح کنیسہ کی پرانی یادگار سمجھا جاتا ہے۔

مترجم

و نزاعات کے مٹانے کی کوشش مین ناکام رہنا۔ اور مصلحان جرمنی کا بمقام اسمال کالڈ سیاسی اتحاد قایم کر کے اصلاح کو سیاسی رنگ مین رنگ دینا۔ پیروان لوتھر و پیروان کیلون کی باہمی نزاعات سے روما کو اپنے نقصانات کی تلافی کی امید بندھنا۔ یہ تمام واقعات ایسے ہین جن کی جزئیات کا اعادہ اس مقام پر غیر ضروری ہے۔

لیو کو بہت جلد معلوم ہوگیا کہ لوتھر کی پیدا کی ہوئی تحریک فروخت تذکرات الغفران کے منافع کی بابت چند شوریدہ سر اور دنیادار پادریون کا جھگڑا ہی نہین ہے بلکہ اس کی تہ مین بہت زیادہ اندیشہ ناک اور نتیجہ خیز اسباب چھپے ہوئے ہین۔ چنانچہ اُس نے پوری پاپائی قوت کو باغی جماعت کی سرکوبی پر صرف کرنا شروع کیا۔ پاپاے روما کے اس جوڑ توڑ نے وہ خوفناک اور تباہ کن لڑائیاں چھڑوا دین جنھون نے سالہا سال تک یورپ مین قتل و خونریزی کا ہنگامہ برپا کیے رکھا اور مسیحی اقوام مین اُن عداوتون کا بیج بو دیا جن کو نہ عہدنامہ وسٹفیلیا مٹاسکا اور نہ ٹرنٹ کی کونسل ہی باوجود اٹھارہ سال کے مسلسل بحث و مباحثہ اور افہام و تفہیم کے فرو کرسکی۔ واقعہ سینٹ برتھالومیو (۱۵۷۲ء) نے جس مین فرانسیسی پراٹسٹنٹون کا قتل عام ہوا یورپ بھر کو مبہوت و سراسیمہ کردیا اور کیا پراٹسٹنٹ کیا رومن کیتھولک سب کے جسم پر رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ غدارانہ بدعہدی اور وحشیانہ خونریزی کے لحاظ سے یہ واقعہ تاریخ عالم مین اپنی مثال آپ ہے۔[۵]

[۵] یہ قتل عام جو ڈیڑھ مہینے تک جاری رہا اور جس مین پچاس ہزار پراٹسٹنٹ مارے گئے ۲۴ راگست ۱۵۷۲ء کی شام کو شروع ہوا جو ایک مسیحی بزرگ سینٹ برتھالمیو کے عرس کی تاریخ ہے اس زمانہ مین چارلس نہم فرانس کا بادشاہ تھا لیکن حکومت کی باگ اصل مین اُس کی ماں ملکہ کیتھرائن مدیسی کے ہاتھ مین تھی جو تعصب کی پتلی اور جبر و بے عنوانی کی زندہ تصویر تھی۔ کیتھولک فریق نے کیتھرائن کی شہ پاکر یہ منصوبہ گانٹھا کہ پراٹسٹنٹون کے سردارون کو جمع کر کے قتل عام کردیا جاے اور اُسکے بعد اُن کے ساتھیون کا قلع قمع کیا جائے۔ اس منصوبہ کو بروے کار لانے کے لیے طرح طرح کے جوڑ توڑ کیے گیے۔ کیتھرائن اپنی بیٹی کی شادی نیویر

پاپاے روما نے مخالفین کی بیخ کنی کے لیے سبھی طرح کے جتن کیے۔ خانہ جنگیون کی آگ بھڑکانے کے لیے ہیزم کشی کی۔ قتل عام کرادیے۔ اہل خلاف کو چن چن کر مروا ڈالا لیکن ان مایوسانہ کوششون سے کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ ٹرنٹ کی کونسل کی جدوجہد بھی بیکار گئی۔ اس کونسل کے انعقاد کا منشا بظاہر اگرچہ یہ تھا کہ کلیسائے عیسوی کے عقاید کی اصلاح و توضیح و تحکیم و تعیین کرے اور احیا رتا دیب سے پیشوایان دین عیسوی کی اخلاقی اور علمی حالت کو سدھارے لیکن ارکان کونسل کے انتخاب مین یہ چالاکی کی گئی تھی کہ عنصر غالب اطالوی اور اس لحاظ سے پاپا کے زیر اثر تھا۔ اسی لیے ممکن نہ تھا کہ پراٹسٹنٹ فرقہ اس کونسل کے فیصلون پر کاربند ہو۔

اصلاح کنیسہ کا لب لباب یہ مسئلہ تھا کہ بائبل ہر مسیحی المذہب شخص کی ہدایت کے لیے کافی و مکتفی ہے اور یہی مسئلہ تمام پراٹسٹنٹ کلیساؤن کے مسلمات مین داخل ہو گیا۔ روایت کی بنا منہدم ہو گئی اور یہ امر تسلیم کر لیا گیا کہ ہر شخص کو بذات خود مذہبی معاملات مین راے قایم کرنے کا حق حاصل ہے۔ غرض یہ خیال عام طور پر پھیل گیا کہ حق و باطل مین تمیز کرنے کا رستہ آخر انسان کے لیے کھل گیا ہے۔

کتب مقدسہ سے استشہاد و استناد کرنے کا جو اصول اس طور پر قایم کیا گیا تھا اُسکا تعلق

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۹۴ – کے فرمانروا شاہ ہنری جو پراٹسٹنٹ تھا کرنے پر رضامند ہو گئی۔ اور شادی کی تقریب پر تمام بڑے بڑے پراٹسٹنٹ اور امرا و اعیان کو دعوت دی گئی۔ جب یہ سب پیرس مین جمع ہو گئے تو آدھی رات کے وقت شاہی محل سے گھنٹہ بجا اس کا مطلب یہ تھا کہ قتل عام شروع ہو۔ چنانچہ کیتھولک تلوارین لیکر اُٹھے اور جس پراٹسٹنٹ کو جہان پایا ذبح کر ڈالا۔ کشت و خون کا یہ ہنگامہ پیرس تک ہی محدود نہ تھا بلکہ مملکت فرانس مین جہان جہان پراٹسٹنٹ موجود تھے ککڑی کی طرح کاٹ ڈالے گئے۔ پاپاے گریگوری سیزدہم اس وقت جلوہ افروز مسند قدس و عصمت تھے۔ اس قتل عام کی خبر جب آپ کو پہنچی تو آپ نے سجدۂ شکر ادا کیا اور گرجا مین جا کر شکرانہ کی نماز پڑھی اور اس مبارک واقعہ کی یادگار مین ایک تمغہ تیار کرایا جو مومنین پاک یعنی پراٹسٹنٹون کے قاتلون کو عطا فرمایا گیا۔ مترجم

خالص مذہبی یا اخلاقی معاملات ہی سے نہ تھا بلکہ فلسفیانہ حقایق کا انکشاف اور رموز فطرت کا انکشاف بھی اسی اصول کی حد عمل مین داخل تھا۔ بہت سے لوگ تو اس بارے مین اپیفینس کے نقش قدم پر چلے جس نے بزمانہ قدیم یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ بائبل مین معدنیات کے بھی تمام اصول و فروع شامل ہین۔ قصہ مختصر یہ کہ اہل اصلاح کسی علم کو رواداری کی نظر سے نہ دیکھ سکتے تھے جو کتاب پیدایش کے ساتھ تطابق کلی نہ رکھتا ہو۔ ان مین سے اکثر بزرگوارون کی یہ رائے تھی کہ اتقا و دینداری علم و حکمت سے جدا ہوے بغیر کبھی سرسبز نہین ہو سکتی۔ ٹرٹلین اور سینٹ اگسٹائن کا یہ قدیم مہلک اصول موضوعہ کہ بائبل اُن تمام معلومات کا مجموعہ اور خلاصہ ہے جو انسان کو حاصل ہو سکتی ہین یا اُسے فائدہ پہنچا سکتی ہین ابھی تک سختی کے ساتھ قایم تھا۔ لوتھر اور ملنکتھان نے جو اصلاح کنیسہ کے بانی مبانی تھے عزم بالجزم کر لیا تھا کہ فلسفہ کو کلیسا کی سرحد سے خارج کر دیا جاے۔ لوتھر کا بیان تھا کہ ارسطو کی تصانیف کا مطالعہ بے سود محض ہے۔ ارسطو پر سب و شتم کا اُس نے جو جھاڑ باندھا ہے وہ صنعت تبرا کی ایک انوکھی صفت سمجھا جا سکتا ہے۔ چنانچہ آپ نے اس ضمن مین یون گہر افشانی فرمائی ہے۔ "اس مین ذرا شک نہین کہ یہ ملعون ابدی وشقی ازلی یعنی ارسطو بڑا خناس ہے۔ افترا پردازی مین اپنا جواب نہین رکھتا۔ خبیثانہ ہرزہ سرائی کے فن کا موجد ہے۔ سرگروہ شیاطین ہے فلسفہ کا ایک حرف نہین جانتا۔ جھوٹا ہے۔ فریبی ہے۔ دغاباز ہے۔ بھتنا ہے۔ بکرا ہے نفس پرست ہے۔ عیاش ہے" فلاسفہ طریقہ مشائیہ لوتھر کے نزدیک "ٹڈیان ہین۔ رینگنے والے کیڑے ہین۔ مینڈک ہین۔ جوئین ہین"۔ ان فلاسفہ کو وہ جس نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا وہ بیان سے باہر ہے۔ اگرچہ کیلون نے ان خیالات کا بوضاحت اعادہ نہین کیا لیکن اس مین شک نہین کہ وہ بھی اس بارے مین لوتھر ہی کا ہمصفیر تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ واقعہ اصلاح کا سائنس کے سر پر ذرا سا بھی احسان نہین ہے۔ سائنس کو ابھی ایک بہت کڑی منزل کا سامنا تھا۔ یعنی وہ اپنے پاؤن تورات کی اُس چادر کے مطابق پھیلانے پر ابھی

تک مجبور تھا جو طول مین پروکرسٹیز[1] کے ضرب المثل والے فولادی پلنگ سے نہ کم تھی نہ زیادہ

مسیحیت کی تاریخ مین سب سے زیادہ نامبارک وہ دن ہے جبکہ اُس نے اپنے آپ کو سائنس سے علیحدہ کرلیا۔ اُس نے آریجن کو جو اُس زمانہ (۲۳۱ء) مین کلیسا کی طرف سے سائنس کا بہت بڑا وکیل اور سرپرست تھا مجبور کیا کہ اسکندریہ چھوڑ کر قیصریہ چلا جاے۔ اس کے بعد پیشوایان دین عیسوی صدہا سال تک اس کوشش مین مصروف رہے کہ حقیقت اشیا کی تاویل بذریعہ آیات انجیل کرین لیکن اس کوشش مین جو ناکامیان اُنہین نصیب ہوئین اُن کی پردہ دری تیسری سے لیکر سولہوین صدی تک کی تاریخ عالم کررہی ہے۔ قرون متوسطہ کی ظلمت کا باعث یہی مہلک طرز عمل تھا۔ اس مین شک نہین کہ اس تاریکی مین ہمین کہین کہین روشنی کی ایک جھلکی سی نظر آجاتی ہے یعنی فریڈرک ثانی اور الفانسو دہم جیسے مشاہیر کے قابل قدر کارنامون سے ہماری نگاہ دوچار ہوتی ہے جنہون نے وسیع الخیالی و آزادہ روی کے بلند مینارہ پر کھڑے ہوکر ایک نظر مین دیکھ لیا تھا کہ تمدن کو علم و فضل کی کس قدر احتیاج ہے اور جنکو اُس وادی لق دق مین بھی جہان پادریون کی تاریک خیالی کے باعث جہالت اور تعصب کا اندھیرا چھایا ہوا تھا اس ضرورت کا احساس ہوگیا تھا کہ صرف سائنس ہی انسان کی معاشرت کی اصلاح کرسکتا ہے لیکن ان چند نفوس کی کوششون سے کیا ہوسکتا تھا۔ اکیلا سور ما چنا بھاڑ پھوڑنے سے رہا۔

[1] پروکرسٹیز ایک یونانی ڈاکو ڈمسٹیز نامی کا عرف تھا۔ "پروکرُوڈ" ایک یونانی لفظ ہے جس کے معنی کھینچنا و یا تانا کے ہین۔ پروکرسٹیز اسی سے مشتق ہے یہ نام اس ڈاکو کو اس لیے دیا گیا تھا کہ جو مسافر اُس کے ہتھے چڑھ جاتا تھا اُسے ایک فولادی پلنگ پر لٹا دیتا تھا۔ اور بدنصیب مسافر کا قد اگر پلنگ سے چھوٹا ہوتا تھا تو اُس کے جسم کو شکنجہ مین یہان تک کھینچتا تھا کہ وہ پلنگ کے برابر ہوجاتا تھا اور اگر بڑا ہوتا تھا تو اُس بیچارے کی ٹانگین اسی نسبت سے کاٹ ڈالا کرتا تھا۔ اسی لیے "پروکرسٹیز کے پلنگ" سے استعارتاً ناجائز زیادتی یا کمی مراد لی جانے لگی۔ مترجم

اختلاف راے ابھی تک ایک ایسا جرم سمجھا جاتا تھا جس کی پاداش مین سزاے موت دی جاتی تھی جب کیلون نے سرویٹس کو جنوا مین زندہ جلوا دیا تو ہر شخص سمجھ گیا کہ جابرانہ ایذا رسانی کے سانپ کا سر ابھی نہین کچلا گیا۔ سرویٹس کا جرم صرف اسی قدر تھا کہ اُس کے عقاید فلسفیانہ تھے یعنی اُس کا خیال یہ تھا کہ مسیحیت کے اصلی عقاید نائسیا کی کونسل کے انعقاد سے پہلے ہی مٹ چکے تھے ۔روح القدس روح عالم کی طرح تمام کائنات مین ساری و دائم ہے اور خاتمہ کائنات پر مسیح کے ساتھ وہ جوہر ذات باری مین جس سے اس کا صدور ہوا تھا ضم ہو جاے گی۔ اس عقیدے کی پاداش مین سرویٹس کو دھیمی آنچ پر کباب کی طرح بھون ڈالا گیا۔ ایسی حالت مین کون کہہ سکتا ہے کہ پراٹسٹنٹ فتوے اور اُس کیتھولک فتوے مین کچھ بھی فرق ہے جس کی رو سے ۲۹ دسمبر کو ۱۶۱۰ء مین حکام محکمہ احتساب عقاید نے بمقام ٹولوز اس علت مین زندہ جلا دیا کہ اُس نے کتاب "ڈایالاگز کنسرننگ نیچر" (مکالمات دربارہ حقایق فطرت) تصنیف کی تھی۔

چھاپے کی ایجاد اور کتابون کی اشاعت سے وہ خطرات پیدا ہو گئے جن کے آگے "انکوئزیشن" کے مظالم کی کوئی ہستی نہ تھی۔ ۱۵۵۹ء مین پاپاے پال چہارم نے محکمہ ترتیب فہرست کتب محرمہ قایم کیا جس کے حالات ہم ایک مورخ کے الفاظ مین حسب ذیل قلمبند کرتے ہین؛ "اس محکمہ کا فرض یہ ہے کہ کتب و مسودات مقصود الاشاعت کی جانچ پڑتال کر کے یہ فیصلہ کرے کہ آیا عامہ خلایق کو ان کے مطالعہ کی اجازت دی جا سکتی ہے یا نہین۔ اُن کتابون مین جن مین بے شمار غلطیان نہ ہون بلکہ بعض مفید و نتیجہ خیز حقایق پاے جائین ایسی اصلاح کرے جس سے وہ عقاید کلیسا کے مطابق ہو جائین۔ ان کتابون کو جن کے اصول ملحدانہ و زندیقانہ ہون ممنوع الاشاعت قرار دے اور ملحدانہ تصانیف کے مطالعہ کا خاص حق خاص خاص اشخاص کو عطا کرے۔ اِس محکمہ کے ارکان مجلس انتظامی کا اجلاس بعض دفعہ بمواجہ پاپاے اعظم لیکن عموماً کردینال کے محل مین بصدارت

کردینال موصوف ہوتا ہے اس کے اختیارات محکمہ احتساب عقاید کے اقتدارات سے بہت زیادہ وسیع ہین۔ اس لیے کہ اس کو نہ صرف اُنھین کتابون کی اشاعت مین دست اندازی کرنے کا اختیار حاصل ہے جن مین رومن کیتھولک مذہب کے مخالف عقاید مندرج ہون بلکہ ان تصانیف کی اشاعت بھی اُس کے دایرہ اقتدار سے باہر نہین جن کا موضوع فرایض و وجوب اخلاق۔ انضباط تادیبات کلیسا اور صیانت مقاصد خلق اللہ ہو۔ اس محکمہ کی وجہ تسمیہ ملحدانہ تصانیف اور اُن کے مصنفین کے اسما کی فہرست ہے جو بہ ترتیب حروف تہجی اس کے حکم سے تیار کی جاتی ہے۔"

فہرست کتب محرمہ مین اول اول اُن کتابون کا نام درج تھا جن کا مطالعہ ناجائز قرار دیا گیا تھا لیکن جب اس سے کام نہ نکلا تو یہ قید لگا دی گئی کہ ہر اُس کتاب کا مطالعہ ممنوع ہے جس کے پڑھنے کی صریح اجازت نہ دی گئی ہو۔ اس بے باکانہ و شوخ چشمانہ حکم کا مقصود یہ تھا کہ بجز اُن معلومات کے جن کو اغراض کلیسا کے ساتھ تطابق و توافق ہو اور کسی قسم کا علم لوگون مین پھیلنے نہ پائے۔

اس سے واضح ہوگا کہ کلیسائے مسیحی کی دو حریف جماعتین یعنی پراٹسٹنٹ و کیتھولک باوجود باہمی رقابت کے اس امر مین متفق و متحد تھین کہ بجز اُن علوم کے جو اُن کی رائے مین کتب مقدسہ کے نقیض نہ ہون اور کسی علم کو مسالمت اور رواداری کی نظر سے نہ دیکھا جائے۔ کیتھولک فریق کی قوت کا چونکہ ایک مرکز موجود تھا اس لیے جہان اُس کی حکومت قایم تھی وہ اپنے فیصلہ کی تعمیل بجبر کرا سکتا تھا اور فہرست کتب محرمہ کے نفاذ مین حکومت کے زور سے کام لے سکتا تھا لیکن پراٹسٹنٹ فریق کا اثر مختلف اقوام مین پھیلا ہوا تھا اور اُس کی قوت مختلف المرکز تھی۔ لہذا وہ کوئی ایسی نتیجہ خیز کارروائی نہ کر سکتا تھا۔ اُس کا طرز عمل یہ تھا کہ مجرم کو راندۂ درگاہ کلیسا قرار دیکر اُسے برادری سے خارج کر دیا جاتا اور یہ طریقہ شاید دوسرے طریقہ کی بہ نسبت کچھ کم موثر نہ تھا۔

ہم ابواب سابق مین ظاہر کر چکے ہین کہ مذہب اور سائنس مین اوایل عیسائیت ہی سے مخالف چلا آتا تھا۔ اس مخالفت کے کرشمہ مین ہر صدی مین نظر آتے ہین عجایب خانہ اسکندریہ کی بربادی اسی کا نتیجہ تھی۔ ایرجینا اور وکلف کی فلسفیانہ روشن خیالی مین اسی کی جھلک پائی جاتی ہے تیرہوین صدی کے ملاحدہ و زنادقہ کا تورات کے بیان پیدایش کو فرط استحقار سے لغو ومہمل قرار دینا اسی کا کام تھا۔ لیکن کہین کوپرنیکس کیپلر اور گلیلیو کے زمانہ مین جاکر اُس آہنی زنجیر کے حلقون نے جو سائنس کے پاؤن مین عیسائیت نے ڈال رکھی تھی مشق گسستگی شروع کی کلیسا کی سیاسی قوت ہر ملک مین بہت کچھ گھٹ گئی تھی اور سربرآوردگان کلیسا دیکھ رہے تھے کہ وہ ریتلی زمین جس پر مسیحیت کے عالیشان محل کی بنیاد قایم تھی اس کے پاؤن تلے سے نکلی جا رہی ہے۔ جبر و تعدی کے ساتھ مخالفین کی بیخکنی کرنے کا طریقہ جو زمانہ سابق مین بہت کچھ کارگر ثابت ہوا تھا اب بیکار و بے اثر تھا۔ اکا دکا فلاسفرون کا آگ مین جلا دیا جانا بجاے اس کے کہ اُس کی اغراض کے لیے مفید ثابت ہوتا اور الٹا موجب نقصان ہو رہا تھا۔ ہیئت کے دنگل مین جب مذہب عیسوی خم ٹھونک کر اُترا تو اُس کا مدمقابل ایک اکیلا گلیلیو تھا لیکن اس یکہ و تنہا پہلوان نے اُسے اڑنگے پر لا کر ایسی پٹخنی دی کہ اُس کا سارا زعم باطل ہو کر خاک مین مل گیا اور جب نیوٹن کی غیر فانی تصنیف شایع ہوئی تو باوجودیکہ لائبنٹز نے یورپ بھر مین پکار کر کہہ دیا کہ نیوٹن نے خدا سے اُس کے بعض بڑے بڑے اوصاف چھین کر طبعی مذہب کی جڑ کھوکھلی کر دی ہے لیکن کلیسا ایسی سٹی بھولا کہ اس سے کچھ جواب نہ بن پڑا۔

نیوٹن کے زمانہ سے لے کر آج کے دن تک اُس دریا کا پاٹ جو معتقدات کلیسا اور مسلمات سائنس کے درمیان حایل ہے روز بروز زیادہ چوڑا ہوتا چلا آیا ہے۔ کلیسا نے یہ دعوی کیا تھا کہ زمین کائنات کا مرکز اور اجرام کائنات مین سب سے بڑا جسم ہے۔ اور آفتاب، ماہتاب اور ستارے اس کے تابع ہین۔ اُس کا یہ دعوی علم ہیئت نے باطل کر دیا۔ اُس نے نہایت

د وثوق کے ساتھ یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ روے زمین پر ایک عالمگیر طوفان چھا گیا تھا جس کے فرو ہونے پر صرف وہی حیوانات زندہ رہے جو کشتی نوح مین موجود تھے۔ علم طبقات الارض نے اُس کے اس دقیانوسی طلسم کو بھی توڑ دیا۔ اُس نے بڑے شد و مد سے اس عقیدے کی تغلیط کی تھی کہ اول اول صرف ایک انسان موجود تھا جو کوئی سات آٹھ ہزار سال پہلے جسمانی و اخلاقی کمال کی حالت مین پیدا کیا گیا مگر اس پایۂ اکملیت سے بوجہ اپنے گناہون کے گر گیا۔ علم الانسان نے اُس کے اس ادعا کی بھی قلعی کھول دی اور ثابت کر دیا کہ انسان لاکھون سال سے کرۂ زمین پر آباد ہے اور اُس کی ابتدائی حالت وحشیانہ پن مین جنگل کے درندون سے کچھ ہی بہتر تھی۔ بہت سے بھلے لوگون نے جن کی نیت کے اچھے ہونے مین شک نہین کوشش کی ہے کہ کتاب پیدایش کے بیانات کو سائنس کے اکتشافات سے تطبیق دین لیکن اُن کی کوشش سے کوئی نتیجہ نہین نکلا۔ مسیحیت اور سائنس کا اختلاف اتنا بڑھا کہ اُس پر مخالفت کا اطلاق ہونے لگا اب بجز اسکے چارہ نہین کہ ان حریفون مین سے ایک کو ہار ماننی پڑے۔

جب صورت واقعات یہ ہے تو کیا ہمکو یہ استحقاق حاصل نہین ہے کہ اس کتاب کو جو دوسری صدی عیسوی سے حقایق علمیہ کی معیار کے طور پر پیش کی جا رہی ہے بہ نظر انتقاد دیکھین اور اس کے دعواے ملہم من اللہی کو جانچین جس کتاب کا دعویٰ ایسا بڑا اور درجہ اتنا اونچا ہو اُسے اپنی یہ حیثیت برقرار رکھنے کے لیے انسان کے ناقدانہ تبصرہ کے لیے تیار رہنا چاہیے

مسیحیت کے ابتدائی دور مین بہت سے سربرآوردہ پیشوایان کلیسا کو توراۃ کی پہلی پانچ کتابون کے مصنف کی شخصیت کے متعلق بہت سے شکوک و شبہات دامنگیر تھے قلت گنجایش اجازت نہین دیتی کہ ہم اس مقام پر اُن واقعات و دلایل کو بہ تفصیل درج کرین جو آج تک اس بارے مین پیش کی جاتی رہی ہین۔ اس موضوع پر کثرت سے کتابین لکھی گئی ہین اور ایک بہت بڑا ذخیرہ اس کے مالہ و ماعلیہ کے متعلق جمع ہو گیا ہے۔ ناظرین کو اگر اس بحث سے دلچسپی ہو تو وہ تقدس مآب و فضیلت انتساب پادری بریڈ کی کتاب

"دی اولڈ اینڈ نیو ٹسٹیمنٹ کنکٹڈ" (ربط عہود عتیق و جدید) ملاحظہ فرمائین جو اٹھارہوین صدی کی انشاپردازی کی ایک قابل قدر یادگار ہے۔ پادری کولنزو نے بھی حال مین اس مضمون پر شرح و بسط سے بحث کی ہے فقرات ذیل سے اس بحث کی موجودہ کیفیت پوری طرح سے واضح ہوگی:-

کہا یہ جاتا ہے کہ عہد عتیق کی پہلی پانچ کتابون کو حضرت موسی نے خدا کے الہام سے قلمبند کیا پس اس لحاظ سے کہ یہ نسخہ خدا کا تصدیق کیا ہوا اور لکھوایا ہوا ہے ضرور ہے کہ نہ صرف سائنس اسے صحیح و موثق تسلیم کرے بلکہ تمام دنیا اس کی موثوقیت کی معترف ہو۔

لیکن اس موقع پر یہ سوال ہوے بغیر نہین رہ سکتا کہ وہ کون شخص تھا جس نے توراۃ کی نسبت ایسا بڑا دعوی کیا یا وہ کون سی ایسی بات ہے جسکی بنا پر یہ دعوی قابل قبول ہوسکتا ہے صاف ظاہر ہے کہ خود یہ کتاب تو اس ادعا سے عاری ہے۔ کسی مقام پر بھی اس مین یہ دعوے نہین کیا گیا کہ اس کا مصنف ایک شخص واحد ہے اور کہین بھی یہ کفر آمیز تذکرہ اس مین موجود نہین ہے کہ یہ کتاب خدا کا کلام ہے۔

بنی نوع انسان کی سریع الاعتقادی پر یہ دست تصرف کہین دوسری صدی عیسوی مین جا کر دراز کیا گیا۔ اس دعوے کی ابتدا اعلی طبقہ کے مسیحی فلاسفہ سے نہین ہوئی بلکہ اُن جوشیلے پادریون سے ہوئی جن کی تحریرات ثابت کر رہی ہین کہ وہ تبحر علمی سے عاری اور فن تنقید سے ناآشنا تھے۔

دوسری صدی سے لیکر آج تک ہر زمانہ مین مسلم الثبوت قابلیت کے مسیحی و یہودی علما ایسے پیدا ہوتے رہے ہین جنھون نے ان دعاوی کو جائز تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے۔ ان علما کا فیصلہ خود توراۃ کی اندرونی شہادت پر مبنی ہے جس سے صاف پایا جاتا ہے کہ اس کتاب کی تصنیف زیادہ نہین تو دو مصنفین سے تو ضرور منسوب کی جا سکتی ہے اور ان دونون کا نام الوہیم و یہوداہ ہے۔ ہیفلڈ نے یہ دعوی کیا ہے کہ یہودائی قصہ کی عبارت سے جا بجا اس

امر کا ثبوت ملتا ہے کہ یہ کسی اصلی نسخہ کی نقل ہے اور الوہیمی قصہ سے بالکل جدا ہے۔ جن دو ماخذون سے یہ قصے لیے گئے ہین وہ کئی ایک اعتبار سے متضاد و متباین ہین۔ اس کے علاوہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عہد عتیق کی پہلی پانچ کتابین عبرانی نسخون یا عبرانی بائبل کے مطبوعہ نسخون مین کہین بھی حضرت موسی سے منسوب نہین کی گئین اور نہ اُنہین نسخہ سبعینیہ یا ترجمہ لاطینیہ ہی مین "صحف موسی" کہا گیا ہے بلکہ یہ نام اُنہین جدید تراجم ہی مین دیا گیا ہے۔

ظاہر ہے کہ تورات کے منزل الیہ صرف حضرت موسی ہی نہین ہو سکتے کیونکہ آپ کی وفات کا واقعہ بھی اس مین مذکور ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ تورات اس واقعہ کے کئی سو سال بعد قلمبند کی گئی اس لیے کہ اس مین اُن واقعات کے حوالے موجود ہین جو یہودیون مین سلسلہ فرمانروائی کے قیام کے بعد پیش آئے۔

وہ شخص بڑا ہی بے باک ہے جو تورات کو خدا کا الہامی کلام سمجھتا ہے اس لیے کہ اس مین ایسے ایسے اضداد و نواقض اور امور غیر عادی و غیر ممکن بھرے پڑے ہین جن کا خدائے پاک کے کلام مین پایا جانا ممکن نہین اور یہ وہ اضداد و نواقض ہین جن کی حقیقت کا انکشاف جرمنی اور انگلستان کے بہت سے متقی و راسخ الاعتقاد علما کر چکے ہین۔ ان تنقید نگارون نے فیصلہ کیا ہے کہ کتاب پیدایش ایک قصہ ہے جس کا ماخذ سنی سنائی فرضی روایات ہین۔ مصر سے بنی اسرائیل کا خروج تاریخی اعتبار سے صحیح نہین ہے۔ تورات کی پانچون کتابین پایۂ اعتبار تاریخی سے ساقط اور غیر موسوی الاصل ہین۔ اس مین ایسے ایسے خلاف قیاس متضاد اور متناقض امور درج ہین جو کل توراۃ کی تغلیط و تکذیب کے لیے کافی ہین اور ایسے ایسے عیوب و اسقام پائے جاتے ہین جو اگر زمانہ حال کی کسی تاریخی تصنیف مین موجود ہون تو اُس کے اعتبار کو فوراً زائل کر دین۔

ہنگسٹنبرگ[1] نے ایک کتاب اس بحث مین لکھی ہے کہ تورات اصلی ہے یا محرف۔ اس مین

---

[1] ایک جرمن عالم جو ۱۸۲۴ء مین یونیورسٹی برلن مین الہیات کا پروفیسر تھا۔ مترجم۔

وہ ایک مقام پر لکھتا ہے :- "ہر تاریخی تصنیف جس میں التباس وتدلیس سے کام لیا گیا ہو ضرور ہے کہ کبھی نہ کبھی اجتماع صدیوں کی الجھن میں پڑے اگر توراۃ اصلی نہیں ہے تو لامحالہ اس کا بھی یہی حشر ہونا چاہیے ۔ اگر توراۃ ملتبس اور محرف ہے تو جو تاریخی واقعات اور قوانین اس میں مذکور ہیں وہ ظاہر ہے کہ مختلف زمانوں میں وضع کیے گئے ہیں اور کئی صدیوں کے دوران میں مختلف اشخاص نے انہیں سپرد قلم کیا ہے ۔ جس کتاب کا طرز تصنیف یہ ہو اُس کا اضداد ونواقص سے معرا ہونا ممکن نہیں اور کوئی شخص جو بعد میں اُسے بہ تصرف شایع کرے خواہ وہ کیسا ہی قابل کیوں نہ ہو ان اضداد کے نشانات پوری طرح سے ہرگز نہیں مٹا سکتا۔"

عبارت مندرجہ بالا پر اس قدر اضافہ اور کیا جا سکتا ہے کہ عزرا نے صاف الفاظ میں بیان کیا ہے (ملاحظہ ہو کتاب عزرا بنی باب دوم آیت ۱۴) کہ اُس نے پانچ دوسرے اشخاص کے ساتھ مل کر توراۃ کی پہلی پانچ کتابوں کو چالیس دن کی مدت میں لکھا وہ بیان کرتا ہے کہ جب یہودی بابل میں قید تھے تو اُن کی مقدس کتابیں جلادی گئی تھیں ۔ اس کے بعد اُسنے توراۃ کے قلمبند کیے جانے کی مفصل کیفیت بیان کی ہے ۔ اور ظاہر کیا ہے کہ آفرینش عالم سے لیکر اُس وقت تک جتنے واقعات پیش آئے تھے اُن سب کو اُس نے سپرد قلم کیا ۔ شاید اس کے متعلق یہ کہا جائے کہ کتاب عزرا منجملہ اسفار محرفہ ہے لیکن اس کے جواب میں یہ الزامی استفسار کیا جا سکتا ہے کہ کیا اس دعوے کی موید ایسی براہین و دلائل ہیں جو موجودہ فن تنقید کے حملہ کی تاب لا سکتی ہیں ؟ مسیحیت کے ابتدائی دور میں جب کہ قصہ ہبوط آدم مسیحیت کے ارکان میں داخل نہ تھا اور مسئلہ کفارہ تدقیق وتحکیم کی اُس درجہ کو نہ پہنچا تھا جس پر اسے بالآخر انسلم نے پہنچا دیا پیشوایان کلیسا کو اس امر کا عام طور سے اعتراف تھا کہ بظن غالب عزرا نے توراۃ کی پہلی پانچ کتابوں کو حسب بیان خود حقیقتاً تصنیف کیا چنانچہ سینٹ جروم کہتا ہے :- "تم خواہ یہ دعویٰ کرو کہ توراۃ کی پہلی پانچ کتابیں موسیٰ نے لکھیں خواہ یہ کہو کہ عزرا نے ان کتابوں کو از سر نو قلمبند کیا

مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں" علے ہذا القیاس کلیمنس الگزنڈرینس کا قول ہے کہ جب بخت نصر نے یہودیوں کو قید کر رکھا تھا اور توراۃ کا نسخہ ضایع کر دیا گیا تھا تو عزرا نبی نے الہامی طاقت سے اسے ازسرنو قلمبند کیا۔ آئرینس کو بھی اس قول کے ساتھ اتفاق ہے۔

کتاب پیدایش کے پہلے دس باب سائنس کے ساتھ تعلق رکھنے کے اعتبار سے توراۃ کے دوسرے مقامات کے مقابلہ مین بہت زیادہ اہم اور نتیجہ خیز ہین۔ ان ابواب مین جن واقعات کا ذکر ہے وہ مختلف مصنفین کی روایات کے ناتمام اجزا سے ماخوذ معلوم ہوتے ہین۔ لیکن تدقیق و تنقید کی نظر سے دیکھا جائے تو ان سب مین ایسی خصوصیات پائی جاتی ہین جن سے ثابت ہوتا ہے کہ کتاب پیدایش صحراے عرب مین بیٹھ کر نہین لکھی گئی تھی بلکہ دریاے فرات کے کنارے تصنیف کی گئی تھی اس مین بہت سے کلدانی محاورات اور سریانی مخصوصیات موجود ہین مثلاً کوئی مصری بحیرہ روم کی نسبت یہ نہ لکھیگا کہ یہ سمندر مغرب کی سمت مین واقع ہے لیکن سریانی ضرور لکھے گا اس کے علاوہ اگر کتاب پیدایش کو ایک تھیٹر فرض کیا جاے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس تھیٹر کے پردے اور باقی سب سامان مصری الاصل نہین ہے بلکہ سریانی مصنوعات سے ہے پیدایش کے پہلے دس ابواب مین جو داستان مندرج ہے وہ اُن قصون سے ملتی جلتی ہے جو سریانی سلاطین کی خشتی کتابون کی شرخی الخط عبارت مین لکھے ہوے پائے جاتے ہین۔ چنانچہ سریانی آثار قدیمہ کے ماہرون کا بیان ہے کہ ایک روایت جو طوفان سے تعلق رکھتی ہی برآمد ہو بھی چکی ہے[1]۔ اور عجب نہین کہ باقی روایات

---

[1] ساتوین صدی قبل مسیح مین آسور بنی پال اسیریا کا ایک بادشاہ تھا۔ اُس کا پایہ تخت شہر نینوا تھا اس کے کھنڈر مستشرقین یورپ کی ان تھک کاوشون کو ایک قدیم تمدن کی عبرتناک داستان سنا رہے ہین۔ آسور بنی پال کے محل مین ایک عظیم الشان خشتی کتب خانہ تھا۔ اس کتب خانہ کے جو اجزا برآمد ہوئے مین اُن مین سے چند اینٹون پر کسی قدیم سامی زبان مین ایک روایت مندرج ہے جسکے واقعات طوفان نوح سے ملتے جلتے ہین۔ سریانی آثار کے ماہرون نے بالاتفاق یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ جو روایت ان اینٹون پر لکھی ہوئی ہے

بھی اسی طرح آگے چل کر دبے دبائے کھنڈردن مین سے نکل آئین۔

پیدائش زمین وآسمان - باغ عدن - ماد طین کے خمیر سے مرد اور مرد کی ایک پسلی سے عورت کی تخلیق - سانپ کا اغوا - تسمیہ حیوانات - ملایکہ - شعلہ زن تلوار - طوفان اور کشتی - آب طوفان

نوٹ صفحہ ۳۰۵ - وہ کسی قدیم تر تصنیف کی نقل ہے اور قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح سے دو ہزار سال قبل یہ روایت اسیریا مین زبان زد خاص وعام تھی۔ اس روایت کا خلاصہ حسب ذیل ہے:-

"کئی ہزار سال کا زمانہ ہوتا ہے کہ سر زمین بابل مین ایک شہر آباد تھا جسکا نام سُریک تھا - اس شہر مین ہسی سدرا نامی ایک شخص رہتا تھا ایک رات اس شخص نے ایک عجیب خواب دیکھا - عالم خواب مین اُسے معلوم ہوا کہ عنقریب ایک بڑا طوفان آیا چاہتا ہے اور اُسے اشارہ ہوا کہ فوراً ایک جہاز بنانا شروع کرے جس مین طوفان کے نمودار ہونے کی خبر پاتے ہی وہ اپنے خاندان اور احباب واقارب سمیت کچھ پالو اور کچھ جنگلی جانور اور کچھ نباتات کے بیج لیکر سوار ہوجائے اور تباہی سے بچ جائے ہسی سدرا نے جاگتے ہی اس اشارہ غیبی کے مطابق عمل کرنا شروع کیا - اُسنے ایک مضبوط عرشہ کا جہاز تیار کیا جس کو اندر اور باہر قیر سے لیس دیا گیا - اس کے بعد اس جہاز کو پانی مین چلا کر دیکھ لیا گیا کہ دریا کی موجون کا مقابلہ کرنے کے قابل بھی ہے یا نہین - اور جب اطمینان ہو چکا تو ضروری سامان معاش جہاز پر بار کردیا گیا اور ایک ہوشیار و معتبر ناخدا مقرر کیا گیا۔

"آخر طوفان کی آمد آمد کی موعودہ خبر ہسی سدرا کو دی گئی اور وہ اپنے بال بچون اور اعزا واقربا سمیت کشتی مین سوار ہوگیا - اُس نے احتیاط کی راہ سے کشتی کا دریچہ بند کرلیا اور تس ہیا کو جو ناخدا تھا عرشہ پر چھوڑ دیا کہ جس طرح بن پڑے طوفان کا مقابلہ کرے - اس کے بعد باد و باران کا طوفان شروع ہوا - مینہ موسلا دھار برسنے لگا - زمین کے چشمے پھوٹ پڑے اور ملک پانی مین غرق ہوگیا - ہوا کے تھپیڑون سے موجین بلند ہوکر آسمان سے باتین کرنے لگین - زمین آسمان دھندکار بادل سے ایک ہوگئے - چھ دن اور سات رات تک جھکڑ چلتا رہا اور مینہ برستا رہا - لیکن کشتی سلامت رہی - آخر ساتوین دن طوفان تھما اور ہسی سدرا عرشہ پر گیا - دیکھا تو چارون طرف پانی ہی پانی تھا اور انسانون اور جانورون کی لاشین

کا ہوا کے چلنے سے خشک ہو جانا۔ مینارہ بابل کی تعمیر۔ اختلاف السنہ یہ تمام وہ روایات ہین جو عزرا کو سریانی کتبون اور تحریرون سے بہم پہنچی تھین۔ کتاب پیدایش کے گیارھوین باب مین وہ دفعتہً و بغتتہً یہودیون کی تاریخ لکھنی شروع کر دیتا ہے گویا یہان پہنچ کر اُس کی تاریخ عالم

نوٹ صفحہ ۳۰۶ - موجون پر تیرتی پھرتی تھین۔ اپنی قوم اور ملک کی یہ تباہی دیکھ کر ہسی سدرا بہت رویا۔ بہت دور تنزیر کے پہاڑ نظر آئے کشتی اُن کی طرف چلائی گئی اور اُس کا پیندا اونچی زمین پر جا کر ٹک گیا۔ جب اور سات دن گزر گئے تو ہسی سدرا نے ایک فاختہ چھوڑی جو کوئی اڈا نہ پا کر لوٹ آئی۔ اس کے بعد ابابیل اڑائی گئی وہ بھی خشکی کے موجود نہ ہونے سے واپس آ گئی۔ سب سے آخر مین ایک کوا چھوڑا گیا اس سیانے پرندے نے یہ معلوم کر لیا کہ طوفان تھم گیا ہے اور پانی پایاب ہو گیا ہے اس لیے وہ کشتی کے قریب تو آیا مگر اندر نہ داخل ہوا۔ یہ دیکھ کر ہسی سدرا نے باقی کے جنگلی جانورون کو چھوڑ دیا جو چارون طرف منتشر ہو گئے اور وہ خود اپنے کنبہ اور دوستون سمیت ایک پہاڑ کی چوٹی پر جو پاس ہی تھا چڑھ گیا جہان اُس نے اپنی سلامتی کے شکرانہ مین دیوتاؤن کو قربانی دی"۔ (ہسی سدرا کی داستان ۔ از پروفیسر ہکسلے مندرجہ رسالہ نائنٹینتھ سنچری بابت ماہ جون سنہ ۱۸۹۱ء)

ہسی سدرا کا یہ قصہ طوفان نوح کی روایت سے اس قدر مشابہ ہے کہ قیاس یہی چاہتا ہے کہ دونون قصے ایک ہون۔ اور جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ یہ طوفان وادی فرات مین واقع ہوا اور حضرت نوح بھی اسی سرزمین مین مبعوث ہوے تھے تو اس قیاس کو مزید تقویت ہوتی ہے کہ نوح اور ہسی سدرا ایک ہی شخص کے دو مختلف نام ہین یا ممکن ہے کہ تاریخ نے اپنے آپ کو دہرایا ہو اور ہسی سدرا کی سرگزشت نوح کو پیش آئی ہو۔ پروفیسر ہکسلے نے اس مضمون مین جس کا ہم نے حوالہ دیا ہے مدلایل قاطع ثابت کر دیا ہے کہ ہسی سدرا والا طوفان مقامی تھا عالمگیر نہ تھا۔ جن حضرات کو ان دلایل سے واقفیت پیدا کرنے کا شوق ہو وہ مضمون متذکرہ کا مطالعہ فرمائین۔ پس اگر ہسی سدرا اور نوح ایک نہ ہون تو طوفان نوح بھی جو ہسی سدرا کے طوفان سے بعد مین آیا ہو گا ضرور ہے کہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے صرف مقامی ہو۔

ان خلاف عقل قیاسات کی ذمہ دار توراۃ ہے کہ طوفان عالمگیر تھا جس نے روئے زمین کے حیوانات

ختم ہو جاتی ہے اور وہ صرف ایک خاندان یعنی نسل سام کے حالات کی تفصیل کرنے کے لئے اپنے قلم کو وقف کر دیتا ہے۔

ڈیوک آف آرگل نے اپنی کتاب "پرائمیول مین" (انسان اولین) میں اسی تحدید پر قلم اٹھا کر

نوٹ متعلقہ صفحہ ۳۰۷ - دنباتات کو تباہ کر دیا اور حضرت نوحؑ کے تین بیٹوں نے زمین کو از سر نو آباد کیا۔ اصلی قصہ کی حقیقت جو عزرا نبی کو غالباً کسی سریانی ماخذ سے ملا ہے صرف اسی قدر ہے کہ حضرت نوحؑ یا جو کچھ بھی ان کا دوسرا نام ہو اس مصیبت سے پیش از پیش آگاہ ہو گئے جو ان کی قوم میں بشکل طوفان آنے والی تھی اور ایک کشتی تیار کر کے مع اپنے قبائل و رفقا کے اس میں سوار ہو گئے اور اس طور پر تباہی سے بچ گئے۔ جب توراۃ میں تحریف شروع ہوئی تو اس قصہ پر محرفین کی سریع الاعتقادی اور اوہام پرستی نے بہت کچھ لاطایل ولایعنی اضافے کر دئے۔

قرآن مجید میں بھی قصص وحکایات موجود ہیں لیکن باوجودیکہ ان کا مقصد صرف اسی قدر ہے کہ ان قصوں کے پڑھنے والے ان سے محض ایک اخلاقی سبق بہ پیرایہ تمثیل حاصل کریں پھر بھی ان میں دور از کار اور باور ہوا مبالغہ کے عنصر کو ان میں سے نہایت احتیاط کے ساتھ خارج کر دیا گیا ہے جو آج کل یورپ کے طعن وتضحیک کا آماجگاہ بنا ہوا ہے اور جس کی وجہ سے توراۃ اہل سائنس کی نظروں میں لغویات و مزخرفات کے ایک مجموعہ سے زیادہ نہیں سمجھی جاتی۔

واقعہ طوفان نوح کا ذکر کرتے ہوئے قرآن مجید توراۃ کی تصدیق کرتا ہے لیکن صرف اس حد تک جس حد تک کہ حقیقت نفس الامری کو تعلق ہے۔ وہ اس کے تحریفی مقامات کا مصدق بن کر جائز نکتہ چینی کا نشانہ نہیں بنا۔ اس نے یہ کہہ کر کہ "لقد ارسلنا نوحًا الی قومه فقال یا قوم اعبدوا الله مالکم من الٰه غیره" صاف بتا دیا ہے کہ حضرت نوحؑ صرف اپنی قوم یا امت کی ہدایت کے لیے بھیجے گئے تھے کل دنیا کی رہبری کے لیے مامور نہ ہوئے تھے اور اس لیے طوفان کا عذاب ان کو جھٹلانے کی پاداش میں عالمگیر نہ ہو سکتا تھا۔ چنانچہ اس کی توضیح ایک دوسرے مقام پر اس طرح کی گئی ہے۔

فکذبوه فانجیناه والذین معه فی الفلک واغرقنا الذین کذبوا بایٰتنا انهم کانوا قومًا

معانی کے بھول یوں برسائے ہیں بہ رسام کے خاندان کا شجرۂ نسب ہمارے لیے بجز اسماء
اعلام کی ایک فہرست کے اور کوئی معنی نہیں رکھتا۔ یہ ایک ایسا شجرہ ہے جس میں منجملہ اُن
کروڑوں انسانی خانوادوں کے جو اُس وقت روے زمین پر پہلے سے آباد تھے صرف
گنتی کے چند خاندانوں کی سلسلہ بسلسلہ نسب شماری کی گئی ہے۔ بجز اس ترتیب نسبی کے
اور کچھ نہیں بتایا گیا اور اس ترتیب کا مسلسل و مکمل ہونا بھی یقینی نہیں ہے۔ ہمیں یہ مطلق نہیں
بتایا گیا کہ اُس سیاہ پردے کے پیچھے کیا ہے جس پر یہ چند نام کسی فانوس خیالی کے
نقوش کی طرح گزرتے ہوے دکھا دئے گئے ہیں لیکن ہاں ہم یہ پردہ کچھ کچھ دیر کے
لیے اُٹھ جاتا ہے اور ہمیں اُن عظیم الشان واقعات کی شکلیں دکھائی دی جاتی ہیں جن کا
عمل مدت ممتد سے جاری ہے۔ یہ شکلیں بالکل دھندلی اور مدہم ہیں اور اُن کی صرف پرچھائیں
سی نظر آتی ہے۔ ان کی حرکت کا رُخ بھی ہم کو صاف صاف محسوس نہیں ہوتا۔ البتہ آوازیں
سنائی دے رہی ہیں جو کان میں بہت سی امواج آب کے شور کی طرح پڑتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں
ہیگلڈ نے اس بارہ میں حسب ذیل راے ظاہر کی ہے جس کے ساتھ ہمیں پورا
اتفاق ہے:۔ "یہ تحقیقات کہ توراۃ کی پہلی پانچ کتابیں مختلف تصانیف سے تالیف کی گئی
ہیں نہ صرف عہد عتیق کے تاریخی مقامات کی تاویل یا مناسب ہوگا اگر یوں کہا جاے کہ
کل الہیات و تاریخ کی تاویل کے لیے نہایت ہی ضروری ہے بلکہ فن انتقاد و ادب کی تاریخ
میں بھی اس سے زیادہ یقینی اور موثق تحقیقات کا ہونا ممکن نہیں۔ جو فریق کو چہ تنقید سے
نابلد ہے وہ خواہ کیسی ہی تاویلات باردہ عذرات رکیکہ کیوں نہ پیش کرے لیکن اس میں ذرا شک

نوٹ بقیہ صفحہ ۳۰۸ عیوب۔ جس سے ثابت ہے کہ صرف وہی لوگ تباہ ہوے جنھوں نے آیات ربانی
کو جو بوساطت نوح علیہ السلام نازل کی گئی تھیں جھٹلایا۔ کشتی کے بنائے جانے حضرت نوح اور ان کے
اہل ایمان پیرودوں کے اُس پر سوار ہونے اور طوفان کے فرد ہونے پر کشتی کے ایک اونچے مقام پر جا ٹھہرنے اور ان
سب لوگوں کے بچ جانے کا واقعہ قرآن میں بہ تفصیل درج ہے لیکن یہ تفصیل ایسی نہیں ہے جو توراۃ کی تفصیل کی طرح
خندہ آمیز ہو۔ مترجم۔

نہین کہ جب تک انتقاد کے اصول قایم ہین اُس وقت تک اس تحقیقات کے سلم الثبوت ہونے
مین کوئی رخنہ نہین پڑسکتا - نکتہ آفرینی و دقیقہ سنجی کی جس بلندی پر صدیون کی تدقیق و تحکیم کے
بعد ہم آج پہنچے ہین اُس پر چڑھ کر اگر کوئی غیر متعصب اور حقایق آشنا شخص اس تحقیقات پر
نظر ڈالے گا تو ممکن نہین کہ وہ اس کے نتایج سے متاثر نہ ہو"

ایسی حالت مین کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ ہم ان صحایف سے ابا کرین ؟ کیا اس امر کا اعتراف
کہ باغ عدن کے ہبوط کی داستان ایک فرضی روایت ہے مسیحیت کے سب سے زیادہ مقدس
و متقن عقیدے یعنی کفارہ کے مسئلہ کو نیست و نابود نہین کر دیتا ؟

ہمین چاہیے کہ ٹھنڈے دل سے اس حقیقت پر غور کرین - مسیحیت کو قرون اولیٰ مین جبکہ
وہ دنیا کو اپنا حلقہ بگوش بنا رہی تھی یا مسخر کر رہی تھی اس عقیدہ کا یا تو مطلق علم نہ تھا یا تھا تو اس
قدر تھا کہ اُس کا ہونا نہ ہونا برابر تھا ہم دیکھہ چکے ہین کہ ٹرٹلین نے اپنے جواب مین جہان مسیحیت
کے ارکان گناے ہین وہان مسئلہ کفارہ کا کہین ذکر نہین کیا جس سے صاف پایا جاتا ہے
کہ اگر اُسکو اس مسئلہ کا علم تھا بھی تو اُس کے نزدیک یہ مسیحیت کے اصول مین شمار ہونے کے
قابل نہ تھا - حقیقت یہ ہے کہ کفارہ کے مسئلہ کو اول اول فرقہ ادریہ کے اہل بدعت نے رواج
دیا - آسکندریہ کے طبقہ متالہین کو اسکا اعتراف نہ تھا - پیشوایان کلیسا نے کبھی اس پر زور نہ دیا
جس پادری نے کفارہ کو راس العقاید بنا دیا وہ انسلم تھا فلوجوڈیس لکھتا ہے کہ قصہ ہبوط
محض ایک تمثیل ہے - آریجن کی راے مین واقعہ ہبوط ایک رمز مجازی ہے - شاید بعض پراٹسٹنٹ
کلیساؤن پر معقولیت کے ساتھ مباینت و منافقت کا الزام لگایا جاسکتا ہے اس لیے کہ وہ
اسے ایک لحاظ سے مجازی اور ایک لحاظ سے حقیقی تصور کرتے ہین - لیکن سوال یہ ہے کہ اگر
ہم اُن کے ہم آہنگ ہو کر یہ تسلیم کر لین کہ سانپ سے کنایۃً شیطان مراد ہے تو کیا کل قصہ
ایک استعارہ مین تحلیل نہ ہو جائے گا ؟

افسوس ہے کہ کلیساے عیسوی نے توراۃ کی حمایت کی بلا کو خود بلا کر اپنے گلے لگالیا

ہے اور اس کی صریحی اضداد و اغلاط کی ذمہ داری برضا و رغبت خود اپنے اوپر عاید کرلی ہے
اس کتاب کو برحق ثابت کرنے کی کوشش بصورت امکان یہودیوں کے لیے چھوڑ دینی
چاہیئے تھی کہ اونھیں کی یہ کتاب ہے اور انہیں سے عیسائیوں تک پہنچی ہے۔ زیادہ تر افسوس
اس بات کا ہے کہ توراۃ کی پہلی پانچ کتابیں جو اپنے اسقام و نقایص کی وجہ سے زمانہ حال
کے انتقادی حملوں کی تاب نہیں لاسکتیں سائنس کے حق میں بمنزلہ قول فیصل سمجھی گئیں۔
مخفی نہ رہے کہ ان کتابوں کی قلعی کھولنے والے مخالفین و معاندین نہیں ہیں بلکہ ایسے ایسے
صاحب زہد و ورع علماے مسیحی ہیں جن میں سے بعض کی جلالت قدر مسلم ہے۔

پراٹسٹنٹ کلیساؤں نے تو کتب مقدسہ کو معیار حق قرار دیا لیکن کیتھولک فرقے کے لوگ
اس زمانہ میں بھی پاپاے روما کے معصوم ہونے کے قایل ہیں۔ شاید یہ کہا جائیگا کہ اس
عصمت کا اطلاق صرف اخلاقی یا مذہبی امور پر محدود ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ دینی اور دنیوی
امور کا خط فاصل کس مقام پر کھینچا جائے گا؟ معرفت مطلق یعنی ہمہ دانی کا حصر چند خاص
خاص مسایل پر نہیں ہوسکتا ایسی معرفت کی نوعیت ہی کل اشیا کے حقایق کے ادراک
کی مستلزم ہے اور اس لحاظ سے عصمت عن الخطا ہمہ دانی کی مترادف ہے۔

اس میں ذرا شک نہیں کہ اگر اطالوی مسیحیت کے اصولی عقاید کو تسلیم کرلیا جائے تو
اُس کا منطقی نتیجہ یہ برآمد ہوتا ہے کہ پاپاے روما کا خاطی ہونا ممکن نہیں۔ ہمارے لیے یہ ضرور
نہیں ہے کہ منطق کی اس شکل کی غیر فلسفیانہ نوعیت پر بیٹھے ہوے غور کیا کریں۔ پاپائیت
کی سیاسی تاریخ اور پاپاؤں کے سوانح عمری کی تنقید اس شکل کو مسخ کیے دیتی ہے تاریخ پر جب
ہم نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں وہ غلطیاں اور خطائیں دکھائی دیتی ہیں جن سے انسان کی سرشت
مرکب ہے اور پاپایان روما کی بسر کے مطالعہ کا جب ہم کو اتفاق ہوتا ہے تو بدکاری اور بدغیرتی
کی داستان پڑھنے میں آتی ہے۔

ممکن نہ تھا کہ روشن خیال اور بالغ نظر کیتھولک عقیدہ عصمت پاپاوی کو بلا چون وچرا

تسلیم کرلیں۔ جن لوگوں کو اس عقیدے کے تسلیم کرنے میں تامل ہے اُن کی ناراضامندی
وسعت و اشتداد کے لحاظ سے روبہ ترقی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو عقیدہ فطرت انسانی
سے اس درجہ مغایرت رکھے گا اُس کا یہی حشر ہوگا۔ بہت سے کیتھولک ایسے ہیں جن کا
یہ خیال ہے کہ عصمت اگر فی الاصل موجود ہے تو بجز مجالس عمومیہ مسیحیہ کے اُن کا وجود
اور کہیں نہیں۔ لیکن واضح رہے کہ خود ان مجالس کو بھی اتفاق اجماعی کی نعمت ہمیشہ نصیب
نہیں ہوئی۔ یہ واقعہ بہت سے لوگوں کو فراموش نہیں ہوا کہ کونسلوں نے پاپایان روما کو
معزول بھی کیا ہے اور اُن کے ہفوات وشطحیات کی نسبت مخالف تجاویز بھی صادر
کی ہیں۔ پراٹسٹنٹوں کا یہ سوال بے وجہ نہیں ہے کہ اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ کلیسا
عصمت کی صفت سے متصف بھی ہے؟ اس امر کی کیا شہادت ہے کہ کلیسا کے اغراض
ومقاصد کی حفاظت کسی کونسل میں منصفانہ اور واجبی طور پر کی گئی ہے؟ کیا وجہ ہے کہ احقاق
حق قلت رائے پر منحصر نہ ہو بلکہ کثرت رائے پر مبنی ہو؟ کیا یہ بات اکثر دیکھنے میں نہیں
آئی کہ ایک فرد واحد کی حقیقت شناسی صحیح رائے کے قیام کا باعث ہوئی ہے اور باقی تمام
لوگوں نے اُسے جھوٹا سمجھ کر اور اُس کو ایذائیں پہنچا کر آخرکار مجبوراً اُسی کی رائے کو صحیح
تسلیم کیا ہے اور کیا تمام بڑے بڑے اکتشافات کی تاریخ یہی نہیں ہے؟

سائنس کو ان حریفوں میں مصالحت کرنے سے کچھ سروکار نہیں۔ اُس کا یہ کام نہیں ہے کہ اس امر کا فیصلہ
کرتا پھرے کہ اہل مذہب کو معیار حق بائبل کی آیات میں ڈھونڈنا چاہیے یا مجالس عمومیہ مسیحیہ کے فیصلہ جات
میں یا پاپاے روما کے فرامین میں۔ وہ صرف اس حق کا مطالبہ کرتا ہے کہ جس طرح اُس نے دوسروں کو اپنا
معیار خود قایم کرنے کی اجازت دے رکھی ہے اسی طرح اُسے بھی اپنا خاص معیار قایم کر لینے دیا جائے اگر وہ غیر
تاریخی روایات کو بہ نظر حقارت دیکھتا ہے یا اس ادعا پر کہ کثرت رائے ذریعہ احقاق حق ہے
مطلق اعتنا نہیں کرتا یا انسان کے دعوئے عصمت کی تنقید کو واقعات آئندہ کے سپرد
کر دیتا ہے تو خود اپنے ساتھ بھی اسی سرد مہری اور غیر جنبہ داری سے پیش آتا ہے۔ اگر

اُسے معلوم ہو جائے کہ مسئلہ کشش ثقل یا مسئلہ ارتعاش نور واقعات سے توافق نہین رکھتا تو وہ بلا تامل ان مسایل سے قطع تعلق کرلے اُس کا سرچشمہ الہام کتاب فطرت ہے جس کے اوراق ہر وقت ہر شخص کے مطالعہ کے لیے کھلے ہوے ہین۔ یاران نکتہ دان کے لیے اس کی صلاے عام ہے۔ اپنے اصول کی اشاعت کے لیے وہ نہ کسی انجمن کی حمایت کا محتاج ہے نہ کسی جماعت کی قصیدہ خوانی کا رہین منت اُس کی وسعت غیر محدود اور اس کا مرور بے پایان ہے اور اسی لیے انسان کا استکبار و تعصب اس کے ساتھ ساز وباز نہین کرسکا۔ زمین پر ہر شاندار اور خوبصورت چیز مین اس کا جلوہ دکھائی دیتا ہے اور آسمان پر اس کی داستان شموس بازغہ و نجوم لامعہ کے نورانی حروف مین لکھی ہوئی نظر آتی ہے۔



نواں باب

نزاع دربارہ انتظام عالم

انتظام عالم کے تصور کی دو حیثیتیں ہیں۔ اول بذریعہ توفیق ربانی دوم بذریعہ قانون۔ شق اول کا تعلق پیشوایان مذہب سے۔ شق ثانی کی ترویج کا مختصر بیان۔

کیپلر دہ قوانین دریافت کرتا ہے جو نظام شمسی پر محتوی ہیں۔ پاپائے روما اس کی تصانیف کی تکفیر کرتا ہے۔ ڈاونسی فلسفہ حرکات وحیل کی بنا ڈالتا ہے۔

گلیلیو علم تحریک الاجرام کے اصولی قوانین دریافت کرتا ہے۔ نیوٹن اجرام سماوی کی حرکات کو ان قوانین کے حیز اطلاق میں لاکر ثابت کرتا ہے کہ نظام شمسی کی عنان نظم ونسق مہندسانہ جبر کے ہاتھ میں ہے۔ ہرشل ثابت کرتا ہے کہ کل کائنات اسی قانون کی تابع فرمان ہے۔ مسئلہ سحابیۃ النجوم اس پر شالیین کے اعتراضات۔

اس امر کا ثبوت کہ ترکیب ارضی ونشوونمائے سلسلہ نباتی وحیوانی تابع قانون ہے۔

نباتات وحیوانات کا ظہور بذریعہ پیدایش نہیں ہوا بلکہ بذریعہ ارتقا۔

حکومت قانون کا ثبوت انسانی جماعتوں کے تاریخی حالات اور نیز افراد انسانی سے بہم پہنچتا ہے۔

اصلاح یافتہ کلیساؤں میں سے بعض اس خیال کو کسی قدر ترمیم کے ساتھ تسلیم کرلیتے ہیں۔ طریقہ نظم ونسق عالم کی دو تاویلیں کی جاسکتی ہیں یا تو ہر واقعہ خدا کی دست اندازی و مداخلت سے پیش آتا ہے اور یا غیر متبدل وغیر متغیر قانون کا عمل انتظام دنیا کا ذمہ دار ہے۔

قسیسون کاہنون اور مذہب کے پیشواؤن کا رجحان ہمیشہ پہلی تاویل کی طرف ہوگا اس لیے کہ اُن کی دلی تمنا یہی ہے کہ عبادت گزار کی دعا اور لطیفہ غیبی کے درمیان اُن کی حیثیت حاجب یا شفیع کی سمجھی جاسے۔ اس تاویل کی اہمیت کو لطیفہ غیبی کی نوعیت کی تعین کا دعوے اور بھی بڑھا دیتا ہے۔ چنانچہ مسیحیت سے پہلے رومائی بت پرستون کے مذہب مین کاہنون کا فرض یہ ہوتا تھا کہ غیب دانی یا شگون شناسی کے ذریعہ سے یا جانورون کے روودان کو دیکھ کر یا دیوتاؤن کی استمالت درضاجوئی کے لیے بھینٹ چڑھا کر واقعات آیندہ کی نسبت حکم لگائین۔ جب مسیحیت کا دور آیا تو رازداران شریعت کا پایہ قدرت اس سے بھی اونچا ہوگیا یعنی پادریون نے یہ دعویٰ پیش کردیا کہ ہم اپنی سفارش یا شفاعت سے روزمرہ معاملات عالم کے انضباط و انقیاد مین حصہ لے سکتے ہین۔ آفات و بلیات کو ٹال سکتے ہین نعمات دنیوی کا انعام دلوا سکتے ہین۔ معجزے اور کرامتین دکھا سکتے ہین بلکہ قانون قدرت تک کو بدل سکتے ہین۔

پس کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ اس مسئلہ کو کہ کائنات کا انتظام غیر متغیر قانون کے تابع ہے بہ نظر استحسان دیکھین۔ اس مسئلہ سے اُن کی شان مین بٹہ لگتا تھا۔ اُن کی وقعت مین فرق آیا جاتا تھا۔ ایسا خدا اُن کے نزدیک نہایت ہی مہیب و مکروہ تھا جس پر انسان کی التجاؤن اور منتون کا مطلق اثر نہ ہوسکے جس کی سردمہری و بے اعتنائی اُسے بندہ کے خضوع و خشوع پر ملتفت نہ ہونے دے اور جو جبر و تقدیر کی خوفناک بیڑیون مین جکڑا ہوا ہو۔

لیکن اجرام سماوی کی باقاعدہ حرکت ہر زمانہ مین ارباب بصیرت کے دل پر ایک گہرا اثر ڈالے بغیر نہ رہین۔ آفتاب کا طلوع و غروب دن کی روشنی کا بڑھنا اور گھٹنا۔ قمر کا کمال و زوال موسمون کا اوقات مقررہ پر نمودار ہونا۔ سیارون کی پیچیدہ مگر یکسان حرکت۔ یہ اور اسی قسم کے ہزار ہا نشانات اگر قدرت کے باقاعدہ و غیر متغیر عمل کے کرشمے نہین تو کیا ہین۔ جو لوگ ابتدائً اس نتیجہ پر پہنچے اُن کے دل مین شاید کسوف و خسوف کے مشاہدہ سے یہ سوچ کر خدشہ پیدا ہوا ہو

کہ قدرت کی روشس مستمرہ مین یہ ناگہانی اور نامعلوم تفرقہ کیا لیکن کسوف وخسوف کے تکرار اور اس تحقیقات نے کہ اُن کے اوقات ظہور کی نسبت علم ناطق لگایا جا سکتا ہی بہ حد شبہ مطلقاً مٹا دیا ہوگا۔

فلکیات کی نسبت ہر قسم کی پیشین گوئیون کا انحصار اس واقعہ کے اعتراف پر ہے کہ قوانین قدرت کے عمل مین آج تک نہ کوئی مداخلت یا تبدیلی ہوئی ہے اور نہ آیندہ ہوگی۔ سائنس دان فلسفی کا دعوی ہے کہ دنیا کی جو حالت کسی ساعت معینہ مین پائی جاے گی وہ حالت ساعت ماسبق کا بلا واسطہ نتیجہ اور حالت ساعت ما بعد کی بلا واسطہ علت ہوگی۔ قانون اور بخت جبر اضطراری کے محض دو مختلف نام ہین۔

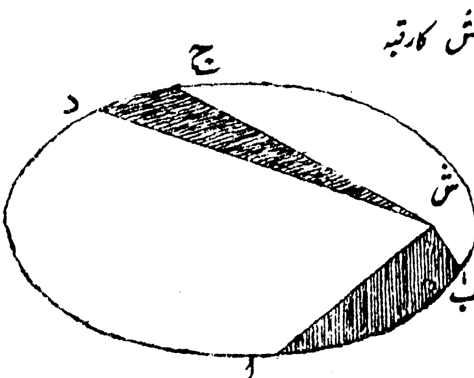
کوپرنیکس کی وفات کے کوئی پچاس سال بعد جان کپلر ساکن ورٹمبرگ نے سیارون کی ابعاد و اوقات اور سرعت رفتار و اشکال ادوار کی تحقیقات شروع کی۔ کپلر اس مسئلہ کا قائل تھا کہ آفتاب مرکز عالم ہے اور اُسکو یقین واثق تھا کہ آفتاب کے گرد جو سیارے گردش کرتے ہین ان کی گردش کو آپس مین ربط و تعلق ہے اور اگر ان گردشون کی صحت کے ساتھ جانچ کی جاے تو جن قوانین کی یہ حرکات تابع ہین وہ معلوم ہوسکتے ہین۔ کپلر نے اس مقصد کی تکمیل کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا کہ ٹائکو براہی اور دوسرے ہیئت دانون کے جو جو ارصاد و مشاہدات فلکی اُس کے ہاتھ آئے اُنھین اُن اندازون کے ذریعہ سے جانچا جو مختلف قیاسات پر مبنی تھے اور اگر کوئی قیاسی اندازہ مشاہدات کے مطابق نہ ثابت ہوا تو اُسے خارج کردیا۔ کپلر کو جو محنت اس کام مین اُٹھانی پڑی اُس کا اندازہ کرنا مشکل ہے چنانچہ وہ خود کہتا ہے کہ سوچتے سوچتے اور حساب لگاتے لگاتے میری یہ حالت ہوگئی کہ قریب تھا کہ میں دیوانہ ہوجاؤن۔ آخر اس محنت کا اُسے ثمرہ ملا اور ۱۶۰۹ء مین اُس نے اپنی کتاب "حرکات سیارہ مریخ" شائع کی اس کتاب مین حرکات مریخ کو اُس نے اس قیاس کے ساتھ تطبیق دینے کی کوشش کی تھی کہ سیارے آفتاب کے گرد اس وضع مین گردش

کرتے ہین کہ اُن کی حرکت سے ایک کامل دائرہ بن جاتا ہے جس کا مرکز آفتاب ہوتا ہے اور سیارہ دوار اس دائرہ کے محیط پر اپنے مرکز کو رکھ کر اپنے محور پر گھومتا ہوا آفتاب کے گرد دورہ کرتا ہے۔ لیکن بعد مین کیپلر کو معلوم ہوا کہ (۱) سیارون کا مدار مستدیر نہین ہے بلکہ اہلیلجی الشکل ہے جس کا ایک مرکز آفتاب ہوتا ہے[۵۱] اور (۲) سیارہ سے بجانب آفتاب جو خط متحرک کھینچا جاے اُس کی جھپیٹ مین فضا کا جو منطقہ آتا ہے اُسے سیارہ کی زمانہ گردش سے برابر کی نسبت ہوتی ہے[۵۲] یہ دونون اصول اب کیپلر کے پہلے اور دوسرے قانون

۵۱ اگر دو سوئیون کو ایک دوسرے سے کچھ فاصلہ پر ایک دفتین مین گاڑ کر ان مین تاگے کا ایک گرہ زدہ حلقہ ڈالا جاے اور پنسل کی نوک سے تاگے کو تان کر تتاؤ کی ساتھ ساتھ نوک کو حرکت دی جاے تو جو بیضوی شکل پیدا ہوگی وہ شکل اہلیلجی کہلائے گی۔ دونون سوئیان اس شکل کے دو مرکز ہون گی۔ سوئیون مین جس قدر زیادہ فاصلہ ہوگا اُسی قدر اس شکل کی اہلیلجیت زیادہ ہوگی۔ اور جس قدر کم فاصلہ ہوگا اُسی قدر یہ شکل دائرہ کے قریب ہوگی تا آنکہ اگر دونون سوئیون کو ملا دیا جائے اور پھر ڈوری تان کر پنسل کی نوک سے حلقہ کھینچا جاے تو بجائے شکل اہلیلجی کے کامل دائرہ پیدا ہو جاے گا۔ مترجم

۵۲ ۔ سر رابرٹ بال نے اپنی کتاب " دی اسٹوری آف دی ہیونس " (داستان افلاک) مین اس قانون کو ان الفاظ مین بیان کیا ہے:۔ "ہر سیارہ آفتاب کے گرد ہر نقطہ پر جس رفتار کے ساتھ گھومتا ہے اُس کی سرعت اس قدر ہوتی ہے کہ اگر اس نقطہ سے بجانب آفتاب ایک خط کھینچا جاے تو وہ خط مساوی رقبون کو مساوی زمانون مین طے کرے گا۔"

مثلاً اگر شکل ذیل مین اب ش اور ج د ش کا رقبہ مساوی ہو تو جو سیارہ یہ شکل اہلیلجی بناتا ہوا آفتاب کے گرد گھومے گا وہ اب کو باوجودیکہ اُس کا فاصلہ ج د سے زیادہ ہے ایک ہی وقت مین طے کرے گا اس کی وجہ یہ ہے



کے نام سے موسوم ہین۔ آٹھ سال بعد کیپلر نے تیسرا قانون دریافت کیا جس نے آفتاب اور سیارون کے اوسط درمیانی فاصلہ اور اُنکے زمانہ گردش کے باہمی تعلقات کی تعیین کردی۔ اس قانون کے الفاظ یہ ہین: "گردش کے زمانے کا مربع اوسط فاصلہ کے مکعب سے برابر کی نسبت رکھتا ہے[۵]" اس قانون کا اعلان کیپلر نے اپنی کتاب "خلاصہ نظام

بقیہ نوٹ صفحہ ۳۱۷۔ کہ اب کا و ع ج د کے مقابلہ مین س ش یعنی شمس سے زیادہ قریب ہے اور از روے اصول حرکت سیارہ اس منطقہ مین پہنچتے ہی بوجہ قرب آفتاب زیادہ سریع السیر ہوجاتا ہے لیکن منطقہ ج د چونکہ آفتاب سے نسبتہً زیادہ دور ہے لہذا یہان سیارہ کی رفتار اسی نسبت سے سست پڑجاتی ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وقت مرور مساوی ہوجاتا ہے۔ مترجم

[۵] چونکہ سیارون کی حرکت کامل الاستدار نہین ہے بلکہ اہلیلجی ہے لہذا گردش کی حالت مین ہر سیارہ کا فاصلہ ہر وقت بدلتا رہتا ہے لیکن باوجود اس تبدیلی کے ہم اس فاصلہ کا تعین اس کا اوسط نکال کر کرسکتے ہین جس کی سب سے زیادہ آسان شکل یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ فاصلہ کو کم سے کم فاصلہ کے ساتھ جمع کرکے اُس کا نصف لے لیا جاے۔ یہ نصف مقدار اوسط فاصلہ کہلاے گی۔ کیپلر اچھی طرح جانتا تھا کہ مختلف سیارون کا زمانہ گردش مختلف ہوتا ہے اور اُسکو یہ بھی معلوم تھا کہ اوسط فاصلہ جس قدر زیادہ ہوگا اسی قدر زمانہ گردش بڑھا ہوا ہوگا۔ اس علم کی بنا پر اُس نے دونون کی باہمی نسبت دریافت کرنی چاہی۔ حساب لگانے سے اُسے معلوم ہوا کہ زمانہ گردش اوسط فاصلہ سے برابر کی نسبت نہین رکھ سکتا۔ اس لیے کہ اگر یہ نسبت صحیح سمجھی جاے تو جس سیارہ کا اوسط فاصلہ دوسرے سیارہ کے اوسط فاصلہ سے دگنا ہوگا اُس کا زمانہ گردش بھی دوسرے سیارہ کے زمانہ گردش سے دگنا ماننا چاہیے۔ حالانکہ مشاہدہ اس کی نفی کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ بعید سیارون کا زمانہ قریب سیارون کے زمانہ کے مقابلہ مین دگنے سے زیادہ اور تگنے کے قریب ہے۔ کیپلر نے اپنی فوق العادت مہندسانہ قابلیت سے اُس محنت کے بعد جو کسی معمولی دماغ کے انسان کو دیوانہ بنادیتی آخر مین صحیح نسبت دریافت کرلی جو اُس کے تیسرے قانون مین مضمر ہے۔

کوپرنیکس" مین جو ۱۶۱۸ء مین شایع ہوئی کیا تھا اور یہ بات ثابت کی تھی کہ اقمار مشتری اسی قانون کے تابع ہین۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا گیا کہ جو قوانین نظام شمسی کے اعضاے رئیسہ کی حرکات کبیرہ پر حاوی ہین اُنہین کا اطلاق اس کے حواشی کی حرکات صغیرہ پر بھی ہوتا ہے۔

کپلر کے انکشافات سے قانون غیر متغیر کا جو لازمی تصور پیدا ہوتا ہے اور نظریۂ ارضی المرکز کے مقابلہ مین نظریۂ شمسی المرکز کا جو ثبوت ان سے بہم پہنچتا ہے وہ پیشوایان کلیسا کو برافروختہ کیے بغیر نہ رہ سکا چنانچہ محکمۂ ترتیب فہرست کتب محرمہ نے جب نظام کوپرنیکس کی تکفیر ان الفاظ مین کی کہ اس کی تعلیم کتاب مقدس کے نحوا کی نقیض ہے تو کپلر کے "خلاصہ" کو بھی ممنوع الاشاعت قرار دیا۔ اسی موقع پر کپلر نے وہ عذر پیش کیا جو تاریخ مین یادگار رہے گا۔ اس مناقرانہ اعتذار کے الفاظ یہ ہین :- "حرکت ارض واستقرار شمس کے متعلق کوپرنیکس کے مسائل اسّی سال سے کسی قسم کی مخالفت یا مزاحمت کے بغیر زیر اشاعت ہین اس لئے کہ مسایل طبیعیہ پر بحث کرنا اور خدا کی صنعت و حکمت کے چہرے سے پردہ اُٹھانا جائز قرار دیا گیا تھا لیکن آج جبکہ ان مسائل کی حقیقت کی تائید مین وہ شہادت بہم پہنچی ہے جو کلیسا کے ارباب حل و عقد کو معلوم نہ تھی تو کائنات کے نظام ترکیبی کی صحیح ماہیت کی اشاعت کی ممانعت کی جاتی ہے!!"

کپلر کے معاصرین مین سے کسی کو بھی اُس کے دوسرے قانون کی صحت کا یقین نہ تھا۔

بقیہ نوٹ صفحہ ۳۱۸۔ سر رابرٹ بال اس قانون کی شرح اس طرح کرتے ہین :- "مثال کے طور پر ہم کرۂ زمین اور سیارۂ زہرہ کا مقابلہ کرین گے۔ اگر آفتاب سے زمین کا اوسط فاصلہ اکائی فرض کیا جائے تو سیارۂ زہرہ کا اوسط فاصلہ ۷۲۳۳ء۰ ہوگا۔ اگر کسور اعشاریہ کو پہلی کسر کے بعد حذف کر دیا جائے تو زمین کا زمانہ گردش ۳۶۵٫۲۵ دن اور زہرہ کا ۲۲۴٫۷ دن قرار پاتا ہے۔ کپلر کا قانون کہتا ہے کہ ۳۶۵٫۲۵ کا مربع ۲۲۴٫۷ کے مربع سے وہی نسبت رکھتا ہے جو ایک کو ۷۲۳۳ء۰ کے مکعب سے ہے۔ اس نسبت کی تصدیق ضرب کے عمل کے ذریعہ سے بآسانی کیجا سکتی ہے۔"

مترجم

اور نیوٹن کی کتاب "پرنسپیا" کے شایع ہونے سے پہلے کسی نے اسے تسلیم نہین کیا حقیقت یہ ہے کہ قوانین کپلر کا فلسفیانہ مفہوم اُس زمانہ مین کسی کی سمجھ مین نہین آیا - وہ خود اُن نتایج سے بے خبر تھا جو آگے چل کر لامحالہ ان سے نکلنے والے تھے - اُس کی غلطیان بتا رہی ہین کہ یہ نتایج اُس کے ذہن سے کوسون دور تھے بمثلاً اُس کا خیال یہ تھا کہ ہر سیارہ ایک نفس ناطقہ کا جو مدرک کلیات وجزئیات ہے مظہر و مہبط ہے - اور یا پچون بڑے سیارون کے ادوار کی مقادیر علم ہندسہ کے جسمات خمسہ کے ساتھ نسبت رکھتی ہین - ابتداءً وہ یہ سمجھتا تھا کہ سیارہ مریخ کا دور بیضوی الشکل ہے لیکن کہین مدتون کی دماغ سوزی کے بعد جا کر اُسے اس عظیم الشان حقیقت کا علم ہوا کہ یہ شکل اہلیلجی ہے - اسی خیال کی بنا پر کہ اجرام سماوی فساد و زوال سے منزہ ہین ارسطو کا یہ عقیدہ تسلیم کر لیا گیا تھا کہ ان کی حرکات کامل الاستدار ہین اور بجز حرکات مستدیرہ کے اجرام سماوی مین اور کسی قسم کی حرکت نہین پائی جاتی - کپلر تلخی کے ساتھ شکایت کرتا ہے کہ یہ عقیدہ "اس زمانہ کا چور ہے" - اُس کی فلسفیانہ جسارت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس عقیدہ کو جسے لوگ صدیون سے بلا چون وچرا تسلیم کرتے چلے آتے تھے اُس نے یک بیک پس پشت ڈالدیا -

بعض اہم مسائل مین کپلر کی راے نیوٹن پر سبقت لے گئی ہے اور کپلر الفضل للمتقدم کا مصداق قرار پاتا ہے - مثلاً اصول کشش ثقل کے متعلق صحیح صحیح خیالات اول اُسی نے ظاہر کیے ہین - اُس کا بیان ہے کہ مادہ کا ہر ذرہ اُس وقت تک حالت سکون مین رہتا ہے جب تک کوئی دوسرا ذرہ اس سکون مین خلل انداز نہ ہو - پتھر کی ایک سل اگر زمین کو اپنی طرف کھینچتی ہے تو زمین اُس سل کو اور بھی زیادہ قوت کے ساتھ اپنی طرف کھینچتی ہے - اجسام ایک دوسرے کی طرف اپنے اپنے ثقل کی مناسبت سے حرکت کرتے ہین - زمین مین اور چاند مین جو فاصلہ ہے وہ چوّن برابر حصون مین تقسیم کیا جاے -

تو زمین چاند کی طرف اگر اس مین سے بقدر ایک حصہ کے بڑھے گی تو چاند باقی ترمین حصے طے کریگا۔ کپلر یہ بھی دعوی کرتا ہے کہ سمندر مین مد وجزر کشش قمر کی وجہ سے واقع ہوتا ہے۔ اور سیارون کی وجہ سے ضرور ہے کہ حرکات قمر کے تناسب مین خلل پیدا ہو۔

ہیئت کی ترقی کے تین دور قرار دئے جا سکتے ہین۔ دور اول اجرام سماوی کی اعتباری یعنی ظاہری حرکات کے مشاہدات وار تصادات سے تعلق رکھتا ہے۔ دور ثانی مین ان کی حقیقی حرکات خصوصاً سیارون کی گردش کے قوانین کی تکشیف ہوتی ہے اس دور کو کوپرنیکس اور کپلر کے کارنامون نے نمایان کر دیا۔ دور ثالث ان قوانین کے اسباب کی تحقیق کا زمانہ ہے یہ زمانہ نیوٹن نے پایا۔

دور ثانی کا ترقی کر کے دور ثالث ہو جانا علم تحریک اجسام کے ارتقا پر مبنی ہے جو عہد ارشمیدس یعنی مدرسہ اسکندریہ کی مستعدی کے زمانہ سے جامد و ساکن تھا۔

مسیحی یورپ مین لیونارڈو ڈاونسی سے پہلے جو ۱۴۵۲ء مین پیدا ہوا فلسفہ حرکات وحیل کی طرف کسی نے توجہ نہ کی تھی۔ سائنس کے احیا کا سہرا لارڈ بیکن کے سر نہین ہے بلکہ ڈاونسی کے سر ہے۔ بیکن نہ صرف ریاضیات سے بے بہرہ تھا بلکہ مسائل طبیعیہ کی تحقیقات مین ہندسہ و ریاضی کے استعمال کو غیر مفید خیال کرتا تھا۔ اُس نے نظام کوپرنیکس کے تسلیم کرنے سے ازراہ استحقار انکار کیا ہے اور اس پر لغو ومہمل اعتراضات کئے ہین۔ ادھر تو گلیلیو اپنے مہتم بالشان دوربینی اکتشافات کی سرحد پر پہنچا ہوا تھا۔ ادھر بیکن یہ شکوک ظاہر کر رہا تھا کہ علمی تحقیقات مین آلات سے کام لینا سود مند نہین ہو سکتا۔ طریقۂ استقرائیہ یعنی جزئیات سے کلیات کے استدلال کا طریقہ اُس سے منسوب کرنا تاریخ کے سبق کو بھلا دینا ہے۔ اُس کا فلسفہ عملی اعتبار سے ذرا بھی مفید ثابت نہین ہوا اور کسی شخص کے دل مین ان تخیلات سے استفادہ کرنے کا خیال تک نہین پیدا ہوا۔ بجز انگریزی ناظرین کے بیکن کا کوئی نام بھی نہین جانتا۔

ڈاونسی کے حالات سے ہم آگے چل کر زیادہ مفصل بحث کرین گے اس مقام پر ہم
صرف اس قدر لکھنا کافی خیال کرتے ہین کہ اُسکی جو تصانیف مسودہ کی شکل مین ابھی تک موجود
ہین اُن مین سے دو تو میلان کے کتب خانہ مین موجود ہین اور ایک پیرس مین ہے پیرس
والا نسخہ نپولین اپنے ساتھہ لیتا گیا تھا۔ ڈاونسی کے ستر سال بعد ولندیز مہندس اسٹیونس
پیدا ہوا جس کی کتاب اصول توازن و اعتدال پر ۱۵۸۶ء مین شایع ہوئی۔ اس کے چھہ سال بعد
گلیلیو کا رسالہ علم الحرکات شایع ہوا۔

اٹلی کے اس نامور شخص کی بدولت علم الحرکات کے وہ تین اصولی قوانین دریافت ہوئے
جو قوانین حرکت کے نام سے موسوم ہین۔ ان قوانین کی دریافت سے جو نتایج مترتب ہوئے
وہ نہایت ہی اہم ہین۔

پہلے یہ سمجھا جاتا تھا کہ حرکات مسلسل مثلاً حرکات اجرام سماوی قوت کے دوامی استعمال
و اتلاف ہی سے قایم رہ سکتی ہین لیکن گلیلیو کے قانون اول نے ظاہر کر دیا کہ ہر جسم حالت سکون
یا حالت حرکت بخط غیر منحرف پر قایم رہتا ہے تا وقتیکہ کوئی خلل انداز قوت اُسے اس حالت کے بدلنے
پر مجبور نہ کرے۔ اس ابتدائی اصول کا صحیح طور سے سمجھ لینا طبیعی ہیئت کے اصولی واقعات کی
افہام کے لیے لازمی ہے۔ چونکہ ہم دیکھتے ہین کہ سطح زمین پر تمام حرکات جلد ختم ہو جاتی ہین
لہذا ہم یہ بادی النظری نتیجہ نکالتے ہین کہ سکون اجسام کی فطری و جبلی حالت ہے۔ پس اگر ہم کو
اطمینان ہو جاے کہ ہر جسم سکون و حرکت دونون مین سے کسی کے ساتھ مبالات نہین رکھتا بلکہ ہر
حالت پر برابر قایم رہتا ہے تا وقتیکہ کوئی مخالف قوت مخل نہ ہو تو اس سے اندازہ کیا جا سکتا
ہے کہ ہم نے اپنی معلومات مین کس قدر ترقی کی ہے۔ اس قسم کی خلل انداز قوتین جن سے
عام حرکات پر اثر پڑتا ہے رگڑ اور اندفاع ہوا ہین۔ جب یہ قوتین موجود نہ ہون گی تو حرکت
استمراری ہوگی۔ چنانچہ اجرام سماوی جو فضاے بسیط مین حرکت کر رہے ہین ایک حال پر مستدام
متحرک ہین۔

قوتون کی مقدار مین خواہ کیساہی اختلاف کیون نہو اُن کا عمل بالاشتراک و بالاتفاق اس طور پر ہوگا کہ گویا ایک ہی قوت اپنا اثر دکھارہی ہے دوسری غیر موجود ہے۔ مثلاً جب کسی توپ کے منہ سے گولا زمین پر گرا دیا جاتا ہے تو وہ بوجہ کشش ثقل کے اثر کے سطح زمین تک ایک خاص وقت مین پہنچتا ہے لیکن اگر اسی گولے کو توپ مین بارود بھر کر چھوڑا جائے تو اگرچہ اب یہ ایک ثانیہ مین کئی ہزار فٹ کا فاصلہ طے کرجائے گا لیکن کشش ثقل کا اثر اس پر اب بھی بعینہ وہی ہوگا جو یہ پہلے تھا۔ قوتون کی آمیزش سے کوئی اختلاط یا کمی واقع نہین ہوئی بلکہ ہر طاقت نے اپنا اثر مخصوص دکھادیا ہے۔

سترہوین صدی کے نصف آخر مین بورَیلی۔ ہوک۔ اور ہائینس کی تصانیف نے اس بات کو روز روشن کی طرح عیان کردیا کہ حرکات مستدیر کی توجیہ گلیلیو کے قوانین کی بنا پر کی جاسکتی ہے۔ بورَیلی نے اقمار مشتری کی حرکات پر بحث کرتے ہوئے بتایا ہے کہ ایک مرکزی قوت کے عمل سے کیونکر حرکت مستدیر پیدا ہوسکتی ہے۔ ہوک نے ظاہر کیا ہے کہ ایک خارجی مرکزی کشش حرکت مستقیم کو امالہ دیکر حرکت مستدیر بنا سکتی ہے۔

۱۶۸۷ء وہ تاریخ ہے کہ جو نہ صرف یورپین سائنس بلکہ انسان کی دماغی ترقی کی تاریخ مین ہمیشہ یادگار رہے گی۔ یعنی اس سال نیوٹن کی بےمثل اور زندہ جاوید کتاب "پرنسپیا" شایع ہوئی۔

اس اصول کی بنا پر کہ تمام اجسام ایک دوسرے کو اپنی مقدار کی نسبت مستقیم اور اپنے فاصلہ کے مربع کی نسبت معکوس سے کھینچتے ہین[۵] نیوٹن نے ثابت کردیا کہ اجرام سماوی کی

---

[۵] سطح زمین پر جو اجسام اوپر سے نیچے کی طرف گرتے ہین اُن کی سرعت رفتار سولہ فٹ فی ثانیہ ہوتی ہے۔ بالفاظ دیگر مرکز زمین سے چار ہزار میل کے فاصلہ پر ایک جسم سولہ فٹ فی ثانیہ کی سرعت رفتار سے اس کی طرف کھنچتا ہے۔ سطح زمین سے اگر یہ جسم چار ہزار میل یعنی مرکز زمین سے آٹھ ہزار میل کے فاصلہ پر ہو تو چونکہ مرکز زمین سے اس کا فاصلہ بمقابلہ سطح زمین دگنا ہے لہذا ازروے قانون کشش ثقل قوت کشش ثقل

تمام حرکات کی معقول اور شافی وجہ بیان کی جاسکتی ہے اور کپلر کے قوانین یعنی حرکات اہلیلجی۔ فضا سے طے نمودہ اور نسبت وقت و مسافت کے متعلق اسی اصول کو مدنظر رکھ کر پیش از پیش حکم لگایا جاسکتا تھا۔ جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہین نیوٹن کے معاصرین کو حرکات مستدیر کی وجہ معلوم ہوچکی تھی۔ یہ تو ایک صورت خاص تھی یعنی اس کا تعلق مشتری کے توابع کی حرکات سے تھا لیکن نیوٹن کی عقل دقیقہ سنج نے اشکال حرکت کے عام مسئلہ کو حل کردیا جس مین حرکات مستدیرہ واہلیلجی و قریب البیضوی و بعید البیضوی گویا مخروطات کی کل حرکات کی خاص خاص صورتین شامل تھین۔

آسکندریہ کے مہندسون نے بیان کیا تھا کہ گرتے ہوے اجسام کارخ زمین کے مرکز کی طرف ہوتا ہے۔ نیوٹن نے ثابت کردیا کہ ایسا ہونا لازمی ہے اس لیے کہ کسی کرہ کے کل اجزاے ترکیبی کی کشش کا عام اثر ایسا ہی ہے کہ گویا اُن سب کا نقطۂ اتصال اس کا مرکز ہے۔

اس مرکزی قوت کو جو اجسام کے ہبوط کی تعیین کرتی ہے کشش ثقل کا نام دیا گیا۔ اس وقت تک بجز کپلر کے اور کسی کو یہ خیال پیدا نہ ہوا تھا کہ اس قوت کی حد اثر کہان تک ہے نیوٹن نے سوچا کہ ممکن ہے کہ اس قوت کا عمل چاند پر بھی ہوتا ہو اور یہی وہ قوت ہو جو چاند کو خط مستقیم سے منحرف ہوکر زمین کے گرد گردش کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ قانون مربع معکوس کی بنا پر یہ اندازہ لگانا آسان تھا کہ آیا کشش زمین گردش قمر کے بدیہی نتیجہ کی علت کافی ہوسکتی ہے۔ چنانچہ جسامت زمین کی پیمایش کے جو نتائج اُس وقت بہم پہنچ سکتے تھے ان کے ذریعہ سے نیوٹن کو یہ معلوم ہوا کہ انحراف جرم قمر صرف تیرہ فٹ فی دقیقہ ہے حالانکہ اگر مسئلہ کشش ثقل صحیح ہو تو یہ انحراف پندرہ فٹ ہونا چاہیے۔ لیکن جیسا کہ ہمکو معلوم ہوچکا ہے پکارڈ نے ۱۶۶۹ء مین ایک درجہ ارضی کی پیمایش زیادہ صحت اور تدقیق کے ساتھ

بقیہ نوٹ صفحہ ۳۲۳۔ فاصلہ کی نسبت معکوس سے گھٹ جاے گی یعنی ایک چوتھائی رہ جاے گی۔ بالفاظ دیگر ایک ثانیہ مین وہ جسم صرف بقدر چار فٹ کے گرے گا۔ مترجم۔

کی جس نے جسامت زمین اور اس لحاظ سے فاصلہ قمر کا اندازہ بدل دیا۔ ۱۶۷۹ء میں جب بعض مسائل متعلقہ پر "رایل سوسائٹی" میں مباحثہ ہو رہا تھا تو نیوٹن کی توجہ اس اندازہ کی طرف منعطف ہوئی۔ چنانچہ وہ پکارڈ کے عمل کی نقل لکر گھر آیا اور اپنے پرانے کاغذات نکال کر از سر نو حساب لگانے میں مشغول ہوا۔ جب وہ نتیجہ کے قریب پہنچا تو اُسے ایسی گھبراہٹ ہوئی کہ نتیجہ کے استخراج کے لیے اُسے مجبوراً اپنے ایک دوست سے مدد لینی پڑی۔ یہ نتیجہ حسب امید برآمد ہوا اور یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ چاند کا اپنے مدار پر قایم رہنا اور زمین کے گرد گھومنا کشش ثقل ارضی کی قوت کا نتیجہ ہے۔ غرض کپلر کے اس خیال کی جگہ کہ اجرام سماوی عقول عالیہ کے مرکز ہیں ڈیکارٹ کے اس خیال نے لی کہ فضا میں ایتھر یعنی جوہر لطیف کی لہریں اُٹھ رہی ہیں جن کے زور سے اجرام سماوی حرکت کرتے ہیں اور ڈیکارٹ کے خیال کے بجاے نیوٹن کا اصول قوت مرکزی قایم ہوگیا۔

اسی قوت کشش ثقل کی وجہ سے زمین اور باقی تمام سیارے آفتاب کے گرد شکل اہلیلجی بناتے ہوے گردش کرتے ہیں اور ان میں جو اختلال واقع ہوتا ہے اُس کا باعث وہ عمل ہے جو ایک سیارہ کے جرم کا ثقل دوسرے سیارہ پر کرتا ہے۔ اگر ثقل اجرام کی مقدار اور اُن کا فاصلہ معلوم ہو تو اختلال کا اندازہ آسانی سے لگایا جاسکتا ہے۔ زمانہ مابعد کے مہندسون نے اس کی شکل معکوس بھی دریافت کرلی۔ یعنی اگر کیفیت اختلال معلوم ہو تو جرم ذوالاختلال کا موقع اور ثقل معلوم ہو سکتا ہے۔ چنانچہ سیارہ یورینس کا اپنے قیاسی موقع سے منحرف ہونا سیارہ نیپچون کے انکشاف کا باعث ہوا۔

نیوٹن کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اُس نے توانین تحریک اجسام کو اجرام سماوی کی حرکات سے تطبیق دی اور اس بات پر زور دیا کہ سائنس کے قیاسات کی تصدیق و توثیق مشاہدہ و محاسبہ کی موافقت کے ذریعہ سے کرنی چاہیے۔

جب کپلر نے اپنے تین قوانین کا اعلان کیا تو پیشوایان کلیسا نے اُنھیں مذموم و ناروا

قرار دیا۔ نہ اس لیے کہ وہ غلط تھے بلکہ کچھ تو اس لیے کہ ان سے نظام کوپرنیکس کی تائید ہوتی تھی اور کچھ اس لیے کہ کسی غیر متغیر قانون کو مشیت ایزدی و توفیق ربانی کا مزاحم سمجھنا خلاف مصلحت ہے۔ دنیا ایک تماشاگاہ سمجھ لی گئی تھی جس مین خدا کی مرضی ہر روز اپنے کرشمے دکھائی رہتی تھی اور یہ امر جناب باری کی جلالت و جبروت کے منافی سمجھا گیا تھا کہ اُسکی مشیت کسی قاعدے یا قانون کی پابند ہو۔ پادریون کی طاقت کے اظہار کا سب سے بڑا ذریعہ یہی دعویٰ تھا کہ وہ اپنے رسوخ واثر سے خدا کے عزایم علی الاطلاق کو فسخ کرسکتے ہین۔ یعنی دمدارستارون کی نحوست کا اثر کم کرسکتے ہین۔ دھوپ نکلوا سکتے ہین مینھ برسوا سکتے ہین۔ کسوف وخسوف کو رکوا سکتے ہین۔ سیل قدرت کے بہاؤ کا رخ بدل سکتے ہین اور ہر طرح کے معجزے اور کرامتین دکھا سکتے ہین۔ اسی طریقہ سے گھڑی کی سوئی نے رجعت قہقری کرکے پیچھے کی طرف چلنا شروع کردیا تھا اور آفتاب و ماہتاب چلتے چلتے آسمانون کے وسط مین رک گئے تھے۔

نیوٹن کے زمانے سے ایک سو سال پہلے ایک بہت بڑا مذہبی وسیاسی انقلاب ہوا تھا جو اصلاح کنیسہ کے نام سے موسوم ہے۔ اگرچہ اس انقلاب کی بدولت خیال انسانی کو کامل آزادی تو میسر نہین ہوئی تھی لیکن قسیسیت کے قدیم پرزے بہت کچھ ڈھیلے ہوگئے تھے۔ اصلاح یافتہ ممالک مین کسی کی مجال نہ تھی کہ نیوٹن کی تصانیف کا مذہبی پہلو سے تخطیہ کرے اور پادری بھی نہ چاہتے تھے کہ اس معاملہ مین خواہ مخواہ دخل دین۔ اول اول پراٹسٹنٹ فرقہ کی توجہ اپنے بہت بڑے دشمن یعنی کیتھولک فرقہ کی سازشون کا توڑ کرنے مین بٹی رہی اور جب اس طرف سے اطمینان ہوا اور اصلاح کے وہ شاخسانے جن کا پھوٹنا لازمی تھا نکلنے شروع ہوئے تو پراٹسٹنٹون کی توجہ حریف ورقیب کلیسا ؤن پر مبذول ہوگئی۔ "لوتھرین" "کیلونسٹ" "ایسکوپیلین" اور "پرسبیٹیرین" فرقون کو اپنے مذہبی جھمیلون سے اتنی فرصت کہان تھی کہ نیوٹن کے مہندسانہ اکتشافات پر اپنا وقت ضائع کرتے۔

غرض ان فرقون کے باہمی فسادات نیوٹن کے مہتم بالشان نظریہ کے لیے ذریعہ قوت بن گئے۔ تکفیر و تخطیہ تو کجا کسی نے اس کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھا اور یہ نظریہ چپکے چپکے پوری قوت پکڑ گیا۔ اس کا فلسفیانہ مفہوم اُن عقاید کے مقابلہ مین جو ان فرقون کا مابہ النزاع تھی بدرجہا زیادہ نتیجہ خیز تھا۔ اس نے نہ صرف آفتاب کو اپنے نظام کا مرکز تسلیم کر کے کیپلر کے قوانین کی صحت کا اعتراف کیا بلکہ ثابت کر دکھایا کہ پادریون کی مخالفانہ دلایل خواہ کیسی ہی قوی کیون نہ ہون لیکن آفتاب ضرور ہے کہ ہمارے نظام کا مرکز ہو اور کیپلر کے قوانین مہندسانہ لزوم یا جبر کا نتیجہ ہین ناممکن ہے کہ یہ قوانین وہ نہ ہون جو ہین۔

اس کل بحث سے بجز اس کے اور کیا نتیجہ نکل سکتا ہے کہ نظام شمسی کی حرکات مین ربانی مداخلت خلل انداز نہین ہوتی بلکہ اس کے نظم و نسق کی عنان اُس غیر متبدل و غیر متغیر قانون کے ہاتھ مین ہے جو بجائے خود مہندسانہ جبر کا نتیجہ ہے۔

ہرشل[۱] اول نے دوربین سے جو مشاہدات کیے اُن کی بنا پر اُسے یقین ہو گیا کہ فضائے فلکی مین بہت سے دہرے ستارے بھی موجود ہین۔ دُہرے سے مراد یہی نہین کہ وہ اتفاقیہ طور پر ایک ہی خط نگاہ پر واقع ہین بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ طبعاً ایک دوسرے کے ساتھ

---

[۱] سر ولیم ہرشل سے مراد ہے جو ایک مشہور و معروف ہیئت دان تھا اور ۱۷۳۸ء مین بمقام ہینوور پیدا ہوا۔ ۱۷۵۷ء مین ہرشل انگلستان گیا اور وہین بود و باش اختیار کر لی۔ مروجہ دوربینین جو نکہ بہت چھوٹی تھین جن سے اُس کا شوق رصد بینی پورا نہ ہوتا تھا لہذا اُس نے خود ایک بہت بڑی دوربین بنانی شروع کی جس مین اُسے کامیابی ہوئی اور اس کی مدد سے اُس نے نظام شمسی کا وہ سیارہ دریافت کیا جو یورینس کے نام سے مشہور ہے۔ شاہ جارج ثالث نے اُس کی نمایان علمی خدمات کے صلہ مین اُس کا وظیفہ مقرر کیا اور خطاب سے بھی سرافراز کیا۔ اُس کا انتقال ۱۸۲۲ء مین ہوا۔

مترجم

مربوط و منوط ہین - اور ایک ستارہ دوسرے ستارے کے گرد گھومتا ہے - ہرشل ثانی[ف] نے
ان مشاہدات کو جاری رکھا اور بہت کچھ وسعت دی - برج نبات النعاش کبریٰ کے دہرے
ستارے عیسے کے اہلیلجی مدار کی ماہیت سیویری نے دریافت کی تھی اور یہ نتیجہ نکالا تھا کہ اس کی
کامل دور کی مدت سوا اٹھاون سال ہے - ایک اور دہرے ستارے کے حالات ہنڈ
نے دریافت کیے تھے - اس کا نام ٹی کارونا (اکلیل النور) ہے اور اس کے دور کا زمانہ سات
سو چھتیس سال ہے - ان شموس جوڑائی کی حرکت دواری کا اہلیلجی الشکل ہونا صاف بتارہا
ہے کہ قانون کشش ثقل نظام شمسی کی حدود سے بھی بہت پرے نافذ ہے - بلکہ یون
کہنا چاہیے کہ جہان تک دوربین پہنچتی قانون کی عملداری نظر آتی ہے - ڈلمبرٹ نے
"انسائیکلوپیڈیا" (دائرۃ المعارف) کے دیباچہ مین لکھا ہے اور سچ لکھا ہے کہ کائنات
محض ایک واقعہ واحد یا بالفاظ دیگر ایک حقیقت عظمیٰ ہے -

پس ان تمام واقعات سے کیا ہمکو یہ نتیجہ اخذ کرنا چاہیے کہ شموس و کواکب کو خدا نے
پیدا کیا اور اپنی مشیئت علی الاطلاق سے اُن کو ایسے قوانین کے تابع کردیا جن کے تحت
مین اُس مشیئت کا اقتضا تھا کہ یہ اجرام حرکت کرین ؟

یا اس امر کے باور کرنے کی کوئی معقول وجہ موجود ہے کہ شموس بازغہ کی یہ نظام کسی حکم غیر
سوجہ کی بنا پر معرض وجود مین نہین آے بلکہ قانون کا عمل اُن کے وجود مین آنے کا باعث
ہوا ہے ؟

لیپلیس کی تحقیقات کے بموجب نظام شمسی مین حسب ذیل خصوصیات پائی جاتی ہین تمام

ف - سر ولیم کا بیٹا سر جان فریڈرک ولیم ہرشل ایک نامور باپ کا نامور بیٹا ہے - ۱۷۹۲ء مین پیدا ہوا
فن ہیئت مین اُس کی دقت نظر اور مسلسل اور انتھک محنت نے بہت کچھ معلومات کا اضافہ کیا ہے -
باپ بیٹے ہراشل کے نام سے پکارے جاتے ہین - ہرشل ثانی کا انتقال ۱۸۷۱ء مین ہوا -

مترجم

سیارے اور اُن کے اقمار جن اشکال اہلیلجی مین حرکت کرتے ہین اُن کی اہلیجیت اس قدر کم ہے کہ اُن پر تقریبًا دائرہ کی تعریف صادق آتی ہے۔ تمام سیارے ایک ہی سمت مین اور تقریبًا ایک ہی سطح پر گردش کرتے ہین۔ اقمار اور سیارون کی گردش کا رخ ایک ہی ہے۔ آفتاب سیارون اور ان کے اقمار کی گردش محوری و گردش دوری کا رخ ایک ہی ہے اور اس گردش کی سطوح مین بہت کم تفاوت ہے۔

ممکن نہین کہ موافقت و مطابقت کی اتنی بہت سی صورتین محض بخت و اتفاق کا نتیجہ ہون کیا یہ امر روز روشن کی طرح آشکارا نہین ہے کہ ان تمام اجسام کی شیرازہ بندا ایک قوت ہے اور ایک رشتہ بطور قدر مشترک ان سب کو ربط دینے والا موجود ہی اور یہ ایک ایسے جرم عظیم الشان کے اجزا ہین جو نشر و تحلیل سے پہلے واحد و منفرد تھا؟

لیکن اگر ہم تسلیم کر لین کہ جس مادہ سے نظام شمسی مرکب ہے وہ ایک وقت بشکل مشابہتہ النجوم یعنی بصورت غبار کو کبی موجود تھا اور اپنے محور کے گرد گھومتا تھا تو تمام وہ خصوصیات جن کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے از روے اصول حرکات الاجسام لازمی نتائج کے طور پر پیدا ہو جاتی ہین۔ بلکہ سیارگان و اقمار و نجیم کی ترکیب پذیر ہونے کی معقول توجیہ ہمارے ہاتھ آجاتی ہے ہمکو معلوم ہو جاتا ہے کہ بیرونی سیارے اور اقمار اندرونی سیارون اور اقمار سے کیون بڑے ہین ہم بتا سکتے ہین کہ بڑے سیارے کس لیے زیادہ تیزی سے گھومتے ہین اور چھوٹے سیارون کی حرکت مین آہستگی پائی جاتی ہے اور بیرونی سیارون کے اقمار اندرونی سیارون کے اقمار کے مقابلہ مین کیون زیادہ ہین۔ ہم حکم لگا سکتے ہین کہ سیارے او. اقمار اپنے اپنے دور کس قدر زمانہ مین طے کرتے ہین۔ ہم پر یہ حقیقت منکشف ہو جاتی ہے کہ زحل کے حلقے کس طور پر بنے ہین ہم سمجھ جاتے ہین کہ آفتاب کی موجودہ طبیعی حالت کی کیا وجہ ہے اور ارض و قمر جن کی طبقات الارضی سرگزشت سے ہم واقف ہین کیون کر مختلف مدارج تغیر طے کرتے ہوے موجودہ حالت کو پہنچے۔

لیکن خصوصیات مذکرہ بالا مین دو مستثنیات بھی پائی گئی ہین جو نیو ٹینس اور ضیون سے متعلق ہین۔

اگر اس قسم کے ضبابۃ النجوم کا وجود تسلیم کر لیا جاسے تو باقی تمام نتائج خود بخود نکلتے چلے آتے ہین البتہ ایک بہت بڑی مشکل سنگ راہ ہوتی ہے۔ یعنی جن دنیاؤن کو خدا نے بنایا ہے اُن سے خدا سے تدبیر خارج ہوا جاتا ہے [1]۔

اول ہم کو یہ اطمینان کر لینا چاہیے کہ آیا ایسے ضبابۃ النجوم کے وجود کا اعتراف کرنے کے لیے کوئی قوی شہادت بھی بہم پہنچ سکتی ہے یا نہین۔

مسئلہ ضبابۃ النجوم کا اصولی حصہ پر شل اول کے اس دوربینی اکتشاف پر ہے کہ افلاک مین جابجا نور کے ... درخشان بقعے پھیلے ہوے ہین جن مین سے بعض اس قدر بڑے ہین کہ مجرد نگاہ کو بھی محسوس ہو سکتے ہین۔ ان مین سے اکثر بقاع پر جب زبردست دوربینون کے ذریعہ سے نظر ڈالی گئی تو معلوم ہوا کہ کواکب کا ایک سلسلہ دور تک چلا گیا ہے لیکن ایک آدھ بقعہ نور مثلاً برج جوزا کا ضبابۂ اکبر ایسا بھی ہے جسے زبردست سے زبردست دوربینین بھی کواکب مین تحلیل نہین کر سکین۔

جو لوگ مسئلہ ضبابۃ النجوم کی حقیقت کا اعتراف نہ کرنا چاہتے تھے اُنھون نے یہ اعتراض پیش کیا کہ عدم تحلیل کی وجہ دوربینون کا نقص ہے۔ ان آلات مشاہدہ مین دو جداگانہ قوتین پائی جاتی ہین۔ یعنی اُن کی قوت اقتباس اُن کے ... (زجاجہ) کے دور پر اور قوت ایضاح صورت اُن کے سطوح نظریہ کی غایت لطافت و نزاکت پر منحصر ہوتی ہے۔ بڑی دوربینون

[1] خدا سے تدبیر تو شاید خارج ہو جاسے مگر اس کا بنایا ہوا ضابطہ یعنی وہ قانون جس کا مفہوم لن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا مین مضمر ہے خارج نہین ہو سکتا۔ لیکن بات ایک ہی ہے۔ ہم مقنن کے قایل ہین۔ آپ قانون کے۔ ہم ذات کا اعتراف کرتے ہین آپ صفات کا۔ ہم خدا کو مانتے ہین۔ آپ مادہ اور حرکت کو۔ ع چلو بس ہو چکا جبگڑا نہ تم خالی نہ ہم خالی۔ مترجم

میں وصف اول الذکر تو بوجہ اپنی جسامت کے بدرجہ تام موجود ہو سکتا ہے۔ لیکن دوسری صفت
شاذونادر ہی بکمال الوجہ پائی جاتی ہے جس کا باعث یہ ہے کہ یا تو اُن کی اصولی ترکیب ہی ناقص
ہوتی ہے اور یا وزن کے باعث خمیدگی پیدا ہو جانے سے سطح نظریہ بگڑ جاتی ہے۔ لیکن تا وقتیکہ
کسی دوربین میں یہ دونوں صفتیں پوری طرح سے موجود نہ ہوں۔ اس سے غبار انجم کا انفکاک
بصورت نقاط منفصل نہیں ہو سکتا۔

حسن اتفاق سے اس عقدے کے حل کرنے کا دوسرا سامان بھی موجود ہے۔ سنہ ۱۸۲۶ء
میں مصنف کتاب ہذا نے اس حقیقت کا انکشاف کیا کہ اجسام مستوقد یعنی جلتے ہوئے اجسام
کے الوان منشور کا انعکاس متسلسل ہوتا ہے یعنی اس میں نہ سیاہ دھاریاں پائی جاتی ہیں نہ روشن
دھاریاں۔ اس سے پہلے فرانوفر نے یہ تحقیق کی تھی کہ غاز (گاس) مستوقد کے الوان منشور
کا انعکاس غیر متسلسل ہوتا ہے۔ پس ان دونوں انکشافات کو پیش نظر رکھ کر ہم معلوم کر سکتے
ہیں کہ کسی ضبابۃ النجوم سے جو روشنی خارج ہوتی ہے اُس کا ماخذ غاز مستوقد ہے یا اجرام ثوابت
وشموس مستوقد ہیں۔ اگر اس کے الوان منشور کا انعکاس غیر متسلسل ہو تو سمجھنا چاہیئے کہ یہ ضبابۂ
حقیقی یا غاز مستوقد ہے اور اگر متسلسل ہو تو مجموعہ انجم سمجھنا چاہیئے۔

سنہ ۱۸۶۴ء میں مسٹر ہگنس نے ایک ضبابہ کو جو برج ڈراکو میں واقع ہے اسی معیار میں جانچا تو
معلوم ہوا کہ یہ ضبابہ حالت غازیہ میں ہے۔ اس کے بعد متعدد مشاہدات ہوئے اور ساٹھ
ضبابۃ النجوم کا امتحان کیا گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ان میں سے انیس کے الوان منشور کا انعکاس
غیر متسلسل ہے اور باقی کا متسلسل۔

ایسی حالت میں ہم کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ آخرکار طبیعی وعملی ثبوت اس امر کا بہم پہنچ گیا ہے
کہ مادہ کے عظیم الشان انبار غازیہ حالت میں موجود ہیں اور اُن کے التہاب کے اشتداد
کی یہ کیفیت ہے کہ اُن کی روشنی کا رنگ بالکل سفید ہے۔ پس صاف ظاہر ہے کہ لیپلیس
کا قیاس حجت موجہ وشہادت ناطق پر مبنی ہے۔ اس قسم کے کوکبی تودہ مستوقد کی تبرید

تبخیر کے ذریعہ سے لازمی ہے اور انجماد گردش اس کے نتایج ناگزیر ہین۔ ضرور ہے کہ اس تودہ مین سے جدا جدا مختلف شکل آئین جن کی سطح ایک ہی ہو اور سیارے اور اقمار پیدا ہون جو ایک ہی طرح گردش کرنے ہون۔ اور وسط مین ایک آفتاب رہ جاے جسکے گرد یہ سیارے گھومتے ہون غرض ایک ہیولانی مادہ سے قوانین قدرت کے عمل کے باعث ایک مدون و مرتب نظام پیدا ہو جاتا ہے اور حرارت کے بتدریج کم ہونے سے مادہ دنیاؤن کی شکل قبول کرلیتا ہے[ل]

ل انہین خیالات کو ہم نے نظم کا لباس پہنایا ہے۔ یہ نظم جس کا انداز بیان فلسفیانہ تخیل کے ثقل کی ایک حد تک تلافی کرتا ہے۔ حضرات ناظرین کی ضیافت طبع کے لیے جو خشک فلسفہ پڑھتے پڑھتے اکتا گئے ہون گے تفنناً یہان درج کی جاتی ہے۔

اول اول جب نہ تھا کچھ بھی بجز ذات خدا — ماسوا کا شکل و صورت سے تعلق تھا جدا
مادے کے منفصل اجزا تھے مانند غبار — ساحت افلاک مین ذرون کا طوفان تھا بپا
سربکف جاتا ہے مادے قدم مین جبکہ وہم — کچھ نہین پاتا خلا مین وہ ہیولا کے سوا
اس جگہ اس مسئلہ پر ہم نہین کرتے ہین بحث — ابتدا کیون کر ہوئی ہوگی کب اس کی انتہا
ہم فقط اتنا کہین گے قرن گزرے بیشمار — رفتہ رفتہ مادہ پانے لگا نشو و نما
پہلے جو کچھ منفصل تھا ہو گیا اب متصل — تودہ غبرا سے غاسق کوکب دری بنا
کھا کے ذرون نے تھا دھکے باہم سوز گرد — پہلے پیدا کی حرارت اور بعد اس کے ضیا
کچھ تو سیارے بنے اور کچھ ثوابت بن گئے — کچھ ہوئے ماہ منیر اور کچھ شموس بازفد
اس طرح بیحد نظام شمس قایم ہو گئے — جن کا پھیلا ہے خدا جانے کہان تک سلسلہ
اپنے محور پر ہوئے سرگرم گردش آفتاب — اور لگا گرد اُن کے سیارون کا پھر نی جمگھٹا

جس مکان کے ہم مکین ہین یہ بھی اک سیارہ ہے
گلشن قدرت کا اک چھوٹا سا آتش پارہ ہے

معرض ہستی مین جب آیا ہمارا آفتاب — نور تھا اس کی ردا اس کی قبا تھا التہاب

اگر نظام شمسی اور ثوابت سیار کی دنیاؤن کی آفرینش کی حقیقت یہی ہو تو ہمین قانون کی عملداری کے متعلق اپنے دائرہ خیال کو مجبوراً وسیع کر کے اس امر کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ

بقیہ نوٹ صفحہ ۴۴۲

حرکت تنویریہ کا گویا کروڑ دن میل مین — روے دریاے فضا پر تیرتا تھا اک حباب

جرم تھا اب کی طرح اُس کا سراپا آتشین — گود کی بھی تھی وہی اُس کی جو ہے اُس کا شباب

گرد و پیش اُس کے نہ تھی آراستہ انجم کی بزم — تھی محیط اُس کی خلا بے انتہا و بے حساب

یکہ و تنہا وہ راہی تھا خلا کے صحن مین — ایک بھی کوکب نہ تھا اُس وقت اُس کا ہمرکاب

مدتین اُس نے گزارین عالم تجرید مین — اپنی تنہائی پہ صدیون اُس نے کھایا پیچ و تاب

جس طرح ہوتا ہے کوہ آتش افشان مشتعل — جوش مین رہ رہ کے آیا آخر اک دن آفتاب

پھلجھڑی کے منہ سے جیسے نور کے جھڑتے ہین پھول — کچھ ستارے ٹوٹ کر اُس سے گرے مثل شہاب

آٹھ سیارے یہی ہین جو توابع اُس کے ہین — ان مین اور اُس مین ہوا قایم تجاذب کا حجاب

دیکھ کر اپنی ولادت کے طریقے کو یونہی — کر لیے پیدا اُنھون نے اپنے اپنے اہتاب

کہتے ہین جس کو نظام شمس انوز ہے یہی

وہم جس کا عقل مین لاتا ہے چکر ہے یہی

جب زمین آکر ہوئی صحن خلا مین جلوہ گر — خاصیت خورشید کی اُس مین عیان تھی سر بسر

شکل بھی گردی تھی اُس کی اپنے مصدر کی طرح — جرم بھی تھا مثل خورشید اُس کا اک موج شرر

متصل تبخیر سے لیکن بہ امضای زمان — رفتہ رفتہ ہو چلا زایل حرارت کا اثر

آتشین حالت مبدل ہو گئی سیال سے — ہو گیا جس سے مزاج ارض گویا گرم تر

پھر بتدریج انجماد اپنا عمل کرنے لگا — اور جو مایع تھا پہلے بن گیا وہ اب حجر

سنگ خارا کی زمین نے ایک چادر اوڑھلی — جس کے نیچے پڑ رہا تھا رود آتش مین بھنور

جا بجا لیکن بلندی اور پستی چھا گئی — مادہ از بسکہ اندر کا ہوا زیر و زبر

کائنات میں جو بے شمار اجرام پھیلے ہوئے ہیں نہ صرف اُن کی تکوین بلکہ ان کی صیانت میں بھی قانون ہی کو دخل ہے۔

لیکن اس مقام پر پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس واقعہ کا اعتراف انتہا سے بدعقیدگی پر دلالت نہیں کرتا ہے کیا ہم قادر مطلق خدا کو اُس دنیا سے جسے اُس نے پیدا کیا ہی بے دخل

بقیہ نوٹ صفحہ ۳۳۳

تھیں یہ ناہمواریاں اس سطح سنگین پر جہاں — آج لیتا ہے انہیں کا نام انسان بحر و بر

بن گئے کہسار اور میدان بلندی تھی جہاں — اور جہاں پستی تھی اُس میں کرلیا دریا نے گھر

اک گھٹا ٹوپ ابخروں کا چھا رہا تھا ہر طرف — جسنے جل تھل کردیئے پل بھر میں بنکر ابر تر

اتحاد مہر و ابر و رعد و باد و برق سے

موج آب شور لپکی تا بمغرب بشرق سے

ہوچکا جس رتت کامل یہ مواد ما و طین — اور ہوئی جب معتدل بن کر حرارت بھی یہیں

وقت آپہنچا کہ ہو سرسبز باغ روزگار — اور موالید ثلثہ سے بھرے مہد زمین

خامۂ ابداع صناع ازل ظاہر کرے — پردۂ فطرت پہ مخلوقات کے نقش و نگین

رہ گیا باقی تھا پڑنا اب نقطہ اک جان کا — ڈھل چکا سانچے میں تھا دنیا کا جسم نازنین

زندگی اک راز ہے اور راز دار اک راز خود — جس کا پردہ عقل انسانی اُٹھا سکتی نہیں

ہیں مقام جس کے بینش کے لیے عین القیاس — ہیں معارف جس کے دانش کے لیے حق الیقین

اس چھپی قوت سے ظاہر اہل دنیا کو کیا — اُس چھپی قوت نے جو ہے رمز عقل اولین

وہ م و ماہی و مور و سبزہ و آب و حجر — صنعت باری کے خرمن کے یہ سب ہیں خوشہ چین

اپنی حکمت سے بنائے بے حساب اُس ذی جہان

اپنی قدرت کے دکھائے لاجواب اُس نے نشان

مترجم

نہیں کر رہے ہیں ؟

ہم نے صاف مطلع پر ابر گھرتے ہوئے اکثر دیکھا ہے۔ سیاہی کا ایک دھندلا سا نقطہ غبار کا ایک ننھا سا مرغولہ اول اول نمودار ہوتا ہے اور بتدریج بڑھتے بڑھتے سیاہ و غلیظ ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ آسمان کے ایک بہت بڑے حصہ پر کالی گھٹا چھا جاتی ہے یہ گھٹا انوکھی اور نرالی شکلیں اختیار کرتی ہے۔ آفتاب کا نور جب اس میں سے چھنتا ہے تو ایک عجب دلفریب سماں نظر آنے لگتا ہے۔ لکہ ہائے ابر دوش ہوا پر سوار ہو کر بڑھے چلے جاتے ہیں گھٹا چھٹنے لگتی ہے اور جس طرح بتدریج نمودار ہوئی تھی اسی طرح شاید آہستہ آہستہ کم ہوتی ہوئی ہوا میں غائب ہو جاتی ہے۔ اور مطلع پھر صاف ہو جاتا ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ وہ چھوٹے چھوٹے اجزائے منفوط جن سے یہ گھٹا مرکب تھی حرارت میں تخفیف ہو جانے کے باعث اُن آبی بخیروں کے انجماد سے پیدا ہوئی جو پہلے سے کرہ ہوا میں موجود تھے اور منجمد ہو کر انہوں نے سحابی شکل اختیار کر لی۔ بادل کی تابانی یا ظلمت کی توجیہ ہم علم مناظر و مرایا کے اصول پر کرتے ہیں۔ ہوا کے زور سے اس کی نقل و حرکت کا سبب بیان کرتے ہوئے ہم علم تحریک اجسام کے اصول پیش کرتے ہیں۔ اس کے نمودار ہو کر غائب ہو جانے کی وجہ ہمارے نزدیک علم کیمیا کے اصول میں پائی جاتی ہے یہ ہمیں کبھی خیال نہیں آتا کہ اس شکل گریز پا کی تکوین و ترکیب خدا کی بلا واسطہ مداخلت سے منسوب کریں۔ اس کے کل واقعات متعلقہ کی توجیہ ہم طبیعی قوانین کی بنا پر کرتے ہیں اور شاید ادب و احترام مانع آئے کہ ہم بادل کی تخلیق کے لیے جناب باری سے کہیں کہ قدرت کو بروئے کار آنے کی زحمت دیں۔

لیکن اگر چشم بصیرت سے دیکھا جائے تو کائنات کی حقیقت بھی اس بادل سے زیادہ نہیں۔ اُس کے اجزا بخارات آبی تھے۔ اس کے اجزا شموس و عوالم ہیں ہماری نظروں میں گو اس کی عظمت و حکمت کی کوئی انتہا نہ ہو لیکن عقل غیر محدود و لازوال کے نزدیک

اس کی ہستی ایک رمتی بدلی ہے[۵۱]۔ جس طرح آسمان پر ایک بادل نا ہر اکیجاتا ہے اسی طرح یہ نظام ثوابت
(یعنی کائنات) بے شمار دوسری دنیاؤن کا قایم مقام ہے جو اس سے پہلے گزر چکی ہین اور اُن اَن گنت
دنیاؤن کا پیشرو ہے جو وجود مین آنے والی ہین۔ غرض انقلاب و انبدال علت و معلول
اور سبب و مسبب کا ایک غیر منقطع سلسلہ قایم ہے جس کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا۔

اگر طبیعیات کے اصول کو پیش نظر رکھ کر ہم کہرے اور بادل کے اسباب پر غور کر سکتے
ہین حالانکہ اس قسم کے مسائل علم حوادث الجو کے صغائر مین داخل ہین تو کیا اسی اصول کی بنا پر دنیاؤن
اور کائناتون کی ابتدا و آفرینش کے مسایل پر غور کرنے کی ہمکو اجازت نہین ہوسکتی؟ اس لئے
کہ آخر یہ دنیائین بھی بادل ہی ہین اگرچہ اُن کی وسعت مکان کا پیمانہ کسی قدر زیادہ ہے اور
ان کی حقیقت کہرے سے زیادہ نہین اگرچہ اُسکی وسعت زمان کا معیار کسی قدر کم ناپائدار
ہو۔ کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص ایک ایسی حد فاصل قایم کر سکے جسکے ایک طرف طبیعیات کا
عمل ہو اور دوسری طرف مابعد الطبیعیات کا؟ کیا اشیا کی مقدار اور مدت بقا کے متعلق ہمارے
قیاسات محض اعتباری نہین ہوتے؟ برج جوزا مین جو ضیابیۃ النجوم نظر آتا ہے اگر ہم اُس مین
موجود ہون تو کیسا شاندار نظارہ ہمین دکھائی دے۔ اس کے مہتم بالشان انقلابات کا ظہور
مین آنا اس کے آتشین غبار کا منجمد ہوکر دنیاؤن کی شکل اختیار کرنا ہمین اس قابل معلوم کہ خدا
بذات خود موجود ہوکر اُن کی نگرانی کرے اِس مقام بعید سے جہان کروڑون میل کی ہماری نگاہون
کے سامنے کوئی ہستی نہین اور شموس بازغہ فضاے فلکی مین ہمین چمکتے ہوئے ذرون کے
برابر نظر آتے ہین برج جوزا کا یہ ضیابیۃ النجوم دہندلی سے دہندلی بدلی سے بھی زیادہ موہوم
معلوم ہوتا ہے۔ گلیلیو نے بُرج جوزا کا ذکر کرتے وقت اسے اس درجہ حقیر و ہیچ میرز سمجھا ہے

---

۵۱ اسی خیال کو شاعر نے کس خوبصورتی سے ادا کیا ہے۔

ہنگامہ گرم ہستی ناپائدار کا۔ چشمک ہے برق کی کہ تبسم شرار کا۔

مترجم

کہ اس کا حوالہ تک نہین دیا اور اگر کوئی شخص اس کی تکوین و تخلیق کو کسی علت ثانیہ سے منسوب کرتا اور جو انقلابات اس مین ہو رہے ہین اُن کے لیے خدا کی مطلق العنان دست اندازی کو ضروری نہ سمجھتا تو اُس زمانہ کے کٹر سے کٹر پادری بھی اُسے قابل الزام نہ خیال کرتے پس جب اس ضابطہ النجوم کے متعلق ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہین تو وہ نفس ناطقہ جو وہان کی کسی دنیا مین موجود ہوگا ہمارے متعلق کیا راے قایم کرے گا ؟ اس ضابطہ النجوم کی وسعت ہمارے نظام شمسی سے کروڑون گنی زیادہ ہے ہم وہان سے مطلق نظر نہین آتے اور اس لیے وہان کی عقول کے لیے ہمارا عدم وجود برابر ہے۔ کیا وہ عقول ہماری آفرینش اور بقا کے لیے خدا کی فوری و بلا واسطہ مداخلت کو ضروری ولازمی تصور کرین گی ؟

نظام شمسی سے قطع نظر کرکے اب ہم اس کے ایک جزو حقیر یعنی اپنے کرہ زمین کی طرف متوجہ ہوتے ہین۔ جون جون زمانہ گزرتا گیا ہے اس مین بڑی بڑی تبدیلیان ہوتی رہی ہین۔ کیا یہ تبدیلیان ربانی مداخلت کا نتیجہ ہین یا غیر متغیر قانون کے مسلسل اور نہ ٹلنے والے عمل کا ؟ قدرت کی شکل ہماری آنکھون کے سامنے ہر لحظہ متغیر ہوتی رہتی ہے اور طبقات الارضی زمانون مین یہ تغیر نہایت وسیع اور حیرت انگیز پیمانہ پر ہوا ہے۔ لیکن اُن قوانین مین جو ان تغیرات پر حاوی ہین خفیف سی تبدیلی بھی نہین ہوتی۔ دنیا ادھر کی اُدھر ہو جاے لیکن وہ نہین بدلتے۔ موجودہ نظام کون و فساد اُس عظیم الشان زنجیر کا محض ایک حلقہ ہے جس کا ایک سرا ماضی کی غیر معین و برتر از احصا سرحد کی طرف چلا گیا ہے اور دوسرا سرا مستقبل کی غیر محدود و خارج از قیاس پہنائی کی جانب پہیلا ہوا ہے۔

اس امر کی طبقات الارضی اور ہیئتی شہادت موجود ہے کہ قرون ماضیہ مین زمین اور چاند کی حرارت بمقابلہ زمانہ موجودہ بہت زیادہ تھی۔ یہ حرارت بتدریج کم ہوتی گئی لیکن کمی کا عمل اس قدر بطی الاثر تھا کہ کسی مختصر مدت مین اُس کا محسوس ہونا ممکن نہ تھا۔ البتہ طویل زمانون کے انقضا کے بعد یہ کمی نمایان ہوتی گئی۔ جو حرارت بذریعہ تبخیر زمین سے خارج ہوئی ہے

وہ فضا مین چلی گئی ہے ۔

مادہ کے کسی تودہ کی تبرید خواہ وہ بڑا ہو یا چھوٹا غیر مسلسل نہین ہوتی یعنی اس کا عمل رک رک اور تھم تھم کر نہین ہوتا۔ بلکہ ریاضی کے ایک مقررہ قانون کے تابع ہوتی ہے اگرچہ اُن تغیرات عظیمہ کے لیے جن سے ہمین یہان بحث ہے نہ تو نیوٹن کا کلیہ کام دیتا ہے نہ ڈیولانگ کا اور نہ پیٹیٹ کا۔ اس واقعہ سے ہمارے دعوے مین کوئی فرق نہین آسکتا کہ ایک زمانہ مین حرارت زمین کی رفتار زوال معمول سے کسی قدر کم ہوگئی ۔ ایک زمانہ مین یہانتک کم ہوئی کہ دور زمہریریہ نمودار ہوگیا۔ پھر ایک زمانہ مین کچھ عرصہ کے لیے معمول سے زیادہ ہوگئی ۔ نہ یہ بحث ہی ہمارے دعوے پر کوئی اثر ڈال سکتی ہے کہ آیا یہ اختلافات سطح زمین کے بلند دپست ہونے سے باعث پیدا ہوے یا حرارت آفتاب کے موقت الاستنداد ہونے کی وجہ سے حرارت آفتاب کا موقت الاستنداد ہونا حرارت کی تدریجی کمی مین محض بمنزلہ ایک اختلال کے ہے۔ سیارون کی حرکات کے اختلافات سے اصول کشش ثقل کی تائید و توثیق ہوتی ہے نہ کہ تردید و تغلیط۔

حرارت کا یہ زوال ظاہر ہے کہ ہمارے کرہ کی طبیعی نوعیت مین بے شمار تبدیلیون کا باعث ہوا ہوگا۔ سکڑنے کی وجہ سے اُس کا حجم بہت کچھ کم ہوگیا ہوگا۔ اُس کے دن کا طول گھٹ گیا ہوگا۔ اُس کی سطح شکستہ ہوگئی ہوگی اور جن جن طبقات کی قوت اندفاع سب سے زیادہ کم ہوگی وہان بڑے بڑے دراڑ اور غار پڑگئے ہون گے سمندر کی کثافت بڑھ گئی ہوگی۔ اس کے پانی کی مقدار گھٹ گئی ہوگی۔ کرہ ہوا کے اجزاے ترکیبی خصوصًا انجرات آبی اور کاربانک ایسڈ (حموضتہ الفحم) کی مقدار مین تغیر واقع ہوگیا ہوگا۔ ہوا کا دباؤ کم ہوگیا ہوگا۔

یہ انقلابات اور بہت سے دوسرے تغیرات جو ان کے ساتھ لازم ملزوم ہین غیر مسلسل طور پر نہین بلکہ نہایت ترتیب و باقاعدگی سے واقع ہوئے ہونگے اس لئے کہ وہ علت کبرے یعنی زوال حرارت جو ان تغیرات کے ظہور کا باعث تھی خود ایک ہندسی قانون کے تابع تھی۔

لیکن ان اٹل تبدیلیون کا اثر کائنات غیر ذی حیات ہی پر نہین پڑا کائنات ذی حیات

بھی ساتھ ساتھ برابر متاثر ہوتی گئی۔

ہر شکل ذوی الاعضا خواہ وہ از قسم نباتات ہو یا از قسم حیوانات اُسی وقت تک تبدیلی قبول نہیں کرتی جب تک کہ اُس کے حوالی مین تبدیلی نہین ہوتی۔ اگر حوالی بدل جائین تو وہ شکل یا تو متغیر ہو جاسے گی اور یا بالکل معدوم ہو جاسے گی۔

اگر تغیر حوالی فوری یا ناگہانی ہو تو انعدام زیادہ قرین قیاس ہے لیکن اگر تغیر علی التدریج ہو تو تبدیل یا تقلیب کا امکان زیادہ ہوگا۔

چونکہ اس واقعہ کے یقینی ہونے سے انکار نہین ہو سکتا کہ قدرت کے مظاہر غیر ذی روح مین قرنہا قرن کے مرور سے وسیع وعظیم تغیرات واقع ہوے ہین۔ چونکہ کرۂ زمین کا بیرونی خول اور سمندر اور کرہ ہوا وہ نہین ہین جو کسی زمانہ مین تھے۔ چونکہ خشکی اور تری کی تقسیم اور دوسری طبیعی حالتین بدل گئی ہین۔ چونکہ مخلوقات ذی حیات کے حوالی مین اس قدر عظیم الشان تغیرات ہوئے ہین لہذا صاف ظاہر ہے کہ ان مخلوقات کو بھی اسی طرح کے مدارج فنا و استحالہ طے کرنے پڑے ہون گے۔

اس قسم کے فنا و استحالہ کے وقوع مین آنے کی ناطق اور قطعی شہادت اس کثرت سے موجود ہے کہ یقین کو مجبوراً اُس کے آگے سر تسلیم خم کرنا پڑتا ہے۔

اس موقع پر ہم مکرر اس امر کا اظہار کیے بغیر نہین رہ سکتے کہ چونکہ وہ قوت جو ان تغیرات کا باعث تھی خود ایک ہندسی قانون کی پابندی کر رہی تھی لہذا اس کے یہ نتائج بھی اسی قانون کے تابع متصور ہونے چاہئین۔

ان تمام مباحث سے یہ لازمی نتیجہ نکلتا ہے کہ مخلوقات ذوی الاعضا کی ترقی قانون غیر ممکن التغییر کے عمل کی تابع ہے خدا کی غیر مسلسل غیر مربوط اور سنت شکن مداخلت کا ماحصل نہین ہے۔ ان مباحث سے ہمارے اس خیال کو بھی تقویت ہوتی ہے کہ بجاسے تخلیق کے اُس فعل کے جو بغتۃً صادر ہوا ہو ایک جسم ذوی الاعضا کی شکل کا مستحیل ہو کر دوسری شکل

اختیار کر لینا بہت زیادہ قرین عقل ہے۔ تخلیق یا پیدائش کے یہ معنی ہین کہ کوئی شے دفعتاً خود بخود نمودار ہو جائے اور استحالہ سے مراد یہ ہے کہ ایک شکل جو پہلے سے موجود ہے بتدریج متغیر ہوتی ہوئی دوسری صورت اختیار کر لے۔

اس طور پر ہمارا ادراک مسئلہ ارتقا کی حقیقت عظیمہ سے دو چار ہوتا ہے۔ ہر وجود ذوی الاعضا حوادث کے سلسلہ سے مربوط و منوط ہے۔ یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ اس وجود کو دوسرے مظاہر آفرینش سے کوئی لگاؤ نہین اور یہ ایک ایسا واقعہ ہے جسے سلسلہ علت و معلول سے کوئی تعلق نہین بلکہ اسے واجب الحدوث تصور کرنا چاہیئے۔ اس کا تعلق اُس برتر از احصا سلسلہ حوادث سے ہے جو زمانہ ماضی مین علی سبیل تدرج پیدا ہو کر زمانہ موجودہ تک پہنچا ہے اور سلسلہ مقدرات آیندہ کی تیاری کا سامان کر رہا ہے۔ اس وسیع زنجیر کے حلقون کا انقباض کچھ کچھ وقفہ پر مبدل بحالت بسط ہو جاتا ہے۔ یعنی ارتقا کا اثر نمودار ہوتا ہے۔ لیکن ان تغیرات کے دوران مین وہ قوانین جن کی حدادی اس زنجیر کی تیاری کی ذمہ دار ہے مطلق نہین بدلتے۔

اگر ہم حیوانات کی کسی جنس کے ظہور پر غور کرین تو ہمین معلوم ہوگا کہ اس کا وجود تغیر و استحالہ کے سانچے مین ڈھلا ہے۔ تخلیق کے ذریعہ سے مجدداً نمودار ہوا۔ اس کی ابتدا بہ شکل ناقص اُن دوسری اشکال کے درمیان ہوتی ہے جن کا دور حیات قریب الاختتام ہے اور جو معدوم ہونے کے قریب ہین اس کی متعدد نوعین یکے بعد دیگرے بتدریج نمودار ہوتی ہین اور ہر نوع پہلی نوع سے زیادہ کامل و مکمل ہوتی ہے یہان تک کہ کئی قرنون کے بعد وہ منتہاے اکملیت پر پہنچ جاتی ہے۔ یہان سے اسی تدریج اور آہستگی کے ساتھ زوال شروع ہوتا ہے تا آنکہ اپنی زندگی کی مدت ختم کرکے وہ بھی اپنے اسلاف کی طرح سرا پردۂ عدم مین چلی جاتی ہے۔

مثلاً اگرچہ حیوانات ذات الثدی دور ثالثہ و دور ثالثہ مالاخری سے مخصوص ہین لیکن یہ جنس اپنی آمد آمد کا اعلان کیے بغیر اسی دور مین دفعۃً و بغتۃً ظاہر نہین ہوتی۔ دور ثانیہ کی

کے قرون بعیدہ مین ہم اسے بشکل ناقص اس طور پر پاتے ہین کہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا یہ زندہ رہنے کے لیے ہاتھ پاؤن مار رہی ہے ۔ بالآخر یہ ترقی کرتے کرتے کامل الشکل و متناسب الاعضا ہوگئی ہے ۔

اسی طرح جنس ہوام الارض قرون ثانیہ کی حیاتی خصوصیات مین سے ہے ۔ جس طرح ہم کسی بدلتے ہوئے طلسمی پردۂ تصویر مین ایک منظر کی صورتون کو دھندلا اور مدھم ہوتا ہو اور ان دھندلی صورتون مین سے ایک نئی صورت کو نمودار ہوتا ہوا دیکھتے ہین جو بتدریج واضح و نمایان ہوکر نہایت صاف نظر آنے لگتی ہے اور پھر رفتہ رفتہ تحلیل ہوکر دوسرے مرقع کے لیے جگہ خالی کردیتی ہے اسی طرح زمین پر رینگنے والے حشرات الارض بشکل ناقص و موہوم نمودار ہوتے ہین اور رفتہ رفتہ منتہاے شباب کو پہنچ کر انحطاط کے رستہ پر پڑ لیتے ہین ۔ ان تغیرات مین ایک بھی ایسا نہین جو فوری د ناگہانی ہو بلکہ یہ درجہ بدرجہ ایک دوسرے مین غیر محسوس طور پر ضم ہوتے چلے جاتے ہین

یہ نتائج وہ ہین جو کسی طرح ٹل نہ سکتے تھے ۔ ممکن نہ تھا کہ گرم خون والے حیوان قرون اولی کی اُس ہوا مین زندگی بسر کرسکین جس مین حموضۃ الفحم کا عنصر اس درجہ غالب تھا ۔ لیکن درختون کے پتون نے سورج کی شعاعون کے ساتھ مل کر کیمیاوی طریقہ پر اس زہریلے عنصر کو ہوا سے خارج کردیا ۔ حموضی جوہر کوئلہ کی شکل مین زیر زمین دفن ہوگیا ۔ آکسیجن کا عنصر اس سے علیحدہ ہوگیا اور اس طور پر حیوانات زندہ رہنے کے قابل ہوگئے ۔ کرۂ ہوا مین جب یہ تبدیلی ہوئی تو سمندر بھی اس سے متاثر ہوے بغیر نہ رہا ۔ حموضۃ الفحم کا جو جزو اعظم اس مین ملا ہوا تھا وہ اس سے جدا ہوگیا اور چونے کا پتھر جو اب تک پانی مین محلول تھا رسوب بن کر ٹھوس ہوگیا ۔ جس قدر کوئلہ طبقات زمین مین پیوند ہوا اُسی قدر کلس معظم غیر مقرر الشکل حالت مین نہین بلکہ اشکال ذوی الاعضا بن کر علیحدہ ہوگیا ۔ آفتاب کی شعاعین روز بروز اپنا عمل کرتی رہین لیکن اس کام کے ختم ہونے کے لیے سب سے انتہا دلون کی ضرورت تھی ۔ کرۂ ہوا کا زہریلے اجزا کی آمیزش

سے پاک و صاف ہونا تہا قرن کے مرور کا محتاج تھا۔ علی ہذا القیاس سرد خون والے حیوانات کے دور کا گرم خون والے حیوانات کے دور مین ضم ہونا مدت ہائے دراز کے امتداد کا مقتضی تھا لیکن یہ طبیعی تغیرات بپابندی قانون عمل مین آتے رہے اور اجسام ذوی الاعضا کی تبدیل شکل ناگہانی یا خدا کے کسی بے ضابطہ فعل کا نتیجہ نہ تھی۔ بلکہ ان تغیرات طبیعی کا لازمی و لابد نتیجہ ہونے کے لحاظ سے اُن کی طرح قانون کا ماحصل تھی۔

اگر اس مضمون پر تفصیل سے نظر ڈالنی مقصود ہو تو ناظرین میری کتاب "ٹریٹیز آن ہیومن فزیالوجی" (علم حیات انسانی) کی دوسری جلد کے پہلے دوسرے اور ساتوین ابواب ملاحظہ فرمائین یہ کتاب ۱۸۵۶ء مین شایع ہوئی تھی۔

غالباً اس سوال کا جواب اب آسانی سے دیا جا سکے گا کہ آیا انتظام عالم پابند قانون ہے یا مداخلت ربانی کا تابع ہے جو سلسلہ علت و معلول کے سلسلہ کو توڑتی رہتی ہے اس سوال کے ہر پہلو پر نظر غائر ڈالنے کے لیے ہم ایک ایسے نکتہ کی طرف متوجہ ہوئے بغیر نہین رہ سکتے جو اگرچہ ایک لحاظ سے تو بے حقیقت محض ہے لیکن ایک اعتبار سے نہایت اہم اور معنی خیز بھی ہے۔ وہ نکتہ یہ ہے کہ آیا انسانی جماعتون کی تاریخی زندگی قضا و قدر کی نہ ٹلنے والی منزل مین ارتقاے سابق التعیین کی علامات ظاہر کر رہی ہے۔ آیا کوئی شہادت اس واقعہ کی موجود ہے کہ اقوام کی زندگی قانون غیر متغیر کی تابع ہے اور آیا یہ خیال صحیح ہے کہ جماعت انسانی مین افراد انسانی کی طرح اجزا عدم مین سے دفعتہ پیدا نہین ہو جاتے بلکہ اُن اجزا کے تدریجی ارتقا سے پیدا ہوتے ہین جو پہلے سے بشکل ناقص موجود تھے؟

مسئلہ ارتقا کا مفہوم جیسا کہ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہین یہ ہے کہ کرۂ زمین پر زندگی کے نمودار ہونے کے وقت سے لے کر اس وقت تک اشکال ذوی الاعضا کا ایک غیر منقطع سلسلہ قایم ہے۔ جس کے اجزا نے مدارج متعددہ یا منازل مختلفہ طے کیے ہین۔ اگر

کوئی شخص اس مسئلہ کو قابل اعتراض یا قابل تحقیر خیال کرے تو اُسے غور کرنا چاہیے کہ جن تبدیلیون مین اُسے کلام ہے اُن کی مرحلہ پیمائی وہ خود کر چکا ہے۔ نو مہینے تک جب کہ وہ مان کے پیٹ مین تھا اُس کی زندگی کی نوعیت آبی تھی اور اس زمانہ مین اس نے درجہ بدرجہ بہت سی متمایز مگر متناسب شکلین بدلین۔ جب وہ پیدا ہوا تو اُس کی زندگی آبی سے ہوائی ہو گئی وہ ہوا مین سانس لینے لگا۔ نئی قسم کی غذا اُسے دی جانے لگی۔ اُس کی پرورش کا طریقہ بدل گیا لیکن ابھی نہ وہ کچھ دیکھ سکتا تھا نہ سن سکتا تھا نہ پہچان سکتا تھا رفتہ رفتہ اُسے ہوش و حواس کی نعمت عطا ہوئی۔ اُسے معلوم ہونے لگا کہ ایک بیرونی و خارجی دنیا بھی موجود ہے۔ وقت مقررہ پر اُس کے اعضا تبدیل غذا کے خوگر ہو چلے۔ دانت نکل آئے اور خوراک بدل گئی۔ شیر خوارگی کے زمانہ کے بعد طفولیت کا دور آیا اور عہد طفولیت مبدل بہ عالم شباب ہو گیا۔ اُس کا جسم نشو و نما پا گیا اور ساتھ ساتھ قوائے عقلی بھی ترقی کرتے گئے جب اُسکی عمر ۱۵ سال کے قریب پہنچی تو بوجہ اُس ترقی کے جو اُسکی جسم کے خاص خاص اعضائے کی تھی اُسکی اخلاقی سیرت مین تغیر پیدا ہو گیا۔ نئے جذبے نئے خیالات اور نئی اُمنگین اُس پر اپنا اثر ڈالنے لگین۔ اس بات کا ثبوت کہ ان اعضا کا ارتقا ان جذبات کے ظہور کا باعث تھا فن تشریح ابدان کی موشگافیون سے بہم پہنچتا ہے اور یہ ترقی یا تبدیلی یہین ختم نہین ہو جاتی بلکہ جسم کو منتہائے بلوغ اور دماغ کو منتہائے کمال پر پہنچنے کے لیے کئی سال کی ضرورت ہوتی ہے۔ آخر کار ریعان بلوغ کی حد آ پہنچتی ہے اور اس کے بعد انحطاط کا زمانہ شروع ہو جاتا ہے۔ ہمین اس دور کے حسرت ناک نظارے یعنی قوائے جسمانی و ذہنی کے ضعف کی تصویر کھینچنے کی ضرورت نہین۔ شاید یہ قول مبالغے کی آمیزش سے پاک ہے کہ ہر انسان جو روئے زمین پر موجود ہے ایک صدی سے بھی کم مدت مین ان تمام منازل کو طے کر لیتا ہے بشرطیکہ اُس کا خاتمہ قبل از وقت نہ ہو چکا ہو۔

کیا زندگی کی ان تمام منازل کے طے کرنے مین ہر شخص کو قدم قدم پر مداخلت ربانی

کا سہارا ڈھونڈھنا پڑتا ہے یا بجاے اسکے یہ عقیدہ زیادہ ترقرین عقل ہوگا کہ وہ بے شمار نفوس انسانی جو روے زمین پر آباد رہ چکے ہین ایک غیر متغیر وہمہ گیر قانون کے تابع رہے ہین۔

لیکن افراد اقوام کے اجزاے عنصری ہین ان کا تعلق اقوام سے وہی ہے جو اجزاے جسمانی کو جسم کے ساتھ ہے۔ جسم کے اجزاے ترکیبی نظام جسمانی مین داخل ہوکر اپنا کار مفوضہ انجام دیتے ہین اور جب یہ کام ختم ہو چکتا ہے تو وہ فنا ہو جاتے ہین۔ اور جسم سے خارج کر دیے جاتے ہین۔

فرد کی طرح قوم بھی بغیر اپنے علم کے وجود مین آتی ہے اور اُس کی موت مین بھی اُس کی مرضی یا خواہش کو کوئی دخل نہین ہوتا۔ قومی وانفرادی زندگی مین بجز اس کے اور کوئی فرق نہین ہے کہ قوم کی عمر بمقابلہ فرد کی عمر کے ذرا زیادہ ہوتی ہے لیکن یہ ممکن نہین کہ کوئی قوم اپنی ساعت موقوت سے ایک لمحہ بھی زیادہ زندہ رہے۔ ہر قوم کی زندگی پر اگر نظر غائر ڈالی جاے گی تو معلوم ہوگا کہ اگر اس کو زندگی کے کل مدارج طے کرنے کا موقع ملا ہے تو بچپن۔ جوانی۔ بڑھاپے سبھی منزلون مین سے گزرنا پڑا ہے۔

افراد واقوام دونون کی زندگی مین بشرطیکہ زندگی کی مختلف منازل طے کی گئی ہون۔ خاص خاص خصوصیات بطور قدر مشترک پائی جاتی ہین۔ اور چونکہ افراد کی حالت پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سب کی زندگی حکومت قانون کی تابع ہے لہذا یہ استدلال غیر حق بجانب نہین ہے کہ اقوام کی رفتار ترقی بلکہ کل بنی نوع انسان کا ارتقا بخت واتفاق سے متاثر نہین ہوتا اور فوق العادت دست اندازیان تاریخی واقعات کے شیرازہ کو پراگندہ نہین کرتین بلکہ ہر تاریخی واقعہ کسی واقعہ ماسبق کا معلول ہے اور اُن واقعات کے لئے جو ظہور مین آنے والے ہین بمنزلہ علت ہے۔

لیکن یہ نتیجہ مذہب جبریہ یعنی اُس یونانی فلسفہ کا اصل اصول ہے جس کی نسبت ہم ایک مقام پر بیان کر آئے ہین کہ مصیبت کے وقت جب انسان کا بجز بیکسی کے اور کوئی یارد

مددگار نہین ہوتا یہ فلسفہ اُسکے لیے سرمایہ تسلی وتسکین ثابت ہوا اور نہ صرف مشاہیر یونان بلکہ رومتہ الکبریٰ کے جلیل القدر مدبرون سپہ سالارون اور فرمان رواؤن کو صراط مستقیم پر چلنے کی ہدایت کرتا رہا۔ اس فلسفہ نے بخت واتفاق کے عنصر کو ہر شے سے خارج کر دیا تھا اور یہ دعویٰ کیا تھا کہ تمام واقعات کو جو جبر وقدر کے لزوم لابد کے تابع ہین خیر کامل کی تکمیل کا ذریعہ قرار دینا چاہیے۔ اس لحاظ سے یہ فلسفہ گویا صدق وخلوص۔ تساحت وتقشف۔ نیکی و پاک بازی کی تعلیم دیتا تھا اور بنی نوع انسان کو یہ سکھاتا تھا کہ عقل وتمیز سے کام لین۔ لیکی کے اس قول سے شاید ہمین یاراے اختلاف نہ ہوگا کہ جبریئین یعنی پیروان حکیم زینو کی تباہی نسل انسانی کے حق مین ایک بہت بڑی آفت تھی اس لیے کہ یہی وہ لوگ تھے جن مین سے اکابر ومشاہیر پیدا ہوئے۔

لاطینی مسیحیت اپنی پاپائی شکل مین اس اصول کی قطعی مخالف ہے کہ انتظام عالم بذریعہ قانون چل رہا ہے۔ کلیساے عیسوی کی اس شاخ کی تاریخ پر نظر ڈالی جاے تو معجزون کرامتون اور فوق القدرت تصرفات کا ایک اچھا خاصا روزنامچہ پیش نظر ہو جاے گا۔ اس روزنامچہ کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ مقدس بزرگون کی التجاؤن نے بسا اوقات نظام قدرت کو (بشرطیکہ ایسا کوئی نظام حقیقت مین موجود ہو بھی) درہم وبرہم کر دیا ہے۔ مورتون اور تصویرون نے عجیب وغریب کرشمے دکھائے ہین اور ہڈیان بال اور دوسرے تبرکات کرامتون کے ظہور مین آنے کا باعث ہوئے ہین۔ ان مین سے اکثر اشیا کی حقیقت وصداقت کا معیار اُن کی غیر ممکن التردید تاریخی اصلیت نہین ہے بلکہ اُن کی معجز نمائی اور کرامت آفرینی ہے۔ ایسی منطق کے نرالے ہونے مین کسے کلام ہو سکتا ہے جو ایک ادعا کا ثبوت کسی دوسرے واقعہ غیر متعلقہ کی ناقابل فہم شہادت سے دے؟

دور جاہلیت کے تاریک ترین زمانہ مین بھی حقیقت شناس اور معقولیت پسند مسیحیون کو ان ربانی تصرفات اور کراماتی دست اندازیون کے صحیح ہونے مین ضرور شبہ ہوا ہوگا۔ نظام

قدرت کے باقاعدہ ارتقا میں عظمت و جبروت کی ایک ایسی شان نظر آتی ہے کہ ہم اُس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اور ہماری انفرادی زندگی کے واقعات میں اس بلا کا تسلسل پایا جاتا ہے کہ ہمکو دوسروں کی زندگی میں خوارق عادات یعنی اس تسلسل کے، انقطاع کا عمل میں آنا طبعاً باور نہیں آتا۔ ہر سمجھدار آدمی اچھی طرح جانتا ہے کہ قدرت نے اُسکی ذات کے لیے اپنی روش کبھی نہیں بدلی[۱]۔ اُس کے لیے کبھی کوئی معجزہ ظہور میں نہیں آیا۔ وہ اپنی زندگی کے ہر واقعہ کو کسی واقعہ سابق سے منوط و مربوط پاتا ہے اور اُسکو علت اور اسے معلول قرار دیتا ہے۔ جب یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اُسکے فلاں ہمجنس کی خاطر سنت اللہ تبدیل ہوگئی قانون قدرت بدل گیا اور فلاں فوق القدرت واقعہ معجزے کے طور پر ظاہر ہوا تو لامحالہ اُسے یہی سمجھنا پڑتا ہے کہ وہ ہمجنس یا تو خود فریب خوردہ ہے یا دوسروں کو فریب دے رہا ہے۔

غرض جب اصلاح کنیسہ کا زمانہ آیا تو نشانات آسمانی کے بارے میں رومن کیتھولک عیسائیوں کے عقیدے کو سخت صدمہ پہنچا بعض بڑے بڑے متالہین اور نیز پراٹسٹنٹ کلیسا مسئلہ جبر و قدر کے قایل ہوگئے۔ کیلون زینو کا ہمصفیر ہو کر کہتا ہے کہ ہم ازل کے روز سے جبکہ ابھی

[۱] مصطفیٰ جب خاک میں بیٹے کو اپنے سونپ کر — ٹکڑے ٹکڑے تھا کلیجہ پارہ پارہ تھا جگر
کہتی تھی شان رسالت ہو یہ وقت صبر و شکر — گرچہ تھا دل کا تقاضا رو دیجے جی کھول کر
تھے صحابہ بھی شریک اس غم میں پیغمبر کے ساتھ — سب کے دل اس صدمۂ جانکاہ سے تھے پر اثر
اتفاقاً آفتاب اُس دن گہن میں آگیا: — ظلمتستان بن گیا جس سے مدینہ سر بسر
اک صحابی نے کہا فرط عقیدت سے کہ آج — سوگوار اس غم میں ہے سورج بھی یا خیر البشر
جو جواب اس بات کا اُس کو پیمبر نے دیا — اب زرِ سے منتقش ہے سفحۂ تاریخ پر
کیا تعلق آدمی کے غم سے سورج کو بھلا — اک نشان قدرت حق ہے کسوف اے بے خبر

مترجم

عالم کا نام و نشان بھی نہ تھا پابند تقضاء قدر کیے گئے ہین اس پابندی مین ہماری رضامندی کو
کوئی دخل نہین بلکہ کارفرماے قدر نے اپنے مقاصد کی تکمیل کو پیش نظر رکھ کر ہمین جیسا چاہا
بنا دیا۔ کیلون کا یہ دعویٰ اس عقیدہ پر مبنی ہے کہ جو واقعات گزرتے ہین وہ ازل سے مقدر
ہوچکے ہین۔ اس طور پر کئی صدیون کے گزرنے کے بعد دوسری صدی کے مسیحی فرقون
یعنی فرقہ بیسلیڈئن و ویلنٹائنئن کے خیالات پھر نمایان ہونے لگے اور یہ وہی فرقے
تھے جن کے ادریت آمیز عقاید نے مسیحیت کی شاخ مین مسئلہ مثلیث کا پیوند لگا دیا تھا۔
ان فرقون کا یہ دعویٰ تھا کہ انسان سے تمام افعال بر سبیل اضطرار سرزد ہوتے ہین یہان تک کہ
ایمان بھی ایک وہبی نعمت ہے جس سے انسان کو مجبوراً مستفیض ہونا پڑتا ہے۔ اس لیے
انسان کی زندگی کا اخلاقی پہلو گو کیسا ہی قابل اعتراض کیون نہ ہو لیکن اُس کی نجات کے لیے
لازمی ہے کہ ایمان مین خلل نہ آنے پائے۔ اُن کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ خداے بزرگ و برتر ہی تمام
اشیا کا مصدر و مخرج ہے۔ اس طرح وہ خیالات رواج عام پا گئے جن کو سینٹ اگسٹائن نے
اپنی تصانیف مین بوضاحت درج کیا ہے یعنی خدا نے اپنی فوق القانون مشیت سے بعض اشخاص کی
قسمت مین بالالحاظ اُن کے ایمان یا اعمال صالح کے راحت ابدی لکھ دی ہے۔ اور اسی طرح
بعض دوسرے اشخاص کو مبتلاے عذاب مخلد کر دیا ہے۔ پیروان مسئلہ تاخر تقدیر ہبوط کا یہ
عقیدہ تھا کہ ہبوط آدم مشیئت ایزدی کے اقتضا کے تابع تھا یعنی حضرت آدم خدا کی اجازت
سے مبتلاے معصیت ہوئے اور پیروان مسئلہ تقدم تقدیر ہبوط یہ مانتے تھے کہ ہبوط اپنے
مہلک نتائج سمیت ازل سے مقدر ہوچکا تھا اور ہمارے آباے اولین شروع ہی سے کوئی
اختیار نہ رکھتے تھے۔ اس لحاظ سے اس جماعت کا عقیدہ سینٹ اگسٹائن کے اس قول کے
خلاف تھا کہ:-

"یہ کہنا گناہ ہے کہ بجز حسنات کے خدا کسی اور امر کو بھی مقدرات مین داخل کرتا ہے۔"

پس کیا یہ خیال صحیح ہے کہ نجات ابدی خدا کے اُن مقدرات مین سے ہے جن کے ذریعہ سے

قبل ازانکہ بنیاد عالم رکھی گئی اُس نے اپنی پوشیدہ مصلحت کو اس غرض کی تکمیل کے لیے وقف کردیا کہ بنی نوع انسان کے ایک منتخب اور برگزیدہ طبقہ کو لعنت و عذاب مخلد سے نجات دلائی جاے ؟ کیا یہ سچ ہے کہ جماعت انسانی مین سے بعض ایسے بھی ہین جنھین قادر مطلق نے بلا وجہ بے قصور غیر منتہی مصیبت اور غیر مختتم عذاب مین مبتلا کردیا ہے ؟

۱۵۹۵ء مین عقاید عیسوی کی توضیح کے لیے جو تحریر بمقام لیمبتھ (واقع انگلستان) قلمبند کی گئی اُس مین یہ فقرہ درج ہے کہ "خدا نے بعض انسانون کو ازل ہی سے سعید بنایا ہے اور بعض کو شقی قرار دیا ہے۔" ۱۶۱۸ء مین اُس مسیحی کونسل نے جو بمقام ڈارٹ منعقد ہوئی تھی اس عقیدے کی تائید کرتے ہوئے اسکے مخالفین کو ملعون قرار دیا اور اُن کے ساتھ ایسی سختی کا برتاؤ کیا کہ بہت سے لوگون کو ممالک غیر مین جاکر پناہ لینی پڑی۔ کلیساے انگلستان نے بھی جیساکہ اس کے دستور العمل عقاید کے سترہوین فقرہ سے پایا جاتا ہے اس عقیدہ کی حمایت کی۔

رومن کیتھولک عیسائیون نے پراٹسٹنٹون پر سب سے بڑا الزام یہ لگایا ہے کہ انھون نے انتظام عالم مین قانون کی مداخلت کو ایک حد تک تسلیم کرلیا ہے۔ لیکن ان جلے پھپھولون کے پھوڑنے سے کیا نتیجہ نکل سکتا تھا۔ یورپ مین جہان جہان پراٹسٹنٹ مذہب نے رواج پایا معجزے اور کرامتین صادر ہونی یک قلم موقوف ہوگئین اس موقوفی سے اُس بہت بڑے مالی منافع کا بھی خاتمہ ہوگیا جو کلیسا کو خانقاہون اور تبرکات کی مسیحائی سے حاصل ہوا کرتا تھا۔ تذکرات المغفران جو اصلاح کنیسہ کے محرک تھے بکنے بند ہوگئے اور ان پروانون کی تجارت جب کا مطلب بجز اس کے اور کچھ نہ تھا کہ پادریون کی خدمت مین ایک رقم مقررہ کونذر کرنے پر خدا کی طرف سے کھلے بندون گناہ کرنے کی اجازت مل جاے ماند پڑ گئی۔

اصلاح کنیسہ کا فلسفیانہ مفہوم اس رومن کیتھولک عقیدے کے ابطال پر متضمن تھا کہ خدا قسیسی شفاعت کی تحریک پر معاملات انسانی مین مسلسل دست اندازی کرتا رہتا ہے لیکن اس ابطال مین سب کے سب اصلاح یافتہ کلیساؤن نے خاطر خواہ حصہ نہین لیا

سائنس نے گزشتہ چند سال سے شہادت کا جو انبار اس مسئلہ کے متعلق جمع کرنا شروع کیا ہی کہ انتظام کائنات تابع قانون ہے۔ اُسے ان میں سے اکثر کلیساؤں نے اشتباہ بلکہ عدم استحسان کی نظر سے دیکھا ہے لیکن شہادت کا وزن روز بروز بڑھتا چلا جا رہا ہے اور اس لیے ضرور ہے کہ اس تشکک و ناپسندیدگی کا ایک نہ ایک دن خاتمہ ہو جائے۔

جب حالت یہ ہے تو بجز اس کے چارہ نہیں کہ ہم کنٹیس کے ہمسفر ہو کر شیسرد کے اس قول کو اپنا اصول موضوعہ قرار دیں کہ ایک ابدی و غیر متغیر قانون تمام اشیاء اور تمام زمانوں پر حاوی ہے۔



دسوان باب

لاطینی مسیحیت اور تمدن جدید کا تعلق

ہزار سال سے بھی زیادہ عرصہ تک لاطینی مسیحیت نے یورپ کے عقل و ادراک
پر قبضہ کیے رکھا جس کے نتائج کی ذمہ داری اُس پر عاید ہوتی ہے۔

ان نتائج نے جو شکل اختیار کی وہ اصلاح کنیسہ کے وقت شہر روما کی حالت اور خانگی
و عمرانی زندگی مین یورپ کی حالت سے ظاہر ہوتی ہے۔ اقوام یورپ کے کندھون پر
دہری حکومت کا جوا رکھا ہوا تھا یعنی ایک طرف انہین حکام دنیوی کی متابعت کرنی پڑتی تھی
دوسری طرف حکام دینی کی۔ اہل یورپ جہالت اوہام پرستی اور تکالیف مدنیہ مین مبتلا تھے۔
رومن کیتھولک مذہب کی ناکامیابی کی وجوہ۔ پاپائیت کی سیاسی تاریخ۔ دینی و روحانی حکومت
سے ترقی کر کے یہ مطلق العنان شخصی حکومت کی شکل مین بدل گئی۔ کردینالون کی انجمن
اور کیوریا کی کارروائی۔ پاپائی خزانہ کے لیے بیش قرار محاصل کی ضرورت بد اخلاقی کی محرک
ہوتی ہے۔

جو فائدے یورپ کو کیتھولک عہد حکومت مین پہنچے اُن مین حکومت کے منشا کو کچھ
دخل نہ تھا بلکہ وہ محض اتفاقی یا ضمنی تھے۔

عام نتیجہ یہ ہے کہ پاپائیت کا سیاسی اثر موجودہ زمانہ کے تمدن کے حق مین مضر تھا۔
لاطینی مسیحیت چوتھی سے لے کر سولھوین صدی تک یورپ کی مادی اخلاقی اور عقلی حالت
کی ذمہ دار ہے۔ اب ہمین یہ دیکھنا ہے کہ اس فرض سے یہ کس طرح عہدہ برآ ہوئی۔
موجودہ بحث کی اغراض کے لحاظ سے ہم جو کچھ لکھین گے صرف یورپ ہی کے متعلق

لکھین گئے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ پاپائیت کا یہ دعویٰ کہ اُسے الوہیت کے ساتھ ایک نسبت قریبہ ہے اور ساری دنیا کو اُسکی اطاعت کرنی چاہیئے اُسے کل بنی نوع انسان کی حالت کا جواب دہ ٹھہراتا ہے۔ جنوبی ومشرقی ایشیا کے عظیم الشان اور قدیم مذاہب کے مقابلہ مین اسکے اثر کا نقصان ایک اہم اور نکتہ خیز بحث پیدا کرتا ہے جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس کا اثر وہین تک پہنچا جہان رومۃ الکبریٰ کا شہنشاہانہ اقتدار نافذ تھا لیکن اس سیاسی نتیجہ کو وہ ازراہ نہایت استحقار رد کر دیتی ہے۔

اس مین شک نہین کہ اصلاح کنیسہ کے آغاز پر بہت لوگ ایسے تھے جو اس وقت کی تمدنی حالت کو زمانہ قدیم کی حالت سے مقابلہ کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے تھے کہ نہ تو یورپ کے اخلاق مین کوئی تبدیلی ہوئی ہے۔ نہ بلحاظ عقل و ادراک اُس نے کوئی ترقی کی ہے اور نہ لوگون کی حالت مین کوئی اصلاح ہوئی ہے۔ خود رومۃ الکبریٰ کی عظمت وشوکت صفحہ تمدن سے محو ہوگئی تھی۔ سنگ مرمر کی وہ سڑکین جن پر قیصر آگسٹس کو ایک زمانہ مین ناز تھا نابود ہو چکی تھین۔ اجڑے ہوے ہیکل۔ ٹوٹے ہوے مینار کھنڈرون سے پٹے ہوے کمپینا کی عظیم الشان نہرون کی طویل مسقف محرابین حسرت ناک ویرانی کا مرقع نگاہ کے سامنے پیش کرتی تھین۔ کیپیٹل کا برج مشید جس پہاڑی پر واقع تھا اُس کا نام اب کوہ گوسفند ہو گیا تھا اس لئے کہ یہان بکریون کے گلے رکھے جاتے تھے۔ جس مقام پر فورم کی وہ عالیشان عمارت قائم تھی جہان رہ کر آئین وقوانین وضع ہو کر دنیا مین نافذ ہوے تھے اُسے اب احاطہ گاؤ کہتے تھے اس لیے کہ یہان گائین بندھتی تھین۔ قیاصرہ کا پر تکلف محل مٹی کے ڈھیرون مین چھپ گیا تھا جن پر جھاڑ جھنکار اُگ آے تھے۔ کراکلا کے حمام اپنے جلو خانون چمنون اور حوضون سمیت خزانہ آب کے برباد ہو جانے کے باعث جس سے اُنھین پانی پہنچا کرتا تھا مدت سے ویران ہو چکے تھے۔ اس عظیم الشان عمارت کے کھنڈرون مین بلند محرابون اور وسیع چبوترون پر پھولدار بیلین اور خوشبودار جھاڑیان ہر طرف اُگی

ہوئی تھین - روما الکبریٰ کی ویران عمارتون مین سب سے زیادہ عظیم الشان عمارت یعنی
کالٹیزیم کا صرف ایک تہائی حصہ باقی رہ گیا تھا۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ اس مین نوسے ہزار
تماشائیون کی نشست کی گنجایش تھی لیکن انقلاب روزگار نے ازمنہ وسطیٰ مین اسے قلعہ
بنادیا اور اس کے بعد روما کے ناخلف ونالایق فرمانرواؤن نے اس کی دیوارین توڑ توڑ کر
اپنے محلون کے لیے پتھر کی سلون کا ذخیرہ فراہم کیا۔ پاپایان روما مین سے بعض نے اس مین
پشمینہ بافی اور شورہ سازی کے کارخانے قایم کیے اور بعض نے یہ تجویز کی کہ اس کے عالیشان
چھتون اور کمانچون مین بیوپاریون کی دکانین لگائی جائین۔ وہ لوہے کے قبضے جن سے
اس کے پتھر جڑے ہوے تھے[۱] چوری جاچکے تھے۔ دیوارون مین دراڑین پڑگئی تھین اور
سلسلۂ شکست و ریخت جاری تھا۔ خودرو نباتات کی جو مختلف قسمین اس عظیم الشان کھنڈر
مین پیدا ہوگئی تھین اُن کی ماہیت پر متعدد کتابین زمانہ حال مین لکھی گئی ہین۔ چنانچہ ڈی فلورا
آف دی کالیٹزیم" (نباتات کالیٹزیم) مین چارسو بیس انواع کا حال موجود ہے۔ پرانی پرانی
وسیع و دلکشا عمارتون کے کھنڈرون مین ٹوٹتے ہوے ستون صنوبر اور عرعر اور بوسیدہ
دستکاری کے ابھرے ہوئے نقش دیوارون سے جدا ہو ہو کر گرتے ہوئے نظر آتے تھے۔

[۱] پروفیسر اڈورڈ ٹیلر فیلو آف دی رایل سوسائٹی اپنی کتاب "انتھراپالوجی" (علم الانسان) کے
صفحہ ۲۲۳ پر ترقی فن تعمیر کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہین کہ آج کل پتھر کی عمارت کے طریقہ تعمیر کے
متعلق ہمارا عام خیال یہی ہے کہ پتھر کی سلون کو جوڑنے کے لیے اُن کے درمیان چونے یا گچ
کی ایک تہ بچھادی جاے لیکن مصر اور یونان قدیم کی خوبصورت اور شاندار عمارتون کو جب ہم
دیکھتے مین تو معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے ہان خشک چنائی کا رواج تھا۔ سلین تلے اوپر چن
دی جاتی تھین اور اون کی پیوستگی کے لیے چونے کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔ ہان جب پتھرون کو
خاص طور سے جوڑنا منظور ہوتا تھا تو دھات کے قبضے استعمال کیے جاتے تھے۔

مترجم

عالم نباتات بھی اس حسرت اندوز تغیر مین شریک تھا۔ ریحان جو ایک زمانہ مین آیونٹائن کے کنارے بہ کثرت پھولتا تھا تقریباً معدوم ہوگیا تھا۔ لارل دشجرۃ الغار) کی جگہ جس کے پتے کبھی تاجدارون کی پیشانی کو زینت بخشتے تھے۔ عشق پیچان کی بیل اُگ آئی تھی جو موت کی علامت ہے۔

لیکن شاید اس کے جواب مین یہ کہا جائے کہ اس تمام ویرانی و بربادی کے ذمہ دار پاپایان روما نہین قرار دیئے جا سکتے۔ اور اس ادعا کی تائید مین بیان کیا جائے کہ ایک سو چالیس برس سے کم کے عرصہ مین روما کو الیرک۔ جینسرک۔ ارسیمر۔ وٹیجیز اور ٹاٹیلا نے یکے بعد دیگرے مسخر کیا اس کی بہت سی بڑی بڑی عمارتین قلعون اور برجون کی شکل مین بدل دی گئین۔ وٹیجیز نے کمپینیا کو برباد کرکے نہرون کو ضایع کردیا۔ ٹاٹیلا نے قیاصرہ کے محلون کو تاخت و تاراج کیا۔ پھر قوم لامبرڈ نے اس کے محاصرہ پر محاصرے کیے۔ اس کے بعد رابرٹ گسکارڈ اور اس کی نارمن فوج نے شہر کو انٹونائن مینار سے لیکر فلیمنین دروازہ تک اور لیٹرن سے لے کر کیپیٹل تک جلا دیا۔ بعد ازان کانسٹیبل بوربون نے اسے لوٹا اور اُجاڑا۔ کئی دفعہ دریائے ٹائبر کی طغیانی نے اسے غرقاب کیا اور بارہا اس کو زلزلہ کے صدمے سہنے پڑے۔ یہ سب سچ ہے لیکن ہم مکیاولی[1] کے الزام کو بھی نہین فراموش کر سکتے جو اپنی تاریخ فلارنس مین لکھتا ہے کہ اٹلی پر شمال کی وحشی اقوام سے جس قدر حملے

---

[1] نکولو مکیاولی پاپائے لیو دہم کا معاصر اور پندرھوین صدی کے مشاہیر اہل تدبر سے ہے لیکن اگرچہ وہ اپنے زمانے کا سب سے بڑا فلسفی اور سب سے بڑا مدبر سمجھا گیا ہے پھر بھی اُس کی شہرت قابل رشک نہین خیال کی جاتی۔ اس لیے کہ اُس نے فن تدبیر مملکت اور حکمت عملی کی بنیاد بے ایمانی چالاکی۔ بدعہدی اور بے اصولی پر رکھی ہے۔ اسی لیے اُس کا نام غدارانہ چالبازی کا مرادف ہوگیا ہے۔ لارڈ میکالے مکیاولی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہین کہ لوگ اُس کے اول نام سے بدمعاش اور اُس کے مسیحی نام سے شیطان مراد لینے لگے۔ مترجم

کیے سب پاپایان روما کی تحریک سے کیے اس لیے کہ انھین نے ان وحشیون کو اٹلی پر چڑہائی کرنے کی دعوت دی تھی۔ روما کی تباہی و بربادی کا باعث گاتھ یا ونڈل یا تارمن یا عرب قوم کی حملہ آوری نہین ہے۔ بلکہ خود پاپاؤن اور اُن کے بھتیجون نے اس خوبصورت شہر کو غارت کیا اپنی چونے کی بھٹیون کے لیے اُنھون نے اسکے کھنڈرون سے مصالحہ بہم پہنچایا۔ اپنے محلون کی تعمیر کے لیے اُنھون نے قدیم عالیشان عمارات کے پتھر اکھڑوا اکھڑوا کر منگوائے۔ پرانے مندرون اور ہیکلون کی غارت گری سے گرجاؤن کی آرایش کا سامان لیا۔

اس وحشیانہ پن کا بھی کوئی ٹھکانا ہے کہ مندر توڑ توڑ کر گرجا بنائے جائین!! اس الزام اور اسی طرح کے دوسرے الزامات کا دھبہ پاپایان روما کے دامن سے نہین چھوٹ سکتا۔ عالیشان کارنتھی وضع کے ستونون کو خیرہ بر چڑہا کر ان بزرگوارون نے مسیحی اولیا کی مورتین بنوا ڈالین۔ شاندار مصری جوکونے مینارون کی پاپائی کتبون کے انتقاش سے بے حرمتی کی گئی۔ قیصر سیویرس کے عہد کی بے نظیر عمارت ہپٹیز ونیم کو اس غرض سے منہدم کیا گیا کہ اُس کے ملبے سے سینٹ پیٹر کا گرجا تعمیر کیا جائے۔ پینتھیون کی کانسی کی چھت گلا کر وہ ستون ڈہالے گئے جن سے سینٹ پیٹر کے روضہ کو آراستہ کیا گیا۔

کیپٹل کے برج مین ونڑبو کا گھنٹہ اپنی ماتمی گونج سے بہت سے پاپاؤن کی موت کا اعلان کر چکا تھا اور عمارات کی بے حرمتی اور لوگون کی فاسد الاخلاقی کا سلسلہ بدستور جاری تھا۔ غرض پاپائی روما کو قدیم روما کا کچھ پاس نہ تھا بلکہ اور اُس سے الٹی نفرت تھی جس کا رہ رہ کر اظہار ہوا۔ پاپایان روما اول اول فرمان روایان قسطنطنیہ کے ماتحت تھے۔ پھر تاجداران فرانس کے مددگار ہوگئے اور اس کے بعد یورپ کی عنان فرمان فرمائی اُن کی ہاتھین آگئی۔ گویا اُن کی حکومت نے بھی ہمسایہ اقوام کی حکومت کی طرح تغیر و انقلاب کی مختلف مدارج طے کیے اور اُن کے اغراض و مقاصد اور مطالبات وہ عادی یک قلم

بدل گئیے - پاپائیت کو تغیر نہین ہوا تو صرف ایک بات مین نہین ہوا یعنی اس کا تعصب بدستور قایم رہا - چونکہ اسے یورپ کی مذہبی زندگی کے مرکز ہونے کا دعوی تھا لہذا اس نے پاپائیت سے خارج ہر مذہبی وجود کے تسلیم کرنے سے اصرار کے ساتھہ انکار کیا حالانکہ اس مین ذرا بھی کلام نہین کہ سیاسی اور دینی ہر ایک اعتبار سے وہ از سر تا پا بوسیدہ اور متعفن ہو رہی تھی - ارسمس اور لوتھر نے جب روما کی بے دینی اور دہریت پر نظر ڈالی تو ان کے اقدام اتقاد ارادت پر لرزہ طاری ہو گیا -

ان واقعات مین سے اکثر کی تفصیل کے لیے ہم رینکی[1] کی وقایع نویسی کے رہین منت ہین جس نے اپنی تاریخ مین روما کے اخلاقی مفاسد و ذمایم کی تصویر کھینچ دی ہے انتخاب کے وقت پاپایان روما عموماً عمر رسیدہ و سالخوردہ ہوتے تھے - اس لیے عنان اقتدار ہمیشہ تنی

[1] لیو پولڈ وان رینکی زمانہ حال کا ایک بہت بڑا جرمن مورخ ۱۷۹۵ء مین پیدا ہوا اور ۱۸۸۶ء مین وفات پائی - اس کی تاریخ نویسی کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ وہ واقعات کو بے رو و رعایت بلا کم و کاست درج کرتا ہے اور ذاتی رائے یا رجحان کو وقایع نگاری مین مطلق دخل نہین دیتا - اگر دوسرے یورپین مورخین بھی اسی اصول پر چلتے تو تاریخ تدلیس و تصرف کے ان عیوب سے پاک ہوتی جو یورپ کے عارض تہذیب پر بمنزلہ ایک بدنما مسے کے ہین -

تاریخ پاپایان روما کی نسبت جس کا ذکر مصنف نے متن مین حوالہ دیا ہے لارڈ میکالے لکھتے ہین کہ پروفیسر رینکی کی تصنیف ان حلقون مین جہان جرمن لٹریچر کا رواج ہے قدر و منزلت کی نظر سے دیکھی جاتی ہے اور یہ ایک ایسے شخص کی مشق قلم کا نتیجہ ہے جو نکتہ رسی و دقیقہ سنجی اور وسیع النظری کے اعتبار سے اقران و امثال مین سر بر آوردہ ہے - کتاب کا طرز تحریر نہایت دلپسند و دلنشین ہے متانت و رزانت اس کے حرف حرف سے مترشح ہے - تعصب اور چھچھورا پن اس مین نام کو نہین پایا جاتا اور ابتدا سے لیکر انتہا تک رواداری کے ساتھہ بلا رو و رعایت لکھی گئی ہے - اس تاریخ کا ترجمہ انگریزی مین ہو چکا ہے - اور اس کے انگریزی ترجمہ ہی کی تنقید کرتے ہوئے جو لیڈی سارا آسٹن کا کیا ہوا ہے لارڈ میکالے نے یہ رائے ظاہر کی ہے - مترجم

ہاتھون مین منتقل ہوتی رہتی تھی۔ ہر انتخاب امیدون اور تمناؤن کا انقلاب ہوتا تھا جس جماعت کے تمام افراد کو بام ترقی پر پہنچنے کا موقع حاصل ہو اور ہر شخص کو اپنے دامن مین دولت اور طاقت کے گنج شائگان کا سمیٹنا ممکن نظر آئے اُس کا ہر فرد بھلا کیون نہ دوسرون کے حقوق کی پامالی کی دھن مین لگا ہوا ہو۔ اگرچہ واقعہ اصلاح کنیسہ کے وقت روما کی آبادی گھٹتے گھٹتے اسی ہزار رہ گئی تھی پھر بھی عہدہ دارون کی تعداد بہت بڑی تھی اور ان عہدون کے امیدوارون کی تعداد اور بھی زیادہ تھی۔ کامیاب پاپا ہزارون خدمتین عطا کر سکتا تھا اور بہ وہ خدمتین ہوتی تھین جن پر سے بے قصور ملازم نہایت بے دردی سے برطرف کر دیے جاتے تھے اور بہت سی جدید خدمتین اس غرض سے قایم کی جاتی تھین کہ امیدواران ملازمت کے ہاتھ فروخت کی جائین۔ کسی امیدوار کی دیانت یا قابلیت کو ہرگز پیش نظر نہ رکھا جاتا تھا بلکہ صرف ان امور پر لحاظ ہوتا تھا کہ وہ فریق مقتدر کی کیا خدمت کر چکا ہے یا کر سکتا ہے اور ماموری کے معاوضہ مین کس قدر نذرانہ پیش کرنے کی استطاعت رکھتا ہے ہمارے امریکن ناظرین ان حالات کا بخوبی اندازہ کر سکتے ہین۔ امریکہ کے پریذیڈنٹ کے انتخاب کے موقعہ پر بھی اسی قسم کے واقعات پیش آتے ہین مجلس انتخاب پاپاے روما۔ جماعت نامزدگی پریذیڈنٹ ریاستہاے متحدہ امریکہ سے چندان متغایر نہین ہے۔ قرعہ انتخاب جس کے نام پر پڑتا ہے اسے دونون صورتون مین بہت سے عہدون کے عطیہ کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔

ولیم سا کن ماسبری کا بیان ہے کہ اُس کے زمانہ مین اہل روما نے صداقت اور تقدس کا اچھا خاصا بیوپار قایم کر رکھا تھا۔ کوئی پاک یا مقدس شے ایسی نہ تھی جس کا بھاؤ سونے چاندی مین مقرر نہ ہو۔ اُس کے زمانہ کے بعد بھی کوئی اصلاح نہ ہوئی بلکہ کلیسا کی حالت اور بدتر ہو گئی اور کلیسا آلہ جلب منفعت بن گیا۔ اٹلی مین اس طور پر بیش قرار رقمین جمع کی گئین اور ممالک ملحقہ سے اُن کی خواہش اور مرضی کے خلاف بہ لطائف الحیل بڑی بڑی رقمین وصول کی گئین۔ روپیہ جمع کرنے کا سب سے زیادہ ناپاک حیلہ فروخت تذکرات المغفران تھا

سفینین خرید کر مشتری من مانے گناہ کر سکتا تھا۔ غرض اطالوی مذہب لوگون کو لوٹنے کا فن بن گیا تھا۔

ایک ہزار سال سے زیادہ مدت تک روما پاپاؤن کے زیرنگین رہا۔ اس مین شک نہین کہ اس عرصہ مین اس پر بہت سی تباہیان ایسی آئین جن کے وہ جواب دہ نہین ٹھہر سکتے لیکن یہ ذمہ داری یقیناً اُن پر عاید ہوتی ہے کہ اُن کی طرف سے کبھی کوئی پرزور یا مستقل کوشش اس شہر کی مادی واخلاقی اصلاح کے لیے عمل مین نہین آئی۔ بجائے اسکے کہ اس مایہ سے یہ روما کوئی ایسی نظیر قایم کرتا جو دنیا کے لیے واجب التقلید ہو اس نے ایک ایسی حالت کی مثال پیش کی جو ہر طرح سے قابل نفرت ہے۔ القصہ روما کی حالت بد سے بدتر ہوتی گئی۔ یہان تک کہ جب واقعہ اصلاح ظہور پذیر ہوا تو نوبت یہان تک پہنچ گئی تھی کہ کوئی صاحب اتقا اجنبی یہان آکر کارہ اور متنفر ہوے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔

پاپایان روما نے سائنس سے تو اس بنا پر قطع تعلق کر لیا تھا کہ یہ اُن کے دعاوی سے بالکل مغایر ہے۔ البتہ اخیر اخیر مین فنون لطیفہ کی سرپرستی شروع کی تھی۔ لیکن موسیقی ونقاشی گو بجاے خود سرمایۂ لذت وآرایش حیات ہون پھر بھی اُن مین کوئی ایسی زندہ طاقت موجود نہین ہے جو ایک کمزور قوم کو شہزور بنادے یا جماعت انسانی کی مادی راحت و آسایش مین بالاستقلال اضافہ کر سکے۔ اسی لیے اصلاح کے وقت اس شخص کی نظرون مین جو روما کی حالت پر نظر غایر ڈال چکا تھا اس شہر کی تمام زندہ توانائی سلب ہو چکی تھی۔ وہ اس قابل نہ رہا تھا کہ دنیا کی دنیوی یا دینی ترقی مین حصہ لے سکے۔ نظام جمہوری وشہنشاہی کے ترقی پذیر قواعد کے بجائے اُس نے پاپائیت کے جامد وغیر متحرک اصول قایم کر لیے تھے۔ اُس کی دینی حالت تو یہ تھی کہ اُس پر زہد واتقا کا ایک غیر حقیقی ملمع چڑھا ہوا تھا اور دنیوی ترقیات کی قسم سے اُسکے قبضہ مین فنون لطیفہ تھے۔ اس لحاظ سے

گویا وہ کسی راہب کی اُس لاش کے مشابہ تھا جو ہمین ابھی تک کپوشینی طبقہ کے راہبون کے مدفن ہین بھورے رنگ کی کفنی اوڑھے ہے اور ہاتھ مین دعاؤن کی کتاب یا کچھ مرجھائے ہوے پھول لیے نظر آتی ہے۔

"مدینۃ البقا" (روما) کی تصویر کا یہ رُخ دکھانے کے بعد اور لاطینی مسیحیت نے اس کے ساتھ جو جو سلوک کیے اُن پر نظر ڈالنے کے بعد اب ہم کل براعظم یورپ کی طرف متوجہ ہوتے ہین اور یہ دیکھتے ہین کہ وہ مذہب جو جماعت انسانی کے پیشوا و رہنما ہونے کا مدعی تھا اپنے نتایج کے لحاظ سے کیا قدر و قیمت رکھتا ہے۔

اقوام کی حالت باعتبار اُن کے سود و بہبود کے نہایت صحیح طور پر اُن کی آبادی کی کمی و بیشی سے ظاہر ہوتی ہے۔ آبادی پر طرز حکومت (یعنی اُس کی جمہوریت یا شخصیت) کا اثر بہت کم پڑتا ہے۔ البتہ تدبیر مملکت و طریقۂ نظم و نسق کا اثر اُس کے شمار و اعداد پر چھا جاتا ہے۔ جن مصنفین نے اس مضمون پر غور کیا ہے اُنھون نے قابل اطمینان طور پر ثابت کر دیا ہے کہ آبادی کا گھٹنا بڑھنا جماعت انسانی کی قوت تولید اور قوت مدافعت حیات کے باہمی توازن پر منحصر ہے۔

قوت تولید سے مراد وہ مقتضیات فطرت ہین جو توفیر نسل انسانی کی شکل مین ظاہر ہوتے ہین ایک حد تک اس قوت کا دار و مدار آب و ہوا پر ہے لیکن چونکہ یورپ کی آب و ہوا مین چوتھی اور سولھوین صدیون کے درمیان کوئی محسوس تغیر نہین ہوا لہذا ہم تسلیم کر سکتے ہین کہ براعظم یورپ مین یہ قوت زمانہ زیر بحث مین بحالت اصلی قایم رہی۔

قوت مدافعت حیات سے مراد وہ تمام اسباب ہین جن سے بقاے افراد انسانی مشکل ہو جائے۔ اس قسم کے اسباب مین غذا کا ناکافی ہونا لباس کا غیر مکتفی ہونا اور مسکن کا ناقص ہونا شامل ہین۔

ہم کو یہ بھی معلوم ہے کہ اگر قوت مدافعت گھٹ کر غیر محسوس ہو جائے تو قوت تولید

آبادی کو ۲۵ سال مین دگنا کرسکتی ہے۔

قوت مدافعت کے عمل مین آنے کے دو طریقے ہین۔ جسمانی و دماغی۔ مدافعت کی جسمانی قوت اولاد کی تعداد کو کم کردیتی ہے۔ اور زندگی کا اوسط گھٹا دیتی ہے۔ مدافعت کی دماغی قوت اُن لوگون کو جن پر اخلاق اور خصوصاً مذہب کا گہرا اثر ہو اس بات پر آمادہ کرتی ہے کہ تاوقتیکہ اُن مین بیوی بچون کی خبرگیری و پرورش کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کی قابلیت نہ پیدا ہو جاے شادی نہ کرین۔ یہی وجہ ہے کہ ایک مدت معینہ مین جس قدر شادیان ہوتی ہین اُن کی تعداد کو خوراک کی قیمت کی شرح کے ساتھ ایک خاص نسبت ہوتی ہے۔

خوراک مین جس نسبت سے اضافہ ہوتا ہے اُسی نسبت سے آبادی بھی بڑھ جاتی ہے اور قوت تولید اس درجہ طاقتور ہے کہ وہ ذرائع معاش سے تجاوز کرجاتی ہے اور ان پر مسلسل دباؤ ڈالے رکھتی ہے۔ ایسی حالت مین ضرور ہے کہ افلاس کی ایک خاص مقدار دنیا مین موجود ہو۔ یعنی جماعت انسانی کے ایک طبقہ کے لیے فاقہ کشی کرنا ضروریات سے ہے۔

مختلف ممالک کی آبادی مین جو تغیرات واقع ہوے ہین اُن کا ثبوت مفصلہ ذیل مثالون سے مل سکتا ہے جسٹینین کی فوج کشی نے اٹلی کی آبادی کو بے حد گھٹا دیا۔ شمالی افریقہ مذہبی جھگڑون کی وجہ سے قریب قریب ویران ہوگیا لیکن جب یہان اسلامی حکومت قائم ہوئی تو آبادی پھر ترقی کرگئی۔ طریقہ جاگیرداری کے رواج سے تمام یورپ کی آبادی بڑھ گئی اس لیے کہ جاگیرین بمقابلہ اُن متوسلین کی تعداد کے جن کی قوت بسری کا وہ ذریعہ تھین زیادہ تھین ہوگئین۔ حروب صلیبیہ نے آبادی کو بہت کچھ گھٹا دیا اس کی وجہ کچھ تو یہ تھی کہ لڑائیون مین بہت سے آدمی مارے گئے اور کچھ یہ کہ بہت سے تندرست اور صحیح البدن لوگون کو متاہلانہ زندگی سے علیحدگی اختیار کرنی پڑی۔ اسی طرح کے انقلابات براعظم امریکہ مین بھی ہوے ہین۔ مکسیکو کی آبادی ہسپانویون کی اُس وحشیانہ سفاکی اور ظلم نا دستبرد

کی وجہ سے جس نے یہان کے تہذیب یافتہ باشندون کی عافیت تنگ کردی اور انھین زندگی کی طرف سے ناامید کردیا۔ بقدر بیس لاکھ کے گھٹ گئی۔ یہی حال پیرو کا بھی ہوا۔

انگلستان کی آبادی نارمن فتوحات کے وقت تقریبًا بیس لاکھ تھی۔ پانچ سو سال مین یہ بمشکل دگنی ہوسکی اس جمود کی ذمہ دار ایک حد تک غالبًا وہ پاپائی مصلحت تھی جس نے پادریون کو تجرد کی زندگی اختیار کرنے پر مجبور کیا۔ اس مین شک نہین کہ اس مصلحت نے قانونی قوت تولید پر ضرور اثر ڈالا لیکن حقیقی قوت تولید پر اس سے خاک اثر نہ پڑا اس مسئلہ پر جن لوگون نے نظر غائر ڈالی ہے وہ مدت سے مطمئن ہوچکے ہین کہ علانیہ تجرد خفیہ عیاشی کا مترادف ہے۔ یہی وجہ تھی کہ تمام انگلستان چیخ اٹھا کہ ملک مین ایک لاکھ عورتین ایسی موجود ہین جنھین پادری خراب کرچکے ہین اور اسی بنا پر عامہ خلایق اور نیز حکومت انگلستان نے اُن خانقاہون کو جو رہبانیت کا مرکز تھین بند کردینے کا قصد کرلیا۔

ہم نے اپنی کتاب "تاریخ خانہ جنگی امریکہ" مین اسی مسئلہ پر بعض خیالات ظاہر کئے ہین جن کا اقتباس اس مقام پر خالی از لطف نہ ہوگا:۔ "آبادی کی اس جامد اور استقراری حالت کا مفہوم یہ ہے کہ لوگون کو خوراک بصد دقت و زحمت حاصل ہو۔ تن ڈھکنے کو کافی کپڑا میسر نہ آسکے۔ جسم غلاظتون سے آغشتہ ہو۔ رہنے کے لیے جھونپڑیان ایسی بنائی جائین کہ موسم کی سختی سے بچاؤ نہ ہوسکے۔ سردی گرمی کے تباہ کن اثر کے سدباب کی کوئی صورت نہ ہو غلیظ اور وبائی ابخرے پھیلے ہوے ہون۔ حفظان صحت کی تدابیر مفقود ہون۔ اطبا و معالج نام کو دکھائی نہ دین۔ گنڈے تعویذ ٹونے ٹوٹکے کی چارہ گری بے سود ثابت ہو معجزون اور کرامتون کی اونچی دکان کا پکوان پھیکا اور سیٹھا نکلے غرض مصیبتون تکلیفون اور حاجتون کی اس طویل فہرست کا اگر خلاصہ کیا جاے تو آبادی کے جامد و غیر متحرک ہونے کا مفہوم یہ ہوگا کہ شرح اموات کا اوسط غیر معمولی طور پر بڑھ گیا ہے۔ لیکن یہ مفہوم ابھی مزید تفصیل کی گنجایش رکھتا ہے یعنی اس کے یہ بھی معنی ہین کہ شرح پیدایش کا اوسط معمول سے

گھٹا ہوا ہو یا بالفاظ دیگر مناکحت کا دروازہ بند ہوگیا یاشی کی گرم بازاری ہو۔ در پردہ فسق و فجور ہوتا ہو۔ اخلاق کا قوام بگڑ گیا ہو۔

"باشندگان امریکہ کے لیے جو ایک ایسے ملک میں رہتے ہیں جہاں کل تک ایک وسیع اور ناقابل نفوذ جنگل چھایا ہوا تھا مگر جہاں آج اس آبادی کا ہجوم ہے جو ہر پچیس سال کے بعد مقررہ رفتار کے مطابق دگنی ہو رہی ہے حقیقی واضافی زندگی کی یہ خوفناک تفضیع ایک نہایت ہی حیرت انگیز واقعہ ہے وہ یہ تقاضائے تحیر دریافت کریں گے کہ آخر وہ کس قسم کا طرز نظم و نسق تھا جس کا دعویٰ تو یہ تھا کہ انسان کے معاش و معاد کی اصلاح و ترقی اس کا نصب العین ہے لیکن جب نتیجہ پر نظر ڈالی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ جو خوفناک تباہی اور مصیبت انسان پر نازل ہوئی وہ ہمہ گیری میں جنگ وبا اور قحط کی سہ گانہ بلاؤں کے متفقہ اثر سے کہیں بڑھی ہوئی تھی اور اسی طرح یہ کہ لوگوں کو گمان تھا کہ اس طرز حکومت میں اُن کی دنیوی بھلائی کا راز چھپا ہوا ہے۔ اُس زمانہ کی حالت اور آج کل کی حالت کا اگر مقابلہ کر کے دیکھا جائے تو زمین و آسمان کا فرق نظر آئے گا۔ انگلستان کی اُسی جغرافیائی سطح پر آج دس حصہ زیادہ لوگ آباد ہیں اور آبادی کے روز افزوں اضافہ کی یہ حالت ہے کہ ہجرت کرنے والوں کے انبوہ کثیر دنیا کے مختلف حصوں میں جا جا کر آباد ہو رہے ہیں۔ جو شخص عہد گزشتہ کو ادب و احترام کی نظر سے دیکھتا ہے اُسے خود قیاس کر لینا چاہیے کہ اس قسم کے طرز نظم و نسق و تدبیر مملکت کی کیا قدر و منزلت ہو سکتی ہے"

یورپ کی آبادی کے ان تغیرات کے ساتھ ساتھ آبادی کی تقسیم بھی متغیر ہوتی رہی ہے سلطنت روما میں مسیحیت کے شایع ہونے کے بعد سے آبادی کا مرکز شمال کی طرف منتقل ہو گیا اور وہاں سے صنعت و حرفت کی ترقی کے باعث مغرب کی طرف چلا گیا۔

اب کسی قدر زیادہ تفصیل و وضاحت کے ساتھ اُن مدافعانہ قوتوں کی نوعیت پر نظر ڈالتے ہیں جنہوں نے یورپ کی آبادی کو ایک ہزار سال تک حالت جمود و سکون میں رکھا۔ براعظم یورپ کی سطح کا بہت بڑا حصہ لق و دق اور بے راہ جنگلوں سے گھرا ہوا تھا کہیں

کہین راہبون کی خانقاہین اور بستیان آباد تھین۔ نشیبی مقامات اور دریاؤن کے دونون جانب سینکڑون میل لمبی دلدلین پھیلی ہوئی تھین جن مین سے عفونت انگیز بخارات نکل نکل کر دور دور تک وبا پھیلاتے تھے۔ پیرس اور لندن مین مکانات لکڑی کے تھے جن کی درزون پر گارا لسا ہوا تھا اور چھتین پرال یا سرکنڈون کی تھین۔ ان مکانون مین روشن دان اور کھڑکیان نہ ہوتی تھین اور آرہ کی کل کے زمانہ ایجاد تک بہت کم مکان ایسے تھے جن کا فرش چوبی ہو۔ دری یا قالین ایک ایسا سامان آرایش تھا جسے کوئی جانتا تک نہ تھا۔ اس کا قایم مقام پرال تھا جسکی کچھ مقدار فرش پر بچھا دی جاتی تھی۔ گھرون مین دودکش بھی نہ بنے تھے۔ اس چولھے کا دھوان جو کافی ایندھن کے میسر نہ آنے سے بے رونق نظر آتا تھا چھت کے ایک سوراخ مین سے باہر نکل جاتا تھا ظاہر ہے کہ ایسے جھونپڑے موسم کی سختی کو کس طرح روک سکتے تھے۔ بدررو بین بالکل موجود نہ تھین اور صفائی کا مطلق انتظام نہ تھا۔ سڑے ہوے فضلہ اور کوڑے کرکٹ کا دروازہ پر ڈھیر لگا رہتا تھا۔ مرد عورت اور بچے ایک ہی کوٹھری مین سوتے تھے اور اکثر گھر کے جانور بھی اسی حجرے مین ٹھونس دئے جاتے تھے۔ اس طوفان بدتمیزی مین ممکن نہ تھا کہ حیا اور اخلاق قایم رہ سکے۔ بستر بالعموم پرال کا ایک تھیلا ہوتا تھا اور لکڑی کا ایک گول کندا تکیہ کا کام دیتا تھا۔ جسمانی صفائی سے لوگ مطلق ناآشنا تھے۔ بڑے بڑے ارکان دولت یہان تک کہ کنٹربری کے لاٹ پادری کے سے جلیل القدر حکام اس درجہ گندے ہوتے تھے کہ ان کے کپڑون مین جوئین بخیہ کے ٹانکون سے سوا تھین۔

چنانچہ انگلستان کے ایک تاجدار کے حریف ٹامس بیکٹ کی یہی حالت بیان کی گئی ہے۔ جسمانی عفونت کے چھپانے کے لیے عطریات کا بکثرت استعمال کیا جاتا تھا۔ عوام الناس کا لباس چرمی ہوتا تھا جو سالہا سال تک کام دیتا تھا اور جس مین جسم کا میل برابر جمع ہوتا رہتا تھا

لہ قرون متوسط کے عیسائیون کی اس گندگی اور گھناونے پن کی اگر تحلیل کی جائے تو اُس کا عنصر غالب وہ مجنونانہ تعصب ثابت ہوگا جو پادریون کو اسلام اور مسلمانون کے ساتھ تھا۔ چونکہ جسمانی طہارت

ہفتہ مین جس شخص کو کھانے کے لیے ایک دفعہ گوشت ملجاتا تھا وہ فارغ البال اور آسودہ حال متصور ہوتا تھا۔ گلیون مین کوئی بدرو نہ ہوتی تھی۔ سڑکین نہ توکٹی ہوئی ہوتی تھین نہ اُن پر روشنی کا انتظام ہوتا تھا۔ رات کے وقت کوٹھریون کے دروازے کھول دئے جاتے تھے اور کوڑا کچرا دہودن بلا تکلف باہر پھینک دیا جاتا تھا۔ جو بیچارہ شامت کا مارا رہ گزر تنگ وتار گلی مین سے ہاتھ مین مدہم ٹمٹماتی ہوئی لالٹین لیے گزر رہا ہوتا تھا وہ اس آلایش کے سیلاب سے لت پت اور شور بور ہوجاتا تھا۔

اینئس سلوئیس نے جو آگے چلکر پایس ثانی کے نام سے مسند پاپائی پر متمکن ہوا اور جس کی تحریر اس لحاظ سے نہایت قابلانہ وغیر متعصبانہ سمجھی جاسے گی۔ اپنی سیاحت جزائر برطانیہ کے مشرح حالات قلمبند کیے ہین۔ یہ سفر اس نے ۱۴۳۰ء کے قریب اختیار کیا تھا۔ اُس کا بیان ہے کہ کسانون کے مکانات خشک چنائی کے پتھرون کے تھے جن مین چونا نہین لگایا گیا تھا۔ چھتین گھانس پھونس کی تھین اور بیل کی ایک اینٹھی ہوئی کھال دروازے کا کام دیتی تھی۔ خوراک کی قسم سے وہ ساگ پات سوٹھہ مٹر یہان تک کہ درختون کی چھال تک کا استعمال کرتے تھے۔ بعض مقامات کے باشندے روٹی کے نام تک سے ناواقف تھے۔

گارے سے لسے ہوے سرکنڈون کی کوٹھریان۔ بھدے اور بے ڈھنگے ٹٹرون کے گھر۔ بے دودکش کی بے رونق دہوان دہار انگیٹھیان۔ جوئون کھٹملون اور پسوئون سی

بقیہ نوٹ صفحہ ۳۶۲ - مسلمانون کا مذہبی فریضہ تھی لہذا ضرور تھا کہ پادری شست وشو سے قطعیۃً ابا کرین اور اپنے چیلون کو بھی یہی پٹی پڑہائین چونکہ مسلمان صاف ستھرے رہتے تھے اسلیے لازم تھا کہ پادری گندے رہین۔ غرض من تشبہ بقوم فھو منہم کے اصول پر انہون نے اس حد تک عمل کیا تھا کہ مسلمان اگر دن کو دن کہتے تو پادری کہتے تھے کہ نہین رات ہے۔ یہی وجہ تھی کہ کئی صدیون تک مسیحی دنیا غلاظت اور نجاست مین لتھڑی رہی۔ مترجم

بھرے ہوئے جسمانی اور اخلاقی غلاظتوں کے بھٹ - سردی سے بچنے کے لیے اعضا کی گرد پوال کے لپٹے ہوئے مٹھے - بخار سے سسکتے ہوئے کسان کے لیے عالموں اور سیانوں کی چارہ گری کے سوا اور کسی تدبیر کا نہ ہونا !! ان سب باتوں کے ہوتے ہوئے کیونکر ممکن تھا کہ آبادی میں ترقی ہو سکے ؟

جب حالت یہ ہو رہی ہو تو کون سی تعجب کی بات ہو کہ ۱۰۳۰ء کے قحط میں انسان کا گوشت پکایا اور بیچا گیا - اور ۱۲۵۸ء کے قحط میں لندن کے ۱۵ ہزار باشندے بھوکوں مر گئے یا وبا کے بعض حملوں میں لوگ اتنے مرے کہ لاشوں کی تجہیز و تکفین کرنے والا کوئی نظر نہ آتا تھا - ۱۳۴۸ء کی وبا میں جو مشرق سے اٹھی اور تجارتی رستے سے ہوتی ہوئی یورپ پر چھا گئی فرانس کی ایک ثلث آبادی ضائع ہو گئی -

دیہات اور شہروں کے عوام الناس کی تو یہ حالت تھی ہی لیکن امرا کی حالت بھی کچھ بہتر نہ تھی - انگلوسکسن قوم کی بداطواریوں کا ذکر کرتے ہوئے ولیم ساکن ماسبری کہتا ہے کہ "اس قوم کے امرا پیٹو اور عیاش تھے اور کبھی گرجے نہیں جاتے تھے - نماز فجر اور نماز قداس کے ادا کرنے کا انھوں نے یہ طریقہ اختیار کر رکھا تھا کہ انکا پادری جسکو ان کی کاہلی نے ان کی نظروں سے گرا رکھا تھا ان کی خوابگاہ میں جا کر بیدار ہونے سے قبل جلد جلد نماز کے الفاظ دہرا جاتا تھا اور ان کے کان میں ایک لفظ بھی نہ پڑتا تھا - عام لوگ جانور امرا کے پنجہ ظلم میں پھنسے ہوئے تھے - ان کی جائدادیں چھین جاتی تھیں وہ دور دراز ممالک میں جبراً بھیج دیے جاتے تھے - ان کی لڑکیوں کو یا تو دار القحبہ میں بٹھا دیا جاتا تھا اور یا وہ لونڈیاں بنا کر بیچ ڈالی جاتی تھیں - دن رات شراب کے دور پیاپے چلتے رہتے تھے اور جو برائیاں بدمستی کی رفیق ہیں وہ ظاہر ہو ہو کر مردوں کو نامرد بنا تی جاتی تھیں " جاگیرداروں کے قلعے گویا ڈاکوؤں کے گھر ہو رہے تھے - چنانچہ یہی مورخ جسکی تحریر سے ہم نے اوپر اقتباس کیا ہے بیان کرتا ہے کہ مرد اور عورتیں

ان قلعوں میں پکڑ بلائی جاتی تھیں۔ ان کے ہاتھ کے انگوٹھوں یا پاؤں میں رسی باندھ کر انھیں لٹکا دیا جاتا تھا۔ ان کے اعضا آگ سے جھلسے جاتے تھے۔ گرہ دار رسیوں کو اُن کے سر کے گرد لپیٹ کر مروڑا جاتا تھا۔ غرض زر فدیہ وصول کرنے کے لیے طرح طرح کے عذاب اُنھیں پہنچائے جاتے تھے۔

یورپ بھر میں پیش قرار مشاہرہ اور ذمہ داری کی بڑی بڑی سیاسی خدمتوں پہ پادری مامور تھے۔ ہر ملک میں دہری حکومت تھی۔ ایک تو مقامی یعنی دینوی حکومت اور دوسری غیر ملکی حکومت جس کے اقتدارات کا مصدر و مرکز پاپاے روما تھا۔ روما کے اثر کا مقامی اثر پہ غالب ہونا ایک لازمی امر تھا۔ اس لیے کہ اس کے ذریعہ سے ایک شخص واحد کا شہنشاہانہ ارادہ یورپ کی تمام اقوام کے متحدہ و متفقہ ارادہ کے مقابلہ میں کامیابی کے ساتھ ظاہر ہوتا تھا اور یہ وجہ اپنی وحدت و اکتناز کے بے انتہا طاقتوں کا جامع تھا۔ علی ہذا القیاس مقامی اثر کا ضعیف ہونا بھی لازمی تھا۔ کیونکہ اول تو خود ہمسایہ سلطنتوں کی باہمی رقابتیں اسے کمزور کر دیتی تھیں اور رہی سہی طاقت کے سلب کرنے کے لیے رومانی رتیب کی حیلہ آفرین تفرقہ پردازیاں کافی تھیں۔ ایک بھی ایسا موقع پیش نہیں آیا کہ مختلف دول یورپ نے اپنے مشترک حریف کو زک دینے کے لیے آپس میں اتحاد قایم کیا ہو۔ جب کبھی کسی بحث کے چھڑنے سے اتحاد کا خدشہ پیدا ہوتا تھا تو نہایت چالاکی سے یہ جھگڑا علیحدہ علیحدہ چکا دیا جاتا تھا اور ہر حکومت کو بالعموم پاپاے روما کے سامنے گردن انقیاد جھکانے ہی بنتی تھی۔ پاپائی مداخلت کا نہ کی بادی النظری مقصد تو مختلف اقوام کے اخلاقی و روحانی حقوق کی نگہداشت ہوتا تھا لیکن اصلی و حقیقی غایت یہ ہوتی تھی کہ ذرایع آمدنی میں توفیر کا پہلو نکالا جائے اور پادریوں کے جم غفیر کی شکم پروری کی سبیل پیدا کی جائے۔ جو محاصل اس طور پہ پاپا کی خزانہ میں داخل ہوتے تھے وہ بسا اوقات مقامی حکومت کے مداخل سے بدارجہا بڑھے ہوئے ہوتے تھے۔ مثلاً جب آنوسنٹ رابع نے یہ مطالبہ کیا کہ کلیسا سے انگلستان تین سو مرتبہ اطالوی

پادریوں کا متکفل ہوا اور لنکن کے گرجا میں اُس کا ایک بھتیجا جو سن بلوغ کو بھی نہ پہنچا تھا ایک بڑی خدمت پر مامور کیا جائے تو معلوم ہوا کہ جو رقم پہلے ہی سے ہر سال غیر ملکی پادریوں پر صرف ہوتی تھی وہ اُس رقم کے مقابلہ میں جو شاہی خزانہ میں داخل ہوتی تھی گنی تھی۔

اعلےٰ طبقہ کے پادریوں نے تو ہر ملکی خدمت پر جو کچھ بھی باعث منفعت تھی قبضہ کر ہی رکھا تھا اور ہر دیر کا صدر راہب کثیر التعداد غلاموں کے مالک ہونے کے لحاظ سے بڑے بڑے امیروں اور جاگیرداروں کا مقابلہ کرتا تھا چنانچہ بعض صدر راہبوں کے پاس بیس بیس ہزار غلام موجود تھے لیکن گداگر پیشہ راہبوں کے لیے بھی معاش کے وسیع ذرایع موجود تھے۔ ملک کا کوئی حصہ ایسا نہ تھا جہاں یہ نظر نہ آتے ہوں اور غربا کے قوت لایموت میں اپنا حصہ نہ بٹا لیتے ہوں۔ سلسلے اور نکمّے پادریوں کا ایک انبوہ کثیر جس کے ارادت میں ممالک غیر منسلک تھے ایسا تھا جس کی زندگی کاہلی اور بے کاری میں کٹتی تھی اور جو اپنا پیٹ محنت مزدوری کرنے والوں کے پسینے سے پالتا تھا۔ ایسی حالت میں کیونکر ممکن تھا کہ چھوٹے چھوٹے کھیت بڑی بڑی جاگیروں میں ضم نہ ہوتے چلے جائیں غربا کا افلاس روز بروز نہ بڑھتا جائے اور جماعت انسانی کی حالت رو بہ اصلاح ہونے کے بجائے پایہ اخلاق سے ساقط نہ ہوتی چلی جائے۔ دیروں صومعوں اور خانقاہوں سے باہر تحصیل علم کی کوئی کوشش نہ کی جاتی تھی۔ اور کیونکر کی جاتی؟ کلیسا کی مصلحت اسی میں تھی کہ لوگ جاہل رہیں۔ چنانچہ یہ اصول عام طور سے تسلیم کر لیا گیا تھا کہ جہالت زہد و اتقا کی ماں ہے۔

روما نے جمہوریت اور شہنشاہیت کے زمانہ میں ہمیشہ اس اصول پر عمل کیا تھا کہ مستحکم پلوں اور پختہ سڑکوں کے ذریعہ سے اپنے دور دست صوبوں کے ساتھ سریع السیر تعلقات قایم رکھے جائیں۔ پلوں اور سڑکوں کی تعمیر اور مرمت افواج رومۃ الکبریٰ کے اہم فرایض میں داخل تھی۔ اس اصول پر کاربند ہونے سے اُس کا فوجی تفوق برقرار رہا۔

لیکن پاپائیت کے زمانہ میں چونکہ روما کی حکومت ایک بالکل جداگانہ اصول پر مبنی تھی اور
اُس کو اگلی سی ضرورتیں درپیش نہ تھیں لہذا اس فرض کی بجا آوری کو اُس نے دول
مقامی کی بے اعتنائی کے لیے چھوڑ دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ بھر میں کوئی سڑک ایسی
نہ تھی جو سال کا اکثر حصہ بند نہ رہتی ہو۔ حمل ونقل کے عام ذرایع بیلوں کے بے ڈھنگے
چھکڑے ہوتے تھے جو گھنٹہ میں تین چار میل سے زیادہ نہ جا سکتے تھے۔ جہاں کشتیاں
بہم نہ پہنچ سکتی تھیں مال تجارت کہ وہ بھی کیف وکم کے اعتبار سے چنداں قابل لحاظ نہ ہوتا
تھا گھوڑوں اور خچروں پر لاد کر ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچایا جاتا تھا۔ جب فوج
کے بڑے بڑے دستوں کو نقل وحرکت کی ضرورت پیش آتی تھی تو مشکلات اس قدر بڑھ جاتی
تھیں کہ اُن پر غالب آنا دشوار ہو جاتا تھا۔ چنانچہ حروب صلیبیہ کے مجاہدین اولی کے کوچ
کی کہانی ان مشکلات کا مرقع ہے۔ نقل وحرکت بین الممالک کی یہ دقتیں اور زحمتیں اُس
تاریکی اور جہالت کی ایک بڑی حد تک ذمہ دار تھیں جو عام طور سے پھیلی ہوئی تھی۔ اکیلا
دکیلا مسافر جان جوکھوں میں ڈالے بغیر سفر نہ کر سکتا تھا۔ اس لیے کہ کوئی دلدل یا جنگل ایسا
نہ تھا جہاں ڈاکو اور لٹیرے موجود نہ ہوں۔

جہالت اور لاعلمی ہر جگہ پھیلی ہوئی تھی جس کی وجہ سے لوگ اوہام پرستی میں مبتلا تھے۔
یورپ میں شرمناک کرامتوں اور معجزوں کی بھرمار تھی۔ کوئی سڑک ایسی نہ تھی جس پر زایروں
کے ٹھٹ کے ٹھٹ اولیا کی اُن خانقاہوں کی طرف ارادت کی باگیں اُٹھائے نہ جاتے
ہوئے دکھائی دیتے ہوں جو اپنی مسیحائی اور شفا بخشی کی وجہ سے شہرۂ آفاق تھیں کلیسا نے
ہمیشہ اسی مصلحت کو پیش نظر رکھا تھا کہ جہاں تک ممکن ہو لوگوں کو طبیب یا اُس کے پیشہ
سے مانوس نہ ہونے دیا جائے۔ اس لیے کہ وہ خانقاہوں کو آلہ جلب منفعت بننے سے بہت
کچھ روکتا ہے۔ زمانہ اس منفعت رسان زور وتلبیس کی آخر قلعی کھول کر رہا۔ یورپ میں آج
کتنی خانقاہیں ہیں جن کی دکانداری کا سلسلہ بدستور قایم ہے؟

مریض اس قدر ناتوان ہوتے تھے کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ نہ پہنچائے جا سکتے تھے
اُن کا اللہ ہی حافظ تھا۔ پھر روحانی علاج یعنی اُن لاطینی دعاؤن کے جو اُس پر دم کر دی جاتی تھین
اُس کے سوا اور کوئی شکل مداوا نہ تھی۔ امراض کے روکنے کے لیے گرجاؤن مین دعائین
لٹکا دی جاتی تھین۔ لیکن حفظ صحت کی کوئی تدبیر عمل مین نہ لائی جاتی تھی۔ نوبت یہان تک
پہنچ گئی تھی کہ شہر فرط عفونت سے سنڈاس بنا ہوا ہے اور وبا چارون طرف پھیلی ہوئی ہے
لیکن پادری صاحب انسداد وبا کا سامان دعا سے کر رہے ہین۔ مینھ کی جھڑی تھمنے مین نہین
آتی یا امساک باران کی وجہ سے سقامت ہنگام کا اندیشہ ہے لیکن یہ بزرگوار اپنے چند
دعائیہ الفاظ کے زور سے مینھ کو رکوا یا برسوا دینے کے مدعی ہین۔ سورج یا چاند کو گہن لگ گیا
ہے یا کوئی دمدار ستارہ نمودار ہوا ہے لیکن یہ عقل کے پتلے ان قدرت کے کرشمون کو بلائے
آسمانی سمجھ کر ادعیہ ماثورہ سے ان کی نحوست ٹالنے کی فکر مین ہین۔ جب ۱۴۵۶ء مین وہ دمدار
ستارہ جو ہیلی کے نام سے موسوم ہے نمودار ہوا تو اُسکی شکل ایسی خوفناک اور اس کا منظر ایسا
مہیب تھا کہ خود تقدس مآب الوہیت انتساب جناب کیلکسٹس خامس پاپاے روما کو اپنی روح
القدس قوت سے اس کی مدافعت پر ہونا پڑا۔ چنانچہ آپ نے ایک ایسا زبردست عمل پڑھا
اور ایسی لعنتین بھیجین کہ مارے ڈر کے یہ خبیث ستارہ دم دبا کر ہانپتا کانپتا فضاے مضامین مین
غائب ہو گیا اور کہین پچھتر سال کے بعد اس کے ہوش و حواس اس حد تک بجا ہوئے کہ اس نے
دوبارہ نمودار ہونے کی جراءت کی۔

اولیا کے تصرفات روحانی اور دعاؤن کے ذریعہ سے مریضون کو جو شفا ہوتی تھی اُس کا
صحیح اندازہ اگر لگانا مقصود ہو تو اُس زمانہ کی اور آج کل کی شرح اموات کا مقابلہ کر لینا کافی
ہوگا۔ اُن دنون تیس مین ایک آدمی مرتا تھا۔ لیکن موجودہ زمانہ مین جبکہ روحانیت کے بجاے
چارون طرف مادیت کا عمل ہے بحساب اوسط چالیس مین ایک آدمی مرتا ہے۔

یورپ کی اخلاقی حالت روز روشن کی طرح اُس وقت آشکارا ہو گئی جب کہ لمبس کے ساتھی

جزائر غرب الہند سے مرض باد فرنگ اپنے ساتھ لگا تے لائے۔ یہ بیماری حیرت انگیز سرعت کے ساتھ یورپ بھر مین پھیل گئی۔ ادنی و اعلےٰ غریب و امیر سب کے سب اس شرمناک مرض مین مبتلا ہو گئے۔ اور تو اور پاپاے مقدس حضرت لیو دہم بھی تو تا پال بیٹھے اور نیم کی ٹہنی ہلاتے ہوے پاسے گئے۔ اکثر لوگ جو شامت اعمال سے یہ دکھ بھر رہے تھے یہ عذر پیش کرتے تھے کہ یہ ایک وبائی مادہ ہے۔ جو سمیت اجزاے ہوا کی وجہ سے پھیل گیا ہے۔ لیکن اگر سچ پوچھا جاے تو اس مادہ کی اشاعت کا باعث ہوا کی سمیت نہ تھی بلکہ فطرت انسانی کی ایک خاص کمزوری تھی جسے وہ روحانیت بھی زایل نہ کر سکی تھی جو انسان کے لیے صدہا سال سے بمنزلہ چراغ ہدایت تھی خانقاہون کے طبی کرشمون پر خاص خاص تبرکات کی معجز نما شفا گستری مستزاد تھی۔ ان مین سے بعض تبرکات ایسے تھے جن کی نوعیت عقل کو محو حیرت کر دیتی تھی۔ متعدد دیر اور خانقاہین ایسی تھین جن مین جناب مسیح کا کانٹون کا تاج موجود تھا۔ گیارہ دیرون مین وہ برچھا رکھا ہوا تھا۔ جس سے آپ کا پہلو چھیدا گیا تھا۔ اگر کوئی شخص از راہ جسارت یہ سوال کر بیٹھتا کہ ان سب کا اصلی ہونا کیونکر ممکن ہے تو وہ دہریہ اور مرتد قرار دیا جاتا۔ حروب صلیبیہ کے دوران مین طبقہ ہیکلیین[۵۱] کے سورماؤن نے یورشلیم سے مقدس دوشیزہ کے دودھ کی بوتلین لا لا کر صلیبی افواج کے سپاہیون کے ہاتھ من مانے اور منھ مانگے دامون بیچین اور خوب ہی نفع کمایا۔ یہ بوتلین

[۵۱] جب بیت المقدس اور کل ارض مقدس کو مسلمانون کے قبضہ مین دیکھ کر مسیحی دنیا کی غیرت یعنی تعصب کا دریا جوش مین آیا اور حروب صلیبیہ کا خونریز سلسلہ شروع ہوا تو چند مسیحی برادریان اس غرض سے قایم ہو گئین کہ جو مسیحی زایر ارض مقدس کا سفر اختیار کرین اُن کے جان و مال کی حفاظت کی جاے یہ جماعتین طبقہ ہیکلیین کے نام سے موسوم ہین۔ بعد مین اس طبقہ کا مقصد دین مسیحی کی حمایت اور مسلمانون کا استیصال ہو گیا۔ اس طبقہ کے جانباز ارا کین اگرچہ رہبانیت اور زہد و اتقا کا دم بھرتے تھے لیکن اُن سے بسا اوقات ایسی ایسی حرکتین سرزد ہوتی تھین جو بڑے سے بڑے فاسق و فاجر کو بھی عرق انفعال مین ڈبو دینے کے لیے کافی ہوتین۔ مترجم

از راہ غایت ارادت و عقیدت بعض بڑے بڑے مذہبی اماکن مین مدتون نہایت احتیاط کے ساتھ محفوظ رکھی رہین۔ لیکن دینہ دلیری اور بےحیائی مین بیت المقدس کی ہاس خانقاہ کا درجہ شاید سب سے بڑہا ہوا تھا جس کے تبرکات مین روح القدس کی ایک انگلی بھی داخل تھی۔ اس شرمناک بطلان پرستی کو زمانہ موجودہ نے حقارت آمیز خموشی کے ساتھ رد کر دیا ہے۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ یہی تبرکات ہزارہا خوش عقیدہ لوگون کی کشت ارادت کو اپنے روحانی چھینٹون سے سیراب کرتے تھے لیکن آج وہ اس درجہ ناپاک اور ذلیل خیال کیے جاتے ہین کہ کسی عجائب خانہ مین بھی انھین جگہ نہین ملتی۔

آخر اس حرمان کی کیا وجہ ہے جو یورپ کی امانت سے عہدہ برآنہ ہونے کی شکل مین کلیسا کو نصیب ہوا؟ اگر روما نے یورپ کی روحانی و مادی ترقی کو حقیقت مین اپنا نصب العین قرار دیا ہوتا۔ اگر جانشین پطرس یعنی ساری دنیا کے گڈریے نے صدق دل سے واحد الغرض ہوکر اپنے گلہ کی بھیڑون کی رکھوالی کی ہوتی اور ان کی دنیاوی آسایش اور دینی نجات کو اپنی غایت الغایات سمجھا ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ کلیسا کو اس ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا۔

یہ وجہ بڑی آسانی سے معلوم ہوسکتی ہے۔ اور اگر اسے قلمبند کیا جائے گا تو حیا سوز معصیت کا ایک طومار تیار ہو جائے گا۔ فقرات ذیل مین ہم تو جیہا جو واقعات سپرد قلم کرتے ہین وہ کیتھولک مصنفین کی تحریرات سے ماخوذ ہین اور ہم کوشش کرین گے کہ جہان تک ممکن ہو ان واقعات کا اعادہ مصنفین مذکور ہی کے الفاظ مین کیا جائے۔

جو داستان ہم اب بیان کرتے ہین اس سے معلوم ہوگا کہ کیونکر ایک جماعت متحدہ نے ترقی کرتے کرتے مطلق العنان حکومت شخصی کی شکل اختیار کر لی۔

قدیم الایام مین ہر گرجا اس توانق کی نفی کیے بغیر جو جملہ اصولی امور مین اسے کلیسائے عمومی کے ساتھ ہوتا تھا اپنا انتظام کامل آزادی کے ساتھ جداگانہ طور پر خود کرتا تھا۔ اور اپنی روایات و تادیبات کو انفرادی حیثیت سے برقرار رکھ کر ان تمام مسائل کو جنھین کلیسائے عمومی

کے اغراض سے تعلق نہ ہوتا تھا - یا جن میں کوئی اصولی بحث مضمر نہ ہوتی تھی خود مقامی طور پر فیصل کر دیتا تھا -

نویں صدی کے آغاز تک یہی حالت قایم رہی اور کلیسا سے روما کے طرز عمل میں کوئی تبدیلی نہ ہونے پائی - لیکن ۸۴۵ء کے قریب سینٹ اسی ڈور ساکن اشبیلیا کے مرتب کیے ہوئے فتاوی میں بہت کچھ تحریف و تدلیس کے بعد فرانس کے مغربی علاقہ میں شایع کیے گئے - جن میں پاپایان زمانہ سابق کے تقریباً ایک سو جعلی فرمان اور دوسرے حکام کلیسا کی بناوٹی تحریرات اور مسیحی کونسلوں کے فیصلہ جات شامل تھے - ان جعلی فتاوی کی اشاعت نے پاپائیت کے اقتدار کو بہت کچھ وسیع کر دیا - کلیسائی حکومت کے پرانے طریقہ کو بدل دیا اور اسے جمہوریت کے پیرایہ سے جدا کر کے مطلق العنان حکومت کی شکل میں تبدیل کر دیا - سب کے اساقف روما کے حلقہ بگوش ہو گئے اور اسقف اعظم یعنی پاپائے روما کل مسیحی دنیا کے پادریوں کا حاکم اعلیٰ بن گیا - ہلڈیبرنڈ - پاپائے گیگوری سابع - نے [illegible] بنا پر یہ اہتمام بلیغ کوشش کی کہ دول یورپ کو ایک ربانی الاصل قسیسی حکومت کی صورت میں بدل دیا جائے جس کا شہنشاہ پاپائے روما ہو -

گریگوری سابع جو اس مہتم بالشان منصوبہ کا بانی تھا جانتا تھا کہ اُس کی تجویز کے کامیاب ہونے کی بہترین تدبیر یہی ہے کہ قسیسی مجالس کے ذریعے سے کام نکالا جائے - چنانچہ اُس نے ایک فرمان اس مضمون کا جاری کیا کہ قسیسی مجالس کے انعقاد کا حق پاپاؤں اور اُن کے نائبوں کے سوا اور کسی کو حاصل نہیں ہے - مزید تقویت کی غرض سے انسلم ساکن لکا نے کچھ تو قدیم اسیڈوری منسوبات اور کچھ نوتراشیدہ فتاوی کی بنا پر قانون کلیسا کا ایک نیا مجموعہ تیار کیا - روما کی فوقیت اور برتری کے برقرار رکھنے کی غرض سے نہ صرف ایک جدید ضابطہ دیوانی و دینی کی تیاری ضروریات سے تھی - بلکہ ایک نئی تاریخ کا گھڑ لیا جانا بھی لازمی تھا - اس تاریخ میں بادشاہوں کے تحت [illegible] اور مسیحی برادری سے خارج کیے

جانے کے فرضی واقعات اس غرض سے درج کر دیئے گئے کہ یہ بات ثابت ہو جاے کہ وہ ہمیشہ سے پاپایان روما کے مطیع و منقاد تھے۔ پاپاؤن کے فرامین واجب العمل ہونے کے لحاظ سے کتب مقدسہ کی آیات کے ہمرتبہ قرار دیئے گئے۔ ان کوششون کا نتیجہ بالآخر یہ ہوا کہ ارض مغرب مین یہ عقیدہ عام طور سے پھیل گیا کہ مسیحیت کی ابتدا ہی سے پاپایان روما کلیساے عمومی کے واضعان قوانین رہے ہین۔ چونکہ مطلق العنان فرمان روا مجالس شوریہ کے روادار نہین ہو سکتے لہذا پاپائیت نے بھی جب مطلق العنان ہونا چاہا تو قصد کر لیا کہ بعض قومی کلیساؤن کی مجالس جو زیادہ آزاد و رو اور سر چڑھی ہین توڑ دی جائین اور صرف انھین مجالس کو قایم رہنے دیا جاے جو پاپاے اعظم کی بلا واسطہ نگرانی مین ہین یہ بجاے خود ایک بہت بڑا انقلاب تھا۔

آٹھوین صدی مین ایک اور روایت روما مین تراشی گئی جو بہت سے اہم نتایج کی ذمہ دار ہے۔ وہ روایت یہ تھی کہ چونکہ پاپاے سلوسٹر نے قسطنطین کو مرض جذام سے اچھا کر دیا تھا اور اصطباغ بھی دیا تھا لہذا قیصر نے اسکے شکرانہ مین اٹلی اور مغربی صوبے نذرانہ کے طور پر پاپاے مقدس کی خدمت مین پیش کیے تھے اور نیز بطور اظہار اطاعت حضرت پاپا کی سائیسی کی خدمت انجام دی تھی اور حضرت اقدس کی گھوڑے کی باگ تھام کر کچھ دور چلا تھا اس تزویر کا مقصد یہ تھا کہ تاجداران فرانس اپنی اصلی قدر پہچان جائین اور انھین معلوم ہو جاے کہ جو علاقے وہ کلیسا کو دے رہے ہین اس مین ان کا کچھ احسان نہین ہے بلکہ محض حق کو حقدار تک پہنچا رہے ہین۔

حکومت پاپائی کے جدید نظام کا سب سے زیادہ زبردست حربہ "فتاوائے گریگورین" تھا۔ یہ کتاب جو بارھوین صدی کے وسط مین شایع ہوئی افترا و تزویر کا ایک بہت بڑا مجموعہ تھی۔ اس کی رو سے کل مسیحی دنیا بوساطت پاپاے روما اطالوی پادریون کی ملکیت ہو گئی اس نے یہ اصول قایم کر دیا کہ انسان کو اعمال حسنہ پر مجبور کرنا اور ملاحدہ و زنادقہ کو عذاب دینا

قتل کرنا اور اُن کی جائداد قرق کر لینا جائز و مستحسن ہے۔ جو شخص مسیحی برادری سے خارج کیا جا چکا ہو اُسے مار ڈالنا قتل انسان مستلزم سزا نہیں ہے۔ اور پاپائے مقدس بلحاظ اُس غیر محدود برتری کے جو اُسے قانون پر حاصل ہے ابن اللہ کا ہمپایہ ہے۔

اجتماع قوت کی یہ نئی تحریک جون جون ترقی پذیر ہوتی گئی اُن اصول کا جو زمانہ قدیم میں منافی مسیحیت سمجھے جاتے بے محابا اعلان ہوتا گیا۔ مثلاً کمال بے باکی اور جسارت سے یہ دعوے کیا جانے لگا کہ کل کلیسا پاپائے مقدس کی جائداد ہے اور وہ اس سے جو کام چاہے لے سکتا ہے سیمونیت[1] دوسرون کے حق مین گناہ ہے لیکن اُس کے حق مین گناہ نہین ہے۔ وہ قانون سے بالا اور برتر از احتساب ہے۔ جو شخص اُسکی نافرمانی کرے وہ گردن زدنی ہے۔ ہر اصطباغ یافتہ شخص اُس کی رعیت ہے اور خواہ وہ شخص چاہے یا نہ چاہے عمر بھر تک اُسکی رعیت رہیگا بارہوین صدی کے ختم تک پاپایان روما پطرس کے نائب تھے انوسنٹ ثالث کے زمانہ کے بعد وہ نائب مسیح ہو گئے۔

لیکن ہر مطلق العنان فرمان روا کو خزانے کی بھی ضرورت ہوتی ہے اور اس کلیہ سے پاپایان روما مستثنیٰ نہ تھے۔ نائبان پاپا کا عہدہ ہلڈیبرنڈ کے زمانہ ہی مین قایم ہو چکا تھا۔ ان کا فرض بعض دفعہ تو یہ ہوتا تھا کہ کلیساؤن کا معائنہ و تنقیح کرین اور بعض دفعہ کسی خاص خدمت پر مامور کیے جاتے تھے لیکن ہر صورت مین اُنھین ممالک آن کوہ الپس سے روپیون اور اشرفیون کی پوٹلیان باندہ کر لانے کے غیر محدود اختیارات حاصل ہوتے تھے۔ چونکہ پاپائے مقدس قوانین وضع کرنے کے علاوہ اُن کے منسوخ و معطل کرنے پر بھی مقتدر تھا لہذا ایک قانون اس مضمون کا نافذ کیا گیا کہ جو شخص چاہے نذرانہ ادا کر کے پروانۂ نقض قانون حاصل کر سکتا ہے۔ جو دیور روما کو خراج ادا کرتے تھے اُن کے اختیارات مین پاپا کی طرف سے دست اندازی نہ ہوتی تھی۔ غرض پاپائے روما اسقف عالم ہو گیا۔ ہر ابرشیہ (اسقف کا حلقہ اختیار) پاپائی

[1] کلیسا کے عہدون کی خرید و فروخت۔ مترجم

حدود ارضی میں داخل تھا اور پاپا بوجہ متصادت الاختیار ہونے کے ہر مقدمہ کی مثل اپنی
عدالت میں طلب کرسکتا تھا۔ اساقف کے ساتھ اُس کے تعلقات وہی تھے جو ایک
مطلق العنان بادشاہ کے اپنے ارکان سلطنت کے ساتھ ہوتے ہیں کسی اسقف کو اجازت نہ تھی
کہ بغیر اُس کی اجازت کے مستعفی ہو اور جو ابرشپ استعفے کی وجہ سے خالی ہوتا تھا اُس پر جدید اسقف
کے تقرر کا اختیار بجز اُسکے اور کسی کو حاصل نہ ہوتا تھا۔ اس غرض سے کہ اُسے پروانہ نقض قانون
کے اختیار اجرا کے استعمال کا موقع ملے عدالت ہاے ماتحت کے فیصلوں کی ناراضی سے
عدالت العالیہ پاپائیہ میں اپیل دائر کرنے کی بات بات پر فریق متعلقہ کو ترغیب دی جاتی
تھی ہزاروں ڈگریاں بغرض [illegible] جاری ہوتی تھیں۔ جن کی بدولت روما میں ڈھیروں روپیہ
کھنچا ہوا چلا آتا تھا۔ جب کسی ابرشپ کے لیے بہت سے امیدوار ہوتے تھے تو پاپا اکثر ان
سب کو ٹکا سا جواب دیکر کسی اپنے چہیتے کو اس عہدہ پر مقرر کردیتا تھا۔ پادریوں کو بسا اوقات روما
میں سالہا سال تک ملازمت کے لیے امیدواری کرنی پڑتی تھی اور وہ یا تو امیدواری کرتے
کرتے دوسری دنیا کو سدھار جاتے تھے۔ اور یا بوریا بدھنا باندھ کر پاپائیت کی خساست
وارتشا کا داغ سینے پر لیے ہوئے ٹھنڈے ٹھنڈے گھروں کو لوٹ جاتے تھے۔ جرمنی
کو اس بارے میں بمقابلہ تمام دوسرے ممالک کے زیادہ رنج ناکامی برداشت کرنا پڑا اور
یہی وجہ تھی کہ تخم اصلاح کی روئیدگی کے لیے یہاں کی زمین ہی سب سے زیادہ قابلیت
پیدا ہوگئی۔ تیرھویں اور چودھویں صدی میں پاپاؤں نے اپنے اقتدارات کو غیر معمولی طور
پر بڑھا لیا۔ بجاے اسکے کہ پہلے کی طرح وہ کسی خالی شدہ ابرشپ پر اپنے کسی منظور نظر کے
مقرر کیے جانے کی سفارش کرتے اب وہ ایسے تقررات کے متعلق قطعی احکام جاری کرنے
لگے۔ چونکہ اُن کے اطالوی طرفداروں کی رعایت ضروری تھی لہذا بجز اس کے اور
کوئی علاج نہ تھا کہ ممالک غیر میں اُن کے لیے عہدے تجویز کیے جائیں۔ ایک ایک خلعت
کے لیے روما میں سینکڑوں پادری امیدواری کرتے کرتے مرجاتے تھے اور جب

حضرت عزرائیل کی توجہ سے اس طور پر جگہ خالی ہوتی تھی تو پاپا اس جگہ کا انتظام استحقاقاً خود کرتا تھا اول اول یہ استحقاق روما تک محدود رہا۔ بالآخر یہ دعویٰ پیش کیا گیا کہ پاپائے مقدس کو بلا تفریق و امتیاز کل کلیسائی خدمتوں کے انتظام کا حق حاصل ہے اور بروقت تقرر اسقف کا یہ حلف اٹھانا کہ وہ پاپا کی اطاعت اور فرمانبرداری کرے گا قسیسی اور سیاسی دونوں مفہوم رکھتا ہے۔ جو ممالک مثنوی الحکومت تھے اُن میں اس طور پر روحانی عنصر کی طاقت بدرجہ غایت بڑھ گئی۔

پاپائی قوت کے اس اکتناز و اجتماع کے لیے ہر قسم کے حقوق نہایت بیدردی سے پامال کیے گئے۔ گدائی پیشہ راہبوں کے طبقوں سے پاپائیت کو اس مقصد کی تکمیل میں بہت بڑی مدد ملی۔ گویا پاپا اور یہ طبقے ایک طرف تھے اور اساقف اور اُن کے ماتحت پادری دوسری طرف۔ پاپائے روما کے دربار نے تمام وہ حقوق غصب کر لیے جو مجالس عامہ۔ مجالس مطرانیہ (کونسل متعلق بہ دار السلطنت)۔ اساقف اور قومی کلیساؤں کو حاصل تھے۔ چونکہ پاپا کے نائب بات بات پر دست اندازی کرتے تھے لہذا اساقف نے اپنے ماتحتین کو اُن کی بے عنوانیوں پر روک ٹوک کرنا ہی چھوڑ دیا۔ اور چونکہ گدائی پیشہ راہبوں کی مداخلت حد سے زیادہ بڑھ گئی تھی اس لیے دیہاتی پادریوں کے اختیار بالکل سلب ہو گئے اور جو رہا سہا اثر تھا اُسے ان راہبوں نے پاپائی تذکرات الغفران اور پروانجات نقض قانون بیچ بیچ کر زائل کر دیا۔ ان حرام کو حلال اور ناجائز کو جائز کر دینے والی سندوں کی فروخت سے جو روپیہ وصول ہوتا تھا وہ سیدھا روما پہنچ جاتا تھا۔

مالی ضرورتوں سے مجبور ہو کر بہت سے پاپا اس ذلیل حیلہ جوئی پر اتر آئے کہ جب کسی فرمانروا یا اسقف یا رئیس ہیکلیین کا مقدمہ پاپائی عدالت میں پیش ہوتا تھا تو اُس سے کہا جاتا تھا کہ ایک جام طلائی جس میں دوکات[1] بھرے ہوئے ہوں بطور نذرانہ پیش کرے۔

---

[1] طلائی روپیہ کا ایک سکہ جو وینس میں چلتا تھا۔ مترجم

اسی قسم کی ضرورتین۔ جشن جوبلی[۵] کے انعقاد کی محرک ہوئین۔ پاپاے سکسٹس رابع نے بہت سے جدید عہدے قایم کیے اور ہر عہدہ بعوض تین یا چار سو ووکات کے فروخت کرڈالا۔ پاپاے انوسنٹ ثامن نے اکلیل پاپائی رہن رکھا۔ پاپاے لیو دہم کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ اُس نے تین پاپاؤن کی آمدنی اُڑا ڈالی یعنی جو رقم اُس کا پیشرو خزانہ مین چھوڑ مرا تھا اول تو

[۵] جب اقبال بنی اسرائیل کے ساتھ تھا اور حکومت اُن کے ہاتھ مین تھی تو ان کے سلاطین کا یہ دستور تھا کہ ہر پچاسوین سال ایک بہت بڑا تیوہار مناتے تھے اور اس موقع پر رعایا کے ساتھ طرح طرح کے سلوک اور احسان کرتے تھے۔ تمام غلام آزاد کردے جاتے تھے۔ تمام قیدیون کو رہائی دے دی جاتی تھی۔ تمام قرض معاف کردے جاتے تھے۔ تمام جائدادین جو اصلی مالکون کے ہاتھ سے گذشتہ نصف صدی مین نکل چلی تھین اُنھین واپس دے دی جاتی تھین۔ اسی تیوہار کا نام جوبلی ہے جس کے عام معنی خوشی کے ہین لفظ جوبلی ایک عبرانی لفظ یوبل سے مشتق ہے جس کے معنی نفیری کے ہین۔ چونکہ جشن جوبلی کا اعلان نفیری یا تری کی صدا سے کیا جاتا تھا اس لیے اس کا نام یوبل یا جوبلی پڑگیا۔

یہودیون کی دیکھا دیکھی کلیساے رومن کیتھولک نے بھی جشن جوبلی منانا شروع کیا چنانچہ پہلے جشن کے انعقاد کا اعلان پاپاے بانی فیس ثامن نے ۱۲۹۹ء مین کیا۔ جشن اول پنجاہ سالہ قرار پاے پھر حضرت مسیح کی عمر کے اعداد کی مناسبت سے سی و سہ سالہ ہوگئے اور بالآخر بست و پنج سالہ قرار دیے گئے اصلی غایت اس جشن کے انعقاد کی جیسا کہ مصنف نے بیان کیا ہے یہ تھی کہ اس موقع پر عقل کے اندھے اور گانٹھ کے پورے عیسائیون سے پاپاؤن کو نذرانہ وصول کرنے کا حیلہ ہاتھ آجائے۔ چنانچہ ان موقعون پر پاپائی خزانہ مین کروڑون ہی روپیہ داخل ہو جاتا تھا۔ جشن جوبلی کلیسائی خوشی مین پاپا کی طرف سے ہر اُس شخص کو جو اعتراف سری کے بعد عشاے ربانی کی صحبت مین شریک ہوتا تھا خاص خاص گرجاؤن مین داخل ہونے کی شرط کے ساتھ پروانۂ مغفرت عطا کیا جاتا تھا۔

مترجم

اُس پر ہاتھ صاف کیا اُس کے بعد اپنی دولت پرست تدبیر دراز کیا اور جب یہ بھی کافی نہ ہوئی
تو اپنے جانشین کے مرتبہ داخل کو پہلے سے وصول کرکے لیکھا جوکھا برابر کر دیا۔ اُس نے
دو ہزار ایک سو پچاس جدید خدمتیں قایم کرکے فروخت کین۔ مشتریون کے لیے روپیہ لگانے
کی اس سے بہتر ترکیب نہ تھی۔ اس لیے کہ اصل سرمایہ پر بارہ فیصدی سود کہین گیا ہی نہ تھا۔
اس سود کے استحصال کے لیے وہ ممالک موجود تھے جہان کیتھولک مذہب رائج تھا یورپ
بھر مین کوئی شہر ایسا نہ تھا جہان سرمایہ اس قدر بامنفعت طور پر لگایا جاسکتا ہو جیسے روما مین۔
اخلاق الرہن کے ذریعہ سے اور نیز عہدون کو نہ صرف ایک دفعہ بلکہ مکرر فروخت کرکے بڑی
بڑی رقمین وصول کر لی جاتی تھین عہدہ دارون کا اضافہ اس غرض سے کیا جاتا تھا کہ وہ اپنے
عہدہ کو دوبارہ بیچ ڈالین۔

اگرچہ سود خواری پاپائی اجتہاد کی رو سے ممنوع تھی لیکن پھر بھی پاپائی عدالت العالیہ کے
متعلق ایک بہت بڑا بنک قایم ہو گیا تھا جو پادریوں ملازمت کے امیدوارون اور داخل مقدمہ
کو نہایت سخت شرح سود پر روپیہ قرض دیا تھا۔ پاپائی مہاجنون کے لیے تو گویا سود لینا
مباح تھا اور باقی سود خوار مطرود و مردود تھے۔ پاپائی عدالت العالیہ کو یہ بات معلوم ہو گئی تھی
کہ یورپ بھر کے پادری اگر اُس کے مقروض ہون گے تو پاپائیت کی اغراض کو بہت
کچھ نفع ہوگا اس لیے کہ عدالت اُن پر من مانا دباؤ ڈال سکے گی اور اگر وہ دباؤ نہ مانین گے تو
عدم ادائے سود کی علت مین انھین کلیسا کے حلقہ سے خارج کر سکے گی۔ ۱۳۲۷ء مین جب
حساب لگایا گیا تو معلوم ہوا کہ نصف مسیحی دنیا حلقہ کلیسا سے خارج ہو چکی ہے۔ اسا قفہ کا
اخراج اس لیے عمل مین آیا کہ وہ پاپا کے نائبون کے مطالبات سے عہدہ برآنہ ہو سکتے تھے
اور عام اشخاص اس لیے خارج کیے گئے کہ وہ مجبور ہو کر تذکرات الغفران یا اجازت نامجات
نقض قانون خریدین اور پاپائی کارندون کو اُن کی منہ مانگی قیمت ادا کرین۔ تمام یورپ سے
تسیسی داخل روما کی طرف کھنچے ہوئے چلے جاتے تھے جو ارتشا سیمونیت۔ سود خواری۔

بد دیانتی اور استحصال بالجبر کا مرکز بنا ہوا تھا۔ ۱۰۶۶ء سے جو تحریک اجتماع واکتنار قوت کی تاریخ آغاز ہے۔ پاپاؤن نے اپنے خاص گلے کی بھیڑون کی دیکھ بھال بالکل چھوڑ دی تھی یعنی روما کی آبادی کی روحانی غور و پرداخت اور کلیسائے روما کے اندرونی انتظامات کی طرف توجہ کرنے کی اُنھین مطلق فرصت نہ تھی۔ ممالک غیر کے ہزارون معاملات جن مین سے ہر ایک بجائے خود بہت بڑا ذریعہ آمدنی تھا اُنہین ہر وقت مصروف رکھتے تھے۔ اسقف الوبرو ڈلایو کا بیان ہے کہ "مین جب کبھی ایوان عدالت العالیہ پاپایہ مین داخل ہوا تھا تو ارکان عدالت یعنی پاپا کے گماشتون کو اشرفیان گنتے ہوے پاتا تھا جن کے ڈھیر کے ڈھیر ہر طرف لگے رہتے تھے" پاپائی عدالت کی حدود ارضی کی توسیع کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا جاتا تھا۔ قانون سے مستثنیٰ کرنے کا ڈھنگ ایسا ڈالا گیا تھا کہ جو شخص مستثنیٰ ہوتا تھا اُسے ہر وقت ایک نیا استثنا حاصل کرنے کی ضرورت ہوتی تھی اساقف کو مجمع الاکلیروس کے مقابلہ مین خاص خاص رعائتین حاصل تھین۔ تو مجمع الاکلیروس بھی بمقابلہ اساقف خاص رعایات سے مستفیض تھا۔ علیٰ ہذا القیاس اساقف خانقاہین اور عام اشخاص نایبان پاپا کے استحصال سے مستثنیٰ تھے۔ غرض استثنا کا یہ سلسلہ پاپائے مقدس کی خواہش جلب منفعت کی طرح کہین ختم ہوتا ہی نہ تھا۔

پاپائیت کا مدار اب جن دو طاقتون پر تھا ان مین سے ایک تو کردینالون کی مجلس تھی اور ایک "کیوریا" یعنی عدالت العالیہ پاپایہ ۱۰۵۹ء مین پاپا کا انتخاب کردینالون کی کثرت رائے سے ہونے لگا۔ اس سے پہلے یہ انتخاب کل رومن کیتھولک پادریون کی طرف سے عمل مین آتا تھا اور روما کے مجسٹریٹون اور سربرآوردہ باشندون کا استصواب بھی لازمی ہوتا تھا۔ لیکن پاپائے نکولس ثانی نے حق انتخاب کو مجلس کردینالون کی آرا کی دو ثلث پر محدود کرکے توثیق انتخاب کا حق شہنشاہ جرمنی کو عطا کر دیا۔ تقریباً دو سو سال تک کردینالون کی حکومت مختصہ و مجتمعہ اور پاپا کی حکومت مطلقہ و منفردہ مین ایک

دوسرے پر غالب آنے کے لیے کشمکش ہوتی رہی اور آپس مین خوب داؤن پیچ ہوے۔ کردینال اس بات پر تو راضی تھے کہ پاپا کی حکومت خارجہ مطلق العنان ہو اور اُس کے اقتدارات کے اس شعبہ مین مطلق دست اندازی نہ کی جائے۔ لیکن بوقت انتخاب اُس کے موافق راے دینے سے پہلے وہ اُس سے یہ اقرار لے لیتے تھے کہ حکومت مین اُن کو بھی ایک خاص حصہ دیا جائے گا۔ انتخاب کے بعد اور رسم تطاہیر کے ادا ہونے سے پہلے وہ خاص خاص مراعات پر کاربند ہونے کی قسم کھاتا تھا مثلاً یہ کہ مداخل مین کردینالون کو بھی شریک کریگا اُن کو برطرف نہ کرے گا اور سال مین دو مرتبہ اس بحث کے لیے اُن کی مجالس کے منعقد ہونے کی اجازت دے گا کہ آیا وہ اپنے عہد و پیمان پر قایم رہا ہے یا نہین۔ لیکن پاپا اپنے عہد پر کبھی قایم نہ رہے اور متواتر پیمان شکنی کے مرتکب ہوئے۔ کردینال چاہتے تھے کہ کلیسائی حکومت اور آمدنی مین اُنھین زیادہ حصہ ملے لیکن پاپا قوت اور دولت کی اس علیحدگی کے کسی طرح روادار نہ تھے۔ کردینالون کی آرزو تھی کہ شکوہ و طمطراق اور اسراف و تبذیر مین سر برآوردہ نظر آئین اور اس کے لیے ظاہر ہے کہ رقم خطیر درکار تھی۔ ان مین سے ایک کے اختیار مین ایک دفعہ پانچ سو عہدے تھے ان کے اعزا و اقربا اور ملازمین و متوسلین کا تکفل بھی لازمی تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ مملکت فرانس کی پوری آمدنی بھی اُن کے اخراجات کے لیے کافی نہ ہوتی تھی۔ بعض دفعہ اُن کی رقابتون کی وجہ سے سالہا سال تک کسی پاپا کا انتخاب نہ ہوتا تھا۔ گویا اپنے اس طرز عمل سے وہ یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ نائب مسیح کے بغیر بھی کلیسا کا کام بآسانی چل سکتا ہے۔

گیارھوین صدی کے خاتمہ پر کلیساے روما دربار روما ہو گیا۔ بجاے اس کے کہ مسیحی بھیڑین ممیاتی ہوئی اپنے گڈریے کے پیچھے پیچھے روما کے مقدس باڑے مین پھرتی ہوئی نظر آئین۔ محررون کارندون محصلون اور نوشتہ جات داد و ستد کی تصدیق کرنے والے عہدہ دارون کا ایک محکمہ قایم ہو گیا جس مین مراعات ناموں تذکرات الغفران

اور استغاثون کا لین دین ہوتا تھا اور اہل مقدمہ ہاتھون مین عرضیان لیے صیغہ بصیغہ پھرتے ہوئے دکھائی دیتے تھے۔ روما ہر قوم وملک کے امیدواران ملازمت کا نقطہ اجتماع بن گیا تھا۔ دینی ڈگریون پاپائی نوازش نامون عفو وغفران کے تذکرون ارتکاب گناہ کے اجازت نامون فرمانون اور فیصلون کے طومار نے جو یورپ اور ایشیا کے ہر حصہ کے لوگون کے نام شب وروز جاری رہتا تھا کلیسائے مقامی کے فرائض اور ذمہ داریون کو پس پشت ڈال دیا سینکڑون ایسے اشخاص اس خدمت کی بجا آوری پر مامور تھے جو سکونت ہی "کیوریا" مین رکھتے تھے ان کی زندگی کا مقصد صرف اسی قدر تھا کہ پاپائی خزانہ کی آمدنی کی توفیر سے مستحق ترقی قرار پائین تمام مسیحی دنیا "کیوریا" کی باج گزار ہو رہی تھی۔ مذہب کا یہان نام ونشان تک باقی نہ تھا۔ "کیوریا" کے عہدہ دارون کو سیاسی مباحث، فصل خصومات، اجرا وتعمیل ڈگریات دینی سے اتنی فرصت کہان تھی کہ روحانی امور مین اپنا وقت ضائع کرین ہر گردش قلم کی ایک خاص قیمت مقرر تھی۔ تذکرات الغفران اجازت نامجات نقض قانون، سندات نجات، پروانہ جات حلت محرمات وممنوعات کی خرید و فروخت مال تجارت کی طرح ہوتی تھی اہل مقدمات کو پیرا سی سے لیکر پاپا تک سب کی مٹھی گرم کرنی پڑتی تھی۔ ورنہ مقدمہ جیتنا محال تھا۔ غیر مستطیع لوگون کو نہ ترقی مل سکتی تھی اور نہ ملنے کی امید تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہر پادری یہ سمجھنے لگا کہ اُسے روما کی مثال کی تقلید کا حق حاصل ہے اور اپنے معتقدین کی روحانی تواضع اور عشائے ربانی کے ذریعہ سے جائز وناجائز طور پر جسقدر روپیہ بھی وصول ہو سکتا ہو وصول کرنا چاہیئے۔ جلب منفعت کا یہ استحقاق اُس نے روما مین وہ رقم ادا کرکے خریدا تھا جو مہاجن سے قرض لی گئی تھی۔ اگر اس طور پر روپیہ نہ وصول کیا جاتا تو یہ قرض کیونکر ادا ہوتا۔ جب "کیوریا" کا مستقر روما سے ایویناں[1] مین منتقل ہوا اور اطالویون

[1] فرانس کے جنوبی ومشرقی حصہ مین دریائے رائن کے بائین کنارے پر واقع ہے اور اُس ریلوے کا اسٹیشن ہے جو لائن سے مارسیل کو جاتی ہے۔ مسیحی معابد مقابر اور اماکن یہان کثرت سے موجود ہین اور ان کی شاندار عمارتین مسیحیت کے اس مرکز کی خصوصیات سے ہین۔ چنانچہ پاپائے جان بست ودوہم کا مقبرہ سولہوین صدی

کی طاقت فرانسیسیون کے پاس چلی گئی۔ تو پھر بھی قدیم حالت بدستور قایم رہی۔ فرق صرف اتنا ہوا کہ اطالویون کو بصد حسرت معلوم ہوا کہ سونے کی چڑیا اُن کے ہاتھ سے اڑ کر فرانسیسی اڈے پر جا بیٹھی ہے۔ اُن کے ذہن مین یہ بات سما گئی تھی کہ پاپائیت اُن کا موروثی حق ہے اور جس طرح شریعت موسوی کے دور مین یہودی خدا کے خاص بندے تھے اسی طرح شریعت عیسوی کی رو سے خدا کا فیضان خاص اُنہین پر نازل ہوا ہے۔

تیرہوین صدی کے خاتمہ پر ایک جدید مملکت دریافت ہوئی جس مین بہت بڑی آمدنی کا ذریعہ ہونے کی قابلیت موجود تھی اس مملکت کا نام مطہر تھا۔ عقل کے اندھون اور گانٹھ کے پورون کو یہ یقین دلا دیا گیا کہ حضرت پاپا اس سرزمین کی گناہگار آبادی کو تذکرات الغفران کے اجرا سے خالی فرا سکتے ہین۔ اس کے لیے کسی دام تزویر کا بچھایا جانا ضروری نہ تھا۔ دن دہاڑے لوگون کی چشم اعتقاد مین خاک جھونکی جاتی تھی۔ غرض اسقفی طاقت کے ابتدائی جراثیم نے نشو ونما پا کر رفتہ رفتہ ایک بہت بڑی زبردست شخصی سلطنت کی شکل پکڑ لی۔

محکمہ احتساب عقاید نے پاپائی قوت کو ایسا زبردست بنا دیا کہ اُس کی مزاحمت و مدافعت محال ہو گئی۔ جو شخص مخالفت کرتا تھا آگ مین زندہ جلا دیا جاتا تھا۔ کسی شخص کے دل مین مخالفانہ خیال کا ناشی ہونا عام اس سے کہ اُس خیال کا اظہار کسی خارجی علامت سے ہوا ہو یا نہ ہوا ہو جرم سمجھا جاتا تھا۔ جون جون زمانہ گزرتا گیا محکمہ احتساب عقاید کا طرز عمل زیادہ وحشیانہ ہوتا گیا محض شبہ کی بنا پر ملزم کو شکنجہ کی سزا دی جاتی تھی۔ ملزم کو الزام لگانے والے کا نام تک نہ بتایا جاتا تھا۔ اُسے کسی قانون دان شخص سے مشورہ لینے کی اجازت تک نہ دی جاتی تھی۔ اس محکمہ کے فیصلہ کی نہ داد تھی نہ فریاد۔ افسران محکمہ یعنی ارکان احتساب کو حکم تھا کہ رحم و لینیت کو

بقیہ نوٹ صفحہ ۳۸۰۔ کے فن تعمیر کی بہترین یادگار ہے ۱۳۰۵ء سے ۱۳۷۷ء تک ادنیان پاپائیت کا صدر مقام رہا ۱۸۰۶ء مین یہان کی آبادی ۴۰۹ ۲۷ تھی ۱۹۱۱ء مین ۴۶ ۲۰۹ ہو گئی۔ آج کل یہ شہر اپنی تجارت خصوصاً ریشمی کپڑون کے کارخانون کی وجہ سے مشہور ہے۔ مترجم

دل مین مطلق نہ آنے دین۔ ملزم کا عقاید منسوبہ سے توبہ کرنا بھی بے سود و لاحاصل تھا۔ ملزم
کے ناکردہ گناہ خاندان کا مال و اسباب ضبط کر لیا جاتا تھا۔ جس مین سے آدھا پاپا کے خزانہ مین
چلا جاتا تھا اور آدھے سے ارکان احتساب اپنے دوزخ کی تواضع کرتے تھے۔ پاپاے انوسنٹ
ثالث کا قول تھا کہ ملاحدہ کی اولاد کی صرف جان بخشی کرنی چاہیے اور وہ بھی محض بہ تقاضاے
ترحم۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نکولس ثالث کے سے ڈاکو پاپاؤن نے اس مقدس عدالت کی لوٹ کے
مال سے اپنے خاندانون کو نہال اور مالا مال کر دیا۔ اور ارکان احتساب کو تو ہر روز اس کی بدولت
تر لقمے ملتے رہتے تھے۔

پاپائیت کے قبضہ کے لیے فرانسیسیون اور اطالویون مین جو جدوجہد ہوئی وہ چودھوین
صدی کے مشہور مذہبی تفرقہ کی ذمہ دار ہے۔ چالیس تک دو رقیب پاپا ایک دوسرے پر سب
وشتم کرتے رہے اور دو رقیب پاپائی عدالتین بہ تقاضاے جاہ منفعت اقوام یورپ کو
جونک بن کر چپٹی رہین۔ بالآخر پاپاؤن کی تعداد دو سے بڑھ کر تین ہو گئی اور امتثال امر و اداے
خراج ربانی کے لیے تین جداگانہ مرکز قایم ہو گئے۔ لوگون کی ارادت و عقیدت شغطہ مین
پڑ گئی۔ وہ حیران تھے کہ کس پاپا کو اصلی اور سچا نائب جناب مسیح کا تصور کرین اور عشاے ربانی و
سر القدوس جیسی پاک مذہبی رسمون کی تطہیر کے متعلق کس سے اور کیون کر استفسار کرین۔ مسیحی
انجمن مین جائز مجتہدانہ قیاس کی کرسی صدارت خالی تھی۔ ہر شخص مجبور تھا کہ اپنا مجتہد خود بنے
لوگون کو معلوم ہونے لگا کہ کلیسا کے ارکان مین عدالت العالیہ پاپائیہ کی جو زنجیر پڑی ہوئی ہے
اس کا ٹوٹنا اور ایک مجلس عمومی کا قایم ہونا کلیسا کی سلامتی کے لیے ضروریات سے ہے
چنانچہ مجلس عمومی کے قیام کی کوشش بار بار کی گئی۔ اس کوشش کی غایت یہ تھی کہ اس
مجلس کو مسیحی دنیا کی پارلیمنٹ بنا دیا جاے جس کا اعلیٰ عہدہ دار انتظامی پاپا ہو۔ لیکن وہ ذاتی
اغراض اور نفسانیتین جو بدقسمتی سے ہمارے مدید کے زمایم و مفاسد کا نتیجہ تھین کیون کر یک بیک
علاج پذیر ہو سکتی۔ عدالت العالیہ پاپائیہ کا بازار پھر گرم ہو گیا اور پادریون کا وہی اگلا سا تجارتی لین دین

پھر شروع ہو گیا۔ اہل جرمنی نے بنجیون عدالت العالیہ یا پائیہ کی اقتدارات مین کبھی حصہ نہ لیا تھا اصلاح کی ان کوششون مین سب سے بڑھ کر حصہ لیا۔ لیکن جب حالت بد سے بدتر ہوتی چلی تو اُن کو بھی ماننا ہی پڑا کہ مجالس عمومی کے ذریعہ سے اصلاح کنیسہ کی توقع رکھنا لاحاصل ہے۔ چنانچہ ارسمس کی زبان سے بے اختیار یہ کلمات نکلے کہ "اگر مسیح اپنے بندون کو ان گوناگون قسیسی مظالم سے نجات نہ دلائین گے۔ تو ترکون کے ظلم کی سختی کم ہو جاسے گی" [1] غرض کلیسا کی حالت اُس

[1] ارسمس کا یہ فقرہ تعصب نفرت اور عناد کے اُن بے گانہ جذبات کا نچوڑ ہے جن کا خون پادریون کی آنکھون مین مسلمانون اور خصوصاً ترکون کو دیکھ دیکھ کر اُترتا چلا آیا ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ قسطنطنیہ کے تخت پر سلطان سلیمان قانونی جیسا عادل و بیدار مغز فرمان روا متمکن تھا جسے یورپ بھی عالیشان کا لقب دیے بغیر نہ رہ سکا۔ اور جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ سلطان سلیمان کا چہل و شش سالہ عہد حکومت اُس حسن سلوک و مراعات کے لحاظ سے جو عیسائی رعایا کے ساتھ کی گئی ترکی کی تاریخ مین اپنی نظیر آپ ہے تو ارسمس کی حق ناشناسی پر ہمین ضرب المثل والی اُس آنکھ کی پھبتی سوجھتی ہے جس کی شان مین "عیب نماید ہنرش در نظر" کہا گیا ہے۔ سرایڈورڈ کریسی اپنی تاریخ ترکی مین لکھتے ہین کہ "سلیمان نے اپنے ہر دیسرا سے کے نام فرمان جاری کیا کہ قیام امن و امان کی فوری تدابیر اختیار کی جائین۔ امیر و غریب مسلم و ذمی سب کے ساتھ مساوات کا برتاؤ کیا جاسے اور عدل و انصاف سے سرمو تجاوز نہ کیا جاسے۔ اُس کے اس فرمان کو ساری دنیا نے سراہا اور اس کی عام طور سے تعمیل کی گئی۔ لوگون کو معلوم ہو گیا کہ ان پر ایک زبردست اور ساتھ ہی مہربان حکومت کا سایہ ہے" یہ تو یورپ کا خیال ہو اور ارسمس صاحب ترکون کو ظالم اور جابر قرار دین۔ پھر یہ اُن کا پادریانہ تعصب نہین تو کیا ہے!!

یکم مئی ۱۴۹۲ء وہ تاریخ ہے جس کا واقعہ کسی طرح واقعۂ کربلا سے کم نہین اس لیے کہ اس دن مسلمانون کو اندلس سے جہان اُنھون نے آٹھ سو سال تک بڑے کروفر اور آن بان کے ساتھ سلطنت کی تھی طرح طرح کے عذاب کے ساتھ نہایت عذرانہ و سفاکانہ طور پر دیس نکالا دیا گیا۔ سلطان سلیمان صاحبقران کا زمانۂ حکومت ۱۵۲۰ء سے لیکر ۱۵۶۶ء تک ہے اور یہ وہ زمانہ تھا جس مین ترک آج کل کی

درجہ ابتر ہوگئی تھی کہ کردینالون کا منصب علانیہ فروخت ہونے لگا تھا اور پاپاے [illegible] اہم کے
عہد مین تو ہر قسیسی و مذہبی خدمت نیلام ہوتی تھی - زندگی کا اصول موضوعہ یہ ہوگیا تھا کہ "اول دولت
بعدہ عزت" عہدہ دارون مین ایک بھی ایسا تھا جو آنکھ سے اوجھل ایماندار ہو یا گواہ لاے بغیر
پاکبازی کا ادعا کر سکے - کردینالون کے ارغوانی رنگ کی مخملی عبائین اور سفید سنجاب کے طیلسان
دھوکے کی ٹٹی ہو رہے تھے جن کی آڑ مین کوئی خباثت نہ تھی جس کا یہ بزرگوار ارتکاب نہ کرتے

بقیہ نوٹ صفحہ ۳۸۳ - طرح دول یورپ کے چوگان کی گیند بنے ہوئے تھے بلکہ خود ان سے ہر نصرانی حکومت
کانپتی تھی - یورپ کے مسیحی طرز عمل کو پیش نظر رکھ کر اگر سلیمان جس کی شمشیر آبدار ہنگری کے جگر مین [illegible]
[illegible] سے عیسائیون کو اسی طرح نکال دیتا یا زبردستی مسلمان بنا لیتا جس طرح اُسکے معاصرین فرڈیننڈ
و [illegible] نے کیا تھا تو وہ ہر طرح سے حق بجانب ہوتا گو [illegible] کی بنا پر ہم اُسے کچھ دیر کے لیے [illegible] کہہ لیتین
لیکن اُس کی انسانیت اور شرافت نفس اس سے ظاہر ہے کہ جب اُس نے جزیرہ روڈس کو طبقہ سینٹ جان
کے سپاہیون سے فتح کیا جنھون نے اُس کا مقابلہ مدت تک جم کر نہایت بے جگری سے کیا تھا تو بجاے اسکے
[illegible] سکندر کی طرح غیظ و غضب مین آکر ان کو نیست و نابود کر دیتا یا فرڈیننڈ و ازابیلا کی طرح ان کے آثار اور
یادگارون کو مٹا دیتا اُس نے روڈس کے مسیحی باشندون کو پوری مذہبی آزادی عطا کی اور حکم دیا کہ اُن کے
[illegible] کی بے حرمتی نہ کی جاے بچے اُنکے والدین سے نہ چھینے جائین اور اُن کے تمام مذہبی [illegible]
قومی علامات کو برقرار رہنے دیا جاے - چنانچہ مارشل مارمانٹ جس نے ۱۸۳۷ء مین روڈس کا سفر کیا لکھتا
ہے کہ "تین سو پندرہ سال کا زمانہ ہوتا ہے کہ طبقہ سینٹ جان کے جلیل القدر ہیکلیین کو دو سو بارہ سال
تک اس جزیرہ پر قابض رہکر آخر اپنی سپر ڈالنی پڑی - ترکون نے اپنے بہادر حریفون کا یہان تک ادب کیا
ہے کہ ہیکلیین کا محلہ ابھی تک قایم ہے اور ہر گھر کے دروازے پر ابھی تک اپنے سابق مکین کا طغرے
اور معرکہ ابھی تک ثبت ہے - ہیکلیین کی بنائی ہوئی عمارات بھی بدستور موجود ہین اگرچہ اُن مین آج کل
کوئی رہتا نہین - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان بہادرون کی روحین یہان مقیم ہین"۔

مترجم

ہون اور کوئی گناہ نہ تھا جو ان حضرات سے صادر نہ ہوتا ہو۔

کلیسا کی وحدت (اور اس لحاظ سے اس کی طاقت) اس امر کی مقتضی تھی کہ لاطینی کا استعمال بطور زبان مقدس عام طور سے ہو۔ لاطینی ہی کے استعمال کے بدولت روما یورپ کا جزو لاینفک بنا رہا اور تعلقات بین الاقوام کے قایم رکھنے مین کامیاب ہوا۔ لاطینی زبان کے بین الاقوامی استعمال نے روما کو جو قوت بخشی اُس کے مقابلہ مین اُن اقتدارات کے اثر کی کوئی ہستی نہین جن کے سماوی الاصل ہونے کا پاپائیت کو ادعا تھا اور اگرچہ اس کو اپنے کارنامون پر بہت بڑا ناز ہے لیکن وہ اس الزام سے کسی طرح بچ نہین سکتی کہ باوجود اتنی بڑی طاقت کے جو آیندہ اُس کے کسی جانشین کو حاصل نہ ہو سکے گی اُس نے کچھ اس سے بھی زیادہ کیون نہین کر دکھایا۔ اگر پاپایان روما اپنی ہوس رانیون اور دنیا پرستیون مین مبتلا نہ ہوتے تو وہ اس بات پر قادر تھے کہ اُنکے ایک اشارہ پر تمام براعظم بالاتفاق ایسی ترقی کرتا کہ دنیا دنگ رہ جاتی۔ اُن کے نائب بے روک ٹوک ہر ملک مین جا سکتے تھے اور آئرلینڈ سے لیکر بوہیمیا اور اٹلی سے چلکر اسکاٹلینڈ تک بلاتکلف آپس مین بات چیت کر سکتے تھے۔ ایک زبان ہونے کی وجہ سے وہ بین الاقوامی امور کے نظم ونسق مین دخیل ہو گئے تھے اور ہر ملک مین اُنھین ایسے ہوشیار اور معاملہ فہم حلیف ہاتھ آ گئے تھے جو ایک ہی زبان بولتے تھے اور مہمات الامور مین اُن کا ہاتھ بٹانے کے لیے تیار تھے۔

ایسی حالت مین یونانی زبان کے احیا اور ابرانی زبان کی ترویج پر روما نے جس نفرت و عداوت کا اظہار کیا وہ کچھ بے وجہ نہ تھا اور جو تشویش اُسے یہ دیکھ کر دامنگیر ہوئی کہ السنہ جدیدہ کی دیوار گنوار بولیون کی بنیاد پر چنی جا رہی ہے وہ بیجا نہ تھی۔ پیرس کے مدرسہ الہیات کے اس تردد آمیز استفسار کو کہ اگر یونانی و ابرانی کے پڑھنے کی اجازت دی جائے گی تو مذہب کا کیا حشر ہوگا۔ اگرچہ کردینال ڑمینز کے عہد کے خیالات کی گونج سے تشبیہ دے سکتے ہین لیکن اس کی تہ مین ایک حقیقی خدشہ بھی مضمر تھا۔ لاطینی کے

رواج عام پر روما کی طاقت کا انحصار تھا۔ اس کے انحطاط کے ساتھ اُس کا زوال وابستہ تھا اس کے عدم استعمال کے یہ معنی تھے کہ روما کی حدا شر اٹلی کے ایک چھوٹے سے صوبہ تک محدود ہو جاے۔ حقیقت یہ ہے کہ یورپین زبانون کی ترقی روما کی بربادی کا باعث ہوئی ہے۔ یہ زبانین گدائی پیشہ راہبون اور اُن پڑھ عوام الناس کے درمیان تبادلۂ خیالات کا موثر ذریعہ بن گئین اور ان مین سے ایک زبان بھی ایسی نہ تھی جس نے اپنی اولین تصنیف مین روما کو نشانۂ حقارت و آماجگاہ ملامت نہ بنایا ہو۔

غرض یورپ کے مختلف الالسنہ لٹریچر کی ترقی پاپائی مسیحیت کے زوال کی ہمعصر ہے۔ پاپائی عہد حکومت مین ناممکن تھا کہ یورپ کا لٹریچر وجود مین آسکے اسلیے کہ مذہبی وحدت علمی وحدت کی متقاضی تھی جسکا مفہوم یہ تھا کہ صرف ایک ہی علمی زبان ہر جگہ رائج ہو۔

اگرچہ ایک زبان واحد کے مالک ہونے کی وجہ سے کلیسا کی قوت مین ایسا حیرت انگیز اضافہ ہو گیا لیکن اُس کی طاقت کا اصلی راز اُس دسترس مین پوشیدہ تھا جو اُس نے نہایت چالاکی سے لوگون کی خانگی زندگی پر حاصل کر لی تھی۔ اس کے فقدان کے ساتھ اُس کا اثر بھی گھٹ گیا اور ساتھ ہی بین الاقوامی امور مین اُس کی سیاسی مداخلت بھی برائے نام رہ گئی۔

مسیحیت سے پہلے جب تاجداران روما کا نیر اقبال نصف النہار پر تھا تو سلطنت کے صوبون مین جہان رومی افواج کی چھاونیان قایم ہوتی تھین وہ سب مقامات تہذیب و شایستگی کے مرکز بن جاتے تھے۔ صنعت و حرفت اور امن و امان کی جو حالت ان مقامات مین پائی جاتی تھی اُس کی مثال گرد و نواح کی وحشی اقوام پر جو برطانیہ فرانس اور جرمنی مین آباد تھین اپنا اثر ڈالے بغیر نہ رہی اور اگرچہ حکام روما کا یہ فرض نہین تھا کہ اقوام مفتوحہ کی فلاح و بہبود مین نمایان دلچسپی ظاہر کرین بلکہ اُن کا فائدہ اسی مین تھا کہ ان اقوام کی حالت ذلیل رہے۔ کیونکہ پستی حالت حلقہ بگوشی و اطاعت کیشی کی مدد و معاون ہوتی ہے لیکن پھر بھی رعایا کی تمدنی و معاشرتی حالت مین منفرداً و مجتمعاً برابر اصلاح ہوتی گئی۔

جب روما مین پادریون کا دور دورہ ہوا تو اسی قسم کے نتائج خود بخود ظہور مین آنے شروع ہوئے۔ بیرونجات مین فوجی چھاونیون کی جگہ دیر قائم ہو گئے۔ گاؤن یا شہر مین گرجا روشنی اور تہذیب کا مرکز بن گیا۔ اول الذکر کے سامان عیش و عشرت اور ثانی الذکر کے مواعظ و نصائح نے لوگون پر ایک زبردست ڈالا۔

خاندانون کے نظام معاشرت کی تنظیم۔ حکومت ملکی کے ضابطہ کی تعیین اور دول یورپ کی ترکیب مین پاپائیت کے طرز عمل نے جو حصہ لیا اس کے محاسن پر نظر ڈالتے وقت ہم اس امر کو فراموش نہین کر سکتے کہ تیسی حکمت عملی کا خاص مقصد اصلاح تمدن نہ تھا بلکہ اعلاے کلیسا تھا۔ پس دنیادار لوگون کو جو فواید پہنچ گئے وہ مقصود بالذات و معہود بالنہایت نہ تھے بلکہ ذیلی و اتفاقی تھے۔

اقوام کی مادی حالت کی اصلاح و ترقی کے لیے کوئی نتیجہ خیز و مستقل بالذات تدبیر پاپاؤن کی طرف سے اختیار نہین کی گئی۔ اُن کے نشو و نما عقلی کے لیے کوئی طریقہ عمل مین نہین لایا گیا اور اُلٹا اُنہین اَن پڑھ بلکہ جاہل مطلق رکھنے کی کوشش کی گئی۔ صدیون پر صدیان گزرتی چلی گئین لیکن کسانون کی حالت کھیت کے چوپایون سے بہتر نہ ہونے پائی۔ وسایل نقل و حرکت اور ذرایع رسل و رسایل کو جو توسیع خیالات کے ممد و معین ہوا کرتے ہین جامد و غیر متحرک رہنے دیا گیا۔ آبادی کا اکثر حصہ ایسا تھا جسے ساری عمر اپنے گھر سے باہر قدم نکالنے کا اتفاق نہ ہوا۔ اس بدنصیب طبقہ کو نہ اصلاح حالت کی امید تھی نہ کسی ترقی کی توقع۔ افلاس کے سدباب اور قحط کے اندفاع کے لیے بڑے پیمانہ پر کوئی تجویز نہ سوچی گئی۔ وبا کو اجازت تھی کہ کھلے بندون جہان چاہے پھرے اور جس شہر پر چاہے چھاپہ مارے۔ بہت ہی روک ٹوک ہوئی تو کسی پادری نے دو چار لاطینی دعائین بڑبڑا دین۔ بُری خوراک ناقص لباس اور ناکافی مکان برابر اپنا اثر کیے چلے گئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک ہزار سال کے بعد یورپ کی آبادی دگنی بھی نہ ہونے پائی اگر کسی حکومت کا فن تدبیر مملکت پیدایش کو روکنے اور اموات کا باعث ہونے کے اعتبار

سے قابل موخذہ ٹھہر سکتا ہے تو پاپائیت پر کتنا بڑا مواخذہ عاید ہوتا ہے!

کیتھولک مذہب کے اس عام اثر کی تنقید کرتے ہوئے ہمین یہ دیکھنا چاہیے کہ اس نے اپنے آپ کو تو خیر جو کچھ نفع پہنچایا وہ ظاہر ہے لیکن اس کے مقابلہ مین دوسرون کے ساتھ کیا بھلائی کی راہب کی خانقاہ کی شاندار تصویر پردۂ تصور پر کھینچو۔ اس مین عیش وعشرت اور راحت و آسایش کا ہر ایک سامان تمھین نظر آے گا۔ ترشی ہوئی گھاس کے زمردین تختے پھولون کے چمن۔ میوہ دار درختون کے صدہا تختے اچھلتے ہوے فوارے۔ ترنم آفرین نہرین بھی کچھ پاؤ گے۔ لیکن ان نعمتون کا تعلق بیچارے دبازدہ کسان سے نہ ہوگا جو کسی دلدل کے کنارے ایک ٹوٹے چھپر کے نیچے بے یار و مددگار سسکیان بھرتا ہوا دم توڑ رہا ہوگا بلکہ ان کا تعلق خانقاہ کے سجادہ صاحب سے ہوگا جن کے ناگن کی چھلبل جن کی ترمیتون رشکرون اور تازی کتون کی صید افگنی جن کے نعمتخانہ اور خمخانہ کے اطعمہ لذیذہ و اشربۂ نفیسہ کی حکایت سے تاریخ کے ورق بھرے پڑے ہین۔ یہ عیش پرست راہب اُس مذہبی نظام کا ایک جزو لاینفک ہے جس کا مرکز اٹلی ہے۔ وہ روما کا باجگذار اور مطیع و منقاد ہے اور اُس کا کوئی فعل ایسا نہین ہوتا جس سے روما کے فوایدکا کوئی پہلو نہ نکلتا ہو۔ جب ہم اُس زمانہ کے عالیشان گرجاؤن اور کنیساؤن پر نظر دوڑاتے ہین جن کا شمار فن تعمیر کی معجز نمائی کے کرشمون مین ہے اور جنھین دیکھ دیکھ کر یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ پاپائیت کے حقیقی معجزات یہی عمارتین ہین۔ اور جب ہم ان مہتم بالشان اور دل پر رعب طاری کرنے والے مذہبی مراسم کو جو ان گرجاؤن مین ادا کیے جاتے تھے اُس دھندلے نور کو جو زنگار نگ آئینون والے دریچون مین سے چھنتا تھا۔ اُن سریلی آوازون کو جن کے الاپ کی سامعہ فریبی ملایک کے نغمون سے کسی طرح کم نہ تھی۔ اُن پادریون کو جو اپنے مقدس خلعت ہاے فاخرہ زیب تن کیے ہوے تھے اور سب سے زیادہ اُن سربسجدہ عبادت گزارون کو جو ایک اجنبی اور نامعلوم زبان مین دعائین اور نمازین سن رہے ہوتے تھے۔ غرض جب ہم اس تمام عالیشان مذہبی نظارہ کو اپنے تصور مین

لاتے ہین تو بے اختیار یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ سب کچھ عبادت گزارون کی روحانی فلاح کی خاطر تھا یا روما کی زبردست اور ہمہ گیر طاقت کا پایۂ جلال و عظمت اور بھی اونچا کرنے کی غرض سے ؟

لیکن شاید کوئی شخص اس کے جواب مین یہ کہے کہ انسانی مساعی محدود ہین۔ بعض امور ایسے ہین جنھین کوئی سیاسی نظام اور کوئی انسانی طاقت خواہ اُس کا ارادہ کیسا ہی نیک کیون نہو انجام نہین دے سکتی۔ انسان وحشیانہ حالت سے ترقی کرکے دفعتہً شایستہ نہین بنایا جا سکتا۔ ایک وسیع براعظم ایک ہی دن مین مہذب نہین ہو سکتا۔

یہ سب سچ ہے مگر پاپائیت کے جانچنے کے لیے اس قسم کا معیار پہلے ہی مقرر نہین کیا گیا۔ کیتھولک طاقت کی نسبت جو اعتراض ہے وہ یہ ہے کہ وہ ازراہ غایت استقلال انسانی الاصل ہونے سے منکر ہوئی بلکہ اس وقت تک منکر ہے اس کا دعوی یہ ہے کہ اُس کا ماخذ ربانی ہے اور اُسکو الوہیت کے ساتھ بالواسطہ نسبت ہے۔ پاپاے اعظم خلیفۃ اللہ فی الارض ہے اُس کا اجتہاد خطا سے پاک ہے اُس کو یہ قدرت حاصل ہے کہ اگر ضرورت آپڑے تو معجزے کے ذریعے سے ان ہونی بات کو ہونی کر دکھائے۔ ایک ہزار سال تک اُس نے یورپ کی عقل و ادراک پر جابرانہ اور قاہرانہ حکومت قایم رکھی اور اگرچہ بعض تاجدارون نے سرکشی کی راہ سے کبھی کبھی اُس کی مخالفت کی لیکن مجموعی حیثیت سے یہ مخالفت ایسی بے حقیقت تھی کہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یورپ کے حل و عقد و بست و کشاد کا مدار علیہ پاپاے روما ہی تھا۔

جو واقعات اس فصل مین بیان کئے گیے ہین اُن پر بلاشبہ سولھوین صدی کے پراٹسٹنٹ علم برداران اصلاح کی نظر غائر پڑ چکی تھی۔ اور وہ یہ نتیجہ نکال چکے تھے رومن کیتھولک مذہب اپنے فرایض مذہبی کی انجام دہی سے بالکل عہدہ برآ نہین ہو سکا۔ بلکہ ضلالت افترا اور ریاکاری کا مجموعہ بن گیا ہے۔ پس سچی مسیحیت کے احیاء کی صرف یہی شکل ہے کہ قرون اولی کے عقاید و مراسم کو از سر نو تازہ کیا جاے۔ اس فیصلہ پر حامیان اصلاح دفعتہً و بغتتہً نہین پہنچے تھے۔

ایک مدت ممتد سے بہت سے پیشوایان مذہب اور روشن خیال علما و فضلا کی یہی راے
تھی چنانچہ ازمنہ وسطی مین نرانسسکن طبقہ کے متقی اور پرہیزگار راہب اس خیال کو
صاف طور سے ظاہر کیے بغیر نہ رہ سکے کہ روما کے ایک قیصر کی لنترانیون نے سچے مذہب
کا خاتمہ کردیا۔ غرض اصلاح کے لیے مواد ایک عرصہ سے تیار ہو رہا تھا۔ سرنگ بچھائی
جاچکی تھی۔ صرف بتی دکھانے کی دیر تھی تو تھر کی آواز کا بلند ہونا تھا کہ تمام شمالی یورپ نے
فیصلہ کرلیا کہ مریم عذرا کی پرستش۔ اولیا سے مراد طلبی۔ معجزہ نمائی۔ مریضون کا کراماتی علاج۔
ارتکاب گناہ کے لیے تذکرۃ الغفران کی خرید اور پاپا پرستون کی مٹھی گرم کرنے والے باقی
کے تمام اُن اعمال سیئہ کا جو عیسائیت سے منسوب کردئے گئے تھے لیکن اُس سے
حقیقت مین تعلق نہ رکھتے تھے یک قلم خاتمہ کردیا جاے۔ کیتھولک مذہب کو ایک ایسی
طاقت ہونے کی حیثیت سے جس کی غایت فلاح و ترقی انسان تھی اپنے اس دعوے
مین کہ اُس کا طرز عمل معلل بہ تائید آسمانی ہے صاف ناکامی ہوئی اُس کے کارنامون
اور اُس کے ادعاؤن مین زمین و آسمان کا فرق تھا۔ ایک ہزار سال تک اُسے انسان کی
اصلاح حالت کا موقع دیا گیا۔ لیکن جب اُس کی کارگزاری کا جائزہ لیا گیا تو معلوم ہوا کہ بنی
نوع انسان کی جس جماعت کثیر کو اسکے حوالہ کیا گیا تھا اُسکی حالت جسمانی و عقلی ترقی کے اعتبار
سے اُس حالت کے مقابلہ مین بہت ہی پست تھی جس مین یہ جماعت پائی جانی چاہیئے تھی

گیارہواں باب

سائنس کا تعلق تمدن جدیدہ کے ساتھ

سائنس کے عام اثرات کی مثال تاریخ امریکہ سے۔

سائنس کا یورپ مین داخل ہونا۔ اسلامی اسپین سے چلکر سائنس کا گزر شمالی اٹلی مین ہوا جہان بوجہ اس کے کہ پاپائیت کا مستقر اٹلی یونان مین منتقل ہوگیا تھا اس نے خاطر خواہ نشو ونما پائی۔ چھاپہ، بحری اسفار اور اصلاح کنیسہ کا اثر۔ اطالوی مجالس علمی کا قیام

سائنس کا عقلی اثر اس نے یورپ میں ادراک کی طرز وروش بدل ڈالی۔ لندن کی رایل سوسائٹی اور دوسری علمی مجلسون کے کارنامون سے اس کی تصدیق وتوضیح۔

سائنس کا اقتصادی اثر اُن بیشمار ایجادات متعلقہ فن جرثقیل وفن طبیعیات سے ظاہر ہوتا ہے جو چودہوین صدی کے آغاز سے کی گئی ہین۔ ان ایجادات کا اثر صحت بدنی اور خانگی زندگی اور نیز فنون رزم وبزم پر۔

اس سوال کا جواب کہ سائنس سے بنی نوع انسان کو کیا نفع پہنچایا ہے ۔۔

یورپ کی تاریخ بزمانہ اصلاح کنیسہ اُن اثرات کے نتائج پر روشنی ڈالتی ہے جو رہائی مسیحیت نے اصلاح تمدن پر ڈالی۔ اگر ہم امریکہ کی تاریخ زمانہ حال پر اسی طرح کی نظر انتقاد ڈالین تو معلوم ہوگا کہ سائنس کے اثرات سے کیا کیا نتائج مترتب ہوئے ہین۔

سترہوین صدی مین اہل یورپ کی ایک مختصر سی جماعت بحر اوقیانوس کے مغربی ساحل پر آباد ہوگئی تھی۔ جزیرہ نیو فاونڈ لینڈ (ارض جدیدہ) مین چونکہ کاڈ مچھلی کا منفعت

شکار بہ کثرت تھا لہذا فرانسیسیون نے ایک چھوٹی سی نوآبادی سینٹ لارنس کے شمال مین قایم کر لی تھی۔ قوم انگریز قوم ڈچ اور قوم سویڈ کے لوگ نیو انگلینڈ (انگلستان جدید) کے سواحل اور "مڈل اسٹیٹز" (ریاستہاے متوسطہ) مین آباد تھے اور فرانسیسی پراٹسٹنٹون کی کچھ جماعت کیرولائنا مین رہتی تھی - یہ افواہ کہ فلاریڈا مین آب بقا کا ایک چشمہ ہے جس کا پانی پی کر انسان ہمیشہ جوان رہتا ہے چند ہسپانیون کو یہان لے آئی تھی۔ ان مسیحی سیاحون نے جو گاؤن قایم کر لیے تھے ان کے پرلی طرف ایک وسیع و غیر معلوم سرزمین پھیلی ہوئی تھی جس مین خانہ بدوش وحشیون کے گروہ پھرتے تھے۔ ان وحشیون کی تعداد خلیج مکسیکو سے لے کر سینٹ لارنس تک ایک لاکھ اسی ہزار سے زیادہ نہ ہوگی۔ ان کی زبانی یورپین نوواردون کو معلوم ہوا کہ اندرون ملک مین آب شیرین کے وسیع سمندر موجود ہین اور ایک بہت بڑا دریا ہے جس کا نام مسسی سپی ہے اس دریا کے بارہ مین ان کے اقوال مختلف تھے۔ بعض کا یہ قول تھا کہ یہ دریا ورجینیا مین سے ہوتا ہوا بحر اوقیانوس مین جا گرتا ہے بعض کہتے تھے کہ ورجینیا مین سے نہین بلکہ فلاریڈا مین سے گزرتا ہے۔ بعض کا خیال تھا کہ یہ دریا بحر الکاہل مین جا ملتا ہے اور بعض کا قیاس یہ تھا کہ اس کا دہانہ خلیج مکسیکو ہے۔ بحر اوقیانوس کی طوفان خیز موجین جن کو عبور کرنے کے معنی یہ تھے کہ کئی مہینے کا سفر اختیار کیا جائے ان یورپین پردیسیون کو اُن کے وطن سے جدا کر لی تھین اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ دنیا سے الگ تھلگ ایک ایسے کونے مین پڑے ہوئے ہین جہان کسی کو اُن کی خبر نہین ہو سکتی۔

لیکن انیسوین صدی ابھی ختم نہ ہونے پائی تھی کہ ان بے سر و سامان اور بے یار و مددگار آوارگان دشت غربت کی اولاد دنیا کی ایک زبردست اور طاقتور قوم ہو گئی۔ اس قوم نے ایک ایسی جمہوری سلطنت قایم کر لی جس کا علم بحر اوقیانوس سے لے کر تا بہ ساحل بحر الکاہل لہراتا تھا۔ دس لاکھ سپاہیون کے ایک لشکر جرار کی مدد سے جس کا شمار صفحۂ قرطاس ہی کی زینت

نہ تھا بلکہ جو میدان جنگ مین موجود تھا اس قوم نے ایک خانگی حریف کا تختہ سطوت و اقتدار الٹ ڈالا۔ اس کے جنگی بیڑے مین سات سو جہاز شامل تھے جن پر پانچ ہزار توپین چڑھی ہوئی تھین اور ان مین سے بعض توپین ایسی بھاری تھین کہ دنیا مین اس لحاظ سے اُن کا جواب نہ تھا۔ ان جہازون کے سامان محمولہ کا مجموعی وزن پانچ لاکھ ٹن تھا۔ اپنے قومی حقوق کی حفاظت مین اس قوم نے پانچ سال سے کم کی مدت مین چار سو کروڑ ڈالر خرچ کیے تھے۔ اس کی مردم شماری سے جس کا انتظام وقتاً فوقتاً کیا جاتا رہا معلوم ہوا کہ اس کی آبادی ہر پچیسوین سال دُگنی ہو رہی ہے جس سے یہ اُمید قایم کر لی بیجا نہین کہ اکیسوین صدی کے خاتمہ پر اس قوم کی آبادی تقریباً دس کروڑ ہو جاے گی۔

ایک ویران براعظم جو سنسان اور سونا پڑا ہوا تھا صنعت و حرفت کا اکھاڑا بن گیا جس مین کلون کے چلنے کے شور اور آدمیون کی ہبھین حرکت نے ایک نئی روح پھونک دی جہان پہلے ایک گھنا بے راہ جنگل چھایا ہوا تھا وہان صدہا شہر اور قصبے آباد ہو گئے۔ روئی تمباکو اور اناج جیسی بیش قیمت پیداوار کے کثیر المقدار انبارون نے تجارت کی رونق بڑھا دی کانون سے سونا۔ لوہا اور کوئلہ اس مقدار مین نکلنے لگا کہ عقل کو باور نہین آتا تھا۔ بے تعداد کلیساؤن دار العلومون اور مدرسون نے ثابت کر دیا کہ اس مادی ترقی کے دوش بدوش عقلی و روحانی ارتقا کا عمل بھی جاری ہے۔ ذرایع نقل و حرکت کا انتظام بھی خاطر خواہ کر دیا گیا۔ ریل کی سڑکین طول مین یورپ کی آہنی سڑکون کے مجموعی طول سے بڑھ گئین۔ ۱۸۶۳ء مین یورپین سلسلۂ ریل کا مجموعی طول ۶۳۳۶۰ میل تھا۔ لیکن اس کے مقابلہ مین امریکہ کا سلسلہ ۷۰۶۵۰ میل لمبا تھا۔ اس سلسلہ کی ایک شاخ براعظم کے عرض مین پھیلی ہوئی تھی اور بحر اوقیانوس کو بحر الکاہل سے ملاتی تھی۔

لیکن امریکہ کی ترقی مین یہ مادی نتایج ہی قابل لحاظ نہین ہین۔ اخلاقی اور تمدنی نتایج بھی ہماری توجہ کو بے اختیار اپنی طرف کھینچتے ہین مثلاً چالیس لاکھ حبشی غلام یک قلم

آزاد کر دیے گئے ۔ قانون مین اگر رعایت کا میلان پایا گیا تو بحق غربا پایا گیا ۔ واضعان قانون کا مقصد یہ تھا کہ افلاس کا انسداد کیا جاے اور غیر مستطیع طبقہ کے لوگون کی حالت درست کی جائے ۔ قابلیت کے لیے ترقی کی راہ کھولدی گئی اور سب رکاوٹین دور کر دی گئین ۔ ترقی کا کوئی ایسا درجہ نہ تھا جس پر ذہین اور محنتی شخص فائز نہ ہو سکے ۔ بعض بڑی بڑی سرکاری خدمتون پر ایسے شخص مامور تھے جو ابتدا نہایت غربت اور کس مپرسی کی حالت مین تھے لیکن بڑہتے بڑہتے ان جلیل القدر مدارج پر پہنچ گئے ۔ میل جول کی مساوات تو لوگون مین نہ پائی جاتی تھی اور دولتمند اور آسودہ حال جماعتون مین اس کا پایا جانا ممکن بھی نہین لیکن مدنیت کے حقوق سے ادنی و اعلےٰ یکسان بہرہ اندوز تھے اور یہ مساوات نہایت تشدد کے ساتھ قایم رکھی گئی ۔

شاید یہ کہا جاے کہ اس غیر معمولی ترقی کا باعث وہ مختص المقام و مختص الحیثیت حالتین تھین جو کسی قوم کو اس سے پہلے پیش نہ آئی تھین ۔ ترقی کا ایک وسیع میدان کھلا پڑا تھا اور ایک پورا براعظم ہر اُس قوم کو جو اس کے ساحلون تک آنے کی زحمت گوارا کرتی حق مقابضت و ملکیت عطا کرنے کے لیے تیار تھا ۔ قدرت کو مسخر کرنے اور اُس کے خرمن فیضان سے خوشہ چین ہونے کے لیے بجز محنت اور جرأت کے اور کسی شے کی ضرورت نہ تھی ۔

لیکن ہم تو یہی سمجھین گے کہ اُن مسافرون کے لیے جنھون نے نئی دنیا کی عظیم الشان نوآبادی قایم کی ترقی کی راہ پر ایک بہت بڑے اصول نے میل دوہنگ کا کام دیا ۔ اسی اصول کی رہنمائی سے انھون نے اُن خاموش مقامات کو جہان ابدالاباد سے سناٹا چھایا ہوا تھا تہذیب و شایستگی کا مرکز بنا دیا ۔ جنگلون دریاؤن پہاڑون اور بیابانون سے ہراسان ہوے بغیر ویرانی کو آبادی سے مبدل کر دیا اور ایک صدی کے اندر اندر ایک پورے براعظم کو مسخر کر لیا ۔ اس کے مقابلہ مین میکسیکو اور پیرو پر اہل اسپین کی اُس فوج کشی

کے نتائج پر نظر ڈالنا خالی از انتباع نہ ہوگا جس نے ان ممالک کے حیرت انگیز تمدن کو نیست و نابود کر دیا۔ یہ تمدن ہسپانوی تمدن پر کئی ایک اعتبار سے فوقیت رکھتا تھا۔ اس تمدن نے فولاد اور بارود کی مدد کے بغیر عروج حاصل کیا تھا۔ اس تمدن کا انحصار فلاحت کے اون کارنامون پر تھا جو نہ گھوڑون کے محتاج تھے نہ بیلون کے اور جنکو نہ ہل کی ضرورت تھی نہ جوے کی۔ اہل اسپین کے لیے ترقی کی راہ صاف کھلی تھی۔ اون کے رستہ مین کوئی رکاوٹ نہ تھی لیکن اُنھون نے کیا تو یہ کیا کہ امریکہ کے اصلی باشندون کی کمائی محنت کو غارت کر دیا۔ ان مین سے لاکھون بدنصیب قسی القلب حملہ آورون کی وحشیانہ خونخواری کا شکار ہوے۔ وہ قومین جو صدہا سال سے فارغ البالی اور آسودہ حالی کی زندگی بسر کرتی چلی آتی تھین اور اُن رسمون اور رواجون کی پابند تھین جنھین تاریخ نے اُنکے لیے موزون ثابت کیا تھا یک بیک غدر و بد امنی کی بلا مین گرفتار ہوگئین۔ اوہام پرستی کا مرض چارون طرف پھیل گیا اور لوگون کی جائداد منقولہ و غیر منقولہ کا بہت بڑا حصہ کلیساے روما کے قبضہ مین چلا گیا۔

ہم نے متذکرہ بالا مثال کو جس کا انتخاب تاریخ امریکہ سے کیا گیا ہے دوسری مثالون پر جو تاریخ یورپ سے اخذ کی جاسکتی تھین اس لیے ترجیح دی ہے کہ اس سے اس واقعہ کی شہادت بہم پہنچتی ہے کہ عمل ارتقا مین خارجی اثرات کا تصرف بہت ہی کم ہوا۔ یورپ کی سیاسی ترقی امریکہ کے مقابلہ مین زیادہ پیچیدہ ہے۔ اس کے طرز عمل اور نتائج پر غور کرنے سے پہلے ہم مختصراً بیان کرین گے کہ سائنس نے یورپ مین کس طرح رواج پایا۔

یورپ مین سائنس کی ترویج

حروب صلیبیہ نہ صرف سالہا سال سے روما کے کلیسائی خزانہ کو اُن بیش قرار رقمون سے پاٹ رہی تھین جن کا ماخذ ہر مسیحی قوم کا خوف یا اتقا تھا بلکہ ان کی وجہ سے پاپائی طاقت خطرناک طور پر بڑھ گئی تھی۔ اُس دوعملی حکومت مین جو یورپ مین ہر جگہ پھیلی ہوئی تھی دینی

حکومت کو پورا غلبہ حاصل ہو گیا تھا اور دینوی حکومت کی حیثیت اس کے خادم کی سی رہ گئی تھی۔
مسیحی دنیا کے اطراف و اکناف سے بندھی رقمیں روما مین چلی آرہی تھین کوئی ایسا
حیلہ نہ تھا جو لوگون سے روپیہ وصول کرنے کے لیے نہ تراشا جاتا ہو۔ چاندی سونے کا ایک مینہ
تھا کہ موسلا دھار اٹلی پر برس رہا تھا۔ دینوی فرمانرواؤن کے خزانے خالی ہو چلے محاصل کی
مقدار قلیل اور غیر مکتفی رہ گئی۔ آمدنی کی کمی کے باعث انتظام چلانا دشوار ہو گیا۔ فلپ الملقب
بہ فیئر (خوشرو) شاہ فرانس (سنہ ۱۳۰۳ء) نے جب دیکھا کہ اُسکی مملکت سے بغیر اُسکی اجازت کے
لکھوکھا روپیہ یون باہر کھنچا چلا جاتا ہے تو اُس نے دل کڑا کر کے نہ صرف اس مضمون کے
امتناعی احکام جاری کر دیئے کہ اُس کے فرمان کے بغیر چاندی اور سونا برآمد نہ کیا جائے
بلکہ یہ فیصلہ بھی کر لیا کہ مذہبی جاگیرون اور قسیسی جائدادون سے محصول شاہی وصول کیا جائے۔
اس فیصلہ کا صادر ہونا تھا کہ پاپائیت اور حکومت فرانس مین ایک مہلک جنگ چھڑ گئی۔ پاپا نے
شاہ فرانس کو کلیسا سے خارج کر دیا۔ بادشاہ نے اس کا بدلہ یون لیا کہ پاپا بانیفیس
ثامن پر دہریت کا الزام لگا کر یہ خواہش ظاہر کی کہ پاپا کا چالان مجلس عمومی کے اجلاس مین
کیا جائے۔ اسی اثنا مین اُس نے چند معتبر اشخاص کو اٹلی بھیجا جنھون نے بانیفیس کے
محل واقع انگنی مین داخل ہو کر اُسے گرفتار کر لیا اور اُس کے ساتھ ایسی سختی کی کہ وہ چند دن مین
مر گیا۔ اُس کا جانشین پاپا بینیڈکٹ یازدہم زہر دیکر مار ڈالا گیا۔

شاہ فرانس نے عزم بالجزم کر لیا تھا کہ پاپائیت کے ذمایم و مفاسد کی کامل اصلاح
کی جائے اور یہ عہدہ چند اطالوی خاندانون ہی کا ورثہ نہ ہو جائے جو اپنی چالاکی سے یورپ
کی سریع الاعتقادی کو سیم و زر کی شکل مین بدل رہے تھے بلکہ فرانس کے رسوخ کا عنصر
اس مین غالب ہو۔ چنانچہ کرڈینالون کے ساتھ اس بارہ مین اُس کا سمجھوتا ہو گیا۔ ایک
فرانسیسی صدر اسقف پاپائی مسند پر بٹھایا گیا۔ اور اُس نے کلیمنٹ خامس کا لقب اختیار
کیا۔ دربار پاپا فرانس کے شہر آوِنیان مین اُٹھ آیا اور روما جو اب تک مسیحیت کا پایہ تخت

تھا اس شرف سے محروم ہوگیا۔

ستر سال گزرنے کے بعد پاپائیت کی قسمت نے پلٹا کھایا یعنی ۱۳۷۶ء مین مدینۃ البقا (روما) کو پاپاے اعظم کے مستقر حکومت بننے کا شرف ازسرنو حاصل ہوا۔ اس عرصہ مین بوجہ اس کے کہ پاپائیت کا رسوخ جزیرہ نماے اٹلی مین گھٹ گیا تھا شمالی اٹلی کے بڑے تجارتی شہرون مین وہ عقلی تحریک جلد جلد پھیل گئی جو تاریخ مین یادگار رہے گی۔ اس کے ساتھ ہی بعض اور بھی مبارک و سازگار حالتین نمودار ہو چلین۔ حروب صلیبیہ کے انجام نے تمام مسیحی دنیا کے عقاید مین خلل ڈال دیا۔ ایک ایسے زمانہ مین جبکہ فتح و شکست کو عام طور سے حق و باطل کا ربانی معیار سمجھا جاتا تھا ان لڑائیون کا نتیجہ یہ ہوا کہ علی رغم انف مسیحیت ارض مقدس پر مسلمان قابض ہوگئے۔ وہ ہزارہا مسیحی سورما جو شکست کھا کر اپنے گھرون کو لوٹے بلا تامل اس امر کا اعتراف کرتے ہوے پاے گئے کہ کلیسا نے ان کے حریفون کی جو تصویر کھینچی تھی اُس سے وہ بالکل مختلف تھے یعنی وہ بزدل وحشی اور ظالم نہین تھے بلکہ شجاع خلیق اور عادل تھے۔ جنوبی فرانس کے خوش گزران شہرون مین عشق و عاشقی کے افسانون کا چرچا پھیلتا جاتا تھا۔ خانہ بدوش بھاٹ اور گویے لوگون کو اپنے تصنیف گیت اور اشعار سناتے پھرتے تھے۔ ان اشعار کے مضامین تغزل و تقصد اور رزم و بزم کی داستانون ہی تک محدود نہ ہوتے تھے بلکہ اکثر ان مین اُن وحشیانہ مظالم مثلاً لنگوڈک[1] کے واقعہ قتل عام کا بھی ذکر ہوتا تھا جن کے ارتکاب کی ذمہ دار پاپائی حکومت تھی۔ علی ہذا القیاس ان نظمون مین پادریون کی سیہ کاریون اور بدچلنیون کے واقعات بھی مذکور ہوتے تھے۔ مسلمانان اندلس سے عیسائیون نے "شولری[2]" کا

[1] فرانس کا وہ خوش سواد صوبہ ہے جو ۷۲۵ء مین مسلمانون کے قبضہ مین تھا۔ ۱۲۷۱ء مین اس کا الحاق فرانس کی عملداری کے ساتھ ہوا۔ مترجم

[2] - لفظ "شولری" مین سپاہیانہ جانبازی۔ جنس لطیف یعنی طبقۂ نسوان کا بدرجہ غایت ادب و احترام۔ جان جوکھون مین ڈالنے کا شوق اور نام آوری کی خواہش سے وہ گوناگون مفہوم شریک ہین جو قرون متوسطہ

اولوالعزمانہ وکریمانہ خیال مستعار لیا اور اسی کے ساتھ خودداری و آبرو پروری کا وہ شریفانہ سبق بھی حاصل کیا جس نے آگے چل کر یورپ کو شرافت نفس کے دستور العمل کے وضع کرنے مین مدد دی۔

پاپائیت اگرچہ اپنے مرکز اصلی پر واپس آگئی لیکن وہ اقتدار جو پاپاؤن کو ستر سال پہلے جزیرہ نمائے اٹلی مین حاصل تھا زندہ نہ ہو سکا۔ روا ہے۔ گئے ہوئے او نہین دو نسلون سے زیادہ کا زمانہ ہو چکا تھا اور اگر وہ اپنی پوری شان جلالت و جبروت کے ساتھ بھی واپس آتے تاہم اُس عقلی ترقی کا رد عمل نہ کر سکتے جو اُن کی غیبت مین بروے کار آ چکی تھی۔ لیکن پاپائیت کی رجعت زمانِ روائی کی غرض سے نہ تھی بلکہ انقراض و انقسام کی غرض سے اور اُس اعتزال عظیم کا مقابلہ کرنے کے مقصد سے جس نے چودھوین صدی مین مسیحیت کو پارہ پارہ کر دیا۔ ان اندرونی فسادات کا نتیجہ یہ ہوا کہ پاپاؤن کی تعداد ایک سے دو اور دو سے تین ہو گئی جن مین سے ہر ایک مسیح کے نائب حقیقی ہونے کا مدعی تھا اور اپنے رقیب کو ملعون و کذاب قرار دیتا تھا۔ اس طوفان بے تمیزی نے یورپ کی عقیدت و ارادت کو مبدل بہ نفرت و حقارت کر دیا اور اُس نے مصمم عزم کر لیا کہ اس شرمناک تو تو مین مین کا جلد خاتمہ ہو جانا چاہیے۔ یہ اعتقاد کہ خدا کا ایک نائب زمین پر موجود ہے اور وہ پاپا ہے جس سے خطا کا سرزد ہونا ممکن نہین اس تحفۂ فضیحتی کے مقابلہ مین بھلا کیونکر صحیح ہو سکتا تھا؟ یہی وجہ تھی کہ اس زمانہ کے بڑے بڑے لایق پادریون نے یہ تحریک کی کہ مجلس عمومی قایم کی جائے جو گویا یورپ کی دینی پارلیمنٹ ہو اور پاپا کو اس مجلس کا ناظم اعلےٰ مقرر کیا جائے۔ یورپ کے نصیب اچھے ہوتے اگر یہ تحریک منظور ہو جاتی تو یہ جنگ جو سائنس اور مذہب مین چھڑی ہوئی ہے ہرگز برپا نہ ہوتی اصلاح کنیسہ کا بھولے خیال ہرگز نہ آتا۔ پراٹسٹنٹ فرقون کی مخالفت کا علم ہرگز بلند نہ ہوتا۔ لیکن کانسٹنس اور بیسل کی کونسلین اطالوی جوسے کو کند ہے سے نہ اُتار سکین اور یہ

بقیہ نوٹ صفحہ ۳۹۷ - مین شجاعت و شرافت کا لازمہ سمجھے جاتے تھے۔ مترجم

دلپذیر نتیجہ اُن سے مترتب نہ ہو سکا۔

اس طور پر کیتھولک مذہب کمزور ہو رہا تھا۔ اس کا کابوسی بوجہ عقل و ادراک کے سینہ سے جون جون کم ہوتا گیا روح کی شگفتگی بڑہتی گئی۔ اور عقل انسانی ترقی کرتی گئی۔ مسلمانون نے پرانے سوتی کپڑون اور روئی سے کاغذ بنانے کا فن ایجاد کیا تھا اور اہل وینس چھاپہ کا فن چین سے جا کر سیکھ آئے تھے۔ چھاپہ اور کاغذ کی ایجادین لازم و ملزوم تھین۔ اب وہ وقت آگیا کہ بلا خوف مزاحمت تمام دنیا کے انسان آپس مین تبادلہ خیالات کرنے لگین۔

چھاپہ کی ایجاد نے کیتھولک مذہب کے سینہ مین ایک زخم جانستان لگایا کاتب و مخاطب کے بین العمرانی حق پر اس سے پہلے پاپائیت نے بلا مشارکت احدے قبضہ کر رکھا تھا۔ پاپائی مرکز سے مختلف المدارج پادریون کی وساطت سے احکام و فرامین جاری ہوتے تھے اور منبر سے پڑہ کر سنا دئے جاتے تھے۔ مطبوعات نے اس حق خاص اور اُن غیر معمولی اقتدارات کو جو اس کا لازمہ تھے یک قلم مٹا دیا۔ زمانہ حال مین منبر کا اثر بہت ہی کم رہ گیا ہے خطیب کے قایم مقام آج کل اخبار نویس ہین۔

پھر بھی پاپائیت اپنے پرانے حق سے جد و جہد کیے بغیر دست بردار نہ ہوئی۔ نئے فن کے اُن نتایج پر جو قضائے مبرم کی طرح ٹل نہ سکتے تھے جب اس کی نظر پڑی تو ایک نظارۃ المطبوعات قایم کر دیا گیا جس کی تحریج کی سختی سے مکتوبات و جراید کے روکنے کی کوشش کی گئی۔ کتاب چھاپنے کے لیے قسیسی نظارت سے اجازت لینی پڑتی تھی۔ اور اجازت نامہ اُس وقت ملتا تھا جب پادری صاحب کتاب کو بالاستیعاب دیکھ کر اُس کی نسبت اظہار پسندیدگی فرماتے تھے۔ اور اس کے صحیح العقاید ہونے کی تصدیق کرتے تھے۔ سنہ ۱۵۰۱ء مین پاپائے الگزینڈر سادس نے ایک فرمان جاری کیا جس کی رو سے وہ اہل مطابع کلیسا سے خارج قرار دئے گئے جو باطل عقاید شایع کرین۔

۱۵۰۱ء میں لیٹرن کونسل نے حکم دیا کہ بجز اُس کتاب کے جس کا تحریری معائنہ ناظرین کلیسا کر چکے ہوں اور کوئی کتاب شایع نہ کی جاے ورنہ شایع کرنے والے کو کلیسا سے خارج کیا جائیگا اور اُس کو جرمانہ کی سزا بھی دی جاے گی۔ نظارت مطبوعات کے عہدہ داروں کو حکم تھا کہ اس بات کی نہایت احتیاط رکھیں کہ کوئی تحریر ایسی نہ چھپنے پاے جو عقاید راسخہ وصحیحہ کے خلاف ہو۔ اس تعقید کی تہ میں یہ اندیشہ مضمر تھا کہ ممکن ہے کہ مذہبی مناظرہ چھڑ جاے اور سچی بات جو اب تک چھپی ہوئی تھی ظاہر ہوجاے۔

لیکن جہالت کی طاقتوں کی یہ مجنونانہ جدوجہد بیکار ثابت ہوئی۔ لوگوں میں دماغی وعقلی راہ ورسم مضبوطی کے ساتھ قایم ہوگئی۔ اس راہ ورسم نے رفتہ رفتہ ترقی کرکے زمانہ حال کے اخبار کی صورت اختیار کرلی جو ہر روز دنیا کے ہر حصہ کی تازہ ترین خبریں شایع کرتا ہے۔ مطالعہ ایک عام شغل ہوگیا اور یہ وہ نعمت تھی جس سے قدیم الایام میں بہت کم لوگ بہرہ ور تھے زمانہ حال کے تمدن کی بعض نہایت ہی نمایاں خصوصیات کا راز اسی شوق کتب بینی ومطالعہ اخبارات میں پوشیدہ ہے۔

غرض کاغذ کی ساخت اور چھاپے کے استعمال نے یورپ کے تمدن میں ایک بہت بڑا انقلاب پیدا کردیا۔ علی ہذا القیاس آلات جہاز رانی میں کمپاس یعنی قطب نما کا اضافہ بڑے بڑے مادی واخلاقی نتایج کا باعث ہوا۔ ہندوستانی تجارت نے اہل وینس اور اہل جنوا کو ایک دوسرے کا رقیب بناکر امریکہ کی تحقیقات کرائی۔ ڈی گاما نے افریقہ کا چکر کاٹا اور میگیلن نے زمین کے گرداگرد جہاز رانی کی۔ سفر موخر الذکر پر جو انسان کا سب سے زیادہ عظیم الشان کارنامہ ہے نظر ڈالتے ہوئے ہمیں اس امر کی طرف سے خالی الذہن نہ ہونا چاہیے کہ کیتھولک مذہب نے قطعی طور پر بلا گنجایش تردید یہ عقیدہ اختیار کرلیا تھا کہ زمین چپٹی ہے۔ آسمان بہشت کا صحن ہے اور دوزخ دنیا سے سافل میں ہے۔ بعض پادریوں نے جن کے اجتہاد میں بوجہ اُن کی جلالت قدر کے کسی کو دم مارنے کی مجال نہ تھی شکل زمین کی کرویت کے ابطال میں فلسفیانہ

اور مذہبی دلایل پیش کی تھین چنانچہ اس کا ذکر ہم پیشتر کر بھی چکے ہین - اب یہ بحث دفعۃً ختم ہوگئی اور لوگون کو معلوم ہو گیا کہ کلیسا غلطی پر تھا-

جن تین بڑی سیاحتون کا ہم نے اوپر حوالہ دیا ہے اُن سے ایک فقط یہی اہم نتیجہ نہین نکلا کہ انسطاح شکل زمین کی جس جغرافیائی غلطی مین کلیسا مبتلا تھا - اُس کی اصلاح ہو گئی - کولمبس ڈی گاما اور میگیلن کی روح مغربی یورپ کے تمام اولوالعزم اور باہمت اشخاص مین سرایت کر گئی - لوگون کے معاد و معاش کی غایت الغایات اب تک یہ عقیدہ تھا کہ بادشاہ کے ساتھ وفاداری برتی جاے اور کلیسا کی متابعت کیجائے گویا لوگون کی زندگی کا مقصد اس وقت تک استفادہ نہ تھا بلکہ افادہ تھا - اُن کی محنت کا ثمرہ اپنے لیے نہ تھا بلکہ دوسرون کے لیے تھا - اس عقیدہ کا سیاسی اثر ترقی پذیر ہو کر حروب صلیبیہ کی شکل مین نمودار ہوا - ہزارون لاکھون آدمی اُن لڑائیون مین ہلاک ہوگئے جن سے اُنھین خاک فائدہ نہ پہنچ سکتا تھا اور جن کا نتیجہ بجز حسرت و ناکامی کے اور کچھ نہ نکلا تھا - تجربہ نے ثابت کر دیا کہ ان معرکہ آرائیون کی وجہ سے نفع اگر کسی طبقہ کو ہوا تو پاپاؤن کو ردیالون اور روما کے دوسرے پادریون کو یا وینس کے مالکان جہاز کو لیکن جب اس حقیقت کے چہرے سے پردہ اُٹھا کہ مکسیکو پیرو اور ہندوستان کی دولت ہر اُس شخص کے حصہ مین آسکتی ہے جو ہمت اور جرات رکھتا ہو تو وہ اغراض و مقاصد جنھون نے یورپ کی بے چین اقوام مین بیداری کی روح پھونک رکھی تھی ہوا کے رُخ کی طرح دفعۃً بدل گئے - کارٹیز اور پزارو کی داستان کو ہر شخص ذوق و شوق سے سننے لگا - مذہبی جوش کی جگہ بحری مہمات نے لے لی -

اگر ہم اُس اصول کو الگ کر کے دیکھنا چاہین جو اس زمانہ کے حیرت انگیز تمدنی انقلاب کی تہ مین مضمر تھا تو اس کے پہچاننے مین ہمین ذرا دقت نہ ہوگی - اب تک ہر شخص نے اپنی خدمات اپنے دینوی یا دینی آقا کے لیے وقف کر رکھی تھین - لیکن اب سے اُس نے قصد کر لیا کہ اپنی محنت کے ثمرہ سے خود تمتع حاصل کرے - تشخص جس سے مراد انفرادی عصبیت ہے

غلبہ پا رہا تھا اور ایثار مٹ کر خیال محض رہ چلا تھا۔ اس تمہید کے بعد ہم کو آسانی سے معلوم ہو جائے گا کہ کلیسا پر کیا بیت رہی تھی۔

تشخص کا انحصار اس اصول پر ہے کہ ہر شخص اپنا آقا آپ ہے اور اسکو آزادی حاصل ہونی چاہیئے کہ جو راے چاہے قایم کرے اور اپنے ارادہ کو جس وقت چاہے عمل مین لائے اس اصول کے لحاظ سے اُسے ہر وقت اپنے ابناے جنس کے ساتھ سرگرم مسابقت رہنا پڑتا ہے گویا اس کی زندگی قوت عملی کا ذریعۂ اظہار ہے۔

یورپ کے صدیون کے جمود کو حرکت مین بدل دینا۔ اس جسم مین جو اب تک غیر متحرک تھا یک بیک بیداری کی روح پھونکنا اور اصول تشخص کو اس کی غایت الغایات بنا دینا اُن اثرات واقتدارات کی مخالفت قوتون کو اس کے مقابلہ مین لاکھڑا کرنا تھا جو اب تک اسے پامال کر رہی تھین۔ چودھوین اور پندرھوین صدیون مین وہ اضطراب آمیز کشمکش برابر جاری رہی جو آنے والے معرکۂ عظیم کا پتہ دیتی تھی۔ سولھوین صدی کے شروع (۱۵۱۷ء) مین یہ معرکہ شروع ہو گیا۔ اصول تشخص مجسم ہو کر جرمنی کے ایک دبنگ راہب کی صورت مین نمودار ہوا اور اس لحاظ سے بمصداق کل اناء یترشح بما فیہ شاید ضرور تھا کہ وہ اپنی حق طلبی دینی شکل مین کرے۔ پہلے تو تذکرۂ اعتراض اور بعض چھوٹے چھوٹے معاملات پر ایک آدھ پکڑ حریفون مین ہوئی لیکن لڑائی کا اصلی سبب بہت جلد ظاہر ہو گیا۔ یعنی مارٹن لوتھر نے اپنے تسیسی بالا دستون سے جو روما مین بیٹھے بیٹھے تمام مسیحی دنیا کے عقاید کے اجارہ دار بنے ہوے تھے صاف کہدیا کہ مین تمہارے اجتہاد کا پابند نہین ہون۔ بائبل کی تاویل وتفسیر کے متعلق مجھے بھی آزادی راے کا وہ حق حاصل ہے جس مین کوئی شخص دست اندازی نہین کر سکتا۔

اول اول روما نے مارٹن لوتھر کو ایک جاہل نافرمانبردار اور جھگڑالو پادری سے زیادہ نہ سمجھا اور اگر "انکوزیشن" کا قابو چلتا تو اُس کا کام چٹکی بجاتے مین تمام کر دیا گیا ہوتا۔ لیکن جنگ

جون جون طول کھینچتی گئی یہ معلوم ہوتا چلا کہ لوتھر اکیلا نہین ہے بلکہ اُس کی پشت پر ہزارہا صمیم العزم اشخاص موجود ہین جو اس کے قلم کے حملون کی تائید اپنی تلوار کی ضربون سے کر رہے ہین۔

لوتھر کو روما نے جس جس طرح سے کوسا ہے اور اُس کے اعمال کی جس جس طرح سے تضحیک کی گئی ہے وہ اس درجہ ترش و تلخ ہے کہ سن کر بے اختیار ہنسی آتی ہے۔ مثلاً مقدس نکتہ چینون نے ارشاد فرمایا ہے کہ "لوتھر کا باپ اُس کی ماں کا خاوند نہین تھا بلکہ ایک خبیث جن تھا جو اُس کی ماں کا آشنا تھا۔ لوتھر دس سال تک ایمان و کفر کی دو گونہ چوگان کی گیند بنا رہا اور آخر مین دہریہ ہو گیا۔ وہ بقاے روح کا منکر تھا۔ شراب اس کی گھٹی مین پڑی تھی اور اسی لیے اُس نے شراب خواری کی تعریف مین نظمین تصنیف کین وہ کتب مقدسہ کی توہین کرتا تھا۔ خصوصاً حضرت موسیٰ کی شان مین کلمات اہانت آمیز استعمال کرنے کا عادی تھا۔ جو وعظ کرتا تھا اُس کے ایک لفظ کو بھی دل مین سچ نہ سمجھتا تھا۔ سینٹ جیمس کے خط کی نسبت اُس کا یہ قول تھا کہ اُس کی قدر پرکاہ سے زیادہ نہین۔ واقعہ اصلاح کنیسہ کو اُس سے کوئی تعلق نہین بلکہ اس کے ظہور کا باعث ستارون کی نحوست ہے[1]" لیکن رومن کیتھولک پادریون کی زبان پر باوجود اُس کو کبھی نحوست کے جو اصلاح کی ذمہ دار قرار دی گئی ہے یہ ناتراشیدہ اور سوقیانہ فقرہ چڑھا ہوا تھا کہ ارسمس نے اصلاح کا انڈا دیا اور لوتھر اسے سینے بیٹھ گیا۔

روما نے غلطی سے یہ سمجھ لیا کہ واقعہ اصلاح بعض شوریدہ سر پادریون کا ایک عارضی تمرد تھا۔ اُس نے یہ نہ دیکھا کہ یہ انقلاب اُس اندرونی تحریک کی انتہائی شکل تھا جو دو صدیون سے یورپ مین ہو رہی تھی اور جس کی طاقت لمحہ بہ لمحہ بڑھ رہی تھی اُسکو یہ نہ سوجھا کہ اگر انقلاب کی اور کوئی وجہ تحریک نہ بھی ہوتی تاہم لوگون کو ذاتی غور و فکر اور ذاتی اجتہاد پر مجبور کرنے کے لیے ایک اکیلا یہ واقعہ کیا کم تھا کہ تین پاپا ایک وقت مین موجود ہون اور تینون کی

[1] کرد کہ نیا نت۔ لوتھر نے ارسطو کو جو گالیان دی تھین یہ اُس کا بدلہ ہے۔ مترجم

فرمان برداری لوگون پر واجب ہو۔ کانسٹنس اور بیسل کی مجالس سنے ثابت کردیا کہ ایک قوت
ایسی بھی موجود ہے جسے پاپاؤن کی قوت پر بھی فضیلت حاصل ہے۔ اس کے بعد جو دیرپا
اور خونریز ہنگامے واقع ہوے ان کا خاتمہ عہدنامہ وسٹیفیلیا نے کردیا۔ لیکن اس کے ساتھ
ہی یہ حقیقت بھی آشکارا ہوگئی کہ وسطی وشمالی یورپ سنے روما کے عقلی جبر کا جوا اپنے کندھے
سے اتار پھینکا ہے اصول تشخص سنے میدان مارلیا ہے اور ہر شخص کا یہ حق مسلم قرار پاچکا ہے
کہ وہ اپنا مجتہد آپ ہے۔

لیکن ناممکن تھا کہ اجتہاد شخصی کے اس حق کے استقرار کا نتیجہ صرف اسی قدر تکل کر رہ جائے
کہ لوگ کیتھولک مذہب کے منکر ہوجائین۔ آغاز اصلاح کے وقت جب بعض ممتاز ومعبر
برآوردہ اشخاص مثلاً اراسمس نے جس کا شمار بانیان اصلاح مین ہے اسے ترک کیا تو انہین
معلوم ہوا کہ اکثر پیشوایان اصلاح کو علم سے سخت نفرت ہے۔ ایسے پیشواؤن کے اقتدار
کرنے کا مطلب یہ تھا کہ جہالت وتعصب کی گرم بازاری ہو۔ ایسی حالت مین ضرور تھا کہ پراٹسٹنٹ
مذہب بھی تفرقہ واعتزال کی اُن قوتون کا تختہ مشق بنے جو اس کے وجود مین آنے کی
محرک ہوئی تھین اس کا مختلف فرقون مین تقسیم ہوجانا ایک لازمی بات تھی۔ ان فرقون کو
جب اپنے مہیب اطالوی حریف کی طرف سے کھٹکا نہ رہا تو ان مین خانہ جنگی شروع ہوگئی
مختلف ممالک مین جب ایک پراٹسٹنٹ فرقہ برسراقتدار ہوا تو اس نے اپنے ساتھیون کے
خون مین بلاتامل اپنے ہاتھ رنگ ڈالے۔ لیکن جب امتداد روزگار نے ستم رسیدون کو
ستم گارون پر غالب کردیا اور انھون نے اپنی مظلومیت کی تلافی کینہ وانتقام سے کی تو فریقین
نے اپنی خیر اسی مین دیکھی کہ ایک فرقہ جو حقوق اپنے لیے طلب کرتا ہے اُن ہی حقوق
سے دوسرون کو بھی فائدہ اُٹھانے دے۔ غرض ان خونریز ہنگامون اور غرخشون سے وہ
اصول عظیم قایم ہوا جو مسالمت یا رواداری کے نام سے موسوم ہے۔ لیکن مسالمت پھر بھی
ایک درمیانی درجہ ہے جون جون پراٹسٹنٹ مذہب کا عقلی انحلال وانفکاک ہوتا جائیگا

یہ درمیانی درجہ ترقی پذیر ہوکر اُس مترقبہ حالت مین تبدیل ہوتا جائے گا جو دُنیا مین ہمیشہ سے فلسفہ کا نصب العین رہی ہے یعنی وہ تمدنی حالت جس مین ہر شخص کو خیال کی کامل آزادی حاصل ہو بجز اُن لوگون کے جو اصول مسالمت پر خوف یا دباؤ کی وجہ سے کاربند ہون اس اصول کے پابند وہی لوگ ہوسکتے ہین جو دوسرون کی آرا و عقاید کو وقعت کی نظر سے دیکھنے اور تسلیم کرنے کی قابلیت رکھتے ہون پس ظاہر ہے کہ اس اصول کا ماخذ صرف فلسفہ ہی ہوسکتا ہے[۱]۔ تاریخ گواہ ہے کہ مذہب سے تعصب کو تقویت پہنچتی ہے[۲]۔ اور فلسفہ اس کا ردعمل یا استیصال کرتا ہے۔

اصلاح کنیسہ کا علانیہ مقصد یہ تھا کہ قسطنطین اور اُس کے جانشینون نے مسیحیت اور سلطنت، و نیز کلیسا و حکومت کے مابین جو کچھ اختلاف اور ناموافقت تھی، اُس کو مٹا کر اُن مین موافقت و مصالحت پیدا کرنے کی نیت سے بت پرستی کے جن

[۱] اس اصول کا ماخذ مذہب بھی ہوسکتا ہے۔ بشرطیکہ اُس مذہب کی تعلیم یہ ہو کہ "لکم دینکم ولی دین" "لا اکراہ فی الدین"۔ مترجم

[۲] لیکن ایک مذہب ایسا بھی ہے جس کے پیشوا نے تعصب سے ان تاریخی الفاظ مین بیزاری ظاہر کی ہے۔ لیس منا من دعا الی عصبیۃ ولیس منا من قاتل عصبیۃ ولیس منا من مات علی عصبیۃ (الشیخ یحیی دلیلم)۔ لسان الہند مولانا الطاف حسین حالی نے اپنی یادگار زمانہ مسدس مین حضور سرورِ کائنات صلعم کے اس ارشاد پاک کا ترجمہ یون کیا ہے۔

ڈرایا تعصب سے اُن کو یہ کہہ کر   کہ زندہ رہا اور مرا جو اسی پر
ہوا وہ ہماری جماعت سے باہر   وہ ساتھی ہمارا نہ ہم اُس کے یاور
نہین حق سے کچھ اُس محبت کو بہرا
کہ جو تم کو اندھا کرے اور بہرا

تاریخ اسلام پر اگر نظر ڈالی جائے گی تو معلوم ہوگا کہ مسلمانون نے عام طور سے اپنے ہادی برحق کے اس ارشاد مقدس کو اپنے سیاسی و عقلی دستور العمل کا اصل الاصول قرار دے رکھا ہے۔ مترجم

خیالات ورسوم کو مسیحیت مین داخل کردیا تھا۔ وہ اُس سے خارج کردے جائین۔ پراٹسٹنٹ جماعت یہ چاہتی تھی کہ مذہب عیسوی مین قرون اولیٰ کی پاکیزگی اور نزاہت کی شان ازسرنو پیدا کردی جاسئے۔ یہی وجہ تھی کہ قدیم عقاید کی بحالی کے ساتھ ساتھ اُنھون نے وہ تمام رسمین ترک کردین جن مین بت پرستی کا شائبہ بھی پایا جاتا مثلاً مریم عذرا کی پرستش موقوف ہوگئی۔ اولیاسے مرادین مانگنے کا طریقہ جاتا رہا۔ انجیلیین یعنی اصلاح یافتہ کلیسا کی پیشوا ہمین یقین دلاتے ہین کہ مریم عذرا نے زواجی زندگی کے فرائض اختیار کرلیے تھے اور اپنے شوہر کے ساتھ رہتی تھین، چنانچہ اُن کے بطن سے کئی ایک اولادین بھی ہوئین لیکن بت پرستی کی اشاعت کے ساتھ یہ خیال کہ آپ یوسف نجار کی بیوی تھین دلون سے محو ہوگیا اور آپ ملکۂ آسمان اور خدا کی ماں بن گئین۔

عربون کے ادب کی طرح جس نے مسیحی دنیا پر جنوبی فرانس اور سسلی کی راہ سے پیش قدمی کی تھی اُن کا سائنس بھی انھین دونون رستون سے یورپ مین داخل ہوا۔ پاپاؤن کو تو دیس نکالا مل ہی چکا تھا اور وہ بجاے روما کے اویناں مین مقیم تھے۔ اس کے علاوہ اعتزال عظیم یعنی پاپائیت کی تفرقی کا واقعہ بھی برسر تائید تھا لہذا اسلامی سائنس کے قدم شمالی اٹلی مین مضبوطی سے جم گئے۔ فلسفہ مشائیہ نے اُس خلعت سے آراستہ ہوکر جو ابن رشد نے اس کے لیے تیار کیا تھا بہت سے خفیہ اور علانیہ پیرو پیدا کرلیئے ایسے لوگون کی تعداد کم نہ تھی جو اس فلسفہ کا خیر مقدم نہایت تپاک سے کرنے اور اس کے مسائل کو نظر استحسان دیکھنے کے لیے تیار تھے۔ لیونارڈ وڈاونسی کا شمار اسی جماعت مین ہے۔ وہ اس اصول موضوعہ کا بانی ہے کہ سائنس مین استدلال بجز تجربہ اور مشاہدہ کے معتبر اور مفید یقین نہین ہوسکتا۔ حقایق قدرت پر صحیح روشنی صرف تجربہ ہی ڈال سکتا ہے اور قوانین قدرت کی دریافت کے لیے تجربہ کا ہونا لازمی ہے۔ ڈاونسی نے ثابت کیا کہ ایک نقطے پر دو عمودی قوتون کا عمل کسی مستطیل کے خط الزاویہ کے عمل کے مشابہ ہوتا ہے جس کی اضلاع

ان قوتون کو ظاہر کرتے ہین ایس اصول کے معلوم ہونے کے بعد غیر مستقیم قوتون کے
مسئلہ کا حل ہونا بہت آسان ہوگیا - اس مسئلہ پر ایک صدی بعد اسٹیونیس نے از سر نو روشنی
ڈالی اور قوتِ جر ثقیل کی تشریح کے متعلق اس سے کام لیا - ڈاونسی نے بہیرم پر قوت
کے بخط غیر مستقیم صرف کیے جانے کے مسئلہ کی بخوبی توضیح کی - رگڑ کے قوانین جن کا علمی
ثبوت آگے چلکر اما کنٹس نے دیا اُسی کے دریافت کیے ہوئے ہین - اصول حقیقت سرعت
رفتار کی ماہیت سے وہ بخوبی واقف تھا - سطوح مائل اور قوس ہاے مدور پر اجسام کے نزول
کی شرائط پر اُس نے مفصل بحث کی ہے عکسی تصویر کھینچنے کا کیمرا اُسی کی ایجاد سے ہے
علم ترکیب اجسام حیوانات و نباتات کے متعدد مسائل کی نسبت اُس نے صحیح خیالات ظاہر
کیے ہین - طبقات الارض کے جدید علم کے بعض مہمات المسائل مثلاً آثار متحجرات کی نوعیت
اور برّ ہاے اعظم کے ارتفاع کی نسبت جو امور اُس نے بیان کیے ہین اُن کی تجربے نے
آج تصدیق کر دی ہے اُس نے اس مسئلہ کی تشریح کی ہے کہ چاند کی روشنی زمین کے نور
کا عکس ہے - یہ جامع حیثیات شخص جس کی قابلیتون مین حیرت انگیز تنوع کی شان نظر
آتی ہے - فنون سنگ تراشی و صناعی و انجینیری مین بھی یدطولیٰ رکھتا تھا اور اپنے زمانے
کے فن ہیئت فن تشریح ابدان اور فن کیمیا مین بھی اُسے دستگاہ کامل حاصل تھی نقاشی
مین وہ میکائیل انجیلو کا مد مقابل تھا - اور جب ایک دفعہ ان مین مسابقت ہوئی تو تفوق
کا سہرا اسی کے سر رہا - سنٹا میریا ڈل گریزی کی ڈامینیکن خانقاہ کے نعمت خانہ کی دیوار
پر اُس کا جو مرقع موسوم بہ " عشاے اخیر " موجود ہے - اُس نے بہت بڑی شہرت پائی
ہے اور مصورون نے اس کی بیسیون نقلین اتاری ہین -

شمالی اٹلی مین جب ایک دفعہ سائنس کے قدم مضبوطی سے جم گئے تو بہت جلد
کل جزیرہ نما مین اس کا اثر پھیل گیا اس کے پرستش کرنیوالون کی روزافزون تعداد کا پتہ اُن
علمی مجلسون سے چلتا ہے جو بہ کثرت قایم ہوتی جاتی ہین اور جلد جلد ترقی کر رہی ہین -

یہ مجلسین اُن اسلامی مجالس کا چربہ تھین جو بزمانہ سابق غرناطہ و قرطبہ مین موجود رہ چکی تھین اسلامی تمدن نے جس رستہ پر اپنے نقش قدم چھوڑے تھے اُس پر گویا مسافر کی یادگار قایم کرنے کی غرض سے ۱۳۴۵ء مین ٹولوز کی اکاڈمی کی بنا ڈالی گئی۔ جو آج کے دن تک قایم ہے لیکن یہ اکادمی جنوبی فرانس کے دل خوش کن لٹریچر ہی کا مرکز تھی اور اس کا نام اسی مناسبت سے "دی اکاڈمی آف فلورل گیمز" (چمنستان آزمائی) رکھا گیا تھا۔ علم طبیعیات کو ترقی دینے کی غرض سے پہلی علمی مجلس کی بنا نیپلز مین بپٹسٹا پورٹا نے ڈالی۔ ترابوشی کا بیان ہے کہ حکام کلیسا نے اس مجلس کو بند کردیا۔ اس کے بعد پرنس فریڈرک سیسی نے روما مین ایک مجلس بنام "لنسئی" (فہدیہ) قایم کی۔ اس مجلس کا مقصد اس کے نشان ہی سے ظاہر تھا یعنی ایک سیاہ گوش آسمان کی طرف مُنہ اُٹھائے اپنے پنجون سے ایک تین سروالے "سربرس"[۱] کو نوچ رہا ہے۔ فلارنس کی اکاڈمی ۱۶۵۷ء مین قایم ہوئی اس کے ارکان کا اجلاس فرمانروائے فلارنس کے محل مین ہوا کرتا تھا دس سال تک یہ مجلس قایم رہی اس کے بعد پاپائی حکومت کے ایما سے اس کا خاتمہ کردیا گیا۔ اور اس علم کشی کے معاوضہ مین فرمانروائے فلارنس کا بھائی کردینال بنادیا گیا۔ بڑے بڑے مشاہیر مثلاً بارسیلی اور کیسٹیلی اس مجلس کے رکن تھے داخلہ کی شرط یہ تھی کہ ایمان و مذہب کو ترک کردیا جائے اور تحقیق حق کا عزم کرلیا جائے ان مجالس نے حامیان علم کو اُس کُنج خلوت سے جس مین وہ اب تک رہتے چلے آئے تھے نکال کر آپس مین ملادیا اور ان کو تبادلہ خیالات اور اتفاق باہمی کا موقع دیکر ترقی علوم و فنون مین بہت بڑا حصہ لیا۔

سائنس کا عقلی اثر

تاریخی بحث کہ سائنس بر اعظم یورپ مین کیون کر داخل ہوا یہ مین بطور جملہ

[۱] یونانی علم الاصنام مین اس کتے کا نام ہے جو جہنم کی دربانی کی خدمت پر طبقہ سافل کے دیوتا پلوٹو کی طرف سے مامور ہے۔ مترجم۔

معترضہ آگئی تھی۔ اب ہم اس ذیلی بحث کو چھوڑ کر اصل مضمون یعنی سائنس کے طرزِ عمل اور نتائج کی طرف متوجہ ہوتے ہین۔

تمدن جدید پر سائنس نے دو پہلوؤن سے اثر ڈالا ہے۔ (۱) علمی و (۲) اقتصادی ان عنوانات کی ذیل مین اس اثر پر بآسانی بحث کی جاسکتی ہے۔

سائنس کا عقلی اثر یہ ہوا کہ روایت کا اقتدار بالکل زایل ہوگیا۔ کسی اُستاد کے دعوے بلا دلیل کو خواہ اُس کا نام کیسا ہی بڑا کیون نہ ہو اور کیسی ہی تعظیم سے کیون نہ لیا جاتا ہو اس نے تسلیم کرنے سے انکار کردیا۔ فلارنس کی علمی مجلس نے اپنے ارکان کے لیے داخلہ کی جو شرایط مقرر کی تھین اور لندن کی شاہی سوسائٹی نے جو مقولہ اپنی علمی علامت کے طور پر اختیار کیا اُس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ روایت کی سائنس کے نظرون مین کہان تک وقعت ہے۔

طبیعی مباحث مین سائنس نے فوق القدرت اور خارق عادت امور کو بطور شہادت تسلیم کرنے سے ابا کیا۔ شگون یا آسمانی نشان کے ثبوت کو جس کا قدیم الایام مین یہودیون کے ہان رواج تھا اس نے ترک کردیا اور ایک واقعہ کے ثبوت کو دوسرے واقعہ غیر متعلقہ کا ثبوت مان لینے سے انکار کردیا۔ اس طور پر وہ منطق جو صدہا سال سے رایج چلی آتی تھی باطل ہوگئی۔

طبیعی تحقیقات مین سائنس کا طرزِ عمل یہ تھا کہ کسی مفروضہ قیاس کی تنقید کی غرض سے اول کسی صورت خاص کو پیش نظر رکھ کر اس قیاس کی بنا پر اندازہ قایم کیا جاتا تھا اور اُس کے بعد تجربہ یا مشاہدہ کرکے تحقیق کرلیا جاتا تھا کہ اس تجربہ یا مشاہدہ کا نتیجہ اندازہ قایم نمودہ کے نتیجہ سے مطابقت رکھتا ہے یا نہین اگر مطابقت نہ پائی جاتی تھی تو وہ قیاس رد کردیا جاتا تھا۔

اس طرزِ عمل کی ایک دو مثالین ہم یہان درج کرتے ہین۔

نیوٹن کو یہ خیال پیدا ہوا کہ ممکن ہے کہ کشش زمین یعنی کشش ثقل کی حدِ عمل چاند

تک ہوا اور یہی وہ قوت ہو جو اُسے زمین کے گرد گھومنے پر مجبور کرتی ہے۔ اس قیاس کی بنا پر جب اُس نے حساب لگایا تو نتیجہ یہ نکلا کہ جرم قمر اپنے مدار پر حرکت کرتے ہوئے خط المماسہ سے ایک دقیقہ میں بقدر تیرہ فٹ کے منحرف ہوتا ہے۔ لیکن اُس مسافت کا اندازہ لگانے سے جو اجسام سطح زمین پر گرتے وقت ایک دقیقہ میں طے کرتے ہیں اور اس مسافت کو مربع معکوس کی نسبت سے گھٹا ہوا فرض کرنے سے معلوم ہوا کہ مدار قمر پر جو کشش ہو گی وہ اجسام کو پندرہ فٹ سے بھی زیادہ کھینچے گی۔ غرض اُس وقت نیوٹن نے یہی سمجھا کہ اُس کا قیاس صحیح نہیں ہے۔ لیکن اتفاق سے کچھ مدت کے بعد ایک درجہ ارضی کی پیمایش زیادہ صحت کے ساتھ کی گئی۔ اس پیمایش نے زمین کے اندازۂ جسامت اور فاصلہ قمر کو جو کرۂ ارض کے نصف قطر کی بنا پر نا پا گیا تھا متغیر کر دیا۔ نیوٹن نے اب اپنا تخمینہ از سر نو شروع کیا اور جیسا کہ ہم پیشتر بیان کر چکے ہیں یہ تخمینہ جب قریب بہ اختتام ہوا تو یہ دیکھ کر کہ مترقبہ مطابقت ظاہر ہونے کے قریب ہے وہ ایسا گھبرایا کہ حسابی عمل ختم کرنے کے لیے اُسے مجبوراً اپنے ایک دوست سے فرمایش کرنی پڑی۔ اب وہی قیاس بدلایل قاطع ثابت ہو گیا۔

ایک اور مثال طریقہ زیر بحث کو کافی طور پر واضح کر دے گی۔ یہ مثال اُس مسئلہ کیمیاوی سے متعلق ہے جو "فلوجسٹن" (جوہر حرارت) کے نام سے موسوم ہے۔ آستال نے جو اس مسئلہ کا موجد تھا یہ دعویٰ کیا کہ قابلیت اضطرام یا سوزندگی کا ایک ایسا عنصر کائنات میں موجود ہے جس میں اجسام کے ساتھ اتصال پیدا کرنے کا خاصہ پایا جاتا ہے۔ اُس عنصر کا نام اُس نے "فلوجسٹن" رکھا تھا۔ آستال کا قول تھا کہ وہ شے جسے فلزاتی اکسید کہا جاتا ہے جب اس عنصر کے ساتھ ملتی ہے تو فلز یعنی دھات پیدا ہوتی ہے لیکن اگر "فلوجسٹن" نکال لی جائے تو دھات اپنی اصلی خاکی صورت یعنی اکسیدی حالت میں بدل جائے گی۔ اس اصول کی رو سے گویا فلزات اجسام مرکب یعنی مٹیاں ہیں جن میں "فلوجسٹن" ملی ہوئی ہے۔

لیکن اٹھارہوین صدی، مین کیمیاوی تحقیقات کے آلات پر کانٹے کا اضافہ کیا گیا۔ اب کیمیا دان آسانی سے حکم لگانے کے قابل ہو گئے کہ فلوجسٹن والا اصول صحیح ہے یا نہین اس لیے کہ اگر یہ اصول صحیح ہو تو دہات بمقابلہ اپنے اکسید کے بھاری ہونی چاہیے کیونکہ اول الذکر مین ایک جزو یعنی "فلوسٹن" ایسا موجود ہے جو ثانی الذکر مین شامل کیا گیا ہے۔ لیکن جب کسی دہات کا کوئی حصہ وزن کیا جاتا ہے اور وہ اکسید بھی تولی جاتی ہے جو اس سے نکلتی ہے تو اکسید بھاری ثابت ہوتی ہے۔ اور یہان آکر مسئلہ "فلوجسٹن" غلط ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازین اگر اس تحقیقات کو جاری رکھا جاے تو ثابت کیا جا سکتا ہے کہ اکسید یا کلس جو اس کا ابتدائی نام تھا ہوا کے ایک جزو کے شمول کی وجہ سے اور بھی زیادہ بھاری ہو جاتی ہے۔

یہ تجربہ علی العموم لیوازیر سے منسوب کیا جاتا ہے لیکن یہ واقعہ کہ فلزات کا وزن تکلیس سے بڑھ جاتا ہے لیوازیر کے زمانہ سے بہت پہلے بعض یورپین کیمیا دانون کے تجربہ سے پایہ تحقیق کو پہنچ چکا تھا بلکہ اس کی حقیقت مسلمان کیمیا دانون کو پہلے ہی سے اچھی طرح معلوم تھی۔ البتہ لیوازیر پہلا وہ شخص تھا جس نے اس مسئلہ کی اہمیت کا صحیح صحیح اندازہ کیا اور اُس کے ہاتھون اس نے علم کیمیا مین ایک انقلاب پیدا کر دیا۔

"فلوجسٹن" والے قیاس کا ترک کیا جانا اس حقیقت کی ایک بین مثال ہے کہ علمی مفروضات و قیاسات اگر واقعات سے مطابق نہ ہون تو وہ کس آمادگی سے رد کر دئے جاتے ہین۔ یہ وہ کوچہ ہے جس مین سند و روایت کا گزر نہین۔ یہان ہر معاملہ مین استمداد جواب قدرت سے کیا جاتا ہے اور یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ علمی استفسار کا جو جواب قدرت دے گی وہ ہمیشہ صحیح ہو گا۔

اب اگر اُن فلسفیانہ اصولون کا جن پر سائنس کی ترقی منحصر تھی اُن اصولون کے ساتھ مقابلہ کیا جاے جن پر قسیسیت کا دار و مدار تھا تو معلوم ہو گا کہ سائنس درایت کا دامن

گرفتہ تھا تو مذہب روایت کا سائنس نے اندازہ و مشاہدہ کے توافق یا عقل اور واقعہ کے تطابق پر زور دیا تو مذہب نے اسرار و اوہام پر سائنس نے اپنے قیاسات کو حسب مطابق حقایق فطرت نہ پایا تو بلا تامل رد کر دیا۔ لیکن مذہب نے کورانہ تقلید سے کام لے کر ان عقاید کی رکاب تھام لی جو نا قابل فہم اور برتر از عقل تھے دونوں کا تفرقہ برابر بڑھتا چلا گیا۔ ایک طرف سے حقارت ظاہر ہونے لگی تو دوسری طرف سے نفرت۔ جن لوگوں نے چشم انصاف کھلی رکھ کر ان دونوں حریفوں کی زور آزمائی کا تماشا دیکھا انہیں معترف ہونا پڑا کہ سائنس جلد جلد قسیسیت کی بیخ کنی کر رہا ہے۔

اس طور پر فن ریاضی تحقیقات علمی کا بہت بڑا آلہ بن گیا بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ یہ فن علمی استدلال کا آلہ بن گیا۔ ایک اعتبار سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس نے دماغ کے عمل کو حرکت اضطراری کی شکل میں بدل دیا اس لیے کہ اسکی علامات اکثر و بیشتر فکر و غور کی قایم مقام ہو گئیں۔ تحکم و تدقیق استدلال کی عادت جس نے اس کے فیض سے نشو و نما پایا دوسرے علوم و فنون میں بھی داخل ہو گئی جس کی وجہ سے دنیا میں ایک عقلی انقلاب پیدا ہو گیا۔ اب یہ ممکن نہ تھا کہ معجزات و کرامات کے ثبوت سے لوگوں کی تشفی ہو سکے یا وہ منطق ذریعہ تسکین ہو سکے جس پر ازمنہ وسطی میں عقل انسانی بھروسا کرتی تھی۔ ریاضی نے نہ صرف طریقہ خیال بلکہ رجحان خیال میں بھی تبدیلی پیدا کر دی۔ چنانچہ ان مضامین کا جن پر مختلف علمی مجلسیں اور انجمنیں اس زمانہ میں بحث کرنے لگیں اگر ازمنہ وسطی کے مباحث سے مقابلہ کر کے دیکھا جائے تو زمین آسمان کا فرق نظر آتا ہے۔

لیکن ریاضی کا فائدہ قیاسات و نظریات کی تصدیق و توثیق تک ہی محدود نہ تھا۔ جیسا کہ اوپر ظاہر کیا جا چکا ہے اس کے ذریعہ سے ان حقائق کی نسبت پیشین گوئی بھی ہونے لگی۔ جو ابھی تک نامعلوم تھیں۔ اس لحاظ سے گویا اسے قسیسیت کی پیشین گوئیوں کا جواب سمجھنا چاہیے۔ فن ہیئت نے اسی طرح سے سیارۂ نیپچون کا انکشاف کیا اور فن

مناظر و مرایا کے مسئلہ ارتعاش نور کے صغریٰ و کبریٰ سے وہ نتیجہ برآمد ہوا جو شعاع نور کے انعطاف مخروطی کے نام سے موسوم ہے۔

اودھر تو ریاضی کی بدولت علوم طبیعی مین یہ حیرت انگیز ترقی ہو رہی تھی۔ ادہر خود یہ فن مدارج ارتقا طے کر رہا تھا۔ ہم ذیل مین اجمالی طور پر اس ارتقا کی کیفیت قلم بند کرتے ہین۔

فن الجبرا کے ابتدائی جراثیم اسکندریہ کے مہندس ڈایوفنٹس کی تصانیف مین نظر آتے ہین۔ اس کا زمانہ دوسری صدی عیسوی بیان کیا جاتا ہے سابق مین اقلیدس نے دار العلم اسکندریہ ہی مین علم ہندسہ کی عظیم الشان حقیقتین منطقیانہ ترتیب کے ساتھ جمع کی تھین۔ سائراکیوز مین ارشمیدس نے علم ہندسہ کے اعلیٰ مسایل کو استقصا کے عمل کے ذریعہ سے حل کرنے کی کوشش کی تھی علمی رجحان کی یہ کیفیت تھی کہ اگر علوم و فنون کی سرپرستی جاری رہتی تو الجبرا کبھی کا ایجاد ہو گیا ہوتا۔

ساری فن الجبرا کی معلومات کے لیے ہم عربون کے رہین منت ہین۔ ریاضی کی اس شاخ کا نام تک اُنھین کا رکھا ہوا ہے۔ دار العلم اسکندریہ سے اس فن کے جو بچے کھچے اجزا اُن تک پہنچے تھے اُن مین اُنہون نے اُس معلومات کا اضافہ کیا جو ہندوستان سے حاصل کی گئی تھی اور تنسیخ و ترتیب کے بعد اس اصلاح یافتہ مجموعہ کو ایک مستقل فن کی حیثیت سے مدون کیا۔ عربون سے یہ فن تیرہوین صدی کے شروع مین اٹلی پہنچا۔ لیکن اس پر اس قدر کم توجہ کی گئی کہ تین سو سال تک یورپ مین کوئی کتاب اس فن پر نہ لکھی گئی۔ سنہ ۱۴۹۶ء مین پیشیولی نے پہلی مرتبہ ایک کتاب بنام "فن الجبرا" شایع کی۔ سنہ ۱۵۰۱ء مین کارڈن ساکن میلان نے مساوات مکعبہ یعنی تیسرے درجے کی مساوات کے حل کرنے کا طریقہ دریافت کیا۔ سنہ ۱۵۰۵ء مین سیپیو فیریو اور اُس کے بعد ٹارٹیلیا اور ویٹا نے مزید مفید اضافے کیے۔ اب علماے جرمنی نے اس فن پر اپنی توجہ

مبذول کرنی شروع کی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ علامات نویسی ناقص حالت مین تھی۔
۱۶۳۷ء مین ڈیکارٹ کی تصنیف فن ہندسہ پر شایع ہوئی یہ کتاب جس مین اصول الجبرا کا اطلاق خطوط مقوس کی تعریف و تحقیق پر کیا گیا ہے ریاضیات کی تاریخ مین بمنزلہ ایک نئے دور کی تمہید کے ہے۔ اس سے دو سال قبل کویلیری کا رسالہ مقادیر لا یتجزی پر شایع ہو چکا تھا اس طریقے کو فارلیبلی اور بعض دوسرے ریاضی دانون نے ترقی دی۔ اب حساب مقادیر لا متناہی اور نیوٹن کے طریقہ فضلی اور لائبنٹز کے طریقہ حساب جزئیات یعنی حساب تمامی کی ترقی کے لیے رستہ کھل گیا۔ اگرچہ اصول علم الفضل کے نکات کا سرمایہ نیوٹن کے پاس کئی سال سے جمع تھا لیکن اُس نے اس موضوع پر ۱۷۰۴ء تک کوئی تصنیف شایع نہ کی۔ جن ناقص علامات کا استعمال نیوٹن کرتا تھا اُن کی وجہ سے طریقہ فضلی کا عمل موثرہ کارگر نہ ہوتا تھا اس اثنا مین فن الجبرا کو یورپ مین بہت ترقی ہوئی۔ برنولیز کے بھائیون نے اس کے بعض اعلی مسائل کو نہایت خوبصورتی سے حل کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لائبنٹز کا طریقہ حساب عام طور پر تسلیم کر لیا گیا جس مین بہت سے ریاضی دانون نے بہت کچھ اضافے اور اصلاحین کین۔ یہ رفتار ترقی غیر معمولی سرعت کے ساتھ اٹھارھوین صدی مین برابر جاری رہی۔ شکل ذو حدین پر جس کا انکشاف نیوٹن سابق مین کر چکا تھا ٹیلر نے ۱۷۱۵ء مین اپنے مشہور طریقہ اضافات کا اضافہ کیا جو آج تک اُس کے نام سے موسوم ہے۔ یولر نے ۱۷۳۴ء مین حساب اختلافات جزئیہ کا طریقہ رائج کیا۔ ڈالمبرٹ نے اس طریقہ کو اور زیادہ وسعت دی۔ اس کے بعد یولر اور لگرینج نے طریقہ تغیرات کی بنا ڈالی اور ۱۷۷۰ء مین لگرینج نے طریقہ اعمال استخراجی ایجاد کیا۔

لیکن اٹلی۔ جرمنی۔ انگلستان اور فرانس ہی تک ریاضیات کی یہ عظیم الشان تحریک محدود نہ تھی۔ ریاضی کے سر پر جو عقلی تاج رکھا ہوا ہے اس مین اسکاٹلینڈ نے لوگارثم کی ایجاد سے ایک نیا ہیرا جڑ دیا۔ اس عظیم الشان ایجاد کے لحاظ سے

علمی دنیا نیپیئر آف مرچسٹن کی ممنون احسان ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس بے مثل ایجاد کی
علمی اہمیت کا صحیح اندازہ کرنے سے فہم قاصر ہے۔ طبیعیین و ہیئت دانان زمانہ موجودہ
گریشم کالج کے استاد ریاضی پروفیسر برگس کے اس قول پر سچے دل سے صاد کرینگے
کہ "آج تک اس درجہ دل پسند اور حیرت افزا کتاب میرے دیکھنے مین نہین آئی"۔ کپلر
جس کا نام علمی دنیا مین ہمیشہ زندہ رہے گا کہتا ہے اور بجا کہتا ہے کہ "علم کی جس شاخ پر نیپیئر
نے اپنی قابلیتون کو صرف کیا اُس کے لحاظ سے وہ اپنے زمانہ کا سب سے بڑا شخص ہے"
نیپیئر کا انتقال ۱۶۱۷ء مین ہوا۔ اس قول مین ذرا بھی مبالغہ نہین ہے کہ لوگارثم کی ایجاد نے
علماء ہیئت کی محنت گھٹا کر اُن کی عمر دگنی کر دی ہے۔

قلت گنجائش مانع ہے کہ فن ریاضی کی ترقیات پر زیادہ مبسوط بحث کیجائے۔ اس کے
علاوہ ہم ریاضی کی تاریخ نہین لکھ رہے ہین۔ بلکہ اس مسئلہ پر غور کرنا چاہتے ہین کہ سائنس نے
انسانی تمدن کی ترقی مین کیا حصہ لیا۔ اس مقام پر بے اختیار یہ سوال پھر تازہ ہوتا ہے کہ اس کے
کیا معنی ہین کہ کلیسا نے اپنے بارہ سو برس کے خود مختارانہ عہد حکومت مین ایک بھی مہندس
نہین پیدا کیا؟

ریاضی بسیط یا ریاضی مطلق کی نسبت کہا جا سکتا ہے کہ اس کی تحصیل مین اُن آلات
کی ضرورت نہین پڑتی جو اکثر لوگون کو میسر نہ آسکین۔ ہیئت کے لیے رصد گاہ اور کیمیا
کے لیے معمل کا ہونا ضرور ہے لیکن ریاضی دان کو صرف طبیعت کے لگاؤ اور چند کتابون
کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس فن کا اکتساب نہ صرف کثیر کا متقاضی ہے نہ کسی مددگار و
خادم کی اعانت کا محتاج۔ ایسی حالت مین خیال ہوتا ہے کہ رہبانیت کی خلوت گزین زندگی
کے لیے بھی اس سے زیادہ دلپسند اور اس سے بڑھ کر روح کو بالیدگی بخشنے والا مشغلہ
اور کیا ہو سکتا تھا۔

اس استفسار کے جواب مین کیا ہم بھی خدانخواستہ جناب پادری یوسیبیس صاحب

سے کے ہمصفیر ہو کر یہ کہین کہ " یہ محنت لاحاصل چونکہ ہماری نظرون مین نہایت ہی ذلیل ہے اس لیے ہم اس کو قابل توجہ نہین سمجھتے بلکہ اعلیٰ تر حقایق کے اکتساب کو زیادہ مفید خیال کرتے ہین " اعلیٰ تر حقایق کی بھی ایک ہی کہی۔ یہ تو ارشاد ہو کہ وہ کونسی حقیقت ہے جو حق مطلق پر فضیلت رکھتی ہے ؟ کیا جھوٹی روایتین بے بنیاد کرامتین اور باطل افترا پردازیان ہی وہ حقیقتین ہین جنھین حقایق علمیہ کے مقابلہ مین افضلیت کا ادعا ہے ؟ حقیقت یہ ہے کہ انھین نے اتنی مدت تک سائنس کے رستہ مین رکاوٹین ڈالے رکھین۔

اس علمی حملہ کی پہلی ہی جھپیٹ مین حکام کلیسا کو معلوم ہو گیا تھا جو اصول سائنس شایع کر رہا ہے وہ مروجہ مذہب کے عقاید سے مطلق لگا نہین کھاتے۔ اسی لیے اُنھون نے سائنس کی مخالفت مین ناخنون تک کا زور لگایا اور جائز و ناجائز سبھی طرح کی کوششین اس کی تخریب کے لیے کین۔ علوم عملی سے جن کا دارومدار تجربہ اور مشاہدہ پر تھا۔ پادریون کو اس قدر سخت عداوت تھی کہ جب فلارنس کی اکاڈمی بند ہوئی تو اُن کے گھر مین گھی کے چراغ جلے اور اُنھون نے یہ سمجھا کہ ہم نے بہت بڑا میدان مار لیا۔ اور یہ معاندانہ جذبات کچھ رومن کیتھولک مذہب ہی کے سینہ مین جوش زن نہ تھے۔ پراٹسٹنٹ مذہب کا طرز عمل بھی یہی تھا۔ چنانچہ جب لندن کی "رائل سوسائٹی" (شاہی مجلس) کی بنا ڈالی گئی تو پادریون کی طرف سے اس پر ایسی سخت لے دے ہوئی کہ اگر شاہ چارلس ثانی اس کی علانیہ حمایت نہ کرتا تو اس کا اُسی وقت خاتمہ ہو گیا ہوتا۔ پادریون نے اس سوسائٹی پر یہ الزام لگایا تھا کہ یہ چاہتی ہے کہ مذہب مروجہ کو مٹا دے۔ یونیورسٹیون کو نقصان پہنچائے اور علوم قدیمہ کا ستیاناس کر دے۔

اس علمی مجلس کی روئداد دن پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے زمان کی ترقی مین بہت بڑا حصہ لیا ہے۔ اس کا انعقاد ۱۶۶۲ء مین ہوا اور اُس وقت سے لیکر اب تک جو جو علمی تحریکات و اکتشافات ہوئی ہین۔ اُن سب مین اس کی مستعدی شریک

غالب رہی ہے اس نے نیوٹن کی تصنیف "پرنسپیا" اپنے اہتمام سے شایع کی۔ ہیلی کا
بحری سفر جو پہلی وہ مہم تھی جسکا اہتمام کسی حکومت کی طرف سے سرکاری طور پر ہوا ہوا اسی کی
کوششون کا نتیجہ تھا اس نے تشریح خون کے متعلق متعدد تجربے کیے اور ہاروی کی
تحقیقات دوران خون کو تسلیم کرلیا۔ چیچک کے مرض مین مریض کو ٹیکا لگانے کی ترغیب
اسی نے دلائی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شہزادی کیرولائن نے بادشاہ سے چھ ایسے مجرمون کی
جان بخشی بغرض تجربہ کرائی جن کی نسبت سزاے موت کی تجویز ہو چکی تھی اور اس کے بعد
شہزادی نے خود اپنے بچون کے ٹیکا لگوایا۔ اسی کی تائید سے بریڈلی نے اپنے عظیم الشان
اکتشاف یعنی اختلاف منظر ثوابت کو مکمل کیا اور اہتزاز محور ارض کے دریافت کی۔ اور یہ
وہ دو اکتشافات ہین جن پر ڈلامبر کے قول کے مطابق ہیئت جدیدہ کی تدقیق و تحکیم منحصر ہے
اسی کی کوششون سے مقیاس الحرارت مین جو میزان مدارج حرارت ہے اور ہیریسن
کی جیبی گھڑی مین جو میزان وقت ہے اصلاح ہوئی۔ اسی کی مساعی سے ۱۷۵۲ء مین
تقویم گریگوری باوجود شدید مذہبی مخالفت کے انگلستان مین رائج ہوئی۔ عوام و
جہلا کا یہ خیال تھا کہ "رائل سوسائٹی" نے اُن کی عمر کے گیارہ دن گھٹا دے ہین اسی لیے وہ
ایسے برافروختہ ہوے کہ سوسائٹی کے بعض "فیلوز" (اعضا) کو ان کے ہاتھون جان کے
لالے پڑ گئے اور ایک طیش آلودہ انبوہ کے غضب سے انھون نے بھاگ کر بمشکل اپنا پیچھا
چھڑایا پادری ڈیسلی نے جو جیسویٹ فرقہ کا ایک عالم تھا انقلاب تقویم کے مسئلہ
مین بہت دلچسپی ظاہر کی تھی لہذا سوسائٹی کو مجبوراً اُس کا نام مخفی رکھنا پڑا بریڈلی کا انتقال
اتفاق سے اسی ہل چل مین ہوگیا لہذا جہلا نے نہایت شد و مد کے ساتھ یہ دعویٰ کیا کہ یہ
مرگ مفاجات خدا کا قہر تھا جو اُسپر اپنے گناہ کی پاداش مین نازل ہوا۔

اگر ہم اس عالی شان مجلس کی خدمات کا موزون طور پر اعتراف کرنا چاہین تو اس کے
کارنامون کی تفصیل کے لیے کئی اوراق مطلوب ہون گے۔ ڈالینڈ کی دوربین جبے رنگ

رامسڈن کا باخرہ انقسام جسکی ایجاد اول اول مشاہدات فلکی کی تصحیح و تحکیم کا باعث ہوئی۔ ہیسن اور ٹرکن کی مساعی سے سطح زمین کے ایک درجہ کی پیمایش۔ سیارہ زہرہ کے مرور کے ارتصاد کے لیے کپتان کک کی سیاحت۔ زمین کے گرد اُس کا بحری سفر۔ اُس کا یہ ثبوت کہ مرض احتراق خون کی بابت جس سے طویل بحری سفرون مین مسافر بچ نہین سکتا میوہ اور ترکاری کے استعمال سے دفع ہو سکتی ہے۔ قطب شمالی و قطب جنوبی کی مہمات۔ مسکیلین کے تجربون کے ذریعہ سے جو بمقام شہالین عمل مین لائے گئے اور نیز کیونڈش کے تجربون کی وساطت سے تکاثف ارض کی تعیین۔ ہرشل کا انکشاف سیارہ یورینس۔ کیونڈش اور واٹ کی تحلیل اجزاے آب لندن اور پیرس کے طول البلد کے فرق کی تعیین۔ بطاریہ کہربائیہ کی ایجاد۔ ہمالیہ کی پیمایش فلکی۔ ینگ کا اصول مقدار حقیقت کو ترقی دینا اور مسئلہ ارتعاش نور کو قوی دلائل سے ثابت کرنا۔ بیلفاسٹون اور دوسری عمارات مین ہوا رسانی کا انتظام۔ شہر کی روشنی کا انتظام بذریعہ گاز۔ رقاص ثانویہ کے طول کی تحقیق۔ اختلافات عرض البلد کے لحاظ سے کشش ثقل کے اختلافات کا اندازہ۔ تقوس ارضی کی حقیقی کاعمل۔ راس کی مہم قطبی۔ ڈیوی کی ایجاد فانوس سلامتی اور تحلیل جرمنیات و ارضیات۔ اورسٹڈ اور فیراڈے کے کہربائی و مقناطیسی انکشافات۔ بیبیج کا باخرہ تخمین۔ ہمبولٹ کی تحریک پر متعدد مقناطیسی رصدگاہون کے قیام کی تدابیر۔ سطح زمین پر ایک ہی وقت مین مختلف مقناطیسی اختلالات کے حادث ہونے کی تحقیق و تصدیق۔ بغرض کہان تک بیان کیا جاے۔ "رائل سوسائٹی" کے علمی کارنامون کی مکمل فہرست بھی بخوف طوالت یہان درج کرنے سے ہم قاصر ہین۔ اس کے قالب مین بھی وہی روح کارفرما تھی جو فلارنس کی علمی مجلس کی زندگی کا باعث ہوئی تھی اور اسی لیے اس کا نشان امتیازی یہ فقرہ تھا۔ "تقلید جامد سے پرہیز"۔ اس نے اوہام و روایات کو اپنی حدود سے خارج کر دیا اور صرف محاسبہ مشاہدہ اور تجربہ کو جائز رکھا۔

یہ ہرگز نہ خیال کرنا چاہیے کہ ان غیر معمولی کوششون اور نمایان کامیابیون کے لحاظ

سے رایل سوسائٹی یکہ و تنہا تھی یورپ کے تمام دارالسلطنتون مین مساوی الامتیاز اور مساوی العزز دارالعلم مجالس اور انجمنین قایم تھین جو معلومات انسانی اور تمدن جدید کے ارتقا مین برابر حصہ لے رہی تھین۔

سائنس کا اقتصادی اثر

علمی نظر سے اگر صحیفہ فطرت کی ورق گردانی کیجاے تو نہ صرف انسان کے عقلی تصورات کی رسائی معرفت اور حقیقت شناسی کے مقامات عالیہ تک ہوتی ہے۔ بلکہ اُس کی طبیعی و مادی حالت کی اصلاح بھی ہوجاتی ہے۔ انسان کے دل مین ہمیشہ یہ خواہش پیدا ہوا کرتی ہے کہ واقعات محققہ کے اقتصادی استعمال کی کوئی ایسی شکل نکالے جس سے وہ اپنے معاش کی اغراض کی تکمیل کرسکین۔

اصول علمی کی تحقیقات کے بعد بہت جلد ایجادات عملی کا ظہور ہوتا ہے۔ علم و عمل کا یہ باہمی تعلق ہمارے زمانہ کی خصوصیت مختصہ ہے۔ اس نے دنیا کے تمدن مین ایک بہت بڑا انقلاب پیدا کردیا ہے۔

زمانہ سابق مین جنگ استرقاقاً ہوا کرتی تھی۔ فاتح غلامون کے کھیپ کے کھیپ اپنے ساتھ لے آتا تھا اور اُن سے جبراً محنت لیتا تھا اس لیے کہ انسانی محنت مین انسانی محنت ہی کے ذریعہ سے تخفیف ہونی ممکن تھی لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ قدرت کی طبیعی اور جرثقیلی قوتون سے کام لینے مین بدرجہازیادہ فائدہ ہے تو اقوام کی حکمت عملی مین تبدیلی پیدا ہوگئی۔ جب اس حقیقت کا علم ہوا کہ کسی نئے علمی اصول کا استعمال یا کسی نئی کل کی ایجاد ایک جدید غلام کے حصول کی بہ نسبت زیادہ نفع رسان ہے تو صلح کو جنگ پر ترجیح حاصل ہوگئی۔ ان جدید اکتشافات کا اثر یہان تک ہوا کہ اہل امریکا و روس کی طرح ان قومون نے جن کی آبادی کا بڑا حصہ غلامون سے مرکب تھا یہ دیکھ کر ہمدردی

انسانی اور اغراض شخصی اب ایک دوسرے کی مغایر نہین ہین - اسنے غلامون کو آزاد
کردیا -

غرض ہم ایک ایسے زمانہ مین زندگی بسر کررہے ہین جس کی ایک نمایان خصوصیت یہ ہی
کہ انسانی اور حیوانی محنت کا قایم مقام کلون کو بنایا جاے - اس زمانہ کی جو تعقلی ایجادات
نے تمدن اور معاشرت مین ایک انقلاب بپا کردیا ہے - ہم اپنے اغراض و مقاصد کی
تکمیل کے لیے قدرتی طاقتون سے مدد مانگتے ہین - فوق القدرت طاقتون سے چارہ
جوئی نہین کرتے - کیتھولک مذہب اسی جدید تمدن سے جو اس طور پر پیدا ہوا ہے ابا کرتا
ہے - پاپائیت یہ ہانک دہل اس امر کا اعلان کررہی ہے کہ اسکو موجودہ حالت سے ہرگز کوئی
سروکار نہین ہے - بلکہ وہ اس امر کی متقاضی ہے کہ ازمنہ وسطی کے دور جاہلیت کی طرف رجعت
قہقری کیجاے -

یہ حقیقت انسان کو حضرت مسیح سے چھہ سو برس پیشتر معلوم تھی کہ اگر کہربا کے ایک
ٹکڑے کو رگڑا جاے تو اُس مین جذب و دفع کی قوت پیدا ہوجاے گی - ظہور مسیح سے سولہ
سو سال بعد تک یہ حقیقت محض بچون کا کھیل بنی رہی اور اس سے کسی نے فایدہ نہ اُٹھایا -
لیکن جب اس پر علمی طریقہ سے بحث کی گئی اور مہندسانہ مناظرہ اور تجربہ کی کسوٹی پر کس کر
اس کے نتایج کو عملی طور پر کام مین لایا گیا تو اسی ادنی سی حقیقت کی بدولت انسان اس
قابل ہوگیا کہ خشکی اور تری کے حایل ہونے کے باوجود ہزارہا میل کے فاصلہ پر بیٹھا
ہوا ایک دوسرے سے طرفۃ العین مین بات چیت کرسکے - اس حقیقت نے دنیا
کی قوتون کو ایک مرکز پر لاکر جمع کردیا ہے - فرمان رواے وقت کو بلا لحاظ زمان و مکان
اجراے احکام و فرامین پر قدرت عطا کرنے سے اس نے تدبر مین انقلاب پیدا کردیا
ہے اور سیاسی قوت کے سابقہ تخلخل کو تکاثف سے بدل دیا ہے

عجایب خانہ اسکندریہ مین ایک کل تھی جسے ہیرو ریاضی دان نے حضرت مسیح سے

کوئی ایک سو سال قبل ایجاد کیا تھا۔ یہ کل دخانی قوت سے چلتی تھی اور اس کی شکل ویسی ہی تھی جیسی آج کل باخرۂ استرجاعیہ یعنی ردعمل کرنے والے انجن کی ہوتی ہے۔ یہ انجن جو دنیا کی ایک نہایت عظیم الشان ایجاد کا ہیولی تھا سترہ سو سال تک محض ایک اعجوبہ سمجھا جاتا رہا۔

زمانہ حال کے دخانی انجن کی ایجاد کو بخت واتفاق سے کوئی تعلق نہ تھا۔ بلکہ اسے غور فکر اور تجربہ کا عقلی ماحصل سمجھنا چاہیئے سترہوین صدی کے وسط مین بعض مہندسون نے جو علم الحرکات والحیل کے ماہر تھے دخانی قوت سے فائدہ اُٹھانے کی کوششین شروع کین۔ ان کوششون کو واٹ نے اٹھارہوین کے وسط مین مکمل کر دیا۔

دخانی انجن بہت جلد تمدن کا مزدور بن گیا۔ اس نے لاکھون کروڑون آدمیون کا کام کرنا شروع کر دیا۔ اس نے اُن اشخاص کو جن کی عمر ڈلیا ڈھوتے ڈھوتے کٹ جاتی زیادہ مفید مشغلون کا موقع دیا۔ جو لوگ پہلے حمال تھے اب حکیم بننے کے قابل ہو گئے۔

اوّل اول اس سے بذریعہ نل پانی کھینچنے اور اسی قسم کا دوسرا کام لیا گیا جس مین محض طاقت صرف ہوتی تھی لیکن زیادہ مدت نہ گزرنے پائی تھی کہ سوت کاتنے اور کپڑا بننے کی لطیف صنعت مین حصہ لیکر اُسنے ثابت کر دیا کہ اس مین باریک اور نازک کام کرنے کی قابلیت بھی موجود ہے۔ اس نے صنعت وحرفت کے عظیم الشان کارخانے قایم کر دئے اور دنیا کا بزازہ اسی کے طفیل چلنے لگا۔ غرض اقوام عالم کے صنعت وحرفت کی اس نے صورت ہی بدل دی۔

پہلے دریاؤن اور اُسکے بعد سمندرون مین جب دخانی انجن سے جہازرانی کے متعلق کام لیا گیا تو اُس نے کشتیون اور جہازون کی سرعت رفتار کو دگنا چوگنا پچگنا کر دیا۔ امریکہ سے انگلستان پہنچنے مین پہلے چالیس دن صرف ہوتے تھے اب آٹھ[۱] ہی دن مین یہ سفر طے ہونے لگا۔ لیکن خشکی کے سفر مین دخانی انجن کی طاقت حیرت انگیز طور پر ظاہر ہوئی جو فاصلہ انسان پہلے ایک دن مین بھی طے نہ کر سکتا تھا۔ اب ایک گھنٹے سے

[۱] اب یہ مسافت پانچ ہی دن مین طے ہونے لگی ہے۔ مترجم

بھی کم مین طے ہونے لگا۔

دخانی انجن سے نہ صرف انسانی مستعدی وکارگزاری کے میدان کو وسیع کر دیا ہے بلکہ فاصلہ کے اعتبارات کو گھٹا دینے سے انسانی زندگی کی قابلیتون کو بڑھا دیا ہے۔ کارخانون کے تیار شدہ مال اور زراعتی پیداوار کے سریع السیر نقل و حمل سے اس نے انسانی صنعت وحرفت کی تحریک مین ایک بہت بڑا حصہ لیا ہے۔

گھڑی کی ایجاد نے دخانی جہاز رانی کے فن کو درجہ کمال پر پہنچانے مین ایک بڑی حد تک تحریک کی اسلیے کہ اس ایجاد کی بدولت نہایت صحت کے ساتھ یہ معلوم ہونے لگ گیا کہ سمندر مین جہاز کس وقت کس موقع پر ہے۔ عجائب خانہ اسکندریہ مین سائنس کی ترقی اس وجہ سے ایک بڑی حد تک رکی ہوئی تھی کہ کوئی ایسا آلہ نہ تھا جس سے وقت یا حرارت کا اندازہ کیا جا سکے یعنی نہ اُس زمانہ مین گھڑی موجود تھی نہ مقیاس الحرارت کا وجود تھا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ یہ دونون ایجادین لازم و ملزوم ہین اس مین شک نہین کہ عجائب خانہ اسکندریہ مین آبی گھڑیون سے کام لیا جاتا تھا۔ لیکن اُن کی ساعت نمائی صحیح اور قابل اعتماد نہ تھی۔ ان مین سے ایک گھڑی کو جو منطقۃ البروج کی علامات سے مزین بھی قرون اولی کے بعض جاہل عیسائیون نے ضایع کر دیا۔ اور ایک مقدس عالم سینٹ پالیکارپ نے اس کی نسبت نہایت نہایت معنی خیز لہجہ مین ارشاد فرمایا کہ "ان تمام خبیث دیوون کی شکل مین ایک ایسے سفلی علم کی صورت نظر آتی ہے جو دشمن ایمان ہے"۔ کہین ۱۶۵۸ء مین جا کر گھڑی درجہ صحت کو پہونچی۔ ہوک نے جو نیوٹن کا معاصر تھا اس مین دولاب تعدیل اور چکردار کمانی دو پرزے بڑھائے۔ اس کے اور مختلف پرزے مثلاً لنگر۔ کلاآلہ۔ متنی اور رمنتار کے بعد دیگرے اضافہ کیے گئے۔ درجات حرارت کے تغیرات کی رعایت بھی ملحوظ رکھی گئی اور اس کے لیے مزید ترتیبات کی گئین یہان تک کہ ہیریسن اور آرنلڈ نے گھڑی کو وقت کا ایک نہایت ہی صحیح پیمانہ بنا دیا۔ گھڑی کی ایجاد پر گاڈفری کا مزولہ الانعکاسی یعنی سدس دائرہ کی شکل کا وہ آلہ مستزاد ہوا جسکی وجہ سے چلتے جہاز

مین مشاہدات فلکی کا ارتصاد ممکن ہوگیا۔

فن جہاز رانی مین جو ترقیان ہو رہی ہین اُن سے انقسام اقوام پر ایک قوی اثر پڑ رہا ہے۔ مستعمرات یعنی نو آبادیان بڑھ رہی ہین اور اُنکی نوعیت تغیر پذیر ہو رہی ہے۔

لیکن ان بڑے بڑے اکتشافات و ایجادات ہی نے جو تحقیقات علمی کا ماحصل ہین انسان کی حالت کو نہین بدلا ہے بہت سی چھوٹی چھوٹی ایجادات نے جو بجاے خود چندان قابل لحاظ نہین مجموعی حیثیت سے تمدن پر ایسا اثر ڈالا ہے کہ دیکھکر حیرت ہوتی ہے۔ چودھوین صدی مین سائنس نے قوت ایجاد کو ایک حیرت انگیز تحریک پہنچائی اور اس قوت نے اپنے آپ کو اُن علمی نتائج کے استخراج پر وقف کر دیا جو سود مندی کا پہلو لیے ہوے تھے۔ قانون نے موجدون کو اپنی ایجاد سے معقول نفع حاصل کرنے کا استحقاق بذریعہ سند ایجاد عطا کیا جس سے لوگون کو نئی نئی ایجادین کرنے کی امنگ پیدا ہوئی۔ اس قسم کی ایجادات کا ذکر ہم اس مقام پر بسبیل تذکرہ سرسری طور پر کرین گے تاکہ معلوم ہو سکے کہ ان سے تمدن کس قدر متاثر ہوا ہے۔ آرہ کشی کی کل کے جاری ہونے سے مکانات کے فرش چوبی ہو گئے اور اینٹ چونے پتھر کے فرش خواب و خیال ہو گئے۔ شیشہ سازی کے کارخانون کے قایم ہونے سے آئینہ دار کھڑکیون کا مکانون مین اضافہ ہوگیا اور کمرے گرم رہنے لگے لیکن آئینہ بندی کا فن سولھوین صدی سے پہلے کمال کو نہ پہونچا۔ سولھوین صدی مین شیشہ مبیر سے ترشا جانے لگا۔ دودکشون کے اضافہ سے مکانون کی ہوا صاف ہوگئی پہلے وہ وحشیون کے جھونپڑون کی طرح دہوئین سے بھرے ہوے ہوتے تھے اور اُن کے اندر کی دیوارین کالک سے لسی ہوئی ہوتی تھین۔ علاوہ ازین دودکشون کی وجہ سے منطقہ بارِدہ کے مکانون مین وہ سامان راحت مہیا ہوگیا۔ جسے آتش دان سے تعبیر کرتے ہین اب تک آگ تاپنے اور مکان کو گرم رکھنے کا ذریعہ صرف یہ تھا کہ دہوان نکلنے کے لیے چھت مین ایک سوراخ کر دیا جاتا تھا الاؤ جلانے کے فرش کے بیچون بیچ ایک گڑہا کھود دیا جاتا تھا اور جب بھی

گل کرنے کی سرکاری گھنٹی بجتی تھی یا رات ہو جاتی تھی تو ایک سرپوش سے اُس گڑھے کو ڈھک دیا جاتا تھا۔

اگرچہ پادریون کی طرف سے سخت مخالفت ہوئی لیکن لوگون کے ان خیالات کی کسی طرح روک تھام نہ ہوسکی کہ دباؤن کو خدا کا قہر نہ سمجھنا چاہیے جو بندون پر اُن کی بداعمالیون کی پاداش مین نازل ہوتا ہے بلکہ غلاظت اور تباہ حالی کا مادی نتیجہ تصور کرنا چاہیئے اور اُن سے بچنے کا مناسب طریقہ یہ نہین ہے کہ پیرون اور ولیاؤن سے دعائین مانگی جائین۔ بلکہ یہ ہے کہ شہرون مین صفائی کا انتظام کیا جاے اور ہر شخص خود بھی جسمانی صفائی کا خیال رکھے۔ بارہوین صدی مین پیرس کی گلیان مارے غلاظت اور عفونت کے سنڈاس بنی ہوئی تھین حکومت نے مجبور ہو کر سڑکین صاف کرائین اور اُن پر کنکر کٹواے۔ گندگی کا دور ہونا تھا کہ ہیضہ اور وبائی بخار فوراً جاتا رہا۔ اس طور پر بتدریج شہر کی صفائی کی قریب قریب وہی حالت ہوگئی جو اسپین کے اسلامی شہرون مین نظر آتی تھی جہان سڑکین صدہا سال سے پختہ آتی تھین۔ غرض پیرس مین جسکا حسن اب روزبروز بڑھتا چلا سورون کے رکھنے کی ممانعت کر دی گئی لیکن اس حکم پر سینٹ انتونی کے دیر کے راہب بہت بگڑے اور متقاضی ہوے کہ اس خانقاہ کے سورون کو بے روک ٹوک ہر جگہ پھرنے کی اجازت ہونی چاہیئے۔ کلیسا کے عتاب کی تاب کوئی نصرانی حکومت اس زمانہ مین نہ لا سکتی تھی۔ اسلیے مجبوراً فرانسیسی حکومت کو اپنے حکم مین کتر بیونت کرنی پڑی اور معاملہ اس طرح رفع دفع ہوا کہ اس خانقاہ کے سورون کے گلے مین گھنٹیان لٹکا دی جائین۔ شاہ لوئی الملقب بہ فربہ کا بیٹا شاہ فلپ ایک دن گھوڑے پر سوار جا رہا تھا کہ ایک سورنی سامنے آگئی گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور بادشاہ کو لیکر گرا جس کا گرتے ہی دم نکل گیا۔ بالاخانون اور کھڑکیون مین سے دھوون باہر پھینکنے کی لوگون کو عام عادت تھی جس کی وجہ سے آیندورروند لت پت ہوجایا کرتے تھے حکومت کی طرف سے اس کی بھی ممانعت کر دی گئی۔ سنہ ۱۳۹۵ء مین پاپائی حکومت کے انتزاع کی

وقت جب مصنف کتاب ہذا کو ردما کی سیر کا اتفاق ہوا تو گلیون مین گھورے کے ڈھیرون گندے پانی کے ڈبرون کی یہ کیفیت تھی کہ کپڑونکو نجاست کی آلودگی سے بچانے کے لیے ضرور تھا کہ گزرنے والے کی آنکھین کبھی کبھی آسمان کی طرف اُٹھ جانے کے بجاے زمین کی مسلسل ومتصل دربانی کیا کرین - سترھوین صدی کے شروع مین برلن کی گلیون کی یہ حالت تھی کہ ان کو کبھی صاف نہین کیاجاتا تھا - اس شہر کا قانون یہ تھا کہ جو دیہاتی سودا سلف خریدنے کی غرض سے اپنا چھکڑا لیکر بازار مین آے وہ واپسی کے وقت چھکڑے مین کوڑا کرکٹ بھر لیے جایا کرے

سڑکون کی کٹائی کے بعد نالیون اور بدرروون کی تیاری کی کوشش کی گئی لیکن اوّل اول یہ کوشش ناقص اور ادھوری رہی - جو لوگ سوچ سمجھ رکھتے تھے ان کا ذہن فوراً اس طرف منتقل ہوا کہ شہرون اور نیز اُن مکانون مین جو الگ تھلگ واقع ہین جب تک نالیون اور بدروون کا انتظام نہ کیا جائیگا صحت درست نہ رہسکے گی - اس کے بعد عام گزرگاہون کی روشنی کا انتظام ہوا - جن لوگون کے گھر لب راہ واقع تھے اوّل تو اُن پر اس قاعدے کی پابندی لازم کی گئی کہ موم بتیان یا چراغ اپنی کھڑکیون مین روشن رکھین تاکہ اُن کی روشنی سڑک پر بھی پڑتی رہے اس کے بعد قرطبہ و غرناطہ کے اسلامی طریقہ کو پیش نظر رکھکر سرکاری طور پر روشنی کا انتظام کیا گیا لیکن یہ انتظام اٹھارھوین صدی سے پہلے جبکہ گاس کی روشنی ایجاد کی گئی تکمیل کو نہ پہنچا - سرکاری لالٹینون کے نصب کیے جانے کے ساتھ ساتھ رات کے پہرے اور پولیس کا انتظام بھی کیا گیا -

سولھوین صدی کے آغاز پر کلون کی ایجاد اور دستکاریون کی اصلاح نے تمدن اور معاشرت پر نمایان اثر ڈالنا شروع کردیا تھا - دیوارون پر صورت دیکھنے کے آئینے آویزان نظر آنے لگے - طاقچون پر وقت دیکھنے کی گھڑیان رکھی ہوئی دکھائی دینے لگین - آتشدانون پر کارنسین بن گئین - اگرچہ اکثر مقامات کے باورچی خانون مین گھاس پھونس اور لکڑی ابھی تک ایندھن کا کام دیتی تھی لیکن کوئلہ کا استعمال عام ہو چلا کھانا کھانے

کے کمرون مین میزپر انواع نعمت کے نئے خوان لگے ہوئے نظر آنے لگے۔ تجارت کا ہاتھ ممالک غیر کی نعمتین اس پر چنے لگا۔ شمالی ممالک کی بدمزہ اور غیر مصفا شرابون کی جگہ جنوب کی لطیف اور روح پرور خمریہ نے لے لی۔ برف خانے تعمیر ہوگئے۔ ہوا کی چکیون مین آٹے کی چھننے سے روٹی زیادہ سفید اور زیادہ نفیس تیار ہونے لگی۔ آلو۔ فیل مرغ کا گوشت اور تمباکو وہ نعمتین تھین جو پہلے بوجہ نادر اور کمیاب ہونے کے خاص خاص لوگون کو میسر آتی تھین۔ اب ان کا ذائقہ کام و زبان کے لئے عام ہوگیا۔ پہلے لوگ ہاتھ سے کھانا کھاتے تھے۔ کانٹے نے جو اٹلی مین ایجاد ہوا اس گھناونے طریقہ کی اصلاح کردی۔ غرض مہذب و شائستہ قومون کے دسترخوان کی صورت ہی بدل گئی۔ چاء چین سے قہوہ عرب سے اور شکر ہندوستان سے آنے لگی جن کا استعمال بہت بڑی حد تک مسکرات و منشیات کا قائم مقام ہوگیا۔ پیال کے فرش کی جگہ دریان اور قالینون نے لے لی۔ خوابگاہون مین صاف ستھرے پلنگ اور اجلے بچھونے موجود ہوگئے۔ توشہ خانون مین صاف اور نفیس پوشاک کے متعدد جوڑے مہیا ہوگئے۔ بہت سے شہرون مین بجائے اس چشمہ آب کے جہان سے ہر شخص بقدر اپنی ضرورت کے پانی بھر کر لے جاتا تھا یا پانی کے اس نل کے جو گلی مین نصب ہوتا تھا گھر گھر پانی کا نل جاری ہوگیا۔ وہ چھتین جو بزمانہ سابق میل اور کلونس سے غلیظ ہوجاتی تھین اب بیل بوٹے اور نقش و نگار سے مزین ہوگئین۔ حمام کا استعمال عام ہوچلا۔ جسم کی بدبو کا رد عمل کرنے کے لئے عطریات کے استعمال کی ضرورت کم ہوگئی۔ حدیقہ آرائی و چمن بندی کے دل پذیر مذاق کو روز بروز ترقی ہوتی چلی اور ممالک غیر سے بہت سے نئے نئے پھولون کے پودے لاکر گلشنون مین لگائے گئے مثلاً گل شبو کرن پھول۔ گل اکلیل۔ گل نرگس۔ گل شقیق نعمانی۔ گل صد برگ۔ سواری کی قسم سے اول پالکیان اور تام جھام رائج ہوئے اس کے بعد بند گاڑیان استعمال ہونے لگین اور آخر مین کرایہ کی گاڑیان رائج ہوگئین۔

نلون کا گھر گھر چرچا ہوچلا۔ گنوار دیہاتیون تک بھی ان کی رسائی ہوگئی۔ اور رفتہ رفتہ ہل جوتنے۔ بیج بونے گھاس کاٹنے۔ فصل کی لاونی کرنے اور داءین چلانے کے آلات مکمل ہوتے گئے۔

باوجود ان پادریون کے مواعظ و نصائح کے جو بھیک کا ٹھیکرا لئے ہوئے یورپ کے ہر شہر مین

دربدر پھرتے تھے لوگون کو اس حقیقت کا علم ہو چلا کہ فلاکت ام الجرائم اور حجاب العلم ہے۔ اور تجارت کے ذرایعہ سے دولت کمانا بمقابلہ اُس جاہ و مکنت کے جو بذریعہ جنگ حاصل ہو بمراتب افضل ہے۔ مانٹیسکیو کا قول ہے کہ تجارت قومون کو تو ملاتی ہے مگر افراد کو لڑاتی اور جنس اخلاق کا بیوپار کرتی ہے۔ یہ قول اگرچہ صحیح ہے لیکن اس مین بھی شک نہین کہ تجارت ہی کی بدولت دنیا مین اتحاد پیدا ہو سکتا ہے۔ تجارت کا نصب العین یہی ہے کہ عالم مین امن وصلح کا علم لہراتا ہوا نظر آئے۔

جب سے سائنس اپنا فیض رسان اثر دنیا پر ڈالنے لگا ہے اور قوت ایجاد صنعت و حرفت کا ہاتھ بٹانے لگی ہے انسان کے تمدن اور معاشرت کی حالت مین غیر معمولی اصلاح اور ترقی ہوئی ہے۔ ان اصلاحات و ترقیات کی تفصیل کے لئے بجائے کئی ضخیم جلدون کے ان چند اوراق پر اکتفا کرنا اگرچہ مضمون کو تشنہ چھوڑنا ہے اور قلت گنجایش ہمین مزید ایضاح کی اجازت بھی نہین دیتی لیکن بعض امور پھر بھی ایسے ہین جنھین خموشی کے ساتھ نظر انداز نہین کیا جا سکتا۔ بارسلونا کی بندرگاہ خلفائے اندلس کی عظیم الشان بحری تجارت کا مرکز تھی۔ یہان سے سینکڑون جہاز قیمتی مال تجارت سے لدے ہوئے اطراف واکناف عالم مین جاتے تھے۔ مسلمانون نے یہودی تاجرون کی اعانت سے فن تجارت مین بہت سے جدید اصول اختیار یا ایجاد کئے تھے اور یہ اصول علم کے نظری مسایل کے ساتھ اُن کی فیض رسانی کی بدولت یورپ کی تجارتی جماعتون تک پہنچ گئے تھے۔ اس طور پر حساب نویسی کا طریقہ ذو اندراجین یا حساب مردج رائج ہو گیا جس مین آمدنی اور خرچ کا روزانہ حساب دو جداگانہ خانون مین بالمقابل لکھا جاتا ہے علی ہذا القیاس بیمہ کی مختلف قسمین بھی رائج ہو گئین اگرچہ پادری کڑکڑاتے اور بڑبڑاتے ہی رہے۔ بیمہ زندگی و بیمہ بحری کی مخالفت پادریون کی طرف سے نہایت سختی کے ساتھ اس بنا پر ہوئی کہ یہ ایک فتنہ ہے جو گویا قضا و قدر کا امتحان لیتا ہے۔ زندگی کے بیمہ کے عدم جواز کے متعلق یہ فتویٰ اصادر ہوا کہ اس فعل سے گویا خدائے تعالیٰ کی مشیئت کے نتایج مین دخل دہی مقصود ہے۔ سود یا کفالت پر روپیہ قرض دینے کی جو کوٹھیان یعنی بینک اور بندھک کے ساہوکاری قائم تھے۔ اُن کی سخت

مخالفت کی گئی۔ خصوصاً زیادتی شرح سود کو رباخواری کے ذلیل نام کی آڑ مین قابل نفرت ثابت
کرنے کی کوشش کی گئی۔ اور یہ وہ خیال ہے جو ابھی تک بعض ناترقی یافتہ جماعتون مین پایا جاتا ہی
موجودہ شکل کی ہنڈیان جن مین وہی اصطلاحات مستعمل تھین جو آج کل زیر استعمال مین رایج ہوگئین
افسر تصدیق قبالہ جات کا عہدہ قائم ہوگیا اور ہنڈیون کے سکارنے سے پہلو تہی کرنے والے
پر گرفت ہونے لگی۔ غرض بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ تجارت کی کل آج جن پرزون کے زور سے
چل رہی ہے وہ اُس زمانہ مین تمام و کمال رایج ہوچکے تھے۔ ہم اوپر بیان کرآئے ہین کہ امریکہ
کی دریافت نے یورپ مین انقلاب پیدا کردیا تھا۔ اٹلی کے بہت سے دولتمند تاجر اور باہمت
یہودی ہالینڈ، انگلستان اور فرانس مین جاکر آباد ہوگئے اور ان ممالک مین ان کی وجہ سے تجار کو
مخالفت تجارتی گُر معلوم ہوگئے پاپاؤن نے حد سے زیادہ سود کھانے والون کو مردود و ملعون قرار
دیا تھا۔ یہودی جنھین ان لعنون کی کچھ پروا نہ تھی بھاری سود پر روپیہ قرض دے دے کر خوب
مالدار ہوگئے تھے۔ پاپائی پائس ثانی نے یہ دیکھ کر کہ اس سے عیسائیون ہی کا نقصان ہے فتوائے
لعنت واپس لے لیا۔ بالآخر لیو دہم کی اجازت سے بندھک کے ساہوکاری قائم ہوگئی اور
پاپا کی طرف سے اس مضمون کا ایک تہدید آمیز فرمان جاری ہوا کہ جو شخص ان کوٹھیون کے
جواز کے خلاف قلم اُٹھائے گا وہ کلیسا سے خارج کردیا جائے گا۔ پر اٹسٹنٹون نے محض ضد
کی وجہ سے ان مہاجنی کارخانون کی مخالفت شروع کی۔ بھلا کیونکر ممکن تھا کہ جس چیز کو روما جائز
بتائے اُسی پر اٹسٹنٹ ناجائز سمجھین۔ جب اس دینی عقیدے کو کہ زلزلہ کی طرح وبا بھی خدا کا قہر
ہے جو انسان پر اُس کے اعمال سیئہ کی پاداش مین نازل ہوتا ہے لوگ شبہ کی نظر سے
دیکھنے لگے تو وبا کے دفعیہ کی کوشش قرنطینون کے قیام سے عمل مین لائی جانے لگی۔ تلقیح
یعنی انسانی چیچک کے ٹیکے کا طریقہ مسلمانون کا دریافت کیا ہوا تھا۔ سنہ ۱۷۲۱ء مین لیڈی میری
وارٹلی مانٹیگ جب قسطنطنیہ سے اس طریقہ کو اپنے ہمراہ لائین تو پادریون نے اس کی ترویج
کی ایسی سخت مخالفت کی کہ اگر انگلستان کا شاہی خاندان اپنی مثال سے اس کے استعمال

کی ترغیب نہ دلاتا تو اس کا رواج پذیر ہونا محال تھا۔ علیٰ ہذا القیاس جب اس طریقہ میں اصلاح کرکے
تلقیح البقر یعنی گائے کی چیچک کے ٹیکے کا طریقہ رائج کیا گیا تو اُس وقت بھی پادریوں نے مخالفت
کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا حالانکہ ایک صدی پیشتر خال خال ہی کوئی چہرہ ایسا نظر آتا تھا جو چیچک
کے داغوں سے مسخ نہ ہو گیا ہو اور آج کل ایسا چہرہ شاذ و نادر دکھائی دیتا ہے جس پر چیچک کے داغ
ہوں۔ اسی طرح جب امریکہ میں ادویہ بے ہوشی کی اہم دریافت ہوئی اور یہ ادویہ زچگی کی حالتوں
میں استعمال کی جانے لگیں تو پادریوں نے حسب معمول اس استعمال کی مخالفت کی نہ اس لیے
کہ از روئے اصول علم الابدان یہ استعمال قابل گرفت تھا بلکہ اس بنا پر کہ کتاب پیدائش کے
تیسرے باب کی سولھویں آیت نے جو لعنت کا طوق عورت ذات کے گلے میں ڈال دیا ہے
وہ اس ملحدانہ کوشش سے اترا جاتا ہے۔

ایجاد و ابداع نے مخترعات مفیدہ ہی تک اپنے آپ کو محدود نہیں کیا بلکہ سامان تفریح
طبع بھی بہم پہنچانا شروع کر دیا۔ اٹلی میں سائنس نے قدم رکھا ہی تھا کہ اعجوبہ پسند لوگوں کے مکانوں
میں طرح طرح کے متحرک و ممیل نوادر جنھیں جادو کا کھیل کہا جاتا تھا نظر آنے لگے۔ ان میں جادو
کی لالٹین کا سب سے بڑا حصہ ہوتا تھا۔ پادریوں کو اگر حکمت علمی اور تجربہ آموز فلسفہ سے نفرت تھی
تو وہ بلا وجہ نہ تھی اس فلسفہ سے ایک نہایت اہم نتیجہ پیدا ہوا یعنی بھان متی کا تماشہ کرنے والے
اُن بزرگواروں کی مسابقت کا کامیابی کے ساتھ دم بھرنے لگے جو صاحب اعجاز و کرامت سمجھے
جاتے تھے۔ وہ جعلی خوارق عادت اور جھوٹی کرامتیں جو گرجاؤں میں پیش کی جاتی تھیں بازاریں
تماشا کرنے والے مداریوں کے کرتبوں کے سامنے پھیکی پڑ گئیں۔ جو بات مقدس پیشوایان کلیسا
سے نہ ہو سکتی تھی وہ مداری نے کرکے دکھا دی۔ یعنی وہ منہ میں سے آگ کے شعلے نکالنے لگا۔
دہکتے انگاروں پر ننگے پاؤں چلنے لگا دانتوں میں سرخ جلتے ہوئے لوہے کی سلاخ پکڑنے لگا۔
منہ میں سے کوڑیوں انڈے نکالنے لگا اور کٹ پتلیوں کے ذریعہ سے معجزے دکھانے لگا۔
با ایں ہمہ معجزات کا قدیم خیال بڑی مشکل سے مٹنے میں آیا۔ ایک گھوڑے پر جسے اُس کے مالک نے

بہت سے عجیب عجیب کرتب سکھا رکھے تھے سنہ ۱۶۰۱ء مین بمقام لزبن مقدمہ چلایا گیا اور اس جرم کی علت مین کہ اُس پر بھوت سوار ہے بیچارے بے زبان جانور کو آگ مین جلا دیا گیا ۔ اس کے بعد بھی ایک عرصہ تک سینکڑون عورتین اس الزام مین زندہ جلائی جاتی رہین کہ وہ چڑیلین ہین ۔

اکتشاف و ایجاد کا سلسلہ جب ایک دفعہ قائم ہو چکا تو اس کی ترقی نہایت سرعت کے ساتھ علی التسلسل ہونے لگی ۔ دونون کا ایک دوسرے پر برابر عمل اور رد عمل ہوتا رہا اور ان کی وجہ سے خرق عادت کی جڑہ کھوکھلی ہوتی گئی ۔ قوس قزح کی تشریح ڈی ڈامنیس نے شروع اور نیوٹن نے ختم کی ۔ انھون نے ثابت کر دیا کہ قوس قزح مظہر قہر خدا نہین ہے جس سے وہ اپنے بندون کو تباہ کرنا چاہتا ہے بلکہ پانی کے قطرون مین نور کی شعاعون کے عمل کا کرشمہ ہے ۔ ڈی ڈامنس کو صدر اسقف کے عہدے اور کردنیال کے منصب کی امید پر بہکا پھسلا کر روما مین بلایا گیا ۔ جب وہ یہان پہونچا تو اُسے ایک عالیشان محل مین نظر بند کر دیا گیا ۔ کچھ دن بعد اس الزام کی بنا پر کہ وہ روما اور انگلستان مین اتحاد و مرافقت کا محرک ہے وہ سینٹ انجیلو مین قید کر دیا گیا جہان اُس کا انتقال ہو گیا ۔ اُس کا تابوت ایک مسیحی عدالت کے سامنے لایا گیا اور زندقہ و الحاد کے جرم کی علت مین ملحدانہ کتابون کی ایک ڈھیر کے ساتھ آگ کے ایک بہت بڑے الاؤ مین جھونک دیا گیا ۔

فرینکلن نے اس بات کا ثبوت دے کر کہ بجلی اور برقی قوت در اصل ایک ہین جوپیٹر کو اس کے صواعق سے محروم کر دیا ۔ اوہام باطلہ کے کرشمون کی جگہ حقایق کے عجائبات نے لی لی ۔ دوربین عکس افگن اور دوربین بے زنگ نے جو اٹھارہوین صدی کی ایجادات ہین انسان کو اس قابل بنا دیا کہ وہ کائنات کی غیر محدود عظمت و شان کے چہرے سے پردہ اُٹھا سکے ۔ اور مکان لامتناہی و زمان بے پایان کا اُس حد تک جو انسان کے لیے ممکن ہے اندازہ کر سکے ۔ کچھ مدت بعد خردبین بے زنگ نے عالم صغار کی بے انتہا دقیق موجودات کو انسان کے پیش نظر کر دیا ۔ غبارہ اُسے بادلون سے بھی اوپر لے گیا اور آلہ غواصی کے ذریعہ سے وہ سمندر کی

تہ تک پہنچ گیا۔ مقیاس الحرارت اور مقیاس الہوا نے اُسے مدارج حرارت کی تعیین اور ہوا کے دباؤ کے اندازہ کی قابلیت عطا کی۔ کانٹے کے رواج سے فن کیمیا کی دقیقہ سنجی بڑھ گئی اور یہ ثابت ہو گیا کہ مادہ غیر ممکن الفنا ہے۔ آکسیجن ہائیڈروجن اور بہت سی دوسری غازون کی دریافت الومینم کلس اور دوسری فلزات کے تجزیہ سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ خاک، باد و آب عناصر نہین ہین اُس علمی عزیمت و مستعدی سے کام لے کر جس کی تعریف کے لئے ہمارے پاس کافی الفاظ موجود نہین ہین واقعہ مرور زہرہ سے فائدہ اُٹھایا گیا اور مختلف حصص ارض مین علمی مہمات بھیج کر زمین اور سورج کا درمیانی فاصلہ دریافت کیا گیا۔ سنہ ۱۴۵۶ع سے لے کر سنہ ۱۷۵۹ع تک یورپ نے جو عقلی ترقی کی اُس کا اندازہ ہیلی کے دُمدار تارے سے ہوتا ہے۔ سال اول الذکر مین جب یہ تارہ نمودار ہوا تو اُسے خدا کے قہر و غضب کی آسمانی علامت سے تعبیر کیا گیا اور یہ سمجھا گیا کہ اس کا ظہور جنگ وبا اور گوناگون بلاؤن کا پیش خیمہ ہے۔ پاپائے مقدس کے حکم سے یورپ بھر کے گرجاؤن کے گھنٹے ہلائے گئے تاکہ اُن کی ٹن ٹن سے تارہ دم دبا کر بھاگ جائے۔ دین دار اور خوش عقیدہ نصرانیون کو ایما ہوا کہ روزانہ نماز پر ایک جدید نماز کا اضافہ کرین۔ اس قسم کی نمازین اور دعائین پہلے بھی کسوف و خسوف اور خشک سالی و بارش کے موقع پر کارگر ثابت ہوئی تھین چنانچہ اس موقع پر بھی جب تارہ غائب ہو گیا تو یہ اعلان کیا گیا کہ عالیجناب تقدس مآب حضرت پاپائے اعظم کو خدا نے دمدار تارے پر فتح عطا فرمائی ہے۔ لیکن اس اثنا مین ہیلی کو کپلر اور نیوٹن کے انکشافات کی مدد سے یہ معلوم ہوا کہ اس دمدار تارے کی حرکات پر مسیحی دنیا کے عجز و الحاح اور منت و زاری کو قابو نہین ہے بلکہ مقدرات نے ایک اہلیلجی الشکل مدار کا چکر اس کے پاؤن مین ڈال رکھا ہے۔ وہ جانتا تھا کہ مقتضیات قدرت سے وہ اس بے باکانہ پیشین گوئی کو اپنی آنکھون پورا ہوتا نہ دیکھ سکے گا لہذا اُس نے آیندہ نسل کے ہیئت دانون کو وصیت کی کہ سنہ ۱۷۵۹ع مین اس کی واپسی کا انتظار کرین۔ اس پیشین گوئی کا حرف حرف پورا ہوا اور اسی سال مین ستارہ مکرر نمودار ہوا۔

اگر کوئی شخص بیجا طرفداری سے پاک ہو کر اس مسئلہ پر غور کرے گا کہ رومن کیتھولک نصرانیت نے

اپنی طول طویل مدت حکومت میں یورپ کی عقلی اور مادی ترقی میں کس قدر حصہ لیا۔ اور اس کے مقابلہ میں سائنس نے اپنے مختصر عہد میں کیا کر دکھایا تو ہمیں یقین ہے کہ وہ بجز اس کے اور کسی نتیجہ پر نہ پہنچے گا کہ اس تقابل میں شان تضاد نظر آرہی ہے۔ حالانکہ واقعات وحقایق کی جو فہرست ہم نے گذشتہ اوراق کے ذریعہ سے پیش کی ہے وہ نہایت ہی غیر مکمل اور ناقص ہے۔ ہم نے فنون نوشت وخواند کی ترویج کی بدولت مدارس عامہ کے ذریعہ سے تعلیم کی اشاعت اور کتب میں جماعت کے روز افزون اضافہ۔ اخبارون اور تنقیدی رسالون کے ذریعہ سے عام رائے کی تولید اخبار نویسی کی بڑھتی طاقت ڈاکخانہ اور سستے محصول ڈاک کے ذریعہ سے خانگی اور عام خبرون کی اشاعت اور اخباری اشتہارون کے شخصی اور عمرانی فوائد کا ذکر تک نہین کیا۔ ہم نے یہ نہین بتایا کہ پیرس کے ہسپتال کے بعد جو پہلا شفاخانہ تھا عام شفاخانے قائم ہو گئے۔ قید خانون مین اصلاح کی گئی۔ مجرمون کے لیے دارالاصلاح اور غیر مستطیع لوگون کے لئے محتاج خانے کھولے گئے۔ نہرین تعمیر کی گئین۔ حفظان صحت کی تدبیرین اختیار کی گئین۔ مردم شماری کا انتظام کیا گیا۔ ہم نے یہ کہین نہین لکھا کہ انطباع حروف مسبوکہ یعنی سیسے کے حروف کو جما کر چھاپنے کی ایجاد کیونکر ہوئی۔ کلورائن سے کپڑا سفید کرنے کی ترکیب کب معلوم ہوئی۔ روئی سے بنولے جدا کرنے کی کل اور پارچہ بافی کے بتلی گھرون کی وہ حیرت انگیز ایجادات جنھون نے کپڑے کا نرخ بے حد سستا کر کے انسان کی جسمانی صفائی آسائش اور صحت پر اضافہ کر دیا ہے کس طرح عمل مین آئین۔ ہم نے طب وجراحی کی عظیم الشان ترقیات علم الابدان کی جدید معلومات۔ فنون لطیفہ کی تحریک۔ فلاحت اور اقتصادیات دیہی کی ترقی۔ کیمیاوی کھادون اور زراعتی کلون کے رواج۔ لوہے کی ساخت اور اس کو وسیع کارخانون اور نیز الانواع و اقسام کے ریشمی اونی اور سوتی کپڑون کے کارخانون کے قیام۔ عجائب خانجات متعلقہ علم حیوانات و آثار قدیمہ مین نوادر و عجائبات کی فراہمی پر ایک سطر تک نہین لکھی۔ ہم نے اس اہم مضمون کو بالکل ہی قلم انداز کر دیا ہے کہ کلین کیونکر خود بخود تیار

ہونے لگین اور بیڑا اور چرخا لنے اور رندہ پھیرنے کے اُن آلات متحرکہ اور نیز دوسرے آلات کا مطلق حال نہین لکھا جن کے ذریعہ سے انجنون کی تیاری ھندسانہ صحت کے ساتھ عمل مین آنے لگے۔ ہم نے کافی طورپر نہ ریل سے بحث کی ہے نہ تار برقی سے نہ علم حساب سے نہ پتھر کے چھاپہ سے نہ ہوا کشی کے نل سے نہ برقی لبطری سے نہ سیارہ یورنیس یا پنچیون کے اکتشاف سے۔ نہ سو سے بھی اوپر پنچیون کی تحقیقات سے۔ نہ شہابہ متوالیہ اور دمدار تارون کے باہمی تعلقات سے۔ ہم اُن علمی مہمات کی توضیح کے حق سے عہدہ برا نہین ہو سکے جو مختلف حکومتون کی طرف سے براہ خشکی وتری ہیئت وجغرافیہ کے مختلف اہم مسایل کے حل کرنے کے لئے جا بجا بھیجی گئین اور نہ اُن بیش بہا وکامل العیار تجربون کی شرح کیفیت ہی ہم نے قلمبند کی ہے جو ان حکومتون کے ایما سے طبعیات کے اصولی نکات کی تعین کے لئے عمل مین لائے گئے۔ ہم نے انیسوین صدی تک کی بعض عظیم الشان علمی فتوحات کی طرف اشارہ تک نہین کیا۔ علم الموجودات کے متعلق اس صدی کے محققین کے مہتم بالشان تصورات۔ مقناطیسی اور کہربائی حقایق کی دریافت فن فوٹوگرافی (عکاسی) کی دلکش ایجاد۔ فلکیات کے متعلق تجزیہ الوان نور معکوس کا استعمال فن کیمیا کو ایوگڈرو بایل ومیریٹ اور چارلس کے قوانین ثلثہ کے تابع کرنے کی کوشش۔ غیر ذوی الاعضا مادہ سے مصنوعی طورپر اجسام ذوی الاعضا کی تولید جس کے فلسفیانہ نتایج کی اہمیت مین کلام نہین۔ علم ترکیب حیانات ونباتات کی بنا فن کیمیا پر رکھنے سے اس علم کا استتباب۔ جغرافیائی پیمائش اور سطح زمین کی ہیئت کذائی کے صحیح نقشہ جات کی ترتیب۔ لولبی التقویب بندوقون اور آہن پوش جہازون کی تیاری۔ فن حرب کے انقلابات عورتون کے حق مین اُس آیہ خیر وبرکت یعنی سینے کی کل کی ایجاد۔ صنایع وبدایع کی کرشمہ ریزی۔ دنیا کے ہمہ گیر میلون کی رونق اور صنعت ودستکاری کی نمایشون کا انعقاد۔ یہ وہ امور مین جن پر ہم نے قلم تک نہین اُٹھایا۔

ایجادات واکتشافات علمیہ کی جو فہرست ہم نے اوپر درج کی ہے اگرچہ وہ بادی النظر

مین طویل نظر آتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ اس طوالت پر بھی نہایت ہی موجز و مجمل بلکہ ناقص و غیر مکمل ہے۔ اس فہرست کو پیش نظر رکھنے سے ہماری نگاہ سرسری طور سے اُس عقلی ہل چل پر جا پڑتی ہے جس کی شورش مین روز افزون اضافہ ہو رہا ہے۔ گویا ایک فانوس خیالی ہے جس کے مثالی نقش نظر کے سامنے گذرتے جاتے ہین۔ اس علمی و ادبی سرگرمی کا مقابلہ جب ازمنہ وسطی کی سکون و جمود سے کیا جاتا ہے تو زمین آسمان کا فرق دکھائی دیتا ہے۔

اس ان تھک سرگرمی کے چارون طرف جو عقلی نور پھیلا ہوا ہے اُس نے بنی نوع انسان پر بے شمار برکتین اور رحمتین نازل کی ہین روس مین اس کی وجہ سے کاشتکار طبقہ کے وہ لاکھون نفوس آزاد ہو گئے جو مالکان اراضی کے پشتینی غلام تھے۔ امریکہ مین اس کی بدولت چالیس لاکھ حبشی غلام آزاد ہو گئے۔ بجائے اُس نیم تلی خیرات کے جو نا اُلقا دیا دیر سے کبھی کبھی چند بدنصیب فلاکت زدہ لوگون کو مل جایا کرتی تھی اس نے خیرات خانے محتاج خانے اور [illegible] ایک وسیع پیمانہ پر قائم کر دیئے اور محتاجین و غربا کے لیے قانون بنا دیا۔ اس نے طب کو سید سے رستہ پر لگا دیا یعنی مرض کے ازالہ سے بدرجہا بہتر اُس کا دفعیہ ہے۔ فن تدبیر مملکت مین اُس نے صحیح علمی اصول قائم کر دئے اور بجائے اُس قانون کے جس مین عطائیانہ بے تہذیبی کی شان نظر آتی تھی ایسے قوانین وضع کئے جن مین یہ اصول مضمر تھا کہ قانونی چارہ جوئی سے پہلے تمدنی واقعات پر تفحص کے ساتھ تحقیق کی نظر ڈال لی جائے۔ انسان کے ارتفاع عقلی مین جو حصہ اس نے لیا ہے وہ اس درجہ نمایان اور نکتہ آموز ہے کہ ایشیا کی دیرینہ سال اقوام بھی اس نعمت عظمی سے مستفیض ہونے کی آرزومند مین۔ ہمین یہ فراموش نہ کرنا چاہیے کہ مغرب کا جو عمل مشرق پر ہوگا جو اُس کا رد عمل مغرب پر ہونا لازمی ہے۔ روما مین جب مختلف دیار و امصار کے دیوتا ایک جگہ لاکر جمع کیئے گئے تھے تو اُن کے باہمی مقابلہ کی وجہ سے بت پرستی مٹ گئی تھی۔ اسی طرح آج وسائل نقل و حرکت کی آسانیون نے متضاد و معارض مذاہب کو ایک دنگل مین لا اُتارا ہے اور مسلمان بدھ برہمن ایک دوسرے کے مواجہ مین صف آرا

نظر آتے ہین پس ضرور ہے کہ ان مختلف مذاہب مین ترقیات اور تبدیلیان ہو جائین - اس مذہبی تصادم کے اثر سے مامون و مصئون صرف سائنس ہی رہے گا اس کے ذریعہ سے کائنات اور آفرینندۂ کون و مکان کا جو تصور ہمارے ذہن مین پیدا ہوا ہے وہ زیادہ تر عظمت و جبروت اور زیادہ تر ہیبت و رعب کی شان لئے ہوئے ہے۔

جس اصول نے اس تحریک کو زندہ کیا ہے اور جو ان علمی اکتشافات و ایجادات کی روح ورواں ہے وہ تشخص کے نام سے موسوم ہے - یہ اصول بعض دلون مین آرزوے دولت بن کر ظاہر ہوتا ہے اور بعض دلون مین جن کی طینت شرافت سے مخمر کی گئی ہے تمناے عزت کی شکل اختیار کرتا ہے - پس مقام تعجب نہین ہے کہ یہ اصول سیاسی قوت بن کر اٹھارہوین صدی مین دو موقعون پر اُن عظیم الشان تمدنی زلزلون کا محرک ہوا جو تاریخ مین انقلاب امریکہ و انقلاب فرانس کے نام سے مشہور ہین - انقلاب اول الذکر کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک پورا براعظم وقف تشخص ہو گیا اور کوئی دن جاتا ہے کہ وہان بہ اتباع اصول جمہوریت دس کروڑ انسان ہر اُس قید سے آزاد ہو کر جو مخل فلاح امن عامہ ہو کامل حریت کی زندگی بسر کرتے ہوئے نظر آئین گے انقلاب ثانی الذکر نے اگرچہ یورپ بھر کی سیاسی بساط الٹ دی ہے اور اگرچہ حیرت انگیز جنگی فتوحات اُس کے ہمرکاب رہی ہین پھر بھی اپنے مقاصد کو کامل و مکمل نہین کیا - بلکہ فرانس پر اس کی وجہ سے رہ رہ کر تباہی اور بربادی آئی ہے - فرانس کی ردعمل حکومت نے جو دنیوی و دینی دو فرمانروا ؤن کی اطاعت وارادت کا جوا جو اُس کے کندھے پر رکھے ہوئے ہے اُسے اگر موجودہ ترقیات کا ایک پہلو سے حلیف بنایا ہے تو دوسرے پہلو سے حریف کر دکھایا ہے - ایک ہاتھ سے اُس نے عقل کے سر پر تاج رکھا دوسرے ہاتھ سے اُس نے سنبھالا لیتے ہوئے پاپا کو سرے سے سنبھالا - اس تناقض کا خاتمہ اُس وقت تک نہین ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنی تمام اولاد وطن یہان تک کہ ادنیٰ گنوار کو بھی سچی تعلیم نہ دے۔

انقلاب فرانس نے موجودہ آرا پر جو عقلی حملہ کیا اُس مین سائنس کی طاقت صرف نہین

کی گئی تھی بلکہ ادب کی۔ اس مین انتقاد و مساوات کی جھلک نظر آتی تھی۔ لیکن سائنس پر البادی، ظلم کی تعریف کبھی صادق نہین آئی۔ اُس نے ہمیشہ مدافعانہ پہلو اختیار کیا ہے اور حریف کو بے روک ٹوک حملہ کرنے کا بکمال فراخ حوصلگی موقع دیا ہے۔ پھر بھی ادب کا حملہ اس قدر خطرناک نہین ہے جس قدر سائنس کا۔ اس لئے کہ انشاپردازی ایک مقامی شے ہے اور سائنس عالمگیر و ہمہ گیر ہے۔

اب اگر ہم یہ سوال کرین کہ سائنس کی ذات سے تمدن جدید کو کیا فائدہ پہنچا ہے اور اُس نے بنی نوع انسان کی راحت و آسائش اور فلاح و بہبود مین کس قدر حصہ لیا ہے تو اس کا جواب ہمین اُسی طرح ملے گا جس طرح اس سوال کا جواب ملتا تھا کہ لاطینی نصرانیت نے انسان اور اُس کے موجودہ تمدن کو کیا نفع پہنچایا ہے۔ جن ناظرین نے اوراق گذشتہ پر نظر امعان ڈالی ہے وہ اس نتیجہ پر لامحالہ پہنچے ہون گے کہ ضرور ہے کہ ہمارے ابنائے جنس کی حالت مین اصلاح واقع ہوئی ہو لیکن جب ہم اس نتیجہ کو شمار و اعداد کے معیار سے جانچتے ہین تو اس مین شان تعیین و تحکیم پیدا ہو جاتی ہے۔ فلسفہ کے مسالک اور مذاہب کی اشکال کا اثر اگر بنی نوع انسان پر دیکھنا مطلوب ہو تو مردم شماری کی رپورٹون کی ورق گردانی کرنی چاہیئے۔ لاطینی نصرانیت ہزار سال مین یورپ کی آبادی دگنی نہ کر سکی۔ اور انفرادی زندگی مین بھی کوئی نمایان اضافہ اس کے عہد مین نہ ہو سکا۔ لیکن ڈاکٹر جارڈس کی رپورٹ سے جو اُس نے مسیچوسٹس کی مجلس حفظ صحت کے ملاحظہ مین پیش کی معلوم ہوتا ہے کہ ”واقعہ اصلاح کنندہ کے وقت جنیوا مین انسداد کی عمر کا اوسط ۲۱۰۲۱ سال تھا۔ ۱۸۱۴ء اور ۱۸۳۳ء کے درمیان ۴۰۰۶۸ ہو گیا۔ تین سو سال پہلے جتنے آدمی چالیس برس زندہ رہتے تھے اتنے آج کل ستر برس کی عمر کو پہنچتے ہین۔ ۱۶۹۲ء مین گورنمنٹ انگریزی کو روپیہ قرض لینے کی ضرورت پڑی۔ یہ ضرورت اس طرح پوری کی گئی کہ اوسط مدت عمر کے حساب سے ہر شخص کے لئے وظیفہ سالانہ مادام الحیات مقرر کیا گیا اور یہ وظائف سن شیرخوارگی سے لے کر اوسط سن عمر تک کے اشخاص کے ہاتھ بعوض ایک خاص رقم کے

بیچ ڈالے گئے۔ اس انتظام میں فائدہ گورنمنٹ ہی کو رہا۔ ستانوے سال بعد وظائف کا ایک جدید سلسلہ گذشتہ صدی کے اوسط معیار حیات کی توقع پر جاری کیا گیا۔ لیکن وظیفہ خواران دور ثانی نے اپنے پیش رووں کے مقابلہ میں اتنی زیادہ عمر پائی کہ گورنمنٹ کو لینے کے دینے پڑ گئے اور یہ قرضہ بہت ہی گرانبار ثابت ہوا۔ حساب لگایا گیا تو معلوم ہوا کہ وظیفہ خواران قرضہ اول میں سے ذکور و اناث دونوں جنسوں کے دس ہزار اشخاص اٹھائیس سال کو پہنچنے سے پہلے مر گئے لیکن ایک صدی بعد جب دوسرے قرضہ کے وظائف جاری کئے گئے تو اسی عمر کے صرف پانچ ہزار سات سو بہتر مردوں اور چھ ہزار چار سو سولہ عورتوں نے وفات پائی۔"

ہم روحانیات کا جسمانیات کے ساتھ اور قیاسات کا واقعات کے ساتھ مقابلہ کرتے چلے آئے ہیں۔ وہ اقوال جن کا اتباع قرون اولیٰ و آخریٰ میں کیا گیا رنگ لائے بغیر نہ رہے۔ زمانہ سابق میں جو مقولہ واجب الاتباع سمجھا جاتا تھا وہ یہ تھا کہ "جہالت زہد و اتقا کی ماں ہے"۔ دور آخر میں جس مقولہ پر عمل ہوا اُس کے الفاظ یہ ہیں "علم اور طاقت مترادف ہیں"۔

بارھوان باب

خطرہ کی آمد آمد

مذہب کے مبتلائے خطرہ ہونے کی قریب الوقوع علامات۔ کلیسائے روما جو نصرانیت کا رکن رکین ہے
ان علامات کو پہچان کر آنے والے خطرہ سے مقابلہ کرنے کی تیاری کرتا ہے۔ پاپائی پائس تاسع مجلس
عمومیہ مسیحیہ منعقد کرتا ہے۔ مختلف دول یورپ کے تعلقات پاپائیت کے ساتھ۔ کلیسا کے تعلقات
سائنس کے ساتھ حسب تصریح مندرجہ مکتوب عمومی وتلخیص پاپائیہ۔
ویٹکین کونسل کے فتوے عصمت پاپا کے متعلق اور نیز درباره سائنس۔ کونسل کے فیصلہ کا خلاصہ۔
حکومت پروشیا اور پاپائیت کی مٹ بھیڑ۔ یہ مقابلہ تفوق اور غلبہ کے حصول کے لئے دراصل
سلطنت اور کلیسا کا مقابلہ ہے۔ یورپ مین ردعمل حکومت کا اثر۔ ویٹکین کونسل کا اعلان اس امر کے
متعلق کہ پاپائیت سائنس کو کس نظر سے دیکھتی ہے۔ رومن کیتھولک مذہب کی تحکمانہ ساخت۔
خدا الہام ایمان اور عقل کے متعلق اس کی تعریفات۔ اس کا سب وشتم۔ تمدن جدید پر اس کے د
جماعت اتحاد انجیلیہ فرقہ پراٹسٹنٹ اور اس کے فیصلہ جات۔
سابق الذکر فیصلہ جات وفتاوی پر ایک عام نظر۔ مسئلہ زیر بحث کی موجودہ وآئندہ صورت۔

جو شخص مسیحی دنیا کے موجودہ رجحان خیال سے آگاہ ہے وہ اس واقعہ کے اخفا پر قادر نہین
ہو سکتا کہ نصرانیت ایک عقلی ومذہبی بحران مین مبتلا ہوا چاہتی ہے۔

ہر طرف سطلع تیرہ وتار نظر آرہا ہے۔ طوفان کی آمد آمد کا شور کانون مین پڑ رہا ہے۔ جرمنی
مین توحی ؟ عہد عقاید ما ورار العقل (یعنی پاپائی مذہب) کی مخالفت پر کمر باندھے کھڑی ہے۔ فرانس

مین ترقی یافتہ طبقہ ابنائے جمہور کے ساتھ دست وگریبان دکھائی دیتا ہے اور اس کشمکش مین اس دولت عظیم الشان کی سیاسی فوقیت بے اثر بلکہ زایل ہو چلی ہے۔ اٹلی مین رُوما پر ایک ایسا فرمان روا قابض ہے جو کلیسا سے خارج کیا جاچکا ہے۔ پاپائے مقدس اس حیلہ کی آڑ ڈھونڈ کر کہ آپ قید مین ہین اپنے قصر ویٹیکن سے حریف پر ملاعن ومطاعن کی بوچھاڑ کر رہے ہین اور باوجودے کہ آپ کی غلطیان اور خطائین بدلایل قاطع وبراہین ساطع ثابت ہو چکی ہین لیکن پھر بھی برابر یہ بڑ لگائے جاتے ہین کہ آپ معصوم عن الخطا ہین۔ ایک رومن کیتھولک اسقف سچ کہتا ہے کہ اہل یورپ علانیہ طور پر نصرانیت سے قطع تعلق کر رہے ہین۔ انگلستان اور امریکہ مین اہل مذہب نہایت بدحواسی کے ساتھ یہ دیکھ رہے ہین کہ زمانہ مین آج کل کچھ ایسی ہوا چل رہی ہے کہ مذہب کی عقلی بنیاد منہدم ہوئی جاتی ہے۔ آنے والی تباہی کا وہ جس طرح بن پڑے مقابلہ کرنے کی تیاریان کر رہے ہین۔

ایک قوم پر وہ وقت بڑی آزمائش اور امتحان کا ہوتا ہے جب وہ مذہبی پابندیون کی کینچلی جسم سے اُتارتی ہے۔ یونان اور روما کی تاریخ ہمین بتاتی ہے کہ یہ وقت کیسا معرکہ کا ہوتا ہے اور اس مین کیسے کیسے خطرات عظیم کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مذاہب سدا ایک حالت پر نہین رہتے۔ اُن مین انسان کے عقلی نشوونما کے ساتھ ساتھ تبدیلیان پیدا ہوتی رہتی ہین۔ دنیا مین ایسے کتنے ملک ہین جن کا مذہب وہی ہے جو مسیح کی ولادت کے وقت تھا؟

تخمینہ لگایا گیا ہے کہ یورپ کی کل آبادی تیس کروڑ دس لاکھ کے قریب ہے۔ ان مین سے اٹھارہ کروڑ پچاس لاکھ رومن کیتھولک ہین اور تین کروڑ تیس لاکھ یونانی کیتھولک۔ پراٹسٹنٹ سات کروڑ دس لاکھ ہین جو بہت سے فرقون مین منقسم ہین۔ یہودیون کی آبادی پچاس لاکھ ہے اور مسلمانون کی ستر لاکھ۔

امریکہ کی مذہبی تقسیم کا صحیح اندازہ نہین لگایا جاسکتا۔ تمام جنوبی امریکہ کی مسیحی آبادی کا مذہب رومن کیتھولک ہے۔ وسطی امریکہ۔ میکسیکو۔ اسپین اور فرانس کے غرب الہندی مقبوضات کی نسبت بھی یہی کہا جاسکتا ہے۔ ریاستہائے متحدہ اور کینیڈا مین پراٹسٹنٹ آبادی کی کثرت ہے۔

آسٹریلیا پر بھی یہی قول صادق آتا ہے۔ ہندوستان کے بیس کروڑ[۵۷] مسلمانون اور دوسری مشرقی قومون کے مقابلہ مین مسیحی آبادی تعداد کے لحاظ سے بے حقیقت محض ہے۔ غرض کلیسائے رومن کیتھولک زمانہ حال کی تمام مذہبی جماعتون کی بہ نسبت زیادہ زبردست زیادہ ترتیب یافتہ اور زیادہ وسیع الاثر ہے۔ بلکہ اسے مذہبی جماعت کہنا ہی غلطی ہے۔ اسے ایک پولیٹکل جتھا سمجھنا چاہیے۔ اس کا اصول یہ ہے کہ کل طاقت پادریون کے ہاتھ مین آئے۔ دنیا دارون کو صرف عبودیت و متابعت کا حق حاصل ہے۔ مسیحیت کے قرن اولین مین کلیساؤن کی شکل جمہوری تھی۔ یہ جمہوریت بتدریج ایک متحد النظام اور مطلق العنان حکومت کی شکل مین بدل گئی ہے اور ایک انسان نائب خدا ہونے کی حیثیت سے اس پر مسلط ہے۔ اس کلیسا کو اس امر کا ادعا ہے کہ اس کی ماموری من اللہی کا اطلاق دینی و دنیوی دونون حکومتون پر یکسان ہوتا ہے۔ اُسے یہ حق حاصل ہے کہ حکومت ملکی کو اپنی اغراض کا تکمیل کا آلہ بنائے لیکن حکومت ملکی کو اس کے معاملات مین دخل دینے کا کوئی حق نہین ہے۔ اور اُن ممالک مین بھی جہان پراٹسٹنٹ مذہب جاری ہے۔ اُس کو حق حکمرانی علی سبیل المساوات ہی نہین بلکہ پورا شاہی اقتدار بلا مساہمت احدے و مشارکت غیرے حاصل ہے۔ کلیسائے مذکور کو اس دعوے کی حقیت پر بھی اصرار ہے کہ حکومت ملکی کو اُس کے حدود اراضی کے اندر کسی شے پر کس طرح کا حق حاصل نہین اور چونکہ پراٹسٹنٹ مذہب

---

[۵۷] غالباً مصنف کی مراد ہندوؤن سے ہے مسلمان بیچارے تو سات ہی کروڑ مین باشاید ۱۸۷۲ء مین جب کہ یہ کتاب اول اول شایع ہوئی ہندوستان کی مردم شماری کا مواد اس درجہ ناقص ہو کہ ہندوستان کے مسلمانون کی تعداد بیس کروڑ سمجھی جاتی ہو۔ مگر یہ بھی نہین ہو سکتا۔ اس لیے کہ ۱۸۷۲ء مین گورنمنٹ ہندوستان کی طرف سے جو رپورٹ مردم شماری شایع ہوئی تھی اُس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کل آبادی ہندوستان کی اُس وقت ۲۴۰۰۲۲۱۹۳ تھی جس مین ۱/۲ ۷۳ فی صدی ہندو تھے ۱/۲ ۲۱ فی صدی مسلمان اور پانچ فی صدی باقی تمام قومین۔ اس پانچ فی صدی مین ۳۱۸۳۶۳ پراٹسٹنٹ اور ۳۶۳۱۷۵ رومن کیتھولک یعنی کل نو لاکھ عیسائی شامل تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کو مسلمانان ہندوستان کی تعداد کے متعلق دھوکا ہوا۔ مترجم

کی حیثیت محض باغیانہ ہے لہذا اُس کو کوئی حق حاصل ہو ہی نہیں سکتا بلکہ پراٹسٹنٹ جماعتوں کا جایز اور حقیقی روحانی پیشوا کیتھولک اسقف ہی ہو سکتا ہے۔

پس ظاہر ہے کہ نصرانیت کے پیرؤں کا جزو غالب کیتھولک ہے۔ اور پاپائیت کا یہ مطالبہ کہ اُسے مسیحی دنیا کی اعلیٰ ترین طاقت تسلیم کیا جائے تحکمانہ اصرار کی ایسی شان لیے ہوئے ہے کہ مسیحی دنیا کی موجودہ مذہبی حالت پر نظر انتقاد ڈالتے وقت اس کے فیصلجات وفتاوی کو پیش نظر رکھنا ازبس ضروری ہے۔ پاپائیت کے طرز عمل میں اعلیٰ درجہ کی دانشمندی اور تدبر کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ چونکہ کیتھولک فرقہ ایک شخص کے احکام کی تعمیل کرتا ہے لہذا اس کو وہ اتحاد کلنا اور اقتدار حاصل ہے جو پراٹسٹنٹ جماعتوں کو خواب میں بھی نصیب نہیں۔ اس کے علاوہ روما کا بڑا نام اپنی شاندار یادگاروں کے ساتھ اس کا پشتیبان ہے۔

پاپائیت نے تامل و تذبذب سے ذرا بھی متاثر ہوئے بغیر اُس عقلی خطرہ کے ہر پہلو پر غور کیا ہے جو کوئی دم میں ظاہر ہوا چاہتا ہے۔ اور جو فیصلہ اُس نے اس بارہ میں صادر کیا ہے۔ اُس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کو بزعم خود اپنے حریف پر پورا غلبہ حاصل ہے۔ یہ فیصلہ گذشتہ ویٹیکن کونسل کے اجلاس کی رویداد کے معائنہ سے معلوم ہو سکتا ہے۔

پاپا پائس تاسع نے بذریعہ فرمان مورخہ ۲۹۔ جون ۱۸۶۸ء روما میں ایک مجلس عمومیہ انعقاد کی تحریک کی۔ اس مجلس کا اجلاس ۸۔ دسمبر ۱۸۶۹ء کو شروع ہو کر جولائی ۱۸۷۰ء میں ختم ہوا۔ منجملہ دوسرے مسائل کے جو اس مجلس میں بغرض غور پیش ہوئے۔ دو امور نہایت اہم ہیں۔ ایک یہ کہ پاپائے روما معصوم ہے دوسرا یہ کہ مذہب کا تعلق سائنس کے ساتھ کیا ہونا چاہیے۔

لیکن اس مجلس کا انعقاد عام رضامندی کے ساتھ نہ ہونے پایا۔ مشرقی کلیساؤں کی رائے زیادہ تر اس کے خلاف تھی۔ اُن کی طرف سے یہ عذر پیش ہوا کہ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ پاپائے روما نصرانیت کی پیشوائی کا منصب اپنے لیے مخصوص کرنا چاہتا ہے حالانکہ اُن کی رائے میں حضرت یسوع مسیح ہی کلیسا کے سردار ہیں۔ اُنھوں نے یہ خیال بھی ظاہر کیا کہ مجلس کے

انعقاد کا نتیجہ بجز اس کے اور کچھ نہ ہوگا کہ نئے فساد اور نئی خرابیاں اُٹھ کھڑی ہون گی۔ ان محترم کلیسائوں کے خیالات کا اندازہ اس واقعہ سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ جب ۱۸۶۷ء مین کلدانی بطریق نے نسطوری بطریق سائیمن کو رومن کیتھولک اتحاد مین شامل ہونے کی دعوت دی تو اُس نے یہہ جواب دیا" آپ چاہتے ہین کہ ہم اسقف روما کی پاپوش کو بصد عجز بوسہ دون لیکن یہ تو فرمایئے کہ کیا وہ بھی آپ ہی کی طرح ایک انسان نہین ہے؟ کیا وہ عزت و آبرو مین آپ سے بڑھ کر ہے؟ ہم اس بات کو کبھی جایز نہ رکھین گے کہ ہمارے مقدس معابد مین مورتون اور مجسمون کی پرستش ہو اس لیئے کہ ان کی پرستش ناپاک اور ذلیل بت پرستی کی ہم معنی ہے۔ کیا آپ لوگون کی طرح ہم بھی اس عقیدہ کے پیرو ہو جائین کہ خدائے قدیر انسان کی طرح مان کے بطن سے پیدا ہوا؟ حضرت یہ کفر آپ ہی کو مبارک ہو۔ ہمین تو اس سے معاف رکھا جائے"۔ اس جواب نے ثابت کر دیا مشرق اور مغرب کا اتحاد محال ہے۔

بالآخر اطراف و اکناف عالم سے جو بطریق صدر اسقف اور اسقف آکر اس مجلس عمومیہ مین شریک ہوئے اُن کی مجموعی تعداد سات سو چار تھی۔

روما کو اچھی طرح معلوم ہو گیا تھا کہ سائنس نہ صرف پاپائی عقاید کی جلد جلد جڑہ کاٹ رہا ہے بلکہ سیاسی قوت بھی فراہم کر رہا ہے۔ یہ واقعہ اُس سے چھپا ہوا نہ تھا کہ یورپ بھر مین تعلیم یافتہ اشخاص مذہب سے قطع تعلق کر رہے ہین اور اس اعتزال کا مرکز اصلی جرمنی کا شمالی علاقہ ہے پس جب جرمنی اور آسٹریا مین جنگ چھڑ گئی تو اُس نے اس جنگ سے نہایت دلچسپی ظاہر کی اور بقدر امکان آسٹریا کا حوصلہ بڑھایا۔ لیکن معرکۂ ساڈووا کے نتیجہ نے اُس کی امید کو مبدل بہ مایوسی کر دیا۔

اس کے بعد جب فرانس اور جرمنی مین لڑائی ہوئی تو پاپائیت کو پھر تھوڑا سا اطمینان قلب نصیب ہوا۔ اُس کو ذرا شک نہ تھا کہ فتح فرانس کو حاصل ہوگی جس کے یہ معنی ہون گے کہ گویا خود اُس کی فتح ہوئی۔ لیکن جنگ سیڈان نے دوبارہ اُس کی امیدون کا خون کر دیا۔

اب چونکہ کئی سال کے لئے اُس کی امیدون کے احیا کی کوئی صورت نہ تھی لہذا اُس نے تہیہ کر لیا کہ جرمنی مین بغاوت کر دی جائے۔ چنانچہ آج کل اس سلطنت مین جو گل کھل رہے ہین وہ حضرت پاپای رومائی کی چمن آرائی کے کرشمے ہین۔

اس مین ذرا شک نہین کہ اگر آسٹریا یا فرانس کو کامیابی نصیب ہوتی تو پروشیا کے ساتھ پراٹسٹنٹ مذہب کا بھی خاتمہ ہو گیا ہوتا۔

اس جنگی کشاکش کے ساتھ ساتھ ایک اور منصوبہ بھی بروئے کار لایا گیا جس کا تعلق ذہنیات کے ساتھ تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ ازمنہ وسطیٰ کے سالخوردہ و فرسودہ عقاید و مراسم کے احیا کی تدبیر کی جائے اور انھیں افراط کی حد تک پہنچایا جائے خواہ اس کا نتیجہ کچھ ہی ہو۔ چنانچہ نہ صرف اس ادعا کا علم بلند کیا گیا کہ پاپائیت کو تمام ممالک کی دنیوی حکومتون مین علی السویہ شریک ہونے کا ربانی حق حاصل ہے بلکہ یہ دعویٰ بھی کیا گیا کہ روما کی برتری اور فوقیت واجب الاعتراف ہے اور مسائل مابہ النزاع مین دنیوی حکومت کو اُس کے احکام کے آگے سر تسلیم خم کرنا چاہئے۔ اس کے علاوہ چونکہ پاپائیت کے خطرہ مین پڑنے کا باعث سائنس کی ترقی ہوئی تھی لہذا اُس نے کمال شوخ چشمی و بے باکی کی راہ سے سائنس کی حد بندی کر دی اور اُس کے اقتدارات کی حدود مقرر کر دین۔ اور اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ تمدن جدید کو بھی مردود و مطرود قرار دینے کی خدمت اپنے ذمہ لی۔

جب پاپائے مقدس ۱۸۵۰ء مین گیٹا[1] سے مراجعت فرما ہوئے تو ان منصوبون پر

[1] جنوبی اٹلی کا ایک شہر ہے جو لب ساحل روما سے ۷۶ میل جانب جنوب و مشرق اور نیپلز سے پینتالیس میل جانب شمال و مغرب واقع ہے۔ یہ شہر نہایت قدیم ہے اور رومن سلطنت کے زمانہ سے لے کر آج تک اس نے بہت سے تاریخی انقلاب دیکھے ہین۔ مسلمانون نے نوین صدی مین اس کا محاصرہ کیا تھا ۸۴۶ء مین اس پر اسپین کا قبضہ ہوا۔ اُن سے ۱۷۹۹ء مین فرانسیسیون نے چھینا۔ پاپائے پائس تاسع جن کا ذکر متن مین ہے روما سے نکال دئے گئے تھے اور گیٹا مین اُنھون نے پناہ لی تھی ۱۸۴۸ء مین فرانسیسیون کی مدد سے

غور شروع ہوا اور جیسوئٹ فرقہ کے مشورہ پر انہیں عمل مین لانے کا ڈھنگ ڈالا گیا۔
یہ فرقہ اس خیال خام مین مبتلا تھا کہ جنزر ناممکن کو ممکن کردے گا اور پاپائیت کی بڈھی
ہڈیون مین جوانی کا کس بل پیدا کیا جاسکے گا۔ غرض پاپائی گزٹ مین یہ اعلان کیا گیا
کہ کلیسا بمقابلہ حکومت آزاد و خود مختار مطلق ہے۔ اساقف پاپا کے مطیع ہین۔ اساقف
کی فرمان برداری اُن کے ماتحتین پر واجب ہے۔ پراٹسٹنٹ جیٹرون کا فرض ہے کہ
جادہ ارتداد و دہریت سے منحرف ہوکر اُس گلہ مین شریک ہو جائین جس سے جدا ہوکر وہ
بھٹکتی پھرتی ہین۔ مسالمت و رواداری کسی شکل مین کسی طرح جائز نہیں۔ ماہ دسمبر ۱۸۵۴ء مین
اساقف کی ایک مجلس منعقد ہوئی جس مین پاپا نے عقیدہ حبل بلادنس کا اعلان کیا۔ اسکے
دس سال بعد وہ فرامین پاپا کی طرف سے جاری ہوئے جو مکتوب عمومی اور تلخیص کے نام
سے مشہور ہین۔

مکتوب عمومی کی تاریخ اجرا ۸۔ دسمبر ۱۸۶۴ء ہے۔ اس کا مسودہ بڑے بڑے عالم
پادریون نے مرتب کیا تھا اور "ہولی آفس" (دفتر مقدس) کی مجلس انتظامی نے اس پر بہت
کچھ بحث کی تھی۔ اس کے بعد یہ اساقف کے پاس بھیجا گیا تھا اور سب سے آخر مین پاپا
نے کردینالون کے ساتھ مل کر اس پر نظر ثانی کی تھی۔

تمدن جدید پر اس مکتوب مین جو لے دے کی گئی تھی اُس سے بعض پادریون نے
اختلاف کیا۔ اور بعض کردینال بھی اس کے ساتھ رضامندی ظاہر کرتے ہوئے جھجکے
کیتھولک اخبارون نے اس کی اشاعت کی تو سہی لیکن بہ تاسف دار تیاب۔ پراٹسٹنٹ
حکومتون نے اگرچہ اس کی مزاحمت نہ کی لیکن کیتھولک حکومتون کو اس نے مضطرب و
سراسیمہ کر کے ضغطہ مین ڈال دیا۔ فرانس نے اس کے صرف اُس حصہ کی اشاعت کو روا رکھا

بقیہ نوٹ صفحہ ۴۴۳ ۔ اونہون نے اپنا کھویا ہوا اقتدار پھر حاصل کیا اور مراجعت فرمائے روما ہوئے

مترجم

جو جوبلی کے اعلان سے متعلق تھا۔ آسٹریا اور اٹلی نے اسے شایع ہو جانے دیا لیکن
سرکاری طور پر منظور نہ کیا۔ کیتھولک ممالک کے اخبارات و رسالجات اور مجالس وضع
آئین و قوانین کی طرف سے اس پر نکتہ چینی ہوئی۔ اکثر لوگون نے بہ تاسف یہ خیال ظاہر
کیا کہ اس کی وجہ سے کلیسا اور موجودہ تمدن کا اختلاف بہت بڑھ جائے گا۔ اور تو اور
اسپین تک مین بعض اخبارات ایسے تھے جنھون نے ان الفاظ مین اپنا افسوس ظاہر کیا
کہ ”دربار پاپاے روما نے تمدن جدید کو بدنام کرنے اور اُس پر نفرین بھیجنے مین نہایت
ہٹ دھرمی اور کورسوادی کا ثبوت دیا ہے“

اس مکتوب نے آزادی ضمیر و آزادی ایمان پر ان الفاظ مین نکتہ چینی کی ہے:۔
”یہ عقیدہ نہایت ہی خطرناک بلکہ مجنونانہ ہے کہ آزادی ضمیر و آزادی پرستش کا حق ہر شخص
کو حاصل ہے اور ہر شایستہ سلطنت مین اس حق کے اعلان اور نگہداشت کا ذمہ دار قانون
کو ہونا چاہیے اور نیز یہ کہ عامہ خلایق کا ارادہ جو اُس طریقہ سے جسے عام راے کہا جاتا ہے
یا دوسرے ذرایع سے ظاہر ہو ایک اعلیٰ قانون ہے جو تمام ربانی یا انسانی حقوق کی
قید سے آزاد ہے“۔ والدین کے اس حق کی بھی اس مکتوب مین نفی کی گئی ہے کہ وہ کلیسا ے
رومن کیتھولک کی حدود سے خارج ہو کر اپنی اولاد کو تعلیم دلا سکتے ہین۔ اُن ”گستاخ و بے ادب“
لوگون پر اس مکتوب مین نفرین کی گئی ہے جو از راہ جسارت کلیسا اور پاپائی منصب کے
اُن پیشوایانہ اقتدارات کو ”دنیوی حکومت کے تابع کرنا چاہتے ہین جو خداوند یسوع مسیح
کا عطیہ ہین“۔ تقدس مآب جناب پاپا نے مکتوب عمومی کے مکتوب الیہم یعنی اپنے محترم
برادران دینی کو ہر وقت عبادت کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ اور حسب ذیل تاکیدی الفاظ
سے اس تاکید پر مزید اضافہ فرمایا ہے۔ ”اس غرض سے کہ خداے تعالیٰ زیادہ آسانی سے
ہماری اور آپ کی دعاؤن کو قبول فرمائے ہمین چاہیے کہ کامل سچائی اور خلوص کے
ساتھ خدا کی مان مریم عذرا سے مدد مانگین جو ہمارے اور اُس کے درمیان بمنزلہ ایک وسیلہ

کے ہین - اور جو اپنے اکلوتے بیٹے خداوند یسوع مسیح کے دہنے ہاتھ پر زرین ردا
اوڑہے اور مختلف زیورات پہنے ہوے بطور ملکہ کے جلوہ فرما ہین - اس لیے
کہ کوئی مراد ایسی نہین جو آسمان کی ملکہ کے توسل سے پوری نہ ہو سکے"

صاف ظاہر ہے کہ پاپا کی طرف سے جس اصول کا اب اعلان ہوا اُس کا لازمی نتیجہ
یہ تھا کہ جن حکومتون کے تعلقات پاپائیت کے ساتھ اب تک موافقانہ و مصالحانہ تھے
وہ بھی اس کے مخالف ہو جائین - روس مین بہت بڑی ناراضی پھیل گئی اور جو واقعات
اس کے بعد پیش آے اُن کے لحاظ سے جناب تقدس مآب نے ایک تہدید آمیز فرمان
نومبر ۱۸۶۶ء مین صادر فرمایا جس کا جواب گورمنٹ روس نے یہ دیا کہ اُس معاہدہ کو جو ۱۸۴۷ء
مین دربار روما اور دولت روس کے درمیان قرار پایا تھا فسخ و کالعدم کر دیا -

جنگ ساڈووا (جولائی ۱۸۶۶ء) کے نتیجہ کی طرف سے بالکل خالی الذہن ہوکر
باوجودیکہ یہ ظاہر تھا کہ تمام یورپ کا سیاسی نقشہ بدل گیا ہے خصوصًا وہ تعلقات جو پاپائیت
کو دول یورپ کے ساتھ تھے اپنے حال پر قایم نہین ہین - پاپا نے بتاریخ ۲۷ جون
۱۸۶۷ء ایک فرمان جاری کیا جو مکتوب عمومی اور تلخیص کا مصدق و موثق تھا - اس کے
ساتھ ہی اُس نے ایک مجلس عمومیہ کے انعقاد کا بھی قصد ظاہر کیا جسکا ہم اوپر ذکر کر آئے
ہین - چنانچہ دوسرے سال یعنی بتاریخ ۲۹ - جون ۱۸۶۸ء انعقاد مجلس کا اطلاع نامہ جاری
کیا گیا - لیکن اب آسٹریا کے ساتھ چپقلش ہو پڑی - آسٹریا کی پارلیمنٹ نے جو قوانین جاری
کیے تھے اُن کی رو سے سلطنت کے تمام باشندون کا درجہ ملکی حقوق کے لحاظ سے
مساوی قرار دیا گیا تھا اور کلیسا کے اقتدارات محدود کر دیے گئے تھے اس پر پاپا کی
گورمنٹ کی طرف سے اعتراض ہوا اور آسٹریا کو بھی روس کی طرح مجبورًا وہ معاہدہ جو ۱۸۵۵ء
مین حکومت آسٹریا و دربار روم کے مابین قرار پایا تھا منسوخ کرنا پڑا -

جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے فرانس مین سالم تلخیص کی اشاعت کی اجازت نہین

دی گئی - لیکن پروشیا چونکہ پاپائیت سے الجھنا نہین چاہتا تھا لہذا اس کا مزاحم نہ ہوا-
پاپائیت تو پہلےمن مزید کے مرض مین مبتلا تھی ہی - اس عدم مزاحمت نے مرض کو اور
بڑھا دیا - یعنی علانیہ یہ مطالبہ کیا جانے لگا کہ اہل ایمان اپنے مال و جان بلکہ اپنے عقلی
عقاید تک کلیسا کی نذر کر دین - پراٹسٹنٹون اور یونانیون کو بھی کلیسائے رومن کیتھولک
کی حلقہ بگوشی کی دعوت دی گئی -

تاریخ مقررہ پر مجلس عمومیہ کا افتتاح ہوا - اسکے مقاصد یہ تھے کہ تلخیص کو قوت سے
فعل مین لایا جائے - عصمت پاپا کے عقیدہ کی ترصیص کیجائے اور مذہب اور سائنس کے
تعلقات صاف صاف بتا دیئے جائین - اس بات کی ہر طرح سے تیاری کر لی گئی تھی کہ جو مقاصد
ذہن مین پیشتر سے قایم ہین اُن کی تعمیل و تکمیل ہو کر رہے - اسقفون کو پیش از پیش مطلع
کر دیا گیا تھا کہ وہ روما مین بحث کرنے کے لیے نہین آرہے ہین بلکہ اُن فیصلون پر صاد کرنے کی
غرض سے بلائے جا رہے ہین - جو ایک معصوم و غیر خاطی پاپا صادر کر چکا ہے - آزادانہ بحث
کا خیال تک بھی پیش نظر نہ تھا - مجلس کے کسی اجلاس کی روئداد کے معائنہ کی کسی کو اجازت نہ
تھی - اُن اساقف کو جن کا تعلق محض ایک رسمی ضابطہ کی تکمیل کے لیے فریق اختلاف سے تھا
بات کرنے کا موقع تک نہ دیا گیا - بتاریخ ۲۲ - جنوری سنہ ۱۸۷۰ء اس مضمون کی درخواست مجلس
مین بغرض تصفیہ پیش ہوئی کہ عصمت پاپا کی تعریف کیجائے - اسکے مقابلہ مین جماعت اقلین
کی اختلافی درخواست پیش ہوئی - اس پر اقلین کو مباحثہ کی ممانعت کر دی گئی اور اُن کی
آرا کی اشاعت کے متعلق بھی حکم امتناعی جاری کیا گیا - اگرچہ یہ انتظام کر لیا گیا تھا کہ جماعت
اکثرین فریقین مباحثہ کا اس حد تک جزو غالب ہو کہ جماعت اقلین پر پوری طرح سے چھا جائے
لیکن پھر بھی مصلحت اسی مین سمجھی گئی کہ ایک حکم اس مضمون کا جاری کیا جائے کہ کسی تحریک
کی منظوری کے لیے یہ ضروری نہین کہ غلبہ آما اتفاق کامل کے قریب قریب پہنچا ہوا ہو بلکہ
محض کثرت رائے کافی ہوگی - جماعت اقلین کی آرائے مخالف کی مطلق پروانہ کی گئی -

مجلس نے اپنے مقاصد کی تکمیل پر جب اس قدر زور دیا تو دول خارجہ کے حکام کو اس کی اس غیر مآل اندیشانہ کارروائی نے ہاسیم وسراسیمہ کردیا۔ دآنا پایہ تخت آسٹریا کے صدر اسقف نے پاپا کی خدمت مین ایک محضر روانہ کیا جس پر بہت سے کردینالون اور صدر اسقفون کے دستخط ثبت تھے۔ اس مین جناب تقدس مآب سے التجا کی گئی تھی کہ مسئلہ عصمت کو معرض بحث مین نہ لائین۔ "اس لیے کہ کلیسا آج کل ایسی کشمکش مین مبتلا ہے جس کا گذشتہ زمانے مین وجود نہ تھا اور اُسکو ایسے حریفون سے پالا پڑا ہے جو سرے سے مذہب ہی کے دشمن ہین اور اُسے فطرت انسانی کے لیے سم قاتل سمجھتے ہین۔ پس ایسی حالت مین جب کہ کیتھولک اقوام کی نیت اعدا اور معاندین کی منصوبہ بازیون سے ڈانوا ڈول ہورہی ہو اُن کو ایسے عقاید کے تسلیم کرنے پر مجبور کرنا جو ٹرنٹ کی کونسل کے مسلمہ عقاید پر مستنزاد ہون قرین مصلحت نہ ہوگا" اس محضر مین یہ عبارت بھی درج تھی کہ "مسئلہ عصمت پاپا عن الخطا کی تعریف جن الفاظ مین کرائی جاتی ہے وہ دشمنان مذہب کے ہاتھ مین ایک اور زبردست حربہ دے دینگے۔ جس کا اثر یہ ہوگا کہ وہ لوگ بھی جو لحاظ عقاید افضل الناس ہین کلیسای رومن کیتھولک کو ان مخویون کے اغوا سے بُرا سمجھنے لگین گے۔" وزیر اعظم آسٹریا نے ایک انتباہی تحریر کے ذریعہ سے دربار پاپا کو اچھی طرح آگاہ کردیا کہ ہر ایسی کارروائی کا خمیازہ دربار موصوف کو کھینچنا پڑے گا جو آسٹریا کے حقوق مین تصرف ودست اندازی کا موجب ہوگی۔ فرانسیسی گورمنٹ نے بھی ایک یادداشت پاپا کی خدمت مین بھیجی جس مین یہ تحریک کی گئی تھی کہ ایک فرانسیسی اسقف کو مجلس کے اجلاس مین فرانس کے حالات پر بحث اور اُس کے حقوق کی حمایت کرنے کی اجازت دی جائے لیکن اس کا جواب پاپا کی گورمنٹ نے یہ دیا کہ یہ نہین ہوسکتا کہ ایسا اسقف سفارت کی خدمات بھی انجام دے اور مجلس کی رکنیت کے مقدس فرائض سے بھی سبکدوش ہوسکے۔ اس پر فرانسیسی گورمنٹ نے ایک مودبانہ عریضہ کے ذریعہ

سے گزارش کی کہ امید ہے کہ حضرات اساقف کسر و انکسار کے اصول کو پیش نظر رکھ کر اور جناب پاپاے مقدس احتیاط و عاقبت شناسی کو کام فرما کر غلو آمیز شخصی آرا کو مذہبی عقاید کی فہرست مین داخل نہ ہونے دینگے۔ اس کے ساتھ ہی اُس نے یہ توقع بھی ظاہر کردی کہ دینی حکومت کی بیجا مداخلت اور دست اندازی سے اُس کے مدنی و سیاسی قوانین کو کیتھولک فرانسیسیون کی عقل سلیم اور حب وطن محفوظ رکھے گی۔ اس مخالفت مین شمالی جرمنی کی "کانفیڈریشن" (انجمن اتحاد) بھی شریک ہوگئی اور ہر طرف سے پاپا کی گورمنٹ پر دباؤ ڈالا گیا۔

۲۳ ر اپریل کو دان آرنم سفیر پروشیا نے دارو سفیر فرانس کے ساتھ ملکر پاپا کی خدمت مین یہ تحریک پیش کی کہ قرون متوسطہ کے خیالات کا احیا بعید از مصلحت ہے۔ اساقفت اقلین نے یہ شد پاکر مطالبہ کیا کہ مسئلہ عصمت پاپا کے تصفیہ سے پہلے دینی اور دنیوی حکومتون کے تعلقات کا تعین کر دیا جاے۔ اور اس مسئلہ کا بھی تصفیہ کر دیا جاے کہ آیا مسیح نے سینٹ پیٹر اور اُس کے جانشینون کو بادشاہون اور شہنشاہون پر اقتدار عطا فرمایا ہے یا نہین۔

لیکن اس تحریک پر مطلق التفات نہ کی گئی یہان تک کہ بحث کے لیے مہلت تک نہ دی گئی۔ فرقہ جیسوئٹ کے اراکین جو اس تمام تحریک کے بانی مبانی تھے اپنی ہر ایک تجویز بجبر منوا لیتے تھے۔ عام نکتہ چینی سے بچنے کا کوئی ایسا حیلہ نہ تھا جو مجلس نے اختیار نہ کیا ہو۔ تمام کارروائی بازمین رکھی گئی۔ جو لوگ اس کارروائی مین شریک تھے اُن سے حلف لے لیا گیا تھا کہ خاموش رہین گے۔

۱۳ر جولائی کو وہ رائین لی گئین۔ ۶۰۱ آرا مین چارسوا کاون[۴۵۱] موافق تھین کثرت آرا کے قاعدے کے مطابق تحریک منظور شدہ قرار پائی اور پانچوین دن پاپا نے اس عقیدہ کا اعلان کر دیا کہ وہ معصوم عن الخطا ہے۔ اکثر کہا گیا ہے کہ یہ وہ دن تھا جبکہ فرانس

نے پروشیا کے خلاف اعلان جنگ کردیا اس کے آٹھ دن بعد فرانسیسی فوج روما سے بلالی گئی۔ شاید مدبر اور فلسفی دونون کو اس کا اعتراف ہوگا کہ اگر عقل سلیم پاپا کو غیرخاطی تسلیم کرلے تو اسکی عصمت اتحاد و اتفاق کا بہت بڑا عنصر ہوسکتی ہے مگر عقل کو یہ بات باور آسے تو کیونکر آسے۔

اس کے بعد شاہ اٹلی نے اپنی قلم سے ایک خط پاپا کو لکھا جس مین نہایت مودبانہ طور پر ظاہر کیا گیا تھا کہ یہ امر ضروری ہے کہ شاہی فوجین بڑھ کر اُن مقامات پر قبضہ کرلین جن کا جناب تقدس مآب کی سلامتی اور ملک کو حریفون کی دست برد سے بچانے کے لئے شاہی قوت کی حمایت مین آجانا مصالح سیاسیہ کے مقتضیات سے ہے۔ اس خط مین یہ بھی ظاہر کیا گیا تھا کہ کیتھولک مذہب کا تقدس مآب پیشوا اس ضرورت کو تسلیم کرنے سے نہ صرف قومی تمناؤن کو پورا کریگا بلکہ باشندگان اٹلی کی ارادت و عقیدت کا مرکز بن کر دریاے ٹائبر کے کنارے اگر چاہے تو ایک ایسی شاندار حکومت قایم رکھہ سکے گا۔ جو انسانی حکومت کی اطاعت سے مطلقاً آزاد ہوگی۔

اس کا جواب جناب تقدس مآب نے ایک مختصر سے جلے کٹے خط مین یون دیا۔ ”مین خدا کا شکر کرتا ہون جسنے حضور کو میری زندگی کے پیالہ کی تلچھٹ مین تلخی کے ملانے کی توفیق عطا کی ہے باقی رہے آپکے بعض مطالبات سو مین اُن کے منظور کرنے سے قاصر ہون اور اُن اصول کی پابندی بھی میرے حیطۂ امکان سے خارج ہے جو آپ کے خط مین درج ہین مین پھر خدا سے استعانت چاہتا ہون اور اپنا کام اُس کے ہاتھہ مین چھوڑتا ہون کہ وہ خود اُسی کا کام ہے۔ میری خدا سے دعا ہے کہ وہ حضور پر اپنی بہت سی برکتین نازل کرے اور آپکو خطرات سے بچاے اور آپ پر وہ رحم فرماے جس کی آپکو بہت ہی ضرورت ہے“

شاہی فوج کو بہت کم مزاحمت پیش آئی۔ ۲۰ ستمبر ۱۸۷۰ء کو اس نے روما پر قبضہ

کرلیا- اب ایک عام اعلان جاری کیا گیا کہ مسئلہ اتحاد دولت اٹلی کے متعلق کل باشندگان
اٹلی کی راے بذریعہ قرعہ اندازی لی جاے اس عام قرعہ اندازی کے نتیجہ نے ثابت
کردیا کہ اٹلی مین لوگون کا دماغ دینیات کی قیود سے کامل طور پر آزاد ہوچکا ہے اُن صوبجات
مین جو روما سے متعلق تھے آراے قابل اندراج کی تعداد ۱۶۷۵۴۸ تھی ان مین سے
بہ قدر ۱۳۵۲۹۱ آرا کے قرعہ اندازی ہوئی- الحاق صوبجات کی تائید مین ۱۳۳۶۸۱
آرا برآمد ہوئین آراے مخالف کی تعداد ۱۵۰۷ تھی اور ۱۰۳ رائین ایسی تھین جو منسوخ
کردی گئین اٹلی کی پارلیمنٹ نے باشندگان روما کی اس متحدہ راے کو کہ رومائی صوبجات
کا دولت اٹلی کے ساتھ الحاق کرلیا جاے بغلبہ آرا تسلیم کرلیا- ۲۳۹ رائین اس اعتراف
کی موید تھین اور بیس مخالف غرض ایک شاہی فرمان کے ذریعہ سے اس امر کا اعلان کردیا
گیا کہ پاپائی ریاستین دولت اٹلی کے ساتھ ملحق کردی گئین اور ایک اشتہار اس الحاق
کی جزئیات کے متعلق جاری کیا گیا- اس اشتہار مین بتایا گیا تھا کہ ” ان رعایات سے
گورمنٹ اٹلی یورپ پر یہ بات ثابت کرنا چاہتی ہے کہ باتباع اس اصول کے کہ ایک
خود مختار حکومت مین کلیسا کو خود مختار ہونا چاہیے- اٹلی پاپا کی فرمان روائی کو تسلیم کرتی ہے

جب پروشیا اور آسٹریا کی جنگ ہوئی تو پاپائیت کو یہ امید تھی کہ سلطنت جرمنی پر
آسٹریا کی نگرانی قایم ہوجاے گی- اور اہل جرمنی کا مذہب کیتھولک ہوجاے گا جب
جرمنی اور فرانس مین لڑائی ہوئی تو فرانسیسیون کو امید تھی کہ جرمنی مین ایسے لوگ بھی
موجود ہونگے- جنھین رومن کیتھولک مذہب کے ساتھ ہمدردی ہوگی- اسی لیے کیتھولکون
کو پراٹسٹنٹون کے خلاف بھڑکانے مین کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا گیا- کوئی ایسی
گالی نہ تھی جو اُن کو نہ دی گئی ہو کبھی اُنھین دہریہ کہا گیا کبھی اُن کی نسبت یہ خیال ظاہر کیا گیا
کہ اُن مین ایمانداری اور دیانت کی صفت ہوہی نہین سکتی- کبھی ان کے فرقون کی نسبت
یہ ظاہر کیا گیا کہ اُن کا اعتزال روبہ زوال ہے کبھی اُن پر یہ آوازہ کسا گیا کہ پیروان لوتھر کے

زیادہ فاسق و فاجر قوم یورپ بھر مین کوئی نہین - خود جناب پاپا نے شاید یہ سمجھ کر کہ دنیا کو تاریخ نسیا منسیا ہوگئی ہے بلا تامل یہ ارشاد فرمایا کہ " اہل جرمنی کو سمجھہ جانا چاہیے کہ بجز کلیسائے روما کے اور کوئی کلیسا آزادی اور ترقی کا سرچشمہ نہین ہو سکتا "

اس اثنا مین جرمنی کے پادریون نے ایک جماعت اس غرض سے قائم کی کہ پاپا کی غاصبانہ دست برد کے خلاف اپنی آواز بلند کرے بلکہ عملی طور پر اس کی مزاحمت کرے - اس جماعت نے صاف کہدیا کہ ہم ہرگز اس امر کے روادار نہین ہو سکتے کہ انسان خدا کے تخت پر بٹھا دیا جائے بلکہ ہم کسی شکل مین بھی کسی کو نائب خدا بنا ہوا دیکھہ نہین سکتے اور نہ اپنے علمی عقاید کو قسیسیت کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا سکتے ہین - بعض تو یہان تک سبلے دھڑک نکلے کہ اُنھون نے خود پاپا ہی پر زندقہ والحاد کا الزام لگادیا - ان متمرد اور سرکش اشخاص کو خارج از کلیسا کیے جانے کی دھمکیان دی گئین اور بالآخر یہ مطالبہ کیا گیا کہ بعض پروفیسرون اور معلمون کو خدمت سے سبکدوش کرکے بجاے اُن کے ایسے اساتذہ مقرر کیے جائین جو عصمت پاپا کے قایل ہون - اس مطالبہ کی تعمیل سے گورمنٹ جرمنی نے انکار کر دیا -

گورمنٹ جرمنی کی دلی تمنا تھی کہ پاپائیت کے ساتھہ صلح صفائی کے تعلقات قایم رکھے وہ مذہبی جھگڑون مین ہرگز نہ پڑنا چاہتی تھی - لیکن رفتہ رفتہ اُس پر اس حقیقت کا انکشاف ہوکر رہا کہ امر مابہ البحث مذہبی نہ تھا بلکہ پولیٹیکل یعنی حکومت کی طاقت آیا حکومت ہی کے خلاف صرف کیجاے یا نہین - ایک دفعہ ایک اُستاد جو کسی مدرسہ مین ورزش کی تعلیم دینے پر مامور تھا کلیسا سے خارج کیا گیا - اور جب کلیسا کی طرف سے اُس کی برطرفی کی تحریک ہوئی تو گورمنٹ نے اس تحریک کی تعمیل سے انکار کر دیا - حکام کلیسا نے اس انکار کو کلیسا کے حقوق کی پایمالی پر محمول کرکے ظاہر کیا کہ گورمنٹ نے مذہب پر حملہ کیا ہے - شہنشاہ جرمنی نے اپنے وزیر کی اس کارروائی کو جو کلیسا کے مقابلہ مین کیگئی

تھی بنظر استحسان دیکھ کر اس کی حمایت کی۔ اس پر پاپائی اخباروں نے شہنشاہ کو ہر ایماندار کیتھولک
کی مخالفت کی دھمکی دی کر جتایا کہ پاپا کے ساتھ مقابلہ کرنا کچھ بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ اس میں
حکومتیں تہ و بالا ہوسکتی ہیں اور ہو کر رہیں گی۔ ہر شخص جو ذرا بھی سمجھ رکھتا تھا اچھی طرح جان گیا
کہ امر مابہ النزاع نے اب اس سوال کی شکل اختیار کر لی ہے کہ سلطنت کا اصلی مالک کون ہے
گورمنٹ یا کلیسائے روما؟ دو بادشاہ در اقلیمے نہ گنجند۔ والی مثل ثابت ہو رہی تھی۔ یہ ممکن
نہ تھا کہ لوگ دو حکومتوں کے ماتحت رہ سکیں جن میں سے دونوں ایک دوسرے کا تخطیہ کرتی
ہوں۔ صاف ظاہر تھا کہ اگر گورمنٹ کلیسائے روما کے احکام کی متابعت کرنے سے پہلو تہی
کرے گی تو دونوں گویا ایک دوسرے کے دشمن ہونگے۔ اس طور پر روما نے جرمنی کو لڑائی
پر مجبور کیا اور یہ وہ لڑائی تھی جس میں روما کی بوجہ تمدن جدید کے حریف ہونے کے صاف زیادتی
پائی جاتی ہے۔

گورمنٹ جرمنی اب اپنے حریف کو پہچان کر یہ مدافعانہ چال چلی کہ محکمہ وزارت عبادات عامہ
کے کیتھولک صیغہ کو یک قلم تخفیف کر دیا۔ یہ واقعہ ۱۸۷۱ء کے موسم گرما میں پیش آیا تو مہر آیندہ
میں شاہنشاہ نے پارلیمنٹ سے ایک قانون اس مضمون کا نافذ کیا کہ جو پادری اپنے عہدہ سے ناجائز
فائدہ اٹھا کر موجب نقض امن ہونگے وہ مستوجب سزا بصیغہ فوجداری ہونگے۔ اس کے ساتھ ہی اس
اصول کو پیش نظر رکھ کر کہ کامیاب وہی جماعت ہوگی جس کے ہاتھ میں مدارس ہونگے ایک منصوبہ
وسیع پیمانہ پر اس غرض سے قایم کیا گیا کہ مدارس کو کلیسا سے علیحدہ کر لیا جائے۔

"جیسوئٹ" فرقہ تمام جرمنی میں اس سازش کا جال پھیلا رہا تھا کہ ایسے مذہبی قانون کی تعمیل
رعایا پر فرض نہیں ہے جو حکومت کا بنایا ہوا ہو۔ یہ گویا کھلم کھلا بغاوت تھی گورمنٹ اگر ان
باغیوں کی دھمکی میں آجاتی تو اس کی خیر نہ تھی۔ ارملان کے اسقف نے صاف کہدیا کہ حکومت
کے ان قوانین کی وہ ہرگز متابعت نہ کرے گا۔ جو موثر کلیسا ہوں گے۔ اس پر گورمنٹ نے
اس کی تنخواہ روک دی اور یہ دیکھ کر جب تک جیسوئٹ فرقہ کا ملک میں قدم رہے گا۔ امن قایم

نہو سکے گا ان کے اخراج کا قصد کر لیا اور جتنے جیسوئٹ تھے سب ملک بدر کردئے گئے۔
۱۸۷۳ء کے خاتمہ پر جناب تقدس مآب نے ایک خطبہ شایع کیا جس مین اس واقعہ کی طرف اشارہ کرنے کے بعد کہ سلطنت جرمنی مین کلیسا جور وجفا کا تختہ مشق بنا ہوا ہے۔ آپنے یہ دعویٰ کیا کہ کلیسا اور حکومت کی حدود دارمنی کے معین کرنے کا حق صرف کلیسا ہی کو حاصل ہے۔ یہ اصول جس درجہ خطرناک اور ناقابل تسلیم ہے ظاہر ہے اسلیے کہ لفظ اخلاق کلیسا کی اصلاح مین انسان کے جملہ تعلقات باہمی پر حاوی ہے۔ اور کلیسا نے یہ فرض کر رکھا ہے کہ ہر وہ قوت جو اُس کی معین نہین ہے اُس پر جبر کرتی ہے۔۔ اس خطبہ کی اشاعت کے چندروز بعد یعنی ۹ جنوری ۱۸۷۳ء کو گورمنٹ نے چار قوانین نافذ کیے:۔
(۱) ادن وسایل کے انضباط و تعین کے متعلق جن کو اختیار کر کے انسان اپنا تعلق کلیسا سے منقطع کر سکے۔ (۲) کلیسا کے اقتدارات تعزیری کی تقیید و تحدید کے متعلق۔ (۳) قانون تنبیہات دتادیبات مذہبی دربارہ ممانعت سزاے جسمانی و انضباط سزاے جرمانہ و جلاے وطن و عطاے حق اپیل بہ ناراضی فیصلہ عدالتہاے ماتحت بعدالت العالیہ امور مذہبی جسکا فیصلہ قطعی اور ناطق متصور ہوگا۔ (۴) قانون تعلیم ابتدائی و تقرر پادریان۔ اس چوتھے قانون کی روسے لازمی قرار دیا گیا کہ پادریون نے خاطرخواہ تعلیم پائی ہو اور سرکاری امتحان پاس کیا ہو اور فلسفہ وتاریخ و جرمن علم ادب مین مہارت رکھتے ہون یہ بھی قرار پایا کہ جو مذہبی مدارس سلطنت کی نگرانی مین قایم رہنے سے انکار کرین وہ بند کردئے جائین۔
یہ قوانین حکومت جرمنی کے اس مصمم قصد کو ثابت کرتے ہین کہ وہ ہرگز اس بات کی روادار نہ ہوگی کہ اٹلی کے چند اوپچے گھرانے جرمنی مین من مانی کارروائیان کرین اور اُسے کٹ پتلی کی طرح تار پر نچائین۔ بلکہ وہ اپنے گھر کا انتظام اب خود اپنے ہاتھ سے کرنا چاہتی ہے۔ اس مقابلہ کو وہ مذہب اور ایمان کا معاملہ نہین سمجھتی بلکہ قانون سلطنت اور قانون کلیسا کی فرمانروایانہ صولتون کا تصادم تصور کرتی ہے۔ بالفاظ دیگر وہ پاپائیت کو مذہبی نہین

بلکہ پولٹیکل طاقت سمجھتی ہے۔ اور اُس نے عزم بالجزم کرلیا ہے کہ جرمنی کی دستوری حکومت کا یہ اعلان لفظاً و معناً علماً و عملاً برقرار رہے گا کہ "مذہبی آزادی کو ہرگز اُن فرائض مین مخل نہ ہونا چاہیئے جو ہر فرد رعایا کے ذمہ دوسرے افراد رعایا اور حکومت کی طرف سے واجب الادا ہین"

یہ قول بالکل درست ہے کہ پاپائی حکومت مین شان عمومیت نظر نہین آتی یعنی وہ ایک ہمہ گیر کلیسا نہین ہے جسکی برکات سے کل مسیحی دنیا مستفیض ہوتی ہو بلکہ اسکا مقصد محض چند اطالوی خاندانون کو نفع پہونچانا ہے۔ اس کی ہیئت ترکیبی پر اگر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ پاپا کردینال اسقف اور کردینال شماس سب کے سب اطالوی ہین۔ کردینال قسیص تقریباً سب کے سب اطالوی ہین۔ روما کی مجلس مقدسہ کے اعضاء عمال سب کے سب اطالوی ہین قرون متوسطہ سے لے کر آج تک فرانس کا ایک بھی پادری پاپا نہین ہوا۔ یہی حال آسٹریا پرتگال اور اسپین کا ہے۔ باوجود اُن کوششون کے جو اس اختصاص کے خلاف وقتاً فوقتاً عمل مین لائی گئی ہین اور باوجودیکہ سبھی طرح کے جتن کیے گیے ہین کہ کلیسا کے مناصب جلیلہ کا دروازہ تمام کیتھولک دنیا کے لیے بلا امتیاز کھولدیا جاے لیکن ممکن نہین کہ کوئی غیر ملکی کرسی مقدس تک پہونچ سکے۔ یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ کلیسا ایک سلطنت ہے جو خدا نے مخصوص طور سے اٹلی ہی کے امرا کو عطا فرمائی ہے۔ موجودہ مجلس کردینالان کے پچپن ارکان مین سے چالیس اطالوی ہین حالانکہ انصافاً ان کی تعداد آٹھ سے زیادہ نہونی چاہیئے تھی۔

ترقی یورپ کی چلتی گاڑی کی راہ مین حکومت کی دوعملی نے روڑا اٹکا رکھا ہے۔ ایسی حالت مین جبکہ ہر قوم کے دو بادشاہ ہون ایک دنیوی یعنی داخلیہ اور ایک دینی یعنی خارجیہ جبکہ مختلف ممالک جداجدا فرمان رواؤن کے ماتحت ہون اور ان سب کا ایک فرمان روا پاپاے روما ہو۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ تاریخ مین ہمکو بجز ان متخالف و متعارض

طاقتوں کی رقیبانہ جدوجہد کی داستان کے اور کوئی سبق آموز حقیقت نظر آسکے؟ جو شخص
ان واقعات کا بنظر غور مطالعہ کرے گا اُسے معلوم ہو جائے گا کہ وہ قومیں جنھوں نے
ثنویت کے عنصر کو اپنی حکومت سے خارج کر دیا ہے سب سے زیادہ ترقی یافتہ ہیں
اُس پر فاتح کی حقیقت منکشف ہو جائے گی جس نے فرانس کو عضو معطل بنا رکھا ہے۔
ایک طرف تو فرانس یورپ کا مقتدا و پیشوا بننا چاہتا ہے۔ اور دوسری طرف عہد ماضی کی
اُس لاش سے ہم آغوش ہے۔ جس کی ہڈیاں بھی گل کر چونا ہو گئی ہیں یعنی طبقہ جہلا و عوام
کے خوش رکھنے کی غرض سے وہ طرز عمل اختیار کرتا ہے جس کی وقعت اُس کی عقل سلیم
کی نظروں میں خاک نہیں ہو سکتی۔ جن دو حکومتوں کا فرانس میں دور دورہ ہے وہ یہاں
تک مساوی القوت ہیں کہ کبھی ایک کو غلبہ حاصل ہو جاتا ہے۔ کبھی دوسرے کو۔ اور بارہا ایسا
بھی اتفاق پیش آتا ہے کہ ایک قوت دوسری قوت کو اپنے اعراض کی تکمیل کا آلہ بنا لیتی ہے
لیکن اس دوعملی کے خاتمہ کا وقت اب قریب آتا جاتا ہے[لہ]۔ شمالی اقوام کو جو تخیلات
باردہ و توہمات باطلہ میں اس درجہ مبتلا نہ تھیں یہ ثنویت مدت سے ناقابل برداشت ہو گئی
تھی اور اونھوں نے علی رغم انف روما اس کا جوا اپنے کندھے سے اُتار پھینکا تھا جس کی
قسمت دوسری قوموں سے اچھی تھی۔ کبھی بھی کسی غیر قوت کا روحانی حلقہ بگوش نہ بنا۔ وہ قدیم
کلیسائے یونان کی رسموں ہی کو اپنا سرمایۂ نجات تصور کرتا تھا۔ اور پاپائیت کو نصرانیت
قرون اولی میں مفسدانہ رخنہ اندازی سے تعبیر کرتا تھا۔ امریکہ میں امور دنیا و دین بالکل الگ
الگ کر دئے گئے ہیں۔ مذہب کو حکومت میں دست اندازی کرنے کی مطلق اجازت نہیں
اگرچہ باقی ہر اعتبار سے اُسے پوری آزادی حاصل ہے نئی دنیا کی حالت دیکھ کر ہمیں یہ اطمینان

لہ دو سال ہوئے کہ فرانس بھی اس دوعملی حکومت کی قید سے آزاد ہو گیا۔ مذہب حکومت سے
بالکل بے دخل کر دیا گیا اور اب فرانسیسی گورمنٹ کا شاہی مذہب نام کو نصرانیت لیکن فی الحقیقت
مادیت ہے۔ مترجم

بھی ہوتا ہے کہ نصرانیت کے دونوں فرقوں یعنی کیتھولک اور پراٹسٹنٹ کی قوت بالیدگی وانفراع سلب ہو چکی ہے۔ان کی جو حدود ایک عرصہ سے معین ہو چکی ہیں اُن سے یہ دونوں متجاوز ہونے کے قابل نہیں رہے کیتھولک اقوام کیتھولک ہیں اور پراٹسٹنٹ پراٹسٹنٹ۔ پراٹسٹنٹوں کے دل سے فرقہ بندی کا خیال دور ہو رہا ہے۔ اُن کے اختلافات مٹتے جاتے ہیں۔ مختلف فرقوں کے افراد کا میل جول بڑھتا جاتا ہے۔ اُن کی آراد عقائد مروجہ کا ماخذ کلیسا نہیں ہے بلکہ اخبارات و رسائل ہیں +

جس جدوجہد کا ذکر ہم نے کیا ہے اُس کے لحاظ سے پاپا نے پائس تاسع کے پیش نظر دو مقاصد تھے۔ اول یہ کہ پاپائیت کی قوتیں ایک مرکز پر لاکر جمع کردی جائیں اور یہ مرکز ایک مطلق العنان روحانی مقتدا ہو جسے ربانی اقتدارات حاصل ہوں۔ دوسرے یہ کہ جو اقوام مسیحی المذہب ہیں اُن کے عقلی نشو ونما کی باگ پاپا کے ہاتھ میں آجائے۔ مقصد اول الذکر کا کوئی اور نتیجہ بجز سیاسی مداخلت کے ہو ہی نہیں سکتا۔ پاپا نے موصوف کو اصرار تھا کہ دنیوی طاقت ہر حال میں دینی طاقت کے تابع ہو اور ہر وہ قانون جو کلیسا کی اغراض کا حامی نہ ہو منسوخ کر دیا جائے۔ اس لیئے کہ ایسا قانون اہل ایمان کے لیئے واجب الاتباع نہیں ہے۔ گذشتہ اوراق میں ہم مجمل طور پر محض اُن پیچیدگیوں کا ذکر کر آئے ہیں جو اس اصول کو برقرار رکھنے کی کوشش کے باعث واقع ہو چکی ہیں +

اب ہم اُس طریقہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو پاپائیت نے اپنی عقلی حکومت کے قیام کے لیئے تجویز کیا ہے۔ یعنی ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اُس نے اپنے اور اپنے حریف سائنس کے باہمی تعلقات کی تعریف وتعیین کن الفاظ میں کی ہے۔ ازمنہ وسطی کی حالت کے احیا کی کوشش میں اُس نے تمدن جدید کی کیوں کر مخالفت کی ہے اور ابنائے زمانہ جہال کو کس کس طرح سے کوسا ہے

مکتوب عمومی وتلخیص میں جو اصول مندرج ہیں اُنہیں ویٹیکن کونسل قوت سے فعل

یں لانے کی آرزومند تھی" تلخیص" میں اُن لوگوں کی تکفیر کی گئی ہے جو عقیدہ ہمہ اوست کے قائل ہوں یا نیچری ہوں یا مطلقاً استدلالی ومعقولی ہوں۔ اوراس قسم کے عقائد کو مورد نفرین قرار دیا گیا ہے کہ خدا کائنات ہے۔ خدا اور قوت مترادفات ہیں۔ امور دین پر بھی اُسی حیثیت سے نظر ڈالنی چاہیئے جس حیثیت سے مسائل فلسفہ پر نظر ڈالی جاتی ہے۔ وہ طریقے اور اصول جنہیں متکلمین زمانہ قدیم نے دینیات کی حمایت کے لیئے اختیار کیا تھا مقتضیات زمانہ حال وترقی سائنس کے لحاظ سے موزوں ومناسب نہیں رہے۔ ہر شخص آزاد ہے کہ جس مذہب کو ازروئے عقل سچا سمجھے قبول کرلے۔ کلیسا کے اقتدارات کی تعیین وتحدید کا حق حکومت کو حاصل ہے۔ کلیسا کو جبریا بالواسطہ وبلاواسطہ قوت سے کام لینے کا حق حاصل نہیں۔ کلیسا کو حکومت اور حکومت کو کلیسا سے الگ کردینا چاہیئے۔ اب یہ امر قرین مصلحت نہیں رہا کہ حکومت کا مذہب عبادت کے باقی تمام طریقوں کی نفی کرکے کیتھولک مذہب ہی قائم رہنے دیا جائے۔ جو لوگ کیتھولک ممالک میں آکر سکونت پذیر ہوں اُنہیں اپنا طریقہ عبادت علانیہ اختیار کرنے کا حق حاصل ہے۔ پاپائے روما کو تمدن جدید کی ترقی کے ساتھ اتفاق ووفاق ہوسکتا ہے اور ہونا چاہیئے بھی تلخیص میں یہ دعوٰی بھی کیا گیا ہے کہ کلیسا کو مدارس عامہ کی نگرانی کا کامل اختیار حاصل ہے۔ اور حکومت کو ایسا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ اس کے علاوہ نکاح اور طلاق کے معاملات بھی کلیسا کے حیز اقتدار میں داخل ہیں +

ان میں سے وہ اصول جنہیں کونسل نے بالفعل بشکل ضابطہ مرتب کرنا قرین مصلحت سمجھا ایک رسالہ میں جس کا نام "کیتھولک مذہب کا دستور عقائد" ہے درج کردیئے گئے ہیں اب ان عقائد کے مہات الامور خصوصاً مذہب اور سائنس کے تعلقات باہمی پر غور کرنا ہے۔ مخفی نہ رہے کہ سطور ذیل اس رسالہ کا مکمل اقتباس پیش نہیں کرتیں بلکہ ان کے ذریعہ سے صرف اُن اجزا کا خلاصہ درج کیا گیا ہے جو ضروری الاظہار ہیں +

رسالہ کی تمہید ایک منافرانہ تقریظ پر مشتمل ہے جس میں واقعہ اصلاح کینیسہ کے اصول و نتائج پر بہ تشدد نکتہ چینی کی گئی ہے :-

"اُس ربانی اقتدار کی نفی کرنے کے باعث جو کلیسا کو دین برحق کے حقائق کی تعلیم دینے کے متعلق حاصل ہے اور جملہ امور متعلقہ مذہب کو ہر شخص کے اجتہاد ذاتی کے حوالے کرنے کی بدولت متعدد فرقے پیدا ہو گئے ہیں اور ان فرقوں کے باہمی اختلاف و نزاع سے نہ صرف بہت سے لوگوں کے دل سے یسوع مسیح کا ایمان زائل ہو گیا بلکہ کتب مقدسہ کا شمار افسانوں اور فرضی روایتوں میں ہونے لگا۔ لوگ مسیحیت کے منکر ہو گئے اور اس کے بجائے محض عقل یا بقول خود نیچر کی تعلیم کی پیروی کرنے لگے۔ ایسے لوگوں کی تعداد کم نہیں ہے جو ہمہ اوست مادیت اور دہریت کے قعر میں جا گرے ہیں۔ اور فطرت انسانی کے استدلالی پہلو کو نظر انداز کر کے اور نیکی و بدی کے ہر قاعدہ کو پس پشت ڈال کر جماعت انسانی کا اخلاقی شیرازہ بکھیرنے کی دھن میں لگے ہوئے ہیں۔ ان معتقدات فاسدہ و بدعات سیئہ کی چونکہ ہر جگہ اشاعت ہو رہی ہے لہذا بہت سے کیتھولک بھی ان کے دام تزویر میں گرفتار ہو گئے ہیں۔ جنہوں نے سائنس کو جس کا ماخذ انسان ہے مذہب کے ساتھ جو ربانی الاصل ہے ملا کر خلط مبحث کر دیا ہے+

لیکن کلیسا جو ابو الامم اور سید الاقوام ہے کمزوروں کی قوت اور ناتوانوں کا سہارا ہے جو راہ گم کردہ اُس کے آغوش عاطفت میں آ کر عافیت گزین ہونا چاہیں اُنہیں پناہ دینے کے لئے تیار ہے اور جس رستہ سے وہ بھٹک گئے تھے اُس پر اُنہیں نئے سرے سے ڈالنے کے لئے آمادہ ہے۔ اسی لئے کل دنیا کے اساقفہ اس مجلس عمومیہ میں آ کر جمع ہوئے ہیں اور چونکہ روح القدس بھی اس جلسہ میں نزول اجلال فرما کر ہمارے اجتہادات میں شریک ہے لہذا ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ پطرس کی کرسی سے مسیحی نجات کے عقیدہ کا اعلان کریں اور اُن بدعات کو جو اس عقیدہ کی مخالف ہیں سرزمین اعتقاد

سے قاطبۃً خارج کریں +

"خدا کی حقیقت جو آفرینندہ کون ومکاں ہے :۔ مقدس رومن کیتھولک کلیسا جو مرسلین کی یادگار ہے یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ خدائے حی وبرحق ایک ہے جو آسمان وزمین کا خالق ومالک۔ قادر مطلق۔ ازلی وابدی بلا تعدد ولا تحصے۔ برتر از فہم وقیاس۔ غیر متناہی العقل والارادہ اور من کل الوجوہ کامل ہے۔ وہ کائنات سے جدا اور متمائز ہے وہ اپنی مشیئت مطلقہ کی تحریک پر دو مخلوق ہستیوں کو عدم سے وجود میں لایا جن میں سے ایک روحانی ہے دوسری جسمانی ایک لاہوتی ہے دوسری ناسوتی۔ اس کے بعد اس نے فطرت انسانی کو بنایا جو ان دونوں سے مرکب ہے۔ اس کے علاوہ خدا اپنی تائید سے تمام چیزوں کی حفاظت اور انتظام کرتا ہے اور اس کا جلال وجبروت اقصائے کائنات پر محیط ہے اس کے نظم ونسق میں موزونی وترتیب پائی جاتی ہے۔ وہ ہمہ دان وہمہ بین ہے اور وہ باتیں بھی اس سے پوشیدہ نہیں ہیں جو اس کی مخلوقات کے آزادانہ افعال سے وقوع میں آتی ہیں +

"الہام کی حقیقت :۔ کلیسائے مقدس کا عقیدہ ہے کہ اگرچہ خدا کی ذات عقل انسانی کے قدرتی نور کی روشنی میں صاف صاف نظر آسکتی ہے لیکن اس کی یہ بھی مرضی ہے کہ اپنے آپ کو اور اپنے مقدرات کو فوق العادت طور پر ظاہر کرے۔ یہ فوق العادت الہام ٹرنٹ کی مقدس کونسل کے اجتہاد کے مطابق عہد عتیق وجدید کے ان نسخوں میں مندرج ہے جن کی توضیح کونسل نے کی ہے اور نیز کتب مقدسہ کے لاطینی نسخہ میں موجود ہے۔ یہ کتابیں اس وجہ سے مقدس ہیں کہ ان کے املا میں روح القدس کا تصرف شامل تھا۔ ان کا مصنف خدا ہے اور ربانی تصانیف ہونے کی حیثیت سے وہ کلیسا کے حوالے کی گئی ہیں +

"اس غرض سے کہ بیچین اور چلبلی طبیعت کے لوگ آیات آسمانی کی غلط تفسیر و

تاویل نہ کرنے پائیں یہ تجدید اجتہاد مجلس ٹرنٹ یہ فرمان صادر کیا جاتا ہے کہ کوئی شخص کتب مقدسہ کے معانی اُن معانی سے مختلف نہ بیان کرے جو کلیسائے مقدس نے بیان کئے ہیں کہ اُسی کو اس قسم کی مفسری سزاوار ہے +

"ایمان کی حقیقت :- چونکہ انسان بندہ ہے اور خدا اُس کا آقا ہے اور چونکہ عقل حادث حقیقت ازلی کی کامل طور پر مطیع ومنقاد ہے لہذا انسان کا فرض ہے کہ جب کوئی الہام منجانب اللہ صادر ہو تو اُس پر ایمان لائے۔ ایمان ایک سعادت ہے جو بزور بازو نہیں حاصل ہوتی بلکہ یہ ایک جوہر ماوراء العادت ہے جسے خدا کی دین سمجھنا چاہئے جو شخص آیات آسمانی کو برحق سمجھتا ہے نہ اس لئے کہ اُن میں وہ فطری حقائق پوشیدہ ہیں جن کے سمجھنے پر عقل انسانی قادر ہے۔ بلکہ اس لئے کہ ان آیات کی تنزیل کا ماخذ جناب باری ہے اُس کے لئے ایمان ذریعہ نجات ہے پھر بھی اس خیال سے کہ عقل اور ایمان میں توافق قائم ہوسکے خدا نے الہام پر معجزوں اور پیشین گوئیوں کا اضافہ فرما دیا جو اُس کی قدرت کاملہ وحکمت بالغہ کے مظاہر ہونے کے لحاظ سے ایسی حجتیں ہیں جن کو عوام وخواص یکساں سمجھ سکتے ہیں۔ ان حجتوں کا اظہار حضرت موسیٰ اور دوسرے انبیا کے ذریعہ سے عموماً اور جناب مسیح کے ذریعہ سے خصوصاً ہوا +

"کوئی شخص ایمان لائے بغیر اپنی فطرت کے حق سے عہدہ برا نہیں ہوسکتا۔ اور نہ کوئی شخص تاوقتیکہ مرتے دم تک اُس کا ایمان سلامت نہ رہا ہو ابدی زندگی حاصل کرسکتا ہے۔ اسی لئے خدا نے اپنے اکلوتے بیٹے کے ذریعہ سے کلیسا کو اپنی الہامی آیات کا محافظ ومعلم قرار دیا۔ کیونکہ صرف کلیسائے کیتھولک ہی اُن نشانات آسمانی کا مورد ومہبط ہے جن سے دین مسیحی کا مفید یقین ہونا ظاہر ہوسکتا ہے۔ اور یہی نہیں خود کلیسا اپنی حیرت انگیز تبلیغ۔ اپنے منیف الشان تقدس۔ اپنی بے پایاں خیر وبرکت اپنے ہمہ گیر اتحاد اور اپنی غیر متزلزل استقامت سے اس دعویٰ کی تائید کررہا ہے کہ

و ایمان و ایقان کا حقیقی و اصلی مرکز ہے اور بلا خوف تردید اس بات کا ثبوت دے رہا ہے کہ اُس کی ماموریت منجانب اللہ ہے۔ اس طور پر کلیسا اپنے بچوں کو بتاتا ہے کہ اُن کا ایمان ایک نہایت مستحکم بنیاد پر قائم ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اُن لوگوں کی حالت میں جنہوں نے ایمان کی تائید آسمانی کی بدولت کیتھولک مذہب قبول کرلیا ہے اور اُن لوگوں کی حالت میں جنہوں نے عقل انسانی کو اپنا پیشوا قرار دے کر ایک چھوٹا مذہب اختیار کرلیا زمین آسمان کا فرق ہے۔

"عقل اور ایمان کی حقیقت :- اس کے علاوہ کلیسائے کیتھولک کا ہمیشہ سے عقیدہ ہے اور اب بھی ہے کہ علم کی دو قسمیں ہیں اور ہر قسم باعتبار اپنی اصل اور غایت کے ایک دوسری سے مختلف ہے۔ اختلاف اصلی تو اس لحاظ سے ہے کہ ایک بذریعہ عقل فطری معلوم ہوتا ہے دوسرا بذریعہ ایمان - اور اختلاف غایت اس اعتبار سے ہے کہ علاوہ اُن حقیقتوں کے جن کا انکشاف عقل فطری کی وساطت سے ہو سکتا ہے ہمارے ایمان کے سامنے اُن اسرار و غوامض کو پیش نظر کیا جاتا ہے جن کا راز سربستہ خدا ہی کو معلوم ہے اور تاوقتیکہ وہی اُن کو بذریعہ الہام ظاہر نہ کرے اُن کی حقیقت کا علم ہم کو نہیں ہو سکتا"۔

"اس میں شک نہیں کہ اگر عقل ایمان کی روشنی سے منور ہو اور اپنی تلاش و جستجو میں استقامت و رزانت سے کام لے تو وہ خدا کی عنایت سے بتوسط اُن اشیاء کے تمثل کے جو قدرتی طور پر معلوم ہیں اور بتوسل اُس تعلق کے جو اسرار و غوامض متذکرہ کو ایک دوسرے کے ساتھ اور انسان کی عاقبت کے ساتھ ہے ان اسرار و غوامض کی کنہ تک ایک محدود مگر بدرجہ غایت مفید پیرایہ میں پہنچ سکتی ہے۔ لیکن محال ہے کہ عقل کبھی بھی ان اسرار و غوامض کو کامل طور پر اُن حقائق کی طرح سمجھ سکے جو اس کا موضوع اصلی ہیں اس لئے کہ خدا کے بھید اپنی نوعیت کے اعتبار سے عقل حادث و مخلوق کی

رسائی سے اس قدر دور ہیں کہ الہام کی تلقین اور ایمان کی تصدیق کے بعد بھی ان پر ایمان ہی کی نقاب پڑی رہتی ہے جو اُس وقت تک نہیں اُٹھتی جب تک کہ مرغ روح قفس عنصری سے آزاد نہیں ہو لیتا +

"لیکن اگرچہ ایمان برتراز عقل ہے تاہم ان دونوں میں حقیقی تناقض کبھی نہیں ہو سکتا اس لئے کہ جو خدا اکشاف اسرار اور سرچشمہ ایمان ہے وہی روح انسانی کو عقل کی روشنی سے منور کرتا ہے۔ خدا اپنی تردید آپ نہیں کر سکتا اور ایک حقیقت دوسری حقیقت کی ضد نہیں ہو سکتی۔ اس لئے اگر عقل و ایمان میں ظاہر بینوں کو تناقض نظر آئے تو اس کی مثال بالکل سراب کی سی ہے جو فریب نظر کا کرشمہ ہے۔ ایسے تناقض کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ یا تو ایمان کی حقیقت اُس طور پر نہیں سمجھی اور سمجھائی گئی جس طرح کلیسا دراصل اُسے سمجھتا ہے اور یا بعض لوگوں کے بیہودہ رایوں اور خیلوں کو غلطی سے مقتضیات عقل کا مترادف خیال کر لیا جاتا ہے۔ پس ہم ہر اُس ادعا کی نسبت باطل ہونے کا فتویٰ صادر کرتے ہیں جو ایمان کی روشن حقیقت کی ضد ہے۔ مزید برآں کلیسا کو جو تبلیغ کے رسولی منصب کے علاوہ ایمان کی حفاظت و صیانت کی خدمت پر بھی مامور ہے یہ اقتدار بھی منجانب اللہ حاصل ہے بلکہ یہ بات منجملہ اُس کے ربانی فرائض کے ہے کہ علم باطل کو حرام قرار دیا جائے تاکہ ایسا نہ ہو کہ لوگ فلسفہ اور تزویر کے دام میں گرفتار ہو جائیں۔ اسی لئے تمام ایمان والے مسیحیوں کو بہ تقید فہمائش کی جاتی ہے کہ نہ صرف اُن آرا کی حمایت سے مطلقاً ابا کریں جو سائنس کے جائز مسلمات سمجھے جاتے ہیں لیکن حقیقت میں مغائر للایمان ہیں اور کلیسا نے خصوصیت کے ساتھ اُنہیں عقائد فاسدہ کی فہرست میں داخل کر دیا ہے بلکہ اُن کا یہ فرض ہے کہ ایسی آرا کو منجملہ اُن غلطیوں کے تصور کریں جنہوں نے سچائی کی فریب دہ شکل اختیار کر رکھی ہے +

"نہ صرف یہ بات ناممکن ہے کہ عقل اور ایمان میں تخالف واقع ہو بلکہ وہ دو

اُلٹا ایک دوسرے کی تائید کرتے ہیں یعنی ادھر تو عقل سلیم ایمان کی بنیاد قائم کرتی ہے اور ایمان کی مشعل ہاتھ میں لے کر حقائق آسمانی پر روشنی ڈالتی ہے۔ اور اُدھر ایمان عقل کو غلطیوں میں مبتلا ہونے سے بچاتا ہے اور انواع و اقسام کے معارف و حقائق سے اس کے سرمایہ ادراک میں اضافہ کرتا ہے پس کلیسا انسانی علوم و فنون کا مخالف نہیں ہے بلکہ اُن کا حامی و مؤید ہے۔ وہ اُن فوائد سے بے خبر نہیں ہے جو علوم و فنون کی بدولت انسان کو حاصل ہیں اور نہ وہ ان فوائد کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ بخلاف اس کے اُس کو اس امر کا اعتراف ہے کہ چونکہ ان علوم و فنون کا ماخذ خدا ہے جو مالک علم ہے لہٰذا اگر ان سے صحیح صحیح طور پر فائدہ اُٹھایا جائے تو ان کا اکتساب تائید ایزدی سے موجب یزداں شناسی ہوگا۔ کلیسا اس بات کی بھی مانعت نہیں کرتا کہ یہ علوم اپنے اصول اور طریقوں سے اپنی اپنی جائز حدود کے اندر کام نہ لیں لیکن اس واجبی آزادی کا اعتراف کرنے کے ساتھ ہی کلیسا اس احتیاط کو بھی اپنے ہاتھ سے نہیں جانے دیتا کہ کہیں یہ علوم تعلیم ربانی کی نفی کرنے سے غلطیوں میں نہ پڑ جائیں اور اپنی جائز حدود سے متجاوز ہو کر ایمان کا شیرازہ نہ بکھیر دیں +

"ایمان کی ملہم من اللّٰہی کسی فلسفیانہ اکتشاف کی طرح انسانی عقل کے ذریعہ سے حد کمال کو پہنچنے کی محتاج نہیں ہے بلکہ ایمان کو کامل و مکمل شکل میں ودیعت مسیح یعنی کلیسیا کے حوالے کر دیا گیا ہے تاکہ عیان سپاری کے ساتھ اُس کی حفاظت کی جائے اور پاک اور بے لوث صورت میں اُس کی اشاعت کی جائے۔ اسی لئے دین مقدس کے کل مسائل کے معانی کلیسا کے مفہوم کے لحاظ سے بیان کئے جانے چاہئیں اور یہ ہرگز جائز نہیں ہے کہ مفسرانہ وضاحت کے بہانہ سے ان معانی میں کوئی ترمیم یا تصرف روا رکھا جائے پس صدیوں کی رفتار کے اُلٹنے اور انسان کی متواتر نسلوں کے گزرنے کے ساتھ ساتھ عقل و فہم اور علم و دانش کی سریع السیر ترقی اشخاص کے لئے

منفرداً اور کلیسا کے لئے مجتمعاً جائز قرار دی جاتی ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ یہ ترقی بہ اعتبار قسم اپنی حد سے متجاوز نہ ہو یعنی مسائل ایمان کے مفہوم و معانی و عقیدہ میں کسی قسم کی خارجی آمیزش نہ ہونے پائے"۔

منجملہ دیگر اوامر و نواہی کے حسب ذیل امور بھی منہیات میں داخل کئے گئے۔

"لعنت ہو اُس پر:۔

"جس کا ایمان نہیں ہے کہ خدائے برحق ایک ہے جو تمام دیکھی اور ان دیکھی چیزوں کا خالق اور مالک ہے۔

"جو شوخ چشمی کی راہ سے یہ دعویٰ کرتا ہے کہ بجز مادہ کے اور کسی شے کا وجود نہیں ہے۔

"جو یہ کہتا ہے کہ ذات باری اور باقی تمام اشیا بلحاظ جوہر ترکیبی واحد العنصر و مشترک الاصل ہیں۔

"جو یہ کہتا ہے کہ موجودات جسمانی و روحانی جن کی ہستی محدود ہے یا کم از کم موجودات روحانی کا مخرج جوہر ذات باری ہے یا یہ کہ جوہر ربانی اپنے ہی مظاہر یا اپنی ہی ترقی یافتہ شکل کے ذریعہ سے کائنات کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

"جس کو اس حقیقت کا اعتراف نہیں ہے کہ خدا نے کون و مکان کو نیست سے ہست کیا۔

"جس کا یہ قول ہے کہ انسان اپنی ذاتی کوششوں سے بذریعہ ارتقائے جاری بالآخر حق و خیر کو دریافت کر سکتا ہے اور اُسے ایسا کرنا چاہیئے۔

"جو کتب مقدسہ کو ٹرنٹ کی مقدس کونسل کی توضیح کے مطابق کلاً یا جزءاً مقدس اور مدار حجت شرعیہ ماننے سے انکار کرتا ہے یا اُن کے الہامی ہونے سے منکر ہے۔

"جو یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ عقل انسانی اس درجہ آزاد و مطلق العنان ہے کہ خدا اس سے پابندیٔ ایمان کا خواہاں نہیں ہو سکتا۔

"جس کا یہ قول ہے کہ الہام ربانی خارجی شہادتوں کی بنا پر قرین اعتبار و مفید

یقین نہیں ہو سکتا +

"جو یہ کہتا ہے کہ معجزے نہیں ظاہر کئے جا سکتے یا یقین کے ساتھ اُن کا کبھی علم نہیں ہو سکتا اور مسیحیت کا سماوی الاصل ہونا اُن کے ذریعہ سے کبھی ثابت نہیں کیا جا سکتا

"جو یہ رائے ظاہر کرتا ہے کہ الہام ربانی عنصر اسرار سے عاری ہے اور جملہ معتقدات تربیت یافتہ عقل کی مدد سے سمجھ میں آ سکتے اور ثابت کئے جا سکتے ہیں +

"جس کا یہ اعتقاد ہے کہ علوم انسانی کی تحصیل میں اس درجہ آزادی سے کام لینا چاہئے کہ ہر شخص اُن کے ادعا کو صحیح باور کرنے کا مجاز ہو خواہ ایسے ادعا الہامی تعلیم کے برخلاف ہی کیوں نہ ہو +

"جو اس بات کا قائل ہے کہ ممکن ہے کہ ترقی سائنس کے دور میں ایک زمانہ ایسا آئے جبکہ کلیسا کے معتقدات کا مفہوم اُس مفہوم سے بالکل ہی بدل جائے جس کے لحاظ سے کلیسا نے آج تک ان معتقدات کی تاویل کی ہے" +

یہ فیصلجات و فتاوی جن عجیب و غریب بلکہ جن بے باکانہ و شوخ چشمانہ دعاوی پر متضمن ہیں اُنہیں تعلیم یافتہ اور روشن خیال کیتھولک جماعت استحسان و اطمینان کی نظر سے نہ دیکھ سکی۔ جرمن یونیورسٹیوں کی طرف سے تو ان دعاوی کی دل کھول کر مخالفت کی گئی اور جب ختم سال پر "ویٹیکن کونسل" کے احکام عام طور پر تسلیم کر لئے گئے تو اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ یہ احکام مبنی بر صحت و صداقت ہیں بلکہ محض موقوبانہ متابعت کے اقتضا سے + بہت سے متقی و پرہیزگار کیتھولک علما کو اس تمام کارروائی اور اس کے نتائج پر کمال رنج و افسوس ہوا چنانچہ ایک فرانسیسی پادری ہیا سنتھ اپنے طبقہ کے مقتدا کو ایک خط ان الفاظ میں لکھتا ہے:۔ "کلیسا کا جو ہمارا مبداء ایمان ہے اُنیسویں صدی کے تمدن سے جس کی ہم دنیوی اولاد ہیں اور جس کے بہت سے فرائض و حقوق ہمارے ذمہ واجب الادا ہیں اس طور پر جدا کر دیا جانا ایک ایسا فعل ہے جس میں معصیت اور

حماقت کی مساوی آمیزش پائی جاتی ہے اور میں اس افتراق کو بہت ہی قابل ملامت سمجھتا ہوں۔ مجھے یقین واثق ہے کہ اگر لاطینی قوم میں عموماً اور فرانس کی آبادی میں خصوصاً تمدنی اخلاقی اور مذہبی بغاوت کی آگ بھڑک اٹھی تو اس کی وجہ کیتھولک مذہب نہ ہوگا بلکہ کیتھولک مذہب کا طریقہ تاویل وطرز عمل ہوگا جس نے ایک مدت سے اس دین کی صورت مسخ کر رکھی ہے "

باوجودیکہ جناب پاپائے مقدس کو معصوم ہونے کا ادعا تھا جس کے بالفاظ دیگر یہ معنی تھے کہ آپ ہمہ داں و علام الغیوب ہیں پھر بھی آپ کی روح القدسی بصیرت جنگ فرانس و جرمنی کے نتیجہ کے متعلق پیش بینی نہ کرسکی۔ اگر آپ کو ملکہ نبوت عطا ہوا ہوتا اور غیب شناسی کی قابلیت آپ کے حصہ میں آئی ہوتی تو آپ پر اپنی کونسل کے اجتہادات کی غیر موزونی و موقع ناشناسی کی حقیقت کھل گئی ہوتی لیکن کہاں کی عصمت اور کہاں کی نبوت۔ یہاں تو مطلب سعدی کچھ اور ہی تھا۔ پاپا کی اس درخواست کو کہ اس کے دینوی اقتدار کے برقرار رکھنے کے لئے کچھ فوج بطور کمک بھیجی جائے شاہ جرمنی نے رد کر دیا۔ خارج الکلیسا شاہ اٹلی نے روما پر قبضہ کر لیا تھا۔ چنانچہ اس کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں۔ پاپا نے جھنجلا کر یکم نومبر ۱۸۷۰ء کو ایک مکتوب عمومی صادر کیا جس کی تلخی اور ترشی آج کل کی بین الاقوامی مراسلت کے مہذب اور شائستہ لہجہ کے ساتھ نسبت تضاد رکھتی ہے۔ اس مکتوب میں جناب تقدس مآب نے دربار پیڈ ماؤنٹ[۱] کی کارروائی کو ہدف سہام مطاعن و ملاعن بناتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس کارروائی کے بانی مبانی اس فریق کے مشورہ پر کاربند ہوئے ہیں جس کے لئے خسران اخروی مقدر ہو چکا ہے۔ اس کے بعد یہ ارشاد

[۱] اٹلی کا شمالی صوبہ جس کے شمال کی طرف سوئٹزرلینڈ اور مغرب کی طرف فرانس واقع ہے رقبہ ۱۱۵۹۸ مربع میل اور آبادی سنہ ۱۹۰۱ء میں ۳۳۲۶۳۱۱ نفوس تھی۔

ہوا ہے کہ ما بدولت حالت قید میں ہیں اور گروہ اشرار و شیاطین کے ساتھ کسی باب میں اتفاق نہیں کر سکتے۔ پھر اپنی مخالفین پر اخراج اکبر یعنی عدم شرکت کنیسہ کی حد اخیر جاری کرتے ہوئے سب وشتم اور تاوان و سزا کا انتہای فتوی بھی صادر کیا ہے اور دوشیزہ مریم مادر خدا اور مرسلین مقدس پطرس و پولوس کی شفاعت کے خواستگار ہوئے ہیں +

مختلف پراٹسٹنٹ فرقوں میں سے بعض نے مجلس اتحاد انجیلی کے نام سے ایک انجمن بغرض صلاح و مشورہ قائم کر لی تھی۔ اس مجلس کا آخری اجلاس ۱۸۷۳ء کے موسم خزاں میں بمقام نیویارک ہوا۔ اگرچہ اس موقع پر یورپ اور امریکہ کے پراٹسٹنٹ کلیساؤں کے بہت سے زاہد و متقی وکلا جمع ہوئے تھے لیکن وقعت و سطوت کے اعتبار سے اس مجلس کو اس عظیم الشان مجلس سے کوئی نسبت نہ تھی جس کا اجلاس کلیسائے سینٹ پیٹر واقع روما میں اس سے کچھ ہی دن پہلے منعقد ہو چکا تھا۔ مجلس اتحاد انجیلی اپنے ہزار سالہ شجرہ نسب کے مقدس تسلسل کا حوالہ نہ دے سکتی تھی اور اس حیثیت سے اپنے دعاوی نہ پیش کر سکتی تھی کہ گویا وہ تاجداروں اور تخت نشینوں کی سہیم و عدیل بلکہ اُن سے بھی بالا و برتر ہے۔ وٹیکن کونسل کی کارروائی کے ہر پہلو میں دانشمندانہ تدبر اور دنیوی حکمت عملی کی شان نظر آتی تھی لیکن مجلس اتحاد انجیلی کے پیش نظر جو مقاصد تھے وہ وضاحت اور تعین سے معرا تھے اور کوئی خاص غایت اس کے انعقاد کا نصب العین نہ تھی۔ اگرچہ اس مجلس کی خواہش یہ تو ضرور تھی کہ مختلف پراٹسٹنٹ کلیساؤں کا اتحاد زیادہ کامل و مکمل ہو جائے لیکن اسے قوی اُمید نہ تھی کہ یہ دل پذیر خواہش پوری ہو سکے گی پراٹسٹنٹ کلیساؤں کے وجود میں آنے کا باعث نا اتفاقی اور اُن کے قیام کا مدار افتراق پر تھا۔ اس مجلس نے اسی اصول کو عملی طور پر ثابت کر کے دکھا دیا +

پھر بھی مجلس اتحاد انجیلی کی کارروائی میں بعض نکتہ آموز و معنی خیز واقعات شامل ہیں یعنی اس نے اپنے اُس دیرینہ حریف کو جس نے ابھی حال ہی میں واقعہ اصلاح کو مورد

سطاعن تاروا و ملاعن ناسزا بنایا تھا نظر انداز کر کے ویٹیکن کونسل کی طرح اپنی نگاہ سائنس پر جمادی۔ سائنس کے ہیبت ناک نام کی آڑ میں اس کے سامنے گویا ایک ایسا مجہول الہیئت دیو کھڑا تھا جو ہر ساعت بڑھ رہا تھا اور جس کی شکل نہایت ہی ڈراونی تھی۔ اس عظیم الجثہ و قوی ہیکل دیو سے خطاب کرتے وقت مجلس اتحاد انجیلی نے بعض دفعہ تو ایسے الفاظ استعمال کئے جن سے تملق و رواداری کی بو آتی تھی اور بعض دفعہ ایسا لہجہ اختیار کیا جو سراپا تعریض و تشنیع تھا۔

مجلس اتحاد کو یہ نظر نہ آیا کہ موجودہ سائنس اور اصلاح کنیسہ حقیقی ہی نہیں بلکہ توام بہنیں ہیں یعنی ارتقا میں ان کا ظہور ایک ہی وقت میں ہوا اور ان کی پیدائش کی ساعت بھی ایک ہی ہے۔ مجلس اتحاد نے یہ نہ دیکھا کہ اگرچہ متعارض و متخالف فرقوں کا متحد ہونا محال ہے لیکن سائنس ایک ایسا نقطۂ اتصال ہے جہاں یہ سب جمع ہو سکتے ہیں اور ان کا اصلی و حقیقی فائدہ اسی میں ہے کہ سائنس کو بے اعتباری کی نظر سے نہ دیکھیں بلکہ اس کے ساتھ مخلصانہ اتحاد قائم کریں۔

اب ہم کیتھولک مسیحیت کے دستور العقاید پر جس حیثیت سے کہ ویٹیکن کونسل نے ان عقاید کی تعریف و توضیح کی ہے کچھ خیالات ظاہر کرتے ہیں۔

اگر ہم چاہتے ہیں کہ ایک شئے مختلف اشخاص کو ایک ہی حیثیت سے دکھائی دے تو ضرور ہے کہ اس پر ایک ہی پہلو سے نظر ڈالی جائے۔ جو مثال اس وقت ہمارے پیش نظر ہے اس کی حالت اس سے بالکل مختلف ہے۔ اہل مذہب اور اہل سائنس کے مقامات مشاہدہ بالکل الگ الگ ہیں۔ ایسی حالت میں دونوں میں سے کسی کو یہ حق نہیں کہ فریق ثانی سے یہ خواہش ظاہر کرے کہ واقعات کی جو قطاریں صف بستہ اسے نظر آ رہی ہیں دوسرا فریق بھی ان کو ویسا ہی تسلیم کرے۔

دستور العقاید کو اس اصول موضوعہ کے اعتراف پر اصرار ہے کہ کلیسا سے روا ہوئے

من اللہ ہے اور مامور من اللّٰہی کا یہ خلعت بلامساہمت و مشارکت احدے خاص طور پر اُسی کو عطا ہوا ہے۔ اس ربانی اقتدار کی بنا پر اُس کی یہ خواہش ہے کہ تمام لوگ معقولات میں اُس کی متابعت اختیار کریں اور تمام اقوام اپنی ملکی حکومت کی باگ اُس کے ہاتھ میں دے دیں +

لیکن ایسے زبردست اور پرشکوہ دعوے کے لئے دلیل بھی ایسی ہی زبردست اور پرشکوہ ہونی چاہئے اور ثبوت ایسا ہونا چاہیے جس کے ماخذ کی صحت پر کسی کو اعتراض کی مجال نہ ہو سکے اور یہ ثبوت ضمنی و بالواسطہ وغیر متعلق نہ ہو بلکہ صریحی و موجہ و قاطع ہو غرض یہ ثبوت ایسا ہو جس کی تردید ناممکن ہو اور جس کا توڑ نہ ہو سکے +

لیکن کلیسا کا قول ہے کہ وہ اس بات کو جائز نہیں رکھ سکتا کہ اُس کا دعویٰ عقل انسانی کی کسوٹی پر پرکھا جائے بلکہ اُس کا مطالبہ یہ ہے کہ یہ دعوے بلا چون وچرا و بے حیلہ وحجت فوراً بطور اصول ایمان تسلیم کر لیا جائے +

اگر یہ دعویٰ تسلیم کر لیا جائے تو اُس کے باقی کے مطالبات بھی خواہ وہ کیسے ہی بے اندازہ کیوں نہ ہوں لامحالہ ماننے پڑیں گے +

دستور العقاید نے عقل کا تخطیہ اور منقصت کرنے میں عجب خود فراموشی سے کام لیا ہے یعنی اول تو یہ دعویٰ کیا ہے کہ عقل امور مابہ البحث کا تصفیہ کرنے سے قاصر ہے اور اس کے بعد خود ہی ان امور کی تائید میں براہین و دلائل پیش کر کے عقل سے فیصلہ طلب کیا ہے۔ غرض دستور العقاید کیا ہے۔ ایک التجا نامہ ہے جس میں عقل سے بہ لجاجت یہ تمنا کی گئی ہے کہ اپنی تغلیط و تحقیق کر کے کسی طرح رومائی نصرانیت کو سچا ثابت کر دے +

جب مذہب اور سائنس کے اختلافی پہلو اس درجہ متباین و متغایر ہیں تو ناممکن ہے کہ دونوں میں حقیقت اشیا کے اظہار کے متعلق تطابق و توافق پیدا ہو سکے۔ اور نہ اُس وقت

تک کوئی مشترک نتیجہ مترتب ہو سکتا ہے جب تک کہ ان دونوں کا حکم عقل کو نہ قرار دیا جائے اور اس کا قول فیصل نہ سمجھا جائے +

دنیا میں بہت سے مذاہب ہیں جن میں سے بعض رومائی نصرانیت سے زیادہ قدیم ہیں اور بعض کے پیرووں کی تعداد اس کے پیرووں کی بہ نسبت بہت زیادہ ہے۔ ایسی حالت میں بجز اس کے کہ عقل سے استصواب کیا جائے ان میں سے ایک کو دوسرے پر کس طرح ترجیح دی جا سکتی ہے۔ پس ضرور ہے کہ مذہب اور سائنس دونوں اپنا اپنا دعوے عقل کے دربار میں پیش کریں اور جو کچھ عقل فیصلہ کرے اُسے صحیح تسلیم کریں +

لیکن پاپا کی کونسل کو اس سے سخت اختلاف ہے۔ وہ ایمان بالغیب کو عقل پر ترجیح دیتی ہے اور کہتی ہے کہ عقل و ایمان علم کی دو علیحدہ علیحدہ شاخیں ہیں۔ ایمان کا موضوع اسرار و غوامض ہیں اور عقل کا واقعات و حقائق۔ اُس کا دعوے ہے کہ ایمان کو عقل پر فضیلت حاصل ہے اور جو طبیعتیں متذبذب و متشکی ہیں اُن کی تسکین وہ معجزوں اور پیشین گوئیوں کے ذریعہ سے کرنا چاہتی ہے +

بخلاف اس کے سائنس ناقابل فہم امور سے روگردانی کر کے وکلاف کے اس قول پر تکیہ کرتا ہے کہ "خدا انسان کو اُن باتوں پر ایمان لانے کے لئے مجبور نہیں کرتا جنہیں وہ سمجھ نہ سکے" اور چونکہ اُس کا حریف کوئی قابل اطمینان صداقت نامہ جس سے اُس کا اعتبار قائم ہو سکے نہیں پیش کر سکا لہٰذا سائنس یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ آیا پاپائیت کی تاریخ یا پاپاؤں کے حالات زندگی سے کوئی ایسی کیفیت مترشح ہوتی ہے جس سے معقول طور پر اس امر کی تصدیق ہو سکے کہ پاپا مامور من اللہ ہیں یا معصوم ہیں یا آنکھیں بند کر کے اُن کے کہے پر اس حیثیت سے عمل کرنا واجب ہے کہ وہ نائب خدا ہیں +

دستور العقائد میں ایک نہایت ہی نمایاں لیکن ساتھ ہی متناقض خصوصیت یہ نظر آتی ہے کہ اُس نے عقل انسانی کے آگے طوعاً و کرہاً سر تسلیم خم کیا ہے۔ اس میں

کیتھولک مذہب پر جہاں من حیث التفلسف نظر ڈال کر اس کا مبنی بر عقل ہونا ظاہر کیا گیا ہے وہاں عام مبتذل مذہب کی مکروہ شکل پر پردہ بھی ڈال دیا گیا ہے۔ اس میں آفرینندہ کون ومکان جناب باری کی صفات اُن الفاظ میں بیان کی گئی ہیں جن سے خدا کی شان جلالی وجمالی موزوں طور پر آشکارا ہوتی ہے لیکن اس قول کے اعادہ سے احتراز کیا گیا ہے کہ یہ خدائے قہار وقیوم جس کا رعب کائنات پر چھایا ہوا ہے ایک مادر خاکی کے بطن سے پیدا ہوا تھا جو ایک یہودی نجار کی بیاہتا بی بی تھی اور اس کے بعد آسمان کی ملکہ ہوگئی۔ جس خدا کی تصویر اس میں کھینچی گئی ہے وہ قرون متوسط کا خدا نہیں ہے جو ملائکہ کے ایک گروہ سے گھرا ہوا اپنے سونے کے تخت پر جلوہ گستر ہے بلکہ فلسفہ کا خدا ہے[1]۔ دستور العقائد میں نہ اقانیم ثلثہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ نہ مریم عذرا کے اُس استحقاق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو اُسے معبود ہونے کی حیثیت سے حاصل ہے بلکہ ضمناً و کنایۃً اس استحقاق کی سختی سے نفی کی گئی ہے۔ نہ عشائے ربانی یعنی پادری کے کیمیائی عمل سے شراب اور روٹی کو خدا کے خون اور گوشت کی شکل میں بدلنے کا حوالہ دیا گیا ہے اور نہ اولیاؤں سے مرادیں مانگنے کے وجوب وحقیقت پر زور دیا گیا ہے۔ غرض اس کے ماتھے پر زمانہ موجودہ کے تخیل کی تقلید اور عقل انسانی کی ترقی کے آثار کا ٹیکا لگا ہوا ہے۔

ذات وصفات باری کی اس تشریح کے بعد دستور العقاید نے اس مسئلہ کی تلقین کی ہے کہ انتظام کائنات کیونکر چل رہا ہے۔ کلیسا کا دعویٰ ہے کہ اُسے تمام مادی و اخلاقی حوادث پر ماوراء الطبیعی دسترس حاصل ہے۔ ہر طبقہ اور ہر درجہ کے پادری یا تو اُس قسیسی قوت کے زور سے جو اُن کی جبلت میں ودیعت کی گئی ہے اور یا آسمانی طاقتوں کو دعاؤں کے ذریعہ سے اپنا مددگار بنا کر واقعات آئندہ کو اپنی خواہش اور ارادہ کے

[1] یعنی قرآن مجید کا خدا ہے۔ مترجم

سانچہ میں ڈھال سکتے ہیں۔ پاپائے اعظم کا ارادہ مصدر ربست وکشاد ہے۔ اور اُسے حل وعقد کی پوری قدرت حاصل ہے۔ اُس کا فیصلہ ناطق اور اُس کا فرمان قضا تواماں ہے۔ اس فیصلہ کی ناراضی سے کسی مجلس عمومیہ میں اپیل دائر کرنا اور اس طور پر گویا یہ ظاہر کرنا کہ کوئی دنیوی طاقت پاپا سے بھی اعلیٰ وارفع ہو سکتی ہے بالکل ناجائز ہے۔ اس قسم کے اقتدارات پر ایک مطلق العنان اور غیر آئینی حکومت میں تو شاید اعتراض نہ ہو لیکن جس حکومت کا نظم و نسق قانون غیر متغیر پر مبنی ہو اُس میں ان کو مطلق دخل نہیں ہو سکتا یہی وجہ ہے کہ دستور القضائد نہایت زور سے یہ دعویٰ پیش کرتا ہے کہ خدا کی طرف سے نظم عالم میں مسلسل دست اندازیاں ہوتی رہتی ہیں۔ اُس کو ہرگز اس حقیقت کا اعتراف نہیں ہے کہ واقعات قدرت میں ایک غیر ممکن الاندفاع تواتر اور معاملات انسانی میں ایک ناقابل تغیر تسلسل پایا جاتا ہے +

لیکن ہم یہ سوال کرتے ہیں کہ کیا دنیا کے ہر حصہ میں نظام تمدن کی ترتیب یکساں نہیں پائی جاتی رہی؟ کیا انسانی جماعتوں کا نشوونما افراد کے نشوونما کے مشابہ نہیں ہے؟ کیا دونوں کو شباب بلوغ اور انحطاط کے مدارج نہیں طے کرنے پڑتے؟ کیا وہ شخص جس نے دنیا کے مختلف ممالک کی آبادیوں کی رفتار تمدن پر غور کیا ہے اور اُن ایک سی حالتوں کو مشاہدہ کیا ہے جو اس تمدن کی ترقی کا باعث ہوئی ہیں صاف نہیں معلوم کر سکتا کہ یہ ارتقا پابند قانون ہے؟ پیرو کی قوم انکا اور فرماں روایان مکسیکو کے مذہبی خیالات اور ان فرماں رواؤں کے آداب و مراسم دربار وہی تھے جو ایک زمانہ میں یورپ میں پائے گئے۔ وہی تھے جو ایشیا میں پائے گئے یعنی ان سب کا رجحان خیال ایک ہی طرف تھا اور ان سب کی ترقی کے دھارے کا رخ ایک ہی جانب تھا۔ شہد کی مکھیوں کے ایک انبوہ کو اگر اُن کے وطن سے کسی دور دراز سرزمین میں منتقل کیا جائے تو اُن کے چھتے کی ساخت اور اُن کا طرز معاشرت اُسی ایک طریقے کا پابند ہوگا جس کو مکھیوں کے دوسرے نامعلوم انبوہ اختیار کریں گے۔ یہی حال بے تعلق اور دور افتادہ انسانی جماعتوں کا ہے

خیال اور فعل کا یہ تعلق و تواتر اس درجہ غیر متغیر ہے کہ بعض فلاسفہ تاریخ ایشیا کی مثالوں کو یورپ پر منطبق کر کے بلا تامل یہ دعوی پیش کرنے کو تیار ہوں گے کہ اگر اسقف روما ہو اور چند صدیاں ہوں تو ایک غیر خاطی پاپا خود بخود پیدا ہو جائے گا اور اگر ایک غیر خاطی پاپا پر کچھ اور مدت مستزاد کی جائے تو لامائیت نمودار ہو گی وہ لامائیت جسے ایشیا کبھی کا حاصل کر چکا ہے +

موجودات روحانی و جسمانی کی حقیقت پر بحث کرتے ہوئے دستور العقاید نے اپنے اقوال کو اُن لوگوں پر تبرا کرنے سے شان تاکید و تاسیس عطا کی ہے جو مسئلہ انفصال کے قائل ہوں یعنی یہ عقیدہ رکھتے ہوں کہ مظاہر قدرت محض ذات باری کے مظاہر ہیں۔ دستور العقاید کا مسودہ مرتب کرنے والوں نے ان عقاید کی تکفیر کرنے کو تو کر دی لیکن جو مشکل اس مرحلہ میں اُنہیں درپیش تھی وہ ایسی نہ تھی جس کا بآسانی مقابلہ کیا جا سکے۔ کیوں کہ ممکن تھا کہ اُن پرانے یا نئے زبردست خیالات کی صفیں اُن کے مقابل معرکہ آرا نہ ہوتیں جو موجودہ زمانہ میں ارباب فکر و دانش پر اپنا قوی اثر ڈال رہے ہیں۔ اصول بقا و تناسب قوت کا منطقی نتیجہ مشرق کے فرسودہ و بیش پا افتادہ مسئلہ انفصال کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ اور مسئلہ ارتقا و مسئلہ نشو و نما علی السبیل التدریج اس عقیدے کی بیخ کنی کر رہے ہیں کہ موالید کی پیدائش وقتاً فوقتاً عمل میں آئی۔ مسئلہ اول الذکر اس اصولی نکتہ پر مبنی ہے۔ کہ کائنات میں قوت کی مقدار غیر متغیر ہے۔ اگرچہ یہ مقدار گھٹ بڑھ نہیں سکتی لیکن اُن اشکال کا جن کے ذریعہ سے یہ قوت اپنے آپ کو ظاہر کرتی ہے ایک دوسری میں استحالہ ہو سکتا ہے۔ ابھی تک اس نظریہ کو سائنس نے کامل اور بدیہی طور پر ثابت نہیں کیا لیکن جو دلائل اس کی تائید میں پیش کی گئی ہیں وہ کثیر التعداد ہونے کے علاوہ اس درجہ قوی ہیں کہ اس کے مستحکم و مستند ہونے کا خواہی نخواہی اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ اب اگر ایشیائی مسئلہ انفصال و انجذاب پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ کو اس مہتم بالشان

نظریہ کے ساتھ توافق ہے۔ اس مسئلہ کے ماننے والوں کا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ جب انسانی ہستی صلب سے بطن میں منتقل ہوتی ہے تو خدا ایک نئی روح کو عدم سے وجود میں لاکر اس میں پھونک دیتا ہے بلکہ وہ اس بات کے معتقد ہیں کہ عقل ربانی یا عقل کل پہلے سے موجود ہے اُس کا ایک حصہ انسان کے جسم میں ڈال دیا جاتا ہے اور جب اُس کی زندگی کے دن پورے ہو جاتے ہیں تو یہ حصہ اُسی سرچشمہ حیات میں واپس جاکر مل جاتا ہے جس سے نکلا تھا۔ دستور العقاید کے مصنفین کے نزدیک یہ عقاید فاسد ہیں اور وہ ان کی پیروی کی یہ کہہ کر ممانعت کرتے ہیں کہ ایسے عقائد رکھنے والا شخص مبتلائے عذاب ابدی ہوگا +

علیٰ ہٰذا القیاس اُنہوں نے ارتقا اور نشو و نمائے جاری کے مسائل کی بہ یک کشش قلم یہ کہہ کر تردید کردی ہے کہ کلیسا کا عقیدہ یہ ہے کہ موالید کی پیدائش وقتاً فوقتاً ہوئی ہے یہ مسئلہ کہ ہر جاندار شکل کسی شکل سابقہ کا ماحصل ہے سائنس کی رو سے قوت والے مسئلہ کی نسبت زیادہ مدلل و مبرہن ہے اور جو اضافے حال میں اس پر ہوئے ہیں اُن کا خواہ کچھ ہی حشر کیوں نہ ہو لیکن غالباً اصولی طور پر اس کی صحت اور درستی میں کوئی کلام نہیں +

واقعہ اصلاح پر سب وشتم کی بوچھاڑ کرنے سے کلیسا نے اپنے ان خیالات کو گویا عملی لباس پہنا دیا ہے کہ عقل تابع ایمان ہے۔ اُس کی نظروں میں اصلاح ایک ملحدانہ بدعت ہے جس نے لوگوں کے لئے ہمہ اوست دہریت اور مادیت کا دام خسران بچھا رکھا ہے اور جو اُس بنیاد ہی کو ڈھا رہی ہے جس پر تمدن کا دار و مدار ہے۔ اسی لئے اُس نے "ان شوخ اور بے چین طبیعت کے لوگوں" کی بے راہ روی کا سدباب کرنا چاہا جنہوں نے بہ تقلید لوتھر یہ رائے قائم کی ہے کہ "ہر شخص کو کتب مقدسہ کی تفسیر و تاویل کا ذاتی حق حاصل ہے"! اُس کا یہ دعویٰ ہے کہ پراٹسٹنٹوں کو کیتھولکوں کے برابر پولیٹکل حقوق نہ ملنے چاہئیں اور جو شخص اس مساوات کا ادعا کرتا ہے وہ خبیث اور گمراہ ہے۔ اُس کا یہ قول ہے کہ پراٹسٹنٹوں سے بہ جبر و تشدد پیش آنا اور اُن کا استیصال کرنا ایک مقدس عمل

ہے اور انہیں مدارس قائم کرنے کی اجازت دینا ایک قابل نفرین فعل ہے۔ پاپائے گریگوری شانزدہم نے آزادی ایمان کو ایک مجنونانہ حماقت سے تعبیر کیا اور اخبارات کی آزادی کے متعلق یہ رائے ظاہر کی کہ اس سے بڑھ کر نابکار اور ناشدنی حرکت اور کوئی نہیں ہوسکتی +

لیکن دریائے ٹائبر کے کنارے جو تقدس مآب بزرگوار غیب دانی کی کرسی پر جلوہ افروز ہیں اُن کی ملہم من اللهی وعصمت عن الخطا کا قایل وہ شخص ہو تو کیوں کر ہو جس کو معلوم ہے کہ پاپاؤں نے ہمیشہ ایک دوسرے کی تغلیط وتکذیب کی ہے اور پاپا اگر مجالس عمومیہ کے منہ آئے ہیں تو مجالس عمومیہ نے پاپاؤں کی خبر لی ہے اور جس سے یہ بات چھپی ہوئی نہیں ہے کہ پاپائے سکسٹس خامس کی بائبل میں اتنی مسلمہ غلطیاں تھیں (کوئی دو ہزار کے قریب ہوں گی) کہ اس نسخہ کے مرتب کرنے والوں کو اس کی اشاعت خود روک دینی پڑی؟ کس طرح ممکن ہے کہ ارباب کلیسا ان حقائق کو "فریب وہ غلطیاں" قرار دیں کہ زمین کروی الشکل ہے نظام شمسی کا ایک رکن ہے۔ اپنے محور پر گھومتی ہے اور آفتاب کے گرد گردش کرتی ہے؟ وہ اس واقعہ سے کیوں کر انکار کرسکتے ہیں کہ زمین کے حصہ متقابل پر بھی انسان آباد ہیں اور ہماری دنیا کے علاوہ اور بھی دنیائیں موجود ہیں؟ ان دعاوی کو وہ کن دلائل سے ثابت کرسکتے ہیں کہ دنیا عدم سے وجود میں لائی گئی اور ایک ہفتہ کی مدت میں اس مکمل شکل میں جو ہمارے پیش نظر ہے بنائی گئی اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی بلکہ اس کے اجزا ایسے ناقص العمل ہیں کہ خدا کو ان نقائص کی تلافی واصلاح کے لئے مسلسل دست اندازی و مداخلت کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے +

جب پادری سائنس کو حکم دیتے ہیں کہ اپنے عقلی معتقدات کی سپر پھینک دے تو کیا سائنس کو ان سے ان الفاظ میں مخاطب ہونے کا حق نہیں ہے کہ ذرا اپنے تاریخی گریبان میں حافظہ کا منہ ڈال کر تو دیکھیں؟ جب زمین کی شکل اور بہشت ودوزخ

سے موقع کی بحث چھڑی تو پادریوں ہی کو نیچا دیکھنا پڑا۔ اُن کا دعوی تھا کہ زمین ایک مسطح میدان ہے اور آسمان بہشت کا صحن ہے جس کی مدد سے انسان بہشت میں داخل ہوتے ہوئے بکرات و مرات دیکھے گئے ہیں لیکن یہ دعوی غلط اور باطل ثابت ہوا۔ زمین کا کروی الشکل ہونا علم ہیئت کے واقعات اور میگیلن کے جہاز کے سفر سے بہ دلائل قاطع ثابت ہوگیا۔ اس کے بعد پادریوں نے یہ خیال ظاہر کیا کہ زمین کائنات کا مرکزی جسم ہے تمام اجرام سماوی اس کے تابع ہیں اور یہ خدا کی عنایات و افضال کی مورد خاص ہے جب اس خیال کی بھی قلعی کھل گئی تو اُنھوں نے اس ادعا کی آڑ میں جا پناہ لی کہ زمین غیر متحرک ہے اور آفتاب وثوابت جو بظاہر اس کے گرد حرکت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں حقیقت میں بھی گردش کرتے ہیں۔ لیکن جب دوربین کی ایجاد نے اس بوسیدہ طلسم کو بھی توڑ دیا تو پادریوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ نظام شمسی کی حرکات کا دارومدار مداخلت ربانی پر ہے۔ اس قول کو نیوٹن کی کتاب "پرنسپیا" نے یہ ثبوت دے کر جھٹلایا کہ نظام شمسی کے ارکان کی حرکتیں قانون غیر ممکن التغییر کی تابع ہیں۔ اس کے بعد اُنھوں نے یہ دعوی پیش کیا کہ زمین اور تمام اجرام سماوی آج سے کوئی چھ ہزار سال پہلے پیدا کئے گئے اور چھ دن میں نظام قدرت مرتب کر دیا گیا اور نباتات وحیوانات اور ان کی مختلف نوعیں روئے زمین پر آباد کر دی گئیں۔ جب شہادت مخالف کی گٹھڑی کا وزن اس قدر بڑھ گیا کہ پادریوں کی منطق کی کمر دوہری ہوگئی تو اُنھوں نے بدرجہ مجبوری تاویل کا پہلو اختیار کیا اور دنوں کو قرنوں میں تحویل کر دیا لیکن یہ حیلہ بھی کارگر نہ ہوا۔ چھ قرنوں اور چھ خاص پیدائشوں کا خیال اس انکشاف کے سامنے نہ ٹھہر سکا کہ حیوانات کی نوعیں بتدریج ایک دور میں نمودار ہو کر دوسرے دور میں منتہائے بلوغ کو پہنچیں اور تیسرے دور میں رفتہ رفتہ فنا ہوگئیں۔ اس انطباق قرون دا دوار کا تواتر نہ صرف پیدائش بلکہ پیدائش مکرر کا متقاضی ہے۔

پادریوں کو اس قول پر اصرار تھا کہ دنیا میں ایک ہمہ گیر طوفان آیا تھا جس کی موجیں اونچے سے اونچے پہاڑوں کی چوٹیوں پر چھا گئی تھیں اور یہ پانی ایک تند ہوا کے چلنے سے خشک ہوا تھا۔ جب کرہ ہوا اور سمندر کے عمق کے صحیح حالات معلوم ہوئے اور عمل تبخیر کا بھی ٹھیک ٹھیک اندازہ ہو گیا تو طوفان والا بیان بھی ڈھکوسلا ثابت ہوا نسل انسانی کے اولین مورثوں کے متعلق پادریوں کا یہ بیان تھا کہ خدا نے انہیں جسمانی و دماغی ہر اعتبار سے کامل بنایا لیکن بعد میں وہ اس درجہ کمال سے نیچے گر پڑے۔ اس بیان کا بھی وہی حشر ہوا جو دوسرے بیانات کا ہوا تھا چنانچہ اب پادریوں کو یہ فکر پڑی ہوئی ہے کہ زمانہ قبل تاریخ کے انسان کی وحشیانہ حالت کے ثبوت میں شہادت کا جو روز افزوں انبار جمع ہو رہا ہے اُس سے عہدہ برا ہونے کی کیا سبیل اختیار کی جائے +

جب حالت یہ ہو تو اس میں کونسی تعجب کی بات ہے کہ اُن لوگوں کی تعداد جو کلیسا کے معتقدات کو ہزلیات و شطحیات سمجھنے لگے ہیں روز بروز بڑھتی جائے ؟ کیوں کر ممکن ہے کہ اُس مذہب کو جو دیکھی اور بوجھی ہوئی چیزوں کے متعلق ایسی فاش غلطیوں میں مبتلا ہے ان دیکھی اور ان بوجھی حقیقتوں کا نکتہ آموز تسلیم کر لیا جائے؟ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ وہ مذہب جو جسمانیات میں ناکامیاب ہوا ہے اخلاقیات اور روحانیات میں کامیابی کے ساتھ مقتدا و پیشوا ہو سکے ؟ کلیسا نے سائنس اور مذہب کے ان اختلافات کا تخلیہ ازراہ استحقار یہ کہہ کر کرنا چاہا ہے کہ "اُنہیں فریب نظر سمجھنا چاہیئے" "یہ بیہودہ جیلے ہیں" "یہ جہل علم نما کے مصنوعی کرشمے ہیں" "یہ غلطیاں ہیں جنھوں نے اپنے چہرے پر حقیقت کا نظر فریب غازہ مل رکھا ہے" لیکن کہیں اس قسم کے جلے کٹے فقروں سے بھی کام چلا ہے۔ سائنس کے حقایق وہ نڈر اور عادل گواہ ہیں جو قسیسیت کے دعوائے عصمت کا بلا خوف تردید ابطال کر رہے ہیں اور پادریوں کی آنکھوں کے سامنے اُن کی جہالت اور کورسوادی

کا مجسمہ پیش کر رہے ہیں +

اتنی بہت سی خطاؤں اور لغزشوں کے ارتکاب کی قصوروار ٹھہر کر اب پاپائیت میں اتنا دم نہیں کہ بیان صفائی پیش کرنے کی کوشش کرے۔ اس نے اب یہ رویہ اختیار کر لیا ہے کہ جہاں سائنس کا نام آیا اور وہ ایسی انجان بنی کہ گویا اس سے کبھی کی جان پہچان ہی نہ تھی۔ اور طرہ یہ ہے کہ اس پر بھی دیدہ دلیری کی شان اُسی آن بان کے ساتھ قائم ہے۔ باوجودیکہ واقعات کی قطاریں اُس کی تغلیط۔تسفیہ تکذیب و تحقیق کرنے کے لئے مقابل میں صف بستہ کھڑی ہیں پھر بھی وہ برابر اپنی ضد پر قائم ہے اور معصوم ہونے کی وہی ایک بڑ ہانکے جاتی ہے +

لیکن پاپا کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اُسے بجز اُن حقوق کے جنہیں وہ از روئے عقل ثابت کر سکے اور کوئی حقوق نہیں عطا کئے جا سکتے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ مذہبی معاملات میں تو معصوم ہونے کا دعوی کرے اور علمی امور میں جب عصمت کا ذکر آئے تو ہاتھ کانوں پر دھرے۔ عصمت عن الخطا جملہ امور پر حاوی ہے۔ اس سے مراد ہمہ دانی و ہمہ شناسی ہے۔ اگر دینیات و الٰہیات پر اس کا اطلاق صحت کے ساتھ ہو سکتا ہے تو سائنس پر بھی ہونا چاہیئے۔ مگر یہ کیوں کر ممکن ہے کہ پاپائیت کی مسلمہ اجتہادی خطاؤں کو اس کے دعوائے عصمت کے ساتھ تطبیق دی جا سکے +

جب پاپا کا معصوم اور خطا سے مبرا ہونا ایک دعوائے بلا دلیل و قیاس سے بنیاد ہے تو کیا وجہ ہے کہ اُس کے اس مطالبہ کو رد نہ کر دیا جائے کہ پاپائی عقاید کی اشاعت و نفاذ میں جبر کا استعمال روا ہے؟ کیا وجہ ہے کہ اس قول کی سختی کے ساتھ تردید نہ کی جائے کہ بوجہ بداعتقادی کے جس کی زمانہ میں عام ہوا چل رہی ہے محکمہ احتساب عقاید کا قیام لازمی و ضروری ہے؟ اور کیا وجہ ہے کہ فطرت انسانی کی دُہائی دے کر اس محکمہ کی بے حسی سفاکی اور جابرانہ تخویف سے علی رؤس الاشہاد بیزاری کا اظہار نہ کیا جائے؟ کیا ایمان

یا ضمیر یا میزہ کو تمام دنیا کے مقابلہ میں ناقابل انتقال حقوق حاصل نہیں ہیں؟

کیتھولک مذہب اور زمانہ کے رجحان خیال کے درمیان ایک ایسا ناقابل عبور دریا حائل ہوگیا ہے جس کا پاٹ لحظہ بلحظہ زیادہ چوڑا ہوتا جارہا ہے۔ اس مذہب کو اس امر پر اصرار ہے کہ کورانہ ایمان عقل پر ترجیح رکھتا ہے اور واقعات کے مقابلہ میں اسرار و اوہام زیادہ وقعت کے قابل ہیں اُس کو یہ دعوی ہے کہ حقایق فطرت کے کشاف اور حقایق الہامی کے معتبر ہونے کا حق بجز اُس کے اور کسی کو حاصل نہیں۔ وہ کتب مقدسہ کے متعلق اُن رائے کے تسلیم کرنے سے اعراض کرتا ہے جو موجودہ فن تنقید کے اصول کی رو سے ظاہر کی گئی ہو اور حکم دیتا ہے کہ بائبل کی آیات کے وہی معانی صحیح سمجھے جائیں جو مفسرین ٹرنٹ نے بیان کئے ہیں۔ وہ آزادی و حریت اور دستور و آئین کی نسبت اپنی نفرت کا اظہار علانیہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اُن شخصوں کی خطا ناقابل درگزر ہے جو پاپا اور تمدن جدید کی باہمی مصالحت کو قرین امکان یا قرین صواب تصور کرتے ہیں +

لیکن عقل جو آج کل کے تمدن کی علم بردار ہے پوچھتی ہے کہ اُسے دقیانوسی پادریوں کی ہذیانہ خامہ فرسائی کا پابند کیوں بنایا جاتا ہے اور اُن جاہل اور نکتہ ناشناس لوگوں کی یاوہ خوانی کے صحیح تسلیم کرنے پر کیوں مجبور کیا جاتا ہے جن کے انجیلی کارنامے کلیسائے قرون اولی سے تعلق رکھتے ہیں؟ عقل کہتی ہے کہ اُسے تقلید جامد اور اندھا دھند ایمان میں کوئی خوبی نظر نہیں آتی بلکہ وہ ایسے ایمان کو بنظر اشتباہ دیکھتی ہے وہ چاہتی ہے کہ سچ اور جھوٹ کے امتیاز کے لئے قرین وثوق ہونے کا جو عام قاعدہ اس وقت مروج ہے اُس میں اور زیادہ اصلاح ہوجائے۔ وہ اُن مصنوعی روایتوں اور فرضی حکایتوں کو صحیح مان لینا اپنے فرائض میں داخل نہیں سمجھتی جو محض پادریوں کی مقصد برآری کے لئے تصنیف کرلی گئی ہیں۔ وہ اس دلیل کو کہ چونکہ یہ قصص و روایات زمانہ قدیم سے چلے آئے ہیں لہذا ضرور صحیح ہیں باور کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں پاتی اس لئے کہ اگر قدامت ہی معیار

صحت ہو تو کلیسا کی روایات کے مقابلہ میں بت پرستی کی روایات بہت زیادہ قدیم ہیں
خود کلیسا کی درازی عمر کی وجہ ربانی حفاظت یا سماوی تائید نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے
کہ اس نے موم کی ناک بن کر اپنے آپ کو زمانہ کے ہاتھ کے حوالے کر دیا۔ اور جدھر کی
ہوا چلتی دیکھی ادھر کا رخ اختیار کر لیا۔ بدھ مذہب نصرانیت سے بھی بقدر کئی صدیوں کے
زیادہ قدیم ہے۔ تو کیا اس قدامت سے یہ نتیجہ نکال لیا جائے کہ اس کی روایات بمقابلہ
نصرانیت کی روایات کے زیادہ صحیح اور زیادہ معتبر ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ کلیسا اس الزام
سے اپنے آپ کو کسی طرح بری نہیں کر سکتا کہ اس نے اکثر موقعوں پر تاریخ میں دیدہ و دانستہ
تدلیس و تصرف سے کام لیا اور تاریخی واقعات کا اخفا عمداً روا رکھا۔ اگرچہ کلیسا کا
اخلاق اس جملہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مقصد اگر مقدس ہو تو اس کی تکمیل کے ذرائع بھی
خواہ وہ فی الحقیقت کیسے ہی ناروا ہوں پاک ہو جاتے ہیں لیکن جو صورت یہاں بیان
کی گئی ہے اس پر یہ اخلاقی مقولہ صادق نہیں آتا +

غرض نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ رومائی نصرانیت اور سائنس کے پیرو ان
دونوں کے اجتماع کو اجتماع ضدین سمجھنے لگے ہیں۔ دونوں کا ایک جگہ جمع ہونا ممکن
نہیں۔ ضرور ہے کہ ایک کی جگہ دوسرا لے لے۔ بنی نوع انسان کو چاہئے کہ دونوں میں
سے جس کو چاہیں پسند کریں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک ہی وقت میں دونوں انسان پر
مستولی ہوں +

کیتھولک نصرانیت اور سائنس کو اس نااتفاقی کی حالت میں چھوڑ کر جب
ہم پراٹسٹنٹ نصرانیت اور سائنس کے باہمی تعلقات پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں معلوم
ہوتا ہے کہ ان دونوں میں مصالحت نہ صرف ممکن ہے بلکہ آسانی سے ہو سکتی ہے بشرطیکہ
پراٹسٹنٹ کلیساؤں کو اس اصول پر عمل کرنے کی توفیق ہو جو ان کو لوتھر سے ترکہ میں
ملا ہے اور جسے کئی سال کی جنگ و جدل نے مبہم اور مہمل کر دیا ہے۔ وہ اصول

یہ ہے کہ ہر شخص کتب مقدسہ کے مفسر ہونے کے اعتبار سے اپنا مجتہد آپ ہے۔ یہ اصول حریت عقلی کا سنگ بنیاد تھا۔ لیکن اگر آیات الہامی میں اجتہاد شخصی کو دخل ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ صحیفہ فطرت کے معانی سمجھنے میں اس حق سے کام نہ لیا جا سکے۔ جو غلط فہمیاں اب تک واقع ہوئی ہیں اُن میں فطرت انسانی کی کمزوری کی جھلک نظر آرہی ہے۔ واقعہ اصلاح کنیسہ کے بعد سالہا سال تک اگر لوگوں نے اُس علت غائی کو جو محرک اصلاح ہوئی تھی پوری طرح نہیں سمجھا اور ہمیشہ اس پر عمل نہیں کیا تو وہ قابل درگزر ہیں۔ کیلون نے جب سروِیٹس کو زندہ آگ میں جلوا دیا تو وہ اصول جنھوں نے اس وحشیانہ کارروائی پر اُسے آمادہ کیا اصلاح کے سکھائے ہوئے نہ تھے بلکہ کیتھولک نصرانیت سے اُسے ترکہ میں پہنچے تھے اور وہ ان کی قید سے اپنے آپ کو پوری طرح آزاد نہ کر سکا تھا۔ علیٰ ہذا القیاس اُن ذی اثر پروٹسٹنٹ پادریوں پر بھی یہی قول صادق آتا ہے جنھوں نے علمائے طبیعیین کو کافر و زندیق ٹھہرایا۔ کیتھولک نصرانیت اگر سائنس کے ساتھ صلح کرنی چاہے تو اُس کے رستہ میں بڑی بڑی رکاوٹیں موجود ہیں جو شاید رفع نہیں ہو سکتیں۔ لیکن پروٹسٹنٹ نصرانیت کا ملاپ سائنس کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ ایک کو منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے کینہ و عناد اور دشمنی و عداوت کی منازل ہفتخواں طے کرنی پڑیں گی۔ دوسرے کو صرف دوستی تازہ کرنی پڑے گی جس میں غلط فہمی کی وجہ سے فرق آگیا ہے[۱۵] ✦

[۱۵] دوستی ہوئی ہی کب تھی جو تازہ ہو۔ کیا مصنف کو وہ جامع و مانع گالیاں یاد نہیں ہیں جو تحریک "اصلاح کنیسہ" کے بانی مبانی مارٹن لوتھر نے فلاسفہ و اہل علم کی شان میں عموماً اور ارسطو کی شان میں خصوصاً تصنیف کی تھیں؟ کیا ڈریپر کو خود اپنا ہی فقرہ بھول گیا ہے کہ "حقیقت یہ ہے کہ واقعہ "اصلاح" کا سائنس کے سر کم ذرا سا بھی احسان نہیں ہے"؟ کیا ڈریپر کو اپنی یہ عبارت فراموش ہو گئی ہے کہ "کلیسائے مسیحی کی دو حریف جماعتیں یعنی پروٹسٹنٹ و کیتھولک باوجود باہمی رقابت کے اس امر میں متفق و متحد تھیں (بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۴۸۴)

لیکن وہ عقلی خطرہ جو مسیحی دنیا میں بہت جلد نمودار ہوا چاہتا ہے خواہ ابتدا میں کیسے ہی نتائج کیوں نہ پیدا کرے لیکن اس میں تو شک نہیں کہ موجودہ نسل کا اس خطرناک طور پر چپکے چپکے مذہب سے قطع تعلق کرتے جانا ایک دن پولیٹکل رنگ لا کر رہے گا۔ فرانس اپنی رعایا کے طبقہ سافل کے رومانی عقائد میں زیارات کی سرپرستی معجزات وکرامات کے صدور اور آسمانی نشانات کی نمائش کے ذریعہ سے از سر نو جان ڈال رہا ہے لیکن اس کا یہ طرز عمل بے معنی نہیں ہے۔ اس کے مقدر کا لکھا ان مہلات میں حصہ لینے پر اسے مجبور کرتا ہے لیکن ساتھ ہی اس کی جبین عقل عرق انفعال سے تر ہو ہو جاتی ہے۔ جرمنی نے قصد کر لیا ہے کہ اطالوی عنصر کو خارج کر کے دو عملی حکومت کی قید سے آزاد ہو جائے اور اس اصلاح کو جسے تین سو سال قبل اس نے ناتمام چھوڑا تھا تکمیل کے درجہ کو پہنچائے۔ یہ قصد بھی ایک خاص معنی رکھتا ہے۔ وہ وقت قریب آگیا ہے کہ انسان جامد و غیر متحرک مذہب اور متحرک و متزاید سائنس میں سے جس کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کہ بجز ان علوم کے جو ان کی رائے میں کتب مقدسہ کے نقیض نہ ہوں اور کسی علم کو مسالمت اور رواداری کی نظر سے نہ دیکھا جائے"؟

ہمارے جن ناظرین نے اس کتاب کو بامعان نظر پڑھا ہے وہ بآسانی اس نتیجہ پر پہنچ گئے ہوں گے کہ نصرانیت اور سائنس کا اجتماع ضدین کا اجتماع ہے۔ یورپ نے علوم و فنون اور تمدن میں جو ترقی کی ہے وہ مذہب سے آزاد ہو کر کی ہے اور جوں جوں یہ ترقی بڑھتی جائے گی مغرب میں بے دینی بداعتقادی اور دہریت کا زور بھی بڑھتا جائے گا۔ یورپین اہل سائنس میں سے آج دو فیصدی بھی ایسے نہ ملیں گے جو مسیحیت کی تعلیم کی صحت کے تو درکنار خدا کی ہستی کے بھی قائل ہوں۔ صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے ایمان کے قوسین میں عقل کو جگہ دی ہے جس نے روایت میں شان درایت پیدا کر دی ہے جس نے سائنس کی شروع ہی سے سرپرستی کی ہے۔ اسلام کو الراسون غزالی اور ابن رشد پر فخر و ناز ہو سکتا ہے لیکن مسیحیت کے لئے فریڈرک ثانی و البیرا و رکھیلے باعث ننگ و عار ہیں۔

مترجم

چاہے اختیار کرلے یا تو مذہب کا دامن پکڑلے جو سرمایہ تسکین ہونے کے اعتبار سے محض قرون متوسطہ کے اوہام کا مجموعہ رہ گیا ہے اور یا سائنس کے پیچھے ہولے جو ہمراہ زندگی کے قدم قدم پر برکتوں اور رحمتوں کے موتی برساتا جاتا ہے۔ انسان کو معاش کی معراج پر پہنچا رہا ہے اور بنی نوع انسان میں اتحاد کی روح پھونک رہا ہے اس کی فتوحات محکم و دیرپا ہیں لیکن اُس کامیابی کا نور جو کیتھولک نصرانیت کے ملتے ہوئے فلسفے کے ٹکرانے کے بعد چمک سکتا ہے زیادہ سے زیادہ اُس شہاب ثاقب کے آنی و عارضی اور بے سود بیہودہ صرف نور کے مشابہ ہے جو آسمان سے زمین پر آگرتا ہے ؛

اگرچہ گائیزو[1] کا یہ قول کہ کلیسا نے ہمیشہ جبر اور مطلق العنانی کا ساتھ دیا ہے بالکل سچ ہے لیکن ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ اُس کی حکمت عملی کی باگ سیاسی ضرورتوں کے ہاتھ میں ہے۔ کلیسا جو کچھ کرتا ہے اُنہیں ضرورتوں کے متفقہ دباؤ سے مجبور ہوکر کرتا ہے۔ اس کے افعال میں تو شان مجبوری نظر آتی ہے ہی لیکن اُس کی زندگی میں بھی اُس قانون کی جھلک دکھائی دے رہی ہے جس کا عمل آج تک نہ ٹلا ہے نہ ٹلے گا یعنی پاپائیت کا بھی وہی حشر ہو رہا ہے جو ہر متنفس کا ہوتا ہے۔ اس نے اول شیر خوارگی و طفولیت کا مرحلہ طے کیا۔ اس کے بعد سن رشد و بلوغ کی منزل میں قدم رکھا اور جب جوش شباب کے ساتھ اس کی زندگی کا مقصد بھی ختم ہو چکا تو ضرور ہوا کہ یہ بڑھاپے کی سرحدمیں داخل ہو اور سال خوردہ و ناتواں بڈھوں کی طرح اس کا مزاج چڑچڑا ہو جائے۔ اس کی جوانی تو پلٹ کر آنے سے رہی۔ باقی رہا اس کی یادگاروں کا اثر سو وہ البتہ قائم رہے گا۔ جس طرح بت پرست روما نے اپنا ختمی سایہ سلطنت روما پر ڈال کر اُس کی تخییل کو اپنے رنگ میں رنگ دیا تھا اسی طرح مسیحی روما اپنا آخری

---

[1] ایک بہت بڑا فرانسیسی مدبر اور مورخ (۱۸۷۴ء–۱۷۸۷ء) مترجم

سایہ یورپ پر ڈال کر ہمیشہ کے لئے رخصت ہونے کی تیاریاں کر رہا ہے *

کیا تمدن جدید اُس ترقی کے عہد سے دست بردار اور کنارہ کش ہونے کے لئے رضامند ہو گا جس نے اس کی قوتوں اور خوشیوں میں اتنا بڑا اضافہ کیا ہے؟ کیا تمدن جدید رجعت قہقری کر کے قرون متوسط کی نیم وحشیانہ جہالت و اوہام پرستی کے دور کی طرف عود کرنے پر آمادہ ہو گا؟ کیا تمدن جدید اُس طاقت کا حلقہ بگوش بننا پسند کرے گا جو اگرچہ ملہم من اللہ ہونے کی مدعی ہے لیکن کوئی صداقت نامہ ایسا نہیں پیش کر سکتی جس سے اُس کا دعویٰ لائق اعتبار سمجھا جا سکے۔ وہ طاقت جس نے صدہا سال تک یورپ کو جمود کی زنجیروں میں جکڑے رکھا ہے اور ہر اُس کوشش کو جو ترقی کے لئے کی گئی ہے یا تو آب آہن میں ڈبو دیا ہے یا شعلہ آتش میں جلا دیا ہے۔ وہ طاقت جو عقل و تمیز اور فہم و شعور سے اپنا مرتبہ اونچا سمجھتی ہے۔ وہ طاقت جو حریت خیال اور آزادی تمدن سے متنفر ہونے کا اعلان علیٰ رؤس الاشہاد کرتی ہے۔ وہ طاقت جو اپنے اس ارادہ کو نہیں چھپاتی کہ موقع پاتے ہی ان میں سے ایک کا گلا گھونٹ ڈالے گی اور دوسرے کو سولی پر لٹکا دے گی۔ وہ طاقت جس کے نزدیک یہ عقیدہ مہلک اور مجنونانہ ہے کہ آزادی ایمان و آزادی عبادت کا حق ہر شخص کو حاصل ہے۔ وہ طاقت جو مہذب و متمدن سلطنتوں میں قانون کے ذریعہ سے اس حق کے نافذ کئے جانے کے خلاف اپنی آواز بلند کرتی ہے۔ وہ طاقت جو ازراہ غایت استحقار اس اصول کی نفی کرتی ہے کہ زبان خلق کو جو نقارہ خدا ہے ضرور ہے کہ قانون کی شکل اختیار کرے۔ وہ طاقت جو مذہبی معاملات میں ذاتی رائے کا حق ہر شخص سے چھیننے پر تلی ہوئی ہے اور یہ دعویٰ کرتی ہے کہ لوگوں کا فرض صرف اسی قدر ہے کہ جو کچھ کلیسا کہہ دے اُس پر ایمان لے آئیں اور جو حکم دے اُس کی تعمیل بلا چون و چرا کریں۔ وہ طاقت جو کسی دنیوی حکومت کو کلیسا کے اقتدارات

کی تجدید اور اُس کے حقوق کی تعیین کا مجاز نہیں سمجھتی۔ وہ طاقت جو صاف الفاظ میں کہتی ہے کہ نافرمانبرداروں کو تعمیل حکم پر طوعاً و کرہاً مجبور کرنا اُس کے لئے نہ صرف جائز ہے بلکہ وہ ایسا ضرور کرے گی۔ وہ طاقت جو گھر کی پاک چار دیواری کا بھی ادب نہیں کرتی اور جو شخص اُس کی نظروں میں مشتبہ ہو اُس کی بی بی بیٹوں اور نوکروں چاکروں کو بذریعہ اعتراف سری اُس کا جاسوس و مخبر بناتی ہے۔ وہ طاقت جو بلا الزام لگانے والے کے مواجہ کے اُس پر مقدمہ چلاتی ہے اور اُسے شکنجہ میں کھینچ کر خود اپنے ہی خلاف شہادت دینے پر مجبور کرتی ہے۔ وہ طاقت جو والدین کے اس حق کو غصب کرتی ہے کہ وہ اس کے کلیسا سے باہر اپنی اولاد کو تعلیم دلا سکتے ہیں اور بزبیل اصرار کہتی ہے کہ لوگوں کی خانگی زندگی کی نگرانی اور معاملات نکاح و طلاق کا انضباط اسی سے متعلق ہے۔ وہ طاقت جو اُن لوگوں کو ڈھیٹھ اور دیدہ دلیر کہہ کر پکارتی ہے جو کلیسا کے اقتدار کو حکومت کے اقتدار کے تابع کرنا چاہیں یا جو کلیسا کو حکومت سے علیحدہ کرنے کے خواہشمند ہوں۔ وہ طاقت جس کو رواداری و مسالمت کے نام سے چڑ ہے اور جس کا یہ دعویٰ ہے کہ ہر ملک میں عبادت کے دوسرے طریقوں کو موقوف کر کے صرف کیتھولک مذہب ہی کو ملکی مذہب ہونے کا حق حاصل ہے۔ وہ طاقت جو یہ مطالبہ کرتی ہے کہ تمام وہ قوانین جو اس کے اغراض و مقاصد کی راہ میں حائل ہوں منسوخ کر دیئے جائیں اور جب یہ مطالبہ منظور نہیں ہوتا تو تمام اپنے پیروؤں کو ان قوانین کی خلاف ورزی کا حکم دیتی ہے؟

چونکہ اس طاقت کو اچھی طرح سے معلوم ہے کہ کوئی کرامت یا معجزہ جس سے اس کی مطلب برآری ہو سکے اس سے صادر نہیں ہو سکتا لہٰذا وہ بلا تامل حکومتوں کے خلاف سازشیں کر کے محرک نقض امن ہوتی ہے اور اپنی اغراض کی تکمیل کے لئے جبر و تشدد کی قوتوں کے ساتھ اتحاد قائم کرتی ہے۔

اس قسم کے دعاوی اور اس طرح کے مطالبات کے معنی یہ ہیں کہ تمدن جدید کے خرمن میں سرکشی و بغاوت کی چنگاری ڈال دی جائے۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ موجودہ تہذیب و شائستگی کا قصر منہدم کر دیا جائے خواہ اُس کے نیچے کتنی ہی قومیں کیوں نہ دب جائیں اور کیسا ہی بڑا نقصان دنیا کو کیوں نہ پہنچ جائے۔ اگر لوگ ان مطالبات کو بلاچون و چرا تسلیم کرلیں تو ہم سمجھیں گے کہ وہ حقیقت میں غلام ہیں ؎

جو معرکہ پیش آنے والا ہے اُس کا نتیجہ ارباب عقل سلیم سے مخفی نہیں۔ ہر وہ قوت جس کا دارومدار جھوٹ اور دھوکے پر ہے مغلوب ہو جائے گی۔ ہر اُس نظام کو جو تلبیس کا مرکز اور فریب دہی کا مصدر ہے جواب دہ ہونا پڑے گا کہ اُسے قائم رہنے کا کیا حق حاصل ہے۔ ایمان کو عقل کے دربار میں حاضر ہو کر جوابدہی کرنی پڑے گی۔ اوہام و اسرار کو اپنی مسند و اقعات و حقایق کے لئے خالی کرنی ہوگی۔ مذہب کو اُس خود مختارانہ و تحکمانہ حیثیت سے دست کش ہونا پڑے گا جو اُس نے ایک مدت مدید سے بمقابلہ سائنس اختیار کر رکھی ہے۔ آزادی خیال کا علم بلند ہو کر رہے گا۔ پادریوں کو اُن حدود کے اندر رہنے کا سبق سیکھنا ہوگا جو اُنہوں نے اپنے لئے اختیار کی ہیں اور فلاسفہ پر ظلم و تعدی کرنے سے باز آنا ہوگا اس لئے کہ فلاسفہ اپنی روز افزوں قوت کے بھروسے اور اپنی نیک نیتی کے بل پر آئندہ اپنے حریفوں کی مزاحمت اور دست اندازی کے روادار نہ ہوں گے۔ آج سے دو ہزار تین سو سال پہلے عزرا نے بابل کی بید مجنون سے چھائی ہوئی ندیوں کے کنارے بیٹھ کر جو جملہ لکھا تھا اُس کی صداقت میں آج بھی کلام نہیں: "حق ہمیشہ برقرار رہتا ہے اور اُس کی قوت قائم رہتی ہے۔ وہ ہمیشہ زندہ رہتا ہے اور فتح اُس کا ساتھ دیتی ہے" ؎

کتبہ

سخاوت علی اکبر آبادی (حیدر آباد دکن)

و

عبد القادر جنڈیالوی (کرم آباد پنجاب)

GLOSSARY.

فرهنگ مصطلحات علمیه

ذیل میں اون علمي اصطلاحات کا ترجمہ ردیف وار درج کیا جاتا ہے جو اس کتاب میں آئی ہیں-اگرچہ یہہ ترجمہ لفظاً و معناً کامل و مکمل نہیں ہے اور غالباً ارباب فضل و کمال کي ناقدانہ نگاہوں کو اسمیں بہت سے نقائص محسوس ہونگے لیکن ایسي حالت میں جبکہ کوئی علمي لغات اردو زبان میں ایسي موجود نہ تھي جس سے مجھے اس کتاب کے ترجمہ میں مدد ملتي میں مجبور تھا کہ انگریزي اصطلاحات کا ترجمہ اپني سمجھہ اور قابلیت کے موافق اولٹا سیدھا جیسا مجھہ سے بن پڑے کروں اور اسے اس کتاب کے اخیر میں بطور ضمیمہ اس امید پر شامل کردوں کہ اگر کسي نکتہ سنج ادیب کي عنایت ان اصطلاحات میں سے کسي کا نعم البدل پیش کرسکی تو کتاب کي طبع ثاني کے وقت بشرطیکہ ملک سے اسے سند قبول عطا ہو اسي لحاظ سے ترمیم کردي جائیگي-

اس فرهنگ کي ترتیب و تدوین سے میرا بڑا مقصد یہہ ہے کہ اس سے اون مترجمین کو جو آیندہ کسي علمي کتاب کا ترجمہ انگریزي سے اردو میں کریں ترجمہ میں مدد ملے اور جب کبھي کسي علمي تالیف یا ترجمہ میں اون خیالات کے اظہار کي ضرورت پیش آئے جو اس فرهنگ کے الفاظ میں مرکوز ہیں تو یہي الفاظ استعمال کرکے ادب اردو کے علمي شعبہ میں اصطلاحي یکساني پیدا کي جائے تاکہ جو دقتیں ایک هي مفہوم کو مختلف الفاظ کے ذریعہ سے ظاهر کرنے کي بدولت آج کل همیں پیش آرهي هیں وہ رفتہ رفتہ رفع هوتي جائیں-

یہہ ظاهر ہے کہ جبتک علمي اصطلاحات کي ایک جامع لغات اردو زبان میں تیار نہ هوجائیگي اوسوقت تک تالیفات و تراجم کي تیاري میں مولفین و مترجمین کو برابر دقتیں پیش آتي رهینگي اور هر شخص هرنئے مفہوم کے لئے نئے لفظ گڑہ کر زبان کي مشکلات میں اضافہ کرتا رهیگا-اس جامع لغات کي تیاري کا مسئلہ شاید

انجمن ترقي اردو علي‌گڑه کے زير غور هے ليکن خدا جانے يهه لغات کب تيار هو-چونکه ترجمه و تاليف کا کام اوسکے انتظار مين رکا نهين رهسکتا-لهذا مناسب يهه معلوم هوتا هے که جو نئي علمي کتاب شائع هو اوسکے آخر مين اون مصطلحات کي فرهنگ شامل کردي جائے جو اوسمين آئي هون اور دوسرے موٴلفين و مترجمين بلحاظ ضرورت انهين مصطلحات کا استعمال کرتے هوئے انکے علاوه اور جو نئي اصطلاحات قائم کرين اونهين بطور ضميمه اپني کتاب کے ساتهه شريک کرديا کرين-اسطور پر ايک بهت بڑا ذخيره علمي الفاظ کا جو اردو زبان کيلئے بطور قدر مشترک هوگا جمع هوجائيگا اور يهه ذخيره اوس مکمل و جامع لغات کي تياري کو جسکي ضرورت انجمن ترقي اردو محسوس کر رهي هے بهت زياده آسان کرديگا-

ظفر علي خان-

(الف)

آبي گهڑي	Clepsydra.
آثار متحجره	Fossils.
آره کشي کي کل	Saw Mill.
آرے (پهئے کے)	Spokes.
آسمان	Firmament.
آئنه بندي	Glazing.
ابرشيه	Diocese.
ابو الهول	Sphinx.
ابهار	Elevation.
اتحاد ثاني	Reunion.
اتفاق	Chance.
اجراف	Detritus.
اجزائے کلسيه متحجره	Tavertine.
احتجاب کواکب	Star Occultation.
احتراق خون	Scurvy.
احجار آبي	Aqueous rocks.
احجار آتشي	Igneous rocks.
احجار مستحيله	Metamorphic rocks.
اختلاف السنه	Confusion of languages.
اختلال	Perturbation.
اختلال ثوابت	Aberration of the fixed stars.
اختيار	Free will.

English	Urdu
Obliquity of the Ecliptic.	اصول اعوجاج طریق الشمس–
Virtual Velocities.	اصول حقیقت سرعت رفتار–
Communism.	اصول مساوات جائداد–
Principle of interference.	اصول مقارشت
Auricular confession.	اعتراف سری
Secession.	اعتزال
Peripheral nerves.	اعصاب بیرونی
Vesicular nerves.	اعصاب منفوط
Obliquity.	اعوجاج
Submergence.	اغراق
Foreclosing of Mortgage.	اغلاق الرهن
Horizon.	افق
Satellites.	اقمار
Centralization.	اکتناز
Oxidation.	اکساد
Elixir.	اکسیر حیات
Theology.	الهیات
Hallucination.	التباس حواس
Deposit.	التمام

English	Urdu
Excommunication.	اخراج از کلیسا
Literature.	ادب
Sentiment of personality.	ادراک ذات
Astronomical observation.	ارتصاد
Oscillation.	ارتعاش
Earths.	ارضیات
Geocentric.	ارضی المرکز
Consciousness.	استبصار
Efficacy of prayer.	استجابت دعا
Metamorphosis	استحاله
Precession of the equinoxes	استقبال اعتدالین
Induction.	استقرا
Demonstration.	استقراء تام
Immaculate conception.	استقرار حمل بحالت دوشیزگی
Deduction.	استنباط
Cave lion.	اسد کہفی
Cylinder.	اسطوانه
Bishop.	اسقف
Organic forms.	اشکال ذوی الاعضا
Porisms.	اشکال کثیر النتائج

English	Urdu
Samaritin.	بائبل کا نسخہ سامري۔
Vulgate.	بائبل کا نسخہ لاطيني۔
Reaction Engine.	باخره استر جاعيه
Dividing Engine	باخره انقسام
Calculating Engine.	باخره تخمين
Visual Sense.	باصره
Chance.	بخت
Full moon.	بدر کامل
Heresy.	بدعت
Constellation.	برج
Serpentarius.	برج ثعبان
Orion.	برج جوزا
Cassiopeia.	برج ذات الكرسي
Reindeer.	برفاني باره سينگا
Glacier.	برف کا پہاڑ
Inverse Vision.	بصارت مقلوب
Voltaic pile.	بطاريه کہربائيه
Paroxysm.	بطش شديد
Immortality of the soul.	بقائے روح
Conservation of Force.	بقائے قوت
Elohistic.	الوهيمي
Revelation.	الہام
Bulging.	انتا
Absorption.	انجذاب
Condensation.	انجماد
Deflection.	انحراف
Stereotyping.	انطباع حروف مسبوكه
Refraction of light.	انعطاف ضيا
Refraction of light.	انعكاس ضيا
Emanation.	انفصال
Decomposition.	انفکاک
Winter Solstice.	انقلاب شتوي
Summer Solstice.	انقلاب صيفي
Incarnation.	اوتار
Nutation of the Earth's axis.	اهتزاز محور زمين
Pyramids.	اهرام مصر
Faith.	ايمان

(ب)

English	Urdu
Septuagint translation of the Bible.	بائبل کا ترجمه سبعينيه۔

English	Urdu
Incarnation.	تجسد
Anthropomorphism.	تجسیمیت
Censorship.	تحریج
Sowing machine.	تخم ریزي کي کل
Imagination.	تخییل
Papal dispensations and indulgences.	تذکرات غفران پا پائي–
Quadrature of the circle.	تربیع دائرہ
Filtration.	ترویق
Fusion.	تسییح
Individualism.	تشخص
Transfusion of blood.	تشریب خون
Disintegration.	تشعیث
Scepticism.	تشکک
Sublimation.	تصعید
Crucifixion.	تصلیب
Intercommunication.	تعامل
Plurality of worlds.	تعدد عوالم
Denudation.	تعریہ
Emplacement.	تغیر مناظر کواکب

English	Urdu
Pawnbroking Establishment	بندھک کا ساھوکارہ
Legerdemain.	بھان متي
Ellipticity.	بیضویت

(پ)

English	Urdu
Pontiff : Pope.	پا پائے روما
Papacy.	پا پائیت
Rhenocerus leptorhinus.	پتلي تھوتھني والا اینڈا–
Layer.	پرت
Escapement.	پرزہ
Creation.	پیدائش
Stoics.	پیروان حکیم زینو
Sublapsarians.	پیروان مسئلہ تاخر تقدیر ھبوط–
Supralapsarians.	پیروان مسئلہ تقدم تقدیر ھبوط

(ت)

English	Urdu
Apotheosis.	تالیہ
Phases of the moon.	تبدلات قمر
Anathema.	تبرا
Relics.	تبرکات
Glaciation.	تبرید
Experiment.	تجربہ

(ج)

Plastic.	جابل
Necessity.	جبر
Particulars.	جزئیات
Molecule.	جزو لایتجزے
Organism.	جسم ذوي الاعضا
Minority.	جماعت اقلین
Majority.	جماعت اکثرین
Articulation.	جوڑ
Divine essence.	جوهر رباني
Gnomon (Geometry.)	جیب
Sine (Trigonometry.)	جیب مستوي

(چ)

Spiral.	چکر
Spiral spring.	چکر دار کماني
Lime stone.	چونے کا پتھر

(ح)

Omnipresent.	حاضر و ناظر
Immaculate conception.	حبل بلا دنس
Periodical sun.	حرارت آفتاب کا موقت الاشتداد هونا

Schism.	تفرقه مذهبي
Canonization.	تقدیس الاموات
Calcination.	تکلیس
Inoculation.	تلقیح
Vaccination.	تلقیح البقري
Allusion.	تلمیح
Painting of the body.	تلوین بدن
Common sense.	تمیز مشترک
Correlation of force.	تناسب قوت
Transmigration	تناسخ
Incorruptibility of the celestial objects.	تنزه فلکیات
Equilibrium.	توازن
Energy.	توانائي
Pentateuch.	تو رات
Tattooing.	توشیم

(ث)

Second.	ثانیه
Dualism.	ثنویت
Fixed stars.	ثوابت
Efficacy of alms.	ثواب خیرات

Diagonal.	خط الزاويه
Tangent.	خط المماسته
Tropic of capricorn.	خط جدي
Tropic of cancer.	خط سرطان
Cuineform.	خط شرخي
Line of no variation.	خط عدم انحراف
Equinoctical lines.	خط معدل النهار
Curved line.	خط مقوس
Meredian line.	خط نصف النهار
Vacuum.	خلا
Flexure.	خمبدگي
Supernaturalism.	خوارق عادات
Slide rest.	خيراد
Ventral chord.	خيط البطن

(د)

Antarctic circle.	دائره قطب جنوبي
Arctic circle.	دائره قطب شمالي
Thrashing machine.	دائين چلانيكي كل
Minute.	دقيقه
Cerebral light.	دماغي بينائي
Circular motions.	حركات مستدير
Progressive motion of light.	حركت نور برسبيل تدرج
Alkalies.	حرضيات
Calculas.	حساب
Calculus of partial differences.	حساب اختلافات جزئيه
Integral calculus.	حساب تمامي
Differential calculus.	حساب جزئيات
Double entry.	حساب مزوج
Infinetesimal calculus.	حساب مقادير لامتناهي
Book-keeping by double entry.	حساب و كتاب ذو اندراجين
Resurrection.	حشر اجساد
Peat.	حشيش متحجر
Truth.	حق
Fauna.	حيوانات
Mollusks.	حيوانات مفصليه

(خ)

Achromatic microscope.	خورد بين بے رنگ
Cave bear	خرس كهفي
Exodus.	خروج

English	Urdu
Circumference.	دور
Circulation of blood.	دوران خون
Tertiary period.	دور ثالثه
Post Tertiary period.	دور ثالثه الاخري
Miocene period.	دور ثالثه اوسطی
Quaternary period.	دور رابعه
Glacial period.	دور زمهريريه
Eccentrics.	دوائر مختلف المركز
Balance wheel.	دولاب تعديل
Double star.	دهرا ستاره
Depression.	دهس
Sun dial.	دهوپ گهڑي
Gnomon.	دهوپ گهڑي کا کانٹا
Ecstatic meditation.	دهيان اور گيان
Abbey.	دير
Theology.	دينيات
Colossus.	ديو هيكل مجسمه

(ذ)

English	Urdu
Calamite.	ذنب الفرس
Mammals.	ذوات الثدي

(ر)

English	Urdu
Heresiarch.	راس الملاحده
Reaction.	رد عمل
Observatory.	رصد گاه
Pendulum.	رقاص ساعت
Friction.	رگڑ
Remontoir.	رمنتار
Planing machine.	رنده کي کل
Toleration.	رواداري
Tradition.	روايت
Cotton gin.	روئي سے بنولے جدا کرنيکي کل-
Myrtle.	ريحان

(ز)

English	Urdu
Parallax.	زاويه اختلاف منظر
Horizontal parallax.	زاويه اختلاف منظر افقي-
Lens.	زجاجه
Greater inequality of Saturn.	زحل کي عدم مساوات اکبر-
Pleistocene Age.	زمانه ثانيته الثالثه جديد-
Stone Age.	زمانه حجريه
Neolithic Age.	زمانه حجريه جديد

Palaeolethic Age.	زمانه حجريه قديم
Bronze Age.	زمانه نحاسيه
Heresy.	زندقه

(س)

Intransgressible term.	ساعت موقوت
Tropical year.	سال انقلابي
Sidereal year.	سال كوكبي
Auditory sense.	سامعه
Semitic.	سامي
Silhouette.	سايه سياه
Velocity of light	سرعت نور
Predestination.	سر نوشت ازلي
Quadrangular plane.	سطح ذواربعةالزوايا
Inclined plane.	سطح مايل
Sophistry.	سفسطه
Papal Nunico.	سفير پاپا
Congeries of stars.	سلسلة الكواكب
Cephalic Ganglia.	سلعة الراس
Nervous Ganglia.	سلعة الاعصاب
Forecastle.	سلوقيه
Zenith.	سمت الراس
Canopus.	سهيل
Semony.	سيمونيت

(ش)

Olfactory Sense.	شامه
Laurel.	شجرة الغار
Depravity.	شقاوت
Ellipse.	شكل اهليلجي
Hyperbola.	شكل بعيد البيضوي
Binomial Theorem.	شكل ذوعد دين
Parabola.	شكل قريب البيضوي
Spheroid.	شكل مثيل كره
Conoid.	شكل مثيل مخروط
Statistics.	شمار و اعداد
Comet.	شهاب ثاقب
Meteoric stream.	شهابه متوانيه
Burning Mirror	شيشه آتشي

(ص)

Thunder bolt.	صواعقه
Conservation of Force.	صيانت قوت

Ivy.	عشق پیچاں
Infallibility.	عصمت
Grace.	عفو
Orthodoxy.	عقاید راشده
Pleiades.	عقد ثریا
Intellect.	عقل
Passive Intellect	عقل انفعالي
Active Intellect	عقل فعال
Universal Intelligence.	عقل کل
Individual Intellect.	عقل منفرد
Objective Intellect.	عقل موجود في الخارج
Subjective Intellect.	عقل موجود في الذهن
Dogma.	عقيده مذهبي
Pantheism.	عقيده همه اوست
Notation.	علامات نويسي
Cause.	علت
Final cause.	علة العلل
Secondary cause.	علت ثانوي
Gnomon.	علم
Metallurgy.	علم استخراج معدنيات

(ط)

Coal bearing strata.	طبقات زغال
Palaeozoic formations.	طبقات قديمه تحتانيه
Stratum.	طبقه
Physicists.	طبيعيين
Ecliptic.	طريق الشمس
Ordeal.	طريقه ابتلا
Method of increments.	طريقه اضافات
Derivative functions.	طريقه اعمال استخراجي
Variations.	طريقه تغيرات
Fluxions.	طريقه فضلي
Metric system.	طريقه عطاريه
The Deluge.	طوفان نوح
Longitude.	طول البلد

(ع)

Ecstacy.	عالم حال
Digit.	عدد مفرد
Nonentity.	عدم
Latitude.	عرض البلد
Transubstantiation.	عشاے رباني

Jurisprudence.	علم اصول فقه
Harmonics.	علم الاصوات
Economics.	علم اقتصاد
Anthropology.	علم الانسان
Mythology.	علم الاوثان
Psychology.	علم النفس
Dynamics.	علم تحریک اجسام
Anatomy.	علم تشریح ابدان
Physiology.	علم تشریح اعضا
Topography.	علم تعبیر بلدان
Mechanics.	علم جر اثقال علم حرکات وحیل
Meteorology.	علم حوادث الجو
Zoology.	علم حیوانات
Medicine.	علم طب
Geology.	علم طبقات الارض
Physics.	علم طبیعیات
Conic sections.	علم فصول مخروطي
Scholasticism.	علم کلام
Chemistry.	علم کیمیا
Hydrostatics.	علم مائیات
Trigonometry.	علم مثلث
Spherical trigonometry.	علم مثلث کروي
Optics.	علم مناظر و مرایا
Botany.	علم نباتات
Astronomy.	علم هیئت
Profane learning.	علوم دنیویه
Sacred learning.	علوم دینیه
Mechanical.	علي سبیل الاضطرار
Theoretically.	علي سبیل النظر

(غ)

Incandescent gas.	غاز مستوقد
Calend.	غره ماه
Opaque.	غیر شفاف
Endless screw.	غیر متناهي پیچ
Amorphous.	غیر مقرر الشکل

(ف)

Safety lamp.	فانوس سلامتي
Theological odium.	فتوائے بدعت
Hippopotamus amphibious.	فرس البحر ذو عنصرین
Gnostics.	فرقه ادریه
Sectarianism.	فرقه بندي

English	Urdu
Stoics.	فرقه جبريه
Agnostics.	فرقه لا ادريه
Reaping machine.	فصل کے لاوني کرنيکي کل
Space.	فضا
Genius.	فطانت
Metallic Oxide.	فلزاتي اکسيد
Platonism.	فلسفه اشراقيه
Neo Platonism.	فلسفه اشراقيه جديد
Peripateticism.	فلسفه مشائيه
Annihilation.	فنا
Theosis.	فنا في اللهي
Hermenuetics.	فن تفسير نگاري
Horticulture.	فن چمن بندي
Mammoth.	فيل شعراني

(ق)

English	Urdu
Inflammability.	قابليت اضطرام
Refrangibility.	قابليت انعطاف
Omnipotent.	قادر مطلق
Canon law.	قانون دينيه
Immutable law.	قانون غير متغير
Efficay of litanies.	قبوليت استغفار
Pharmacopoea.	قرابا دين
Conjunction of planets.	قران سيارگان
Fate.	قسمت
Ecclesiasticism.	قسيسيت
Destiny.	قضا و قدر
Pole.	قطب
Greater or Equitorial diameter.	قطر استوائي يا قطر اکبر
Less or Polar diameter.	قطر قطبي يا قطر اصغر
First inequality of the moon.	قمر کي عدم مساوات اولين
Evection.	قمر کي عدم مساوات ثانيه
Force.	قوت
Perpendicular force.	قوت عمودي
Oblique force.	قوت غير مستقيم
Electro magnetism.	قوت مقناطيسيه کهر بائيه
Hypothesis.	قياس

(ک)

English	Urdu
Universe.	کائنات
Genesis.	کتاب پيدايش
Tile Library.	کتب خانه خشتي

Tube rose.	گل شب بو
Ranunculus.	گل شقيق نعماني
Marigold.	گل صدبرگ
Mowing machine.	گهاس کاٹنے کي کل
Chronometer.	گهڑي

(ل)

Agnosticism.	لا ادريت
Atheism.	لا مذهبی
Llamaism.	لاماٸيت
Antennae.	لامسه رونگٹے
Anchor.	لنگر (گهڑی کا)
Rifled gun.	لولبی النلويب (بندوق)

(م)

Matter.	ماده
Antidulivian.	ماقبل طوفان
Ultramontane.	ماوراء الجبال
Half moon.	ماه نيم ماه
Automaton.	متحرک بالذات کل
Retina.	متشبکه

Holy Scriptures	كتب مقدسه
Density.	كثافت
Polygamy.	كثرت ازدواج
Pollysylablic.	كثير الهجا
Cardinal.	كردينال
Rhinoceros with chambered nostrils.	كرگدن مشبک المناخر
Sphere.	كره
Armillary sphere.	كره فلكي
Ark.	كشتي نوح
Gravity.	كشش ثقل
Atonement.	كفاره
Dead beat.	كلاله
Carbonite of lime.	كلس مفحم
Universals.	كليات
Church.	كليسا
Amber.	كهربا
Offing.	كهلا سمندر
Chemical laboratory.	كيميا خانه

(گ)

Rotaion.	گردش

Madonna.	مریم عذرا
Reflecting sextant.	مزولہ انعکاسی
Land surveying.	مساحت
Undulatory theory of light.	مسئلہ ارتعاش نور
Evolution.	مسئلہ ارتقا
Antepodes.	مسئلہ تقابل رجلین
Fatalism.	مسئلہ تقدیر
Nebular theory	مسئلہ ضبابیۃ النجوم
Theory of the Fall.	مسئلہ ھبوط آدم
Equation of the centre.	مساوات مرکز
Quadratic Equations.	مساوات درجہ چہارم
Cubic Equations.	مساوات درجہ سوم
Equidistant.	مساوی البعد
Rectangle.	مستطیل
Prolate.	مستطیلۃ القطبین
Oblate.	مسطح القطبین
Mastodon.	مسطو دان
Observation.	مشاہدہ
Mystics.	متصوفین
Duplex.	مثنی (کہوٹی یا پرزہ)
Rhapsody.	مجذوبانہ بڑ
Solids.	مجسمات
Pandects of Justinian.	مجلۃ القوانین جستنینئن
Synod.	مجلس عامہ
Occumenical Council.	مجلس عمومی
Metropolitan.	مجلس مطرانیہ
Cathedral chapter.	مجمع الا کلیروس
Magianism.	مجو سیت
Convex.	محدب
Gibbous.	محدب التنویر
Apocryphal.	محرف
Inquisition.	محکمہ احتساب عقاید
Axis.	محور
Resistance.	مدافعت
Orbit.	مدار
Averroism.	مذہب ابن رشد
Anthropocentric.	مرء المرکز
Transit of Venus.	مرور زہرہ

Zodiac.	منطقته البر و ج
Torrid Zone.	منطقه حاره
Temperate Zone.	منطقه معتدله
Panorama.	منظر وسیع
Self luminous.	منیر
Table of chords.	میزان الاوتار
Eolipile.	میزان البخار

(ن)

Herbevorous.	نباتات خوار
Salvation.	نجات
Asteroid.	نجیم
Geocentric system.	نظام ارضی المرکز
Heliocentric system.	نظام شمسی المرکز
Pythagorean system.	نظام فیثا غورث
Theory.	نظریه
Intellegent Principle.	نفس ناطقه
Locomotion.	نقل و حرکت
Naturalism.	نیچریت
Greater inequality of Jupiter.	مشتری کی عدم مساوات اکبر
Lithography.	مطبع سنگ
Purgatory.	مطہر
Phenomenon.	مظہر
Rationalism.	معقولیات
Laboratory.	معمل
Reagent.	معیار (کیمیا)
Minima.	مقادیر اقل
Maxima.	مقادیر اکثر
Indeterminate quantities.	مقادیر غیر معینه
Destiny.	مقدر
Holy Virgin.	مقدس دوشیزه
Contemporaneous magnetic disturbances.	مقناطیسی اختلالات کے حوادث متعاصره
Parallactic rules.	مقیاس اختلاف منظار کواکب
Indicator (distance.)	مقیاس المسافت
Spectroscope.	مقیاس الوان نور منشور
Encyclical Letter.	مکتوب عمومی

(و)

Monosyllabic.	واحد الہجا
The Reformation.	واقعہ اصلاح کنیسہ
Chord - (Trigonometry.)	وتر
Primordial Existence.	وجود اولین
Monotheism.	وحدانیت
Specific gravity.	وزن مخصوص

(ہ)

Bill of exchange.	ہنڈی
Reptiles.	ہوام الارض
Templar Knights.	ہیکلیین
Chaotic mass.	ہیولی

(ی)

Sabbath day.	یوم السبت
Jehovistic.	یہو وائی



The Punjab Steam Press, Brandreth Road, Lahore.

۲۱۵

آخری درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب مستعار
لی گئی تھی مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی
صورت میں ایک آنہ یومیہ دیرانہ لیا جائیگا۔

کتب خانہ

جامعہ عثمانیہ

۱- اراکین مجلس اعلیٰ، مجلس تعلیمی، مجلس انتظامی

بجائے تین ... پانچ کتابیں ایک ماہ کے لئے اپنے پاس رکھ سکیں گے۔

۲- اساتذہ جامعہ عثمانیہ و کلیہ جات ملحقہ و دیگر عہدہ داران جامعہ

اور اراکین دارالترجمہ دس کتابیں ایک ماہ کے لئے اپنے پاس رکھ سکیں گے۔

۳- طلبائے انٹرمیڈیٹ دو کتابیں، بی اے اور انٹرمیڈیٹ

کے طلبہ تین کتابیں، ایم اے، ایل ایل بی و تحقیقاتی جماعتوں کے

طلبہ پانچ کتابیں دو ہفتہ تک اپنے پاس رکھ سکیں گے۔

۴- مدت مقررہ پر کتابیں واپس نہ ہوں تو طلب بحساب

ایک آنہ یومیہ فی کتاب دیرانہ لیا جائے گا۔

۵- نئی طرح کی کتابیں اگر جاری کی جا سکیں گی اور اس غرض کے

لئے کتب خانہ میں کتاب کا لانا لازم ہے۔

۶- کتابوں میں کسی قسم کا نقصان ہو جائے تو مستعیر ذمہ دار

قرار ہوگی۔

۷- کتابوں پر کسی قسم کا نشان یا حاشیہ لکھنا منع ہے

نہ لگایا جائے۔

۸- قلمی نسخے اور حوالے کی کتابیں

جاری نہ کی جا سکیں گی۔ فقط